

مکلی نامہ

مصنف
میر علی شیر قانع

مترجم
ڈاکٹر نواز علی شوق

تصحیح و حواشیہ
پیر حسام الدین راشدی

سندھی ادبی بورڈ



مکلی نامہ

مصنف

میر علی شیر قانع

تصحیح و حواشیہ

پیر حسام الدین راشدی

مترجم

ڈاکٹر نواز علی شوق



سندھی ادبی بورڈ

جام شور و، سندھ

2011ء

کتاب ہذا کے جملہ حقوق سندھی ادبی بورڈ کے پاس محفوظ ہیں
اشاعت اول اگست 2011ء تعداد ایک ہزار

کتاب ہذا کے کسی بھی حصہ کو ادارے کی اجازت کے بغیر، الیکٹرانک یا کسی دوسرے طریقے،
جس میں اسٹوریج یا ریٹریول سسٹم شامل ہو، بروئے کار نہیں لاسکتا۔

قیمت: سات سو روپے

[Price Rs: 700-00]

ISBN 978-969-406-029-3

خریداری کیلئے:

سندھی ادبی بورڈ کتاب گھر

تلک چاڑھی، حیدر آباد سندھ

(Ph: 022-2633679, Fax: 022-9213422)

Email: sindhiab@yahoo.com

[www. Sindhiadabiboard.org](http://www.Sindhiadabiboard.org)

یہ کتاب میسرز ایلیگینٹ پرنٹرز کراچی سے مسٹر الھد تو گھیو سیکریٹری سندھی ادبی بورڈ نے شائع کی۔



یہ کتاب پیر حسام الدین راشدی کی صد سالہ یوم پیدائش
کے سلسلے میں طباعت پذیر ہوئی۔

فہرست

(ج)	۔ الھد تو و گھیو	• پبلشر نوٹ
(د)	۔ ڈاکٹر نواز علی شوق	• مترجم کا نوٹ
1		• تعارف
9		• طبع اول کا نوٹ
12		• مقدمہ
30		• فارسی متن
107	_____	باب اول مکلی نامہ
141	_____	باب دوم پیر مراد شیرازی
169	_____	باب سوم سید محمد جلال (ثانی) بن سید علی اول
215	_____	باب چہارم منشات ماہر کے متعلقہ خطوط
264	_____	باب پنجم شیخ پیر جیو
297	_____	باب ششم میرزا عیسیٰ ترخان ثانی
364	_____	باب ہفتم میرزا کے بیٹے
444	_____	باب ہشتم رانک گورستان
527	_____	باب نہم ترخان دور کی غیر معروف قبریں
566	_____	• حواشی
625	_____	ضمیمہ اول

636	_____	ضمیمہ دوم
639	_____	ضمیمہ سوم
646	_____	ضمیمہ چہارم
653	_____	ضمیمہ پنجم
654	_____	• اضافے اور درستی
661	_____	• حواشی

پبلشر نوٹ

مکلی کا قبرستان مشرق کا سب سے بڑا قبرستان مانا جاتا ہے، جس میں ارغون، ترخان اور مغلیہ دور حکومت کے تقریباً ایک صدی سے بھی پہلے کی عظیم شخصیات کے مقبرے اور مزاریں ہیں، جس میں فاتح، قاضی، عالم، مفکر، ادیب، شاعر، درویش اور خاص و عام شامل ہیں۔

مکلی کے قبرستان کی اہمیت کو دیکھتے ہوئے سندھ کے عظیم محقق اور شاعر میر علی شیر قانع نے ایک مختصر اور جامع کتاب "مکلی نامہ" فارسی زبان میں تصنیف کی۔ جس میں مکلی کے قبرستان میں دفن کیئے ہوئے شخصیات کا احوال اُن کی مزاروں کی جگہ، سن اور واقعے (قصے) قلمبند کیے ہیں، جو کہ سندھ کی تاریخ کے ایک دور کا اہم اور مستند دستاویز ہے۔

اس کتاب کی اہمیت کو مد نظر رکھتے ہوئے بالخصوص سندھ کی تاریخ کے ایک باب کو محفوظ کرنے کیلئے سندھ کے نامور تادمخداں جناب پیر حسام الدین راشدی نے تصحیح اور حاشیے کے ساتھ اس تاریخی دستاویز میں کچھ اضافے اور دُرستیاں کر کے سن ۱۹۶۷ء میں سندھی ادبی بورڈ سے شائع کروایا۔ جس کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۹۳ء اور تیسرا ایڈیشن ۲۰۱۰ء کو منظرِ عام پر لایا گیا۔

اس کتاب کا اردو ترجمہ شائقین علم و ادب کے ہاتھوں تک پہنچانے کیلئے ادارے کی پبلیکیشن کمیٹی نے ڈاکٹر نواز علی شوق کا نام تجویز کیا۔ جنہوں نے نہایت ہی خوش اسلوبی سے

اس ضخیم کتاب کا اردو ترجمہ کر کے ادارے کے سپرد کیا۔ جس کیلئے ادارہ ڈاکٹر شوق صاحب کا تہہ دل سے شکر گزار ہے۔

میں ادارے کے سربراہ جناب قبلہ مخدوم جمیل الزماں صاحب کا بھی ممنون ہوں جنہوں نے کتاب کی اشاعت میں خاصی دلچسپی لی ہے۔ جس کی وجہ سے یہ کتاب تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں اور ادب دوستوں کے ہاتھوں تک پہنچی ہے۔ امید ہے کہ ہماری یہ کاوش شائقین علم و ادب میں مقبول پائی جائیگی۔

الھدٰ تو و گھیو
سیکریری
سندھی ادبی بورڈ

جام شور و سندھ
۵ رمضان المبارک ۱۴۳۲ھ
۱۶ اگست ۲۰۱۱ء

مترجم کا نوٹ

سندھ میں فارسی ادب کے مطالعے سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ سندھ کی دو شخصیات نے سب سے زیادہ فارسی زبان، ادب، تاریخ نویسی اور تذکرہ نگاری پر کام کیا ہے۔ اولاً میر علی شیر قانع (متوفی ۱۲۰۲ھ) کا نام ذہن میں آتا ہے جنہوں نے فارسی زبان میں چالیس سے زیادہ کتابیں تصنیف و تالیف کیں۔ ان کی علمی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر سید خضر نوشاھی نے لکھا ہے: ”میر علی شیر قانع ایک کثیر التصانیف مصنف ہے۔ وہ بیک وقت عالم، شاعر، ادیب، نثر نگار اور محقق تذکرہ نگار ہے۔ قانع نے سندھ کی تاریخ ادب اور رجال کے احوال محفوظ کرنے میں جو کردار ادا کیا ہے وہ ناقابل فراموش ہے۔ اگر وہ مقالات الشعراء، تحفۃ الکرام، مکلی نامہ اور معیار سالکان طریقت جیسی معرکتہ الآرا کتابیں تالیف نہ کرتا تو ہم آج سندھ کی تاریخ، شعروادب اور اس دور کے ہزاروں رجال کے احوال سے قطعی بے خبر ہوتے۔“ (۱)

قانع کے بعد دوسری معزز شخصیت سید حسام الدین راشدی (متوفی ۱۹۸۲ء) کی ہے۔ جنہوں نے سندھ میں فارسی ادب خاص طور پر تاریخ و تذکرہ نویسی پر مثالی کام کیا ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی صاحب نے سید حسام الدین راشدی کی ادبی خدمات کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے: ”سید حسام الدین راشدی بنیادی طور پر تاریخ کے عالم تھے اور تاریخ کے حوالے ہی سے ان کی نظر مختلف علوم و فنون پر تھی۔ پیر صاحب نے سندھ کی تاریخ و تہذیب کے ان بنیادی مآخذ کو مرتب و شائع کر کے سندھ کی علمی و تہذیبی زندگی کو حیات بخشی۔ آج جو سندھ کی نئی نسل علمی و تحقیقی کام کر رہی ہے وہ پیر صاحب کی تالیفات ہی سے روشنی حاصل کر رہی ہے۔ پیر صاحب نے جدید تحقیق کی روایت کو اہل سندھ سے روشناس کرایا۔ ان کی یہ خدمت تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہے گی۔“ (۲)

یہ ایک حقیقت ہے کہ سید حسام الدین راشدی کی کوششوں سے سندھ کے فارسی مخطوطات کافی حد تک محفوظ رہے، خاص طور پر میر علی شیر قانع کا تقریباً سارا ذخیرہ انہی کی کوششوں سے سندھی ادبی بورڈ میں محفوظ کیا گیا اور راشدی صاحب نے ان پر کافی تحقیقی کام بھی کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ سید حسام الدین راشدی نے قانع کو زندہ کیا اور قانع پر عالمانہ کام کرنے کے سبب ان کی علمی شہرت میں اضافہ ہوا۔ میر علی شیر قانع کی اس کتاب کا نام ”بوستان بہار“ ہے۔ قانع نے اس کا سال تصنیف اس شعر سے نکالا ہے :

سال وی گفت بلبل الہام

”بوستان بہار تازہ دل“

(۵۱۱۷۴)

میر علی شیر قانع نے اپنی مشہور کتاب مقالات الشعراء میں اس کا ذکر کیا ہے۔ ”مکلی نامہ“ نظم و نثر پر مشتمل ایک چھوٹا سا رسالہ ہے جو میر قانع کی ایک بیاض میں محفوظ تھا۔ وہ بیاض اول اور آخر سے ناقص تھی، لیکن چونکہ مکلی نامہ درمیان میں تھا اس لیے محفوظ رہا۔ فقط دو اور اوراق ۱۲۲ اور ۱۵۲ کا آدھا حصہ ضائع ہو گیا، ان اوراق میں فقط گیارہ اشعار اور نثر کی چند سطریں محفوظ رہیں۔

سید حسام الدین راشدی نے اس رسالے کی تدوین کی، متن کی تصحیح کی۔ تفصیلی حواشی لکھے، مقابر، مزارات اور عمارات کی تصاویر شامل کیں اور اس کے علاوہ مکلی کا نقشہ بھی شامل کیا۔ یہ کتاب سندھی ادبی بورڈ نے ۱۹۶۰ء میں شائع کی۔ مطبوعہ کتاب میں متن ڈیمی سائز کے ۹۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ سید حسام الدین راشدی نے تدوین کرتے وقت سندھی زبان میں ۴۰ صفحات کا مقدمہ، ۷۳ صفحات کے حواشی، ضمیمے اور اضافے وغیرہ لکھ کر ایک شاہکار کتاب تیار کی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ سید حسام الدین راشدی کو سندھ خاص طور

(۲)

پر ٹھٹھ سے بے پناہ محبت تھی۔ وہ اس شہر کو ہمیشہ حضرت ٹھٹھ نگر کہتے تھے۔ ان کی دلی خواہش تھی کہ اس شہر کے تمام آثار کی تاریخ اس طرح قلمبند کی جائے کہ یہ معلوم ہو کہ یہ دارالسلطنت غزنی اور دہلی سے کم نہیں تھا۔

مکلی نامہ میں میر قانع کے ادیبانہ اور شاعرانہ کمال کے ساتھ سید حسام الدین راشدی کی ایڈیٹنگ کا کمال بھی نظر آتا ہے۔ اس طرح قانع کی یہ کتاب نہ فقط سندھ کے فارسی ادب کا ایک شاعر کا ہے، بلکہ مکلی کی تاریخ اور ٹھٹھ کے معاشرہ کی تہذیب و تمدن کے متعلق ایک مستند دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔ یوں یہ کتاب سندھ کی تاریخ کا ایک اہم ماخذ بھی بن گئی ہے۔

مکلی نامہ کے اشعار مثنوی کے روپ میں منظوم کیے گئے ہیں اور قانع کی نثر مقفیٰ اور مسجع نظر آئے گی۔ قاری نہ صرف قانع کی دلغریب مثنوی سے متاثر ہوتا ہے بلکہ ان کی خوبصورت نثر نگاری بھی دل موہ لیتی ہے۔ اس میں صنایع بدایع کی گلکاری کے ساتھ علم معانی کا حسن اور کمال بھی پوشیدہ ہے۔ سید حسام الدین راشدی نے صحیح لکھا ہے کہ :

”میر صاحب نے مکلی نامہ میں نہ فقط اپنے شاعرانہ کمال کا ایک نادر نمونہ پیش کیا ہے بلکہ فارسی زبان اور نثر پر انہیں جو قدرت حاصل تھی انہوں نے اس کا بھی مظاہرہ کیا ہے۔ مقفیٰ اور مسجع عبارت کے سبب قاری ان کی نظم اور نثر سے بے حد لطف اندوز ہوتا ہے۔ سندھ میں اب تک جو فارسی ادب کا ذخیرہ دستیاب ہوا ہے ان میں یہ رسالہ اسی قسم کے مترنم اور نغماتی نثر کا واحد نمونہ ہے۔ اس میں تشبیہات، استعارات اور تلمیحات کو بے حد خوبصورت انداز میں استعمال کیا گیا ہے جس سے نہ فقط میر صاحب کی معلومات کی وسعت کا انداز ہوتا ہے، بلکہ ان کی زبان دانی اور ایک غیر زبان پر دسترس کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔“ (۲)

میر علی شیر قانع اور سید حسام الدین راشدی دونوں سندھ کے

(ج)

سچے عاشق تھے۔ دونوں محب وطن اور عظیم مؤرخ تھے۔ سید صباح الدین عبدالرحمن نے پیر حسام الدین یاد گاری خطبہ میں فرمایا تھا :

”۱۹۶۵ء میں پیر صاحب (سید حسام الدین راشدی) نے میر علی شیر قانع کے ”مکلی نامہ“ کو بھی تدوین کر کے شائع کیا۔ ان کو میر علی شیر قانع سے کچھ عشق ہو گیا تھا۔ اس لیے کہ وہ ان ہی کی طرح سندھ کے عشق میں سرشار ہے، وہ سندھ کی تاریخ اور سندھ کے شعراء اور فضلاء کا تذکرہ لکھ کر سندھ کو وہ مقام دینا چاہتے تھے جس کا مستحق یہ صوبہ تھا۔ یہی جذبہ پیر صاحب میں بھی کار فرما رہا۔ اس لیے وہ ہر اس چیز کی طرف لپکتے جس سے سندھ کا تاریخی، سیاسی، علمی، ادبی پہلو نمایاں ہوتا۔ مکلی کا گورستان اپنی خاموش زبان سے سندھ کی پچھلی شاندار تاریخ کی یاد دلاتا ہے۔ علی شیر قانع ٹھٹھوی نے ”مکلی نامہ“ لکھ کر اس یاد کو تازہ کرانے کی کوشش کی ہے۔“ (۴)

میر قانع نے مکلی نامے میں مکلی کے مقابر اور آثار کا ذکر ایک تاریخی مقام ”ساموئی“ سے شروع کیا ہے۔ اور اس کا اختتام ایک تاریخی قلعہ طغرل آباد، طغلق آباد (کلاں کوٹ) پر آ کر ختم کیا ہے۔ یعنی شمال سے جنوب کی طرف جو تاریخی مقامات، بزرگوں کے مزارات، میکرانامی ایک جھیل، مشہور تالاب کھیرسر، کھنڈسر، بھراسر وغیرہ، جلوہ گاہ امامین، شاہ پریاں، معبد ہندوان، تاریخی غار اور دیگر کچھ عمارات و مقامات کا ذکر کیا ہے۔

میر قانع نے سب سے پہلے مکلی کا ذکر کیا ہے اور اس کی تعریف و توصیف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

”عجب کوہ نور آبادی کہ شکوہش طور را بہ رشک آتش تجلی
سر نو سوزد و طرفہ مزار گاہ دلشادی کہ دامن نظارہ زایران از روی حضور بہ
”صفا“ و ”مروہ“ میدوزد۔ نامش ”مکلی“ ومی بجامش از ”مکہ لی“ است۔

اگر بتای تواضع کسی درونگر یست

(ط)

بگفت ”مکلی“ گشت زائر مکلی

☆

مغنی بیا یک نوانی بزن
پی سیر ”مکلی“ صلائی بزن
چہ ”مکلی“ بهشت زمین وزمن
زمینش همه رشک کانِ یمن

☆

بهشتی در زمین پر نور جایست
زیارتگاه مردانِ خدا یست

میر علی شیر قانع سندھ کے پہلے مصنف ہیں جنہوں نے سندھ کے مزارات اور تاریخی آثار پر بڑی محبت اور محنت سے دو کتابیں تصنیف کیں۔

ایک ”تحفة الکرام“ اور دوسری ”مکلی نامہ“۔ مکلی نامہ میں انہوں نے مکلی کے مخصوص مقابر اور کچھ تاریخی آثار کا ذکر اپنے مخصوص ادیبانہ اور شاعرانہ انداز میں کیا ہے۔

مکلی اس وقت وہ مکلی نہیں رہا۔ بہت سے مقبرے اور مزار زبوں حالی کا شکار ہو گئے۔ بہت سی خانقاہیں مٹی کا ڈھیر بن گئیں۔ تالاب ویران ہو گئے۔ نہ وہ لوگ رہے اور نہ وہ محفلیں باقی رہیں۔ ہر چیز ویران، تباہ و برباد ہو گئی۔ اگر قانع ان کا ذکر نہ کرتے تو ہم بہت سے آثار سے بے خبر رہتے۔ یہی وجہ ہے کہ مکلی نامہ کو سندھ کی تاریخ اور فارسی ادب میں بڑی اہمیت حاصل ہے، خاص طور پر یہ کتاب ٹھٹھہ کی تاریخ و ثقافت کا اہم ماخذ ہے۔

میں سندھی ادبی بورڈ کے چیئرمین عالی جناب مخدوم جمیل الزماں صاحب، صوبائی وزیر محکمہ بین الصوبائی امور کا بے حد ممنون ہوں کہ ان کی دلچسپی اور تاکید کے سبب یہ کتاب اس خاص موقع پر

(۶)

شائع ہوئی ہے۔ مجھے اُمید بلکہ یقین ہے کہ ان کی سرپرستی اور رہنمائی میں سندھی ادبی بورڈ مثالی ترقی کرے گا۔

حواشی

- (۱) معیارِ سالکانِ طریقت (مقدمہ)، ص: ۴۸، ادارہ معارف نو شاہیہ ساہن پال، ۲۰۰۰ء
- (۲) پیر حسام الدین راشدی اور ان کے علمی کارنامے، سید صباح الدین عبدانرحمن، ص: ر۲، انسٹی ٹیوٹ آف سینٹرل اینڈ ویسٹ ایشین اسٹڈیز کراچی، ۱۹۸۵ء
- (۳) مکلی نامہ، ازقانع، حواشی و تعلیقات: سید حسام الدین راشدی، ص: ۸-۷، سندھی ادبی بورڈ، ۱۹۶۷ء
- (۴) پیر حسام الدین راشدی اور ان کے علمی کارنامے، ص: ۳۴

کراچی۔ 12 فروری 2011ء

نواز علی شوق

تعارف

میر علی شیر قانع کی کتاب مکلی نامہ کا تاریخی نام ”بوستان بہار“ ہے۔ مندرجہ ذیل شعر سے اس کے اختتام کی تاریخ نکلتی ہے:

سال وی گفت بلبِل الہام

بوستان بہار تازہ دل

یہ کتاب میر صاحب نے ۱۷۴۴ء میں اپنی کتاب ”مقالات الشعراء“ سے ذرا پہلے مکمل کی تھی۔ جس میں پہلی بار انھوں نے اپنی تصنیفات میں ”مکلی نامہ“ کا ذکر کیا ہے۔

آج سے بیس پچیس برس پہلے، جب ”مقالات الشعراء“ کا خطی نسخہ میری نظر سے گزرا اور میں نے اس میں ”مکلی نامہ“ کا نام دیکھا، تو اس دن سے میرے دل میں اس خطی نسخے کو دیکھنے اور مطالعہ کرنے کا شوق دامن گیر ہوا۔ آخر گذشتہ سال (۱۹۵۵ء) جب سندھی ادبی بورڈ نے میر قانع مرحوم کے ذاتی کتب خانے کے منتشر اوراق کا انبار خرید کیا، تو اس وقت مجھے برسوں کے بعد اپنا گوہر مقصود دستیاب ہوا۔

یہ رسالہ قصائد کی ایک بیاض میں میر صاحب نے خود نقل کیا تھا۔ بیاض ناقص الاول اور ناقص الآخر ہے، اس لیے معلوم نہ ہوسکا کہ مصنف نے اس بیاض کا کیا نام رکھا تھا، لیکن اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ میر صاحب نے پہلے مسودے سے ”مکلی نامہ“ اسی بیاض میں نقل کیا تھا، اور اس کے بعد اس کی اور کوئی نقل نہ ہوسکی۔ اس لیے یہی واحد نسخہ ہے، جو خوش قسمتی سے محفوظ رہا۔

قصائد پر مشتمل مذکورہ بیاض نہایت خستہ حالت میں منتشر اوراق کی صورت میں تھی، کاغذ اس حد تک بوسیدہ ہو چکے تھے کہ ہاتھ لگانے سے پھٹ جاتے تھے۔ سب سے پہلے نہایت احتیاط اور محنت سے

اس بیاض کو مرتب کر کے اس کی جلد بندی کروائی گئی۔ اس کے بعد یہ بیاض پڑھنے کے قابل ہوئی۔ بیاض اگرچہ نامکمل ہے اور مختلف جگہوں پر اوراق گم ہیں، لیکن چونکہ ”مکلی نامہ“ درمیان میں تھا، اس لیے وہ مکمل طور محفوظ رہا، سوائے دو اوراق (۱۳۳ اور ۱۵۶) کے، جن کا نصف حصہ ضایع ہو گیا تھا۔ ان میں گیارہ اشعار اور چند نثر کی سطریں موجود تھیں۔ (۲)

میر علی شیر قانع نے ”مکلی نامہ“ محض اپنا زور بیان اور شاعرانہ کمال دکھانے کے لیے لکھا تھا، لیکن آج یہ کتاب ہمارے لیے ایک قیمتی تحفہ ہے۔ اس کتاب سے ایک تو میر صاحب کا ادیبانہ کمال نمایان نظر آتا ہے، دوسری خاص بات یہ ہے کہ اس سے ٹھٹھ کے تمدن کی ایک تصویر نظر آتی ہے۔ میر صاحب نے اپنی کتاب میں مکلی کے چند مزارات اور مقابر کا احوال ادیبانہ اور شاعرانہ انداز میں بیان کیا ہے، لیکن اس شاعرانہ اور ادیبانہ انداز بیان میں ضمناً کچھ ایسی باتیں بیان کی گئی ہیں، جن کی ایک تاریخی حیثیت بن جاتی ہے۔ مثلاً اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مکلی کی کون سی خاتقاہوں اور مزارات پر لوگوں کی زیادہ آمد و رفت تھی؟ کون سے بزرگوں کے مزاروں پر عرس کی محفلیں اور میلے منعقد ہوتے تھے؟ ان کے لیے کون سے مہینے اور کون سی تاریخیں مقرر تھیں؟ مرد اور عورتیں بن سنور کر کس طرح کئی کئی دن اور کئی کئی راتیں ان مزارات پر منعقد ہونے والے میلوں اور عرسوں میں گزارتے تھے؟ چاندنی راتوں، موسمِ گرما میں جنوب سے چلنے والی ٹھنڈی ہواؤں اور برسات کے زمانے میں ٹھٹھ کے لوگ کس طرح محفلیں منعقد کرتے تھے؟ راگ رنگ اور ساز و سرود کی محفلیں، میلے ٹھیلے۔ مکلی کا کیا دل فریب منظر ہوتا تھا اور جب ٹھٹھ اور مکلی کا درمیانی نشیبی علاقہ پانی سے بھر جاتا تھا تو مرد اور عورتیں کشتی میں بیٹھ کر سیر و تفریح کرتے تھے۔ یہ انتہا خوب صورت عورتیں ریشمی لباس پہن کر سولہ سنگھار کر کے جب منتیں لے کر بزرگوں کے مزارات پر آتی تھیں، اس وقت عاشقوں کی عید ہو جاتی تھی اور حسین عورتوں کی آمد و رفت قیامت کا منظر پیش کرتی تھی۔

مکلی کا پورا علاقہ رنگارنگ لباس اور حسین چہروں کے سبب باغ و بہار کا منظر دکھائی دیتا تھا۔ جہاں دیکھو حسین چہرے اور حسین مناظر، گویا کہ بہار اپنے جوین پر ہو۔

میر صاحب نے لکھا ہے:

”نظرِ ہا را هجوم تماشاۓ مہ رویان از ہوش میبرد و پیرہن
شکیبا برتن می درد۔ جوانان عشرت دوست، ہمہ مغز خالی از
پوست، تمام روز در باغات می بجامِ گل خورند و آتش در
آشیانہ بلبل زنند۔“

حسین و جمیل عورتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

بتان گلبدن در رنگ لالہ بہ کف دارند از صہبا پیالہ
بہ گیسو دام صیدِ خلق تابند چو صیادان بہ ہر سویی شتابند
بہ ہر سویی خرامان دلبری چند جہانی را کشند و نا شکیند
زیارت گاہ ”شاہ پریاں“ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

”روز خمیس ہر ہفتہ هجوم زیارت زنان پری طلعتان، آنجا
محشر طاقت نظار گیان می شود۔“

اسی سلسلے کے چند اشعار بطور نمونہ دیے جاتے ہیں:

پری رویان بلایِ دین و ایمان در آنجا ہر طرف محشر خرامان

.....

نگاہِ شان نمی دارد یک انداز گہی شوخی گہی عشوہ گہی ناز
بہ چشمانِ سیہ غارتگرِ ہوش کمان زہ کردہ از ابروی تا گوش
زمزگانِ چنگلِ شاہین کشادہ بہ صیدِ مرغِ دل ہر حور زادہ

.....

نگارین دستِ خورانِ خرد شور بی دل بردنِ عاشق قوی زور
چہ گویم در صفاتِ ساعدِ شان کہ باشد در صفایش عقل حیران

.....

بلور و یشم را این تاب نبود عدیلِ رنگِ او سیماب نبود
کمر چون موی شان ہنگام رفتن بود از ناز اندازِ نشستن

شتابان سوی 'مکلی' خیل خوبان چو انجم بر فلک در شب نمایان

.....

یکی را زعفرانی 'چیرہ' بر سر "بسنٹی" پیتہ* دیگر راست افسر
تو گوی رنگ گل کردہ ست طغیان و یا شد زعفران زاری نمایان

.....

بہ ہر گوشہ نشستہ حلقہ حلقہ بتانِ ماہ رو و رشک زہرہ

.....

ازین غارت گرانِ شہر دلہا کرا تابِ صبوری و شکبیا

.....

نہ دُر در گوشِ این خوبان قرین است طلوعِ ماہ و مہر از مشرقین است

.....

رخِ شان کعبۂ اربابِ اسرار غزالانِ حرم چشمانِ طرار

.....

کمان دارند ز ابرو وز مژہ تیر دلِ یکِ عالمی شان راست نخچیر
کشیدہ قامتان چون سرو آزاد خرامِ شان کند صد گلشن آباد
بہ رخ برق و بہ گیسو ابر سیراب عرق رخسار شان را عالمِ آب

.....

کشیدہ ابروان بر روی چون حور بود بسمِ الہی از سورۂ نور
عذارِ شان ندارد خطِ ریحان بود تفسیرِ بیضاوی و قرآن
باین خوبی جو جمعۂ جمع گردند جہان شیرین کنند از یکِ شکر خند

کشتیوں میں بیٹھ کر جب خوب صورت عورتیں سیر و تفریح کے لیے نکلتی تھیں، وہ خوب صورت نظارہ یوں پیش کیا ہے:

بہ کشتی ہا نشستہ فوج خوبان چو اختر در تہ گردون نمایان

.....

نہ تنها اندرین جا سیر دیدہ است گریبانِ دلِ عاشق دریدہ است
بہ محض میر صاحب کی شاعری نہیں، بلکہ ایک حقیقت ہے کہ

ٹھٹھہ کے خوش باش اور زندہ دل لوگ میلوں، محفلوں اور منتوں کے موقع پر اس حد تک اہتمام کرتے تھے کہ مکلی جنت کا ایک حصہ معلوم ہوتا تھا۔ رنج و غم، دکھ درد، مصیبت یا کسی پریشانی کا شائبہ تک نظر نہیں آتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ”تاریخ طاہری“ کے مصنف نے لکھا ہے:

”ہرگز ساکنان و متوطنان آن، غمگین و حزین کسی نیافتہ،

برکم و بیش قناعت داشته بہ عیش و طرب کام و کامرانی می

دارند۔ تا حال (۱۰۳۰ھ) خوشدلی و خرمی کہ درین خلق

است، جای دیگر نیست و نخواهد بود۔“

مکلی اس وقت کافی حد تک تباہ و تاراج ہو چکا ہے۔ کئی مقبرے زمین دوز ہو گئے ہیں۔ کئی خانقاہیں اور عمارات مٹی کا ڈھیر بن گئی ہیں۔ تالاب، پُل اور سیر و تفریح کے مقامات کا اب نام و نشان نہیں رہا۔ ”مکلی نامہ“ اس لیے بھی ہمارے لیے مفید ہے کہ اس سے کئی ایسی عمارات، تالابوں اور پلوں کی نشاندہی ہوتی ہے جن کے متعلق دوسرے ذرائع سے معلومات نہیں مل سکتیں۔ میرزا خسرو چرکس کی رانکہ۔ جس کے متعلق معلوم نہیں تھا کہ کس جگہ پر ہے، اس کی دریافت مکلی نامہ کے ذریعے ہوئی۔

اس طرح مکلی نامہ نہ صرف سندھ کے فارسی ادب کا ایک قابل ذکر شاہ کار ہے، بلکہ مکلی کی تاریخ اور ٹھٹھہ کے تمدن اور معاشرے کے متعلق ایک مستند دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔

میر صاحب نے ”مکلی نامہ“ میں نہ صرف اپنے شاعرانہ کمال کا ایک نادر نمونہ پیش کیا ہے، بلکہ فارسی زبان اور نثر پر انھیں جو قدرت حاصل تھی، انھوں نے اس کا بھی مظاہرہ کیا ہے۔ مقفی اور مسجع عبارت کے سبب قاری ان کی نظم اور نثر سے بے حد لطف اندوز ہوتا ہے۔ سندھ میں اب تک فارسی ادب کا جو ذخیرہ دستیاب ہوا ہے، ان میں یہ رسالہ اس قسم کی مترنم اور نغماتی نثر کا واحد نمونہ ہے۔ اس میں تشبیہات، استعارات اور تلمیحات کو نہایت خوب صورت انداز میں استعمال کیا گیا ہے، جس سے نہ صرف میر صاحب کی معلومات کی وسعت کا اندازہ

ہوتا ہے، بلکہ ان کی زبان دانی اور ایک غیر زبان پر دست رس کا اظہار بھی ہوتا ہے۔ ”مقالات الشعراء“ اور ”تحفة الکرام“ کی سلیس اور سادہ عبارت کو سامنے رکھ کر، جب ان کی اس ادبی تخلیق کی زبان، انداز بیان اور مرصع کاری کو دیکھتے ہیں، تو بے اختیار ان کی علمی بلندی اور فنی گہرائی کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔

یہ رسالہ ۱۱۷۴ھ میں تصنیف ہوا اور دو سو برس بعد سنہ ۱۳۷۴ھ میں راقم نے اپنے کریم الطبع اور شفیق دوست سید محمد مطیع اللہ راشد برہان پوری (۳) سے اس کی نقل کروائی اور اسی حسن اتفاق پر انہوں نے اردو زبان میں ایک تاریخی قطعہ کہا، جس کے آخری اشعار یہ ہیں:

یہ مخطوطہ ملا دو سو برس بعد

ہوئی جس سے دوبالا شانِ مکی
اب اس کو نقل کرنے کی سعادت
ملی ہے مجھ کو میں قربانِ مکی
ضرورت ہے کہ میں بھی پیش کردوں
کوئی تحفہ جو ہو شایانِ مکی
لکھو اس نقل کی تاریخ ”راشد“

یہ ہے آثارِ کوہستانِ مکی
۱۳۷۴ھ

رسالے کی نقل مکمل ہونے کے بعد، نسخے کی تصحیح اور اس پر وضاحتی حواشی لکھنے کا مرحلہ ایک سال کی مدت کے بعد طے ہو سکا۔ اس در بیان حضرت راشد برہان پوری، محترم دوست آغا بدر الدین اور مولانا اعجاز الحق قدوسی نے ہر قدم پر میری مدد کی، جس کے لیے میں اُن کا بے حد احسان مند اور سپاس گزار ہوں، در حقیقت میں شاید اور تاخیر کرتا، لیکن آغا بدر الدین خان (۴) کی امداد اور ہمت افزائی کتاب کی تکمیل تک شاملِ حال رہی۔

جن بزرگوں اور جن مقابر و مزارات کا مکی نامہ میں ذکر آیا ہے، ان پر راقم نے وضاحتی نوٹ لکھے ہیں، جو ”مکی نامہ“ کے آخر میں نمبروں

(۵) کے ساتھ نمایان کر کے شایع کیے گئے ہیں۔ میرزا عیسیٰ ترخان ثانی کی سوانح بڑی محنت کے بعد، پہلی مرتبہ (۶) تیار کی گئی ہے، وہ بھی نوٹس کے سلسلے میں دی گئی ہے۔ اس کے علاوہ میں نے میر علی شیر ”قانع“ کا تذکرہ تفصیل کے ساتھ تیار کیا ہے، جو مکلی نامہ کے شروع میں شایع ہو رہا ہے۔ (۷) اسی میر صاحب کی مہر کا عکس بھی شامل کیا گیا ہے، جو ”طومار سلاسل“ سے لیا گیا ہے۔ ’مکلی نامہ‘ کے خطی نسخے کے دو صفحات کے عکس بھی دیے گئے ہیں، تاکہ مخطوطے اور مصنف کے خط کا نمونہ قاری ملاحظہ کر سکیں۔

اہم جگہوں اور مقابر کی تصاویر بھی شامل کی گئی ہیں، تاکہ قاری تذکرہ کے ساتھ ان تاریخی عمارات کی تصاویر بھی دیکھ لیں۔ مکلی کا ایک نقشہ بھی شامل کیا گیا ہے، جس سے ان مقابر کے آثار کی جائے وقوعہ معلوم ہو سکے۔ یہ نقشے اور ان تصاویر میں سے کئی تصاویر محکمہ آثار قدیمہ سے حاصل کی گئی ہیں، جس کے لیے محکمہ کے ڈائریکٹر مونوس۔ آر کوریل (Monos, R. Curiel) اور آفیس سپرنٹنڈنٹ مسٹر محمد ادریس کا شکر گزار ہوں۔ ان دونوں صاحبان نے نہ صرف مطلوبہ تصاویر عنایت کیں، بلکہ اسی سلسلے میں کئی مرتبہ میرے ساتھ مکلی بھی آئے۔

پروف اور طباعت کی ذمہ داری میرے عزیز دوست مسٹر محمد ابراہیم جویو کے سپرد رہی اور انھوں نے یہ کام حسن اور خوبی سے سرانجام دیا۔ جس کے لیے میں ان کا ممنون و مشکور ہوں۔

حسام الدین راشدی

کراچی
۶ جولائی ۱۹۵۶ء

حواشی

- (۱) یہ طبع اول کا تعارف ہے۔
- (۲) مذکورہ بیاض کے وہ صفحات 'مکلی نامہ' کے متن میں () صورت میں دیے گئے ہیں۔
- (۳) ۱۹۶۰ء میں مرحوم انتقال کر گئے۔ ملاحظہ ہو "نقوش" لاہور میں حفیظ ہوشیار پوری کے مکاتیب بنام سید حسام الدین راشدی۔
- (۴) یہ دوست بھی راقم کو تنہا جھوڑ کر راہی ملکِ عدم ہوا۔
- (۵) وضاحتی نوٹس کے لیے متن میں () کے اندر نمبر دیے گئے ہیں۔
- (۶) موجودہ ایڈیشن میں سوانح کو زیادہ مفصل اور نئے مواد کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔
- (۷) یہ تذکرہ سہ ماہی "مہران" اور "تحفۃ الکرام" کے سندھی اور اردو ترجمے کے شروع میں ملاحظہ ہو۔ موجودہ ایڈیشن میں تصاویر کا اضافہ کیا گیا ہے۔

طبع اول کا نوٹ (۱)

”مکلی نامہ“ میں جن بزرگوں، مشاہیر، مساجد اور مقابر کا ذکر آیا ہے، ان پر ہم نے وضاحتی نوٹ (حواشی) لکھے ہیں۔ ’مکلی نامہ‘ کے متن میں تشریح طلب مقامات پر ہم نے نمبر دیے ہیں۔ انہی نمبروں کو حواشی کے عنوان کے تحت یہاں دیا گیا ہے، تاکہ قاری ان نمبروں کے ذریعے آسانی سے مطلوب حواشی دیکھ سکے۔

بڑی کوشش اور محنت سے متن کے اندر ذکر کیے گئے بزرگوں اور مشاہیر کا مکمل احوال، جو کچھ مل سکا وہ یک جا کر کے قاری کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں اکثر نئی معلومات مہیا کی گئی ہیں۔ خاص طور جام نظام الدین، پیر مراد شیرازی، خسرو چرکس اور میرزا عیسیٰ ثانی کے متعلق زیادہ تر نیا مواد شامل کیا گیا ہے۔ (۲) جو امید ہے کہ قاری کو پسند آئے گا۔ مواد اور معلومات کی فراہمی کے لیے جن کتابوں سے مدد لی گئی ہے، ان کے نام اور صفحات حواشی میں دیے گئے ہیں، تاکہ آئندہ کے محقق کے لیے آسانی ہو۔

مصروفیات کے سبب مکلی کے قبرستان کو بندہ مکمل طور پر نہ دیکھ سکا، اس لیے مکلی نامہ کے کچھ تشریح طلب مقامات حواشی سے رہ گئے ہیں۔ خاص طور چشمہ پیر آسات، شیخ جیو کا تالاب، پیر جیو والا پل، شاہ پریاں، چشمہ ناران سر، بھرا سر تالاب، معبد ہندوان، کھیر سر کا تالاب، ارض پاک مصلیٰ، حوض و چاہ میر محمد یوسف رضوی، سپہسہ لنگ تالاب، زمین میکرا، چشمہ کھنڈ سر، غارہای جبل متصل چشمہ

کھنڈ سر، پیر غیب، موضع معین، اگھور تالاب، ملا داؤد درس وغیرہ۔ ان پلوں، حوضوں اور چشموں میں سے بہت سارے آج موجود نہیں ہیں۔ تاہم ہماری یہ کوشش ہوگی کہ مکلی نامہ کے آئندہ ایڈیشن (۳) میں مذکورہ بالا مقامات کے متعلق وضاحتی نوٹ شامل کیے جائیں، تاکہ اس ایڈیشن میں جو کمی رہ گئی ہے، وہ پوری ہو جائے۔ ہم مکلی نامہ میں ذکر شدہ سب مقبروں کی تصاویر نہیں دے سکے ہیں۔ امید ہے کہ آئندہ ایڈیشن میں زیادہ تصاویر دی جائیں گی۔

سید حسام الدین راشدی

کراچی

۱۸ ستمبر ۱۹۵۶ء



حواشی

- (۱) یہ نوٹ طبع اول کے حواشی میں دیا گیا ہے۔
- (۲) اس ایڈیشن میں مزید مواد کا اضافہ کیا گیا ہے۔
- (۳) اس ایڈیشن میں ان میں سے کچھ مقامات کے متعلق حواشی دیے گئے ہیں۔

[illegible]

[illegible]

سوسائٹیاں اور ان کے مسائل

مقدمہ

مسلمانوں نے تاریخ کو ایک فن کی حیثیت دی، ان کی مختلف شاخیں اور شعبہ جات ایجاد کیے، جن میں سے ایک شعبہ مزارات اور آثار کی تاریخ ہے، اور اس موضوع پر ہر دور میں کتابیں لکھی گئیں، جن کا تعلق مختلف شہروں اور مختلف ممالک سے تھا۔ ان کتابوں میں اصحابِ کمال کے مقابر اور ان کی ابدی آرام گاہوں کی صورتِ حال کے احوال کے سلسلے میں نہایت ہی قیمتی مواد جمع کیا گیا، جس سے تاریخ، سوانح اور تذکرہ نگاری کے سلسلے میں خاص رہ نمائی ہوئی، اور کئی مشکل مسائل اور عقدے حل ہوئے۔ مثلاً سوانح میں اکثر یہ نہیں بتایا جاتا کہ صاحب سوانح کہاں دفن ہوئے، کون سے محلے یا کون سے قبرستان میں، کس جگہ ان کا مزار تعمیر ہوا۔ وفات کی تاریخ، دن، ماہ اور سال درج نہیں کیا جاتا۔ ایسے مشکل مقام پر، ایسی کتابیں رہ نمائی کرتی ہیں اور ان کے ذریعے ہی الجھے ہوئے مسائل سلجھ جاتے ہیں، اور اس طرح ساری الجھنیں دور ہو جاتی ہیں۔

اس فن یا موضوع پر عربی زبان میں قدیم کتاب علامہ ہروی (۱۱۱۱ھ) کی ”الاشارات فی معرفۃ الزیارات“ کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ جس میں مؤلف نے مختلف شہروں اور ممالک میں مدفون بزرگوں، مشاہیر اور اہل کمال کے مزارات کا احوال اور کافی حد تک چشم دید احوال بیان کیا ہے۔ (۱)

کچھ بزرگوں کی تحریر اور تحقیق کا یہی موضوع رہا ہے۔ مثلاً ابن طولون دمشقی (۹۵۳ھ) جنہوں نے دمشق کے مزارات اور مقابر پر کئی کتابیں لکھیں۔ مثلاً:

۲- بهجة الحبيب في اخبار الكتيب (حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر

- کے لئے مخصوص ہے)۔
- ۳- تفریح الغم فی زیارت مغارة الدم۔
- ۴- قرۃ العیون فی اخبار باب جیرون۔
- ۵- ملجاء الخائفین فی ترجمہ سیدی ابی الرجال و سیدی جندل بمنین۔
- ۶- مخ الجلیل فیما ورد فی مقام الخلیل۔
- ۷- المقصد الجلیل فی کھف جبریل۔
- ۸- نشوة الصبوة فیما روی فی الربوة (۲)۔
- ۹- زینب الكبرى۔
- عربی زبان میں اس موضوع پر مندرجہ ذیل کتب موجود ہیں:
- ۱۰- تحفة الاحباب و بغیة الطلاب فی الخطط و المزارات و التراجم و البقاع المبارکات۔ الحافظ علی بن حامد السخاوی الحنفی۔
- ۱۱- المقابر المشهورة والمشاهد المزورة۔ تالیف علی بن انجب بغدادی متوفی ۵۷۴ھ۔
- ۱۲- تحفة الزائرین و بغیة الطالبین فی مشہد الامام زید بن زین العابدین و مشہد الامام الحسین بن الامام علیؑ: تالیف محمد بن عبدالغفار بن صلاح الدین الجمزوری الخلوئی۔
- ۱۳- کتاب الاشارات الی اماکن الزیارات ابن حورانی۔
- ۱۴- شد الازار فی حط الازار عن زوار المزار۔ معین الدین شیرازی۔ تالیف ۷۹۱ھ۔ یہ کتاب شیراز کے مقابر کی زیارت گاہوں پر مشتمل ہے۔ یہ پہلی کتاب ہے جس میں شیخ سعدی کی صحیح کنیت اور نام کسی اور کتاب سے نقل کیا گیا ہے۔
- ۱۵- زیارات: قاضی نجم الدین الفرضی (۱۰۹۰ھ)۔
- ۱۶- الاشارات فی اماکن الزیارات۔ یاسین الفرضی (۱۰۹۵ھ) میں لکھی گئی۔
- ۱۷- نبذة لطيفة فی المزارات الشریفة۔
- ۱۸- کتاب الزیارات بدمشق۔ قاضی محمود عدوی (وفات ۱۰۳۲ھ) (۳)۔
- ۱۹- جزء للنعمی فی مسجد عائلة و عویلة۔

- ۲۰- ذیل الروضتین۔ ابو شامۃ۔
- ۲۱- قبر الامام سیوطی۔ احمد تیمور پاشا۔ (۴)
- ۲۲- الخطط والاثار۔ مقریزی۔
- ۲۳- وفاء الوفا باخبار دار المصطفیٰ۔ علامہ السمودی۔ مدینہ طیبہ کے آثار اور مقابر کی تاریخ پر۔
- ۲۴- الاعلام بأعلام بیت الحرام۔ علامہ قطب الدین متوفی ۹۸۸ھ
- ۲۵- شفاء الغرام۔ مکہ مکرمہ کی تاریخ و آثار پر۔
- ۲۶- الجامع اللطیف فی الفضل المکة و اهلها و آثارها۔ یہ کتاب مکہ معظمہ کی تاریخ، مقابر اور آثار پر لکھی گئی ہے۔
- مندرجہ بالا کتب، سوائے کچھ جزوی کتابوں کے، جن میں مقابر کے ساتھ شہر کی تاریخ اور تاریخی مساجد اور مقامات کا احوال بھی دیا گیا ہے، باقی سب مخصوص قبور کے احوال پر مشتمل ہیں۔ کچھ کتابیں ایسی بھی ہیں جن کا تعلق فقط ایک یا دو قبروں سے ہے۔ مثلاً: زینب الكبرى، قبر امام سیوطی اور تحفة الزائرین و بغیۃ الطالبین۔
- اسی موضوع پر فارسی زبان میں کئی کتابیں موجود ہیں، جن میں سے مندرجہ ذیل کتب بطور مثال پیش کی جاتی ہیں:
- ۱- ملتسم الاحباء خالصاً من الزیاء: یہ کتاب مذکورہ بالا کتاب شدالذار کا فارسی ترجمہ ہے، جو مؤلف کے صاحب زادے عیسیٰ نے کیا ہے۔ اس کتاب کو ”ہزار مزار“ بھی کہا جاتا ہے۔ (۵)
- ۲- مقصد الاقبال: از میر عبداللہ الحسینی ہروی مشہور بہ اصیل الدین شیرازی۔ یہ کتاب ہرات کے مزارات کے متعلق ہے۔ (۶)
- ۳- باقیات الصالحات: ذیل مزارات ہرات۔ از عبید اللہ بن ابو سعید ہروی ۱۱۹۸ھ۔
- ۴- تاریخ ملا زادہ: از احمد بن محمود معین الفقرا۔ یہ کتاب بخارا کے مزارات کے متعلق ہے۔ (۷)
- ۵- قندیہ: یہ کتاب سمرقند کے مزارات کے متعلق ہے اور القند فی تاریخ سمرقند کی تلخیص ہے۔ (۸)

- ۶- سمریہ: از ابو طاہر خواجہ سمرقندی۔ سمرقند کے مزارات کے متعلق ہے۔ غالباً ۱۲۵۱ھ میں تالیف ہوئی۔ (۹)
 - ۷- روضۃ الجنان و جنات الجنان: از حافظ حسین کربلائی تبریزی، تالیف ۹۷۵ھ۔ یہ کتاب تبریز کے مزارات کے متعلق ہے۔ (۱۰)
 - ۸- مزارات کرمان: از محرابی کرمانی۔ دسویں صدی کے نصف اول میں کرمان کے مزارات پر لکھی گئی۔ (۱۱)
 - ۹- تاریخ مزارات بلخ: از محمد صالح خان اوزبک (۱۰۰۶ھ)
 - ۱۰- روضۃ اطہار: از ملا حسری۔ تالیف ۱۰۱۱ھ دوبارہ مزارات تبریز۔
 - ۱۱- تاریخ مدفونین بلخ و حالات سمرقند (۹۸۱ھ)
 - ۱۲- مناقب مزارات بخارا شریف (لینن گراڈ میں اس کا نسخہ موجود ہے۔ نمبر ۳۹۰ ہے)
 - ۱۳- رسالہ مزارات بخارا شریف (پشاور یونیورسٹی میں اس نسخہ کا نمبر ۹۹۹ ہے) ممکن ہے نمبر ۱۲ اور ۱۳ والی ایک ہی کتاب ہو۔
 - ۱۴- تذکرۃ القبور: از عبدالکریم۔ یہ کتاب اصفہان کے مقابر کے متعلق ہے۔ (۱۳)
- اسی تتبع پر ہندوستان میں جو کتابیں لکھی گئیں، ان میں مندرجہ ذیل کتب مشہور ہیں:
- ۱- آثار الصنادید: از سر سید احمد خان۔ دہلی کے آثار و مقابر پر اردو میں لکھی گئی۔
 - ۲- احوال گور و پاندہ: از منشی شیم پرشاد (۱۹ ویں صدی عیسوی) (۱۴) یہ کتاب گور اور پاندہ کے مزارات کے متعلق ہے۔
 - ۳- سیر المنازل: از سنگی بیگ۔ یہ کتاب دہلی کے مقابر اور آثار کے متعلق ہے۔ (۱۵)
 - ۴- آثار خیر: از محمد سعید مارہروی۔ یہ کتاب اردو زبان میں ہندوستان کے تاریخی آثار اور کتبات کے متعلق ہے۔ ۱۳۲۳ھ میں آگرہ سے شایع ہوئی۔

- ۵- رسالہ سالار جنگ: حالات مقابر دہلی۔ (۱۶)
- ۶- غرابت نگار: از عبدالحق دہلوی۔ یہ کتاب اردو زبان میں ۱۸۷۴ء میں لکھی گئی۔ کتاب کا یہ تاریخی نام ہے جس سے ۱۸۷۴ء نکلتا ہے۔ یہ کتاب ہندوستان کے تاریخی آثار اور مقابر کے متعلق ہے۔ ۱۸۷۶ء میں دہلی سے شائع ہوئی۔
- ۷- مزارات اولیاء دہلی: از محمد عالم شاہ فریدی دہلوی۔ یہ کتاب اردو زبان میں ہے اور اس کے دو ایڈیشن شائع ہوئے۔ ایک ۱۳۳۰ء میں اور دوسرا ۱۳۴۱ء میں۔
- ۸- سیر دہلی: از خواجہ حسن نظامی۔ یہ کتاب اردو زبان میں شائع ہوئی۔ اس کا پانچواں ایڈیشن ۱۹۲۷ء میں شائع ہوا۔
- ۹- تاریخ عمارات شاہان مغلیہ: از منشی کالے خان۔ معروف بہ آگرہ گائیڈ۔ آگرہ پریس سے اس کا پانچواں ایڈیشن ۱۹۳۳ء میں شائع ہوا۔
- ۱۰- مزارات حرمین شریفین: از علی شبیر۔ یہ کتاب اردو زبان میں ۱۳۴۷ء میں حیدرآباد سے شائع ہوئی۔
- ۱۱- مائر دکن: از علی اصغر بلگرامی ناظم آثار قدیمہ۔ یہ کتاب اردو زبان میں ۱۹۲۲ء میں شائع ہوئی۔ اس میں حیدرآباد کے بہت سے مقابر کا ذکر ہے۔
- ۱۲- مرقع دہلی: از سید احمد، ۱۹۰۳ء۔ یہ کتاب سر سید کی آثار الصنادید کے تتبع پر لکھی گئی ہے۔
- ۱۳- ارمغان سلطانی: سیر گلبرگہ۔ از مولوی محمد سلطان۔ حیدرآباد ۱۳۴۳ء۔ یہ کتاب اردو زبان میں لکھی گئی، جس میں گلبرگہ شریف کے مقابر اور آثار کا احوال دیا گیا ہے۔
- ۱۴- حیدرآباد کی مشہور عبادت گاہیں، درگاہیں اور مذہبی عمارتیں: اس کتاب میں حیدرآباد کی مشہور خانقاہوں، عبادت گاہوں اور مذہبی عمارات کا احوال دیا گیا ہے۔ یہ کتاب اردو زبان میں لکھی گئی ہے اور سرشتہ معلومات عامہ سرکار حیدرآباد کی طرف سے

شایع ہوئی۔ ۱۳۵۲ فصلی۔

انگریزوں نے اپنے دورِ حکومت میں محکمہ آثارِ قدیمہ قائم کر کے نہ صرف قدیم مقابر، تاریخی مقامات اور قدیم آثار کو محفوظ کیا، بلکہ مقابر کے احوال اور کتابت پر خصوصی طور پر کتابیں لکھوا کر ہند و پاک کی تاریخ کی اہم کڑیاں ضایع ہونے سے بچالیں۔ چنانچہ Epegraphia Indo-Muslimica کا پورا سلسلہ اسی موضوع پر ہے۔ ہندوستان میں جو انگریز فوت ہوئے اور وہیں دفن ہوئے، ان کی قبروں کے متعلق کتابیں لکھوائی گئیں، تاکہ ان کی تاریخیں اور قبروں کے نشانات گم ہونے سے بچ جائیں۔ چنانچہ "A List of Inscription on Christian Tombs and Monuments in the Punjab. N.W.F. Kashmir and Afghanistan. (By M. Irwing- 1910) اس سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

موجودہ دور میں بھی مسلمان اس موضوع سے غافل نہیں ہیں۔ چنانچہ مصر، شام، عراق، ایران اور افغانستان میں اس وقت بھی کتابیں لکھی جارہی ہیں۔ مثلاً:

۱- آثار ہرات از خلیلی۔

۲- خیابان از فکری۔

۳- گازر گاہ از فکری۔

۴- مزارات کابل از خلیلی افغانستان میں: اور

اقلیم پارس از مصطفوی۔

۲- آثار اصفہان از ڈاکٹر ہزفر۔ تازہ ایران میں شایع ہوئی ہیں۔

اسی موضوع پر سندھ میں قدیم زمانے میں کام ہوا۔ چنانچہ ہماری معلومات کے مطابق اسی سلسلے کی تین کتابیں بہت ہی اہم اور قابل ذکر ہیں:

۱- تحفة الکرام: جس میں میر قانع نے جابجا مقابر کی نشان دہی

کی ہے۔

۲- تحفة الطاہرین: جس میں شیخ اعظم نے ٹھٹھہ شہر اور مکلی

کے مدفونین کا ذکر کرتے ہوئے قبروں کے نشان اور ان کے متعلق مفید

معلومات مہیا کی ہیں۔

۳۔ اسی سلسلے کی تیسری کتاب مکلی نامہ ہے۔ جسے ہم آئندہ صفحات میں مفصل حواشی کے ساتھ شایع کر رہے ہیں۔ جس میں مصنف نے مکلی کے چند مقابر اور کچھ آثار کا احوال اپنے مخصوص شاعرانہ انداز میں قلم بند کیا ہے۔

سندھ ایک ایسا تاریخی ملک ہے، جو علم و عرفان کا مرکز رہا ہے۔ یہ صحابہ کرام اور اولیائے عظام کا آستانہ ہے۔ اس کا ہر شہر، ہر قصبہ اور قریہ مشہور شخصیات کے مزارات اور مقابر سے بھرا پڑا ہے۔ اسی سلسلے کی اور بھی کتابیں ہوں گی، لیکن ہمیں فی الحال فقط مذکورہ تین کتابوں کا علم ہے۔

مکلی نامہ کے مصنف میر علی شیر قانع کا تعلق مذکورہ بالا کتاب مقاصد الاقبال کے مؤلف سید اصیل الدین دشتکی شیرازی کے خاندان سے ہے۔ انہوں نے جس وقت مکلی نامہ تالیف کیا یا تحفۃ الکرام میں جابجا مختلف مزارات، مقابر اور خاقاہوں کی نشان دہی کر رہے تھے، اس وقت گویا وہ اپنے پیش رو بزرگ میر اصیل الدین کی پیروی اور تتبع کر رہے تھے۔

در حقیقت سندھ کے اس پُر نویس اور ہمہ گیر مؤرخ اور مصنف نے مکلی نامہ اپنے شاعرانہ جذبے کی آسودگی، مقفیٰ اور مسجع نثر نویسی کے مظاہرے کے لیے لکھی تھی، لیکن جس صورت میں ان کے ضمیر یا فطرت میں تاریخ دانی اور تاریخ نویسی کا شوق اور جذبہ موجود تھا، اسی لئے لکھتے تھے۔ انہوں نے علی الحساب بہت سے تاریخی حقائق کے علاوہ بہت سی تمدنی باتیں بھی بیان کی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مکلی نامہ کو نہ صرف ایک ادبی حیثیت حاصل ہے، بلکہ تاریخی مواد کے سبب اس کتاب کو ہماری تاریخ میں بھی اہم مقام حاصل ہے۔ (۱۷)

میر قانع (متوفی ۱۲۰۳ھ) نے مکلی نامہ میں مکلی کے مقابر اور آثار کا ذکر ساموئی سے شروع کر کے تغلق آباد (کلان کوٹ) تک پہنچا کر ختم کیا ہے۔ یعنی شمال سے جنوب کی طرف آثار کو یوں ترتیب دیا ہے:

- ۱- سید محمد حسین المعروف بہ شاہ مراد شیرازی۔
- ۲- سید جمال: ان کا مزار گنبد میں ہے۔ (؟)
- ۳- شیخ عیسیٰ لنگوٹی: سید محمد جمال (؟) (۱۸) کے گنبد (۱۹) کے الٹے ہاتھ شیخ کی درگاہ ہے۔ درگاہ سے ان کا نظارہ بڑا دل کش اور دل فریب نظر آتا ہے۔ مہینے کی ۱۴ اور ۲۰ تاریخ کو شیخ کے مزار پر میلہ لگتا ہے۔ اور لوگ سیر و تفریح کے لیے ان باغات میں آتے رہتے ہیں اور سارا دن وہاں بسر کرتے ہیں۔
- ۴- شیخ حماد جمالی: گنبد میں دفن ہے۔
- ۵- جامع مسجد مکلی۔
- ۶- قاضی عبداللہ: مسجد کے ایک طرف (؟) قاضی عبداللہ کا مزار ہے، جہاں ہر جمعرات کی شام، اساتذہ اپنے شاگردوں کو لے آتے ہیں اور دعائیں مانگتے ہیں، تاکہ ان کا ذہن کھل جائے، اور وہ علم میں نام پیدا کریں۔
- ۷- جام نظام الدین: مسجد کی دوسری طرف (مشرق میں) جام نظام الدین کی رانکہ ہے، جس پر گنبد نہیں ہے۔
- ۸- تالاب: جام کے مقبرے کے نشیب میں ایک خوب صورت تالاب ہے۔
- ۹- شیخ جیو: ان کی درگاہ پر ہر پیر کی رات بہت سے لوگ زیارت کے لیے آتے ہیں اور ساری رات وہاں بسر کرتے ہیں۔ خاص طور پر مہینے کی پہلی پیر کی رات کو عظیم الشان میلہ لگتا ہے۔
- ۱۰- پیر آسات: ان کے مقبرہ پر ہر ۲۸ شعبان کو میلہ لگتا ہے۔
- ۱۱- پیر آسات کا چشمہ: مقبرے کے ساتھ ایک قدرتی چشمہ ہے، جس میں صاف پانی بہتا رہتا ہے اور اس کے ایک کنارے پر درخت موجود ہے۔ (شاید یہ چشمہ اس وقت عبداللہ شاہ کے احاطے میں آگیا ہے)۔
- ۱۲- تالاب پیر آسات: سیڑھی کے پاس (؟) ایک تالاب ہے، جو برسات کے پانی سے بھر جاتا ہے۔
- ۱۳- تالاب شیخ جیو: شیخ کی درگاہ کے متصل بھی ایک تالاب ہے۔ برسات کے موسم میں جب پیر آسات والے تالاب کا پانی شیخ والے تالاب

سے ملتا ہے تو اس وقت 'کوثر اور تسنیم' کی آمیزش ہو جاتی ہے۔ شیخ کے تالاب کے اوپر ایک پل ہے، جہاں سے برسات کے موسم میں آمد و رفت ہوتی ہے۔

۱۴۔ خسرو خان کی رانک: شیخ جیو والے تالاب کے اوپر خسرو خان کی رانکہ ہے۔ مغرب کی طرف سے سیدھے اور داہنے طرف اُس کے اندر ایک نشیمن ہے، جس کا رخ تالاب کی طرف ہے۔ (یہ غالباً وہی رانکہ ہے، جس کو اس وقت سات چڑھی کہا جاتا ہے)

۱۵۔ شاہ پریاں: چہار دیواری کے اندر چند قبریں ہیں۔ عورتوں کے اعتقاد کے مطابق یہ شاہ پریوں کی قبریں ہیں۔ ہر جمعرات وہاں عورتوں کا میلہ لگتا ہے۔ (میر قانع نے اس مقام کی تعریف میں بڑے مبالغے سے کام لیا ہے)

۱۶۔ میرزا عیسیٰ کی رانک: رانکہ کے دروازے کے سامنے دو رویہ دکانیں ہیں اور ان کے آس پاس چشمے ہیں۔ (یہ دکانیں اب موجود نہیں ہیں۔ دروازے سے جو پگڈنڈی سیدھی جان بابا کے مقبرے کی طرف جاتی ہے، یہ دکانیں شاید اس پگڈنڈی کے دونوں طرف تھیں۔ آج کل جب کھدائی کی گئی تو پتھر کی بنیادیں ظاہر ہوئیں)۔

۱۷۔ چشمہ ناران سر: یہ چشمہ میرزا عیسیٰ کی رانکہ سے متصل ہے۔ (۲۰)

۱۸۔ بھرا سر: یہ تالاب میرزا کے پڑوس میں ہے۔

۱۹۔ معبد کالکان: پہاڑی کے دامن میں ہندوؤں کا ایک معبد ہے۔ وہاں سے لے کر ٹھٹھ شہر تک نشیبی زمین ہے۔ برسات کے موسم میں جب یہ نشیبی علاقہ بھر جاتا تھا تو لوگوں کی آمد و رفت کشتیوں کے ذریعے ہوتی تھی، اور لوگ تفریح کے لیے کشتیوں میں بیٹھ کر خوب سیر و تفریح کرتے تھے۔

۲۰۔ کھیر سر تالاب: میرزا عیسیٰ کی رانکہ سے لے کر اسی تالاب تک کی سرزمین سرسبز اور مخملین ہے۔ سبزے کے علاوہ سایہ دار درخت بھی ہیں۔

۲۱۔ جلوہ گاہ امامین: لوگ جب کھیر سر تالاب کی سیر سے سیر ہو جاتے

ہیں، تو پھر اس طرف جلوہ گاہ امامین کی زیارت کے لیے آتے ہیں اور وضو کھیر سر کے پانی سے کرتے ہیں۔

۲۲- ارض پاک مصلیٰ: (عید گاہ اور کنواں) جلوہ گاہ امامین کی زیارت کے بعد لوگ ارض پاک مصلیٰ آتے ہیں۔ جس کے چاروں طرف سبزہ ہی سبزہ ہے۔ دیوار کے متصل محراب کے سامنے ایک گہرا کنواں ہے، اس کنویں کے اندر سے ایک درخت باہر کنویں پر چھتری کی طرح سایہ دار نظر آتا ہے۔

۲۳- سید محمد یوسف رضوی: اس کے بعد سید محمد یوسف کا مرقد ہے، جس کے صحن میں ایک حوض ہے جو چاہ کنعان سے بھی گہرا ہے۔ اس حوض کے کنارے ایک لمبا سایہ دار درخت ہے، جس کی شاخیں ثریا تک پہنچتی ہیں اور اس کی جڑیں تحت الثریٰ تک ہیں۔

۲۴- سہسہ لنگ تالاب: سید یوسف کے مزار سے ہو کر جب پہاڑی سے نیچے اتریں گے، تو اسی پہاڑی کے دامن میں سہسہ لنگ (۲۲) نامی ایک تالاب ہے۔ (اس وقت اس کو بکھر کی جھیل کہا جاتا ہے، جو جنوب مشرق کی جانب ہے)

۲۵- میکرا: اسی جھیل کو سرزمین میکرا کہا جاتا ہے۔ یہ حصہ نہایت ہی خوب صورت اور روح پرور ہے۔

۲۶- پیر شیخ عالی: میکرا کے مغرب کی جانب پیر شیخ عالی کی خانقاہ ہے۔

۲۷- کھنڈ سر کنواں: اسی خانقاہ میں ایک کنواں ہے، جسے کھنڈ سر کہا جاتا ہے، جس کا پانی شکر کی طرح میٹھا ہے۔

۲۸- غار: میکرا جھیل کے پاس درگاہ پیر عالی کے مغرب کی جانب جبل کے اندر بہت سے غار ہیں، جہاں اللہ کے ولی اعتکاف کرتے تھے۔ (شاید ان غاروں میں سے ایک میں شاہ جنید عبادت کرتے تھے)

۲۹- ہندوؤں کی عبادت گاہ: اسی طرح انہی کناروں کے قریب جو گیوں اور سنیاسیوں کی عبادت اور ریاضت کے آستانے ہیں، جہاں دور دور کے جوگی آکر ریاضت کرتے تھے۔

۳۰- پیر غیب: اسی پہاڑی کے ساتھ تھوڑے فاصلے پر ایک پہاڑی پر پیر غیب کا مزار ہے۔ جہاں عقیدت مندوں کا ہر وقت میلہ لگا رہتا ہے۔ میلے کی خاص تاریخ پر شہر کے سارے لوگ آکر جمع ہوتے ہیں۔ برسات برسانا پیر غیب کی مشہور کرامات میں سے ایک ہے۔

۳۱- طغرل آباد: (کلان کوٹ) یہ تاریخی مقام مدتوں سے ویران ہے۔ برسات کے موسم میں لوگ تفریح کے لیے یہاں آتے تھے۔ زیوں شدہ قلعہ کے آثار اور عمارات کی اینٹوں اور پتھروں کے ڈھیر نظر آتے ہیں۔ اس کے اندر بہت سے تالاب تھے، جو اب ویران ہیں۔ ایک عظیم الشان مسجد ہے، جس کے کھنڈرات اور دیواریں اُس کی عظمت کی گواہی دیتے ہوئے اس کی ویرانی پر مرثیہ خوان ہیں۔

۳۲- اگھور تالاب: طغرل آباد یا تغلق آباد کی پہاڑیوں کے نیچے قلعے کے شمال میں اگھور نامی ایک تالاب ہے۔

۳۳- ملا داؤد درس: طغرل آباد سے چار پانچ میل دور پہاڑی کی اسی شاخ پر ملا داؤد درس کی خانقاہ ہے، جہاں مسلسل تین روز عجیب و غریب میلہ لگتا ہے۔ وہاں کوئی درخت نہیں، صاف میدان ہے، اس لیے میلے کے موقع پر لوگ شامیانہ یا موٹی چادریں لے کر آتے ہیں اور ان کے نیچے بیٹھے رہتے ہیں۔ خانقاہ کے احاطے میں ایک مسجد ہے۔ مسجد کی دیواروں کے ساتھ بہترین آرام دہ نشیمن بنے ہوئے ہیں، جن کے سامنے پہاڑوں کے نیچے صاف اور شفاف پانی کے تالاب ہیں۔ چاندنی راتوں میں ان نشیمنوں سے دل نشین نظارہ قابل دید ہوتا ہے، تا حد نظر چاندنی نظر آئے گی، جو روح کی راحت اور قلب کی فرحت کا باعث ہے۔ ہر جمعرات کی شام وہاں میلہ لگتا ہے۔ خاص طور پر ہر ماہ کی پہلی جمعرات عقیدت مندوں کا ہجوم قابل دید ہوتا ہے۔ ربیع الاول کی ۱۱ اور ۱۲ تاریخ کو بڑا میلہ لگتا ہے۔ (۲۳)

مکلی نامہ میں شاعرانہ مبالغہ آرائی اور کلام کی رنگینی کو چھوڑ کر، باقی جو کارآمد احوال ملتا ہے، وہ ہم اوپر بیان کرچکے ہیں۔ کتاب مکلی نامہ ۱۷۴۳ء میں لکھی گئی۔ آج اسی مذکور کو دو سو برس سے

بھی زیادہ عرصہ گزر چکا ہے، ظاہر ہے جس صورت حال کا قانع نہ نقشہ پیش کیا ہے، وہ اتنے طویل عرصے کے بعد تبدیل ہو چکا ہے۔ خاتقاہیں ویران ہو گئیں، میلے جھمیلے ختم ہو گئے، سبزے کا نام و نشان نہیں رہا، آج کل ہر طرف ویرانی ہی ویرانی ہے۔

مذکورہ بالا آثار کے متعلق پہلے ایڈیشن میں، مشاہدہ نہ ہونے کے سبب راقم نے حواشی نہیں لکھے تھے، موجودہ ایڈیشن کے حواشی میں مواد میں غیر معمولی اضافے کے علاوہ شیخ عالی، سید یوسف اور شاہ پریاں کے متعلق نئے حواشی دیے گئے ہیں، لیکن پھر بھی بہت سے آثار پر حواشی نہیں لکھے گئے۔

بہت کوشش کے باوجود راقم کچھ آثار کے مشاہدے سے محروم رہا، جائے وقوع کا صحیح پتا معلوم نہ ہو سکا، اس لیے مجبوراً مندرجہ ذیل آثار پر مفصل حواشی لکھنے سے قاصر ہوں۔ اگر کبھی موقع ملا تو ان پر مفصل حواشی ضرور لکھوں گا۔

۱- ارض پاک مصلیٰ۔

۲- چاء محاذی محراب عید گاہ۔

۳- غارهای جبل مشرق رویہ زمین میکرا۔

۴- پیر غیب۔

۵- اگھور تالاب۔ (نزد طغرل آباد)

۶- ملا داؤد درس، مسجد و تالاب۔

مندرجہ ذیل آثار ہم متعین نہیں کرسکے ہیں، لیکن موجودہ ایڈیشن میں ان کے متعلق جو بھی مواد مل سکا وہ شامل کیا گیا ہے۔

۱- چشمہ ناران سر۔

۲- چشمہ بھرا سر۔

۳- چشمہ کھیر سر۔

۴- تالاب سپسہ لنگ۔

۵- معبد ہندوان۔ (?)

مکلی نامہ کا متن راقم الحروف نے مختصر حواشی کے ساتھ پہلی

مرتبہ ۱۹۵۶ء میں سندھی ادبی بورڈ کے سہ ماہی ”مہراں“ کی دو اشاعتوں (۳-۴) میں شایع کروایا۔ کتاب کی افادیت کو مدنظر رکھتے ہوئے سندھی ادبی بورڈ نے اس کو کتابی صورت میں دوسرے ایڈیشن کے طور پر چھاپنے کا فیصلہ کیا۔ جس کی تعمیل میں موجودہ ایڈیشن تیار کیا گیا ہے۔

اس ایڈیشن کا متن ۱۹۵۹ء میں شایع ہو چکا تھا، لیکن حواشی کی تکمیل میں ۹ سال لگ گئے۔ راقم الحروف کے ابتدائی تین برس علالت میں گزر گئے۔ بقیہ عرصہ مواد جمع کرنے اور حواشی لکھنے میں بسر ہوا۔ مختلف مشاغل کے سبب لگاتار لکھنے سے قاصر رہا، اس لیے موجودہ کتاب کے علاوہ سات سو صفحات وقفہ وقفہ سے اکثر سفر کے دوران ملک کے مختلف شہروں میں اور باہر، ریل اور جہاز کے سفر کے دوران لکھے گئے۔

میں سمجھتا ہوں کہ لکھنے کی اس بے ربطی کے سبب تحریر میں کہیں تشنگی رہ گئی ہوگی۔ ہوسکتا ہے کہ کہیں ربط برقرار نہ رہا ہو اور کہیں کہیں واقعات اور بیان کی تکرار نظر آئے۔ اس کے باوجود میں نے پوری کوشش کی ہے کہ ہر مضمون ممکن حد تک کوتاہیوں اور خامیوں سے پاک ہو، تاہم میں کوئی دعویٰ نہیں کرسکتا، قاری سے خطاؤں کی چشم پوشی اور مشورے کا طلب گار ہوں۔ خاص طور پر متن میں جو غلطیاں رہ گئی ہیں، ان کی اصلاح کے لیے ملتجی اور منتظر ہوں۔ کتاب کا متن میری غیر حاضری میں ایک ایسے چھاپ خانے سے شائع ہوا، جو صحیح معنوں میں چھاپ خانہ تھا ہی نہیں۔ نہ صرف کمپوزنگ خراب اور چھپائی بے کار ہے، بلکہ اس میں کئی غلطیاں بھی رہ گئی ہیں، جس کے لیے راقم شرمندہ ہے۔

حواشی کی طباعت وفائی پریس میں ہوئی ہے، میں نے ہر ممکن کوشش کی ہے کہ نہ صرف کمپوزنگ اچھی ہو، بلکہ عبارتوں میں بھی کوئی غلطی رہ نہ جائے۔ اس سلسلے میں، میں وفائی پریس کے مالک عزیزم علی نواز وفائی اور پریس کے مہتمم محترم عبدالرحیم صاحب کا

بے حد شکر گذار ہوں۔ ان دونوں حضرات نے مجھے ہر قسم کی آسانی فراہم کی۔ بعض پروف پانچ مرتبہ پڑھنے پڑھے، کہیں کمبوز شدہ عبارت میں تبدیلی کرنا پڑی۔ مجھے یقین ہے کہ میری اس کتاب سے پریس کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا ہوگا اور یہ احسان رسمی شکریہ ادائی سے کہیں زیادہ ہے۔

کتاب کا مواد جمع کرنے میں، میں نے بڑی محنت کی ہے، قاری اس کا بہ خوبی اندازہ لگا سکتا ہے۔ سندھ کی تاریخ کا کافی ذخیرہ ان صفحات میں جمع کیا گیا ہے۔ دیبل اور ٹھٹھہ کی تاریخ، سما خاندان کا نسب نامہ اور اس پر نوٹ، گجراتی سلاطین سے سندھ کے سما خاندان کی عزازت و قربابت، عیسیٰ ترخان ثانی کا احوال، نسب نامہ (۲۴) دارا شکوہ کی سندھ میں آمد، ترخانوں کے مقبرے اور ان کے نقشہ جات اور کتبات۔ یہ سب ایسے مضامین ہیں، جن پر اس سے پہلے اتنی تفصیل اور گہرائی سے نہیں لکھا گیا۔ مجھے یقین ہے کہ سندھ کی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے لوگوں کے لیے یہ حقائق کار آمد ثابت ہوں گے۔

سندھ کی تاریخ پر کوئی خاطر خواہ کام نہیں ہوا۔ فقط منتشر مقالات اور کتابچے لکھے گئے ہیں لیکن تحقیق اور تفصیل سے کوئی کام نہیں ہوا۔ اس کا بڑا سبب یقیناً یہ بھی ہے کہ مطلوبہ مواد یک جا میسر نہیں، کتابوں میں کم، لیکن کتابوں سے باہر زیادہ ہے۔ خود کتابوں کا مسئلہ بھی کوئی آسان کام نہیں ہے۔ سوائے چند متداول کتابوں کے دوسرے کتابی مواد کا علم اور وہاں تک رسائی ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ قبرستانوں تک پہنچنا اور ان پر لکھے ہوئے کتبات نقل کرنا، سندھ میں کوئی دستوری اور مروج طریقہ نہیں رہا۔

سندھ کی تاریخ تب مرتب ہوسکے گی، جب زیر زمین دفینے کھودے جائیں۔ تاریخی مقامات کی تلاش کے بعد ان پر تحقیق ہو۔ سندھ کی تاریخ پر لکھی گئی کتابیں تلاش کر کے جمع کی جائیں۔ سندھ کے باہر کتابوں میں سندھ کے تاریخ پر جو کچھ مواد میسر ہو وہ بڑے پیمانے پر تلاش کر کے یک جا کیا جائے۔ کسی قدیم ملک، کسی قدیم تہذیب اور

کسی نجیب قوم کی تاریخ لکھنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ خصوصاً سندھی قوم، جس کے اصول، عادات و اطوار، جس کا نقطہ نظر اور مسائل کے متعلق جس کے نظریات مخصوص اور غیر معمولی ہوں۔ اس کی فکر اور روش کو سمجھ کر، اس کا تجزیہ کر کے صحیح تاریخ لکھنے کے لیے بڑی محنت اور جان فشانی کی ضرورت ہے۔

ہم نے اس سلسلے میں ابھی تک کوئی خاص کوشش نہیں کی۔ سندھ کی مفصل اور مستند تاریخ کی طلب کرنا میرے خیال میں زیادتی ہے۔ سب سے پہلے منتشر مواد جمع کیا جائے۔ اس وقت ہمیں انفرادی طور پر نہیں، بلکہ اجتماعی قوت سے ایک قومی تحریک کے جذبے کے تحت مواد جمع کرنا چاہیے۔ عمارت کی تعمیر کے لیے سب سے پہلے مطلوبہ سامان جمع کرنا پڑتا ہے، اس کے بعد عمارت کی تعمیر شروع کی جاتی ہے۔

تاریخ کی بنیادی کتب سب سے پہلے شایع کرنے کے متعلق میں نے جو کاوشیں کی ہیں، اس کا خاص سبب بھی یہی ہے۔ مختلف کتابوں پر میں نے جو حواشی اور مقدمے لکھے ہیں، ان کا مقصد بھی یہی ہے۔ چنانچہ مکلی نامہ میں جو مواد شامل کیا گیا ہے، وہ مندرجہ بالا اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے جمع کیا گیا ہے اور اس کتاب کو بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی سمجھنا چاہئے۔

یہی وقت ہے کہ ہم مواد فراہم کریں۔ اگر میں سندھ کی تاریخ نہ لکھ سکا تو کوئی اور لکھے گا۔ بہر حال جب تک مواد میسر نہیں ہوگا، تب تک کچھ نہیں لکھا جائے گا۔

در حقیقت مکلی کے قبرستان میں ہماری تاریخ کا اتنا خزانہ مدفون ہے کہ اگر سالہا سال تحقیق کی جائے، تو بھی یہ مہم مکمل نہیں ہوگی۔ بلکہ ہوسکتا ہے کہ خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ ہو۔ بہر حال جوں جوں لوگوں میں اپنے آبائی وطن اور ملکی تاریخ کا شوق بڑھے گا، تو مکلی اور مکلی کے مقابر اور شخصیات زیر بحث آئیں گی۔ یہ نہ ایک وقت کا کام ہے اور نہ ایک موقع کا معاملہ ہے۔

آخر میں ان دوستوں کا شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں، جنہوں نے اس علمی کام میں میری مدد کی۔ مشہور سندھ دوست جرمن خاتون اینمری شمل کا احسان مند ہوں۔ در حقیقت موصوفہ کی تحریک اور تجویز پر میں نے اس کام کی ابتدا کی، اور ان کی ہمت افزائی اور تاکید آخری وقت تک شامل رہی۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے اس عرصے میں تھکاوٹ محسوس نہیں کی۔

عزیزم محمد ابراہیم جویہ اور غلام ربانی کا احسان مند ہوں، جنہوں نے سندھی ادبی بورڈ کے کارکن کی حیثیت کے علاوہ ذاتی طور بھی میری مدد کی۔ اسی طرح مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی، عزیزم علی نواز وفائی اور محکمہ آثار قدیمہ کے دوست عزیز محمد ادریس صدیقی، ڈاکٹر عبدالغفور، جناب بیگ صاحب (لائبریرین) اور مجید صاحب (اورسیر مکلی) کا احسان مند ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان سب دوستوں کو سلامت، شاد اور آباد رکھے۔ آمین۔

حسام الدین راشدی

کراچی

۷ جولائی ۱۹۶۶ء

حواشی

- (۱) مطبوعہ دمشق ۱۹۵۳ء ابی الحسن علی بن ابی بکر الہروی المتوفی بجلب ۶۱۱ھ
- (۲) ملاحظہ ہو الفلک المشحون فی احوال محمد بن طولون۔
- (۳) مطبوعہ دمشق ۱۹۵۶ء
- (۴) مطبوعہ قاہرہ ۱۳۴۶ھ
- (۵) مطبوعہ شیراز ۱۳۲۰ شمسی۔
- (۶) اس کتاب کی تلخیص خواجہ حسن نظامی نے اپنے سفرنامے میں دی ہے۔ اصل کتاب جناب فکری سلجوقی ہروی، دو ضمیموں اور تتمہ کے ساتھ عن قریب کابل سے شایع کر رہے ہیں۔
- (۷) آقای گلچین معانی نے تہران سے شایع کی ہے۔
- (۸) آقای ایرج افشار نے تہران سے شایع کی ہے۔ اس موضوع پر کئی کتابیں تھیں، جو بدقسمتی سے گم ہو گئیں۔ ایرج افشار نے کتاب کے مقدمے میں ان کے نام دیے ہیں۔
- (۹) آقای ایرج افشار نے اس کتاب کے دو ایڈیشن شایع کیے ہیں۔
- (۱۰) مطبوعہ بنگاہ نشر و ترجمہ تہران۔
- (۱۱) مطبوعہ ۱۳۳۰ شمسی۔
- (۱۲) مطبوعہ اصفہان ۱۳۲۴ شمسی۔
- (۱۳) اس رسالہ کو احمد حسن دانی نے اپنی کتاب Muslim Architecture in Bengal میں بطور ضمیمہ شایع کیا ہے۔
- (۱۴) ریو- ج ۱ ص ۴۳۱
- (۱۵) ریو- ج ۲ ص ۵۵۸
- (۱۶) اس سلسلہ میں طبع اول کا مقدمہ ملاحظہ ہو، جو دوبارہ اس ایڈیشن میں شامل کیا گیا ہے۔
- (۱۷) سید عالی کے مقبرے کے باہر سید جلال کی چھتری ہے۔ کہتے

ہیں کہ اس سے متصل مغرب میں سید جمالی کی قبر ہے۔

(۱۸) سید جمال کا نہیں، بلکہ سید عالی کا گنبد ہے۔

(۱۹) 'سر' ہندی زبان کا لفظ ہے۔ جس کی معنی 'ہیں تالاب یا جھیل۔ شاہ عبداللطیف نے اپنے چند اشعار میں یہ لفظ استعمال کیا ہے۔ کشمیر میں دو تالاب ہیں، ایک تارسر، دوسرا مارسر۔ ملا توفیق کشمیری نے اپنے ایک شعر میں انہیں بطور تشبیہ استعمال کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

در یاد دو زلفِ بتِ کشمیر نوادی

شد تارسر و مارسر از گریہ دو چشم

تذکرہ حسینی کے مؤلف نے لکھا ہے کہ: مخفی نماند کہ تارسر و مارسر نام دو تالابی است کہ در کشمیر واقع است۔ (ص ۷۹)

(۲۰) تاریخ طاہری میں اسی تالاب کی طرف یوں اشارہ کیا گیا ہے: ... و بر بالای کوہ مکلی تالابی است کہ آنرا کیر سر می نامند۔ یعنی تالاب شیرین۔ ایلٹ نے اس کا ترجمہ کھیر اُتلُ کیا ہے۔ (ص ۲۷۴ جلد اول) عبدالرحیم شاہ مرحوم کی کوٹھی کے جنوب مشرقی کونے میں ایک قبرستان ہے، جسے کھاری سر کا قبرستان کہا جاتا ہے۔ جو مخدوم محمد ہاشم کے احاطے سے تقریباً دو سو فٹ کے فاصلے پر ہے۔ ایسے ہی تالابی کے سبب یہ مناسبت معلوم ہوتی ہے۔

(۲۱) گجرات میں بھی اسی نام سے ایک تالاب ہے۔ تاریخ گجرات کے مؤلف سید ابوظفر ندوی نے اسی کتاب میں لکھا ہے (مطبوعہ اعظم گڑھ ۱۹۵۸ء ص ۳۹۰) گجرات کے ترک گورنر، نظام الملک جونا بہادر (۷۴۶-۷۶۳ھ) کے دور میں ملک طغی کی پیروی کرتے ہوئے اسی حوض پر منزل انداز ہوئے تھے۔

(۲۲) مکلی نامہ کا یہ اختصار راقم الحروف نے منیلا (فلپائن) میں ۳ نومبر ۱۹۵۹ء میں تیار کیا تھا۔

(۲۳) ترخان نامہ میں ہم نے ترخانوں کا نسب نامہ شایع کیا ہے۔ یہاں دیے گئے نسب نامے میں مزید تصحیح کی گئی ہے۔

[۱۲۳] وبه نستعين

بسم الله الرحمن الرحيم

رَبِّ يَسِّرْ

وَتَمِّمْ بِالْخَيْرِ

الهی از بحارِ فیضِ یکِ نم
 به جامِ گلِ بده نوشی چو شبنم
 لبی تر خواهم از صافِ ثنایت
 شعورِ ما و هوشِ ما فدایت
 چکیدنِ بخشِ دل را چون سرشکِ آب
 ز جویِ عینِ حمدِ خویش و هاب
 زبانم کن چوسوسن سبزد در کام
 چو گلِ سیپارهٔ تن صرفِ یکِ جام
 مَیمِ ده لیکِ سرجوشِ حقیقت
 که لب تر سازم اندر حرفِ حمدت

آب و رنگ گل گفتار موقوف آبیاری بهار بیرائی که زبان سوسن مو
 برآورده عده احصای بوقلمونی صنایع او است، و سرورِ کیفیتِ مُل تذکار
 سرخوش حمد طرب افزائی که لبِ جام تبخاله ریز گرمی نشئه بیخودیهای
 مشاهدهٔ بدایع وی است. غنچهٔ خونینِ دل اگر نه وابستهٔ رنگ آمیزی قدرت
 نیرنگیهایش بودی، به دستِ نسیم در چمن عقدهٔ خاطرش نه کشودی،
 و ساغر صافی گل اگر نه ورد پرورد درد مستان مصطفی معرفتش نمودی،
 شبنم صاف دست چسان آرایش وجودش پاک زدودی. برای دست ریشان
 تحریر نیایش آلالی بی منتهایش شنجرف سای شفق خا، وبه جهت سینه
 خراشان فکر تقریر توصیف محامد والایش سوادکاری شام مومیای بی بها.
 سفیده ای که در صدف مهر نمایان است صرفِ حک حروف باطلهٔ صفحات

قلوب ثنا گران او، و نقره ای که در جام ماه حل کردند وقف تذهیب خاطر سپاسیان او. اوراق سبزه را افشان ترشح قابل تحریر، رنگ بدایع نقوش قدرت او کرده، و کاغذ ابری هوا را تذهیب تقاطر لایق تسطیر، نیرنگ غرایب صور ندرت او نموده. سنبها را قلم مویهر رنگ صفحات بساطین صنایعش، و هزاران را زبان حق گوجهت، اظهار بی چونیهای بهار بدایعش، فسبحانه ما أعظم شأنه.

بود لاله ز دردش داغداری
ازو در خاطر گل خسته خاری
نه تنها نغمه سنج اوست بلبل
همین نه بوی وی افشا کند گل
ز کل تا جزو جزوی این گلستان
ورق گردان جزو حمد رحمان

[۱۲۳] نسیم سرمست شمیم بهار، همرنگی او صباوار هوای اظهار، نیرنگی وی برشکل قطره ای از بحار قدرت بی مثالش، و بهار نفعه ای از بوستان مکرمست بی زوالش. سبزه بر زمین انگشت شهادت آسودگان خاک، و گلها لخت جگر شهیدان عشق هلاک. ابرها به هوا داریش اشک ریزان، و برق در نار شوقش چون ماهی بر تابه طپان. آبها روان راه جستجویش، بادها سر گرم جوش بویش. خاکها ظرف بهار بدایع صنایع او، و آتوها آتشین نعل مشاهده صنایع بدایع او. انهار ازو آبی بجو دارند، و ازهار ازو بوئی به دماغ می کارند. اشجار را برگ ساز فکرت او، و طیور را سر پرواز قضای محمدمت او.

تعالی الله زهی نقاش تر دست
که گل را ز آب و آتش يك گره بست
خط ریحان بنسخ وی فرستاد
که از یاقوت لاله کلک خوش داد
زد آتش در پرند زمهریری
به دست جامه پوشان حریری

شفق را عیدیِ عشرت به کف داد
 براتِ خرمی بر لیلِ معتاد
 بشوید مشقی سوسن ز شبنم
 غبار از روی او گردیده زان کم
 به جانِ عشق پیچان تاب داده
 به سنبلِ رنگِ مشکِ ناب داده
 دهد ابروی گل را وسمه زر
 شقایق را به دست از خون محضر
 به نرگس داده آن جامِ ملبب
 که در مستیش دارد دائما تب
 هزاران داستان آموزِ شوقش
 ریاحین مست آبِ جویِ ذوقش
 ضمیران را ضمیر از رنگِ او پُر
 به خیری داده رنگ و رونقِ خور
 سمن را مشربِ صافی ز جویش
 به نسرين آب و رنگِ گفتگویش
 ندانم جانِ صندل را چه درد است
 که رنگش گاه سرخ و گاه زرد است
 ندانم از کداسی نخلِ موزون
 بود آشفته ذایم بیدِ مجنون
 چنار از شوقِ او آتش تهِ جان
 بود شمشاد زان تلواسه لرزان
 صنوبر قد کشید اما به حیرت
 بود هر سر و پا قایم به فکر
 به شوقِ کیست این دریا خروشان
 به لب کف سلسله در پا و جوشان

شرر در سنگها از آتش چيست
 به جان مهر ریشه در تب کيست
 [۱۲۵] زسنگ آید برون آغشته خون
 ندانم لعل را باشد چه مضمون
 ضمير کان پر از اندیشه اوست
 که باشد خون محضش مغز در پوست
 زبان را در بیان قدرت او
 چو زنبق رسته از ته کام صد مو

و بعد گل افشانی بهار حمدت و ثنا جوش رنگ ازهار، صلوات و دعا
 نثار روضه سامعه افروز ساکنان ملای اعلیٰ، امجد مجتبا، سند اصفیا، سید
 انبیا، احمد محمد مصطفی است، که به شیرینی لذت نامش قلم را از بنان
 جوی شیر روان، و به شکر فروشی عدّ العامش سخن را به زبان منطق طوطی
 ترجمان.

چو طفل غنچه نا دیده دبستان
 ببر سیپاره اسرار رحمان
 ندیده گر بنانش از قلم درد
 به يك انگشت دستان مه قلم کرد
 نبودش گرچه با خط آشنا دست
 خط نسخی بر ادیان سلف بست

سَيِّمًا سُمَّهَدًا مُجَدِّدًا مَوْلَى الْمَوْلَى عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ الصَّلَاةُ مِنَ اللَّهِ
 مخصوص قُرْبَتِ أَنْتَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسَى سَيِّدِ الْأَوْلِيَاءِ عَلَى
 مرتضیٰ است، که هوای کویش محرمان بیت الله را بهانه، وفدای جویش
 هواداران خلد را نشانه.

ز خاك مرقدش يك بوی در گل
 ز جعد قنبرش موی است سنبل
 چمن صباغ رنگ روی آتش

بهار آشفته جوش خیالش
 جو غنچه چونکه آهنگِ سفر کرد
 گلِ زخمِ محبت را بسر کرد
 بلی عشاق را چون یار خواند
 گلِ نذر طلب سویش دواند

از تقاضای وقت آنکه ابرِ مطیرِ کلکم به آبِ طراوت افزای مستمعان
 ترشچی فرماید، و از آبیاری طبعِ مطرا کشتی بیان در عمان صفات ایام
 برشگال سیری نماید، باشد که ارواحِ پاکِ پیرانِ مکی مدد کنند، و زمام
 هوشم از خود پرستی برکنند.

درین ایام که نشئه ملِ عشرت رسا، و کیفیت صهبای مسرت دوبالا؛
 مجمعی به رَحیقِ موالات صاحب دور، و گروهی به صافی صفوت مسرور؛
 سیرِ اخترانِ چشمکِ لطفِ ساقی، و گردشِ گردونِ دورانِ ساغرِ مهرِ مشتاقی؛
 حَبْذا دستی که به جامِ معرفت آشنا است، و مرحبا سری که مدام را درو
 جلا؛ آئینهٔ خاطران با عکسِ خویش هم در مواسات، و دریا دلان با هر خس و
 خاشاکِ گرمِ موالات؛ ضمیرِ اصحابِ قلوب در جامعِ شادابی، و مرکوزِ خواطر
 مرغوبِ غالبه آرایِ چهرهٔ سیرانی، طوطیِ ناطقه قفسِ شکنِ هموم، بلبل
 سامعه آشیانِ سوزِ غموم؛ قوتِ نامیه در اقلیمِ نباتات خیمه طراوت افراشته،
 و قدرتِ شامه در مینو سوادِ ریاحین دانهٔ فرحت کاشته سبزه‌های سیر "نیم
 سیر" هوش ربا، و ریاحینِ هم‌رنگِ معطر سازِ مشامِ دلها.

هوا عنبر فروش و خاکِ مشکین
 زمینِ لبریزِ نفحاتِ ریاحین
 عجب نه بود اگر چشمِ تماشا
 جو مردمِ نافهٔ چین را دهد جا

[۱۲۶] مشربِ صافیِ وقت را نازم، که به یکِ ساغرِ طراوتِ کام
 روزگار را مطرا ساخته؛ و مذهبِ وافیِ عهد را قربانِ روم، که در طبایع به
 اعتدالِ علمِ طرب افراشته. یکِ جانبِ فراشِ سحابِ دیبایِ آبی ابرِ بروجِ هوا
 گسترده، و یکِ طرفِ سقایِ باران به آبِ پاشیها گردِ کلفت از زمینِ پاک

سترده. ترشح عرق روی شاد صفا است و قطرات گلاب گل رعناى هوا. برقه‌ها دشته گداز جگر آلام، و رعد‌ها نوای ساز عشرت ایام. آسمان را از شفق طلیسان معصفری در بر، و زمین را از سیزه چادر سیرابی بر سر. اطفال ریاحین را کله گوشه طراوت کج شده، و شوخان نباتات را نقش در چار سوی زمین نشسته. ندانم آب را زیر سبزه‌ها محل است یا خواب لازم مخمل، نه شناسم ذکر قدسیان است یا نغمه بیخود یهای کویل. کوکلا در ترنم نشاط، و پیه‌ها سر گرم ذکر انبساط. فاخته در جامه قلندرانه یا هو خوان، و قمری را سبق تکرار دوست روان. هوا را کیفیت مدام، و صبا را می فرخ به جام. غنچه چرا تنگ دل نباشد، که حسرت فتوح خاطر خُزنیان سینه اش می‌خراشد. و گل برای چه جامه چاک نسازد، که رشک رنگ چهره می اندود یاران رنگ رویش می باززد. سوسن اگر نه ثناگر این وقت است چه روده زبان نباشد، و نرگس اگر نه متفعل نشئه سرشار این دور است چرا دیده از زمین نباشد. هان عشرت دوستان! موسم نشاط است، و فصلِ مثنای نشه و انبساط.

بده ساقی آن آبِ عشرت سرشت
 که در مرز دل تخمِ کلفت نه کشت
 بده ساقی آن صافی بُرِ فرح
 که دلها ازو می شود منشرح
 بیا ساقی آن سیمِ بگداخته
 بده ساقی آن آتشِ ساخته
 بیا ساقی آن موسیایی روح
 بده ساقی آن سینه‌ها را فتوح
 بده ساقی آن قوتِ انشراح
 بده ساقی آن مایه صد فلاح
 بده ساقی آن منشاء انبساط
 بده ساقی آن شمع بزمِ نشاط
 بده ساقی آن روح جسمِ طرب

بده ساقی آن داروی جمله تب
 بده ساقی آن نوش کامِ فرح
 بده ساقی آن جوش جامِ فرح
 بده ساقی آن کیمیا سازِ دل
 بده ساقی آن محرمِ رازِ دل
 بده ساقی آن نسخهٔ انتعاش
 صلاحِ معاد و حیاتِ معاش
 بیا ساقی آن آبِ حیوانِ پاک
 که خضر است در جستجویِش هلاک
 بیا ساقی آن سلسبیلِ روان
 بیا ساقی آن کوثرِ خلدِ جان
 بیا ساقی آن ترجمانِ مسیح
 به خصلتِ ملیح و به صورتِ صبیح
 بیا ساقی آن نفحهٔ باغِ جان
 [۱۲۷] بیا ساقی آن عیشها را ضمان
 بیا ساقی آن مشعلِ بزمِ دل
 بیا ساقی آن قوتِ حزمِ دل
 بیا ساقی آن رازِ پیرِ مغان
 بیا ساقی آن آبِ آتشِ زبان
 بیا ساقی آن ارمغانِ سرور
 بیا ساقی آن سروِ گلزارِ جان
 بیا ساقی آن مرهمِ خستگان
 بیا ساقی آن داروی دردِ دل
 بیا ساقی آن تختهٔ نردِ دل
 بیا ساقی آن آبِ آئینهٔ تاب
 بیا ساقی مقصدِ شیخ و شاب
 بیا ساقی آن تابِ چشمِ سرور

بیا ساقی آن نورِ بزمِ حضور
 کہ در موسمِ عشرتِ برشگال
 بجز بادہ چیزی نباشد حلال
 سری را کہ نبود دلش می پرست
 بہ خاکِ مزلت بود پای بست
 دلی را کہ نبود هوای مدام
 حلالِ جهان جملہ بادش حرام
 مغنی بزن پردہ سازِ دل
 بر افگن نقاب از رُخِ رازِ دل
 می است نقشِ امیدہا را جلا
 ز تست آرزو ہای عالم روا
 مغنی بیا یک نوایی بزن
 ئی سیر ”مکلی“ صلابی بزن
 چہ ”مکلی“ بہشتِ زمین و زمن
 زمینش ہمہ رشک کانِ یمن
 چہ ”مکلی“ ارم نسخہٴ وصفِ او
 صباحتِ رہین و ملاحتِ گرو
 کی آنجا توان شد بہ پای خرد
 کہ مر ہوش را میگزد دستِ رد
 بر این کوی رفتن بہ زورِ می است
 بیا ساقی امروز دورِ می است

کسی نامعلوم شاعر نے مکلی کے متعلق مندرجہ ذیل اشعار کہے

ہیں:

ز دست چرخ کج رفتار غدار
 دلا تا چند از غم خستہ گردی
 بکویستانِ مکلی شو، دل زار
 کہ از دنیایِ دون، وارستہ گردی

حالا حالتی بهم رسیده، که دل بی اختیار به سوی تعریف کوه مکی سری کشیده

عجب کوه نور آبادی که شکوهش طور را به رشك در آتش تجلی
سرنو سوزد، و طرفه مزار گاه دلشادی که دامن نظاره زایران از روی حضور به
"صفا" و "مروه" می دوزد- نامش "مکی" (۱) و می به جامش از "مکه لی"
است-

اگر بتای تواضع کسی درو نگرست
بگفت "مکه لی" گشت زایر مکی

هر قدر مطافی از اهل عرفان، و هر گام مزاری از اصحاب ایقان- اولیاء
الله را مجمعی مثل آن جاکم نشان دهند، و فقرا را مضجعی مانند این کوه
نمی شمروند. هر شبش بقدر قدر هم مقدار، و هر روزش بروز عید همسنگ در
اعتبار. صبحش در صفای آئینه اسرار الهی، و شامش به عطا منشای انوار
نامتناهی. خاک این کوه سرسمه ندیده اولو الابصار، و زمین جیل مزرعه تخم
اسرار.

بهشتی در زمین پُر نور جایست
زیارتگاهِ مردانِ خداست
نه رخشان است اختر اندر آن جا
بود چشمِ ملك [۱۲۸] بهرِ نظروا
خور از شوقِ زیارت در تب افتاد
که اندر لرزه جسمش تا شب افتاد
نبینی بر فلك آنجا مِه نو
که مر چشم ملائک راست ابرو
از ان نوری که زین گُه رفت بالا
بود شمع حضورِ ملاِ اعلا
بنام ایزد چه کوهی پر فتوح است
خرامان در طوافش فوج است

بهر گنبد صدای "رَب ارنی"
 به هر دیوار نقش "لا تَدْرِنی"
 ستونی آهک هر مضجع او
 "أَجِیْبُوا داعی الله" مجمع او
 پی آسودگانش "طَابَ مِثْوَاهُ"
 انیس همدانش "لِی مَعَ الله"
 سیاهی شبِ 'اسرا' ست شامش
 سفیدی سحر لبریز بامش
 پی شب زنده دارانش فلک را
 کلف دان قهوه در فنجان مینا
 برای دفع کلفت‌های زَوَّار
 شفق معجونِ یاقوتی پدیدار
 پی فرح مجاورهای هر پیر
 به دست صبح جاسی از طباشیر
 شبش را اختران حَبِ نباتند
 که مر کامِ خلائی را براتند
 برای صایمانِ خلوت دوست
 ثریا خوشه ای افشانده از پوست
 به جامِ مهر آن نوری که پیدا است
 پی افطار زواران او ماست
 قمر مشعل فروزی هر مطافی
 فلک خدمت گذاری سینه صافی
 سحر سیران این کوه معلی
 چو خور دارند آتش در ته پا
 به هر درگه که فرض آمد عبادت
 ز خود رفتن بود تقدیم خدمت
 نباشد زائر او کمتر از حاج

مگر نبود بی احرام محتاج
 گر آن جا در "صفا" سعی است لازم
 درین جا سعی از بهر صفا هم
 به سالی آن بود فرضِ خلائق
 به هفته چند بار اینجاست لایق
 هر آن نوری که آن جا در سطوع است
 ز اصل الاصل اینجا هم فروغ است
 نباشد غیر نور ایزدی نور
 نظر در رفتن [است] از خویش معذور
 به صد وزن همان يك نور تابد
 دل محرم ازین اسرار یابد
 اگر مر کعبه جویان راست دل صاف
 ز خود بر غیر رفتنها چه انصاف
 یگان سنگ و شررها از حد افزون
 به چون و چند سایر ذات بیچون
 برهنه مر بیتی را ساخت اول
 وزان بر خالقیت جست منهل
 بود خالق شود مخلوق ابله
 درین ره سخت پا لغزیست بالله
 براهیم آه بنا را ساخت برپا
 برای طاعت خلق الله ماوا
 از آن تا این نباشد فرق در سنگ
 مگر هر يك رود راهی به يك رنگ
 الهی راه راه خویش بنما
 طلسم وحدت از کثرت تو بکشا
 [۱۲۹] بکن دل را بدرد خویش مسرور
 بده خون مرا نیرنگ منصور

بنای شوق من ده ذوق قدسی
 به ها و هوی خویشم ساز انسی
 الهی ذره ام را ذوق مهری
 که باشد روشنی صد سپهری
 کرم کن صافی مینای توحید
 بلغزان پای من زین جاده کید
 نشان پای ما را بخش آن ذوق
 که بنماید دری از کعبه شوق
 صُور جویان اگر در خویش بینند
 به تخت "لِی مَعَ اللَّهِ" بر نشینند
 در اینجا هر کهی بی کهر با نیست
 دلی نبود که اندر وی خدا نیست
 خدا در ما و ما اندر خداییم
 حباب آسا جدا از ما و ماییم
 مکانی جز مکین واللّٰه باللّٰه
 بود نور الهی مشعل راه
 هر آن نوری که زاهد دید در خواب
 به مستان کشف اندر عالم آب
 حضوری کز رخ محراب تابد
 شرابی در میان آب یابد
 مناجاتی خدا را جست و نایافت
 خراباتی ببر مطلوب خود یافت
 بیا ساقی بده آن جام سرشار
 که از خود وا رهاوند فکر و افکار
 به مستی بخشم از خویشم رهایی
 به فیض اهل مکلی یا الهی

حکایت:

خدا جویی به کعبه کرد آهنگ
 شرار آسا برون زد خیمه از سنگ
 به پای شوق پویدی شب و روز
 نشان دوست جویدی شب و روز
 طلب را آتشی افروخته داشت
 دلی در نار شوقی سوخته داشت
 نسیم آسا زدی مستانه راهی
 به رنگ و بوی گل نیز از نگاهی
 رسید اینجا و اندر جوش خود تفت
 شنیدم از دلش زنگ دویی رفت
 زده يك نعره مستانه در دم
 که "هذا مَكَّة لِي" پیش عالم
 چنان احوال وارستان عشق ست
 چنین اقوال سر مستان عشق است
 بلی نوری که هم امروز پیداست
 درین جابهر حق دان کز خدا خاست
 حضور شاهد عرفان است این کوه
 بنای پایه ایمان است این کوه
 دعا را فتحیابی این چنین نیست
 عدیل این زمین خلد برین نیست

هر چند شماره منازل اولیاء الله این کوه از حد
 افزون، باری تبرکاً به مدح برخی استفاده می کند-

از جمله مزار متبرکه طواف که ومه روضه پر نور و ضیاء آئینه اسرار
 نما، شاهد مشاهد [۱۳۰] لی مع الله، مراد بخش هر بی مراد، سید محمد
 حسین (۲) المشهور به قطب چهارم پیر مراد است که سواد حوالی مرقد

پاکش نسخه ارم به بر دارد، و بیاض صفحه ارض اطهرش گلشن راز انوار الهی مدنظر. خنده حور آهنگ مضجعش، و تجلی طور سفیده مرقدش. غزال حرم خاکروب آستان، و روح الامین آنجا پاسبان.

زیان سبزه خود روی ارضش
شادت نامه ازبر کرده بیغش
همین تابد بر آن مضجع چنان نور
که در وی شمعشعه مهر است مستور
دعا را استجابت خاکدانش
همیشه روح قدسی میهمانش
هر آن سائل که بر درگاه تابد
دهن نا کرده را مقصود یابد

و دیگر: درگاه مظهر جلال و جمال، گزین ثمره شجره طیبه آل، صاحب المناقب المتعال، سید محمد جمال است، که گنبدش صندوقه نقد نزول رحمت باری، و مرقد امجدش کعبه مقصود اهل زاری.

نه آنجا آهک و گچ راست تخمیر
سراپا یافته از نور تعمیر
درین درگه که فرض آمد عبادت
ملك بر انس می جویند سبقت
بود روحش ز روح القدس بیشک
بود نورش به نور ایزدی یک
برای زائرانش رحمت حق
رسد هر دم ازین سطح معلق

و دیگر: طرف دست چپ این گنبد رفیع و درگاه منبع، آستان کروی پاسبان شیخ عیسی لانگوتی (۳) است، که چپوتره مشرف باغات ساموئیش (۵) در ارتفاع فلك ساست، و نظار گیان را برای فرحت عوض جنت الماوی. مد نظرش همه زمین سبز، و تالابهای آب و نغز.

صفای وقت سیاران آن جای
 ز سیرِ خلد افزون عشرت افزای
 مسرت را اگر شارع وسیعی ست
 تماشا گاهش این صدرِ منیعی ست
 بود آن چو تره اندر تجلا
 به گاه سیر پهلوی کوپ سینا
 چنان بارد صفا زان جای عالی
 که روشن ترز صبح است آن حوالی
 تو گویی رنگ گل را آب داند
 و زان هر خشت او را تاب داند
 به هر سو در زمینش سبزه رسته
 ریاحین در ریاحین دسته دسته
 درختان زیر این کوه خرد شور
 ز نخل وادی ایمن فزون نور

در هر ماه چهاردهم [۱۳۱] و بیستم این جا جمع عالیشان صورت
 انعقاد می یابد که نظرها را هجوم تماشای مه رویان از هوش می خرد، و پیرهن
 شکبایا برتن می درد. جوانان عشرت دوست همه مغز خالی از پوست، تمام
 روز در باغات می به جام گل خورند و آتش در آشیان بلبل زنند.

بتان گلبدن در رنگ لاله
 به کف دارند از صهبا پیاله
 به گیسو دام صید خلق تابند
 چو صیادان بر سویی شتابند
 به هر سوئی خرامان دلبری چند
 جهانی را کشند و ناشکیبند
 گروهی گلبنی را کرده ماوا
 به جام گل همی نوشند صهبا
 گروهی دیده نرگسهای بیمار

خلد در خاطرِ شان چشمِ خمار
 یکی در رنگِ گل با خنده ناز
 یکی در بیخودیها مستی آغاز
 یکی غلطه به روی سبزه چون مست
 یکی در دامنِ دلدار زد دست
 یکی خواهانِ دورِ جامِ باقی
 یکی را دست در آغوشِ ساقی
 یکی را در ترنمِ نغمه ای چند
 همی سوزد بر آتش همچو اسپند
 برهمن را در آن جا نیست بُت یاد
 که هوشش رفت این جا جمله برباد
 صنم از خاطرِ سبزان هندو
 هجومِ رنگِ گل کردند یکسو
 اگر مدهوش را ز آهن حصار است
 در این جا گردهای میگسار است
 بیا ساقی علاجِ کهنه در دم
 بکش گلگونه ای بر روی زردم

الحاصل! چون محبوبه مهر متوجه کاشانه سپهر شود، و وقت عصر
 که روح قلوب است در رسد، خیل خیل خوبان در اینجا بساطِ عشرت
 گسترند، و زنگ الم از آئینه خواطر پاک نمایند. ماشاء الله! این وقت را
 توصیف یارای خامه نیست، الْعَظْمَةُ لِلَّهِ این حال را تعریف قابل تسطیر
 نامه، نه صحبت حالی است نه معامله قالی.

ای نظر بازان گلی زین باغِ عشرت چیدنی است
 طور اسرار است تجلی گاه حق را دیدنی است
 و دیگر: گنبد منبع ارشاد، سرسبز نور سداد، صاحب کرامات
 خداداد، و واسطه فتوح ابواب کشاد شیخ حماد جماد (۶) است که زینش به
 فیض بر فلک ممتاز، و روضه انورش خلوت اهل راز، داروی درمندان خاک
 او، و مقصد اهل مقصد ارض پاک او.

چنان از فیضِ ارض اوست آباد
 که در دم هر غمین را می کند شاد
 فضای پاک او را نور ایزد
 [۱۳۲] همیشه بارد از چرخ زبرجد
 دماغ آباد از بوی زمینش
 مگر بستند اندر مشک چیش
 به نا کامانست هر کام از در او
 مشرف بر ارم هر منظر او
 فضای آسمان در صفحه اش تنگ
 هوای خلد این جا باشدت تنگ

”مسجد مکی“ (۷) که فیضش در تمام کوهساری آنجا است،
 و بیننده را بلا اجمال مظر انوار هُداست.

يك طرفش قاضی عبدالله (۸) وارستهٔ ماسوا، گنجینه دارِ نقد علوم
 غیبی، واسطهٔ ادراك فیوضات لاریبی است، که آخر روز خمیس هر هفته،
 معلمان بخورد اطفالِ مکتب به زیارت آرند، واستدعای کشفِ علم کنند.
 بوالعجب حشری از قیامت قامتان، بر گرد مزار متبرکه اش نمایان، و طرفه
 نشری از قامت قیامتان، در عین سعی به طوف درگاه آن صفا کیش عیان. مگر
 آسودگانِ خاک از داغِ سوختگان حسرت دیدارِ شان پنبه در گوش دارند که
 نمی شنوند. یا در حلاوتِ مردن به غمزهٔ مه رویان خود را فراموش کردند که
 نمی بینند. هر ماه به شادی آزادی از کسوف بند مکتب به بالیدگی بدر منیر،
 و هر گل از شوق تحصیل رنگ هنر به قرات سیپاره بغلی از بلبل سبق گیر.

به هر سویی بتانِ آلف قاست
 بر آغازند حشری با قیامت
 عجب گرمی نه گردد بعث آن دم
 که صورِ هوی سیارانش پیهم
 بماند تا دمی آنجا سلامت
 معلم در مناجات و عبادت

به جیم زلف پُر پیچ و شکن شان
 نهفته خال تخم سنبلستان
 سوادِ سرمه پیمان بند گشتن
 خطِ ریحان سند بهر شکستن
 چو بیند صاد دیده عین عاشق
 رود تا قاف از خون غین عاشق
 بدیدند همدگر آن خیل جنت
 چو طا انگشت بر دیده ز حیرت
 ز نونِ ابروی شان چشم بد دور
 که دارد نقطه خالِ دیده حور
 پرزادان بلای دین و ایمان
 خرامِ شان بهارِ صد گلستان
 به نامِ حق عجائب صحبت آنجاست
 نظر تا واکنی يك حشر پیدا ست
 دهانِ هر یکی ز اشعار حالی
 شکر جویش می ذوق هلالی
 بی تشبیب ذوقِ نکته سنجان
 کلامِ شان فصاحت ریز سحبان
 غزل خوانی خیلِ حور زادی
 بی عاشق مسرت مستزادی
 بی تقطیع غم شد بس که مشتاق
 نصابِ بیخودی در دست عشاق
 چو بکشایند لب در بیت بازی
 شود قربانِ روحِ فخر رازی
 چسان "قانع" جوابِ شان تواند
 مگر ترجیع بندِ ناله خواند

و جانب دوم، رانك جام نظام الدین، (۹) که چپوتره مشرق زمین

ما بين "تته" اش، رصد بندگان زيچ مسرت را ارتفاع مرغوب، و بام بي گنبدش
آسمان سيران والا همت را انتعاشي مطلوب.

بر او گر کس رود بهر تماشا
بود مهرش چو مرغ رشته برپا
به نقش سنگهايش ديده فرهاد
عجب نبود رود شيرينش از ياد
خرد را در چه حيرت فگنده
که چون استاد زينسان سنگ کنده
صفای سنگهايش ديده يك يك
ميان يشم و مرمر باشدم شك
بود از ارتفاعش چرخ اخضر
به چشم منصفان صد سنگ کمتر
کف بنای او را ماه و خورشيد
بگفت احسنت و چندين بار بوسيد
اگرچه بر زمين اين آسمان نيست
ولی از روی رفعت کم از ان نيست

در پايين، تالايی خوش آب، رشك جلوۀ سيماب است. کشتی هوش
آن جاتباهی شود، و مردمک ديده مردم آبی گردد.

درختان دور آن تالاب خوش آب
زمرد را بهار از کان سيماب

ودیگر: حضرت رفيعه سنیه، مظر انوار قدسیه، مهبط اسرار روحیه،
مشعر آثار رحمت الهیه، پیر شیخ جیه است، که فیض زیارتش مشرکان را
از لوی شرک پاک سازد، موحدان را فرس در مضمار هویت احدیت تازد.

صفای صحن او با دشت خضرا
نمی سنجد به يك پله تمنا
فضایش نور را زانسان کند فاش
که نبود مهر را نوری چو خفاش

کسی گر ساید آنجا جبه گاهی
 بریزد نورش از رخ تا به ماهی
 چراغش را به شب از ماه روغن
 "چراغ مکلی" است نامش به این فن
 اگر سایل بر این در رخ بساید
 مرادش پیش از نیت بر آید

شب دو شنبه هر هفته آن جا خلاق گرد آیند، و تمام شب فیض زیارت بامرادش یابند. علی الخصوص شب دوشنبه اول از ماه، غریب مجمعی صورت گیرد. درویشان مست ذکر دوست صحبت سماع آغازند، و صوفیان همه مغز خالی از پوست بیخود به وجد تازند. دایره ماه اگر بر آتش شفیق بتهند، به نوای دف نوازنده های او نرسد، و دف خورشید اگر به دست زهره کوبند، هم آواز های یاهوی، موخدا نش نشود.

به نام دوست از خود رفته ای چند
 بر آتش گرم وجدان همچو اسپند
 [بعد این بیت یازده ابیات ضایع شده اند]

.....

 [۱۳۴]

..... این زمین بالفرض باشد
 زمینش را نباشد فرش کاشی
 بود نور خدا ز این رنگ پاشی
 صفای وقت را نازم بر این خاک
 که حیران است اندر وصفش ادراک
 بود هر زایر این جا ز استفاده
 پی راه هدایت راست جاده
 نه گردد هیچگه سایل از این در
 مگر با شاهد مقصود هم بر

در شب برات مجمعی غریب تمام آن جا منعقد شود، که محاسب خرد از کمیت روحش الکن، وضابطه عقل در انداز فتوحش بی سخن، فلک را خورده انجم نثار مقدم زایرانش، و ملک را انفاس قدسی مروحۀ تفریح مجاورانش. 'جوزا' حمایل بکف در ختمه خوانی، و 'پروین' به خضوع دل در اشک افشانی. در پیالۀ بلورین ماه قهوه شیر و نبات جهت تری دماغ شب بیداران، و در ابریق زرین خورشید آب حیات برای وضوی سحر خیزان.

در آن شب کو بقدر است از قدر بیش
به خدمت می نهد گردون سر خویش
به خدمت بس که اندود است تکمیل
فروزد هر طرف ز انجم قنادیل
به فرش چاندنی فراش مهتاب
صلا داده پی هر شیخ و هر شاب
برات کامهای خلق آن شب
ازین درگاه والا می دهد رب

و دیگر: مقبره منوره قاضی الحاجات رفیع الدرجات، برآورنده مرادات پیر آسات (۱۱) است، که شمع مشهدش را روح الامین پروانه، و زمین حوالی روضه اش را دل ارباب ایقان دانه.

نه آنجا حاجت زاری به سائل
که بی نیت بود حلال مشکل
تو گویی اندر آن درگاه انور
بود جاروب کش مهر منور
معطر ارضش از ارواح قدسی
ملك با آدم آنجا هست انسی
حریمش کعبه زوار باشد
کز آنجا [۱۳۵] نور حق هرگز نباشد
کند هنگام مدحش شخص خامه
دمادم با حرم تبدیل جامه

عقب این درگاه آسمان سای، چشمه ایست از سلسبیل فرح افزای
تر، که در عین مابین کوه بدان پاکیزگی و صفای دریا چه، مثل آن جا هیچ
جان نیست. و سایه آزاد درخت در آن ظل رحمت لایزال.

خمیده قامتی در رنگ پیران
مگر خضریست بر حیوان نمایان
بی تعظیم این درگاه ساطع
قدش خم یافته اندر تواضع
ز بس بار طراوت فرق او خست
برای مصلحت گردیده خود پست
ز بس خم یافته اندر عبادت
شده خود صورت محراب طاعت

شب بیست و هشتم ماه شعبان، آنجا مجمعی برگزیده مقرر، و
تماشای غریبه معین. جوانان عشرت توامان، هر سو خیل خیل شتابان، گرم
شغل آتشبازی. و امردان مسرت یاران، هر جانب جوق جوق خرامان، هوای
لعبت طرازی، چرخ بر قبر آن افروختگی نیست، که چرخ دست لعبت
بازان این سر است. و هوای شهاب را آن تاب نیست، که هوای افروخته
یاران این تماشا را پید است. مهتابی ماه را در آن شب نوری نباشد، و
پُلجری ثریا را در آن مقام روشنی نبود. روشنی که از دوپهری آنجا خیزد،
شمس را در سما میان وسط النهار نباشد. و فروغی که نیلوفری آن را انگیزد،
در چرخ نیلوفری رنگ هرگز نبود.

بود مهتاب آن شب چرخ دست
که گردون بهر سیر اندر هوا بست
هوای اختر دنباله دار است
دو پهری مهر مابین نهار است
ثریا پُلجری دست گردون
که تابد بر کف جوانان موزون
غلط گفتم بی موسی نگاهان
بود نور تجلی جلوه افشان

از عجایب اتفاقات، زمین مابین نردبانهای هر دو اولیاء الله تالابی است، در ایام برسات مملو از آب حیات. و هر گاه آب این تالاب با آب تالاب "شیخ جیه" به طغیانی آمیزد، گویی تسنیم از کوثر خیزد، یا کوثر از تسنیم می ریزد.

از این تالاب سازم حرف چون تر
 دهانم پر شود از آبِ کوثر
 طراوت می کند گل از بُنانم
 سخن چون در صفاتِ او برانم
 بیان را مشربِ صافی دهد رو
 شوم چون در صفای او سخن گو
 فروزان بر کنار اشجار موزون
 نشانِ قدرتِ وهاب بیچون
 سرِ افزازان چندی رنگ مینا
 [۱۳۶] فروغ شانسست پهلو کوب سینا
 قلم فواره شد ز آبِ زمرد
 مداد اینک دهد تابِ زمرد
 به آب دیگرم باید زدن حرف
 که دل بگداخت اندر آب چون بروف
 بیا ساقی بده یک جام لبریز
 که فرصت را فرس شد برق مهمیز

بر این تالاب پلی است معبر ایام برشگال، که جوق جوق جوانان سیار، و مردان آئینه رخسار، چون به سیر مکی شتابند و یا برگردند، اغلب از این پل گذرند. بوالعجب مجمعی رود دهد، و غریب اجتماعی مشاهده گردد.

پلِ مستان به کابل می شنیدم
 پلی به زان بر این تالاب دیدم
 خرد معذور پا لغزی بر این پُل
 که آبش رنگ گل وین بال بلبل

حقا و به عزت الله! که هیچ مکانی در جهان به ازین نشان نباشد، هوش از دیدنش می پاشد، و خرد سر حیرت می خراشد. از غرایت کیفیت بر آن تالاب، رانك خسروخان (۱۲) است، و چپ و راست مغرب رویه اش، بالای کوه مشرف بر آب، نشیمنهای متعدده عشرت افزا است، که زبان در صفات هریکی به عجز آشناست.

رسد این جا اگر ارواح قدسی
 شود با زمره سیار انسی
 به نام ایزد چه نیکو جایگاه است
 فضایش جمله پاکیزه نگاه است
 در این جا فرض باشد باده خوردن
 ز دل زنگِ تکدرها ستردن
 بیا ساقی یگان جامی عطا کن
 مرا از من برای حق رها کن
 جهان پُرشد ز اهل شطح و طامات
 خرابم ساز از روی کرامات
 طپیدنهای دل بالِ پری کن
 مرا از چشم من یکسر بری کن
 نخواهم کنج عزلت همچو زُهاد
 بده جامی ز خویشم ساز برباد
 ازین هستی که نبود غیر تهمت
 مرا فارغ نما ز امداد همت
 مغنی يك نوای بیخودی کن
 اگر ناله نمی دانی حُدی کن
 به سر شوق حجازم کرد تاثیر
 به آهنگی که دانی ساز تدبیر
 نهی بر لب اگر يك لحظه ای نی
 رسد در گوش من آواز یا حی
 سخن در بیخودیها محو کردم
 به صحو و سُکر خود را صحو کردم

و دیگر: جای است چار دیواری، و درو چند قبر، به اعتقاد عالم انان
آن را جای "شاه پریان" نامند، که روز خمیس هر هفته هجوم زیارت زنان،
پری طلعتان، آنجا محشر طاقست نظار گیان می شود.

رود گر هوش آن جا صورت طیر
بریزد بال قدرت را گهی سیر
پری رویان بلای دین و ایمان
[۱۳۷] در آن جا هر طرف محشر خرامان
فرو هشته برو جعد معنیر
بود پیچیده بر گل سنبل تر
نگاه شان نمی دارد يك انداز
گهی شوخی گهی عشوه گهی ناز
به چشمان سیه غارتگر هوش
کمان زه کرده از ابروی تا گوش
ز مؤگان چنگل شاهین کشاده
به صید مرغ دل هر حور زاده
ز خال کنج لب تا حرف رانم
بریزد مشک از نای بنانم
لب شهدی [است] شان را با تکلم
حیات خضر در موج تبسم
دهن دارند ليک از هیچ تعبیر
دهن پر می شود در وصفش از شیر
رخ شان را مسی بالای دندان
تنک ابر از ته پروین نمایان
نباشد رنگ پان دور دهن را
چکد آب عقیق این جا یمن را
نکو خالی بر این چاه زرخدان
گزیده خضر جا بر گنج حیوان

ز رشکِ غیبِ لاله عذاران
 بگویی مهر گشته تنگ میدان
 نگارین دستِ حورانِ خرد شور
 بی دل بردنِ عاشقِ قوی زور
 چه گویم در صفاتِ ساعدِ شان
 که باشد در صفایش عقل حیران
 بلور و یشم را این تاب نبود
 عدیلِ رنگِ او سیماب نبود
 کمر چون موی شان هنگامِ رفتن
 بود از ناز اندازِ نشستن
 بیاضِ سینه ها را نیست پستان
 حبابِ خواسته از آبِ حیوان
 گهی توصیفِ دلچسپی چه ناف
 سخن پرواز کرد از قاف تا قاف
 لب اندر وصف دارد خوفِ احراق
 که نخلِ وادیِ ایمن بود ساق
 بی موسی' نگاهانِ نهانی
 رسد زین پس صدایِ لن ترانی
 قلم این جا رسیده رفته از دست
 که مرغِ هوش را هم بال بشکست
 به این پیرایه حسن آن ملیحان
 قوی دست اند اندر غارتِ جان
 نباشد رفتنِ شان جز بر دل
 فدای خالِ پای شان سرِ دل
 یکی در گوشه آهنگِ آشنایی ست
 به یادِ دوست سرگرمِ نوایی ست
 یکی را خنده سرشار بر لب
 یکی را ذوقِ دیدِ یار مطلب

یکی را از حیا بر رو تقابی
 نهفته در سحابی آفتابی
 رود آنجا کسی کو را هوایی ست
 شهید عشق را خوش کربلایی ست

“قانع” کیست که در تعریف این لب کشاید، بد انسان که اهل دل گویند شاید. ماشاء الله! اگر کلیم برین کوه شتافتی، نقش طور در دلش جا نیافتی. سبحان الله! اگر موسی براین جبل گذشتی، از صحبت خضر دل پاک شستی، ندانم زمینش ارض بطحا است یا وادی ایمن، نشناسم خاکش صفحه سیمایی یا کان یمن. اگرچه همه ایام مهبط نور است، و منشای کیفیت و سرور علی الخصوص صفایی که در موسم باران در آن نزهتگاه عیان گردد، یاران را یاد کشمیر از خاطر محو نماید، هر که دیده و گلِ نظاره [۱۳۸] ازو چیده، استماع سخنم را شاید.

شود گر تیرگی اندر هوا جمع
 فروزد سبزه تر در رهش شمع
 به رنگ آمیزیِ ابرِ مطراش
 شفقِ شنگرفِ سای و برقِ تقاش
 به وقتِ بارش باران در اطراف
 هوا را جامه بر تن از سری ساف
 نهفته دلبران سبزه تر
 رخ اندر او و نی شیر و شکر (?)
 چه گویم وصفِ چرخِ سندروسی
 بسر پوشیده پیری شال طوسی

زاهدان را هوس خلد برین از دل زداید، و عابدان را فیض زیارتهایش به کعبه مقصد رساند. هر سوسبزه زار رشك جنت الماوی، و هر جانب چشمه سار به مرتبه ای از رودبار اعلی. موج خیزی طراوت سرزمینش گلشن خیال را خیابان، و طرب ریزی نزهت آب و خاکش حوصله عیش را گل بدامان. هوایش لبریز نشئه سرور، و صفایش موج خیز کیفیت سور. هر سنگش به

شست و شوی آب باران، آئینه رخسار پری رویان، و هر جایش بهشت
 نظاره خیل خیل حور طیتان. لطافت را بحری است در طغیان که کشتی دل
 حوصله تکان به ساحل نجات رساند. و نزاکت را شهری است آبادان که خاطر
 پریشان کربت اندوه را بالکل وا رهند. دست قدرت مگر این جا از آستین بر آمد،
 که کارش نسبت به جمع اماکنه سر آمد. اگر مغموم در آن جا شتابد، جزباده امل
 در جام نشاط نیابد. و اگر مسموم در آن زمین قدم نهد، از سم جانکاه جسمش پاک
 رهد. بالخاصیت سیرش عشرت افزا، و بالطبع دیدنش نور دیده ها، خسی که در
 این زمین روید، خار حسرت در دل گلهای بساطین خلد. و مگسی که بر این کوه
 پرد، جامه شهدی از رشک برتن زنبور عسل درد. هوایش روح محزونان، و فزایش
 فتوح غمگینان. بس که اهل الله را درو مسکن است، فیض خاکش هم رنگ
 جنات عدن است. بهشتی اگر بر زمین است، همین است، که خاکش بهتر از
 چین. طبله عطار اسرار ایزدی است، و آینه انوار شاهد سمرمدی. دیده بینا باید و دل
 مصفا، تا فیضی که در طیتش مضمراست در یابد. خاطری فراهم مطلوب، و دماغ
 سرخوش مرغوب، تا نشاطی که در این گل زمین مضمراست بشناسد. هان
 نظار گیان فرصت برق ممیز نگاه است و دیر جلوریز میدان افسوس و آه.

[۱۳۹] زمین کان زمرد کوه یاقوت

نظر را آبیاری و روح را قوت

دماغ عیش را زو بوی آمال

چراغ فرح را نوری ز اجلال

طراوت را بود از بس درو تاب

شرر از سنگ ریزد صورت آب

زمینش بسکه می باشد همه نغز

خورد هوش اندر اینجا سخت پا لغز

زبان در وصف این کوه زبرجد

به رنگ پسته در سبزی ببالد

وزد بادش اگر بر جانب آب

حباب از یاسمین گیرد فزون تاب

هوايش گر بروی بحر آید
 ز شاخ خشک مرجان گل بر آید
 چرد گر آهوی چین سبزه او
 به رنگ نافه خیزد از دمش بو
 ختن زاری است هر گامش به خصلت
 کمین خاکش بود 'تبت' به طینت
 خراج نزهتش شهر سبا بود
 از آن رویش سلیمان مبتلا بود
 هر آن مرغی کزین گه کرد پرواز
 اگر کنجشک باد می شود باز
 مسرت را بهاری گر نشان است
 زمین قابل او این مکان است
 زهی نیرنگی نقاش قدرت
 که پیدا کرد زینسان نقشِ ندرت
 به هر سو چهچه مرغان خوش رنگ
 کند تاثیرها اندر دل سنگ
 اگر آید به فرضاً روح فرهاد
 درین گه می رود شیرینش از یاد
 هجوم سبزه خود رو بدانسان
 که کرده خواب بر مخمل پریشان
 گل رعنا اگر نازد به گلزار
 خلد در خاطرش از رنگ او خار
 به جای گل درینجا سبزه سیر است
 اگر آن سرخ محض این سبز شیر است
 ریاحین در ریاحین رسته هر سو
 ز خاکِ خلد باشد طینت او

صفا در ارضِ پاکش آنچنان بیش
که نظاره ببازد طاقت خویش
دواند ریشه در ارضش نظاره
به طفل دیده خاکش گاهواره

صفایی که آئینه حیران او است از در و دیوارش پیدا، و بهایی که خور سر گردان وی است از نقش نگارش هویدا. فی المثل اگر 'مانی' را صورت مطبوعی عمارتش بخواب تازد دل از ارژنگ خویش در بازد. و بالفرض اگر شخصی مخیله در رواق و منظرهایش عبور فرماید، صد پیرهن از خویش بر آید.

سراپا غرق در نور تجلی
تو هر سنگ او طور تجلی
چه گویم وصف این پاکیزه کوه
که بالا خرّمی انبوه انبوه
همه ارضش نشان خلد مشهور
دمیده سبزه اش از خنده حور
گلستان ملاححت راست طوفان
ثنا خوان صفای او هزاران
شفق بالیده رنگ حسن هر سنگ
فضای خلد بر هر در گهش تنگ

دل هوای آن دارد که در وصف رانک میرزا عیسی

(۱۳) لبکی ترنماید بو که این آرزو به به مراد دل برآید

طرفه نشیمنی که ادراک حیرت زده بوقلمونی صفت بتّایان اوست، و اندیشه محو برجسته کاری معماران وی است، بیننده را خرد بیرون در وداع می کند؛ [۱۴۰] و نشیننده را فرحت یار غار می باشد. چون کسی آن جا به فراغت چارزانوزند، هر سو صحرا صحرا سبزه نو، و هر طرف جنگل جنگل ریاحین خوش بو معاینه کند. نسیم فرحتی که آن جا وزد، نوح نبی بر کوه جودی نبرده باشد. و می آسایشی که در آن قصر عالی نوش گردد، موسی بر

جبل طور سينا نخورده باشد- تا نظر کار کند، هر روز هر طرف عالمی آبادان، و تا دیده و گرد همه سو جهانی نمایان. از چشمهای لا تعد و تحصی عالم آب مرئی، و از جلوه فروزی حوضها بیرون از عد احصی کانهای سیماب مشاهده.

هر طرف چاه و چشمه و تالاب
قلب را فرح دیده ها را آب
وہ چه مردم فریب کان حسن
نمک زیب روی خوان حسن
سبزها رشته درمیانه آب
برگهای زمرد و سیماب

علی الخصوص چشمه "ناران سر" و تالاب خوش آب "براسر" است. آب هریکی در عذوبت رشك ذایقه نبات، و در گوارایی شربك چاشنی آب حیات.

قلم شکر فروشد وقت تحریر
زبان طوطی بود هنگام تقریر

از جلوه فروزی در و دیوار شسته باران، کان سیماب بال باخته بیخودی، و از عشرت افزای دل و دیده فضای خلد آب یافته سیرابی جاویدی. دورسته دکاکین محاذی نردبانیش، شهر مصر را چون نبات در آب رشك گداخته، و آمد و شد خیل خیل خوبان زمین خلخ و نوشاد را چون کان نمک شور زار انفعال ساخته. سنگهای این قصر چنان بالای هم چیده اند، که گویا همگی در قالبی ریخته اند، و یا همچنین يك لخت انگیخته اند.

نظر ها محو ندرت کاری او
تماشا حرف فرحت باری او
در و بازش صفا را آنچنان یار
که می بالد فرح آنجا چو گلزار
تماشایی درین قصر ملون
ز دل زایل نماید نقش گلشن

بخوبی هر ستونش ساق خوبی
 صفا در صفت او خاک روی
 لطافت جمله بار فرح کردند
 پس آن گه این عمارت طرح کردند
 ندانم از چه صورت نشه بار است
 اگر نه اوستادش می گسار است
 زمین میکند را این شرف نیست
 که این جا غم به هر حدی طرف نیست
 خمیر آهکش می بد مگر بس
 که مستانه شود آن جا همه کس
 به هر سنگش هزاران نقش پیدا
 نشان قدرت ایزد تعالی
 صفا با این چنین جا هیچ جا نیست
 خوش ست مرسینه صافان را درو زیست
 شود روزی که ابر اندر هوا سیر
 شفق زاری بود گچش بلا دیر
 صفا روی صفا گویا که چیدند
 در آن این منظر عالی کشیدند
 نظر پا لغز سختی راست لایق
 وگرنه زور می دارد خلایق
 بیا ساقی بیا ای جانِ عشرت
 بیا ساقی دست [۱۴۱] ریحان عشرت
 دلم را سیر این رانک است منظور
 سرم در گشت این گلزار معذور
 بیا ساقی بیا ای نور دیده
 تویی محبوب دل منظور دیده

به هر سویی روان خیلِ بریزاد
 بیا ساقی خدارا وقتِ امداد
 بیا ساقی بیا ای مایهٔ سور
 سرِ سیر آشنا تا چند می خور
 بیا ساقی بیا ای فرحتِ دل
 خمار انداخت پای صبر در گِل
 بیا ساقی بیا ای عمرِ مشتاق
 شده از دوری او طاقتم طاق
 بیا ساقی بیا ای خضرِ خوش بی
 حیاتِ ماست از تو ساغرِ می
 بهار آمد هوا را اعتدالی است
 غذای روح شربِ باده حالی است
 ترشح می دهد باد از می و جام
 به شربِ می سحاب آورد پیغام
 بیا ای قوتِ دل نور دیده
 سرور سینه های غم کشیده
 نشستن با خرد این گه روا نیست
 به جز از خویش رفتن مدعا نیست
 به دستِ تست تیمارِ غریبان
 شفقت کن شفقت نامِ یزدان
 بیا ساقی بیا ای شادی دل
 بدستِ رحمت آبادی دل
 شتابان سوی "مکلی" خیلِ خوبان
 چو انجم بر فلک در شب نمایان
 یکی "قانون" عشرت ساز کرده
 به فنِ دلبری اعجاز کرده

یکی "بلبان" به لب سرمست نغمه
 یکی خورده خدنگ از دست نغمه
 یکی در "نای" عشرت می دمد دم
 یکی بر پای مستی می خورد خم
 یکی در "بین" گوید راز دلدار
 یکی در "نی" نوازد قصه یار
 یکی را بر "کمانچه" دست عشرت
 خدنگی خورده ای از شست عشرت
 یکی در "پرده سارنگ" شد محو
 ز خود بپخود شده خوش رفته در صحو
 یکی را در "ملار" آهنگ مستی
 فراموشش شده این بود و هستی
 یکی از پرده پندار و رست
 همی غلطد بروی سبزه چون مست
 یکی را لغزش پا مدعایی است
 به مستی غلط غلطان در هوایی است
 یکی را شور دیداری زخور برد
 یکی را دیدن اغیار افسرد
 یکی را چشم بهر سیر بینا
 یکی را دست اندر دوش مینا
 یکی را جام بر کف همچو لاله
 یکی را روی شاهد در پیاله
 به ساز هر یکی مدهوش دلدار
 خرید جنس دید يك خریدار
 یکی را دیده آهو بلد شد
 یکی را چشمك ساقی جمد شد

برهن در صنم شد آتقدّر محو
 که داند قشقه رنگ سجده سهو
 ز کافر ماجرای هندوان را
 صلیب آویخته زلف چلیپا
 "انا الحق" جوشِ سرمستان صها
 ندای "رب ارنی" شورِ مینا
 مسلمانان بت پرور درین فصل
 چو ابراهیم آذر دیده در اصل
 شد از زهاد یکسر طاقت و تاب
 خرابی در بنا شان عالم آب
 اگر تقوی همه از سنگ خارا است
 [۱۴۲] شکست شیشه توبه مهیا است
 به لب جامان دستِ مهر ساقی
 مهیا از بی شان عمر باقی
 نشست خانه ها قیدِ فرنگ است
 ندانم سیرِ این گه را چه رنگ است
 بیا ساقی که وقتِ باده نوشی است
 به یاران دور دورِ گرمجوشی است
 بیا ای عمرِ من و ای راحتِ من
 بیا ای دستِ مهرت داروی تن
 مغنی نغمه دلبر و نی گو
 نوای عشرت افزای سر نو
 بزن تازی به طنبورِ مسرت
 که چنگِ تست آبِ جوی عشرت
 به آهنگی که دل را سور افزاست
 به نیرنگی که دیده را تمناست

درین گنبد یگان شوری برافکن
 کلاه نغمه منصور بشکن
 به خود درمانده ام يك ره دوابی
 بی از خویش رفتنها نوایی
 از آن آبی که وامق مست او گشت
 از آن تابی که عذرا را ز خود خست
 از آن خمی که مجنون یافت دردش
 و زان صهبا که لیلی پاك خوردش
 از آن آبی که شیرین را شکر داد
 و زان باده که از خود باخت فرهاد
 لبم را بخش ذوق کامیابی
 سرم را مستی از خود خرابی
 بیا ساقی بیا ای طور اسرار
 بیا ساقی بیا ای نور انوار
 از آن نوری که موسیٰ والہ اوست
 تجلی می کند این کاسه در پوست
 مغنی نغمه جوش انا الحق
 کند تا پرده پندار را شق

پایین این رانك در دامن کوه معبد هندوان است، و اغلب از آن مردم
 در آن جا جهان نمایان.

یکی را "زعفرانی چیره" بر سر
 "بسنی پیه" دیگر را ست افسر
 تویی گورنگ گل کرده است طغیان
 و یا شد زعفران زاری نمایان
 "بگت" بازند این جا مجمع حور
 لب شان وقت جوش است نای منصور

به هر گوشه نشسته حلقه حلقه
 بُتَانِ ماهِ رو و رشكِ زهره
 بود خورشید و مه وقفِ يك آهنگ
 به دستِ شان نباشد "نال و مردنگ"
 به لب گویند "رام" و رام سازند
 دو گیسو بشکنند و دام سازند
 ازین غارتگرانِ شهر دلها
 کرا تابِ صبوری و شکیا
 مگر آن قشقه بر جبه عیان است
 سمای روی شان را کهکشان است
 نه دُر در گوش این خوبان قرین است
 طلوعِ ماه و مر از مشرقین است
 حمایل کرد اندر دوش زنار
 چو افسونگر که ماند بر کتف مار
 قطارِ بسملان بستند از فن
 نمی دارند از مرجان "سمرن"
 برای مجیدِ نفی عشق و رزان
 بود "مالا" به دستِ آن ملیحان
 رخِ شان کعبه اربابِ اسرار
 غزالانِ حرم چشمانِ طرار
 کمان دارند ز ابرو و ز مژه تیر
 دِل يك عالمی شان را ست نخچیر
 کشیده قامتان چون سرو آزاد
 خرامِ شان کند صد گلشن آباد
 به رخ برق و به گیسو ابر سیراب
 عرق رخسارِ شان را عالم آب

کشیده ابروان بر روی چون حور
 بود بسم الهی از "سوره نور"
 عذار شان [۱۳۳] ندارد خطِ ریحان
 بود "تفسیر بیضاوی" و قرآن
 به این خوبی چو جمعی جمع کردند
 جهان شیرین کنند از يك شکر خند
 به روزِ مجمعِ شان اهلِ تقوی
 برای بت پرستی داده فتوی
 عجب حالی و طرفه اتفاقی ست
 رهایی دل اینجا امرِ شاقی ست
 بیا ساقی بده ذوقِ الستی
 خرابم می کند این بت پرستی
 مغنی يك نوای حیرت افزا
 مگر ما را خرد از هستی ما

ازین معبد تا دامن بلده، از همه جهات در ایام برسات تمام زمین معلو
 از آب و باران شود، و کرا طاعت که بی کشتی از آن جا رود. درین وقت سیر
 سیر دریاست و آمد و شد کشتیهای، غریب تماشای مریی گردد، و عجب
 کیفیتی محسوس شود، نظرها صد فرسنگ در مساحتِ ارض و طولش
 کوتاه افتد. وهوشها هزار مرحله در توصیفِ رنگ و روحش در ماند، گویی
 عالم آبست یا آب عالم.

جهان محسوس گردد کان سیماب
 زمین ملبوس اندر چادرِ آب
 فروغش رعشه بر زد بر کفِ خور
 صفایش خجلت افزاید بی دُر
 نظر را شست و شوی ماهتابی ست
 میان دیده مردم مرد آبی ست

فلك نیلی لباسِ رشك آن آب
 ز تابش تاب بازید است سیماب
 حبابش را اگر بیند کس از دور
 تصور می نماید غمزه حور
 به لب کف همچو مستان گرم جوشی
 چو مجنون يك جهان وقف خروشی
 به پا از موج زنجیری کشیده
 کسی دیوانه زینسان ندیده
 درو گر مرغ دیده پر کشاید
 رود عمری مگر تا باز آید
 بط مه گر درو گردد شناور
 نیالاید پر اندر چشمه خور
 کلنگ قاف بر سیرش چو تازد
 تماشای جهان فرموش سازد
 بگاو سیر این دریا همه حال
 نگه در نیم ره ریزد پر و بال
 هجوم کشتی اندر آب آن قدر
 که پروین را فروغ اندر پر بدر
 به کشتیها نشسته فوج خوبان
 چو اختر در ته گردون نمایان
 مگو کشتی هلال چرخ اخضر
 درین آب از لطافت ریخت لنگر
 مگو کشتی در این آب نکو دید
 بود سیار هر سو چشم امید
 دل عشاق کاویدند يك يك
 بتان کشتی ازو کردند بیشك

چنین کشتی درو مجموعه گل
 سرِ شان بادبان از بالِ بلبل
 گلستان در گلستانِ سیرِ زورق
 بتان مدهوش از آبِ مَرُوق
 نه تنها اندر این جا سیر دیده است
 گریبان دلِ عاشق دریده است
 چو ابروی بتان هر زورقِ او
 روان بر طاق قلبِ مردِ حق جو
 ز بس هر سوی گل روی شرابی ست
 درین بحر آشیان بلبل آبی ست
 ز برگ گل نزاکت تخته بسته
 در آن کشتی که گلروبی نشسته
 ز بس هر سو بود کشتی پری خیز
 [۱۴۴] تپیدن های دل شد گرم مهمیز
 رهایی نیست زین سیرِ خرد تاز
 بیا ساقی بده جامِ مَیم باز

بیخودیها به جای فرس راند، که عقل بیرون در ماند،
 وقت آنست که رفع خمار سرگردانی به آب تالاب
 ”کیر سر“ کند، و چون مستان کاسه دیده به گدیّه آب
 و تاب آن تالاب ملبب سازد، و به مشاهده شیرین
 حرکات امواج آن انموذج رود باز تار قانون طرب نوازد
 زهی! تالاب خوش آب که ماه استفاده سفیدی از آن چشمه کند،
 وهی دریای سیماب که خورشید را رعشه نمونه تسلسل روانی او بود. آبش
 را شیرینی از نبات افزون، و گوارایش را طعمه نوشدارو نمون. هر طرفش
 مجمع مرد وزن، و هر سو کله گوشه عشرت در بشکن بشکن. ساقیان سیمین
 عذار، بربل آن چشمه سار، کوثر به کاسه دهند، و مغنیان لاله رخسار بر

کنار این تالاب، گوشِ طنبور مسرت بر مالند. پا کوبی اطفال، و دستک زنی جوانان شیرین مقال، هر جانب شور در بحر اخضر سیر می افکنند، رقاصی مه طلعتان، و خنیاگری پیرویان، زهره را بر فلك رامشگری می آموزد. جوانانِ اسرد و امردانِ بیخود در آن جا خیل خیل روان، و نازنینان هم صورت غلمان، جوق جوق خرامان. پری رویان را خوش مجمعی، و می قدان را نیکو مرجعی. اگر پای هوش در این سرزمین به گل در رود، معذور؛ که روانی آب پیمانه پیمای باده بیخودی است؛ و اگر سر هوس در این مرز خلل پیدا کند، از تکلف دور که پیچ و تاب امواج کمند گردن نظار گیسست. ندانم آیش عاشقی است، به پیچ تاب شکن تحریک باد گرفتار، و یا مستی است به سلاسل امواج استوار. حبابش با ماه هم کاسه، و موجش به کهکشان در یک اندازه. کشتی هوش در سیر این آب طوفانی شود، و زورق نظاره به تماشای این چنین تالاب حیران طغیانی گردد. ارض مابین رانك مذکوره و این تالاب همه مخمل باف، و زمین آن سوی مصلی تا دامن کوه جمله اطلسی رنگ بی گداز. نساج قدرت بر این منوال دارای آبی رنگ نیافته، و تقاش صنعت صورتی بدین شادابی بر صفحه تکوین نکشوده. دهقان امل را هیچ ارضی به ازین مریی نشده، و معمار امید را زمینی بدین طراوت مشاهده نرفته. تا نظر کار کند، سبزه در سبزه، و تا دیده بار بندد، جنس طراوت توده بر توده. و سوداگران شهر ختن و خطا خریدار عطریّت این زمین، و تجاران معموره سبز و سبا، مشتری متاع سر سبزی چنین ارض. چه عجب اگر مردمك چشم به نظاره این گل زمین سبز شود. و چه بعید [۱۲۵] اگر طفلی نگاه به شادابی هوایش ریشه برسما دواند، زاغ این جا به رنگ طوطی جامه بدل کند، و کبوتر این مکان با طیور خلد در یک آشیان نشیند. شیرینی آیش نه بدان حد است که در وصفش لب از هم وا شود، و رطوبت هوایش نه بدان مثابه که پای پویه کلک در وادی توصیف راه رود. ماء معین ترجمه این آبست، و کوثر تفصیل این تالاب. گوارایی اش از آب حیات بیش، و صفای صورتش از سلسبیل صد قدم بیش. اعلال مزمن را از خوردنش صحت، و اسقام مُتَن را نوشیدنش عطریّت. اشجار حوالی مضمون عالیست از دل سحابی آیش

سری کشیده، و سبزه هر دو کنارش "گلشن راز" را شرحی به طوالت حمیده. قطعه قطعه ریاحین، و قصیده قصیده روانی آب در زمین. مر مخمس اوقات را به تسدیس جهات مطرا ساز، و مستزاد طراوت بیت قلوب تماشاییان را به غزل نشاط انباز. فلک اگر نه شرمنده حضرت زمین اوست، چرا درین ایام نیلی پوش شود، و خورشید اگر نه گرد رنگ حُمرت اوست، چسان درین فصل از پرندِ سحاب رخ در نکشد. خارِ این زمین سوزنِ رفوی جامه صد چاک گل، و خس این جا آتش ز نه بال شوخی بلبل. هر سنگریزه اش به نظر تراشه العاس نماید، و هنگامِ شام به عکس شفق گونش لعل باشد. همه خاکش از مشک اذفر خوشبو تر، و تمام غبارش هم سرشت عبیر و عنبر. بی غایله ریب هر قدم ارزنگ مانی است، و هر وجب وجب نسبت به سیرایی قابل ثنا خوانی. هجوم تماشاییان در آب مضعف نمایان، و قدوم گشت کنان در میان سبزه ها یکسر عیان. نظرها واله این شادابی، و مردم دیده شیفته چنین سیرایی. اگر خار بندی مژگان سد راه مردمک نشدی، از مساحت چنین ارض چون محروم ماندی. و کشتی دل را اگر لنگر تن مانع حرکت نگشتی، در این آب طوفانی شدی. دریا دلی است آن که تماشایی این تالاب شود، و صافی ضمیری است آن که کاسه ای ازین آب در کشد. مشرب صافی این چشمه صوفیان را به وجد آرد، و مذهب وافی چنین رود صفا کیشان را حالت نیک بخشد.

به وصف "کیر سر" تا لب کنم تر
 دهن پُر می شود از شیر و شکر
 قلم از نیشکر باید به دستم
 به ذوق آب این تالاب مستم
 به آب خضر باید شستم دست
 [۱۴۶] شوم تادر صفاتش پاک سرمست
 ز چشم آهوم چینی دوات است
 به جایی آیم آبی از نبات است

میدادم مشک ابری کاغذ اعلیٰ
 مگر در وصفِ او لب را کنم وا
 به نام ایزد چه آبِ خوشگوار است
 ز رشکش در دلِ هر چشمه خار است
 ز رشکش عکسِ آب و تابِ سیماب
 صفایش را نمودی رنگِ مهتاب
 گلابِ آبی که اندر جویی دارد
 ازین چشمه به طینت بویی دارد
 بی مخمور نوشش می به خصلت
 بی رنجور آبش نوش طینت
 زمینش از بلور و آب سیماب
 ز سبزه هر کرانه فرش سنجاب
 نظر مجبورِ سیرابی درین آب
 نگه مقهورِ شادابی به هر باب
 صلاى باده نوشی صوتِ هر موج
 عروجِ نشه ز آبش موج در موج
 به شوقش آبِ رکتا باد يك اشك
 سیه جامه بر نیلی است از رشك
 خورد گر فی المثل زو ابرِ آبی
 بود باران او اکثر گلابی
 بشوید هر که تن زین چشمه باری
 نه گردد در دلش هرگز غباری
 بنوشد هر که جامی ز آبِ این عین
 کرم را دستِ پاک او بود غین
 تعالی الله زهی تالابِ خوش تاب
 به خصلتِ آبِ او چون باده ناب

حیات روح و سیرابی دیده
 به خمها بادۀ کوثر کشیده
 صفایش از دُر خوش آب افزون
 گدازِ نار رشک اوست سیحون
 اگر ماهی مه در وی نهد پا
 شکنج موج دام او مهیا
 به جامِ مهر گر زو نیست آبی
 چرا اندر سرشتش هست تابی
 حبابِ او نمی باشد تنک ظرف
 نهد بر ماه اندر کاستن حرف
 به زلفِ مهوشان موجش يك انداز
 صدای او بود آهنگِ يك ساز
 کرا طاقت که غیر از نشئه بی
 بر این عینِ خرد لغز آورد بی
 بیا ساقی کرم کن زان می ناب
 که باشد طالبش هر شیخ و هر شاب
 بیا ساقی از آن آبِ مُرَوّق
 که زورش آسمان دارد معلق
 بده جاسی ز خویشم بی خبر کن
 شوم شاید برین چشمه گذر کن
 خرابم ساز از سر جوشِ باده
 که راو بیخودی را اوست جاده
 از آن آبی که خضرش جست و نا یافت
 بده که جستجویش سینه ام کافت
 بیا ای چشمِ مشتاقِ مرا نور
 بیا ای خاطرِ غمناک را سور

بیا ای صبح امید مرا تاب
 بیا ای کامِ آملِ مرا آب
 بگردان جام در بزم دلارام
 الا ای از تو جان خسته آرام
 خمّارم سخت خاطر خسته دارد
 دلم احرامِ کویت بسته دارد
 [۱۴۴] بر آور خشتی از خمِ چکیده
 برون کش آب از آتش کشیده
 شرابست آن که زو دیده برد نور
 شرابست آن که زو مغموم مسرور
 شرابست آن که باشد قوتِ دل
 شرابست آن که باشد فرحتِ دل
 کجایی ای مغنی ناله ات کو
 به دستِ مه دینِ چون هاله ات کو
 بزن تازی به طنبور موالات
 الا ای از تو نغمه را کرامات
 هر آن ذوقی که موسی برد از طور
 ترا آماده در هر تار طنبور
 بیا مطرب به آهنگی که دانی
 بده آواز از آن یارِ جانی
 مروت نیست یاران مست مسرور
 مرا دل نغمه خواه و چشم مخمور
 شراب و نغمه را يك عرض و طول است
 به یکسان هر دو را در دل حلول است

اکنون تمنای دل به وصف "جلوه گاه امامین" منحصر، و خاطر
به تعریف "ارض پاک مصلی" و مرقد امجد میر محمد یوسف
رضوی (۱۴) ناظر

چون مردم از سیر تالاب "کیرسر" این سو گرایند، و به غسل یا وضو
از آن آب از لوت غیر پاک بر آیند، جبین نیاز بر آستانه عالیہ سیدی شباب
اهل الجنة ساینده، و به زیارت آن درگه مظهر انوار الهیه آیند، و فیضهای
ظاہری و باطنی بر بایند.

چه گویم وصف آن پاکیزه درگاه
که می بارد درو انوار الله
چرا خاکش نباشد سرمه عین
که باشد جلوه گاه (۱۵) پاک حسنین
بود خضر نبی سقای این در
بود روح الامین را جای این در
ملایک را نزولی گر بر ارض است
در اول سجده این خاک فرض است
ز روی مرتبه زوار این در
نیالایند کام الا به کوثر
درختانی که می رویند ازین خاک
شرف دارند از رفعت بر افلاک
هر آن سبزه که بر این ارض روید
به دم صد کلمه توحید گوید
غباری کش هوا آشفته دارد
به لب اسمای حسته می شمارد
شراری گرز سنگ این زمین جست
بود صد آتشِ طورش به هر دست

بعد ازان: گلگشت "ارض پاک مصلی" مقبت نظار گیان است که

در روح و صفاهم خاصیت جنان است.

هوا اطلس فروش و مخملی ارض
نظرها را ست سیرابی علی الفرض
دلی را گر به توصیفش زبان است
قلم مدّ نگاهِ قدسیان است

هر طرف تخته تخته سبزه‌ها خود رو، و هر جانب دسته دسته ریاحین
خوش بو، تماشاویان را غرقِ آبِ طراوت می نماید، و سیرِ دوستان سیرابِ نشئه
ملاححت می سازد. عقب دیوارش مجاذی محراب چاهی است عمیق، و از
قعر آن آزاد درختی رسته، و راست به سرش مینارنگ چتری مدور بسته.

درختان را نباشد همچو قد راست
[۱۴۸] مگر خضری در این چشمه به پا خاست
نه دارد خلد زین گونه درختی
بر او را زمرّد گونه رختی
کشیده قامتی چو سرو کشمیر
نظر از دیدنش کم می شود سیر
ز بالای بتان موزون تر است او
ز مشک و عنبر و عودش فزون بو
به قامت آن سرافرازِ فلک سا
که باشد در شرف بر چرخِ اعلیٰ
زمیندارِ تراوت برگ برگش
هوا خود اوست شبنم چون تگرگش

سپس، روضه مطهره منوره عزیز مصر مشاهدات نبوی، سید محمد
یوسف رضوی است، که ارض مرقده پاکش نمک خوانِ کنعان ملاححت،
وفضای صحن رشک افلاکش قافله آباد مصر نزاهت.

نشد سایل چو زین در هیچ گه رد
رود گر بنده آن جا شاه گردد

هر آن کو رنج ز اخوان زمان است
برایش این مکان جای امان است
بی پیران یعقوبی هوایان
مراد دل شود زین در گه آسان
قمر با اختران اندر تواضع
براین درگاه هر شب هست خاضع
و در صحن مینو پهنش یگان حوضی است، از چاه کنعان عمیق تر، و
از نیل به خوش طعمی اکثر.

خورد زان حوض گر کنجشك آبی
ز بالش می چکد هر سو گلایی
اگر زاغی خورد زو رشحه جامی
چو طوطی می شود شیرین کلامی
به نام ایزد چه شیرین آب دارد
که دُرِد اوست هم طعم طبرزد
مریضان را علاج این آب صافی
بی هر درد نوش اوست شافی
بر لب این حوض یگان آزاد درختی قد کشیده، و سرش به ثریا رسیده،
وریشه اش تا تحت الثری دویده.

چو از آوان همیشه در تراوت
به آب و برگ خود کرده قناعت
بی آسایش زوار یکسان
دوانده سایه در رنگ کریمان
و هر گاه از کوه فرو شوند، پایین کوه به تالاب "سهسه لنگ" که با
چشمه مهریک رنگ است، دو چار گردند.

زبان و صاف آب "سهسه لنگ" است
نظر بینای تاب "سهسه لنگ" است
چه گویم وصف آن تالاب صافی
نگه آموزد آن جا نور باقی

سیرابی طبع این گاه در طغیان آمده، مگر سرم هوای
گلگشت "زمین میکرا" دارد، و نزهت خاطر به حدی
رسیده، باید که وصف حضرت شیخ عالی به آب و
رنگ خاص پرنگارد

"میکرا" نام زمینی است مطرا، و اسم ارضی است فرح افزا، که
سبزه اش با سبزه عذار مه رویان هم رنگ، و بر فضایش فضای گلشن
خضرای سما صد پیرهن تنگ؛ غباری که از آن زمین خیزد، رنگ طاروسی
نماید، و شراری که سنگهایش انگیزد، به گونه سندروسی باشد. خُضرت
آسمان رشحه ای از تراوش رنگ او، و کانِ زمرّد عکس آئینه هر سنگ او
[۱۳۹]، حاصلِ شهر سبّا ز کواة شادابی این مکان، و بهارِ جنت الماوی برات
سیرابی چنین خطه والا شان. هوایش عطسه شادابی ملک، و فضایش دلخواه
تراز فضای فلك. آب و سبزه آن صحن میتوبهن، چنان در هم آمیخته شده
است، که گویی در کانِ سیماب بر گهای زمرّد ریخته شده است. هنگامِ
تحریر توصیفش کاغذِ پر طوطی شاید، و لبقه مداد سنبل و ریحان باید. قلم
ازنی نرگس سزاوار، و مُرکّب از مشک اذفر لایق کار. جامه نشاط این جا
رنگین شود، و گل انبساط درین مکان سبز گردد. بلبلِ این زمین از گل بی
نیاز، و قمری این ارض را سرو نظر باز.

جنونِ این زمین با عیش جفت است

که در هر صورت این جا عیش مفت است

نه تنها هوش را بالغز این جا ست

که هر شخصِ جنون را سلسله هاست

اسمی که مسما ازو جلوه دهد همین است، زیرا که سبزه اش آمیخته
مای معین است. ارضِ ختن گرد بوی او، و خاك تبّت به طینت بهره یاب
ازو. خارش به بویایی رشك گل، و خاشاکش آتش زنه آشیانه بلبل. ندانم
گذر گاه پری است که عقل آن جا رم می کند، یا مقدمِ خضر نی که نظر هم
درو سبز می گردد.

"میکرا" چیست قطعه ای ز بهشت
 ارض پاکش همه عبیر سرشت
 پاک تر از قلوب اهل الله
 صاف تر از سرشت اهل صفا
 خنده حور جلوه آبش
 اشک عشاق خاک سیرایش
 از زمینش که رنگ می ریزد
 بال حسن فرنگ می ریزد
 گر زمینش که هست پر فرحت
 دیده را قوت و روح را قوت
 گر غمین اندر آن مکان گذرد
 عیش چون سایه پیش باش رود
 روح "مانی" اگر رسد آن جا
 صورت سبزه سر کشد بالا
 سبزه سازی چنین کجا باشد
 عقل حیران او بجا باشد
 در زمرد سرشته خاک او
 لعل هر سنگ پاره پاک او
 گر سراغ صفا کسی پرسد
 اندرین سبزه زار گو پرسد
 اندرین مرغزار خلد نشاط
 خیل ارواح گستریده بساط
 نشه ها را عروج خویش این جا ست
 فرح ها را هبوط این ماوی ست
 کشت امید را بها است این
 دست آمال را نگار است این

سیر تجرید آن جا است، و مکان تفرید آن صحرا. مجانین را روی

لیلای امید آن جا مشاهده شود، و مجاذیب را جذبۀ دوست در این ارض دست دهد؛ اهل هوش را صورتِ سکر در آن زمین رخ نماید.

”میکرا“ نامش بی وجه نیست، که مایش در سر خوشی همکاسهٔ ’بی‘ است. پیران را سیرش جوان سازد، و جوانان را قَرسِ عیش نیکو تازد. سیرابی دیده آن جا حاصل، و قلوب اصفیا را خاکش خوش منزل.

تعالیٰ الله عجایب جایگاهی

بهشتی بر زمین وقفِ نگاهی

ز ارضِ مصر خاکش پُر فراغت

ز خالِ چین زمین را بیش راحت

درو کاریده تخمِ انس آن قدر

که روح القدس می جوید برو صدر

زمینِ آسمان را این زمین است

مکانِ عیش افزا این زمین است

چنان بالذ فراغت سیر او را

که مرغِ عیش دارد رشته برپا

درختانش بگردون سر کشیده

به آزادی ازین دنیا رمیده

فروزان برگ برگش از تجلی

مکانِ حیرتِ ارواح قدسی

به سایه ظلِ رحمانی کشیده

به رفعت سدره را دامن دریده

[۱۵۰] رسد موسی اگر بالفرض آن جا

تجلی را کند صرف تماشا

نی این جا فرض اهل دید باشد

که جایش جای خوش لغزید باشد

بیا ساقی بده جامِ رحیقی

حبیبی، مشفق، نیکو صدیقی

سرورِ سینه نورِ دیده دل
 انیسی، همدی، حلال، مشکل
 رفیقی، گرم جوشی، مهربانی
 عزیزی، آشنایی، رازدانی
 کریمی، صاف قلبی، نیک خویی
 بهار لاله رنگ مشک بویی
 نگاری، غمگساری، یار غاری
 هُمایی، باز عشرت ها شکاری
 تجلی زارِ طورِ چشم بینا
 بده ساقی بگردان جامِ مینا
 میم ده می که بس آشفته رایم
 به زنجیرِ خرد پُر خسته پایم
 خرابی می کند در سینه ام دل
 تویی ساقی مرا حلال مشکل
 به مستانی ز هستی پاک رسته
 به محزونانِ بالِ دل شکسته
 به خون آشکانِ سرگرمِ محبت
 به دل خستانِ ترک و تازِ محنت
 به غم کیشانِ اقلیمِ محبت
 به دل ریشانِ تسلیمِ محبت
 به پای آبله پردازِ کربت
 به اشکِ چهره غم تازِ کربت
 به محشرِ طینتانِ سینه صد ریش
 به ملکِ بیخودیها رفته از خویش
 به اشکِ آباد رخسارِ یتیمان
 به داغِ کهنه خاطرِ حزینان
 به جوشِ عشق بر مجنون سرشتان
 به روی تابه فرقت برشتان

به رنگِ رویِ عشاقِ بلاکیش
 به محنتهایِ هجرِ فتنه اندیش
 به مژگانِ خاری اشکِ محبت
 به رنج و زاری اربابِ محنت
 به قلبِ عاشقان صد چاک در پوست
 به مرهمِ کاری نظاره دوست
 به آوِ چاکِ جیبِ صد بیابان
 به هوی برق ریزِ صد گلستان
 به سینه صافی پیرِ خرابات
 به آهنگِ خوشِ اهل مقامات
 به صافیِ مشربیه‌هایِ خمِ می
 به درد افزاییِ قال لبِ نی
 به والا دستیِ مینایِ رنگین
 به فرحتِ باریِ صهبایِ مشکین
 به جوشِ عشرتِ دورِ پیاله
 که از کوثر بود نوشش حواله
 به حقِ سرخوشانِ عالمِ آب
 ز خود رفتم مرا دریاب دریاب
 بلایِ ما، منی ماییِ ما شد
 ندانم این ستم بر ما چرا شد
 بده جاسی از آن مایی که ما را
 ازین قید آورد بیرون سراپا
 مغنی بر شکن گوشِ ترانه
 بگوشم ده نوایِ عاشقانه
 تنِ من تنِ تنت را آرزومند
 هوا و حرفتِ اندوه تا چند

مغرب رویه این مکان، درگاه والا جاه عاشق ربانی، مظهر الطاف

سبحانی، شاهباز آشیان وحدت، شمع شبستان قربت، مشرق انوار جلالی و جمالی، پیر شیخ عالی (۱۶) است، که فقیران درش به شاهان هم کلاه، و سنگهای آستانش در نور رشک مهر و ماه، جن و انس را سرقد امجدش قبله، و وحش و طیر را ارض اقدسش کعبه.

فلک خدمت گذار آستانش
 ملک با صدق نیت پاسبانش
 شرف دارد زمینش بر سماوات
 هجوم نور افزون تر زجنات
 جبین سای درش خورشید انور
 چو یثرب خاک پاک او مطهر
 میان صحنش از انبوه انوار
 نباشد ماه و خور را رونق کار
 تعالی الله زهی پاکیزه درگاه
 که نور اوست وقف چهره ماه
 نه حاجتمند را آن جا ست زاری
 که بی نیت کشد کارش ز باری
 زبان در وصف مدح اوست کوتاه
 به کوهی چون توان آویختن کاه

نوش زایران، و برای خرج مجاوران آن جا چاهی است، از زمزم متبرک تر، و از چشمه عیون اهل صفا انور- بس که آبش هم چاشنی شکر است، در عرف نامش "کهند سر" است- [در زبان سندی "کهند سر" به معنی "چشمه قند"] در انداز [۱۵۱] عمقش مساح اندیشه حیران، و بربل فرحت بارش ضابط خرد نگران- یوسف دلوکش آن چاه خوش آب است، و خضر سقای آن چشمه خوش تاب- آب حیات به رشکش در ظلمات نهان شده، و زمزم به غیرت شیرینی اش شوری بهم رسانیده-

نکو چشمه مهر طلعت بود
 که از دیدنش دل به حیرت بود

همی تابدش آبِ سیماب و ش
 چو آبِ دُرش نیست در ظرفِ غش
 گوارا تر از نوشِ آبِ حیات
 تو گویی که بگداخت این جا نبات
 شکر را خود این ذایقه یاد نیست
 به آب این صفت جز خداداد نیست

نی ای را که سازند ز آن آب تر
 نوایش دهد چاشنی ای شکر
 درختانِ آزاد بر دورِ او
 چو سرونند بر پا ستاده نکو
 سر افراخته بر سما هر یکی
 چو طوطی بود در صفا هر یکی
 بر طوطی از برگِ شان متفعل
 بود ریشه شان محکمِ مرزِ دل
 خنک تر هوا در ته هر شجر
 نسیمِ بهشت است نازل به سر
 صفایی که آن جا نماید مدام
 بود دست در دوش بیت الحرام

مشرق رویه، این زمین، ارم تزیین، در شعابِ جبل غارهای متعدده
 جای اعتکاف اهل الله، و کنج عزلت تارکان ماسوی الله است.

کشد گرکس در آن جا اربعینی
 بود در معرفت صاحب یقینی
 کهن پیران از دنیا بریده
 چو مردم یافتندش پاک دیده
 به رنگ اشک اندر چشم مستور
 در آن جا صاف قلبی چند مسرور

به قلبِ کوه چون دل اهل وحدت
 همی دارند با دلدار خلوت
 خدارا طالبی خونین دلی چند
 میانِ سنگها چون لعل خورسند
 و همچنین جای پرستش هنود، بر سر چشمهٔ خوش نمود، محل
 سجاها و ات جوگیان، و منزل ریاضت سناسیان است.

به خاکستر نشسته همچو انکشت
 شرار شوق دلدارند در کشت
 به عریانی سرِ شان بسته آهنگ
 برِ شان جامهٔ خاکستری رنگ
 ز پس در آتش شوقی برشتند
 شرار آسا به خاکستر نشتند
 صنم در سنگها بنموده ماوی
 بر این آزادگان ترکِ دنیا
 بسی از خسته خاطرهای آن قوم
 میان غارها دل بسته "هوم"

در دامان این کوه به همان ذات شهر و اماکن مسطور، یگان جبل پاره
 ای است در ارتفاع به آسمان توانان، و بالایش مرقد ارشد واقف اسرار
 لاریب، پیرغیب است، که هر سال مجمعی غریب آن جا حسن انعقاد یابد،
 واحدی از شیخ و شاب پیرو برنا در شهر نباشد که در آن مجمع نه شتابد. از
 جملهٔ خوارق آن مجمع خلاق، وقوع بارش است، در روز فیض اندوز مجمع.

خرامان روز مجمع پیر و برنا
 به دیده بسته نیرنگِ تمنا
 بود ابر از هوادارانِ این در
 که روزِ مجمعی بارد در اکثر
 در آن روزی که فرحت را زمان است
 جهان را ابر بر سر سایبان است

سحاب آن روز سقایی کند بیش
طراوت نذر بیرون آرد از خویش
زمین سبز و جبل سبز و هوا سبز
چگونه می نسازد دیده را سبز

[۱۵۲] دل می خواهد که به سیر طغرلباد شتابد، از آن
گل زمین مینو آیین فرحتی یابد، هان تماشاایان جوشی
و مستمعان گوشی

نه تنها دیده خواهان تماشا است
که دل بر سیر او گرمِ تمنا است
هیون هوش اگر امداد سازد
تواند دل دمی بر سیر تازد
رفیقِ راهِ این سیرم شود می
دلیلِ کاروانِ دل بس است نی
بیا ساقی دمی آبی کرم کن
بیا مطرب علاجِ کهنه غم کن
بیا ساقی بگردان جام می را
بیا مطرب به نغمه آری را
بیا ساقی بیفکن شورِ قلقل
بیا مطرب نوایی ده چو بلبل
بیا ساقی بهم ده آتش و آب
بیا مطرب بزن تاری به مضراب

زمین "طغرل باد" (۱۷)، عشرت بنیاد، که خاکش به سیرابی بر کشمیر
تفوق دارد، و هوایش به شادابی بر ابرِ مطیر سبقت می آرد. صبحش را سوره
"والشمس" تفسیر، و شبش را "آیات نور" تعبیر. ماه از آن جا استکسب نور
کند، و مهر آلالیش تکدر از آن زمین دور نماید. شام غریبان را صبح اسید آن جا
هست، و سحر شب بیداران را مهر از آن سو پیدا. سبزه زارش را آهوان چین

جویان، و مرغزارش را غرالان حرم پویان. اگر صفا را معدنی باشد، آن کوه والا شکوه است، و اگر نزهت را منبعی نشان دهند، آن مکان فرحت نشان است. صعوه ای را که آن جا آشیانی بود، باز سپر به جولانش نرسد. و بومی را که بر، بر و بومش گهی گذر افتد، هما شاگرد سعادتش باشد. اگر هد هد سلیمان آن جا رسدی، تعریف سبا بر لب نه راندی. و اگر باز سفید آسمان آن جا آشیان گزیدی، دیگر هوای پرواز نبودی. زعفران زار کشمیر خنده شادابی سبزه خود رویش، و سنبل زار خطا و ختن بنده سیرابی ریحان مشک بویش. در مرتع افلاک جدی و حمل را آن ذوق نیست که صرف آهوان صحرای پر فتح این زمین بود. و ثور و اسد گردون را در سبزه زار آسمان آن شوق نیست که وقف چرندگان بیدای سراپا روح این ارض باشد. در تعریف سواد ارضش بیاض مهر پر از خطوط شعاعی است، و در توصیف بیاض فضایش سواد ماه صرف روشنایی. طغرای کتاب ملاحت کائنات است، یا دیباچه نسخه نزهت سماوات. مرغانش را "منطق الطیر" ازبر، و سبزه زارش "گلشن راز" را مفسر. رباعیات "سحابی" به شادابی منتهای سلیسش نرسند، و قطعات "انوری" هم مضمون فرح باری قطعه ای از ارضش نباشند. قصیده بهاریه نگاه نظاره گیان را تشبیب از آن جا ست، و غزل نشاطیه طبع یاران را مستزاد فرح این جا پیدا. آبش شاعری ست صافی طبع که به تازه مضمونی تموج انبساط زلالی بدو رسد، هوایش مصفی است عالی دماغ، که بر نسخه ارم به حواشی، خط ریحان شرح بسیط نگارد.

سخن در وصف شادابی این ارض
 کند در آب حیوان غسل بالفرض
 لبی را گر هوای وصف او شد
 زلال خضرش اول در گلو شد
 به راه وصفش از گامی براند
 ز شادابی قلم ریشه دواند
 سیاهی باید از چشم غزاله
 مگر در وصف او بندم رساله

شود بیخود گهی توصیف او حرف
 که شادابیش را راحی ست در ظرف
 بیا ساقی از آن راح مفرح
 که سازد ضیق طبعان را مفتاح
 بیخوان مطرب غزلهای نشاطی
 که سازد مستمع را انبساطی

غزل

وقت نا نوش آمد دوستداران را صلا
 موسمِ عشرت رسیده می گساران را صلا
 ابر چون دستِ کریمان وقتِ ریزش گشته است
 سبزه‌ها شاداب طبعِ فرح جویان را صلا
 گل پرندِ رنگ پاره کرد برتن از نشاط
 جوش در طبعِ بهار آمد هزاران را صلا
 مشکِ اذفر می دهد از کام ریحانه‌های کوه
 متقبض طبعان قیدِ خان و مانان را صلا
 آبها همرنگِ باده سبزه‌ها اندر بهار
 [۱۵۳] همچو "قانع" برتعیش باده خواران را صلا

غزل

وقت است ساقی از کرم بخشی دلِ ناشاد را
 لب تشنگی از حد شده جامی دو سه معتاد را
 خواهم ز دل زنگِ الم بزدایی ای کانِ کرم
 دست ترا مانند یمِ آبی بجو امداد را
 ابر و هوا را مرحبا، عیش و فرح را حبّدا
 ریحان و سبزه را صلا، عشقِ الهِ خوش باد را

هنگامِ سیرِ دل گزین جای فراغت به ازین
 نه بود یقین خلدِ برین مر مردمِ آزاد را
 نظاره ها شیدا بود دل را سر سودا بود
 "قانع" تمناها بود مر سیر "طغرل باد" را

هر چند اکنون از مدها آبادی ظاهر ندارد، فاما در ایام باران هجوم
 خلق آن جا اقصی الغایت صورت می بندد، والحق غریب روحی و عجیب
 فتوحی دارد. عمارات مندرسه قدیمه اش نور بار، و شکسته ریخته دیوارهای
 قلعه اش منبع انوار، در عرف "کلان کوت" اش گویند، و بی غایله ریب آن
 چنان که محسوس است در اعتلایش بر سایر کوت ها حرفی نیست.
 تالابهای چندی اندرونش به طراوت آب و سبزه خود فریب، تو گویی
 خشت پزانش پنجه خورشید را به جای کالبد به کار بردند، و سنگ
 تراشانش تیشه هلال را برای مشق نقش کنی آزمودند. گچش مصفا تر از
 طباشیر، و سفیده اش از ماهتاب بیش تنویر.

نه تنها دیده را آن جا سرور است
 که دلها را درو طرفه حضور است
 خرد نظاره را مزدور باشد
 جنون در بیخودی معذور باشد
 تجلی زارِ طورِ چشمِ بینا
 کند کسبِ فرحِ زو چرخِ مینا
 طراوت ریزی ارضش بد آن حد
 که شخصِ شوقِ آن جاسی کشد قد
 مسرت بر مسرت فرش کردند
 سپس طرحش به رنگِ عرش کردند
 همیشه ساکنِ این ارضِ خاکی
 زند صد طعنه بر جنت به پاکی
 گهی توصیفِ این ارضِ خرد لغز
 زبان در کام گردد پسته سان مغز

دلی را کش بود در سر غم او
 به عمرِ خضر سنجد يك دم او
 ندارد هوش این جا تابِ تقریر
 که باشد سبزه اش دامنِ دلگیر

سبحان الله آن را که در خرابی چنین حال، حین آبادی چه مثال داشته باشد. هر گاه کسی درو پا می نهد، هوش را اول بیرون در جا می دهد. هر سنگش را آبِ عقیق به جای شراره چکان، و هر خشتش را شیر خشت به خاصیت در جیب و دامن. بی باده این جا کیفیت سرور دست دهد، و جز نوا سرو برگ عشرت این جا میسر گردد. سبزان کان خوبی، و ملیحان ریحان محبوبی، علی الرسم تفتن شبها بیرون قلعه در موضع "معین" سکونت (؟) فرمایند، و روزها به قانون گلگشت اندرون قلعه در سبزه زارها بساط عشرت گسترند. و هرگاه کسی بر برج و بارداش عروج کند، چرخ اخضر کهین پایه نردباننش بود- و خورشید خاور کنجشک پست ترین آشیانش باشد. ماشاء الله چه جای با صفا است! تا نظر راه رود جز آب و سبزه مرئی نه، و بدون گل افشانی روح سرور تماشایی را معاینه نیست. جبل او را در شعاب غریب راه ها ست، و عجیب ماوی ها. از درختان زمرد بار و عیون فرحت کارش چه شرح رود، که مژه به شادابی نظاره سبزه های خود رو سبزه کنار حیوان بود. و انسان العین به مشاهده عیون کوثر نمونش هم مرتبه رضوان. علی الخصوص تالاب "اکهور" پایین کوه طرف شمال آن قلعه والا شکوه است، که تعمیر کنارهای معینش را آب گوهر و رنگ گل به جای آهک و سارو است، و صفایی ماء معینش را چشمه مهر و ماه عرق گداز رشک چرخ هندو.

چه گویم وصفِ آن تالابِ شیرین
 که شیرِ جوی فرهادش بود طین
 نهفته چشمه ای در وی به طرحی
 رموز حکمت العین راست شرحی
 [۱۵۴] مثال چشم این تالابِ خوش تاب
 میانش مردمک با دیده پر آب

میان چشمه چشمه حیرت افزا ست
 مگر دل را میان قلب ماوی ست
 سری را که به وصفش آشنایست
 سخن بی شبه قانون شنایست
 قلم غوطه خورد در عین کافور
 همی بارد زسوجش نور بر نور
 زبان در شرح خوش رنگی این آب
 به آب گوهر خوش آب سیراب
 نظر خرم تراش باغ رضوان
 حبابش راست اندر کاسه حیوان
 وزد بادی کزین تالاب هر سو
 نسیم کوثرش آبی ست درجو
 بنام ایزد عجب تالاب باشد
 گداز تاب او سیماب باشد
 نشسته خوب رویان بر کناره
 سپهر حسن را رخشان ستاره
 یکی چون ماه اندر کسوت نور
 به جام باده نابی است مسرور
 یکی بر سر عبیری رنگ چیره
 ملاححت را سرشت او ذخیره
 "کسنی پسته" سبزان خرد تاز
 نشسته بر سر تالاب در ناز
 به عکس خویش آن خورشید سازان
 ز روی مهر طاق و جفت بازان
 به سوی دلبران "گنجفه باز"
 ورق گردان مهر و ماه از ناز

به طرفی مجمعی "جوهر" خوش آهنگ
 ربایند از کفِ خورشید و مه رنگ
 بنرد مهر جمعی فارغ البال
 زده بر تخته دلها دو سه خال
 گروهی صرف "شطرنج" مجازی
 ز دست یار خود خوردند بازی
 دو داسی جامه در بر دلبری چند
 خرامان بهر صید عاشقانند
 ز "ململ" مر یکی را نیمه تنگی
 به فن دلبرها شوخ و شنگی
 گروهی سیرینان لا ابالی
 به دلچسپی به رنگ شعر حالی
 خریدار متاع دید حسن اند
 طپان در نار شوقی همچو اسپند
 یکی را دست در دوش صراحی
 به حال خویش سرمست فلاحی
 یکی در نشه بی سرشار و مدهوش
 یکی با دلبری دست اندر آغوش
 یکی در جام عکس دوست دیده
 یکی در بیخودی جامه دریده
 یکی را نغمه بر لب صورت نی
 دمد از بند بندش صوت یا حی
 درین غم خانه عشرت را چنین جا
 یقین نبود سراغ چشم بینا
 بیا ساقی بده آن جام سرشار
 که هوش از سر همی تازد به يك بار

بیا ساقی بده آن باده صاف
 که رضوانش بود در خلد و صاف
 مَیِّم ده می که مخموری ز حد شد
 نفس در کام "حبل مِنّ مَسَد" شد
 بیا ای چشمِ مخمور مرا آب
 خدا را يك دسی دریاب دریاب
 نَیِّم زاهد که درخشکی بمیرم
 می روز ازل آمد خمیرم
 غلامِ ساقی کوثر منم من
 ز نار حب او اخگر منم من
 به اشکِ ذوقیان دید دلدار
 به آو شوقیان جلوۀ یار
 به هوی رفته از خویشان مستی
 به هوش خاطر افکاران هستی
 به ذوق وصل مهجوران بیخود
 به شوق چشمِ مخموران بیخود
 به داغ کهنه دردان غمِ دوست
 به سوز سینه ریشان همِ دوست
 به لب خشکیِ مخموران هجرت
 به دل رنجی مغمومان کربت
 به بیتابی دلهای رسیده
 به خوش رنگیِ خمهای چکیده
 به شکر خندی سیخواره ای چند
 به خوش حرفی لعلِ یار چون قند
 هیون عمر باشد برق مهمیز
 خدا را يك دو جامی بر لبم ریز
 مغنی گوش بربط را بده تاب
 که نغمه خوش بود در عالم آب

به آهنگی که زو منصور شد مست
 بنام دوست در انفاس کوهست
 در آن پرده که موسی گفت "ارنی"
 لبّت را در حقیقت صاف معنی
 درین جا نطقها را نیست تابی
 بیا ساقی بده جام شرابی

چون از گلگشت بار "طغرلباد" چمن چمن فرحت
 دست داد، پای دل به وصف مجمع "ملا داؤد درس"
 مایل، پای هوش درین راه نلغزاد، و خار کوتاهی در
 دامن آرزو و مخلاد

بیا ای دل اگر داری سر سیر
 که گرد ره بود صد سیر کشمیر
 نگه را بویه در مرز بهشت است
 [۱۵۵] که خالک او ملاح را سرشت است
 بده ساقی یگان جامی می ناب
 که هر سویی است مرئی عالم آب
 مغنی راه نیشاپور عشق است
 نوایی زن که در سر شور عشق است

در موسم باران، که ایام سیر یاران، و آوان غم زدایی خاطر حزینان
 است. بالای زمین طغرلباد، به مسافت دو سه کروه بر درگاه وارسته
 ماسوی، یگانه ملک تفرید، پاکباز کشور تجرید، ملا داؤد درس مجمعی
 رنگین نگین دست، مجمعه‌های هوش فریب، حسن انعقاد می یابد. و چون در
 آن زمین دلنشین دو سه روز اقامت، و سر سایه ندارد، هر گروهی در خیمه و
 چادری بزم عشرت و صحبت مسرت گرم می دارند. طرفه حالی آن جا مرئی
 و غریب رنگی مشاهده. اگر فراش سحاب خیمه ابری رنگ خویش به
 طنابهای تسلسل و استاده‌های هوا آن جا برپا دارد، به رنگ چرکین چادری

از سر خوشان آن مجمع نرسد، و اگر خیمه دوز فلک از اطللس خود به طناب کهکشان مسلسل تقاطر خرگاهی افراشد، يك چين سرسری عیاشان آن مسرت گاه توامان نگردد. شامیانه شام گرد رنگ قلندری سیارانش، و سایبان سحاب غبار بر هوا بسته "تنکوتی" گدایانش، سقرلاط لاجوردی رنگ سپهر را آن جا اعتباری نبود، و مشجر زریاف مهر را در آن زمین وقاری نباشد. جلوۀ ماهتاب گرد افشاندۀ "چاندنی ها" ورعشۀ آفتاب خلش خار رشك "سوزنی ها". قالیچه پیچی زر تار شعشات خورشید پا انداز صدر نشینانش و آد قچۀ سیم باف انوار ماه صرف گذر گاه صف نعال گزینانش. نمۀ سبز رنگ ابر دستمال هواداران هر خرگاه، و "جاجم" سرخ شفق، فرش مستراح پاسداران هر بارگاه. مشعلچی ماه را در آن شب ها، از کلف تیل در پتیل، مگر بکار روشنایی های آن محافل خدمتی را شایان شود، شمّاعی مهر را کافور سفیدۀ شمع در زنبیل. بوکه ازو کار دست بسته نمایان گردد.

تعالی الله عجائب دستگاهی

شکوهی رشك چشم مهر و ماهی

نظر را دیدنش سودای شاهی

درین جا مردمك را کج کلاهی

به هر سو خیمه های عرش فرسا

تو گویی در هوا ابر مطرا

صباغ گردون حیران رنگ آمیزی فروش الوانش، و نقاش بهار والۀ هوای بوقلمونی تکلف زمینِ عشرت گزینانش. در هر خیمه خیل خیل نازنینان، اورنگ آرای کشور خوبی، و در جمله خرگاه ها، جوق جوق یوسف طلعتان عزیز مصر محبوبی. کثرت خلق و هجوم خیمه ها بدون غایت رسد، که مثال اردوی عظیم در آئینه دیده ها منتطع شود. از هر جهت ترتیبی دکاکین و دو رسته اسواق حسن تزئین، نظرها لغزش مفتی می خورند. و دلها متاعِ خرمی به طوع می خرنند. صرافانش به غرور غنا مالک دینار را در مرتبه به خاطر نسنجند، و به شماره تود های پیسه و روپیه واقف به سفید و سیاه عالمند. تنبولی به برگ و ساز سرخ رویی در مجرای سبز ان آمده جان

سپاری، و چونۀ تب دل با..... [۱۵۶] [این جا دراصل مخطوطه چهار سطر غایب شده اند] است.

به تقاضای رطوبت هوا، و سم خوشی طبع احباء مضمون دل مینا به رنگ عشرت آما گل کند و مراد خاطر بر جام بلورین به آب رنگین جلوۀ تحسین یابد، سیوها را دل پر خالی، و یاران را مدعایش هو بو حالی.

بنوشا نوش جوشد رازِ عشرت
مغنی بر نوازَد سازِ عشرت
دلِ زهاد را دونیمه سازد
یدِ زور آورِ اعجازِ عشرت
دهد جامی و مرغی هوش گیرد
قوی چنگال باشد بازِ عشرت
مغنی آشنای راه و رسمش
سرم شوریده اندازِ عشرت
فراموشی دهد "قانع" ز آلام
روم قربان ادای نازِ عشرت

ساقیان سیمین عذار، بر کف پیاله، و مغنی ناهید کردار، در دست دفی چون هاله. محبوبانِ ماه رو، بر لب جامِ می، مطربانِ بار بُدِ خو سرگرم صدای نی. سوزن مضرابِ رفوسازِ جامۀ صد چاک دل، و زخمۀ رباب زنده کنِ سرغ نیم بسمل. سرودِ هندی عراقیان را جامه برتن درد، و ترانۀ خسروی، حجازیان را به بندگی خرد، "کلا نوتان" خوش آهنگ، دست بر "مردنگ" و قوالان سرگرم نغمه بار صف بسته رنگ. سینه هایِ موسیقارِ مطربانِ زیر و بم که کوك کنند، آتش به نای منصور دمند. دست برهم زنی مقاماتِ آشنایان را آهنگ خوشی، و دف زنی اصول خوانان را از جلاجل گرم تر گوشی، کمانچه پیلک تیر رسا سرگرم صیدِ دلها، و رود به روانی نالۀ آب بر آتشِ جگر پر کاله پر کاله. عطر افشانی جاده های رنگینِ صدای عود، مشام افروز سامعه داؤد. چار تاره در شش جهت غلغله انداز، و قانونچه قانونِ طرب را ساز.

ساقی همه را باده صافی بخشد
 در کامِ امل لذتِ وافی بخشد
 امروز درین بزم کفِ نغمه تراش
 از جمله غم و درد معافی بخشد
 تر نواهیهای مستان بادهٔ عشرت، در هوا طغیانِ طراوت، فرح افزائی
 موجِ ترنم در مغز روزگار طوفانِ مسرت.

صدای هوش فرسای ربابی
 کند در مغزِ تقوی پر خرابی
 کند آهنگِ برِبط بر کرانه
 به مغزِ زاهدان بس شاخسانه
 نه موسیقار خیزد نغمهٔ دوست
 بود طنبور را سوز اندر پوست
 تذرو نغمه تا سازد پری وا
 زد آتش آشیان بلبلان را
 به پا کوبیِ رقاصان مهوش
 فتد مر هوش را نعلِ اندر آتش
 درین جا گوشِ نغمه آشنایان
 ز داغ سینه می باشد گل افشان
 چه گویم وصف آن زیبا نشیمن
 بهارِ بیخودی ها راست گلشن

در این روزها که نوروز خرمی عبارت از آن باشد، تکلفاتِ شایان در کشیدنِ خوان الوان به کار است. و رنگینیهای نمایان در ماکولات و مشروبات سزاوار سفره چی لذت را آن چه در حوصله گنجد، بکشیدنش خود را دریغ ندارد. و سیلابچی حلاوت را هر چه در کامِ امل گوارا آید، به صلاى آن انساک نوزد. استخوانِ بی مغز قلم [۱۵۷] ساقِ عرش فرسوده راه طلبِ بوسهٔ لب بامش، چشمِ ملک حیران سوادِ کاری شامش. شمع ماه در آن روضهٔ پرضیای نور، و نور مهر به صفای ارضش در تیرگی مجبور

به رنگ آمیزیش نقاشِ صنعت
 کشوده بر رخِ خود دستِ حیرت
 فراهم کرد رنگِ جبّه گل
 صدف در دستش از مقدار بلبل
 ز تارِ شعشعه مهرش مو قلم بست
 مگر کرده بر این در گاه تر دست
 به هر اشجار دیوارش شرر بار
 ز هر شاخش نهالِ خلد گلزار
 طلای مهر را نبود چنین تاب
 سفیدش آتش اندر جان سیماب
 گلش در رنگِ سیرایی دیده
 که باشد بوی او در دل دویده
 چنان نقاش او را بود نر دسته
 که آب و آتش اندر برگ گل بست
 چو فکرِ نخل پیرائیش سر داد
 بجایِ کلك طوطی بال و پر داد
 کنشیدی تا شبیهی شمع خوش تاب
 برنگش ریخت پروانه سر شک آب
 نمودی حرفِ سوسن نیل مردم
 که در سوداش کردد عقلها گم
 گرفته آبِ نیلوفر ته مشّت
 بسودی لاجوردش تا بانگشت
 شدی یاری ده او طبعِ سیراب
 همی مالید چون زنگار در آب
 چو ابرِ مشق آن جا کف کشوده
 طلای مهر یکسر حل نموده
 بحل کاری چو کردی دستش آهنگ

زِرِ گل سود جائِ رنگِ برسنگ
 ز شنجرفِ شفق پُر شد پیاله
 کشیدی تا یگان تصویر لاله
 طراوب را چو نخلِ بار و ر بست
 بُدش ز آبِ زمرّد موج در دست
 کشیدی گر بفرضاً صورتِ زاغ
 بسودی لاله یکسر نیلِم داغ
 به آب لعل کلک او شده تر
 نوشتی تا گلی را آن مصور
 ز دیوار و درِ این منبع نور
 همی تابد همیشه جلوه طور
 بود در وصفش اینها جملگی کم
 که باشد جلوه گاه شاه عالم

اگر زاغ شب بر این کوه آشیان بندد، از طراوت باری های هوایش
 رنگ طوطی یابد. و اگر مینای صبح درین جبل دمی پرواز کند، بنور باری
 صفایش کِسوت نوری ببر گیرد. طاؤسانش را محضر زرین کاری انوار
 ایزدی بر بال و پر بسته، و کبکانش را بهار خوش رفتاری در هر گام وابسته.
 یگان مسجدی همقدّر "مسجد اقصی"، بر آن درگاه عرش سا است، که
 يك رکوع درو بهزار سجود ملايك برابر، و هر اقامتش بنشست قدسیان بهره ور-

درو گر بسته کس نیت بطاعت
 ملک را بهر او فرض است اطاعت
 بود ز انوار نور ایزدی باغ
 بچشم سا کنانش کحلِ مازاغ
 بنائ او بود با کعبه هم سنگ
 بود رنگش برنگ عرش يك رنگ

شمسه ایوانش گوی زرین خورشید را برطاقِ نسیان مانده و شعشعه
 انوار صحنش طائرانِ قدس را بال افشانده. ابروی محرابش هلال عید را بر شک

ناخن در جگر زده، و کمان طاقهاش قوس قزح را بی بر اخگر زده، ساق عرش بکمین پایه منبرش نرسد، و پای خطیب بر آن در ارتفاع از دوش فرقدین بگذرد. موذنش را بلال بنده اخلاص، و مکبرش را تسبیح ملائک و وظیفه اختصاص. وظیفه خوانانش مرزوق وظایف سما، و اعتکاف دارانش مشغول ذکر حاملان ملای اعلیٰ هر درش باب بیت الحرام. و هر دیوارش را راح انوار به جام.

صفا باردش دایم از سنگ فرش
رسد نور موج حصیرش به عرش
فلک رفعتش را رهین و غلام
رسد بر سرش از ملائک سلام
ز سقفش که با عرش هم بر شده
رخ جمله سیاره انور شده
بنام خدا نور را کان او
حضور ملک وقف مهمان او

عقب هر چار دیوار این مسجد سراپا انوار، نشیمنهای عالی، مشرف بر روضات حوالی، و باغات از دستبرد خزان خالی، و تالابهای مملو آب زلالی که نسیم فردوس آن جا شیفته هوای دم صبح است، و بهار جنت عطسه آرزوی دریافت روی سواد شام. شبهای ماهتاب تماشایی قدرت ایزدی مفت تماشاییان، و بهار حکمت سرمدی تقد سائران.

هوا کرشمه نور است در شب مهتاب
صفا تجلی طور است در شب مهتاب
بهشت تقد دل زایران این درگاه
که پُر زخنده حور است در شب مهتاب
خنک هوا به نسیم بهشت دوشا دوش
فریب چشم شعور است در شب مهتاب
صفای صحن لطافت بهار هر مامن
شعاع بزم حضور است در شب مهتاب
زبان "قانع" مداح آستانه شاه
عرق فشان [۱۵۸] قصور است در شب مهتاب

در آن نشیمنهای رفیع هر که شبهای ماهتاب نشیند، تا نظر کار کند
 هر طرف پایین کوه، تالاب های آب خوش رنگ بیند. گویی موجها را از پرتو
 مهتاب لباس طاؤس قرئی در بر است، و حبابها را شعشعات کلاه زرد بر سر.
 نه دائم جلوه های زرین است، یا افشان پروین- رنگ ماهتاب بر سر شوخان
 حباب دستاری است سفید سیمین کناره، و بر دیوانگان موج پیرهن کتانی
 پاره پاره.

به هر سویی روان آبی چو سیماب
 به ساحل سبزه ها چو فرش سنجاب
 نظر پیمانه پیمای رحیق است
 ز عکس لاله اش رنگ عقیق است

صبح و شام تماشاگران، بر آن اماکنِ علیّه آسمان توانان فضای خلد را
 به خاطر نستجند، تا به هوای سیر کشمیر چسان گرایند. هر طرف سبزه های
 سیر و نیمسیر رنگ، رشک کارنامه مانی و ارژنگ. هر جانب ریحانهای
 خوش بو، خون ساز نافه آهو. از اشجار تجلی زار "أصلها ثابت و فرعها فی
 السماء". چه شرح دهم که زبان به توصیف شادابی برگ برگ هر یک ریشه
 دار، و بنان در تعریف سیرابی شاخها انموذج کریمه "تجری بین تحتها
 الانهار". طوبی سایه پرورد هر شجر و سدره به فیض طراوتهایش بارور.

درختان آزاد هر سو کنار
 از انفاس قدسی همه بار دار
 کشیده قدان همچو نخل بهشت
 ز کوثر روان آب شان را به کشت
 نهال مراد اند در زیب و فرح
 که دهقان قدرت نکو داد طرح
 سهی سرو از قامت شان خجل
 رود ریشه شان به بستان دل

هر آن مرغی که بر این اشجار آشیان سازد، هما را به تلقین سعادت
 نوازد. و هر آن جانوری که در سایه شان چرد، آهوان حرم را به بندگی خرد.

بازِ سفید مهر اگر نه طلبگار سایه اش بودی، چرا سر خود را بر برگش سودی.
و نوری يك رنگ ماه اگر نه هوای دار چینیش داشتی، چرا هر شب بجان
کاستی. طوطی سبز ابر به طراوت آب داری شیرین پر ها رنگ سبز یافته، و
مینیای سرخ شفق بر رنگ های گلهایش بال یافته. بی غایه ریب، ارضی به
این طراوت محسوس خرد نیست، و بی شایبه شك، زمینی بدین شادابی
مرئی شخصِ مخیله نه- موسی' نگاهان را وادی ایمن آن جاست، و عیسی'
نفسان را وعده گاه خضر آن ماؤا. نقاش بهار زری که در بوته گل به عیار
آورده، همه اش به تذهیب هر برگ برگ شجر به کار خود آورده. زمین از
عکس سیرابی سایه های هر درخت رشك سپهر برین، و برگها را هجوم
برگ ریز درختان افشان پروین. نیلم سویدای دل این جا رنگ گیرد، و آبنوس
سردمك بر این ارض لون پزیرد. مرجان سرخی عیون عشاق بر این آبها بالد، و
زمرّد سیرابی طبع درین مکان سبزی یابد. الماس نگاه را تاب این جا، و عقیق
شفق را آب این جا. لعل گل از این زمین رنگ یاب، و کهربای رنگ روی
طالبان دوست را بر این ارض آب تخم نشاط را این جا نمود، و غنچه انقباض
قلوب را بر این خاك پاك كشود. نسترن ماه را رنگ ازین جاست و شبوی
انجم را راتحه درین زمین پیدا.

بنام ایزد عجائب ماسن است این
طراوت را همیشه معدن است این
سخن گلزار در انداز رنگش
بیاض سبزی جنت به چنگش
زبان گلبرگ صفحه ارض بستان
به وصفش نطق همرنگ هزاران

هر چند بر این درگاه ثریا جاه، همه روز هجوم خلق الله از حدِ احصی
فزون، فاما بخصوص شبِ جمعه هر هفته بتخصیص جمعه اول ماه، تماشای
نیرنگی وهاب بیچون است. و هر سال یازدهم و دوازدهم ماه ربیع الاول
غریب [۱۵۹] مجمعی رومی دهد. نیز حور طلعتان گندم رنگ بداله خال
فریب آرام آدم سیرتان، وجوق پری زادان شوخ و شنگ هوش ربای بنی نوع

انسان. گروه ملیحان نملک دیده عافیت سیاران، و مجموعه سیزان گل چشم
شکیبای عاشقان.

ندانم این زمین را چیست تأثیر
که آغازد جوانی را ز سر پیر
اگر مغموم آن جا گام راند
در ارض سرخوشی ریشه دواند
به چشم سرخوشان هر چاره خاک
بود بالخاصیت همشیره تانک
هوایش می دهد خاصیت مل
بود در شبنمش ریزان پر گل
زسنبیل سبزه اش دارد فزون بو
چو ریحان خط دلدار خود رو

حبذا مجمعی، و مرحبا مرجعی، که هوشها واله هوای او، و دیده ها
شیفته صفای او.

خامه شوق را به توصیفش
زر مهرست مداد بی غل و غش
صفحه گل موج رنگش است مسطر
نطق را
تا به گلزار وصف او زد بی
مر زیان را گلاب باشد خی
سخن اندر برند خله نور
شد تجلی فروش کوه طور
گرسر فکر وصف او دارد
سنبیل آسایش موی بو دارد
مغز اندر دماغ سبز شود
کلك را ریشه در بنان رود
در فکر ارچه همچنان واز است

مستمع را پسند ایجاز است
به که این جا عنان خامه کشم
خال تمت به رویِ نامه کشم

بس که کلام اکثر فصحا در تعریفِ بهارِ کشمیر مرئی می شد، و
وصفِ شش فصلِ پنجاب هوش از دل می ستد. تعجب این که کسی راه
توصیفِ این کوهِ جنتِ شکوه که صد مرتبه به رتبه از آن بیش، به لب نرانده،
وهِ هیونِ فکرِ احدی در فضای خلدِ نَمایِ موسمِ برشگال این ارضِ ارم مثال که
بهارِ رویِ زمینِ گروِ رنگش است، شیرین خراسی نه کرده تماشایی نیرنگِ
حقیقی و مجازی، علی شیر "قانع" شیرازی را، مدتی هوای انشای چنین
نسخه و تمنای همچو رساله ناخن زن پرده دل بود، لله الحمد که درین وقت به
برکتِ انفاسِ قدسی "پیران مکی" شاهد این آرزو نقاب از رو به وجه احسن
کشود. اگر به سهوی که سرشتِ مخلوقات است، طبایع اولوالافهام آگه
شوند، بوکه قلم اصلاح بروی کشند.

درین نامه که باشد دفتر گل
ورق گلین زبانِ مستقارِ بلبل
به فکرِ رنگ و بوی حرفِ حرفش
چو غنچه خونِ دل گردیده صرفش
تماشایی بود معذورِ حیرت
که در آینه دارد عکسِ صنعت

تاریخ

یافت چون اختتام این نسخه
که بود در صفا ارم منزل
سالِ وی گفت بلبلِ الهام
بوستانِ بهارِ تازه دل

مکلی نامہ

اردو ترجمہ

باب ۱

مکلی نامہ

مکلی کی پہاڑی کا ذکر کرتے ہوئے میر علی شیر قانع لکھتے ہیں کہ:

”کوچک ترین شعبہ جبال ہارہ وپب... وغیرہ منشعب و
موصل جبل مکران، و محیط کنارہ عمان است، اگرچہ
جبال و فرود ترین شعبات است، اما بروح و سرور برہمہ
تفوق دارد.“ (تحفة الکرام جلد ۳ ص ۱۸۴)

مکلی، ہاڑہ اور پب نامی ایک پہاڑی کی شاخ ہے، اس دور میں نہ تو نقشے تھے اور نہ پیمائش کے طریقے موجود تھے، اگرچہ میر علی شیر ذہین اور جغرافیہ سے دل چسپی رکھنے والا مصنف تھا، لیکن عدم وسائل اور معلومات کی کمی کی وجہ سے جو کچھ بھی زبان زد عام تھا، اس کو اس نے اپنی کتاب میں لکھ دیا ہے۔ اس وقت جبکہ ساری دنیا کی پیمائش ہوچکی ہے، انچ انچ کا نقشہ اور جغرافیہ موجود ہے، ہمیں اس حقیقت حال کا علم ہو جاتا ہے کہ مکلی، ہاڑہ اور پب نامی ایک پہاڑی کی شاخ نہیں ہے، بلکہ کھیر تھر پہاڑ کی ایک دور افتادہ پہاڑی کا ٹکڑا ہے۔

ہالار پہاڑ کی ایک شاخ جس کے زیریں حصے کے مختلف نام ہو جاتے ہیں۔ یعنی کرو اور اس کی شاخ ڈاڑھیارو اور اس کی شاخ کھیر تھیر جہاں آکر ختم ہوتی ہے، وہاں میل (مجمع) کی صورت اختیار کرتی ہے۔ ضلع دادو میں تونگ کے پاس اس کے مجمع سے مختلف چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کی شاخیں مختلف سمتوں کی طرف رخ رکھتی ہیں۔ کانبو رینج، سورجانو، ہملیگ، دینار،

کوہستان رینج، لکی رینج وغیرہ۔ یہ انہی شاخوں میں سے کچھ کے نام ہیں۔ انہی شاخوں میں سے کچھ مکران کی طرف جاتی ہیں اور بعض کا رخ سندھ میں جنوب اور مغرب کی طرف ہوجاتا ہے۔ لکی رینج کے اختتام اور کوہستان رینج کی اخیر میں مشرق شمال سے ہوتی ہوئی مکلی کے بالکل سامنے ہوجاتی ہے۔ نقشے سے معلوم ہوتا ہے کہ مکلی کھیر تھر پہاڑ کی ایک بالکل دور افتادہ شاخ ہے۔ جو کہ شمال میں ساموئی سے شروع ہو کر جنوب کی طرف بارہ میل سفر کرنے کے بعد ”کلان کوٹ“ سے ہوتی ہوئی پیر پٹھہ پر ختم ہوتی ہے۔

ہالار کی وہ شاخیں جو سندھ کو چھوڑ کر بلوچستان کی طرف جاتی ہیں، ان میں ہاڑہو، پب اور ہنگور وغیرہ شامل ہیں، جن کا سندھ سے کوئی بھی تعلق نہیں ہے۔ اور نہ ہی مکلی ان کی شاخ ہوسکتی ہے، جیسا کہ میر علی شیر کا خیال ہے۔

ٹھٹھہ کے پاس مکلی کی پہاڑی کو کراچی حیدرآباد شاہراہ کاٹ کر دو ٹکڑے کرتی ہے۔ جنوب کے آدھے حصے میں عیدگار مخدوم محمد ہاشم، مخدوم ابوالقاسم نقشبندی، پیر عالی، سید محمد یوسف بکھری اور جلوہ گاہ امامین وغیرہ ہیں۔ اور اس کے آخری حصے میں کلان کوٹ کا مسمار شدہ قلعہ اور عمارتوں کے آثار بھی ملتے ہیں۔ شمالی حصے میں ترخانوں کے مقبرے، مغلوں کی قبریں ہیں۔ شمال کے آخری سرے میں سما سلاطین کے مقبرے، جامع مکلی، پیر مراد اور شکر الہی سادات کے مقبرے ہیں۔ شیخ جیٹو، حماد جمالی، عیسیٰ لنگوٹی وغیرہ بھی اسی حصے میں ہیں۔ پہاڑی کے اختتام پر شمال کی طرف نشیب میں ساموئی کی سرزمین ہے۔

یہ روایت مشہور ہے کہ اس پہاڑی پر سوا لاکھ اولیاء اللہ اور برگزیدہ بندے مدفون ہیں۔ یہ پہاڑی خیر و برکت و انوار الہی کی مظہر ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ سندھ کے چھ سو برس کی تاریخ اس پہاڑی کے دامن میں مدفون ہے۔ بادشاہ، حاکم، وزیر، امیر، شاعر،

ادیب، مصنف، ملکی اور غیر ملکی سب ان مقبروں، قبروں، روضوں اور قبرستانوں میں آرام کی نیند سو رہے ہیں۔ جن کا سلسلہ بارہ میل میں شمال سے جنوب کی طرف مسلسل پھیلا ہوا نظر آتا ہے۔ مقبروں کی عجیب و غریب ساخت، پتھروں پر خطاطی اور گل کاری کے نادر نمونے اور مقبروں یا قبروں کے مختلف نمونے اور فنی کمال کے باعث اس طرح کی مدفن گاہ کی مثال پوری دنیا میں ایک ہی جگہ پر ملنا از حد مشکل ہے۔ علاوہ ازیں اچھوں کے ساتھ برے، بادشاہوں کے ساتھ امیر، غریبوں کے ساتھ مسکین، ظالموں کے ساتھ مظلوم، راعی کے ساتھ رعایا اور راجا کے ساتھ پر جا بھی اسی پہاڑی پر روز جزا کے انتظار میں ہیں۔

اس پہاڑی پر مکلی کا نام کس طرح پڑا؟ اس کی صحیح اور مستند تحقیق نہیں ہو سکی۔ تحفة الکرام کی روایت کے مطابق ایک بزرگ حج پر جاتے ہوئے اس پہاڑی پر آکر ٹھہرے، اور رات کو ایک خواب دیکھا اور اچانک اٹھے تو ان کے لبوں پر ”ہذا مکہ لی“ کا فقرہ تھا، یعنی یہ میرا مکہ ہے۔ اس فقیر کا یہ فقرہ اتنا مشہور ہوا کہ وہ زبان زد عام ہو گیا اور آخر اس نے ”مکلی“ کی تخفیف شدہ شکل اختیار کر لی۔

ایک دوسری روایت کے مطابق ایک پاکباز زاہدہ عابدہ عورت فوت ہونے کے بعد اس پہاڑی پر دفن ہوئی، جس کے مزار سے متصل شیخ حماد جمالی نے اپنی جامع مسجد تعمیر کروائی۔ اس عورت کے نام پر پہاڑی کا نام شیخ حماد نے ”مکہ لی“ رکھا اور پھر یہ مخفف ہو کر مکلی ہو گیا۔ جامع مسجد کے عین محراب سے متصل اسی مائی (عورت) کا زبوں حال مزار موجود ہے۔ (تحفة الکرام ص ۱۸۴-۱۸۵)

میر علی شیر آخر میں فرماتے ہیں:

”بہ ہر حال جای دیدن است، علی الخصوص در موسم
برشگال کہ تالا بھای مملو آب شرین دارد، سبزہ خود رو

ھر کنار نشان قدرت الہی است، و وقف سایر و زائر۔“
(ص ۱۸۵)

ٹھٹھہ شہر کے رہنے والوں کے لیے یہ پہاڑی نہ صرف دفن گاہ اور عبرت گاہ تھی، بلکہ یہ ٹھٹھہ شہر کے باسیوں کے لیے تفریح گاہ کا کام بھی دیتی تھی۔ مزاروں پر میلے اور ملاکھڑے لگتے تھے۔ عورتیں، مرد، خوش باش نوجوان، عالم، ادیب، شاعر اور سخن فہم گرمی ہو یا سردی روزانہ پہاڑی پر آتے تھے۔ سارا دن سیر و تفریح، میلوں ملاکھڑوں اور راگ رنگ کی محفلوں کو سجا کر شام کو گھر واپس جایا کرتے تھے۔ بعض بزرگوں کی زیارت گاہوں پر تو ساری ساری رات محفل سماع جاری رہتی تھی۔ چاندنی راتوں میں شمال کی ٹھنڈی ہواؤں کے سبب کئی راتیں وہاں قیام کرتے تھے ”مکلی نامہ“ اس سلسلے میں بہت سی معلومات فراہم کرتا ہے۔

”در ہر ماہ چند عید دارند، اول جمعه کہ در ماہ نوی آید و آن را بزبان سندی، ایشان ماہ سپہرہ جمعه (سفر و جمعو) یا ماہ پھریون جمعو) می نامند۔ در آن روز، کوہ مکلی چنان انبوه و از دھام از مرد و زن میگردد، کہ جای پای ماندن نمی ماند ... تمام روز تفرج و طواف قبور میدارند، همه روز بہ کامرانی تا نماز شام آنجا بسر می برند، باز بخانه خویش می آیند... بر بالای کوہ مکلی، تالابی ست کہ آن را کیر [سر] می نامند، یعنی تالاب شیرین۔ درین مدت تا آب باران در تالاب هست، مرد و زن اصناف چہ هندو و چہ مسلمان صف در صف ہر روز تا شب، در آنجا طعام می پزند و جشن میدارند، بنوعی جمعیت یکجا می گردد، کہ کدام عید و چہ طوی برابر آن باشد۔ ہر کہ آنجا رسیدہ و تفرج نمودہ، او مہداند و انصاف خواہد داد، اما این قرار داد از همان وقت تا حال بحال ماندست، و چون

قدیم باز عرف گردیدہ، ترک نمی دارند۔“ (ص ۸۶-۸۷)

(ترجمہ) ہر ماہ میں چند عیدیں ہیں۔ اول جمعہ جو نئے مہینے میں آتا ہے۔ جسے سندھی زبان میں سپہزو جمعہ یا ماہ کا پہلا جمعہ کہتے ہیں۔ اس جمعہ کو مکلی پر اس قدر لوگوں کا جم غفیر ہوتا ہے کہ پاؤں رکھنے کی جگہ نہیں ملتی اور خواتین و حضرات وہاں قبروں کی زیارت اور طواف کرتے ہیں۔ اور سارا دن صبح تا شام وہاں رہتے ہیں اور پھر اپنے گھروں کو لوٹتے ہیں... کوہ مکلی کے اوپر ایک تالاب ہے، جسے کھیر سر کہتے ہیں یعنی میٹھا تالاب، اس وقت جب اس میں برسات کا پانی موجود ہو، خواتین و حضرات، کیا ہندو، کیا مسلمان، گروہ در گروہ ہر روز شام تک وہاں کھانا پکاتے ہیں اور جشن مناتے ہیں اور ایک طرح سے وہاں ایک جمعیت اکٹھی ہوتی ہے اور کیا عید اور کیا طوی اس کی برابری نہیں کر سکتی۔ جو وہاں گیا اور گھوما پھرا، وہی جانتا ہے اور وہی انصاف سے اس کے بارے میں بتا سکتا ہے۔ تاہم یہ ماحول ابھی تک بحال ہے اور قدیم کی طرح ابھی ترک نہیں ہو سکتا۔ ٹھٹھ کے خوش باش اور خوش دل لوگوں کے لیے جن کا مشغلہ اسی قسم کے میلے ٹھیلے اور راگ رنگ تھے۔ مصنف لکھتا ہے کہ:

”بدین خوشدلی و خرمی کہ اگر ی کروڑ کسب

میکند، ہفتہ فراغت نمایند و کسب نمی کنند، حرص

کم و فراغت بی شمار بہ ہمین ہا میسر گشت۔“

(ترجمہ: ایسی خوشدلی اور خرمی کہ اگر ایک روز کاروبار

کرتے ہیں تو ہفتہ فارغ رہتے ہیں اور کام نہیں کرتے۔ حرص کم اور

فراغت بے شمار اسی جگہ میسر ہے۔)

ایک اور مقام پر ٹھٹھ کے باشندوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے

کہ:

”ہرگز ساکنان و متوطنان آن، غمگین و حزین کسی

نیافتہ، بر کم و بیش قناعت داشتہ بعیش و طرب کام و کامرانی میدارند، تا حال خوشدلی و خرمی کہ درین خلق است، جای دیگر نیست و نخواهد بود۔“ (ص ۸۴)

(ترجمہ: یہاں کے رہنے والے کو کسی نے غمگین اور حزین نہیں پایا۔ تھوڑے بہت پر قناعت کر کے عیش و طرب سے زندگی گذارتے ہیں۔ تا حال جو خوشدلی اور خرمی یہاں کے باشندوں میں ہے کسی دوسری جگہ نہیں۔)

انہی کا ایک اور معاصر ٹھٹھہ کی خوشحالی اور لوگوں کا تذکرہ اس طرح کرتا ہے:

”تہ را بہ حسب آب و ہوا و میوہ ترشحات باران بہشت روی زمین میتوان گفت، و عورات جمیلہ سبز رنگ، مثل حوران بہشتی پیدا می شوند، و در ہر خانہ بتی (بھٹی) شراب و آواز دولکی است... و پوشاک دختر باکرہ و زال فرقت صد سالہ، از رخت رنگین گل معصفر کہ پوشاک عروسانہ، است، و بانین دندان فیل ہر کداسی در دست دارد، و مردم آنجا بہ کوچہ غم نگذشتہ اند، عیش و نشاط بر آنہا غالب است ظہور اولیاء اللہ و فضلا و شعرا ہم در آنجا زیادہ از تعدادند۔ و فسق فجور ہم بسیار نشان می دہد، گویند روز عید بنای این شہر شدہ، و علم نحو و صرف و فقہ و نظم دران شہر بسیار است، و می توان گفت کہ عراق ثانی است۔“ (ذخیرۃ الخوانین ص ۱۶۶-۱۶۷)

مندرجہ بالا دونوں مورخہ میر علی شیر سے تقریباً سو برس قبل گذرے ہیں، جنہوں نے اپنے دور کا آنکھوں دیکھا حال بیان کیا ہے۔ ایک صدی کے بعد بھی میر شیر علی کے دور میں ٹھٹھہ شہر کی رونق اور شہریوں کے مشاغل کا وہی عالم تھا ”مکلی نامہ“ کی مقفی عبارت اور حسن بیان، خود ٹھٹھہ کے رنگین ماحول اور شہر کی

ذہنی خوشگواری کا نتیجہ ہے۔

یہ شہر جب سے قائم ہوا ہے (۱) اس دن سے ہی یہ شہر رنگینیوں میں مصروف رہا ہے۔ حسن اور عشق کے میل اور ملاقاتیں، شعر و سخن کی مجلسیں اور محفلیں خوش باشی اور خرمی اس شہر کی خاص خصوصیات رہی ہیں۔ سرمد شاعر اسی شہر میں ابیچند کے عشق میں گرفتار ہوا، سارا ایران گھوما، تمام ہندوستان دیکھا، کہیں بھی اس کا دل نہ لگا۔ ٹھٹھہ میں ہی اسیر محبت ہو کر یہ نعرہ بلند کیا:

خدایت کیست؟ ای سرمد! درین دیر

نمی دانم ابیچند است یا غیر

ذخیرۃ الخوانین کے مصنف نے فسق و فجور اور عورتوں کے رنگین لباس، عجب کی چوڑیوں، شراب کی بھٹیوں، طنبوروں اور ڈھولکیوں کی طرف جو اشارہ کیا ہے وہ ٹھٹھہ کے لوگوں کے عیش و نشاط، تمدنی کیفیت اور روز مرہ کی خوشیوں اور خوش باشیوں کی دلیل ہے۔ اس سے ہم بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ ٹھٹھہ کے رہنے والوں کا اور ٹھٹھہ کے معاشرے کا کیا عالم تھا۔ کسی شاعر نے کہا ہے کہ:

کسی را تمنای تہ بود

کہ پس کوچہ عالمش جا بود

ایک دوسرے طریف کا شعر ہے کہ:

شک نیست کہ ... مردہ خیزد

از غمزدہ لولیان تہ

ٹھٹھہ کے ان خوش باش باشندوں کی سیر و تفریح کا مرکز مکلی کا پہاڑ ہوتا تھا جس کے متعلق ”طاہری“ کے مصنف اور مکلی نامہ میں میر علی شیر جابجا لکھتے ہیں کہ مکلی کے نظاروں، مقبروں، مجلسوں اور روح کو لبھانے والے میلوں ملاکھڑوں کا ذکر کتنے ہی فارسی شاعروں نے کیا ہے۔ ٹھٹھہ کے شاعر ”رونق“ کا طویل قصیدہ مکلی کی شان میں ہے، جس کے چند اشعار یہ ہیں:

بہار کوہ مکلی طرفہ سیر است
 تماشایی بدانند خرم آباد
 پھر گوشہ خرامان سروقدی
 اگرچہ نیست در وی سرو آزاد
 هوای روح افزایش ہمہ وقت
 هوای جنت الماویٰ دہد یاد
 بلی! آنجا مزار سیدی ہست
 کہ اکثر نامرادان را کند شاد

آخری شعر میں پیر مراد شیرازی کے مزار کی طرف اشارہ ملتا ہے۔
 کسی نامعلوم شاعر نے مکلی کے متعلق مندرجہ ذیل اشعار کہے ہیں:

ز دست چرخ کج رفتار غدار
 دلا تا چند از غم خستہ گردی
 بہ کوہستان مکلی شو، دل زار
 کہ از دنیای دون، وارستہ گردی

شاعروں کی مجلس آرائی کا بڑا مرکز بھی مکلی تھا۔ ٹھٹھ سے
 آکر مکلی کے مناظر میں مسحور ہوجاتے تھے۔ انھیں وہاں جمالیاتی
 جلوے بھی بے تحاشا دکھائی دیتے تھے۔ ٹھٹھ میں تو ہر کوئی اپنے گھر
 کی چہار دیواری میں بند رہتا تھا۔ نظر بازی کے مواقع تو مکلی میں پیروں
 فقیروں کے مزاروں، درگاہوں اور زیارت گاہوں میں آنکھوں کو نصیب
 ہوتے تھے ”مکلی نامہ“ کا ہر ایک فقرہ اس روئداد کی گواہی دیتا ہے۔

جس طرح ٹھٹھ کا شہر آج نابود اور زبون ہے، اسی طرح مکلی
 کا وہ اوج اور اقبال بھی زوال پذیر ہے۔ مقبرے نابود ہو گئے ہیں، قبریں
 زمین دوز ہوجکی ہیں اور درگاہ کے دروازے بند ہوجکے ہیں۔ بالکل
 اسی طرح ٹھٹھ کے لوگوں میں بھی خوشی کی ترنگ باقی نہیں رہی،
 ہر ایک اداس اور غمگین نظر آتا ہے۔ اس سے پہلے ایک دن کھاتے تھے
 اور ایک ہفتہ رام سے کھاتے تھے، اب یہ حالت باقی نہیں رہی۔ شاید
 آج پورا ہفتہ کھانے کے باوجود بھی وہ خوشیاں ان سے روٹھ چکی

ہیں۔ یہ زمانے کی کروٹیں اور ہیر پھیر ہیں، آج اور کل میں نمایاں فرق نظر آتا ہے۔

تاریخ طاہری کے مصنف نے لکھا ہے کہ: جام نظام الدین نے تخت نشین ہونے (۲۵ ربیع الاول ۸۲۶ھ) کے بعد ٹھٹھہ شہر کو آباد کیا۔ ”بخاطرش رسید کہ شہر نو، بہ وقت اسعد بنا باید ساخت کہ آنجا، خرمی و خوشدلی ہمیشہ و ہمہ وقت بودہ باشد، برہمنان و منجمان اختر شناس ساعت سعید دیدہ، در اطراف و پیرامون ساموئی گردیدہ، جایی کہ شہر تہ است، آن زمین را پسند طبیعت داشتہ، بعرض جام بعرض نمودہ، بنای شہر تہ نہادند... الخ“

لیکن یہ قول درست نہیں ہے، جام نظام الدین کے زمانے سے قبل کم و بیش دو سو سال پہلے ٹھٹھہ شہر آباد اور سندھ کا دارالسلام بن چکا تھا۔

زیریں سندھ میں جو بھی تاریخی شہر ہیں ان میں سب سے پہلا نمبر دیبل کا ہے اور اس کے بعد ٹھٹھہ کو خاص اہمیت اور شہرت حاصل رہی ہے۔ ان دونوں شہروں کے بارے میں بہت سے مسائل تصفیہ طلب ہیں۔ جن کا آج تک کوئی فیصلہ نہیں کیا جاسکا۔ ان کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ کسی نے بھی ان مسائل کا حل تلاش کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ وہ تفصیہ طلب مسائل مندرجہ ذیل ہیں:

الف: دیبل ان متعدد جگہوں میں سے کس مقام پر واقعتاً آباد تھا؟ جن کے بارے میں قیاس کی بناء پر سندھیالوجی کے انگریز محققین نے اشارہ کیا ہے۔

ب: دیبل کب برباد ہوا؟

ج: ٹھٹھہ کس زمانے میں آباد ہوا؟ اور اس کا بانی کون تھا؟

د: ٹھٹھہ الگ مقام پر آباد ہوا یا دیبل کے کھنڈرات پر تعمیر ہوا؟

ه: تاریخوں میں ”دیول ٹھٹھہ“ اکٹھا نظر آتا ہے، اس کا مطلب کیا ہے؟

یہ سوالات حل ہوسکتے ہیں، بشرطیکہ تحقیقات کے لیے تمام

جدید ذرائع استعمال کیے جائیں۔

ذیل میں ہم سنہ اور ترتیب کے ساتھ ان واقعات کا ذکر کرتے ہیں، جن میں دیبل یا ٹھٹھ کا ذکر آیا ہے، تاکہ قارئین کو اندازہ ہو سکے کہ مسلمانوں کی کتابوں میں دیبل کا ذکر کب سے شروع ہوا، کس زمانے میں اُس کا نام تاریخی صفحات سے مٹا دیا گیا۔ ٹھٹھ کا نام سب سے پہلے کب تاریخ میں شامل ہوا، اور دیبل کے ختم ہونے اور ٹھٹھ کے شروع ہونے میں کتنے سالوں کا وقفہ ہے۔

دیبل

۱۵۰ھ طرائف الادبیہ: (مرتبہ مولانا عبدالعزیز المیمنی مطبوعہ قاہرہ ۱۹۳۷ء ص ۱۰۲) خالد قنص کے نویں نونیہ قصیدہ کو عروس کہا جاتا ہے۔ اس کے پہلے دو اشعار میں دیبل کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے:

عو جو اعلیٰ طلل بالقفص خلانی
اقوی فقطانہ ارال هیقان
کالدیبلیات او اجل قراہیۃ
من بین احمد یرعا ہا یثران

قفص (عراق کے تفریحی شہر) کی طرف چلو میرے دوستو، جو ویران ہو رہا ہے۔ اب وہاں شتر مرغ کے بچے رہتے ہیں۔ دیبل کی نیل گایوں کی طرح یا جنگلی نیل گایوں کی طرح جو لال رنگ کی ہیں، اپنے جیسے بیلوں کے درمیان۔ شاید اس دور میں دیبل کے آس پاس نیل گاؤں رہتی تھیں، جن کو دیبل کی نسبت کے سبب ”دیبلیات“ کہا گیا ہے۔ یہ شاعر دوسری صدی ہجری کے درمیانی دور کا تھا۔

۲۳۱ھ: المعجم ما استعجم: کے مصنف ابو عبید اللہ عبداللہ بن عبدالعزیز المتوفی ۲۸۷ھ نے دیبل کے بارے میں ایک شعر دیا ہے (۳/۵۹۶) جس میں دیبل کا ذکر ہے وہ شعر ابن الاعرابی (محمد ابن زیادہ ۱۵۰-۲۳۱ھ- زر کلی ۶/۳۶۵) نے ثعلب سے سنا، جس سے ابو

عمر (زابد) نے سنا جس سے کتاب کے مصنف نے سن کر لکھا، شعر ملاحظہ ہو:

کان ذراعہ المشکول منه

سلیب من رجال الديبلان

ترجمہ: اس مٹکے کے منہ پر کالا کپڑا باندھا گیا ہے۔ گویا دیبل کا کوئی کالا آدمی ہے، جس کے کپڑے اتار دیے گئے ہوں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دیبل کے لوگ کالے تھے، جن کی سیاہی کو شراب کے پرانے مٹکوں کو نمایاں کرنے کے لیے بطور تشبیہ لایا گیا ہے۔ مصنف نے مزید لکھا ہے کہ یہ شعرا یک مٹکے کی تعریف میں ہے۔ مشکول بمعنی 'مشدود، دیبلان کا ہے کالے لوگوں کی۔

۵۲۵۰: المسالك والممالك: ۵۲۵۰ از ابن خرداز بہ المتوفی ۵۳۰۰۔

۵۲۷۹: فتوح البلدان: بلاذری المتوفی ۵۲۷۹۔

۵۲۸۷: تاریخ یعقوبی: احمد بن یعقوب المتوفی ۵۲۸۷۔

۵۳۰۳: مروج الذهب: المسعودی المتوفی ۵۳۴۶ یہ کتاب ۵۳۳۲ میں

لکھی گئی اور انہوں نے خود ۵۳۰۳ کے قریب یہاں کا سفر کیا۔

۵۳۰۳: التنبيه والاشراف: المسعودی المتوفی ۵۳۴۶۔

۵۳۳۱: صورت الارض: ابن حوقل ۵۳۳۱ میں ہندوستان آئے۔

۵۳۴۰: المسالك والممالك: اصطخری ۵۳۴۰ میں ہندوستان آئے۔

۵۳۷۲: حدود العالم: مصنف نامعلوم۔ یہ کتاب ۵۳۷۲ میں لکھی گئی۔

۵۳۷۵: احسن التقاسیم: بشاری مقدسی۔ یہ کتاب ۵۳۷۵ میں لکھی گئی۔

۵۴۱۶: کتاب الہند: ابوریحان البیرونی تالیف ۵۴۱۶۔

۵۴۳۰: قانون مسعودی: ابوریحان البیرونی المتوفی ۵۴۴۰ کتاب

مسعود بن محمود غزنوی کے دور میں تصنیف کی گئی۔

۵۴۸۷: المعجم ما استعجم: ابی عبید، عبد اللہ بن عبدالعزیز البکری

الاندلسی المتوفی ۵۴۸۷ دیبل کے سلسلے میں کتاب کے مصنف کا

قول اوپر نقل کیا گیا ہے۔

۶۰۵ھ: جہان نامہ از محمد بن نجیب بکران (تالیف ۶۰۵ھ) (۱۴۱) میں دیبل کا ذکر اس طرح آیا ہے:

۵۱۰ھ: فارس نامہ: ابن بلخی تالیف ۵۱۰ھ سے پہلے۔ مولف نے ذکر کیا ہے کہ: بہرام گور بن یزد گرد بن شاپور ساسانی (۳۲۲-۳۶۵ء) کو دیبل جہیز میں ملا۔ (تاریخ گزیدہ، کامل ابن اثیر اور تاریخ غر السیر الثعالبی وغیرہ میں بھی یہ ذکر آیا ہے)

۵۴۹ھ: نزہت المشتاق: شریف ادریسی۔ یہ کتاب ۵۴۹ھ میں لکھی گئی۔ مصنف ۴۹۳ھ میں پیدا ہوئے۔

۵۶۲ھ: کتاب الانساب: سمعانی متوفی ۵۶۲ھ۔

۵۷۸ھ: طبقات ناصری: سلطان شہاب الدین غوری (بن سام) جنہوں نے ۵۷۸ھ میں سندھ فتح کیا، کا ذکر کرتے ہوئے مصنف نے لکھا ہے:

و دیگر سال کہ [شہور] سنہ ثمان [و سبعین و خمسمائہ]
شد، سلطان غازی (محمد غوری) لشکر بطرف دیول برد،
و تمام آن بلاد کنار بحور را، در ضبط آورد و اموال بستد و
مراجعت فرمود... (۴۶۷)

۶۰۷ھ: وہی مصنف مالک ناصر الدین قباچہ کے مذکور میں جنہوں نے (۲۲ جمادی الاول ۶۲۵ھ یا ۱۹ جمادی الاخر) سلطان شمس الدین التمش کے خوف سے بکھر کے قلعے سے دریا میں چھلانگ لگا کر خود کشی کی تھی، لکھتے ہیں:

”ملك ناصر الدين قباچه بادشاه بزرگ و بنده سلطان
غازی (شہاب الدین محمد بن سام غوری) بود... بعد از
حادثہ سلطان قطب الدین [ایبک ۶۰۷ھ] بہ طرف اچہ
رفت، شہر ملتان را ضبط کردند و سندستان و دیول
تالب دریا، جملہ در تصرف او آمد، و قلاع و قصبات شہر
ہای مملکت سند را بہ خود گرفت...“ (۴۹۲)

۶۱۳ھ: چچ نامہ: علی بن حامد الکوفی تالیف ۶۱۳ھ۔

۶۱۸ھ: جلال الدین خوارزم شاہ، چنگیز خان کے حملے کے سبب

ملك چھوڑ کر ۸ شوال ۶۱۸ھ سندھ میں داخل ہوئے اور ۶۱۹ھ میں یہاں سے واپس گئے۔ صاحب طبقات ناصری نے (تالیف ۶۵۸ھ) اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

”جلال الدین خوارزم شاہ بزمین سند آمد، و بر طرف دیول و مکران رفت...“ (۴۹۲)

۶۱۸ھ: جہان کشائی جوینی: (تالیف ۶۵۹ھ) میں وہی بات اس طرح بیان کی گئی ہے:

”و بر جانب دیول و دمریلہ (مرحوم ڈاکٹر دائود پوتہ کے قیاس کے مطابق دمریلہ مکران کی سرحد پر تھا) نہضت کرد. و چنیسر کہ حاکم آن ولایت بود، بگریخت و در کشتی بہ دریا رفت. سلطان نزدیک دیول و دمریلہ فرود آمد... و سلطان در دیول، مسجد جامعی بنا فرمود، در موضعی کہ بتخانہ بود...“ (تاریخ معصومی ص ۲۸۶ بحوالہ جہان کشاج ص ۲ ص ۱۳۶-۱۳۸)

ترجمہ انگریزی Boyle vol-II B 416-17 آثار الوزراء عقیلی مطبوعہ طہران ۱۳۳۸ش - ص ۲۷۱۔

۶۲۵ھ: طبقات ناصری کے مصنف نے قباچہ کی وفات کے بعد سلطان شمس الدین التمش (۶۰۷-۶۳۳ھ) کے قبضے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

”آن بلاد تا آب محیط فتح شد، و ملك سنان الدین جنیسر (جنیسر) کہ والی دیول و سند بود بہ خدمت در گاہ شمس الدین پیوست...“ (۵۲۳)

۶۲۶ھ معجم البلدان: یاقوت حموی متوفی ۶۲۶ھ۔

۶۳۳ھ: رضیہ سلطانہ (۶۳۴-۶۳۷ھ) کا ذکر کرتے ہوئے طبقات ناصری کے مولف نے لکھا ہے کہ:

”از ممالك لکنوتی تا دیول ہمہ ملوک و امراء انقیاد نمودند...“ (۵۳۷)

۲۵۰ھ العباب الزاخر واللباب الفاخر: از امام صاغانی (متوفی ۲۹ شعبان ۲۵۰ھ جمعہ کی رات) امام صاغانی نے کئی سالوں میں سندھ کے مختلف شہروں کا سفر طے کیا تھا۔ انھوں نے دیبل کا شہر بھی دیکھا تھا۔ صاغانی نے پہلا سفر ۵۹۰ھ سے ۵۹۵ھ تک کیا۔ ۵۹۵ھ میں سندھ سے ہوتے ہوئے عراق گئے تھے۔ وہ ۶۰۶ھ میں دوبارہ ہندوستان آئے اور ۶۱۰ھ میں یہاں سے واپسی پر حج کو چلے گئے۔ ۶۱۳ھ میں حج سے ہو کر واپس ہندوستان پہنچے اور ۶۱۵ھ میں دوبارہ بغداد روانہ ہوئے اور ایک دفعہ پھر ۶۱۶ھ میں خلیفہ ناصر الدین کا سفیر بن کر التمش کے دربار میں پہنچے۔ وہ کتاب ”العباب“ لکھتے ہوئے لفظ (بکم) پر پہنچے تو اچانک انتقال کر گئے اور ان کی یہ کتاب نامکمل رہ گئی۔ انھوں نے جو جو شہر دیکھے تھے ان کا ذکر اپنی کتاب میں کیا ہے۔ چنانچہ دیبل کے سلسلے میں درجہ ذیل عبارت لکھی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۶۵۰ھ میں جس وقت کتاب لکھ رہے تھے، وہ دیبل میں موجود تھے۔ ”دیبل سندھ کے شہروں میں سے ایک قصبہ ہے، جہاں جہاز لنگر انداز ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہاں بندرگاہ ہے، یہاں کے باشندے نیک طینت ہیں لیکن قدیم امراء اور حکمران خواہ موجودہ حکمران اور امراء بد باطن ہیں۔ سمندری ڈاکوؤں سے ان کا تعلق ہے اور وہ لوٹ مار کے مال میں سے اپنا حصہ وصول کرتے ہیں۔ (دیکھیے عربی عبارت معارف نمبر ۳ جلد نمبر ۸۳ ص ۲۲۳۔ کتاب کا روٹو گراف سینٹرل اسلامک ریسرچ انسٹیٹیوٹ کراچی میں موجود ہے۔ تاج العروس میں زبیدی نے (مادہ دبل) میں مندرجہ بالا عبارت نقل کی ہے۔ صاحب تاج العروس نے قصبہ کے بجائے دیبل کو سندھ کا پایہ تخت بتایا ہے۔)

۶۵۸ھ: طبقات ناصری: قاضی منہاج سراج جزجانی نے ۶۵۸ھ میں مرتب کی، وہ خود خاصا عرصہ قباچہ کے ہاں اوج میں رہے۔ انھوں نے دیبل کا ذکر کیا ہے، جو اوپر دیا گیا ہے۔ (ہمارے سامنے آقائے حبیبی کا پہلا ایڈیشن ہے)

۶۵۹ھ: جہانکشائے جوینی: از عطا ملک جوینی تالیف: ۶۵۹ھ اس میں جلال الدین خوارزم شاہ کی آمد کا ذکر ہے جو ہم اس سے پہلے دے چکے ہیں۔

۶۸۲ھ آثار البلاد: قزوینی متوفی ۶۸۲ھ ان کا ماخذ اصطخری ہے۔
۷۳۴ھ: رحلہ بن بطوطہ: ۷۳۴ھ میں لاہری بندرگاہ سے اتر کر سہون آئے، انہوں نے دیبل کا ذکر نہیں کیا۔

۷۴۰ھ: نزہت القلوب: حمد اللہ مستوفی یہ کتاب ۷۴۰ھ میں تالیف ہوئی۔

۷۴۹ھ: مراصد الاطلاع: از صفی الدین بغدادی (متوفی ۷۴۹ھ) یہ کتاب معجم البلدان یا قوت حموی کا اختصار ہے۔

۸۲۱ھ: صبح الاعشی: قلقشندی (متوفی ۸۲۱ھ) چوتھی جلد میں امام صاغانی کی کتاب العباب الذاکر کے حوالے سے دیبل کا ذکر کیا گیا ہے۔

آخری چار کتابیں قدیم کتابوں سے لیے ہوئے مواد پر مشتمل ہیں، ان میں ذکر آنے کا یہ سبب نہ سمجھنا چاہئے کہ دیبل اس دور تک موجود تھا۔

اوپر دیے گئے سنہ اور نقشے کے مطابق امام صاغانی اور منہاج سراج کے قول سے ثابت ہوتا ہے کہ دیبل ۶۵۸ھ تک موجود اور آباد تھا۔ البتہ دارالسلطنت کے بجائے قصبہ بن چکا تھا، جیسا کہ امام صاغانی نے بتایا ہے۔ ۷۳۴ھ میں جب ابن بطوطہ آئے تب دیبل یا تو بالکل برباد ہو چکا تھا یا اُس کی بندرگاہ والی حیثیت اور اہمیت ختم ہو چکی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ابن بطوطہ لاہری بندرگاہ کے ذریعے سیدھا سہون آیا۔ گویا منہاج سراج کے بعد ابن بطوطہ تک جو پوری صدی کا عرصہ گذرا، اسی عرصے کے دوران دیبل کا وجود ختم ہو گیا۔

دیبل کے سلسلے میں سلسلہ وار حوالے آپ نے ملاحظہ فرمائے۔ ذیل میں اسی ترتیب سے ٹھٹھ کی قدامت اور دیبل اور ٹھٹھ کے درمیان جو برسوں کا وقفہ ہے وہ ظاہر ہو جائے گا۔

ٹھٹھہ

۵۵۷۱ھ: سلطان شہاب الدین محمد بن سام غوری نے بقول مبارک شاہی (تالیف ۸۳۸ھ) ٹھٹھہ اور اوچ پر حملہ کیا۔

”... در سنہ احدی و سبعین و خمسماہ سمت اچہ و تہ و

ملتان لشکر کشید، طایفہ تہ در حصار اچہ محصر شدہ،

با سلطان محاربہ کردند...” (ص ۶)

طبقات ناصری نے ٹھٹھہ کے بجائے دیبل لکھا ہے۔ آثار الوزراء (عقیلی) میں وزیر نظام الملك جندی کے تحت لکھا ہے:

”... چون سلطان شہاب الدین غوری فتح مما لك هند

نمود آن ملك را به غلامان خود سپرد... و تہ و اچہ را

بسلطان ناصر الدین قباچہ داد...” (۳۲۹)

طبقات اکبری (۱/۳۷) میں ہے کہ:

”... سال دیگر (۵۵۷۸ھ) بہ طرف دیول کہ عبارت از تہ

است، لشکر بردہ تمام بلاد بحر را در ضبط در آورده...”

تاریخ مبارک شاہی میں بتایا گیا ہے کہ ٹھٹھہ لفظ کے لیے ڈاکٹر داؤد پوتہ مرحوم و مغفور کا خیال صحیح ہے کہ دراصل وہ بالکل ٹھٹھہ نہیں ہے بلکہ ”بھاتیہ“ ہے۔ (حاشیہ معصومی)

در حقیقت بعد کے ادوار کے مورخ ٹھٹھہ کی مرکزی حیثیت اور شہرت سن کر دیول اور ٹھٹھہ کے مابین کوئی تفریق نہیں کر سکتے ہیں۔

۶۶۷-۶۷۱ھ: دیوان تحفۃ الصفر: اسیر خسرو (تولد ۶۵۱ھ وفات

۷۷۲ھ) نے یہ دیوان ۱۶ سے ۱۹ برس کی عمر تک کہی ہوئی غزلوں کو مرتب کر کے تیار کیا۔ اس کی غزل کے ایک مطلع میں ”تہ“ کا قافیہ لایا گیا ہے۔

سرو چو تو، در اچہ و در تہ نباشد

گل مثل رخ خوب تو، البتہ نباشد

امیر خسرو، خان شہید کے پاس ملتان میں (۶۷۸-۷۸۳ھ) میں بھی تھے، صدر الدین بن بہاؤ الدین زکریا ملتانی اسی دور کے ہیں۔ قلندر لعل شہباز بھی کچھ عرصے کے لیے اسی خان شہید کے ہاں رہ کر بعد میں سہون آئے تھے۔

مذکورہ بالا شعر سے صاف ظاہر ہے کہ ٹھٹھ ۶۳۷ھ اور ۶۷۱ھ میں نہ صرف آباد مشہور و معروف تھا، بلکہ اتنا بارونق اور متمدن شہر تھا کہ شاعر نے وہاں کے خوب صورت پھولوں اور سروقد حسینیوں کی تشبیہ اپنے محبوب کی تعریف میں استعمال کی ہے۔ ۶۶۹ھ: سلطان غیاث الدین بلبن (۶۲۳-۶۸۶ھ) کے فرزند محمد قآن جن کا پہلے ذکر ہو چکا ہے، ۶۶۸ھ ملتان اور سندھ کے حکمران بن کر آئے۔ ۶۸۳ میں مغلوں کے لشکر سے مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہوئے۔ تاریخ میں ”خان شہید“ کے عرف سے مشہور ہوئے، ان کی حدود کا ذکر کرتے ہوئے صاحب تاریخ مبارک شاہی (تالیف ۸۳۸ھ) نے لکھا ہے کہ:

”...از مالم تا حد جناتی اقطاع او داخل ملتان بود... جناتی

شصت کروہ از تہ پیشتر بر سر دریاست...” (۴۳)

۷۴۰ھ: مکاتبات رشیدی: از خواجہ رشید الدین فضل اللہ طیب مشہور وزیر (ابا قاخان اور غازان خان) اور معروف مورخ (مولف تاریخ رشیدی) جن کو سلطان خدا بندہ نے ۷۱۸ھ میں قتل کروایا۔ خواجہ مذکور نے اپنے بیٹے عزیز الدین ابراہیم حاکم شیراز کو لکھے ہوئے ایک خط میں لاہور اور سندھ پر مغلوں کے حملے کا ذکر کیا ہے، جس کی کمان ان کے دوسرے بیٹے جلال الدین خواجہ (حاکم اصفہان) کر رہے تھے، اسی خط میں ٹھٹھ کا نام لیا گیا ہے۔

عزیز الدین کو بھی ۸۱ جمادی الاول ۷۱۸ھ (گریڈہ ۱-۶۰۳ھ) میں خدا بندے نے قتل کروایا۔ عزیز الدین علاؤ الدین بادشاہ ہند کے داماد تھے۔

مولانا شفیع مرحوم (مرتب مکاتبات رشیدی) کا خیال ہے کہ

مذکورہ خط میں مغلوں کے جس حملے کا ذکر کیا گیا ہے، وہ ۵۷۰۵ھ کے لگ بھگ ہوا ہوگا۔ خط کی ضروری عبارت کچھ اس طرح ہے:

”... فرزند جلال (جلال الدین خواجہ، حاکم بلدہ

اصفہان)... قلعہ لہاور را... باندک حملہ کردہ، مسخر

ساخت و از آنجا باجماعت امرای مغول بہ طرف ولایت

سند متوجہ شد طایفہ مخاذیل کہ در سلك (کذا) انتظام

یافتہ بودند و در ثغور ولایت مذکور جمع آمدہ و در راہ

لشکر ایران، دام خدیعت انداختہ و چون شیران آدمی

خوار کمین ساختہ، چون دانستند کہ قہر مانان لشکر

ایران و قلب شکنان چند ایلخان، ہمہمہ افراس را نوای

قانون و غنای ارغنون می شمردند، و جمجمہ راس راکاس

صہبا و جام حمیا می پندارند، وصف ہیجا و قلب و غا

چون دریا در جوش، و چون رعد در خروش می آیند، چون

باد، روی بہ ہزیمت نہادند، و در جزایر و آجام مختفی

شدند، و امرای مغول بتالان منال و مواشی و تاراج جوانب

و حواشی مشغول گشتند، اما فرزند جلال، چون رجوم

نجوم کہ در پی عفاریت رانند و روند، در پی ایشان

بشتافت، و آن جماعت را بہ حدود جزایر بکر و اچہ و

دحال لاہری و تہہ بتافت... الخ“ (ص ۳۲۵)

۵۷۲۰ھ: سلطان قطب الدین مبارک شاہ (۵۷۱۶ھ-۵۷۲۰ھ) بن سلطان

علاؤ الدین خلجی (۵۶۹۵ھ-۵۷۱۵ھ) کو خسرو ملک نے ۵۷۲۰ھ میں قتل

کر کے تخت پر بیٹھا، جس کو اسی سال سندھ کے گورنر غازی ملک

نے تہ تیغ کیا اور وہ خود، سلطان غیاث الدین تغلق (متوفی ۵۷۲۵ھ) کے

لقب سے تخت نشین ہوئے۔ تحفۃ الکرام کا قول ہے کہ اسی دور میں

ٹھٹھہ پر سومروں نے قبضہ کیا۔ (تک فارسی - تحت غازی ملک)

۵۷۵۲ھ: سلطان محمد تغلق ٹھٹھ سے چودہ کوس دور تھے کہ پلا مچھلی کھا کر بیمار ہوئے اور ۲۱ محرم ۵۷۵۲ھ میں فوت ہوئے۔

سلطان فیروز اسی جگہ پر (۲۳ مارچ ۱۳۵۱ء تخت نشین ہوئے اور ان کی میت لے کر سہون سے ہوتے ہوئے دلی چلے گئے۔ تاریخ مبارک شاہی کے مصنف نے لکھا ہے کہ:

”... معہذا قصد تہ کردہ طاغی را کہ آنجا گرفتہ بہ آن

طایفہ بدست آوردہ بکشند... چون سلطان نزدیک تہ

رسید، باز ہمان زحمت عود کرد۔ بست و یکم ماہ محرم

سنہ اثنین و خمسین و سبعمائہ برلب آب سند، بہ رحمت

حق پیوست...“ (۱۱۷)

۶۳-۵۷۶۳ء تاریخ فیروز شاہی: عفیف برنی (تالیف ۸۰۱ھ) سلطان محمد کی وفات کے بعد فیروز تغلق دہلی سے فوجیں لے کر ٹھٹھ کی طرف آئے۔ تاریخ فیروز شاہی سے معلوم ہوتا ہے کہ: ٹھٹھ عظیم شہر تھا، قلعہ اتنا مضبوط تھا کہ اس کو فتح کرنا ناممکن تھا۔ پہلی دفعہ تو فیروز مایوس ہو کر چلا گیا، دوسری مرتبہ زوردار تیاریوں کے ساتھ حملہ آور ہوا۔ عفیف کا قول ہے کہ ”ٹھٹھ کے جام نے مجبور ہو کر سید جلال الدین جہانیاں جہاں گشت کو اوچ سے بلوا کر ان کے ذریعے سلطان فیروز سے صلح کی۔ لیکن عبارت کے انداز سے ظاہر ہوتا ہے کہ جہانیاں جہاں گشت کو بلانے میں سلطان فیروز کا بھی ہاتھ تھا۔ بہر حال یہاں تو یہ موضوع خارج از بحث ہے، ذیل میں ہم وہ عبارتیں نقل کرتے ہیں، جن سے ظاہر ہوگا کہ ”ٹھٹھ بڑا اور مضبوط شہر تھا“ ٹھٹھ کا قلعہ ناقابل تسخیر تھا، قلعہ اتنا وسیع تھا کہ اس میں لاکھوں کی تعداد میں لشکر ٹھہر سکتا تھا۔

سندھ کے لوگ جنگ کے فن میں بھی ماہر تھے۔ ان میں حب الوطنی اور وطن کے دفاع کے احساس کی شدت یہاں تک تھی کہ سندھ کے عام آدمی نے بھی جان قربان کرنے سے گریز نہیں کی۔ چنانچہ ”کچھ“ اور ”کونجی“ صحرا میں رہبر بن کر پریشان کرنے کا

واقعہ اس کی دلیل ہے۔

”... آبادانی تہ در دو محل بود، يك محل كرائه لب آب
سندھ جانب دہلی، دوم محل گذار لب آب سند جانب
تتیاں بسیار و بیشمار مرد انبوه، ہریکی باشکوه بلکہ ہر
يك تن چوانچمن بود با گرانی کوه، جملہ مرد جنگی،
چنانچہ از احوال قوت و جلادت ایشان، میان جہان و
جہانیان معلوم و روشن. دران ایام جام برادر رای انر و
بانہنیہ برادر زادہ او، ضابط تہ ہوند انواع رعنائی در
میدان خود نمائی می نمودند... جمعیت بسیار جمع
کردند، ولایت ایشان بسیار و بیشمار است.“ (عقیف
ص ۱۹۹)

جب جنگ شروع ہوئی تو اس وقت کی کیفیت بیان کرتے
ہوئے مولف لکھتا ہے کہ:

”...جام بانہنیہ خود کام، با جمعیت تمام مستعد شدہ،
باسوار بسیار و پیادہ بیشمار از میان حصار بیرون آمدند...“
(۲۰۱)

”... و جمعیت تہتہیان [تتیاں] موازنہ بیست ہزار سوار
جرار. ہر یکی در زور دلاوری کند آور روزگار. و موازنہ
چہار لك پیادہ نامدار با این جمعیت فراوان و قوت بی
پایان طائفہ تہتہیان [تتیاں] در آویز کردن نمی
توانستند...“ (۲۰۲)

”...تہتہیان [تتیاں] با آن قوت بی پایان درون حصار
می خزیدند...“ (۲۰۳)

اسی دفعہ جنگ سے فیروز ناکام مایوس اور نامراد ہو کر دہلی
واپس چلا گیا، اور پھر واپس آیا۔ اس سلسلے میں تاریخ مبارک شاہی
کا قول ہے:

”...آن (فیروز) نگر کوت را فتح کردہ از آنجا عزم تہ نمودہ

چون در تہ رفت، جام بانہنیہ کہ ضابط تہ بود،
 بہ قوت آبگیر محصر شدہ، مدتی محاربہ کردند... بہ
 ضرورت ناچار، بعد کوشش بسیار جانب گجرات روان
 شد...“ (ص ۱۳۱)

۵۷۶۵ تاریخ فیروز شاہی: عفیف (تالیف ۸۰۱ھ) پہلے حملے کے وقت
 سلطان فیروز کے لشکر میں نوے ہزار سوار چار سو اسی ہاتھی اور
 پانچ ہزار کشتیاں اور بے انداز پیادہ تھے اور جام کے پاس بیس ہزار
 سوار اور چار لاکھ پیادے تھے۔ (۱)

جام کا وہ تمام لشکر قلعہ میں بند تھا، اس سے قلعہ اور شہر
 کی وسعت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ دوسرے حملے کے لیے عفیف
 لکھتا ہے:

”... و طائفہ سندیان با قوت فراوان و جلادت بی پایان،
 گذاری لب آب سند تا ہفتاد کروہ بحر، سوار و مرد جرار
 حائل بودند در قسم ہوشیاری و بیداری کوشش
 می نمودند، گذارشدن ممکن نبود...“ (ص ۲۳۳ عفیف)
 ”... ملک عماد الملک و ظفر خان کان با لشکر فراوان و
 افواج بی پایان، صد و بیست کروہ باز گشتہ فرود بکر
 گذار شدہ در زمین تتیان در آمدہ تہ یان نیز با جمعیت
 انبوه سوار و پیادہ باشکوه، از درون حصار بیرون آمدند
 میان ہر دو طرف جنگ سخت شدہ کہ، در تحریر نہ
 گنجہد، و سلطان فیروز درین بر بود اگرچہ حصار تہ می
 نمود...“ (ص ۲۳۵)

ٹھٹھ کے لشکر کو فیروز کی یہ بڑی فوج زیر نہیں کرسکتی
 تھی۔ مجبور ہو کر انھوں نے دلی سے دوسرا لشکر منگوا یا (ص ۲۳۶)
 اور تقریباً ساری مملکت سے بے شمار لوگ جمع ہو گئے
 (ص ۲۳۷-۲۳۸) عفیف کا کہنا ہے کہ ٹھٹھ کے لوگوں کے پاس جو
 اناج تھا، وہ انھوں نے پہلی مرتبہ فیروز کو بھگانے کے بعد اطمینان سے

اپنی زمینوں میں بیج کے طور پر ڈال دیا تھا۔ اچانک ان پر خلاف توقع حملہ ہوا تو وہ اس کے لیے تیار نہیں تھے۔ ان کے پاس خوراک کا پورا بندوبست نہیں تھا، مقابلے اور مجادلے کرتے کرتے آخر قحط میں مبتلا ہو گئے۔ اس لیے ”جام اور بابینہ“ نے سید جلال الدین جہاں گشت کو ایک خاص آدمی بھیج کر اوج سے بلوایا (ص ۲۴۰) عبارت کے انداز سے ظاہر ہوتا ہے کہ سلطان نے خود جہاں گشت کو ایک خاص آدمی بھیجا تھا (ملاحظہ ہو ص ۲۴۱-۲۴۲) آخر سید صاحب نے دونوں فریقوں کے درمیان صلح کرائی اور بقول عقیف ”جام اور بابینہ“ دونوں فیروز کے ہاں حاضر ہوئے۔ اس طریقے کی فتح پر عقیف نے ایک شعر لکھا ہے، جس میں ٹھٹھ کا نام آتا ہے:

ہم تہ بہ دست آمد و ہم کار فراہم شد

المنۃ للہ کہ، این ہم شد و آن ہم شد

(ص ۲۴۷)

جام اور بابینہ کو فیروز اپنے ساتھ دہلی لے گیا، اور ٹھٹھ جام کے بیٹے اور تماچی کے برادر بابینہ کے سپرد کیا۔ (ص ۲۴۷) جنہوں نے چار لاکھ تنکا سالانہ خراج دینے کا وعدہ کیا۔ عقیف کا کہنا ہے کہ (ٹھٹھ اور گجرات کی سرزمین) فیروز شاہ کے دور میں فتح ہوئی، جس کو سلطان معز الدین (شہاب الدین) محمد سام کے زمانے سے لے کر اس وقت تک کوئی بھی فتح نہیں کرسکا تھا۔ سلطان علاؤ الدین خلجی (۶۹۵ھ-۷۱۵ھ) اپنا لشکر سلطان روم خواہ سلطان حسین کے امدادی لشکر کے ساتھ لے آیا، تاہم فتح نہیں کرسکا۔ (ص ۲۵۱) اسی فتح پر عقیف نے دوسرا شعر کہا ہے، جس میں ٹھٹھ کا نام نمایاں ہے۔

در تہ چو شاہ رخ نہادہ

شاہانش دویدہ پافتادہ

آوردہ ہمہ برابر خویش

گنجینہ بدا دیش ز حد بیش

(ص ۲۵۳)

دہلی میں جن جگہوں پر جام اور ان کے لوگوں کو ٹھہرایا گیا، اس کا نام ”سرائے ٹھٹھ“ مشہور ہو گیا۔ (ص ۲۵۳)
اسی دوسری فتح کے سلسلے میں تاریخ مبارک شاہی کی تحریر اس طرح ہے:

”... چون سلطان، بار دوم در تہ رفت، جام بانہنیہ امان خواست بہ حضرت پیوست و بہ مراہم مخصوصی شد سلطان اورا باتمام مقدسان آن طرف، برابر خویش در دارالملك دہلی آورد، چون مدتی خدمت کرد، سلطان باز جام را اقطاع تہ داد و باترتیب تمام روان گردانید...“ (ص ۱۳۱)

۱۵۶۷ھ: قصائد مطہر کڑہ: (متوفی در حدود ۹۰ھ) مطہر شاعر تھے، اور کڑی کے باشندے تھے اور فیروز شاہ تغلق کے مدح خوان تھے۔ ملك الشرق عين الملك ماہرو جو اس دور میں ملتان کے صوبے دار تھے، ان کی تعریف میں بھی انھوں نے قصائد کہے ہیں۔ مطہر نے دو قصائد فیروز تغلق کی مدح میں کہے ہیں، جن میں ٹھٹھ کا ذکر موجود ہے۔ ان قصائد میں ٹھٹھ کی اہمیت اور مدنیت واضح کی گئی ہے۔ ایک قصیدہ میں فیروز شاہ کی فتوحات، اخلاق اور حسن انتظام وغیرہ کی تعریف کرتے ہوئے ٹھٹھ کا ذکر اس طرح کیا ہے:

وز جملہ فتوح، گل فتح، تہ بود
کز استماع آن ہمہ خلق انتشار بود
فتحی کہ در ہوادی ہمت، قلادہ بست،
فتحی کہ در سواعد دولت، سوار کرد
فتحی کہ نی تہمتن ایرانی، آنچنان
در عمر، نی سکندر رومی نجار کرد
در موضعی چنان کہ ز سختی او سپہر
انگشت حیرت از سر سندان فگار کرد
دریا و پنج آب ز ہر چار سوی او
گشتہ یکی دو چشم تو چندانکہ کارکرد

کشتی بی نهایت و مرادن بی قیاس
 هر يك یلی که نیزه چور رستم گذار کرد
 جیشی چوما و مور، که هر يك برای تیر
 بر خاش چشم مور و هدف گوش مار کرد
 شاه جهان که خاطر او هر مهم که خواست
 کردن کفایت از کرم کرد گار کرد
 همت چو بر کشادن این چهار کرد
 چندان سپاه برد که، از سم مرکبان
 صحرا ستوده آمد و دریا غبار کرد
 هر روز نهب و غارت و هر دم نبرد و جنگ
 میکرد تا دیار عدو پر دمار کرد
 نا عاقبت چو کار، بسکان آن مقام
 در اضطراب آمد و حال اضطراب کرد
 دادند سر بطاعت و جستند امان شاه
 شه داد امان و بر کرم امیدوار کرد
 صفدار سند بانیهنیا را، و رای جام
 اندر رکاب با همه خلق و تبار کرد
 تنها نه این فتوح، که در هر ولایتی
 صد این چنین فتوح، دگر بر مرار کرد
 حصر صفات شاه چو در وسع عقل نیست
 میخوام از ثناء، بدعا اختصار کرد
 تا باد صبحگاه در ایام نو بهار
 دامن خاک پر گوهر آبدار کرد
 بادت بهار عیش منور، که در جهان
 بخت تو، خاک تیره چو مشک تار کرد

خاص ٹھٹھ کی فتح پر مظہر نے مندرجہ ذیل ترکیب بند کہا ہے:

بزمی است به هر سوی و نشاطی به هر سری
 باغی به هر رهی و بهشتی به هر دری
 هر جا، نهاد نخلی و هر جای مجمری
 هر جانبی صراحی و هر سوی ساغری
 هر يك چنان که در شب تاريك اختری

مه روی و مشک موی و شکر خنده شمع تاب

هر لعبتی لطیف، چو نورسته نارون
 گل روی سرو قد و سمن ساق و سیم تن
 شکر لبی، که شهد شود در لبش، لبن
 و آرد نبات راه، ز هوس، آب در دهن
 چشمان و ابروان و بر و بازوان و تن
 چون نرگس و بنفشه و نسرين و نسترن
 رفتار شان قیامت و گفتار شان فتن

دیدار شان بهشت و جدائی شان عذاب

تا نهضت رکاب همایون، شنیده اند
 خاصان و خاصگان، که درین جای بوده اند
 صد گونه عیش و عشرت و شادی فزوده اند
 صدگون (۲) عوس به بستن ازی (۳) نموده اند
 سرهای قبه، بر سر افلاك سوده اند
 و اعلام او به عالم علوی شنوده اند
 گوئی که: گوی حسن، ز جنت ربوده اند

این قبه ها به زینت و این کله ها به تاب

هر قبه چون گنبد گردون چنبری
 نقش و نگار او همه مریخ و مشتری
 پوشیده اند رنگ همه شقر و شستری
 از سبز و سرخ و زرد و بنفش و مصغری

پا بر مثال قصر سلیمان، ز برتری
سقف و ستون او همه از زر جعفری

... ..

... ..

نی نی که شهر نیست، بهشتی است دلپذیر
آراسته به سندس و استبرق و حریر
حوران درو کواغب اتراب بی نظیر
سلسال و سلسیل در و چشمه و غدیر
و ز شربت و شراب خمیرش در آبگیر
جاری هزار جوی می و انگبین و شیر
آبش همه گلاب و گلابش همه عبیر

خشتش ز زر سرخ و زمینش ز سیم ناب

اکنون که از شکوه شهنشاه، روز جنگ
باز ظفر رکاب عدو کرد چون کلنگ
ماییم و صحن گلشن و صهبای لاله رنگ
و آواز نای نغمه رود و نوای چنگ
با ساقیان دلبر و با شاهدان شنگ
در سایه های تیره و در جایهای تنگ
ایمن ز درد و آنده و فارغ ز نام و ننگ

که در نشاط و نوش و گهی در خمار و خواب

... ..

... ..

فیروز شه که افسر شاهان عالم است
مهدی تاج بخش و سلیمان خاتمست
دست و دلش که محیی ابنا آدمست

ترياك نوشدارو و اكسير اعظمست
 فيض سحاب لجه دریای قلزم است
 دستش به گاه جود و سنانش گه حراب
 شاهي که چرخ مسند و خورشید افسر است
 سلطان شش جهات و شه هفت کشور است
 در فر و یال، همسرچو فریدون و نوذر است
 در رزم پژم همسام و سکندر است
 کشور کشا و خصم کش و ملک پرور است
 دانش پزوه و دین طلب و داد گستر است
 کین تو تاج بخش چو محمود و سنجر است
 صفدار و سرفراز چو سام و فراسیاب
 دیدی که شه چه معجزه بنمود در جهاد
 کانصاف رزم بستد و داد نبرد داد
 در يك لگام ریز که شه در وغا نهاد
 اقلیم سند و مملکت و مولتان کشاد
 فتحی نمود رو که ندارد کسی به یاد
 ز امروز تا زمان کیومرث و کیقباد
 بشنو کنون، حکایت این فتح باعتقاد
 تا گویمت تمام به ایجاز و انتخاب
 تته که آن جزیره، بلایی است پر کھف
 دریاش يك طرف شد و پنج آب يك طرف
 صحراش بی نبات و بیابانش بی علف
 زرها درو تبه شد و اقلیمها تلف
 کشتی کوه کاف به گردش کشیده صف
 جنگ آوران بدو همه شمشیر ها بکف
 در موج او نه مدخل ماهی و نی کشت
 بر اوج او، نه مهبط شاهین و نی عقاب

صفدار سند بانپهنیا که در مقام سند
 با سرفراز رای تماچی و رای جام
 بر گرد شان، زخیل و تبار و خواص و عام
 جیشی کثیر همچو هجوم نجوم شام
 غیر از یلان جلد و جوانان تیزگام
 هر يك بسان رستم و اسفند یار و سام
 القصه، این سران ولایت همه تمام

یکجان و یکزبان شده، در هم چنین حراب

بر حکم آن غرور که داریم جای تخت
 اسبان باد پای و فراوان سلاح و رخت
 بالشکر گران که کند کوه لخت لخت
 بر خاکبوس مانده درین بندگی سخت
 بر تافتند روی به تلقین تیره بخت
 هر تیغ و نیزه شان چو یکی شاخ از درخت
 شاه جهان ز خنجر خونریز کینه آخت

و اندیشه کرد کردن آن جا بگه خراب

چندان سپاه برد که، دریا و دشت و کوه
 از سم اسپ و آهن و بولاد، شد ستوه
 صفها کشیده خیل امیران گران شکوه
 هر يك صفی چو سد سکندر به صد گروه
 باهول و هیبتی که کند شوکت و شکوه
 در لرزه بد زمین و دل مرد دین پژوه
 می خواستند صبحدمان بردم خروس

کز بیخ بر کنند به یکبار آن خراب

...

کان قوم هم به سهم سیه روی تا فتند
 نا کرده رزم سینه هیبت شگافتند
 چندانکه چاه غور، کز اندیشه ...
 جز عجز و مسکنت، ره دیگر، نیا فتند
 لا بد رسن ز موی سر و ریش بافتند
 بردند روی عجز، به درگاه آنجناب

شاه جهان به موجب آن جمله را نواخت
 وز جاه و منزلت سر شان برفلك فراخت
 اسپان تنگ پشت بزرین ستام و ساخت
 و اجناس جامها که در و لعل و در نشاخت
 چندان بداد شان، که نه کس حد آن شناخت
 نی حد آن بدید، اگر جان و تن گداخت
 ابری ز جود، بر سر آن بستگان بتاخت
 کز فیض گشت غرقه احسان به جمله باب

آری چنین کنند، سلاطین شکارها
 و ز بخت شان، بر آید ازین گونه کارها
 این ست آن فتوح، که در روزگار ها
 ماند به خسروان جهان یادگار ها
 زین گونه کارها ست که رفته ست بار ها
 صیت شهان و نام مهان در دیار ها
 تنها نه آن حصار، که چندین حصار ها
 کرده است شاه فتح، به يك جنبش رکاب

... ..

این خسروی که بر سرتاج کیان تویی
 تخت آسمان، و اختر آن آسمان تویی

جسمی است نہ فلک، کہ در و نور جان توئی
دارا توئی قباد توئی اردوان توئی
عیسیٰ عہد و مہدی آخر زمان توئی
کز تیغ تست فتنہ دجال را جواب

گر من قلم ز جملہ شاخ گیا کنم
دریا دوات سازم و دفتر سما کنم
پس خواہم این کہ حق مدیحت قضا کنم
ہر لحظہ دفتری دو سہ اندر ثنا کنم
با اینکہ این، بہ مدت نا منتہا کنم
حرفی ز دفتری، نتوانم ادا کنم
چون عاجزم ز مدح سزد، گر دعا کنم
زیرا دعای عاجز مسکین است مستجاب

شاہا حیات و دولت و ملک دوام باد
چرخ برینت از بن دندان غلام باد
ماہت نگین خاتم و خورشید جام باد
ساقی است خضر و چشمہ حیوان مدام باد
رایات تو ز نصرت تو، بر دوام باد
ز اکنون تا قیام قیامت قیام باد
تخت تو تازہ روی و دلت شاد کام باد

فر تو کامگار و شکوہ تو کامیاب (۳)

۷۸۶ھ ٹھٹھ کے شیرازی انجوی سادات کے بزرگ سید محمد اور ان کے صاحبزادے سید احمد ۷۸۶ھ میں شیراز چھوڑ کر قندھار آئے اور اس کے بعد سندھ کا رخ کیا۔ سہون اور ساموئی سے ہوتے ہوئے قاضی نعمت اللہ عباسی سے رشتے داری کے سبب ٹھٹھ میں قاضیوں کے محلے میں آباد ہوئے۔ حافظ شیرازی سید محمد کے ساتھ شیراز سے سندھ کی طرف روانہ ہوئے، لیکن سید محمد نے انھیں قندھار سے واپس شیراز کے لیے روانہ کیا، جہاں ۷۹۱ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ اسی سال ۹۱-۷۹۰ھ مطہر بھی فوت

ہوئے، جن کے دو قصائد اوپر دیے گئے ہیں۔ سید محمد اور سید احمد کے آنے کی تاریخ بسم اللہ الرحمن الرحیم (۷۸۶) سے نکلتی ہے۔ صاحب رسالہ معارف انوار نے ”دیبل ٹھٹھ“ ملاکر (عازم بلاد تہ یعنی دیبل شدند ص ۱۱۰) لکھا ہے، لیکن اس سے مراد ٹھٹھ ہے (ص ۱۱۷) سید محمد کی وفات (۱۰ محرم ۸۰۰ھ) کے بعد سید احمد سید پور سے ہجرت کر کے مستقل طور پر آکر ٹھٹھ میں مقیم ہوئے۔ ۷۹۳ھ: جام تماچی کی بغاوت: فیروز تغلق نے ٹھٹھ جام بابینہ کے بھائی کو دیے دیا تھا۔ چند سالوں کے بعد جام تماچی بغاوت پر آمادہ ہوئے، یہ خبر ہونے کے بعد سلطان فیروز نے دہلی سے ”جام“ کو ان کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا، جس نے اُسے گرفتار کر کے دہلی روانہ کیا۔ عقیف لکھتا ہے کہ:

”... معھذا چون ازین سخنی چند سال گذشت، و تماچی

برادر بانبنہ در تہ بر گشت، حضرت شہنشاہ (فیروز) جام

را برای دفعہ شراو، در تہ فرستاد جام جو نہ در تہ رسید،

و تماچی را سمت شہر روان گردانید...”

جام بابینہ کے متعلق عقیف لکھتا ہے کہ:

”... و بانبنہ ہم در دہلی ماند... چون سلطان تغلق شاہ بہ

پادشاہی نشست (۷۹۰ھ) بانبنہ را چتر سپید داد و در تہ

روان کرد، بانبنہ در اثنای راہ جان بہ حق سپرد...” (۲۵۴)

گویا ۷۹۰ھ میں بابینہ وطن واپسی کے دوران ہی راستہ میں

فوت ہو گیا۔

۸۲۳ھ: تاریخ مبارک شاہی: (تالیف ۸۳۸ھ) مولف سلطان معز الدین

ابوالفتح مبارک شاہ (۸۲۳ھ-۸۳۷ھ) کے ضمن میں لکھا ہے کہ ۸۲۳ھ

جسرتہ شیخا کھوکھر (؟) نے بغاوت کی، جس کے سبب جمادی

الاول ۸۲۳ھ میں کشمیر کے بادشاہ سلطان علی نے ٹھٹھ پر حملہ کیا (در

ولایت تہ آمدہ)... ص (۱۹۳) بنگال ایشیائٹک سوسائٹی کے مطبوعہ

نسخے میں اسی جگہ پر ٹھٹھ کا نام کتابت کی غلطی کے سبب

دکھائی دیتا ہے، ورنہ کشمیر کے بادشاہ علی اور جسرتھ کا نام سندھ کی تاریخ میں کسی بھی عنوان سے نہیں آنا چاہیے۔

مذکورہ بالا تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ ٹھٹھ جام نظام الدین سے دو سو برس پہلے موجود تھا، بلکہ سندھ کا دارالخلافہ تھا۔ دیبل کا نام تاریخ کے صفحات سے ۶۵۸ھ کے بعد گم ہو گیا۔ ۶۷۱ھ سے پہلے ٹھٹھ اس کا قائم مقام بنا۔ بیچ میں فقط نو یا تیرہ سال کا وقفہ ہوا۔ امیر خسرو کا اوپر دیا گیا شعر سولہ اور انیس سال کی عمر میں یعنی ۶۷۷ھ اور ۶۷۱ھ کے درمیان کہا گیا، اور ان کے اس شعر سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ جس وقت وہ شعر منظوم ہوا اس وقت ہندوستان کے دارالخلافہ دلی میں ٹھٹھ شہر اور وہاں کے لوگوں کی خوب صورتی کی تعریف کی جاتی تھی۔ اس سبب مندرجہ بالا تاریخی شواہد کی بنا پر ہم یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ:

- ۱- ٹھٹھ اور دیبل دونوں بہ یک وقت موجود تھے۔
 - ۲- ٹھٹھ ۶۵۱ھ میں خسرو کی ولادت سے پہلے آباد ہوا تھا۔
 - ۳- ورنہ ناممکن تھا کہ نو یا تیرہ سال کے عرصے میں ٹھٹھ اتنا قابل تعریف ہو کہ ۱۶ یا ۱۹ سال کا نوجوان متاثر ہو کر اس کو بطور تشبیہ استعمال کرے۔
 - ۴- ٹھٹھ موجود تھا، لیکن اس کو اہمیت دیبل کے زوال کے فوراً بعد ملی۔
 - ۵- یہی وجہ ہے کہ لوگوں کے ذہنوں سے دیبل کا نام ابھی مٹا ہی نہ تھا کہ ٹھٹھ کی شہرت شروع ہوئی، جس سبب لوگوں کی زبان پر دیبل ٹھٹھ بل کر آنے لگے۔
- اس ملے ہوئے تلفظ کے سبب مؤرخوں اور مصنفوں میں شبہ پیدا ہوا جس کے سبب انھوں نے جب بھی دیبل کا تذکرہ کیا تو ساتھ ہی ٹھٹھ بھی لکھ گئے۔ یا جب ٹھٹھ کا نام لیا تو دیبل لکھ دیا، یا دونوں کو ملا کر دیبل ٹھٹھ کر دیا۔ جس طرح شہاب الدین غوری کی فتوحات کا ذکر کرتے ہوئے ٹھٹھ بیان کیا گیا ہے۔ یا جیسے تاریخ معصومی ”تحفۃ الکرام“ دونوں تاریخوں میں کئی جگہ پر تفریق نہیں کی جاسکتی۔

جس طرح تاریخ معصومی کا مصنف عرب فتوحات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

”... بندر دیول کہ درین ایام بہ بندر تہ و لاہری مشہور است...“ (ص ۶)

یا دیبل کی فتح کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

”... ولشکر اسلام بہ فیروزی، عنان عزیمت بہ تسخیر تہ معطوف داشتہ باندک زمان تہ را مسخر ساختند.“ (۵)

اسی غلطی کو دہراتے ہوئے سلطان محمود غزنوی کی فتوحات میں بھی ٹھٹھ کا ذکر کیا گیا ہے۔

”... وچون در نصف ماہ رمضان سنہ ست و عشر و اربعمائہ، سلطان محمود غازی از دار الملک غزنی عزیمت ہندوستان نمودہ بہ خطہ ملتان رسید... عبدالرزاق وزیر... در سنہ سبع عشر و اربعمایہ متوجہ سیوستان وتہ شد...“ (۶)

اسی طرح جلال الدین اکبر کے سلسلے میں بھی دیبل کے بجائے ٹھٹھ کا ذکر کیا گیا ہے۔ (۷)

ٹھٹھ کا ذکر ختم کرتے ہوئے آخر میں دکنی زبان کا ایک شعر دیا جاتا ہے جو دورِ جہانگیری کا ہے، لیکن اس میں ٹھٹھ کی تعریف کی گئی ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس زمانے میں دکن میں ٹھٹھ کی کتنی تعریف کی جاتی تھی۔ یہ شعر عثمان نے اپنی نظم ”چتراولی“ میں رقم کیا ہے:

ہیرے سی ٹھٹھ نگر سوہاوا

بیہن ہرن سیو بن گنجاوا

یعنی ٹھٹھ ہیرے جیسا خوب صورت ہے، اس میں دھان کی ہری بھری کھیتیاں، ہرن اور وسیع خوب صورت جنگلات موجود ہیں۔

حواشی

- (1) The Dehli Sultanate by Mahajan 1963. PP. 142.
Ishwari Parshad P 164.

- (۲) گونه۔
(۳) آذین بمعنی آرایش۔
(۴) اورینٹل کالج میگزین - مقالہ وحید مرزا مئی ۱۹۳۵ء
(۵) تاریخ سندھ - معصوم بکھری ص ۲۱
(۶) تاریخ سندھ - معصوم بکھری ص ۳۲
(۷) تاریخ سندھ - معصوم بکھری ص ۴۳

باب ۲

پیر مراد شیرازی

نام محمد حسین، عرف پیر مراد، آپ کی پیدائش ۸۳۱ھ میں ہوئی۔ والد کا نام سید احمد تھا، جو ۷۵۷ھ میں شیراز میں پیدا ہوئے اور اپنے والد سید محمد المعروف بہ میران محمد کے ساتھ ۷۸۷ھ میں شیراز سے سندھ آئے۔ (تحفۃ الکرام میں آمد کا سال ۷۸۶ھ دیا گیا ہے، جو بسم اللہ الرحمن الرحیم سے نکلتا ہے) سید صاحب کا شجرہ معارف الانوار (تصنیف محمد صالح ولد ملا ذکر یا ٹھٹوی ۱۱۲۰ھ) میں اس طرح دیا ہے:

سید محمد حسین (تولد ۸۳۱ھ) بن سید احمد (تولد شیراز ۷۵۷ھ - وفات ۸۳۵ھ) بن سید محمد الحسینی شیرازی ثم سندھی (وفات ۱۰ محرم ۸۰۰ھ) بن سید محمود (۱) وفات ۷۵۲ھ - مدفن شیراز - (عمر ۴۵) بن سید محمد (وفات ۷۱۴ھ - مدفن شیراز - عمر ۴۰) بن شاہ محمود (وفات ۶۹۴ھ - مدفن شیراز - عمر ۵۶) بن سید ابراہیم (وفات ۶۴۵ھ - مدفن شیراز - عمر ۵۵) بن سید قاسم (وفات ۶۲۰ھ - مدفن شیراز - عمر ۳۶) بن سید زید (۲) وفات ۶۰۹ھ - مدفن مکہ - عمر ۳۴) بن سید جعفر (وفات ۵۹۵ھ - مدفن مکہ - عمر ۶۱) بن شاہ حمزہ (وفات ۵۴۹ھ - مدفن کربلا - عمر ۴۲) بن شاہ ہارون (وفات ۵۳۲ھ - مدفن کربلا - عمر ۴۲) بن سید عقیل ثانی (وفات ۵۱۲ھ - مدفن کربلا - عمر ۴۰) بن سید جعفر یرہان اللہ (وفات ۴۹۲ھ - مدفن سامرہ - عمر ۶۰) بن سید اسماعیل (وفات ۴۳۹ھ - مدفن سامرہ - عمر ۷۹)

پیر محمد حسین شیرازی کے دادا سید محمد سلطان مبارز الدین (۳) بن مظفر الدین کے دور (۷۱۳ھ - ۷۵۹ھ) میں (؟) شیراز سے سندھ کی طرف روانہ ہوئے۔ سید صاحب کے ساتھ حضرت حافظ شیرازی بھی قندھار تک

آئے۔ لیکن وہاں سے سید صاحب نے ان کو واپس لوٹا دیا۔ سید صاحب قندھار سے سہون آئے۔ حضرت قلندر شہباز کی زیارت کرنے کے بعد سید پور (مراد اوٹھا پرگنہ منچھر) میں آئے، جام صلاح الدین بن جام تماچی بن انڑ اس دور میں سندھ کے حکمران تھے۔ شیخ ریحان جنگلی کے بیٹے شیخ محمد نے سید صاحب کی زیارت کی۔ سید پور سے ساموئی آئے، اس وقت شیخ عیسیٰ برہان پوری کا مدرسہ آباد تھا۔ قاضی نعمت اللہ ٹھٹوی اپنے فرزند کے ساتھ وہاں موجود تھے، جن کے ساتھ سید صاحب نے خوب محفلیں کیں، قاضی نعمت اللہ نے اپنی بیٹی بی بی فاطمہ کا رشتہ ۸۹۵ھ میں سید صاحب کے بیٹے سید احمد (۴) کے ساتھ کیا۔

سید صاحب ساموئی سے واپس آکر سید پور میں مقیم ہوئے، جہاں ۷۰ سال کی عمر میں ۱۰ محرم ۸۰۰ھ کو انتقال کیا۔ (۵) سید صاحب کی عمر سندھ میں آنے وقت ۵۹ سال تھی۔ اس کے بیٹے سید احمد کی عمر ۳۰ سال تھی۔

والد کی وفات کے بعد سید احمد ایک مہینہ سید پور میں رہا، پھر ٹھٹہ چلا گیا، جہاں اس نے مستقل بود و باش اختیار کی۔ ”فمن کان یرجوا لقاء ربہ“ سے اپنے والد کا سن وفات نکالا۔ قاضی نعمت اللہ کی بیٹی بی بی فاطمہ سے، سید احمد کی مندرجہ ذیل اولادیں ہوئیں:

(۱) سید علی اوّل: تولد ۸۹۵ھ عمر ۸۲ سال وفات ۳۰ صفر بروز جمعہ ۸۷۷ھ پہلی ربیع الاول کو اسے اپنے والد کی پائنتی میں مغرب کی طرف دفن کیا گیا۔ ”جنت و حریر“ ان کی تاریخ ہے۔ اپنے بھائی سید پیر مراد کے مرید اور پہلے خلیفہ ہوئے۔ ان کے دو بیٹے تھے، پہلے سید جلال تولد ۸۳۷ھ اور دوسرے سید جمال۔ سید جمال نے اپنے والد کی زندگی ہی میں وفات پائی۔ سید جلال اپنے والد کی وفات کے بعد اپنے چچا پیر مراد کے، باپ کی جگہ پر، دوسرے نمبر خلیفہ مقرر ہوئے۔ یہ خلافت انھیں چالیس برس کی عمر میں (۸۷۷ھ) ملی۔ تفسیر، حدیث، فقہ اور دوسرے تمام اسلامی علوم میں ماہر تھے۔ ساری عمر مذہبی درس دیتے ہوئے بسر کی، ۶۶ برس کی عمر میں ۹۰۳ھ میں فوت ہوئے۔ ”وجعلنا للمتقین اماما“ آپ

کی تاریخ ہے، والد کی پائنتی میں سید محمد جعفر کے مغرب میں اس کے برابر ہی دفن ہوئے۔

سید صاحب کو ایک بیٹا (۸۸۹ھ) میں پیدا ہوا، جس کا نام سید علی ثانی (۶) رکھا گیا، جو اپنے دور کا کامل بزرگ اور صاحب علم و فن گذرا ہے ”آداب المریدین“ ان کی تصنیف ہے، ۹۲ برس کی عمر میں ۸۹۱ھ میں وفات پائی۔

سید علی کا بیٹا سید جلال ثانی علم اور بزرگی میں باپ سے بھی زیادہ درجہ رکھتا تھا، میر معصوم کا قول ہے کہ:

”سید جلال الدین محمد، نیز بہ زیور ورع و کمال آراستہ، و قدم بر جادہ پدر بزرگوار نہادہ، و در جمیع علوم، یگانہ زمان و وحید عصر و آوان بودند بہ متانت و لطافت ذہن بی نظیر، و در کمال مردمی و مروت باوجود قلت ادراری کہ داشتند زیادہ از پدر، مردم بہرہ مند می شدند۔ تشرع سید جلال زیادہ از پدر است۔“

مرزا جانی نے مرزا صالح بن مرزا عیسیٰ کی بیٹی کا رشتہ سید جلال کو دیا (۷) مرزا جانی کے دور میں ۹۹۳ھ اکبر کے جرنیل صادق محمد خان نے سپہوں پر حملہ کیا۔ اس وقت مرزا جانی نے ان حالات سے آگاہ کرنے کے لیے ایک وفد بادشاہ کے دربار میں روانہ کیا، جس کا سربراہ سید جلال کو مقرر کیا۔ ان کے ذریعے بادشاہ کی طرف تحفے تحائف بھیجے گئے اور سید صاحب کے ذریعے صورت حال سمجھنے کے بعد بادشاہ نے سندھ کے حالات کو بہتر بنانے کی کوشش کی۔ (ترخان نامہ)

(۲) سید شریف: سید احمد کا دوسرا بیٹا، عمر ۸۷ سال تولد ۸۰۰ھ وفات ۸۸۷ھ ”انہ کان مخلصا“ سے ان کی وفات کی تاریخ نکلتی ہے۔ ان کے مرشد سید علی اول سے متصل مغرب کی طرف والد کی پائنتی کی طرف دفن ہے۔ تاج محمد اور سید لطف اللہ ان کے بیٹے تھے۔

(۳) سید جعفر: سید احمد کے تیسرے فرزند نے گجرات کے شہر نہر والا (انہلوڑ) میں جا کر رہائش اختیار کی (تحفة الکرام ج ۱ ص ۳۱) اپنے

بھائی پیر مراد شیرازی کے انتقال کے چند سال بعد خانقاہ کا تمام کام اپنے بیٹے سید احمد ثانی کے سپرد کر کے ٹھٹھ روانہ ہوئے۔ ٹھٹھ پہنچنے سے پہلے ہی راستے میں ایک ویرانے میں فوت ہو گئے۔ جہاں سے ان کا جسد خاکی لا کر پیر مراد کے مزار کے ساتھ مغرب کی طرف سپرد خاک کیا گیا۔ آپ کی رحلت کا سال ۸۹۹ھ ”الوصال اللہ یوتیہ من یشاء“ سے نکلتا ہے۔ اس بزرگ نے اپنی زندگی میں اور ان کی اولاد نے ان کی وفات کے بعد گجرات میں دین کی بڑی خدمت کی۔ تحفۃ الکرام کے مصنف نے آپ کے بیٹے سید احمد کے لیے لکھا ہے کہ:

”... سید احمد در گجرات بفراوان رشد زیستہ، در گاہش مرجع اہل اللہ واقع، از اولادش بسیار بزرگوار صاحب حالت و کرامت، آنجا برخواستند“ (۲-۳۰)

مرآۃ احمدی کی عبارت اس طرح ہے:

”... سید احمد بن سید جعفر کہ، مرقد متبرکہ ایشان اندرون حصار شہر پناہ، نزدیک بہ دروازہ اسلوریہ واقع است، سادات صحیح النسب شیرازی اند، جد بزرگوار ایشان سید محمود، از شیراز انتقال فرمود بہ سند اقامت گرفتند نبیرہ ایشان سید جعفر، از سند (تہ) تشریف آورده مدتی چند اقامت داشتہ فرزند دلہند خود، سید احمد را کہ دوازده سال عمر ایشان بود، جانشین خود ساختہ بہ سند مراجعت نمودند. سید مذکور باوجود علم دیگر، علم قرات بکمال رسانیدہ بودند.

سید احمد جعفر را خوارق عادات بسیار است و از اکابر نعمت ہا یافتہ ترک و تجرید و زیدہ، ریاضت ہای شاقہ کشیدہ. ہر شب در دو رکعت نماز پا نزدہ جز قرآن مجید تلاوت می فرمودند، و بنا بر زیادتی مشقت، از راہ خشکی متوجہ حرمین شریفین زادہم اللہ شرفاً و تعظیماً شدہ. و در آنجا بعضی اوقات کہ طعام را دسترس نبود، بہ طریق خفیہ بر برگ درختان اطفا نایرہ جوع فرمودہ قناعت مینمودہ. و لباس فاخرہ

می پوشیدند۔ و اگر حکام وقت وظیفہ مقرر می نمودند، قبول نمی کردند۔ هنگامی کہ ہمایون بادشاہ بہ گجرات مسلط گشت (۹۴۲ھ) اکثر علما و مشایخ العصر از احمد آباد بہ جای دیگر انتقال فرمودند، مگر ایشان با متوسلان خویش استقامت ورزید، ہر فردی را دو آثار غلہ از غیب می رسانیدند، و چہل سال خلوت خرامیدند۔ بہ جہت حج و عیدین، بیرون می خرامیدند۔ و صلوٰۃ مفروضہ و موقوفہ را با جماعت در پیش حجرہ ادا می کردند، و این در حالت صحو بود و در سکر و غلبہ و شوق الہی، ہیچکس بر احوال ایشان مطلع نمی شد و در یک دفعہ تا دروازہ سال برای نماز جمعہ و عیدین ہم بر نیامدند، و آن واقعہ بود کہ رانا سانگا حاکم چتور، احمد نگر را تاختہ، چندی از بنات سادات را بہ اسیری بردہ، بہ تعلیم سرود رقص سپردہ بود، و ازین معنی سید احمد خلوت گزیدند، و نیت جزم نمودند کہ تا سلطان گجرات، ازو انتقام نکشد پا از خلوت بیرون نہ نهند۔ چون سلطان بہادر چتور را فتح کرد ایشان ہم دران ساعت از خلوت بیرون آمدند۔ و یک دفعہ سلطان محمود بیگرہ را در غیر موسم حسب خواہش بہ موجب اظہار خادم خود، انبہ بسیار عنایت کردہ بودند، چنانچہ بہ حضار دو دو انبہ رسید، رحلت سید در شانزدہم صفر سال نہ صد و چہل و چہار روی نمود۔“ (۱۶ صفر ۹۴۴ھ)، (مرات احمدی ج ۳ ص ۴۰-۴۱ و ترجمہ از ابو ظفر ندوی ص ۸۱-۸۲)

اسی مورخ نے لکھا ہے کہ گجرات کی بوبہرہ قوم میں سنی اور شیعہ دو فرقے تھے، جو آپس میں رشتہ داریاں کرتے تھے۔ لیکن سید شیرازی نے ان کا یہ سلسلہ بند کر دیا۔ سید احمد کی اولاد اب تک بھروچ میں رہتی ہے۔ اس وقت قاضی سید نور الدین حسین موجود ہیں، جن سے راقم الحروف کی خط و کتابت کا سلسلہ جاری ہے۔ انھوں نے سید جعفر کے بعد

تک کا سلسلہ نسب اپنے آپ تک یوں بیان کیا ہے:

(۲۶) سید جعفر (۲۷) سید احمد جعفر (در روضہ خورد احمد آباد مدفون) (۲۸) سید جلال محمد (مدفون در روضہ کلان احمد آباد) (۲۹) سید رفیع الدین (۳۰) سید جلال محمد ثانی (۳۱) سید محمد شیرازی (۳۲) سید محمود شیرازی (۳۳) سید زین العابدین (وفات در سورت) (۳۴) قاضی سید احمد حسین عرف سید میان (یہ بزرگ اسی خاندان میں پہلے قاضی مقرر ہوئے اور نواب صاحب بھروج کے خاندان میں ان کی شادی ہوئی) (۳۵) قاضی سید زین العابدین (۳۶) قاضی سید مرتضیٰ (۳۷) سید محمد صدر امین (۳۸) قاضی سید احمد حسین (۳۹) قاضی سید محمد نور الدین حسین (۴۰) قاضی سید احمد حسین (۴۱) قاضی سید محمد نور الدین حسین عرف محمد احسن۔ (یہ نسب نامہ انھوں نے ۱۹۶۲-۵-۲۹ کو بھیجا) اس آخری بزرگ کو تقریباً ۶۰۰ مخطوطات خاندانی وراثت میں ملے ہیں، جس میں سے کئی نسخے اسی خاندان کے بزرگوں کے لکھے ہوئے ہیں۔ مثلاً:

۱- منیۃ العارفین: مصنفہ سید احمد بن رفیع الدین بن سید جلال محمد بن سید احمد جعفر شیرازی مکتوبہ ۱۰۲۰ھ

۲- فتوحات احمد: تالیف سید احمد رفیعی در مقامات احمدی (۲۵ اوراق)

۳- شجرہ مبارک و منشور خلافت: مکتوبہ سید جلال بن سید رفیع الدین بن سید جلال محمد بن سید احمد جعفر شیرازی (یہ اصلی نسخہ ہے)

۴- رسالہ عربی: تالیف سید احمد بن رفیع بن سید جلال محمد بن سید احمد جعفر شیرازی

۵- حالات خاندان: در فارسی (بخاری خاندان کے ہاں سے نقل کیا گیا ہے)۔

۶- اوراق چند: (در وجہ تسمیہ لفظ انجوی) بخط سید قاسم عرف بڑا میان مرتبہ ۱۱۴۰ھ۔

(یہ چند اوراق معارف الانوار تالیف مولوی محمد صالح ابن ملا

زکریا تتوی سے نقل کئے ہیں)۔

۷- مایۃ عامل (۹) بخط سید جلال شیرازی۔

۸- تذکرۃ المراد: منقول ۱۲۴۳ھ۔

۹- نظم سراجی: بخط قاضی محمد نور الدین حسین مع ترجمہ فارسی۔

۱۰- شجرۂ کامل: از اول تا قاضی سید نور الدین حسین (۴-۵) سید احمد کی دو بیٹیاں تھیں، جن میں سے ایک کی ولادت ۸۰۳ھ میں ہوئی اور دوسری کی ۸۰۷ھ میں ہوئی۔

سید محمد حسین المعروف بہ پیر مراد شیرازی اپنے بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ ۸۳۱ھ میں پیدا ہوئے ”قرۃ عینا“ (۱) میں سے ان کی ولادت کا سن نکلتا ہے۔ یہ جام فتح خان بن جام سکندر خان کا دور تھا (۹) اُن کی والدہ بی بی فاطمہ کا انتقال ۱۷ رمضان ۸۳۶ھ میں ہوا اور آپ کے والد سید احمد یکم محرم ۸۴۵ھ (۲) کو اس دنیائے فانی سے کوچ کر گئے، دونوں کو قاضیوں کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔

سید محمد حسین سندھ کے کامل بزرگ اور ولی تھے، تحفۃ الکرام کے مصنف نے لکھا ہے کہ شیخ صدر الدین حضرت زکریا ملتانی کا نواسہ (۳) جب ٹھٹھ آیا اور آکر ان سے ملا تو انہیں کہا کہ:

”مراد مشایخانی و از تو مراد ہا حاصل شوند“

اور اس کے بعد ہی ان کا لقب پیر مراد ہو گا۔

سید مراد نے ۲۵ برس کی عمر میں ۸۵۶ھ میں عباسی قاضیوں یعنی اپنے ننھیال میں شادی کی، اور ان کے ہاں ۴۹ برس کی عمر کے بعد مندرجہ ذیل اولادیں ہوئیں:

۱- سید منصور: تولد ۸۸۳ھ، وفات ۱۲ رجب جمعہ کے دن ۹۶۹ھ میں ہوئی ”عند ملیک مقتدر“ سے تاریخ وفات نکلتی ہے۔ مرقد والد کے مزار کے ساتھ مغرب کی طرف ہے۔

۲- سید نعمت اللہ: تولد ۸۸۳ھ، وفات ۹۰۶ھ۔ عمر ۲۳ سال والد کے اطراف میں مغرب کی طرف دفن ہوئے۔

۳- سید حماد: سید حماد ۸۸۴ھ، وفات ۹۱۶ھ، عمر ۳۲ سال، مدفن سید نعمت اللہ کے مزار سے متصل مغرب کی طرف (۳) واقع ہے۔

(۳) بیٹی بی بی فاطمہ: تولد ۸۸۵ھ۔

سید مراد کا ۶۲ برس کی عمر میں ۸۹۳ھ وصال ہوا۔ روایت ہے کہ اسے ماتھے میں درد اور بخار ہوا، تاریخ وفات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ یکم ربیع الاول، دوم ربیع الاول اور ہفتم ربیع الاول ان کی تاریخ وفات کہی جاتی ہے۔ صاحبِ معارف الانوار نے لکھا ہے کہ یہ صحیح روایت ہے کہ آپ کا انتقال ۱۲ ربیع الاول ۸۹۳ھ کو پیر کے دن سہ پہر کے وقت ہوا۔ 'ساجدا او خالصا للہ' (۵) آپ کی تاریخ ہے۔ جام نظام الدین نے نماز جنازہ پڑھائی۔ یہ بھی روایت ہے کہ یہ شرف ان کے بیٹے سید منصور کو حاصل ہوا (۶) سید صاحب کو اپنے والد کے پائنتی کی جانب دفن کیا گیا۔

سید صاحب کے مشہور خلفاء درج ذیل ہیں:

۱- سید علی اول: سید صاحب کے بڑے بھائی۔

۲- سید جلال بن سید علی اول۔

۳- شیخ آلبو: عمر ۶۳ سال وفات ۳۰ ذوالحجہ ۸۵۸ھ تاریخ 'کان للہ خالصا' پیر آلہ کا نام مارکھ تھا، اور وہ جام نظام الدین کے داماد تھے۔ جب سید صاحب نے ہندوؤں کے ایک مندر پر مسجد صفہ تعمیر کرائی تو اس وقت وہ وہاں آئے اور ان کے مرید ہو گئے۔ سید صاحب نے ان کو آلبو کا لقب دیا۔ جس کے معنی بے طمع کے ہیں۔ (معارف الانوار ص ۱۵۷)

۴- شیخ حاجی محمد حسین صفائی: شیخ صاحب کی والدہ سید صاحب کے گھر کا کام کرتی تھیں۔ شاہ حسن آلبو نے دو مرتبہ شیخ کی زیارت کا ارادہ کیا، لیکن انہیں اجازت نہیں دی گئی۔ اپنے پیر کی سوانح میں تذکرۃ المراد (عربی) تالیف کی، ۹۳۱ھ میں وفات پائی۔ "خیراً و ابقاً" اس کی تاریخ ہے۔ پیر مراد کی پائنتی میں دفن ہوئے۔

۵- شیخ احمد ناہیو: مرشد کی زندگی میں ہی فوت ہوئے۔ سید صاحب کا مزار شیخ آلبو کے ساتھ جنوب کی طرف ہے۔

۶- شیخ مالہو: اصل میں جام نندہ کے ملازم تھے، سید صاحب کے مرید ہوئے اور باقی عمر مرشد کے قدموں میں بسر کی۔ ان کا مزار شیخ آلبو کے مزار کے ساتھ مغرب کی طرف واقع ہے۔

۷- شیخ نتھر: اصل میں ہندو تھا۔ مسجد صفہ کی تعمیر کے وقت مسلمان ہو کر مرید ہوئے، جس کے بعد پوری زندگی مرشد کے قدموں میں بسر کی۔ شیخ مالہو کے ساتھ مغرب کی طرف دفن ہوئے۔

۸- شیخ عیسیٰ لنگوٹی: پیر مراد کی پیدائش کے دن آپ کے مرید ہوئے اور تین دن کے بعد (۸۳۱ھ) وفات پائی۔

مکلی پر جام زندہ سے شمال کی طرف ایک میل کے فاصلے پر پیر مراد کا وسیع قبرستان ہے۔ سید علی کا مقبرہ اسی اراضی میں الگ سے مشرق کی طرف واقع ہے۔ شیخ عیسیٰ لنگوٹی سید علی کے مقبرے سے شمال کی طرف مدفون ہیں۔

”حدیقة الاولیاء“ کے مصنف نے مندرجہ ذیل قصیدہ سید مراد کی شان میں لکھا ہے۔

ملك سیرت آن پیر سید مراد
 خجسته لقا و مبارك نهاد
 فروزان چراغ ز آل رسول
 گل گلشن مرتضیٰ و بتول
 سرا پرده ای قرب حق منزلش
 محل فیوضات غیبی دلش
 سر حلقه جمع قدوسیان
 شناسای اسرار روحانیان
 انیس سرا پرده وجد و حال
 جلیس در بارگاه وصال
 زخمخانه شوق سر مست بود
 زخود نیست، با حق همه هست بود
 غریق فرو رفته دریای عشق
 حریق سرار تجلادی عشق
 حقایق شناس مقامات بود
 خداوند کشف و کرامات بود

بسی طالبان را ز فیض نظر
 شدہ، جانب وصل حق، راہبر
 زہی آستانش مسرت فزای
 زمرآت دل، زنگ غفلت زدای
 فضای سرایش فرح بخش روح
 صفای درش مایہ صد فتوح
 غبار مزارش چو کحل بصر
 فزاینده روشنی، در نظر
 ز ارباب حاجت ہزاران ہزار
 رسد در مزارش بہ لیل و نہار
 کشد ہر کسی در خور اعتقاد
 در آغوش و صلت عروس مراد
 در آستانش کہ بس دلکشا است
 کلید کشانده کارہاست
 کسی گر بہ پای درش سر نہد
 گل کام دل را بسر بر نہد
 خدایا! بر این خاک پاک مزار
 سحابی ز باران رحمت، بہار
 برین مستمند دل آوارہ ای
 زفیض عمیمش رسان بہرہ ای

[ماخذ (۱) معارف الانوار فی بیان فضائل سید الابرار و ائمہ
 اطہار و احوال قطب المختار۔ از محمد صالح بن ملا ذکریا۔
 تصنیف ۱۱۴۰ھ (کتاب میں جملہ ۱۲ باب ہیں، جن میں
 چھ سے بارہ تک میں سید صاحب کا احوال ہے) (۲) تحفة
 الکرام (۳) تحفة الطاہرین (۴) حدیقة الاولیا (۵) تذکرۃ المراد
 (۶) مقالات الشعرا (۷) آداب المریدین (۸) معیار سالکان
 طریقت (۹) تاریخ معصومی (۱۰) ترخان نامہ]

۱- ۱۰۷ کتابیں تصنیف کی جن کو شیراز میں ”کتب محمودی“

کہا جاتا ہے۔

۲- سید زید نے مکہ معظمہ کے شرفاء میں سے شادی کی۔ ان کی بیوی کا رنگ سیاہی مائل تھا، جب سید صاحب کے ہاں شاہ قاسم کی ولادت ہوئی تب انہیں احساس ہوا کہ کہیں لڑکے کا رنگ اپنی والدہ جیسا نہ ہو۔ اس لیے دایہ سے پوچھا، جس نے جواب دیا: ”پسر انجی“ یعنی در مروارید ہے، اسی وجہ سے سید صاحب کا لقب انجو ہو گیا۔ سید قاسم مکہ سے ہجرت کر کے ۱۲۴۱ھ میں شیراز پہنچے، جس محلے میں گئے اس کا نام محلۃ سادات ”انجو“ پڑ گیا اور اولاد بھی انجوی سادات کی نسب سے مشہور ہوئی۔ اگر انجی کے نیچے زیر لگادیں تو یہ ترکی زبان کا ایک لفظ بن جاتا ہے، جس کے معنی سفید موتی ہے۔ (معارف الانوار صفحہ نمبر ۱۱۰)

میر جمال الدین حسین انجو صاحب فرہنگ جہانگیر کا احوال لکھتے ہوئے ڈاکٹر نذیر احمد صاحب نے لفظ ”انجو“ کے سلسلے میں فارس نامہ ناصری میں (گفتار ۲- ۴۱- ۴۲) کی یہ عبارت درج کی گئی ہے:

”... و انجو لغت مغولی و بہ معنی املاک خالصہ است و جد اول سادات انجو زید آسود از اولاد زادی های حضرت حسن مجتبیٰ علیہ السلام بودہ و بسال ۳۵۲ھ کہ عضدالدولہ از مکہ مراجعت می نمودہ بر حسب خوابی کہ سید دیدہ و برایش نقل نمودہ، و با خوابی کہ چندی پیش در شیراز خواہرش دیدہ، و برای اودر همان ہنگام نقل کردہ بود، سید را از مدینہ طیبہ بہ شیراز آورد و خواہر خود را بہ وی داد، پس چندی چون خواہرش بمرد، دختر خود را نیز بہ سید تزویج نمود. و املاک زیادی را وقف کرد. و تولیت آنرا با اولاد ذکور ابن سید جلیل کہ دختر زادگان او بودند برگزار نمود. در فتنہ مغول ابن موقوفات خاصہ دولت یا بہ زبانی مغولی ”انجو“

گردید متولی وقت، سعی نمودو پس از سالها، نیمی از آنہارا گرفت و چون نام انجو بر آن املاک گذارده بودند، ازان پس این سادات را ”انجوی“ گفتند۔۔۔“

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ:

”وہ اب تک شیراز میں موجود ہیں، اور انجو کی نسبت سے پہچانے جاتے ہیں۔“ (بحوالہ فہرست کتاب خانہ مجلس ج ۲ ص ۲۱۲)

ڈاکٹر صاحب نے بلاخمن کا قول نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انجو کا لفظ عام طور پر بالفتح سنا گیا ہے، لیکن میری رائے میں (بلاخمن) میں صحیح لفظ کسرہ سے ہے کیوں کہ یہ لفظ ”انجو“ سے لیا گیا ہے جس کی تشریح (Quatremere) تاریخ مغل صفحہ نمبر ۱۳۰ میں کی گئی ہے۔ (جنرل ایشیاٹک سوسائٹی جلد ۳۷ صفحہ نمبر ۶۹)

تاریخ وصاف کی ایک عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ شیراز کا ایک حصہ ”انجو“ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ (مجلہ علوم اسلامیہ علی گڑھ جلد ۱ نمبر ۱)

ذیل جامع تواریخ رشیدی میں (۱۴۳، ۱۴۷، ۱۵۱، ۱۵۴) اینجو آیا ہے۔ مکاتیب رشیدی (لاہور ۱۶۸) میں یوں آیا ہے:

”انجو بہ معنی خالصہ جات دیوانی ست و عامل خالصہ جات را نیز انجو گویند۔“

مذکورہ بالا عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ انجو کے معنی سفید موتی کے نہیں بلکہ یہ لفظ ”خالصے والی املاک“ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ یہ مغولی لفظ ہے۔ فرہنگ جہان گیری کے مؤلف جمال الدین حسین انجو، اسی دادا زید اسود کی اولاد میں سے تھے۔ سید زید نے ممکن ہے کہ مکہ سے شادی کی ہو، لیکن انجو کی نسبت کا تعلق اسی واقعے سے نہیں ہے، جو عربی نسل ہی کی سلسلے میں صاحب معارف الانوار نے بیان کیا ہے۔ سید زید کے فرزند سید قاسم ۵۶۴۱ھ میں مکہ سے ہجرت کر کے شیراز میں آئے، بلکہ سید زید اسود کو ۵۳۵۲ھ میں عزالدولہ اپنے

ساتھ شیراز لے آئے اور اپنی ہمشیرہ سے ان کی شادی کردی۔
صاحب معارف الانوار کی عبارت کا سندھی اقتباس ابتداء میں دیا گیا ہے، اسی سلسلے میں مزید لکھتے ہیں کہ:

”... این لفظ تر کی است و سید زید بر او، سید قاسم نام نهاد و اکثر سادات شریف کہ ساکن شیراز اند، ازین جهت ایشانرا سادات انجوی می گویند. سید قاسم چون بہ جوانی رسید سید زید رحلت نمود عمر شریفش چهل و سه سال بود او را در جنت المعلى مدفون کردند.“

”... سید قاسم بعد از رحلت پدر بزرگوار دو سال در مکہ معظمہ سکونت نموده، پدر خود سید ابراہیم را بہ ہمراہ خود رسیدہ در آنجا سکونت اختیار نمود آن محلہ آلان محلہ ساداتان انجوی بازار داؤد خانی می باشد، و در سنہ ۶۳۰ھ سید قاسم مکی سفر آخرت اختیار نمود.....“ (معارف الانوار ۱۱۰)

دوسری جگہ وہی مصنف لکھتے ہیں کہ:

در ”تذکرہ شیراز“ (?) مذکور است کہ: سادات عالی درجات انجویہ در اصل موسوی اند، و از اعیان سادات شیرازی اند و در قدم نسبی، از دیگران ممتاز، و از اکابر متاخرین ایشانند کہ، بہ یمن امداد صدارت پناہ مغفور میر شمس الدین اسد اللہ شوستری، منظور نظر کیمیا اثر پادشاہ مغفور شدند...“

(معارف الانوار ۱۲۳)

مندرجہ بالا عبارت کا مطلب فارس نامہ ناصری کی عبارت سے بالکل مختلف ہے۔ سید زید مکہ میں فوت ہوئے اور جنت المعلىٰ میں دفن ہوئے۔ سید قاسم اپنے والد کی وفات کے بعد اپنے بیٹے ابراہیم کے ساتھ ۶۱۱ھ میں شیراز ہجرت کر گئے۔ جس بادشاہ کے سامنے منظور نظر ہوئے کا اشارہ ملتا ہے، اس سے مراد کون سا بادشاہ تھا؟ یقین سے نہیں کہہ سکتے۔ بہر حال اس بادشاہ سے مراد وہ عضد الدولہ نہیں ہے۔

۳۔ یہ پہلا سلطان ہے جس نے ۷۱۳ھ میں آزاد بادشاہت کا اعلان

کر کے یزد اور کرمان میں آل مظفر کی بنیاد رکھی۔ شیراز اور دوسرے صوبہ جات پر قبضہ کر کے ایک وسیع سلطنت قائم کی۔ وہ ایک پرہیزگار شخص تھے اور مذہبی معاملات میں سخت گیر تھے۔ اہل شیراز نے ان کا نام ہی محتسب رکھ دیا تھا۔ چنانچہ خواجہ حافظ نے مندرجہ ذیل اشعار میں ان کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اگرچہ بادہ فرح بخش و باد گل بیز است
بہ بانگ چنگ مخور می، کہ محتسب تیز است

.....

دانی کہ چنک و عود چہ تقریر میکنند
پنہان خورید بادہ، کہ تعزیر میکنند
می خور کہ شیخ و حافظ و مفتی و محتسب
چون نیک بنگری ہمہ تزویر میکنند

۱۵ رمضان المبارک ۷۵۹ھ کو ان کی اولاد نے انھیں اندھا کر کے قید کر دیا اور تھوڑے عرصے کے بعد شیراز کا صوبہ انھیں عطا کیا۔ انھوں نے گرم سیر (فارس) کے قلعہ ہم میں یکم ربیع الاول ۷۶۵ھ کو انتقال کیا۔ صاحب معارف الانوار نے سندھ میں سید محمد کی آمد کا سال ایک جگہ ۷۸۶ھ اور دوسری جگہ ۷۸۷ھ بیان کیا ہے۔

”... از آنجا کو چیدہ بہ جانب سند روانہ شدند سنہ ۷۸۷ھ“

(۱۱۵)

”... در تاریخ آمدن ایشان در ساموئی، و نسبت کردن
بہ عاجزہ قاضی نعمت اللہ عباسی، بسم اللہ الرحمن الرحیم،
سنہ ۷۸۶ھ...“ (۱۱۶)

تحفۃ الکرام کے مؤلف نے سید صاحب کے وارد ہونے کا سال ۷۸۶ھ لکھا ہے۔

”... بہ سال ہفتصد و ہشتاد و شش مطابق اعداد کریمہ بسم
اللہ الرحمن الرحیم در عہد... وارد سند گردیدہ در پرگنہ...“
(ص ۱۸۶)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مبارز الدین کے زمانے میں سید محمد نے شیراز نہیں چھوڑا تھا، مبارز الدین ۲۱ سال پہلے ہی انتقال کر گئے تھے۔ مبارز الدین کی معزولی کے بعد اس کا بیٹا شاہ شجاع تخت نشین ہوا، جس کے سلسلے میں حافظ نے کئی اشعار کہے ہیں:

سحر ز ہاتف غیب، رسید مژدہ، بہ گوش
کہ: دور شاہ شجاع ست، می دلیر بنوش!

.....

رندی حافظ نہ گناہیست صعب
با کرم پادشہ عیب پوش
داور دین شاہ شجاع، آنکہ کرد
روح قدس حلقہ شجاع، آنکہ کرد
روح قدس حلقہ امش بگوش
ای ملک العرش! مرادش بدہ
وز خطر چشم بدش، دار گوش

شاہ شجاع کا زمانہ ۷۵۹ھ سے ۷۸۶ھ تک ہے۔ آخری (وفات ۲۲ شعبان) ۷۸۶ھ کا سال ہے۔ اس کے بعد ان کے بیٹے زین العابدین (۷۸۶-۷۸۹ھ) تخت نشین ہوئے۔

زین العابدین کی تخت نشینی کے ساتھ ہی خاندان کی آپس میں تکرار شروع ہو گئی اور آخر سال ۷۹۵ھ (۸) (تاریخ ۲۲ جمادی الآخر) میں تیمور کے ہاتھوں آل مظفر کا خاتمہ ہو گیا۔

اس بات کا امکان ہے کہ سید محمد، شاہ شجاع کی وفات کے سال (۷۸۶ھ) ناسازگار حالات دیکھ کر امن و امان ختم ہونے کے اندیشے کے سبب آہستہ سے شیراز سے نکل گئے۔ شاہ شجاع کے بعد فارس میں جو حالات پیدا ہوئے وہ کچھ اس طرح ہیں:

”... شاہ شجاع در سال ۷۸۶ھ در گذشت، و پس از مرگ او...

با آنکہ در زمان زندگی، قلمرو خود رامیان باز ماندگان تقسیم کرده بود جنگ و کشمکش شدیدی میان آنها در گرفت، و

آشوب و اغتشاش فوق العادہ، در فارس و یزد و کرمان و اصفہان پدید آمد کہ بیان جزئیات این آشوب و اغتشاش از حوصلہ این نامہ بیرون است۔“

”... در این زمان تیمور خونخوار، در شمال ایران بہ قتل و غارت و جنگ و ستیز و کشتن مردم شہری، و خراب کردن شہرها پر داختہ... او بہ اصفہان تاخت و پس از فتح آن دیار، در اصفہان قتل عام نمود، و ہفتاد ہزار از مردم بکشت و از کلہ ہا منارہا ساخت، و از آنجا رو بفارس نمود، جزاین واقعہ مردم شیراز رہ وحشت انداخت...“ (۹)

ان اندیشموں کے پیدا ہونے کے بعد یہ ناممکن نہیں ہے کہ سید محمد نے ۷۸۶ھ میں ترک وطن کر کے سندھ کی طرف رخ کیا ہو۔ سندھ اس وقت آزاد اور نہایت سکون و فراغت اور امن و امان کا گہوارہ تھا۔ حافظ شیرازی کو ساتھ لے کر آنا اور قندھار سے ان کو واپس شیراز بھیجنے کا واقعہ غور طلب ہے۔ یہ روایت صرف صاحب معارف الانوار نے بیان کی ہے۔

ہندوستان میں حافظ کو دو دعوتیں ملیں، پہلی سلطان محمد بہمنی (۷۸۰-۷۹۹) نے ان کو دی، فارس نامہ ناصری کے مصنف نے لکھا ہے کہ: ”... در ہفتصد و ہشتاد دو (۷۸۲ھ) سلطان محمود شاہ بہمنی، از خواجہ حافظ خواہش مسافرت بہ ہندوستان فرمود۔ تقد و جنس فراوان برای خواجہ فرستادہ۔ خواجہ قروض خود را ادا کردہ، تدارک سفر را دیدہ، روانہ مقصد گردید۔“ (ص ۱۴۵)

جب حافظ ہرمز بندر سے کشتی میں سوار ہو کر روانہ ہوئے، اس وقت اتفاق سے ہوائیں چلنے کی وجہ سے پانی میں مد و جزر اٹھ رہا تھا۔ حافظ بہانے کر کے کشتی سے اتر گئے اور سیدھے شیراز جا پہنچے۔ (۱۰) حسین پژمان نے حافظ کی سوانح میں لکھا ہے: یہ دعوت محمود شاہ بہمنی نے ایک تاجر مرزا فضل اللہ اینجو کے توسط سے اُن کے لئے بھیجی تھی، حافظ نے مندرجہ ذیل غزل لکھ کر، اس بیوپاری کے ہاتھ

سلطان کوروانہ کی۔

دمی با غم بسر بردن، جهان یکسر نمی ارزد
 بہ می بفروش دلّی ماء، کرین بہتر نمی ارزد
 بس، آسان مینمود اول، غم دریا ببوی سود
 غلط گفتم کہ یک موجش، بصد گوہر نمی ارزد
 شکوہ تاج سلطانی، کہ بیم جان درو، درج ست
 کلاہی دلکش است، اما! بدرد سرنمی ارزد . (۱۱)

یہ دعوت ۸۸۲ھ میں عمل آئی۔ اس کے بعد سلطان غیاث الدین
 (۷۹۹-۸۹۲ھ) والی بنگال کی تخت نشینی سے کچھ سال پہلے حافظ کو
 بھیجی تھی۔ دریا کا مدو جزر حافظ پہلے ہی دیکھ چکے تھے، اسی لیے
 معذرت کے طور پر انھوں نے ایک غزل ارسال کی، جس کے یہ اشعار
 مشہور ہیں۔

ساقی حدیث سرو و گل و لالہ میرو
 وین بحث با ثلاثہ غسالہ میرو
 شکر شکن شوند ہمہ طوطیان ہند
 زین قند پارسی، کہ بہ بنگال میرو
 حافظ ز شوق مجلس سلطان غیاث الدین
 غافل مشو، کہ کار تو، از نالہ میرو (۱۲)

صاحب فارس نامہ ناصری کا قول ہے کہ: ”حافظ، شیراز سے فقط دو
 مرتبہ باہر تشریف لے گئے تھے۔ ایک مرتبہ ہرمز گئے اور دوسری مرتبہ یزد
 کے سفر پر روانہ ہوئے، ان کو اہل یزد نے بڑی تکلیفیں دیں۔ ان صعوبتوں
 کو یاد کر کے حافظ اہل یزد سے اس طرح مخاطب ہوئے: (۱۳)
 ای صبا! با ساکنان شہر یزد ازما، بگو:
 کای سر حق نا شناسان، گوی میدان شما
 خراسان کی جانب سفر کرنے سے متعلق بھی احتمال بیان کیے
 جاتے ہیں، مثلاً حسین پژمان نے لکھا ہے کہ:

”... احتمالات بسیار، بہ خراسان و طوس از راہ شاهرود و بسطام سفر کردہ است... شواہد دیگری ہم از تاریخ بدست می آید کہ، سفر حافظ را بہ خراسان مقرون بہ حقیقت می سازد آزان جملہ سابقہ ارادت حافظ بہ شیخ زین الدین تایبادی کہ در تایباد و بہ لہجہ کنونی طیبات نزدیک خواف خراسان ساکن بود، سابقہ ارادت سید زین العابدین گنا بادی کہ نسبت بہرود شخص مزبور، حبیب السیر می نویسد بنای سابقہ دوستی و ارادت با حافظ کمک کردند۔ و طبیعی است کہ این چنین سابقہ پیدا نمی شود، مگر در صورتیکہ حافظ سفر خراسان رفتہ و با شخصیت ہای بزرگ نامبردہ ملاقات و دوستی حاصل کردہ باشد...“ (۱۴)

اسی طرح یہ بھی ممکن ہوسکتا ہے کہ بزرگوں سے عقیدت کے سبب حافظ، سید محمد کے ساتھ قندھار تک آئے ہوں اور پھر سید صاحب کے اصرار پر ہی واپس شیراز روانہ ہو گئے ہوں۔ صاحب معارف الانوار لکھتے ہیں کہ:

”... بہمراہ چند کس از سادات وغیرہ و مریدان، ہمگی بیست و پنج نفر، از آنجا کوچیدہ بہ جانب سند روانہ شدند ۷۸۷ھ و از جملہ ہمراہان، یکی شیخ شمس الدین خواجہ حافظ شیرازی قدس اللہ سرہ بود، کہ اورا از قندھار رخصت فرمودند و گفتند کہ تاریخ تو خاک مصلیٰ (۱۵) [کذا] حافظ گریہ می کرد و میرفت و خود از آنجا بہ سیوستان رسیدند... (۱۶) الخ“

بہر حال یہ ایک ایسا موضوع ہے، جس پر زیادہ تحقیق کرنے کی ضرورت ہے۔

(۵) قاضی نعمت اللہ: کے سلسلے میں میر قانع لکھتے ہیں کہ جب سید احمد شیخ عیسیٰ کے ہاں آئے اس وقت شیخ تو استقبال کے لیے کھڑے ہوئے، لیکن قاضی نعمت اللہ عباسی بیٹھے رہے اپنی نشست سے ذرہ بھر

نہیں ہلے۔ بات چیت کرنے کے بعد جب سید صاحب واپس روانہ ہوئے تو قاضی نے شیخ سے اس تعظیم کا سبب پوچھا، شیخ صاحب نے جواب دیا کہ: ”اُن کی پشت میں قطب زمان نظر آرہا ہے، اگر وہ میری زندگی میں پیدا ہو گئے تو میں ان کا مرید ہو جاؤں گا۔“ قاضی کو یہ بات ناگوار گذری، گھر پہنچتے ہی اُن کی بصارت ختم ہو گئی۔ رات کو قاضی موصوف کی صاحبزادی بی بی فاطمہ کو خواب میں نظر آیا کہ اُن کی شادی سید احمد سے ہو گئی، اور ان کے ہاں چار بیٹے پیدا ہوں گے، جن میں سے ایک آفاقی مرد ہو گا۔ یہ واقعات سننے کے بعد قاضی بہت متاثر ہوئے اور شیخ عیسیٰ کے توسط سے اپنی دختر کا نکاح سید صاحب سے کر کے انہیں اپنے گھر لے آئے اور ٹھہرے میں اُن کی اقامت گاہ بنائی۔ (تحفة الکرام) معارف الانوار کے مصنف کی عبارت کچھ اس طرح ہے:

”... در سنہ ۷۹۰ھ عاجزہ خود را، با سید احمد نسبت کرد و نعم من قال در تاریخ آمدن ایشان در ساموئی و نسبت کردہ بہ عاجزہ قاضی نعمت اللہ عباسی، بسم اللہ الرحمن الرحیم سنہ ۷۸۶ھ (کذا) القصہ میر سید محمد و سید احمد بعد از چند روز از شادی بہ جانب موضع سید پور روانہ شدند، و میر سید محمد چند روز در آن موضع حیات بود... سید محمد بہ تاریخ دہم شہر محرم الحرام سنہ ۸۰۰ھ سفر آخرت اختیار نمود...“

”... در تاریخ ۷۹۵ھ فرزند ارجمند میر سید علی تولد شد در آن ایام عمر والدہ ایشان ہفدہ سال بود...“ (۱۷)

مندرجہ بالا عبارات سے ظاہر ہے کہ سید احمد سے بی بی کی منگنی ۷۷۸ھ میں ہوئی اور شادی ۷۹۰ھ میں ہوئی۔ ۷۹۵ھ میں پہلا بیٹا پیدا ہوا، اس وقت بیبی کی عمر ۱۷ سال تھی، اس حساب سے:

۷۷۹ھ میں بی بی کی ولادت ہوئی۔

۷۸۶ھ جب ان کی منگنی ہوئی، اس وقت بیبی کی عمر ۹ برس تھی۔

۷۹۰ھ میں جب ان کی شادی ہوئی اس وقت ان کی عمر ۱۲ برس

تھی۔

۵۷۹۵ھ جب پہلی اولاد ہوئی، یعنی میر سید علی پیدا ہوئے، اس وقت بیبی کی عمر ۱۷ برس تھی۔

۸۳۶ھ جب بی بی کا انتقال ہوا تو اس وقت ان کی عمر ۵۸ سال تھی، اسی حساب سے خواب والا واقعہ ۸ برس میں ہوا، اس وقت بی بی صاحبہ کی عمر نو برس تھی یہ بات تو بالکل طے ہے کہ اس وقت بی بی صاحبہ عمر کے حساب سے نابالغ اور معصوم تھی، اس لیے یہ تسلیم کرنا بہت مشکل ہے کہ نو برس کی بچی نے شادی اور اولاد کے متعلق نہ صرف خواب دیکھا، بلکہ صبح اٹھ کر بغیر شرم و حیا باپ سے تفصیلاً خواب کا ذکر بھی کیا۔

تحفة الکرام میں آیا ہے کہ سید محمد پہلے مراد اوٹھہ میں دفن ہوئے، جب اس کا بیٹا سید احمد (۸۴۵ھ) میں فوت ہوا اور جب مکلی میں عباسی قاضیوں کے قبرستان میں دفن کیے گئے اور سید علی ثانی نے ان پر مقبرہ تعمیر کروایا، تب تک مقبرہ زیارت گاہ نہ بن سکا، جب تک سید محمد کی نعش مراد اوٹھہ سے منتقل کر کے وہاں دفن نہیں کی گئی۔

”... ہر گز روحی و صفائی نیافتہ و زیارتگاہ اہل اللہ نشد، تا

بحسب رویا نعش آن بزرگ، از موضع مراد اوتہ بہ آنجا نقل

نکرد۔“ (خطی ۱۶۲)

وہ قبرستان دراصل عباسی قاضیوں (نعمت اللہ) کا تھا بعد میں جب سید کو دفن کیا گیا تو پھر وہ انجوی شیرازیوں کا قبرستان مشہور ہو گیا۔ معارف الانوار کی روایت ہے کہ: ”سید علی ثانی نے ۵۱ برس کی عمر میں روضہ اور اس پر گنبد بنوایا، جس کی تاریخ (۹۳۰ھ) ’بحر کرم‘ سے نکلتی ہے۔ اسی زمانے میں کوئی خبر لے کر آیا کہ پنا کینال میں پانی کا سیلاب آیا ہے، اور امکان ہے کہ سید پور (مراد اوٹھہ) ڈوب جائے، سید علی فوراً سب عزیزوں کو لے کر اس طرف گئے اور سید محمد کی لاش کو تابوت میں بند کر کے مکلی لے آئے اور گنبد میں مغرب سے محراب سے متصل دفن کیا۔ محرم کی ۱۰-۱۱ تاریخ کو ان کی لاش دفن ہوئی۔“

(۶) سید علی ثانی: جید عالم ادیب اور بڑے اہل دل بزرگ تھے، ارغون اور ترخانی دور میں نہ صرف عوام آپ کے معتقد ہو گئے، بلکہ حکمران طبقہ آپ سے اخلاص اور محبت رکھتا تھا۔ مرزا شاہ حسن ارغون کا ۹۶۲ھ میں انتقال ہوا، کچھ عرصے کے لیے آپ کی لاش ٹھٹھ میں امانت کے طور پر رکھی گئی، بعد میں سید صاحب شاہ حسن کی بیوی ماہ بیگم کے ہمراہ مکہ معظمہ لے گئے، جہاں شاہ بیگم والے مقبرے میں دفن کیے گئے۔

مرزا باقی نے انتہا ظالم اور مغلوب الغضب حاکم تھا۔ اپنی شخصی حکومت قائم رکھنے کے لیے اس نے بے حد مظالم کئے۔ اپنے گھرانے کے بہت سے افراد کو قتل کروایا۔ ابتداء میں مکاری سے کام لے کر کچھ لوگوں سے صلح کر لی اور آخر میں ان کو دھوکہ دے کر شہید کروایا۔ مثلاً عیسیٰ اول کے بیٹے یعنی اپنے بھائی جان بابا اور دوسرے ایک امیر یادگار مسکین مرزا سے ابتدا میں سید علی کے ذریعے مصحف شریف کو درمیان میں رکھ کر صلح کی۔ جب انھوں نے آنا جانا شروع کیا تو ایک دن ان کو اپنے پاس بلوایا اور پھر ان دونوں کو اپنے دو جلا دوں ہوتھی اور نوٹھی کے ہاتھوں قتل کروایا۔

اسی طرح سید علی ثانی کو اس دور میں درویش اور بزرگ ہونے کے سبب بڑی اہمیت حاصل ہوئی۔ ملکی معاملات ہوں یا مذہبی معاملات ہمیشہ آپ سے رجوع کیا جاتا تھا۔ عمر کوٹ میں جب اکبر پیدا ہوئے، اس وقت سید صاحب کی قمیض میں سے ایک ٹکڑا پھاڑ کر ایک قمیض بنائی اور بطور تبرک انہیں پہنائی (ترخان نامہ) مرزا جانی نے اپنی چچی (بنت مرزا صالح بن مرزا عیسیٰ) کا رشتہ اپنے بیٹے کو دے کر عزیزوں والا رشتہ قائم کیا۔ مرزا جانی بیگ نے اکبر کو امیر صادق محمد خان کے خلاف جو شکایت نامہ بھیجا تھا، وہ سید جلال لے کر گئے تھے۔

سید علی فارسی 'عربی' زبان کے عالم اور بہت بڑے ادیب تھے۔ سندھی زبان میں شعر بھی کہتے تھے۔ درس علاؤ الدین اور اُس کے درمیان سندھی اشعار کے ذریعے متعدد سوال و جواب ہوئے جو اس دور کے بہت سے لوگوں کو یاد تھے۔ (تحفة الکرام)

سرتن سانگ سکن جو، مون کي رويو رھائين:
 آءَ ٿي ھلان ھوت ڏي، ھو ٿيون واريو وھائين:
 وريتيون ورن سين، وينيون گھر گھارين:
 کھندا ٿيون کارين، ڪانه ھلندي ھوت ڏي:

مذڪوره بالا دوسرے کو سندھی میں بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔
 یہ دوہا قاضی قاضن کے دور کا ہے۔

معارف الانوار کے مصنف نے لکھا ہے کہ: جب سید علی ثانی پیدا ہوئے، اس وقت پیر مراد نے انھیں دیکھ کر سندھی زبان میں کہا تھا کہ: او ڀاء! رب ڏيئي وڏي ڄمار. ”اے بھائی! بڑی عمر ہو۔“

اس وقت ٽڪ ارغونی دور میں ہم کو فقط قاضی قاضن کے سات دوسرے ملے تھے، لیکن اوپر دیئے گئے اشعار اور نثر کے ٹکڑے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں قاضی صاحب مرحوم کے علاوہ اور سندھی زبان کے شاعر تھے اور اہل علم اور اہل اللہ عام طرح کی گفتگو بھی سندھی زبان میں کرتے تھے۔

سید صاحب محفل سماع کے بہت شوقین تھے۔ معصومی کے مصنف کا یہ قول ہے کہ قاضیوں، مولویوں اور شریعت کے دعوے داروں کے منع کرنے کے باوجود سید صاحب نے سماع کو نہیں چھوڑا، بلکہ ایک بڑی جماعت کے ساتھ مکلی کے مزارات پر سماع کی محفلیں منعقد کرواتے تھے۔ حاجی رضائی ٹھٹوی اپنی مثنوی ”زیبا نگار“ میں لکھتے ہیں کہ:

سندھ میں مشہور ہوا کہ سسئی کے مزار پر جو مسافر رات رہتے ہیں، ان کے لیے وہ مزار سے نکل کر آتی ہے اور انھیں رات کا کھانا آکر دیتی ہے۔ جب یہ روایت سید علی ٽڪ پہنچی تب یہ بزرگ اپنے ساتھ درویشوں کی ایک جماعت لے کر مزار پر گئے اور رات کو روایت کے مطابق سسئی باہر نکل آئی اور سید صاحب کو پکا ہوا کھانا پیش کیا۔

کہ آن طغرای منشور سیادت
 فروغ دیدہ و نور سعادت

شہ معنی جہانگیر ولایت
 جوان مرد جہان پیر ہدایت
 حقیقت چون مجازش جلوہ گر بود
 عجب صاحب دل و صاحب نظر بود
 شراب عشق می نوشید ہر دم
 دلش چون بادہ می جوشید ہر دم
 دل پر جوش او، پیمانہ عشق
 نگاہش عشق، چشمش خانہ عشق
 بسی عالی ست نزد حق، مقامش
 بود سید علی در خلق نامش
 مقامش تہ و مشہور آفاق
 جو خور، در طاق گردون شہر تش طاق

.....

همان سید علی مرد ولی بود
 مر او را فتح بابش روی بنمود
 زہی فتحی کہ شق شد قبر ناگاہ
 زشق بنمود زیبا روی چون ماہ
 قد خود تاسیان بالا کشیدہ
 زخاکی، سرو رعناۃ دیدہ
 برنگ گل، تبسم کرد و بشگفت
 بمہمانان ثنا و مرحبا گفت
 طعاسی را کشید از مرقد خویش
 کہ از وی سیر شد ہر مرد درویش

میر قانع لکھتے ہیں کہ: "اسمعیل ملتانی نے بھی ان دونوں عاشقوں
 کو دیکھا تھا۔" (تحفہ الکرام سندھی ۶۶)

قصہ غلط ہو یا صحیح ہمارا تعلق تو صرف اس سے ہے کہ مندرجہ
 بالا اشعار سے سید صاحب کی شخصیت کا اندازہ ہوتا ہے اور عوام کو ان

سے جو عقیدت تھی، اس کا بھی علم ہوتا ہے۔ ”حدیقة الاولیاء“ کے مصنف سید عبدالقادر ٹھٹھوی سید صاحب کے چھوٹے معاصر تھے۔ سید صاحب کے انتقال کے بعد انھوں نے سید صاحب کا دوسرا تذکرہ مرتب کیا، جس میں انھوں نے سید صاحب کے بارے میں ایک طولانی قصیدہ لکھا ہے۔ صاحب معارف الانوار نے بھی اس کو نقل کیا ہے۔

آن والی کشور ولایت برہان ممالک ہدایت
صاحب دل، عارف محقق بیدار دلی ولی مطلق
سید علی آن بہ فضل ممتاز سر دفتر سیدان شیراز
گلدستہ بوستان طہ فرخ ثمری ز نخل زہرا
مرآت جمال اسم اعظم بینای رموز ہر دو عالم
کشف دقایق معانی دانای حقایق معانی
از آیینہ دلش ہویدا اسرار جلال حق تعالیٰ
دریا دلِ قلمِ سماحت عیسیٰ دم یوسفی ملاحمت
دست کرمش چو ابر نیسان می بود ہمیشہ گوہر افشان
در راہ خدا بہ بذل و ایثار میداشت دلی چو بحر ذخار
گرخود ہمہ گنج شایگان بود در حاصل جملہ بحر و کان بود
می داد ہمہ بتازگی زوی ہرگز نہ فگندہ چین بر ابروی
بودش بنظر ہزار گوہر با قیمت یک شیشہ برابر
صد گونہ سماط نزل چیدی خوانہای نعم بران کشیدی
بنشستہ بہ بزم میزبانی میداد صلا میہمانی
اخوان صفا ز ہر دیاری فلان وفا ز ہر کناری
ہر روز برسم میہمانان از شوق بخدمتش شتابان
ہر یک ز افاضہ نعیمش وز بحر کف ید کریمش
بر چیدہ جواہر مطالب بر گشتہ از ان مریم صایب
دائم پی ابتغای مرضات کوشیدہ انتضای حاجات
ہشتاد ویکی سنین نہصد بگذشتہ ز ہجرت محمد
گو، رخت ازین سرای فانی بر بست: بملک جاودانی

آسودہ بخوشترین مزاری مانند بہشت مرغزاری
 خورشید ز روی صدق و اخلاص در گنبد او، چو ذرہ، رقاص
 خوش گنبد فیض بخش و پر نور رخشان ز فضا چو جرگہ حور
 از باغ گلی طرب شگفتہ کز شبنم فیض روح شستہ
 نرہتگہ چشم اہل بینش پیرایہ باغ آفرینش

مندرجہ بالا قصیدے میں سید صاحب کی سخاوت اور مہمان
 نوازی کی تعریف کی گئی ہے۔ میر معصوم نے بھی اپنی تاریخ میں اس
 وصف کا اظہار کرتے ہوئے ان کی حمایت کی ہے۔ یوں تو ہمیشہ آپ کے
 دسترخوان پر میلہ لگا رہتا تھا، لیکن ہر سال ربیع الاول کے مہینے میں پہلے
 بارہ روز تک جو میلہ لگا رہتا تھا، وہ قابل دید ہوتا تھا اور وہ رونق دیکھنے
 کے قابل ہوتی تھی۔ ہزار ہا لوگ ادھر ادھر کے بارہ دن تک آپ کے ساتھ
 کھانا کھاتے تھے اور سید صاحب ان دعوتوں میں مہمانوں کے لیے اس قدر
 اہتمام کرتے اور اتنی کشادہ دلی سے انھیں کھانا دیتے کہ لوگ حیران
 ہو جاتے۔ (معصومی ص ۲۱۲)

تحفۃ الکرام (۳/۱۸۸) میں سید صاحب کا سال وفات ۹۷۱ھ لکھا
 ہوا ہے۔ معصومی کے نسخے میں بھی ۹۷۱ھ ہی ہے، لیکن معصومی نے
 تاریخ کا ہر فقرہ ”فات الحاتم بجودہ“ دیا ہے، جس سے سال ۹۸۱ھ برآمد
 ہوتا ہے، جو درست ہے۔ مندرجہ بالا قصیدے میں سید عبدالقادر نے بھی
 یہی سال دیا ہے۔

صاحب ’معارف الانوار‘ کا قول ہے کہ انتقال (۹۸۱ھ) کے وقت سید
 صاحب کی عمر مبارک ۹۲ سال تھی۔ اسی حساب سے آپ کا سنہ تولد
 ۸۸۹ھ ہونا چاہئے، لیکن دوسری جگہ پر آن نے اپنی پیدائش کا سال ۸۹۱ھ
 لکھا ہے، جس کے مطابق سید صاحب کی عمر وفات کے وقت ۹۰ سال
 ہونی چاہئے۔ کتاب آداب المریدین سید صاحب نے ۶۳ سال کی عمر میں
 لکھنا شروع کی اور ۹۵۳ھ میں اسے مکمل کیا۔ تحفۃ الکرام کی روایت
 کے مطابق سید صاحب درویش اجر (آچر) اور مخدوم نوح کے فیض یافتہ
 تھے۔ (۱۸۷-۳) سید اور ان کے صاحبزادے سید جلال مخدوم فیض اللہ

ٹھٹھوی کے شاگرد تھے۔ سندھی (۵۴۹)

(۷) ”معیار سالکان طریقت“ میں ہے کہ سید جلال ثانی کو محمد صالح ترخان کی بیٹی سے میر محمد نامی (مؤلف ترخان نامہ) بیٹا ہوا۔ آپ کی دوسری بیوی سے بھی آپ کو ایک اور بیٹا سید فضل اللہ نامی تھا ”ضرر البشر“ کے مصنف زین العابدین عرف میر لطف اللہ ’قانع‘ (متوفی ۱۱۳۰ھ) آپ کی اولاد میں سے تھے۔ اسی خاندان کا احوال تحفة الکرام (۱۸۸-۳) میں پڑھنا چاہیے۔ ترخان نامہ کے مصنف لکھتے ہیں کہ:

در ربیع الاول ۹۹۴ھ (اربع و تسعین و تسعین مائے) حضرت... اکبر بادشاہ صادق محمد خان را، بہ حکومت بکر تعین نمود (بقول میر معصوم سہ شنبہ ۱۲ ربیع الاول بہ بکر رسید) و خدمت تسخیر تہ فرمود... و میرزا جانی بیگ ترخان پیشکش لایق کارخانہ پادشاہی، بدست معتمدان خود، بدرگاہ خلائی پناہ فرستاد و جناب سیادت مآب میر جلال الدین بن سید علی شیرازی کہ شیخ الاسلام ولایت تہ و بہ جمیع فضائل و کمالات صوری و معنوی آراستہ بود تبرکاً تیمناً ہمراہ پیشکش نمود و صبیہ میرزا محمد صالح بن عیسیٰ ترخان کہ عمہ میرزا جانی می شد، در حبالہ نکاح سید جلال الدین مذکور در آورد. (ص ۲۶)

لیکن صاحب تحفة الکرام نے لکھا ہے کہ مرزا صالح نے یہ رشتہ اپنی زندگی ہی میں طے کر دیا تھا۔

میرزا صالح برادر میرزا باقی نسبت صبیہ خویش بہ آن جناب کردہ، بہ آن پیوند میرزا محمد باقی ویرا، بہ حضور اکبر بادشاہ فرستادہ بود. (مطبوعہ فارسی ۱۸۸)

مرزا صالح ۹۷۰ھ کو مارا گیا۔ مرزا صالح نے خود اپنی بیٹی کا رشتہ دیا، مرزا باقی نے دیا یا مرزا جانی نے یہ رشتہ کیا، اس کا فیصلہ کرنا مندرجہ بالا روایات کی روشنی میں بہت مشکل ہے، البتہ میر معصوم لکھتے ہیں کہ محمد صادق سے سہون میں معرکہ (ذی الحج ۹۹۴ھ) کرنے کے بعد

مرزا جانی نے تحائف دے کر دربار اکبری میں اپنے سفیر کو بھیجا (معصومی ۲۴۹) اس سے قبل ۹۹۳ھ میں مرزا باقی نے ایک ایسا وفد اکبر بادشاہ کے پاس بھیجا تھا، جس میں اس کی بیٹی بھی شامل تھی، لیکن اس کے لیڈر شیخ عبدالغفور بن عبدالوہاب تھے (معصومی ۲۱۴) قرین قیاس تو یہ ہے کہ سید جلال کے ساتھ محمد صالح کی بیٹی کا نکاح مرزا جانی نے کروایا ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ مرزا باقی کی خود کشی کے بعد جب ظلم و استبداد بند ہوا اور ترخان قبائل یا ٹھٹھہ کے باشندوں نے سکھ اور آزام کا سانس لیا تب مرزا جانی نے اپنے منتشر خاندان کو اکٹھا کر کے آپس میں رشتے داریاں کیں۔ ہوسکتا ہے کہ اس موقع پر مرزا صالح کی بیٹی کا نکاح بھی اسی وقت کیا گیا ہو۔

حواشی

- (۱) اتوار کے دن سورج طلوع ہونے سے پہلے ۱۲ ربیع الاول - قطب الاقطاب ان کا لقب تھا۔
- (۲) (واحد خالص اللہ) میں سے سال نکلتا ہے۔
- (۳) بن بدر الدین بن رکن الدین بن صدر الدین بن شیخ بہاء الدین (معارف الانوار)
- (۴) یہ تینوں بزرگ خدا کے برگزیدہ بندے تھے، معارف الانوار میں ان کا ذکر موجود ہے۔
- (۵) ۸۶۳ عدد بنتے ہیں، اگر تشدید کو نظر میں رکھتے ایک لام کا اضافہ کیا جائے تو سال ۸۹۳ نکلتا ہے۔
- (۶) سید منصور کی عمر اس وقت ۱۳ سال تھی، اس لیے یہ روایت غلط ہوئی چاہیے۔
- (۷) مادۃ تاریخ - حیف از شاہ شجاع۔
- (۸) حافظ ج اول ص ۴۳۷ و ما بعد - از دکتر غنی۔
- (۹) حافظ یکتائی ص ۱۱۵
- (۱۰) فارس نامۃ ناصری ص ۱۴۵
- (۱۱) دیوان حافظ حسین پژمان ص ۷۳ و فارس نامہ ص ۱۴۵
- (۱۲) دیوان حافظ پژمان ص ۸۶
- (۱۳) حافظ حسین پژمان ص ۳۰-۳۱
- (۱۴) حافظ، پژمان ص ۶۶-۶۷
- (۱۵) چودر خاکی مصلیٰ یافت منزل
- بجو تاریخ از خاکی مصلیٰ [۵۷۹۱]
- (۱۶) معارف الانوار ص ۱۱۵
- (۱۷) معارف الانوار ص ۱۶-۱۷

باب ۳

سید محمد جلال (ثانی) بن سید علی اول:

سید علی ثانی کے والد (۱) تفسیر حدیث و فقہ کے جید عالم اور حافظ تھے، جو ۶۶ برس کی عمر میں ۹۰۳ھ کو فوت ہوئے۔ ”وجعلنا للمتقين اماما“ سے سال فات نکلتا ہے۔ آپ کا مدفن سید علی کے مقبرے سے باہر والی چھتری میں سید محمود جعفر کے پہلو، اور اسی مزار کے مغرب کی جانب ہے۔ ان کا مزید احوال سید مراد کے بیان کئے گئے تذکرے میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۴) شیخ عیسیٰ: لنگوٹی بند، اصل برہان پور (سی-پی-ہند) کے تھے۔ سما خاندان کے آخری زمانے میں (جام نندہ کے دور میں) ساموئی سے متصل مکلی کی پہاڑی پر آکر مقیم ہوئے، جہاں اس وقت آپ کا مزار ہے وہی آپ کا حجرہ تھا۔ ساری زندگی اسی میں بسر کی اور وفات کے بعد بھی یہیں دفن ہوئے۔ اسی حجرے میں درس بھی دیا کرتے تھے، جہاں روزانہ کئی طلباء آپ سے علمی و دینی و روحانی فیض حاصل کرنے آتے تھے۔ علامہ نعمت اللہ عباسی اسی مدرسے کے فیض یافتہ تھے۔ اسی مدرسے میں پیر مراد شیرازی کے جد بزرگوار سید محمد نے شیخ عیسیٰ اور قاضی نعمت اللہ سے پہلی بار ملاقات کی تھی۔

سید محمد حسین پیر مراد شیرازی ۸۳۱ھ میں پیدا ہوئے، اس وقت شیخ عیسیٰ آپ کی زیارت کے بعد آپ کے مرید بن گئے اور کہا کہ ”میں فقط اسی مرشد سے ملاقات کی خاطر زندہ تھا۔“ چنانچہ تین روز بعد بزرگ انتقال کر گئے۔ (۲)

میر علی شیر نے 'مقالات الشعراء' میں مندرجہ ذیل اشعار آپ کے نام منسوب کیے ہیں:

قید باشد حکیم! در رہ دوست
دو گزک یوریا و پوستکی
گر تو آزاده ای، بس است ترا
دلکی پر ز درد دوستکی (۳)

شیخ حماد جمالی کے ساتھ شیخ صاحب کی نشست و برخاست تھی۔ شیخ صاحب کی قبر سید علی کے مقبرے کے شمال مشرقی کونے پر پہاڑ کی ڈھلوان پر ہے۔ اس وقت مقبرہ زیون ہو چکا ہے۔ (۳)
(دیکھئے تحفۃ الکرام۔ مقالات الشعراء۔ تحفۃ الطاہرین۔ معیار سالکان طریقت اور حدیقة الاولیاء)

(۵) ساموئی: محمد پور کے برباد ہونے کے بعد سومرہ سلاطین نے کلاں کوٹ کو دارالخلافہ بنایا۔ جب سما خاندان اقتدار میں آئے تب مکلی کے شمال میں جو اس وقت نشیبی علاقہ دیکھنے میں آتا ہے، انہوں نے اسی جگہ پر اپنی حکومت کی بنیاد ڈالی اور اس جگہ کا نام "ساموئی" رکھا۔
تحفۃ الکرام میں لکھا ہے کہ:

"... جام بانہیہ... شہر ساموئی را... بنا نہادہ، قبل بنای پانیہ بن
انراست، و این بران افزوودہ..." (۳۲ خطی)

یعنی جام بانہیہ نے یہ شہر آباد کیا اور کچھ لوگوں کا قول ہے کہ پانیہ (بمبہرے) بن اڑ نے تعمیر کروایا تھا۔ لیکن اس نے اس کو اور زیادہ وسیع کر دیا، اسی قول کے مطابق ساموئی فیروز تغلق کے دور (۵۱-۷۹ھ) میں آباد ہوا۔ طاہری کے مصنف کے مطابق جب ۷۳۹ھ میں سما سندھ پر قابض ہوئے، اس وقت مکلی پر ایک قلعہ اور شہر آباد کر کے اس کا نام ساموئی رکھا۔ (طبقہ دوم)

ساموئی کے نام کی نسبت یا معنی بیان نہیں کیے گئے۔ کہتے ہیں کہ سما کی نسبت سے اس کا نام ساموئی رکھا گیا اور گمان غالب ہے کہ اس کا مطلب یہ ہو گا کہ: "سما کا شہر"۔

یہ سرزمین اس وقت ویران پڑی ہے۔ شیخ جھنڈا پاتنی کا مزار اسی اراضی میں واقع ہے جو شاہ مراد کے قبرستان سے نظر آتا ہے۔ ملا لٹر (عبدالرحمن) کی قبر بھی اسی نشیمی سرزمین میں موجود ہے۔ اسی شہر میں سات سستی بہنیں رہتی تھیں، جن کی زیارت گاہ آج تک یہاں موجود ہے۔ (۵)

تحفة الکرام کی روایت ہے کہ وہ سات بہنیں سومرا خاندان سے تھیں، جب سومروں پر سما نے فتح حاصل کر لی اور دہلی کے سلطان نے سومروں سے جنگ لڑی (۴) اس وقت یہ سات بہنیں اپنے لوگوں سے الگ ہو گئیں اور جب شاہی لشکر (۴) اپنی طرف آتے دیکھا تو اس وقت ”... از غایت حرمان، برای نجات آن دختران عقیفہ بہ درگاہ احدیت نالیدہ، رجوع بکوهی کہ بران متواری شدہ بودند، آوردند قضا را کوہ در حال از ہم منفجر گردیدہ، آن مستورات را کہ سابق ہرگز روی نا محرمی ندیدہ بودند از دست لشکر رہاندہ، درون خود جا داد۔“ (خطی ص ۳۱)

یہ جگہ آج تک موجود ہے اور زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

(۶) شیخ حماد جمالی بن شیخ رشید الدین: شیخ جمال اوجی کی بیٹی کے نواسے تھے۔ ساموئی میں اپنی خاتقاہ میں تمام وقت اپنے حجرے میں منہ ڈھانک کر بیٹھے رہتے تھے۔ حجرے کے باہر شاگرد آکر بیٹھتے اور آپ اندر بیٹھ کر ان کو درس دیتے۔

میر قانع کا قول ہے کہ: جام جونہ کے زمانے میں جام تماچی بن جام انڑ اول، اور جام صلاح الدین بن جام تماچی سے شیخ صاحب کی بڑی محبت تھی اور دونوں شہزادوں کو بھی آپ سے بے انتہا عقیدت تھی، جام جونہ، اسی خوف سے کہ کہیں شیخ صاحب انھیں حکومت حاصل ہونے کی دعا کریں، اس لیے انھوں نے دونوں شہزادوں کو کسی بہانے دہلی میں قید کروادیا۔ جام تماچی کی والدہ روزانہ شیخ صاحب کی خاتقاہ پر حاضر ہو کر دعائیں مانگتی تھیں کہ شہزادے سلامت واپس آجائیں۔ ایک دن شیخ صاحب نے عالم جذب میں آکر سندھی شعر پڑھا (۶) جس

میں نہ صرف ان کے واپس آنے کی دعا تھی، بلکہ حکومت حاصل ہونے کی نوید بھی تھی۔ چنانچہ جلد ہی شہزادے واپس آئے اور ان کو حکومت بھی حاصل ہوئی۔ (۷)

جام تماچی نے تخت پر بیٹھتے ہی بڑی رقم خانقاہ کی تعمیر کے لیے بھجوائی (۸) جس سے شیخ صاحب نے مکلی میں ایک خوب صورت مسجد تعمیر کروائی۔ اس کی چہار دیواری اب بھی جام نظام الدین کے مقبرے کے سامنے خستہ حالت میں موجود ہے۔

شیخ صاحب نے مسجد کی تعمیر کے بعد سما خاندان کو حکم دیا کہ آئندہ وہ اپنے مقبرے اس مسجد کے آس پاس بنوائیں۔ اس سے قبل ان کے مقبرے پیر آر (پیر بٹھہ) پر تعمیر ہوتے تھے۔ پھر مکلی کے پہاڑ کے آس پاس مقبرے تعمیر ہونے لگے۔ مقالات الشعراء (۷۸) میں مرقوم ہے کہ شیخ اپنے جسم پر کوئی کپڑا نہیں پہنتے تھے اور ستر پوشی کے لئے فقط ایک شال کا ٹکڑا اوڑھتے تھے اور چٹائی کے ایک ٹکڑے پر سوتے تھے۔

”وضع شیخ سروبا برہنہ پارہ ای نمد ستر پوش و بوریاہی فرش بود۔“

حسب حال یہ شعر پیش خدمت ہے، جو آپ کی طرف منسوب کیا گیا ہے:

دو گزک بوریا و پوستکی دلکی پر ز درد دوستکی

ایتقدر بس بود جمالی را عاشقی رند لا ابالی را (۹)

”حدیقة الاولیاء“ کے مصنف نے بزرگ کا احوال ان القاب سے شروع کیا ہے:

”... آن صاحب کشف و کرامت، و آن جلیل القدر عالی

مرتب، سر خیل مبار زان طریقت، سر دفتر عارفان حقیقت،

خداوند خصایل مرضیہ، جامع کمالات علمیہ و عملیہ، محرم

خلوت خانہ قدس، بار یافتہ مجلس انس، سر مست جام

وحدت، غریق در دریای معرفت، محبوب ذوالجلالی، شیخ

حماد بن شیخ رشید الدین جمالی۔“

بزرگ کے مرتبے اور ولایت، سلوک اور کرامات کا ذکر کرتے ہوئے وہی مصنف لکھتا ہے:

”..... خورشید فیضان الاهی، و مکاشفہ غیر متناہی، بہ نوعی بکاشانہ وی پر تو انداخت کہ، جمیع اسرار عالم ملک و ملکوت بروی مکشوف ساخت، تا آنکہ ہر روز صد تلامیذ دانش اندوز، از مجلس آن شمع دل افروز، اقتباس انوار مسائل علوم می نمودند، و بذریعہ آن تشبہ اذیال مطالب و مقاصد دین و دنیا حاصل کردند.“

شیخ حماد کا مقبرہ مسجد مکلی کے شمال مغرب میں مسجد سے متصل نہایت زیوں حالت میں موجود ہے۔ ”مقالات الشعراء“ کے مصنف نے لکھا ہے:

”... مزار متبرکہ اش در کوہ مکلی پهلوی جام نندہ و جامع مکلی مطاف اهل الله است.“

(۷) جامع مسجد مکلی: ”تحفة الکرام“ کے مصنف کے مطابق یہ مسجد شیخ حماد جمالی نے (۹۲-۵۷۹۳) (۱۰) میں تعمیر کروائی تھی، جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے کہ یہ مسجد تعمیر ہو جانے کے بعد سما سلاطین نے مکلی پر اپنے مقابر کی تعمیر شروع کروائی تھی۔ اس وقت مسجد کی دیواریں اور چھت کے کچھ حصے سلامت ہیں، باقی سب کچھ زیوں ہو گیا ہے۔ دیواروں کی اونچائی اور ستونوں کی ساخت سے مسجد کی عظمت اور فن تعمیر کا اندازہ ہوتا ہے۔ پاکستان کے محکمہ آثار قدیمہ نے مسجد کے باقی بچے ہوئے آثار کی مرمت کروائی ہے۔ اسی مسجد کے شمال مغرب میں حماد جمالی کا مقبرہ موجود ہے۔ مسجد کی دیوار میں پیوست ”مائی مکلی“ (۹) کی قبر ہے۔ قاضی عبداللہ کا مزار بھی شمال مغربی سمت ایک کونے میں موجود ہے۔

(۸) قاضی عبداللہ بن تاجیہ (تاجو): اصل میں سہون کے قاضیوں میں سے تھے۔ آپ کے بزرگ عباسی خلفاء کی جانب سے سندھ میں آئے ہوئے گماشتوں کی اولاد میں سے تھے۔ قاضی صاحب بقول صاحب تحفة الکرام

”در علم و اتقا مرجع کامل و مقصد اکمال بودہ۔“

کہتے ہیں کہ جام نظام الدین (المتوفی ۹۱۴ھ) کے زمانے میں اُن کی لاش مکلی میں ظاہر ہوئی۔ یعنی اہل مکاشفہ اور اہل دل بزرگوں نے خواب میں آپ کے مدفن کا نشان پایا، ان ہی میں سے کسی نیک مرد کو خواب میں اشارہ ہوا کہ نماز جنازہ وہ پڑھائے، جس نے سن شعور کو پہنچ کر بے وضو آسمان کی طرف نہ دیکھا ہو اور نہ ساری عمر اپنی ستر کو دیکھا ہو۔ اُس پاس اعلان کیا گیا، لیکن متقی کوئی بھی شخص نہ ملا۔ آخر جام نظام الدین نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ کہتے ہیں کہ یہ بادشاہ ان صفات کا حامل تھا۔ (۱۱)

قاضی کا مقبرہ تحفۃ الکرام کی روایت کے مطابق شیخ حماد کے مقبرے کے عقب میں ہے۔ ”مکلی نامہ“ میں میر علی شیر لکھتے ہیں کہ: مکلی میں ایک طرف جام نظام کا مقبرہ ہے اور دوسری طرف حاجی عبداللہ کا مزار ہے، دونوں روایات کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ مسجد کے شمال مغرب میں جو زبوں قبریں ہیں، ان میں سے ایک شیخ حماد کی ہے اور اس کے قریب شیخ عبداللہ کا مزار ہونا چاہیے۔

قدیم زمانے میں یہ دستور تھا کہ طالب علم روزانہ خاص طور سے جمعرات کو ان بزرگوں کے مقبروں پر حاضر ہو کر کسب کمال اور انشراح قلب و ذہن کے لیے دعائیں مانگتے تھے۔ (۱۲)

(۹) جام نظام الدین سمہ: سندھ کے باشندے آپ سے دلی محبت کرتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ آپ کو جام نندا کہہ کر پکارتے تھے، اور آج بھی آپ کے نام کی یہ تخفیف بدستور مروج اور مشہور ہے۔

جام نظام الدین سما خاندان کے آخری اور آزاد سندھ کے پہلے تاجدار تھے، جس نے ۲۵ ربیع الاول ۷۸۶ھ سے لے کر ۸۶۶ھ (۱۳) تک نہ صرف ملک کی باگ دوڑ سنبھالی بلکہ لوگوں کے دلوں پر بھی حکومت کی۔ اس کے بعد اس کے بیٹے جام فیروز اور خاندان کے دوسرے شہزادے جام صلاح الدین کے درمیان تخت و تاج کے معاملے پر خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ ۹۱۴ھ سے لے کر ۹۲۷ھ تک سندھ پر کبھی صلاح الدین گجرات

سے کمک لے کر پہنچا، تو کبھی سبی اور قندھار کے راستے ارغونوں کو لے کی فیروز حملہ آور ہوا۔ آخر اسی کشمکش کے دوران ارغونوں نے نہ صرف پہلے صلاح الدین کو فیروز کے مقابلے میں ختم کیا (۹۲۷ء) بلکہ سال ڈیڑھ سال کے اندر فیروز کو بھی ختم کر کے شاہی چراغ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بجھا دیا۔

ان دنوں شہزادوں کی خانہ جنگی کا نتیجہ نہایت خراب اور اندوہ ناک ثابت ہوا۔ مسلسل ڈھائی سو سال تک (۹۲۷-۱۱۵۲ء) تک لوگوں کے لیے غیروں کی غلامی کا پھندا اپنی گردنوں سے نکالنا محال تھا۔ بغیر کسی گناہ اور اس کی پاداش کے یہاں کا ہر متنفس صدیوں تک اذیت اور عذاب میں مبتلا رہا۔

سندھ کے اسی سانچے اور فیروز، جسے سندھ کے مورخوں نے ”فیروز نا پیروز“ لکھا ہے: ان کی حرکت کا ذکر کرتے ہوئے ظفر الوالہ کے مصنف نے عربی کا ایک شعر بطور مثال لکھا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ”جو ادبی مصیبت کے وقت عمرو کی پناہ لیتا ہے وہ اس انسان کی طرح ہے، جو تیز دھوپ سے بچنے کی خاطر آگ میں کود جائے۔“

المستجير بعمرو عند كربته

كالمستجير من الرمضاء بالنار (۱۴)

مصنف نے افسوس کرتے ہوئے لکھا ہے کہ فیروز کا حشر بھی ایسا ہی ہوا جب مغل سندھ پہنچے تب لالچ میں آ گئے۔ (طمعوا فی الملك) انہیں طمع ان کے پاس لے گئی اور انہوں نے چالبازی سے کام لیتے ہوئے وزیر دریا خان کو قتل کروادیا اور ایسی بے وفائی پر ان کا دل ذرا بھی نہیں دکھا۔ (۱۵)

اسی مورخ نے آگے چل کر سندھ اور سندھیوں کی بد بختی اور بد قسمتی پر افسوس کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: ”سندھ سندھیوں کے ہاتھوں سے نکل گیا وہ مغلوں کی رعیت بن کر شاہ میر (شاہ بیگ) کے دور سے لے کر جانی بیگ کے دور تک زمانے کی مصیبتوں میں مبتلا رہے۔ در حقیقت وقت کی چکی میں سندھ اور سندھی جانی بیگ کے دور تک (۱۰۰۰ء)

نہیں، بلکہ اس کے بعد بھی ڈیڑھ سو برس تک برابر پستے کٹتے اور مرتے رہے۔ مؤرخ، سندھ کے المیے کی اس عبرت ناک داستان کو اس فقرے پر ختم کرتا ہے:

”... وکل ما ینیلہ الدھر لہ امد و ینقضی واللہ سبحانہ الدائم ملکہ...“

زمانہ جو کچھ کرتا ہے، اس کے لیے ضرور کوئی نہ کوئی سبب بھی ہوتا ہے اور یہ سبب وہی ہوا کہ گھرانے کے دو افراد ذاتی اقتدار حاصل کرنے کے لیے تنگ دل بنے اور ایک دوسرے سے جنگ لڑی اور یہ کشمکش چلتی رہی، فساد ہوئے، جو تباہی کے سبب بنے اور غیروں کو موقع ملا اور زمانے کے دستور کے مطابق نہ صرف ان دونوں کو بلکہ سارے ملک کو سزا ملی۔ ایسے ہی موقع کے لیے شیخ سعدی نے فرمایا ہے کہ:

جو از قومی، یکی بی دانشی کرد

نہ کہ را منزلت ماند، نہ مہ را

جام نندا نہایت ہی نیک، باکردار، اور قول کے سچے، اعلیٰ منتظم، جری و خوش اطوار سلطان تھے۔ جاہ و جلال، شان و شوکت، تدبیر اور فہم و فراست میں ان کا کوئی ثانی پیدا نہ ہوسکا۔ ان کی ۵۰ سالہ حکمرانی سندھی کے لیے سچ مچ رحمت ثابت ہوئی۔ ملک میں امن و امان تھا، خیر و برکت تھی۔ سندھ کے عوام خوشحال تھے، سارا ملک ترقی کی راہ پر گامزن تھا۔ دنیا داری اور دین داری اس ملک میں ساتھ ساتھ رواں تھی۔ دینی اور دنیاوی علوم کی اشاعت سندھ کے چاروں اطراف نہایت عروج پر تھی، مدرسے اور خانقاہیں آباد تھیں، راجا اور رعایا، امیر و سپاہی، سب آرام و آسائش میں تھے۔ جب تک خود زندہ رہا اس وقت تک غیروں کو ہمت نہ ہوئی کہ اس ملک کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ سکیں۔

جام نندا کی پاک بازی، زہد و تقویٰ کی داستانیں مشہور ہیں۔ تاریخ نے ایسی کتنی ہی مثالوں کو محفوظ رکھا ہے۔ قاضی عبداللہ کی نماز جنازہ جام نظام نے اس لیے پڑھائی کہ آپ ساری زندگی باوضو رہے اور ساری زندگی اپنی ستر پر نگاہ نہیں ڈالی، ٹھٹھ میں کتنے ہی پیر فقیر تھے،

صوفی اور بزرگ موجود تھے، لیکن یہ اوصاف صرف اور صرف سندھ کے سلطان میں موجود تھے۔ اسی تقویٰ اور پرہیزگاری کی وجہ سے ایک اور روایت کے مطابق پیر مراد شیرازی کی نماز جنازہ بھی جام نظام نے پڑھائی تھی۔ مشہور ہے کہ جب وہ گھوڑوں کے اصطبل میں جاتے تھے تو جانوروں کی بیٹھ پر ہاتھ بھیر کر کہتے تھے کہ: خدا وہ دن نہ لائے کہ میں سوائے غزہ کے تم پر سواری کروں۔ کسی بھی مسلمان کا خون میرے ہاتھوں تمہاری سواری کرتے ہوئے نہ بہے۔ میں روز قیامت اس کے لیے اپنے خدا کے آگے کبھی شرمندہ نہ ہوں۔ (۱۶)

مندرجہ ذیل رباعی آپ کی سیرت اور کردار کی مظہر ہے:

ای آنک ترا نظام الدین می خوانند
تو مفتخری کہ، مر چنین می خوانند!
گر رہ دین از تو، خطائی رفته
شک نیست کہ ترا کافر لعین می خوانند

تمام مورخین نے، سندھ کے اس نیک نام سلطان کی تعریف کی ہے اور آپ کے دور کو امن و آشتی، ایمان و اخلاق نیکی و دینی بلندی کا دور کہا ہے۔ ”معصومی“ کے مصنف نے لکھا ہے کہ:

”... در اوائل حال، طلب علم می نمود، و در مدارس و خوانق
می گذرانیدہ، و بغایت متواضع و خلیق بود، بہ صفات
پسندیدہ و اخلاق حمیدہ متصف، و زہد و عبادت بہ درجہ
کمال داشتہ۔“

آخر میں لکھتے ہیں کہ:

”... و فضیلت و حالت او زیادہ ازان بود کہ شمعہ ای ازان تحریر
تولن نمود۔ (۱۷)“

”ماثر رحیمی“ کے مصنف لکھتے ہیں کہ سندھ تو کیا پورے ہندوستان میں کوئی آپ جیسا متقی، صاحب فضیلت بادشاہ پیدا نہ ہوا۔ مغل دور کے اسی مورخ کا یہ قول نہایت وزن دار ہے اور بڑا اعتراف ہے۔
”درمیان سلاطین سندھ چہ کہ درمیان سلاطین ہندوستان

”... بہ فضیلت و حالت او نبودہ۔“

یہی مصنف آگے چل کر لکھتے ہیں کہ: ”آپ کے دور میں عالم، صالح، بزرگ اور فقیر سبھی خوش و خرم تھے۔ رعایا ہو یا سپاہی سب فارغ البال اور آسودہ حال تھے۔“

”... در زمان دولت او، علما و صلحا و فقراء، در نہایت فراغت، اوقات سی گذرانیدند، و سپاہی و رعیت آسودہ حال و مرفع الحال بودند۔“ (۱۸)

مذہبی شوق اور شغف کے سلسلے میں میر معصوم کا قول ہے کہ: ”... در زمان دولت او، احیای سنن بنوعی شیوع یافتہ بود کہ مافوق آن، تصور نتوان کرد۔ و در مساجد اقامت جماعت بہ نہجی می بود کہ صغیر و کبیر محلہ، در مسجد حاضر آمدہ، بگذارند نماز، تنہا راضی نبودند۔...“ (۱۹)

اسی سلسلے میں مائثر رحیمی کے مصنف نے لکھا ہے کہ: ”... احیای سنن و رواج مدارس بہ نوعی در سند مقرر بود کہ، زبان قلم از تحریر آن عاجز است۔...“ (۲۰)

مکلی نامہ کے مصنف، تحفة الکرام میں رقم طراز ہیں کہ: ”... در زمانش علما و سادات و صلحا و عموم خلق اللہ بہ رفاهیت کلی، گذرانیدہ، احیای سنن بہ نوعی شیوع یافت کہ احدی بدون صوم و صلوٰۃ نبودی۔...“

تحفة الکرام، مقالات الشعراء، حدیقة الاولیاء، تحفة الطاہرین یا دیگر تذکرے یا تاریخ کی کتابیں، ہمیں ان میں بہت سے سندھی علماء، بزرگوں، مشائخ، محدثین اور شعراء کے نام نظر آتے ہیں، جنہوں نے اس سلطان کے دور حکومت میں سندھ کے اندر نہایت اطمینان اور دل جمعی کے ساتھ علمی اور دینی و دنیاوی علوم فروغ دینے کے لیے بہت سی کوششیں اور خدمات انجام دی ہیں۔

امن و راحت، سکون، فراغت اور خوش حالی کی یہ داستانیں جب سندھ سے باہر پہنچیں تو دوسرے ملکوں کے مشاہیر بھی قطار در قطار

یہاں کا رخ کرنے لگے۔ سلطان نظام الدین کے آخری دور میں خاص طور سے ایران، خراسان اور ماوراء النہر سے کئی گھرانے سندھ میں اتنی کثرت سے آگئے کہ ان کو آباد کرنے کے لیے حضرت ٹھٹھ نگر میں ان کے لیے الگ محلے تیار کرنے پڑے۔ وسط ایشیا میں یہ دور نہایت بد امنی اور طوائف الملوکی کا دور تھا۔

اسی بھاگ دوڑ میں بہت سے لوگ تو خس و خاشاک کی مانند ثابت ہوئے۔ لیکن بہت سے ایسے علماء اور دانشمند بھی آکر یہاں مقیم ہوئے، جن کا سندھ میں آنا باعث نعمت تھا۔ مثلاً:

مولانا عبدالعزیز ابہری اور آپ کے بیٹے مولانا اسیر الدین اپنے پورے خاندان کے ساتھ یہاں پہنچے، علم کی اشاعت کے لیے مدرسے تعمیر کروائے، اور کئی طلباء کی آس اور پیاس پوری کی۔

علامہ جلال الدین دوانی (المتوفی ۸۹۰ھ) سندھ آنے کے لیے تیار ہوئے تو راہ خرچ بھی اس کے لیے بھجوا دیا گیا، لیکن افسوس کہ یہ خرچ راہ ملنے سے قبل ہی وہ سفر آخرت پر روانہ ہو گئے۔

”... تا رسیدن خراج راہ و رسولان، مولانا سفر تہ را بہ سفر

آخرت تبدیل نموده بہ ملک بقارفتہ بود۔“ (۲۱)

ان کے دو جید شاگرد میر شمس اور میر معین ٹھٹھ میں آئے، وہ جہاں جہاں رہے دینی و دنیاوی علوم کی اشاعت اور عروج کا سبب بنے۔

اسی طرح سندھ کے اس نیک نہاد سلطان کے دور میں بہت سے بیرونی علماء نے یہاں پناہ لی اور شاہی سرپرستی کے زیر سایہ سندھ کو علمی فائدہ پہنچایا۔

جام نظام الدین کا یہ سلوک نہ صرف اپنی ہم مذہب رعایا کے ساتھ تھا، بلکہ سندھ کے غیر مسلم بھی انتہائی امن و آرام کے ساتھ رہتے تھے۔ تاریخ میں متعدد ہندو اسیروں کے نام ملتے ہیں جو آپ کے دور میں حکومت کے نہایت اہم عہدوں پر فائز تھے۔ عام ہندو بھی مسلمان رعایا کی طرح خوش حالی اور فارغ البالی سے اپنا وقت خیر و خوبی کے ساتھ گزار رہے تھے، نہ مذہبی تعصب تھا نہ ہی دینی جھگڑے فسادات ہوتے

تھے، بلکہ اس بات کا تو آپ کے زمانے میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔

سلطان نے اپنے ارد گرد کسی مصلحت کے سبب ملکی کاروبار یا حکومت کا نظام چلانے کے لیے خاص آدمیوں کو متعین کیا تھا۔ وہ بڑے مردم شناس حکمران تھے۔ آپ کے دور کا کوئی ایک درباری بھی ہمیں غلط قسم کا نظر نہیں آتا۔

دریا خان ابتداء میں ایک لاوارث لڑکا تھا، بادشاہ نے اس کے چھپے ہوئے جوہر دیکھے تو اُس کو اپنے پاس لے آئے، ان کی پرورش کی اور اعلیٰ تربیت کا انتظام کیا۔ معمولی ملازم کے درجے سے بڑھا کر اعلیٰ درجہ پر فائز کر دیا اور بالآخر وہ وزیر اعظم کے عہدے تک متعین ہوئے۔ سندھ کی فوجوں کی سپہ سالاری بھی آپ کے سپرد تھی۔ انھیں ”مبارک خان“ اور ”خان اعظم“ کے خطاب دیے گئے۔ یہاں تک کہ انھیں اپنی فرزندگی میں بھی لے لیا اور انھیں عروج و بلندی اقبال کی آخری منزل تک پہنچا کر دم لیا۔ مردم شناس سلطان کے اسی منتخب شدہ آدمی نے اپنی کارکردگی کے سبب جام کی زندگی میں نمک حلال اور جفاکشی میں ساری زندگی بسر کردی اور سلطنت کا نام بلند رکھا، بلکہ سلطان کی وفات کے بعد بھی یہ اکیلا اسیر تھا، جس نے سندھ کی آزادی کے لیے پورے بارہ سال مسلسل جدوجہد جاری رکھی۔ اپنی زندگی میں مغلوں کو ٹھٹھہ میں داخل ہونے نہ دیا۔ درہ بولان تک جا کر ان کو شرم ناک شکستوں سے دوچار کیا۔ آخر میں ٹھٹھہ کے پاس لڑتے ہوئے تیر اور تلواروں کی بارش برساتے اور زخم کھاتے ہوئے جب اپنی جان قربان کردی تو اس کے بعد ہی ”خرابی سندھ“ کا باب کھل گیا، جس نے ایک ٹھٹھہ تو کیا بلکہ غلامی کی غلامی کے لیے پورے سندھ کا راستہ صاف اور ہموار کر دیا۔

اسی قسم کی مردم شناسی کی داستانیں اور مثالیں ہمیں سلطان نظام الدین کے دور حکومت میں بہت سی ملتی ہیں۔ مثلاً آپ کا پہلا وزیر دلشاد خان بھی شجاعت اور انسانیت میں اپنی مثال آپ تھا۔ اس نے صوبہ بکھر میں جو اصلاحات کیں وہ تاریخ میں ان کی بہترین کارکردگی

کا مظہر ہیں۔ اس طرح کئی مشاہیر اور اسراء سلطان کی بزم کے روشن چراغ تھے، یہی وجہ تھی کہ آپ کی سلطنت مستحکم اور ملکی نظام مضبوط تھا۔ جب تک آپ زندہ رہے تب تک سندھ خوش حال، آسودہ و باغ و بہار تھا۔

سلطان جام نندہ کا دور (۸۶۶ء-۹۱۳ء) ایک اور لحاظ سے بھی تاریخ میں یگانہ تھا، جس وقت سندھ پر سلطان کی حکومت تھی، اس وقت پڑوسی ممالک میں بھی حسن اتفاق سے تمام حکمران آپ جیسے ہی جلیل القدر اور نام ور تھے۔ تاریخ میں ایسے غیر معمولی بادشاہوں کا اس طرح ہم عصر ہونا بہت مشکل سے ہوتا ہے۔ گجرات بالکل ساتھ ملا ہوا تھا، سندھ میں گجرات والوں کی نسلیں بھی تھیں، اس کے علاوہ ثقافتی تعلقات اور رشتے داریاں بھی تھیں، وہاں سلطان محمود بیگزہ جیسا نام ور حاکم (۸۶۳ء-۹۱۷ء) حکومت کر رہا تھا۔ بہلول لودھی دلی (۵۵-۸۹۳ء) کے حکمران تھے۔ مانڈو میں غیاث الدین بن محمد خلجی (۸۷۳-۹۰۶ء) حکمران تھے۔ سلطان محمود بہمنی دکن کے (۸۸۷ء-۹۲۴ء) حکمران تھے۔ اس طرح ایک طرف ہندوستان میں یہ عظیم الشان حاکم حکومت کر رہے تھے تو دوسری طرف سندھ کے دوسرے ہم سایہ ملک خراسان پر شاہ حسین بایقرا (۸۶۳ء-۹۱۲ء) کی حکومت تھی، جس کی علم پروری اور ادب نوازی، تمدن اور تہذیب کی تاریخ میں ایک مثال ہے اور جس کے دور جیسا راحت اور سکون امن و امان اور ان کے دور جیسی فراغت اور فارغ البالی خراسان کے خطے کو پھر کبھی نصیب نہ ہوئی۔

مولانا جامی اسی دور کے شاعر اور اسی حکمران کے دوست تھے۔ بہزاد مصور اسی بادشاہ کے دربار کی زیب و زینت تھا۔ میر علی شیر نوائی جیسا ادیب اور ادب پرور مدیر جس کی مثال تاریخ میں مشکل سے ملتی ہے، وہ آپ کے وزیر با تدبیر تھے۔

جام نظام الدین کا مقبرہ جس کی تعریف مکلی نامہ کے مصنف نے کی ہے۔ جو تعمیری فنکاری کا نادر نمونہ ہے۔ تعمیر میں مختلف طرزوں

کو ملا کر اس طرح ایک دوسرے میں پیوست کیا گیا ہے کہ تاریخ میں وہ مقبرہ یگانہ اور مثالی بن گیا ہے۔ اس کی تعمیر میں گجراتی، ہندی اور اسلامی کے ساتھ خالص سندھی طرز کو ملا کر اس کے دل کش امتزاج سے ایک عجیب و غریب شاہکار تخلیق کیا گیا ہے، جو دیکھنے والوں کو پہلی ہی نگاہ میں اپنی طرف متوجہ کر دیتا ہے۔

سامنے والی دیوار میں سورج مکھی اور کنول کے پھولوں کا سلسلہ، جھروکوں کے سامنے باہر کی طرف نکلے ہوئے خوب صورت حصے اور ان کے ستون، آنگن میں نکلے ہوئے حصے کا نقش و نگار بیرونی اور داخلی دروازہ اور اُس کی چوکور ساخت، خوبصورتی میں اپنی مثال آپ ہے، جو مذکورہ اثرات کو نمایاں کرتی ہے۔ (۲۲)

گجراتی اور ہندی تعمیر کا یہ اثر جام نظام الدین کے مقبرے پر یا سما دور کی دوسری چوکھنڈیوں اور مقبروں کے گنبدوں اور ستونوں پر جن وجوہات کے سبب نظر آتا ہے، ان میں سے اہم وجہ گجرات اور سندھ کی ہمسائیگی اور آپس میں گہری آمد و رفت تھی۔ اس کے علاوہ دوسرا اہم سبب سما اور گجراتی سلاطین کی ایک دوسرے کے ساتھ رشتہ داریاں تھیں، جس نے نہ صرف سیاسی طور پر سندھ اور گجرات کو ایک دوسرے سے قریب کر دیا، بلکہ سماجی اور تمدنی سطح پر بھی ان دونوں ممالک کے رشتے ناتے استوار ہوئے اور بہت سے ثقافتی تفرقات مٹا دیے۔ (۲۳)

سلطان نظام الدین کے روضے کے بند شدہ شمالی دروازے کی چوکھٹ پر جو کتبہ ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان نظام الدین کے انتقال کے بعد جام فیروز نے (۲۴) ۹۱۵ھ میں اس مقبرہ کی تعمیر شروع کی تھی۔ ظاہر ہے مقبرہ کی تعمیر مکمل نہ ہوسکی۔ کہتے ہیں کہ تخت اور تاج پر خاندانی جھگڑے اور کشمکش شروع ہو گئی، جس کے سبب دوسرے تمام رفاہی اور تعمیری کام بند ہو گئے۔ یہی وجہ تھی کہ نہ گنبد بن سکا اور نہ عمارت کا قائم ہونے والا نقشہ مکمل ہوسکا۔

کتبے کی عبارت کے مطابق تو مقبرے کو تعمیر کروانے والے جام فیروز ہیں، لیکن ظاہر ہے کہ وہ اس وقت نا تجربہ کار نوجوان تھے، اس لیے

اتنی نفیس تخلیق اس کے ذہن کی ایجاد اور دماغ کا اختراع ہو ہی نہیں سکتی۔ دریا خان کے مقبرے والی ساخت جو اس نے ۸۹۵ھ میں بنوایا، اس کو دیکھنے کے بعد یہ گمان ہوتا ہے کہ اپنے ولی نعمت اور اپنے منہ بولے باپ کا مقبرہ تعمیر کروانے اور اس کی منصوبہ بندی میں ضرور دریا خان دولہا (۲۵) کی فکر سا کار فرما رہی ہوگی۔

مقبرے کی چہار دیواری کے اندر چار قبریں ہیں۔ جن پر کوئی بھی کتبہ یا نشان نہیں ہے، جس سے معلوم ہو کہ اس خوش نام اور نیک نہاد سلطان کی ابدی آرام گاہ کون سی ہے۔

سما سلاطین کے خاندانی شجرے اور سلاطین کی ترتیب اور فرمان روائی کے سالوں میں اختلاف ہے۔ ہر مورخ کا بیان مختلف ہے، ہم ایک سلسلہ وار شجرہ اور اس پر وضاحتی حاشیے دے رہے ہیں، جس سے قارئین کرام، اس خاندان کے سلاطین کا ایک خاکہ بہ آسانی ذہن نشین کر سکتے ہیں۔

اس شجرے سے یہ بھی نتیجہ نکلتا ہے کہ سندھی سلاطین گجراتی حاکم اور خاندیش کے فاروقی فرمانروا کس طرح رشتے ناتوں میں ایک دوسرے کے ساتھ منسلک تھے۔

دریا خان نے سندھ کو ہر لحاظ سے مضبوط اور مستحکم کیا۔ فوجی، سیاسی، سماجی اور اقتصادی صورت حال کو اس منزل پر پہنچادیا کہ مورخین کے خیال کے مطابق ”ایسا زمانہ سندھ میں نہ اس سے قبل دیکھا گیا اور نہ کسی نے اس کے بعد دیکھا۔“

ان تعمیری اور رفاہی صلاحیتوں کے ساتھ اس میں آزادی اور وطن پرستی کا جذبہ تھا۔ اس لیے وہ سندھ کی تاریخ میں ہمیشہ ہمیشہ زندہ و پائندہ رہیں گے۔ انھوں نے قیمتی جانوں کی قربانی دے کر وطن کو غیروں کی غلامی سے آزاد کرانے کے لیے جو جدوجہد کی، وہ حقیقتاً وطنیت کی تاریخ میں مثالی ہے۔

ان کا پورا خاندان اسی رنگ میں رنگا ہوا تھا، اس کے سب بیٹے بہادر، جری، وطن دوست اور آزادی کے متوالے تھے۔ ان میں سے علاؤ

الدین عالم بنے، محمد خان اور مٹھن خان جوان مرد سپاہی تھے۔ ٹلٹی اور کاہان جوان کا علاقہ تھا، انھوں نے وہاں بہت سی جنگیں لڑیں۔ سارنگ خان اس کا چوتھا بیٹا بھی اسی طرح بہادری میں بے مثال تھا۔ دریا خان کی شہادت کے بعد بھی کئی سال تک ان کی حب الوطنی اور بہادری کے سبب ارغونوں کو منہ کی کھانی پڑی۔

دریا خان کا قبرستان، جام نظام الدین کے مقبرے کے نزدیک مغرب کی جانب ہے۔ پتھر کی مضبوط چہار دیواری، مشرق و جنوب کی طرف دو دروازے جن پر کتبے لکھے ہوئے ہیں، مغربی دیوار کے ساتھ آپ کی قبر ہے، جس پر خوب صورت خط میں قرآنی آیات کندہ ہیں۔ سرہانے سے آپ کے نام کا کتبہ اس طرح ہے:

یا اللہ

ہذا مرقد المعطر

للخان الاعظم

شہید مبارک خان

ابن سلطان نظام الدین

مغربی دروازے کے اوپر والے سردر پر جو کتبہ ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سال ۸۹۵ھ میں دریا خان نے قبرستان کی یہ چہار دیواری بنوائی تھی۔ جنوبی دروازے کے سردر والے کتبے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے احمد نامی بیٹے نے اس کتبے کو قطب الدین بن محمود سے کندہ کروایا۔ کتبہ پر اس کا نام اس طرح ہے:

احمد بن دریا خان

غفر اللہ لہ

چہار دیواری کے اندر، دریا خان کے علاوہ ۲۷ دوسری قبریں بھی ہیں، جن میں کسی پر کوئی نام یا نشان نہیں ہے۔

(۲) اسی سے دریا خان کی شکست اور شہادت کا سال برآمد ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں سندھ کی غلامی کی شروعات بھی اسی خرابی سندھ سے شروع ہوئی۔ یہ مہینہ بھی محرم کا تھا، پونے نو سو برس کے بعد واقعہ

کربلا کی تاریخ میں ایک دن ملا کر یہاں پر بھی واقعہ ”کرب و بلا“ دہرایا گیا۔ بارہ محرم الحرام کو دریا خان دولہا سندھ پر سر قربان کر کے سُرخ رو ہو گیا اور سندھ ان بے رحم لوگوں کے قبضہ میں آ گیا، جو کہ اغیار تھے۔
(۳) ذیل میں سما سلاطین کے سلسلے میں حواشی دے رہے ہیں، جن کا تعلق کتاب میں شامل شجرے سے ہے، شجرے میں نام نمبروں کی ترتیب سے لکھے ہیں، انہی شجروں کے تحت یہاں حاشیے دیے گئے ہیں۔ اس لیے پڑھنے والوں کو وضاحت نمبروں کے تحت دیکھنی چاہیے۔
۱۔ فیروز الدین جام انٹر اوّل:

ہمیر بن دودہ سومرہ سے سندھ کی سلطنت چھین کر اس نے سما خاندان کی بنیاد ڈالی۔

ابن بطوطہ ۷۴۷ھ میں سندھ آئے، اس وقت ہمیر اور جام انٹر کی جدوجہد جاری تھی، جس کا اُنھوں نے ذکر کیا ہے۔ (سفر نامہ ابن بطوطہ) محمد تغلق کے باغی طغی نے ٹھٹھہ میں ان کے ہاں پناہ لی، اس لیے محمد تغلق نے ٹھٹھہ پر حملہ کیا۔

محمد تغلق فوجیں لے کر ٹھٹھہ کی طرف آرہا تھا، لیکن ابھی جودہ کوس کی مسافت باقی تھی کہ وہ ۲۱ محرم ۷۵۲ھ کو فوت ہوئے۔
فیروز تغلق اسی مقام پر تخت نشین ہو کر فوراً واپس دہلی کی جانب روانہ ہو گیا۔ (ضیاء برنی اور عفیف)
ڈاکٹر نبی بخش نے آپ کی وفات کا سال ۷۵۳ھ دیا ہے، معلوم نہیں کہ اس کے لیے ان کے پاس کون سی سند تھی۔

۲۔ صدر الدین جام بابینہ ثانی:

باپ کی وفات (۷۵۳ھ) کے بعد اپنے چچا (۲/ب) علاؤ الدین جام جونہ اوّل کو اپنا ہم نوا بنا کر تخت نشین ہوئے۔

وہ وطن دوست تھے اور بیرونی مداخلت کے سخت خلاف تھے۔ دلی والوں کی بالا دستی کے جانی دشمن تھے۔ اس نے دلی کے بہت سے علاقوں پر حملے کیے، فیروز تغلق جب لکھنؤ پر حملہ آور ہوا، اس وقت جام ملتان کی حدود تک دلی کی حکمرانی میں گھس گئے۔ (منشات ماہر

و مطبوعہ علی گڑھ از شیخ عبدالرشید - سندھ پر سما کا عروج: از ڈاکٹر ریاض الاسلام مطبوعہ اسلامک کلچر

فیروز تغلق پہلی مرتبہ (۹) ٹھٹھہ پر حملہ آور ہوئے۔ لیکن تنگ آکر شرمندہ ہوئے، اور گجرات کے راستے واپس روانہ ہو گئے۔ فیروز کے اس طرح واپس چلے جانے پر ٹھٹھہ کے لوگوں نے کہا:

ھک مٹو ھک تنو

برکت شیخ پنو

ترجمہ: ایک مرا ایک بھاگا، بابرکت پیر پٹھا۔

فیروز تغلق دوسری بار ۷۶۷ھ میں ٹھٹھہ پر حملہ آور ہوا۔ مقابلہ بے حد سخت تھا، مگر جہانیاں جہاں گشت سید جلال الدین بخاری نے دونوں فریق کے درمیان صلح کروائی اور اسی صلح کے مطابق مندرجہ ذیل شرائط پر جام بابینہ اپنے چچا جام جونہ سمیت سلطان کے یہاں دلی آئے۔

۱- سالانہ خراج دیتے رہیں گے۔

۲- خود اور چچا دونوں دلی جا کر وہاں رہیں گے۔

۳- سندھ پر ان کی حکومت رہے گی اور ان کے نمائندے (اولاد) ان کے بعد حکومت سنبھالتے رہیں گے۔

آپ ۶۶۵-۶۶۷ھ میں دلی گئے۔ حکومت آپ کے بھائی رکن الدین جام تماچی اور بھتیجے خیر الدین جام تماچی کے سپرد کی گئی۔ دلی میں آپ کا وظیفہ دو لاکھ ٹنکا مقرر ہوا۔

صلح کے بعد پہلے آپ شکار گاہ میں جا کر فیروز تغلق کو ملے۔ زیادہ تر شکایت اس سے تھی، اس لیے آپ سب سے پہلے فیروز کے پاس گئے۔

فیروز تغلق ۷۹۰ھ میں فوت ہوئے۔ غیاث الدین تغلق نے تخت نشین ہونے کے بعد کچھ عرصے تک آپ کو اپنے پاس ہی رکھا اور پھر بعد میں انھیں وطن جانے کی اجازت دی اور تحفے تحائف ساتھ دے کر روانہ کیا۔ وطن واپسی پر راستے ہی میں آپ فوت ہو گئے۔ (عقیف ۲۵۴)

۳- صدر الدین جام بابینہ کے بیٹے:

وہ اپنے بیٹوں کے ساتھ جب دلی جا رہے تھے، تو راستے ہی میں جب آپ کو کشتی ڈوب جانے کی اطلاع ہوئی تو واپس لوٹے تاکہ دیکھ لیں کہ کہیں کشتی وہ نہ ہو جس میں ان کے بیٹے سفر کر رہے تھے۔ (عقیف ۲۴۸)

کسی بھی بیٹے کا نام نہیں معلوم ہو سکا۔

۴- علاؤ الدین جام جونہ اول:

یہ صدر الدین جام بابینہ (۲/الف) کے ساتھ حکومت میں شریک کار تھے۔ فیروز الدین شاہ جام انڈاول کی وفات ۷۷۳ھ کے بعد۔ صدر الدین جام بابینہ (۲/الف) غیروں کی دست اندازیوں کے سخت مخالف تھے۔ لیکن اس کی پالیسی نہ تھی اور وہ مرنجان مرنج طبیعت والی تھی، ملتان کے گورنر عین الملك ماہرونے اس کے لیے دلی کی حکومت کی ماتحتی کو قبول کرنے کے لیے خطوط بھی لکھے۔ جب فیروز تغلق کے دوسرے حملے کے وقت دونوں حریفوں میں صلح ہوئی، تب پہلی بار اس نے صدر الدین جام بابینہ (۲/الف) کو فیروز کے ہاں پیش ہونے کے لیے بھیجا۔ اس کے بعد آپ خود بھی ان سے ملے اور اپنے ایک شعر کا یہ مصرعہ اس کے سامنے پڑھا:

شاہ بخشنده تو ای، بنده شرمندہ منم

۵- دوسری مرتبہ:

کچھ سالوں (؟) کے بعد رکن الدین جام تماچی (۳/الف) شاید معاہدے سے منحرف ہوئے، جس پر فیروز تغلق نے جام جونہ (۴) کو سید جلال الدین جہانیاں جہاں گشت کے ساتھ ٹھٹھ روانہ کیا۔ عقیف نے آنے کا سال نہیں لکھا۔

ٹھٹھ آنے کے بعد انھوں نے جام تماچی (۳/الف) کو دلی روانہ کیا اور آہ سندھ کی حکومت پر دوسری مرتبہ فائز ہوئے۔ (عقیف)

دوسری بار آنے کا نہ تو سال معلوم ہے اور نہ ہی یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ کب تک حکمران رہے۔

گجہ کے پاس شیخ ترابی کے مزار پر جو کتبہ ہے، اس میں علاؤ الدین جام جونہ کا نام اور سال ۷۸۶ھ کندہ ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس سال سندھ پر آپ کی حکومت تھی۔ یہ سال دلی سے واپسی کے بعد کا ہے، لیکن اس کو درست ماننے کے لیے ابھی تک کوئی بھی تاریخی شہادت میسر نہیں ہے کہ آپ کا یہ دور ثانی کب سے شروع ہوا اور کب ختم ہوا۔ کتبہ یہ ہے:

به عهد شهر يار دهر سلطان داور [کذا]
 شه فيروز منصور و مظفر در صف شاهان
 به امر سرفراز هند خاص حضرت عالی
 که پای قدر او اعلا ز فرقد تابان
 ستوده جام جم سیرت علاؤالدین دریا دل
 که از مهمانی لطفش جهان شد جمله آبادان
 بر آمد این چنین گنبد معلا کز صفا، گویی
 بسان بیت معمور آمد ست از بار این ایوان
 مقام شیخ حاجی بو ترابی، آن ولی الله
 که بر درگاه او گردد رواء حاجات خلق آسان
 بسال هفصد و هشتاد و دو از هجرت احمد
 زعون ایزد ذوالخن والافضال والاحسان
 بناشد، ثالث ماه صفر، این روضه میمون
 به سعی کمترین بندگان موسیٰ بن شهجان

یہ کتبہ تعلیق میں ہے۔ اور جو عبارت دی گئی ہے، وہ مولانا محمد شفیع مرحوم کی ہے۔ (اورینٹل کالج میگزین ۲/۱۹۳۵) ۳ صفر ۸۷۲ھ کو فیروز (تعلق) کے دور میں جام علاؤ الدین کے حکم سے موسیٰ بن شہجان نے یہ مقبرہ بنوایا۔ شہجان، شاید شعری ضرورت کے اعتبار سے شاہجہان کا مخفف ہے۔

اسی دوسری مرتبہ آتے وقت اس نے جام تماچی (الف ۳) اور اس کے بیٹے سلطان علاؤ الدین جام انژ ثانی (۶) کو دلی روانہ کیا، جس کے لیے

حدیقة الاولیاء کے حوالے سے صاحب تحفة الکرام لکھتے ہیں کہ:
 ”جام جونہ، جام تماچی و پسرش جام صلاح الدین را مقید بہ
 دلی فرستاد بود، و بہ تصرف شیخ (حماد جمالی) نامبردها، از
 قید ہند خلاص شدہ بہ سند رسیدند“ (ص ۳۲ خطی)

۲- رکن الدین شاہ جام تماچی:

فیروز تغلق نے اس کو نمبر ۱ اور ۲ کے بجائے (نمبر ۳ ب) سے ملا کر
 تخت پر بٹھایا ہے۔

۵۷۶۸ء میں ان دونوں کو حکومت ملی۔

چند برسوں کے بعد انھوں نے دلی کے مرکز سے منہ موڑ لیا، بھائی
 (الف ۳) کی طرح یہ بھی غیروں کے تسلط کے خلاف تھے۔

فیروز تغلق ۵۷۷۲ء میں، علاؤ الدین جونہ کو (نمبر ۴) دلی سے شیخ
 جلال الدین جہانیاں جہاں گشت کے ساتھ روانہ کیا۔ جام جونہ نے انھیں
 دلی روانہ کیا، اور خود دوسری مرتبہ سندھ کے حکمران ہوئے۔
 نمبر (۳ ب) عقیف والا ”پسر جام“ ہونا چاہیے۔ (عقیف ۲۴۷)

۷- دوسری مرتبہ:

۵۷۹۱ء میں سلطان فیروز فوت ہوا، غیاث الدین تغلق نے حکمران بننے
 کے کچھ عرصے بعد انھیں واپس سندھ روانہ کیا، وہ اپنے بیٹے صلاح الدین
 (نمبر ۶) سمیت ٹھٹھ پہنچا اور بقول صاحب تحفة الکرام ”رسیدند وجونہ را
 بر انداختہ وارث ملک گردیدند، اول پدر و بعدہ پسر۔“ (خطی ۳۲)

اسی دوسری دفعہ آنے اور حکومت کرنے کے سلسلے میں شیخ
 حماد جمالی کے تصرف اور دعا کا واقعہ بھی مشہور ہے، جو اوپر بیان کیا
 گیا ہے۔ شیخ حماد جمالی نے دعائیہ اشعار کہے تھے۔ اس میں سے ایک
 شعر ڈاکٹر بلوچ صاحب نے سندھی زبان کی مختصر تاریخ میں دیا ہے،
 حدیقة الاولیاء کی عبارت یوں ہے کہ:

”آن بزرگوار (شیخ حماد) کہ این اخبار شنید، از غایت غیرت
 بجو شید، و از اضطراب بر خاست، و در ہجرہ معبد جولانی
 زد، و بیتی بہ زبان سندی آغاز نمود کہ دران اظہار شوق جام

تماچی و طلب وی بود... الخ“

جب جام جونہ کو اس حقیقت کا علم ہوا تو خود آئے، لیکن شیخ صاحب نے اس پر توجہ نہ دی وہ یہ شعر ہے:

جوئو مت اوئو، جام تماچی آء!

سہاجھی ہاجھہ بیٹی توسین نئو راہ!

دوسری دفعہ وارد ہونے کا واقعہ ۹۲-۹۳ھ کے بعد کا ہے، تخت نشین ہونے کے بعد تماچی بڑی رقم لے کر شیخ صاحب کی خدمت میں پیش ہوا، جس سے شیخ صاحب نے مکلی والی مسجد تعمیر کرائی۔

یہ وہی جام تماچی ہے جس نے نوری کے ساتھ آنکھ لڑائی اور کینجھر جھیل کے کنارے پر اس نے محل بنوائے، جس میں سے ایک کے آثار آج تک موجود ہیں۔

تحفۃ الکرام کے مولف کا قول ہے کہ تماچی اور نوری کی قبریں مکلی پر شیخ حماد کے گنبد کے نزدیک مشہور ہیں۔ ”قبور ہردو“ در مکلی میان مقصوری معلومہ پایین گنبد شیخ حماد جمالی یادگار است۔“ (خطی ۳۲)

۸- سلطان صلاح الدین جام انژ ثانی:

باپ (نمبر ۶) کے ساتھ دلی سے آیا۔

باپ کی وفات کے بعد تخت نشین ہوا۔

۹- (نمبر ۹) ڈیڑھ دن تخت پر بیٹھا (طبقات اکبری ۳/۵۱۵) (نمبر

۱۰) چند مہینے رہا (نمبر ۱۱) باپ کے بعد تخت نشین ہوا۔ ڈاکٹر بلوچ نے ان تینوں کی تخت نشینی کا سال ۸۱۶ھ متعین کیا، (نمبر ۹) کو طہارت خانے میں قتل کیا گیا۔ (تحفۃ الکرام خطی ۳۲)

۱۰- (نمبر ۱۲) کے عزیز اور گماشتہ تھے، تیسرے دن (نمبر ۱۲) کے

بعد تخت پر بیٹھے۔ (طبقات اکبری ۳/۵۱۶)

۱۱- سکندر شاہ (ثانی):

جام محمد عرف جام انژ (ثالث) مولانا علاؤ الدین منگلوری نے

کتاب ”الزبدہ“ لکھ کر آپ کے نام معنون کی ہے۔ (یہ کتاب اختر مرحوم

جونا گڑھی کے پاس تھی، ان کی وفات کے بعد سندھ یونیورسٹی کے کتب خانے میں محفوظ ہوئی)

اسی کتاب کے مقدمے میں اس نے اس طرح نام لکھا ہے:
”الملك المعظم محمد المعروف اثر بن فتح خان بن صدر الدين
بن تماچی بن جام۔“

اس شجرے نے ڈاکٹر نبی بخش صاحب کے شجرے کی درستگی میں بڑی مدد کی ہے۔ (معصومی سندھی حاشیہ آرکائیوز کمیشن رپورٹ ۱۹۵۴ء)

اسی کی بنا پر نمبر ۱۲-۱۱-۱۰-۳-۲ ب کے القاب اور نام متعین ہوئے ہیں۔ (معصومی اردو حواشی ص ۴۲۲)

۱۲- سلطان صدر الدین شاہ جام سنجر عرف راؤ ڈنو:
جام تغلق (نمبر ۱۲) کے زمانے میں کچھ میں رہتے تھے۔ (تحفة
الکرام خطی ۳۲)

”در زمان جام تغلق در کچ می بود و به آنمردم وصلت کرد
جمیعتی گرد آورد به خیر فوت سکندر (نمبر ۱۴) در شهر
رسیده اعیان همورا به ایالت گزیدند...“

اس نے ۲۵ ربیع الاول ۸۶۶ھ سے ایک آدمہ دن قبل وفات پائی، اور
مندرجہ بالا تاریخ پر سلطان نظام الدین (نمبر ۱۶) تخت نشین ہوئے۔
۱۳- سلطان نظام الدین (ثانی) جام زندو:

دریا خان دولہا (خان الاعظم مبارک خان) نے اپنے مقبرے کے احاطے
۸۹۵ھ میں بنوایا۔ مشرقی دروازے کے باہر کی جانب پیشانی پر یہ کتبہ
ہے، جس میں تعمیر کا سال موجود ہے۔

”هذا المقام فی زمان خان الاعظم میان مبارک خان بن سلطان
نظام الدین شاہ سخی حبیب اللہ. آغاز بنیاد من جمادی الاول
سنہ خمس وتسعين وثمانمئة“ (دیکھیے کتبے کی تصویر)

اسی احاطے کے جنوب والے دروازے کے باہر والی پیشانی پر جو
کتبہ ہے وہ اس طرح ہے:

”قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا تحیرتم فی الامور واستعینوا من اهل القبور، صدق یا رسول اللہ، هذا المقام بامر خان الاعظم مبارک خان بن سلطان نظام الدین شاہ بن صدر الدین شاہ بن صلاح الدین بن سلطان رکن الدین شاہ وهو المظفر علی مغلان الہری (۲۶) والقندھار، کتبہ قطب الدین بن محمود احمد بن دریا خان غفر اللہ لہ.“ (دیکھیے کتبے کی تصویر)

اس کتبے سے نمبر ۱۶-۱۵-۶-۳ تک نسب نامہ درست ہو جاتا

ہے۔

اس کی تصدیق دوسرے کتبے سے بھی ہوتی ہے، جو جام نظام الدین کے مقبرہ کے شمالی بند شدہ دروازے کی بیرونی پیشانی پر کندہ ہے۔ یہ کتبہ جام فیروز (نمبر ۱۷) نے لگوایا تھا، جس سے خود ان کا لقب اور کنیت ظاہر ہوتی ہے۔

”هذه مرقداً ببناء القبة الرفیعة (المنیعة) السلطان الاعظم والخاقان الاعدل الاکرم، ناصر الحق والدینا والدین، ابو الفتح السلطان فیروز شاہ، علی مرقد ابیہ السلطان نظام الدین شاہ بن السلطان صدر الدین شاہ بن السلطان صلاح الدین شاہ بن السلطان رکن الدین شاہ بن السلطان فیروز شاہ خلد اللہ ملکہ وروح روح المدفونین فیہا۔ فی تاریخ سنہ خمس عشر و تسعماتہ الہجری۔“

یہ کتبہ ۹۱۵ھ میں کندہ ہوا، اس میں سے (نمبر ۳) کے والد یعنی

(نمبر ۱) کی تصدیق ہوتی ہے۔

۱۴- ناصر الدین ابو الفتح سلطان فیروز شاہ:

شاہ بیگ ۲۲ شعبان ۹۲۸ھ کو فوت ہوئے، آپ کے صاحبزادے شاہ

حسن ارغون فیروز پر رمضان میں حملہ آور ہوا۔

فیروز ٹھٹھ چھوڑ کر کچھ چلا گیا، جہاں ۵۰ ہزار لشکر ساتھ لے کر

واپس آکر مقابلہ کیا اور آخری شکست سے دوچار ہو کر گجرات روانہ

ہوا۔

سما سلسلہ کا یہ آخری حکمران تھا، جو غیروں کی مداخلت اور قبضہ کی وجہ سے سندھ سے نکلا، جس کے بعد مستقل طور پر ارغون اور ان کے بعد ترخانوں نے سندھ پر تسلط قائم کیا۔

یہ آخری شکست ۹۳۵ھ کے درمیان (ظفر الوالہ ۱۳۸ طبقات ج ۳ ص ۲۱۱) کہا کر گجرات چلا گیا۔ گجرات میں سلطان بہادر کے پاس شوال ۹۳۵ھ میں پہنچا۔ (مرآۃ سکندری ص ۲۴۰)

سلطان بہادر بن سلطان مظفر گجراتی کے یہاں رشتہ داریوں کی وجہ سے فیروز نے پناہ لی۔ سلطان نے آپ کا وظیفہ بارہ لاکھ ٹنکا مقرر کیا۔ (طبقات اکبری ۲۲۱-۳)

۹۳۹ھ میں فیروز نے اپنی بیٹی سلطان بہادر کے نکاح میں دی۔ سلطان بہادر کی مدد سے فیروز، سندھ پر دوبارہ حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہا تھا کہ ہمایوں اور بہادر کے درمیان سال ۹۴۲ھ میں جنگ شروع ہوئی۔ بہادر کو شکست ہوئی اور فیروز گرفتار ہوا۔ ہمایوں کے حکم سے فیروز کو شہید کیا گیا۔ (طبقات جلد ۲ ص ۳۵) اس طرح سندھ کی آزاد سلطنت کی امیدوں کا آخری چراغ، غریب الوطنی کے عالم میں ہمیشہ کے لیے گل ہو گیا۔

فیروز دو بار تخت نشین ہوا، پہلی مرتبہ سال ۹۱۴ھ میں باپ کی وفات کے بعد ۹۱۴-۹۱۹ کے درمیان اسے معزول کر کے صلاح الدین بادشاہ بنا اور آٹھ مہینوں کے بعد شاہ بیگ کی مدد سے فیروز صلاح الدین کو معزول کر کے دوسری بار تخت نشین ہوئے۔ (معصومی صفحہ ۷۸)

فیروز کی جن دو بیٹیوں اور ایک بیٹے کے متعلق ہے۔ ان میں سے ایک بیٹی شیخ ابراہیم کی بیوی تھی۔ ابراہیم ۹۲۸ھ میں شاہ حسن کے حملہ میں شہید ہوئے۔ (معصومی ۱۴۲) دوسری بیٹی ۹۳۹ھ میں سلطان بہادر گجراتی کے نکاح میں آئی۔ (ظفر الوالہ ۱۳۸) بیٹوں میں سے صرف ایک کے متعلق معلوم ہے، جو صلاح الدین کے ساتھ تھا۔ اور جب ۹۲۸ھ میں صلاح الدین اپنے بیٹے بیہت خان کے ساتھ شہید ہوا، اس وقت گرفتار ہو کر شاہ حسن کے ہاں پیش ہوا۔ (معصومی ۳۱۲) بیگلارنامہ میں صلاح

الدین کے شہید ہونے والے بیٹے کا نام فتح خان دیا گیا ہے۔ لیکن معصومی کے دونوں ماخذوں میں اس کا نام ہیبت خان لکھا ہوا ہے۔ ہمارا قیاس ہے کہ فیروز کے بیٹے کا نام فتح خان تھا، معصومی کی عبارت ہے:

”... (صلاح الدین)... پسر خود را، هیبت خان نام کہ داماد سلطان مظفر خان بود، بہ رسم مقدمہ پیش فرستاد... پسر جام صلاح الدین نیز دران میان بہ قتل رسید (۱۱۹)... جام صلاح الدین... آخر کار بہ قتل رسید...“ (۱۲۰)

بیگلارنامہ کی عبارت ہے:

”... در موضع چالار (چیلار) کارزار واقع شد، و جام صلاح الدین بہ دست حمید ساربان، و پسر جام مذکور فتح خان از دست میر خوش محمد بیگلار مقتول گشتند و چنان معلوم شدہ کہ چون، سر جام مذکور و پسرش را، نزد نواب مرزا شاہ حسن آوردند... سنبل مہتر بہ عرض رسانید... کہ پسر فیروز، را نیز مقطوع ساختہ باین دوسر، ضم کردہ شود...“ (۱۷ خطی)

فیروز کی کنیت ابو الفتح اسی بیٹے فتح خان کی وجہ سے تھے۔ (دیکھئے نوٹ نمبر ۱۶)

فیروز کے اس بیٹے فتح خان کے لیے (نوٹ نمبر ۱۶) دیکھنا چاہیے۔
۱۵ - صلاح الدین:

بقول میر معصوم ”نبیرۂ جام سنجر“ تھے۔ (۷۶) طبقات اکبری کے مصنف نے لکھا ہے کہ: ”از قرابتان جام فیروز بود“ (ج ۳ ص ۵۱۸)

نظام الدین کی وفات کے وقت وہ گجرات میں تھے، وہاں سے سندھ میں آئے، قیاس کی بنا پر اندازہ یہ لگایا جاتا ہے کہ ۱۷-۹۱۹ھ کے درمیان کسی سال اس نے فیروز کو معزول کر کے آٹھ مہینے حکمرانی کی۔ (معصومی ۷۸)

سلطان مظفر گجراتی ۹۱۷ھ میں تخت نشین ہوئے۔ صلاح الدین کی چچا زاد بہن بی بی رانی اس کی بیوی تھی۔ خیال یہ ہے کہ سلطان

مظفر نے رمضان ۹۱۷ھ میں تخت نشین ہونے کے بعد کچھ وقت اُنھیں اپنے پاس رکھا اور پھر لشکر کے ساتھ سندھ روانہ کیا۔ زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ سال ۹۱۸ھ کا آخر یا ۹۱۹ھ کا شروع ہوسکتا ہے۔ کیوں کہ سلطان مظفر نے تخت نشین ہونے کے بعد اُنھیں چند سال ملکی معاملات کو درست کرنے میں صرف کیے ہوں گے۔

اٹھ مہینوں کی بادشاہت کے بعد اتفاقی غلط فہمی کی وجہ سے خود بخود ٹھٹھ چھوڑ کر گجرات چلے گئے۔ (معصومی ۷۸)

گجرات سے بقول ظفر الوالہ ۹۲۶ھ میں سلطان مظفر کی مدد سے (ص ۱۳۸) واپس آکر فیروز پر حملہ آور ہوئے۔ فیروز نے شاہ بیگ ارغون سے مدد مانگی جسے باہر نے قندھار بھگادیا تھا۔ شاہ بیگ کے بیٹے شاہ حسن ارغون نے اس سے مقابلہ کیا۔ معصومی کے قول کے مطابق ۹۲۷ھ میں طبقات اکبری کے مطابق ۹۲۸ھ میں جنگ کرتے ہوئے ان کا پہلا بیٹا ہیبت خان شہید ہوا، اور بعد میں خود شہادت پائی۔ (معصومی ۷۶-۷۸-۱۱۹ طبقات ۵۱۸-۳/۳۵)

۵ صفر کو شاہ حسن سہون پہنچے، صلاح الدین کے ساتھ معرکہ، صفر کے آخر یا ربیع الاول کے آخر میں ہوا ہوگا۔ (معصومی ۱۱۹-۱۲۰) معصومی نے ”جون“ کے پاس مقابلہ کی جگہ بتائی ہے اور بیگلارنامہ میں گوٹھ چالاریا چیلار کا نام مرقوم ہے۔ (خطی ۱۷)

بیگلارنامہ ہیبت خان (معصومی ۱۱۹) کا نام فتح خان (معصومی ۳۱۲) لکھا ہے، لیکن یہ اس کی غلطی ہے۔ فتح خان فیروز کا بیٹا تھا، جو مقابلہ کے وقت صلاح الدین کے ساتھ تھا، جو گرفتار ہو کر شاہ حسن کے سامنے پیش ہوا۔ فیروز کی کنیت ابو الفتح اسی بیٹے کی وجہ سے تھی۔

ہیبت خان سلطان مظفر خان گجراتی کا داماد اور والی اسیر عادل شاہ (۹۰۵-۹۲۶ھ) فاروقی کا ساڑو تھا۔ (معصومی ۱۱۹-طبقات ۲۱۰/۳) ۱۲-بی بی رانی:

بقول صاحب طبقات اکبری (۳/۵۱۸) اور صاحب معصومی (ص ۷۶) صلاح الدین کی چچا زاد بہن تھی۔ ظفر الوالہ کے مؤلف نے لکھا

ہے کہ وہ جام فیروز کی چچا زاد بہن تھی۔ (ص ۱۳۷)
 معلوم ہوتا ہے کہ جام سنجر (نمبر ۱۵) کے تین بیٹے تھے، جن میں سے ایک کا نام نظام الدین (نمبر ۱۶) تھا اور باقی دو کے نام نہیں بتائے گئے۔ ان میں سے ایک کا بیٹا صلاح الدین اور دوسرے کی بیٹی بی بی رانی تھی۔

ظفر الوالہ کا قول ہے کہ یہ شادی سلطان مظفر سے ۹۲۳ء میں ہوئی (۱۳۷) لیکن قرینے سے معلوم ہوتا ہے کہ (معصوم ص ۷۶) یہ شادی پہلے ہوئی تھی، اور اُنہی رشتہ ناتوں کی وجہ سے سلطان مظفر نے (۱۷-۹۳۲ء) صلاح الدین کو سندھ پر حملہ کرنے میں مدد دی (۱۸-۹۱۹) ممکن ہے کہ نظام الدین کے دو بھائیوں کی اولاد خاندانی تکرار کے سبب نظام الدین کے دور میں گجرات میں جا کر مقیم ہوئی ہو۔ اور یہ شادی ۹۱۷ء میں صلاح الدین نے سلطان مظفر سے کرائی ہو۔ نظام الدین کی وفات کے وقت (۹۱۳ء) میں صلاح الدین گجرات میں تھے، جہاں سے وہ حملہ کرنے نکلے۔

بی بی رانی کو کمزوری کی شکایت تھی، ۹۳۰ء میں جب سلطان مظفر، مہراسی سے شکار کے بعد واپس آ رہا تھا، تو اس وقت ہی راستے میں ان کا انتقال ہو گیا۔ سلطان مظفر نے اُنہیں اپنے والدین کے پہلو میں دفن کرایا۔ (ظفر الوالہ ص ۱۲۰)

بی بی رانی کے ساتھ سلطان کی بہت محبت تھی۔ سلطنت کے معاملات اور سلطان کے ذہن پر ان کا قبضہ تھا۔ اس کا بیٹا سکندر، حسن میں یوسف ثانی تھا (ظفر الوالہ ۱۳۳) باپ کے مرنے کے بعد ۲ ماہ اور ۱۸ دن تک تخت نشین رہا۔ عماد الملک نے اس کو شہید کروایا۔ گجراتی سلاطین میں یہ پہلا شہید تھا۔ (مرآۃ سکندری ۲۱۵-۲۱۶)
 بی بی رانی کے سلسلے میں مندرجہ ذیل عبارات کا پڑھنا بہت ضروری ہے:

”... در اثنای راہ بی بی رانی والدہ سکندر خان شاہزادہ کہ عمدہ حرم سلطان (مظفر) و وزیر و صاحب اختیار سرکار و

ممالک سلطان و با خاص و عام شفقت مادرانہ مبذول می داشت، و در فکر صایب و متانت رای، یگانہ آفاق بود، از این عالم فانی سفر کرده در خطیرہ والدہ سلطان کہ قریب کمد رول واقع است، بہ خاک سپردند... از فوت بی بی رانی، سلطان بسیار غم و الم رویداد۔ چنانچہ چند روز از غایت غم و اندوہ بیماری کشید... (مرآۃ ص ۱۷۷) ... اختیار خانہ و مهمات ملک و لشکر، ہمہ بہ دست بی بی رانی بودہ، و ہفت ہزار نوکر علوفہ خود را از سرکاری بی بودند...“ (مرآۃ ص ۲۰۷)

بی بی رانی سے سلطان مظفر ثانی (۲۷) کو تین اولادیں ہوئیں، ایک سکندر جو گجراتی سلسلے کے آٹھویں سلطان ہوئے، جس کو مرآۃ سکندری کے قول کے مطابق (سلطان مظفر) ... در صدر حیات، ولعہد خود کردہ بود (ص ۲۰۷ ص ۲۰۹) ایک بیٹی بی بی عائشہ جو فتح خان بن سلطان فیروز سما (نمبر ۱۷-۱۹) کے گھر میں تھی۔ اور دوسری بیٹی بی بی رقیہ اہلیہ سلطان عادل شاہ فاروقی، والی اسیر و برہان پور (۱۶-۹۲۶ھ) (۲۸)- رقیہ شاید بڑی تھی، اور عائشہ چھوٹی۔

”دو دختر داشت اسمہا راجی رقیہ منکوحہ عادل شاہ برہانپوری، و دیگر راجی عایشہ منکوحہ فتح خان بادشاہ زادہ سند، سکندر خان (۲۹) و ہر دو و دختر... از یک مادر بودند، اسمہا بی بی رانی...“ (مرآۃ سکندری ۲۰۶-۲۰۷)

سلطان مظفر کی بی بی رانی کے علاوہ دو راجپوت بیویاں، لکھم بائی اور راج بائی نامی تھیں، جن میں سے کسی ایک کی بیٹی ہیبت خان بن صلاح الدین سما (نمبر ۱۸) کے گھر میں تھی۔

صلاح الدین اپنے بیٹے ہیبت خان سمیت فیروز کے مقابلے میں لڑتے ہوئے شاہ حسن ارغون کے لشکر کے ہاتھوں ۹۲۷ھ میں شہید ہوئے۔ فیروز کا بیٹا فتح خان، صلاح الدین کے ساتھ گجرات میں رہتا تھا، مقابلہ کے لیے صلاح الدین کے ساتھ سندھ میں آیا۔ (۱۱۹ معصومی) اور گرفتار ہو کر شاہ حسن کے ہاں پیش ہوا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس شکست سے قبل

سلطان مظفر کی بیٹی سے شادی کرچکے تھے، بلکہ ممکن ہے کہ ہیبت خان اور فتح خان کی شادیاں مظفر کی بیٹیوں کے ساتھ ۹۲۷ء سے قبل ایک ہی وقت ہوئی ہوں۔

فتح خان شکست کے بعد غالباً اپنے باپ فیروز کے پاس آئے، جب ۹۲۸ء میں فیروز، شاہ حسن ارغون کے ہاتھوں شکست کھا کر کچھ کی طرف روانہ ہوا۔ اس وقت فتح خان گجرات چلے گئے۔ اس کا سالہ سلطان سکندر ۹۳۲ء میں جب شہید ہوا۔ اس وقت فتح خان گجرات میں تھے۔ سکندر کی شہادت کے بعد جب ان کا بھائی محمود تخت نشین ہوا تو جن امراء نے اس کی بیعت نہیں کی تھی، ان میں سے ایک فتح خان بھی تھا۔

”...سہ کس بیعت نکردند... دیگر مجلس سامی فتح خان بدو

(۳۰)، شاہ زادہ سند کہ نسبت بدامادی، سلطان مظفر

داشت و خواہر حقیقی سلطان سکندر در خانہ او بود...“ (مرآۃ

(۲۱۸)

محمود کو معزول کر کے بہادر خان تخت نشین ہوئے، ۹۳۵ء میں فیروز سندھ سے آخری مرتبہ شکست کھا کر اور نا امید ہو کر گجرات چلا گیا، جہاں اس نے ۹۳۹ء میں اپنی بیٹی کا رشتہ بہادر خان سے طے کیا۔ سما، گجراتی سلاطین اور فاروقی حکمرانوں کی رشتہ داریاں واضح کرنے کے لیے شامل شجرہ (الف) دیکھنا چاہئے۔

۱۷- بی بی مغلی اور بی بی مرکی:

یہ دونوں شہزادیاں جام تغلق شاہ جونہ (ثانی نمبر ۱۲) کی بیٹیاں تھیں۔ جام جونہ اس وقت اندرونی اختلافات کے سبب پریشان تھا اور بیرونی مدد کا آرزو مند تھا۔

مولانا محمد صدیقی ملتانی، جام جونہ کے پیر تھے، اس نے اسے مشورہ دیا کہ اپنی دونوں بیٹیوں کی گجرات میں شادی کرا دے، ایک سلطان محمد سے اور دوسری شاہ عالم سے۔

جام جونہ نے اپنی دونوں بیٹیاں، دونوں بیٹوں ہر ایک جام خیر الدین اور جام صلاح الدین سمیت، مولانا محمد صدیق کے ذریعے گجرات روانہ کیں۔

اس رشتے داری سے انھیں سیاسی فائدہ اور تقویت مدنظر تھی۔ گجرات پہنچنے پر بی بی مغلی کا رشتہ سلطان محمد سے ہوا، کہتے ہیں کہ یہ شہزادی بہت حسین تھی اور سرکی شاہ عالم کے نکاح میں دی گئی۔

در حقیقت جام جونہ نے بی بی مغلی شاہ عالم کے لیے اور بی بی سرکی سلطان محمد کے لیے بھیجی تھی، لیکن یہ رد و بدل سلطان محمد نے جام جونہ کی بھیجے ہوئے آدمیوں کے ساتھ مل کر سازش کر کے کی۔ (مرآۃ سکندری ص نمبر ۶۶) امکان ہے کہ اس منصوبے میں خود مولانا محمد صدیقی بھی شامل ہوں۔

بہر حال بی بی مغلی کا نکاح سلطان محمد والی گجرات (۳-۳۶-۸۵۵) سے ہوا اور سرکی کا عقد قطب عالم (۷۹۰-۸۵۸) کے فرزند شاہ عالم (۸۱۴-۸۸۰) سے ہوا۔

یہ نکاح (۳۷-۸۳۸) میں ہوئے ہوں گے، کیوں کہ اس بیوی سے سلطان محمد کوفتح خان ناسی (۸۳۹ھ) میں ایک بیٹا ہوا، جو آگے چل کر سلطان محمود بیگزہ کے نام سے گجرات کا جلیل القدر حکمران ہوا۔ (مرآۃ سکندری ص ۳۶-۶۷-۶۸)

بی بی سرکی سے شاہ عالم بخاری کو تین اولادیں ہوئیں: ۱- بی بی اماں ۲- بی بی درمیانی ۳- بیگ محمد عرف شاہ بھیکن جو اپنے زمانے کے ایک برگزیدہ شخص تھے۔

جب سلطان محمد (۲۰ محرم ۸۵۵ھ) میں فوت ہوا، اس وقت فتح خان چھوٹا تھا، قتل ہو جانے کے خوف سے بی بی مغلی اس کو ساتھ لے کر اپنی بہن کے ہاں شاہ عالم کے گھر میں ٹھہری (مرآۃ سکندری ۶۳)

بی بی سرکی کا تقریباً ۵۷-۸۵۸ میں انتقال ہوا اور شاہ عالم نے بی بی مغلی سے غالباً فوراً ہی نکاح ثانی کیا۔

مرآة سکندری سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان محمود بیگزہ اس وقت دس سال کے تھے۔ (۶۵) اس لیے شادی کا سال ۸۵۸ قرین قیاس ہوسکتا ہے۔

بی بی مرکی کو احمد آباد کے قریب جام جونہ کے مقبرہ میں دفن کیا گیا۔ بعد میں اس کا بیٹا شاہ بھیکن بھی وہیں دفن ہوا۔ اس وقت تک بخاری سیدوں کا الگ کوئی قبرستان نہیں تھا۔

جب جام جونہ نے اپنی صاحبزادیوں اور شہزادوں کو گجرات روانہ کیا، اس وقت شہزادوں نے واپس لوٹنے کے بجائے وہیں مستقل قیام کیا اور اپنے رہنے کے لیے ”ملک کوٹ“ (۳۱) کے نام سے کچی دیواروں کا قلعہ بنوا کر اندر رہنے کے لیے محل تعمیر کروائے۔

جب جام جونہ فوت ہوا تو اس کی لاش سندھ سے لے کر وہاں کا کر دفن کر دی۔ اُس کا مقبرہ اس کے نام سے مشہور ہے۔

بی بی مرکی اور شاہ بھیکن بھی اسی مقبرے میں دفن ہوئے۔ اس سلسلے میں مرآة احمدی کا مصنف لکھتا ہے کہ:

”و جام (جونہ) نیکو انجام در آنجا بنیاد قلعہ نہاد کہ ملک گوت، اشتہار داشت... و بر طبق وصیت (قبر) جام مذکور، پایان شیخ (محمد صدیقی سہروردی ملتانی) بفاصلہ چند ذرع واقع است و قبر بی بی مرکی پهلوی پدر جانب غرب چون مقبرہ سادات بخاری در آنوقت مقرر نہ شدہ بود، بنا بر آن حضرت شاہ بیکن قدس سرہ طرف شرق پهلوی جام مذکور، جد مادری خود، مدفون شدند۔“ (مرآة احمدی ص ۳۶ و تاریخ اولیاء گجرات ابو ظفر ندوی ص ۷۴ ص ۷۵)

یہ کوٹ (کچا قلعہ) قطب پور کے قریب پرانے اساول میں ساہر متی دریا کے کنارے پر واقع ہے (مرآة احمدی ص ۳۶) اس کتاب میں ہے کہ احمد آباد کے شمال میں دریا کے کنارے پر واقع ہے۔

”مرزا فائض الانوار ایشان (شاہ بھیکن) و بی بی مرکی والدہ ایشان در مقبرہ جام جونا جد مادری آنحضرت، برکنار جویبار

سابر جانب جنوبی بلده (احمد آباد) واقع است۔ سال ولادت و رحلت (شاہ بھیکن) واضح نگشتہ اما روز عرس ایشان چہار دہم ماہ رجب است، کہ سکنۂ این جا رفتہ بہ فاتح واستفتاح می پردازند۔“ (ص ۲۶ و تاریخ اولیاء گجرات ابو ظفر ص ۵۷ ص ۵۸)

بی بی مغلی کے شوہر سلطان محمد کی وفات (۲۰ محرم ۸۵۵ھ) کے بعد پہلے قطب الدین (۴) تخت نشین ہوئے، جنہوں نے بی بی مغلی کے بیٹے فتح خان (محمود بیگزہ) کو قتل کروانے کی بہت کوشش کی، لیکن شاہ عالم کی پناہ میں ہونے کی وجہ سے کامیاب نہ ہوسکے۔ قطب الدین کی وفات (۸۶۳ھ) سلطان محمد کے بھائی سلطان داؤد تخت نشین ہوئے، جس کو اسی سال گجراتی امیروں نے معزول کر کے بی بی مغلی کے بیٹے فتح خان کو شاہ عالم کے گھر میں لا کر ۱۷ رجب ۸۶۳ھ (۳۲) کو تخت پر بٹھایا۔

مندرجہ بالا واقعات کی تائید میں درج ذیل عبارتیں ہیں:

”... مولانا محمد صدیقی سہروردی قدس سرہ در رسالہ دہ حکایت - و - شرایف محمودیہ آورده اند کہ، مولد شریف ایشان ملتان است، در نواحی تہ و در لاهور ہم تشریف داشته اند... جام جونہ کہ او و پدر او، مرید و مستفید در خدمت شریف بودہ، فرمودند: بقایای رسوم جاہلیت از اتباع شما محو نمی گردد۔ اگر ازین ملک عزم ملک گجرات نماید چنانچہ عم شما فتح خان صبیہ خود را بہ حضرت قطیبہ (قطب عالم گجراتی) منسوب کردہ بود۔ شما نیز نسبت بنت خویش کنید، نفع حال و مال باشند۔

چون آن سعادت مند، گاہی ست از فرمان ایشان نیچیدہ بود، سمعاً و طاعۃ قبول نمود۔ پسران خود جام خیر الدین و جام صلاح الدین در خدمت خلف ارشد حضرت شیخ، موسوم شیخ عبداللہ، گذاشتہ باد و صبیہ در رکاب ایشان، متوجہ

گجرات شد، به خاطر عاطر شیخ بود که دختر اجمل، بی بی مغلی به حباله نکاح حضرت شاهیه (شاه عالم بن قطب عالم) اختصاص یابد، اما به کمال سعی پادشاهزادی سلطان محمد و مشورت امرا و وزرا نظر بر کثرت شوکت و زر و خواهش اینکه، بدین وسیله آسیبی به ملک موروثی او نرسد و هدایا که لازم بود معاف کرد، و به عقد نکاح سلطان محمد بن سلطان احمد دادن و سلطان محمود از و به وجود آمد.

وصیه دوم موسوم بی بی مرکی به حضرت شاهیه منسوب شدند و از ایشان حضرت شاه بیکن و دو دختر متولد شدند چون میل خاطر حضرت شاهیه طرف بی بی مغلی بود، ایشان نیز حسب فرموده حضرت قطبیه، بعد از ارتحال سلطان محمد و همشیره خود، به شرف ازدواج حضرت شاهیه، مباحی شده. و سلطان محمود در زیر سایه گران مایه تربیب یافته... مفصل این مجمل در مرآة سکندری مندرج است. حضرت شیخ، به خدمت حضرت شاهیه رسیده استیناس یافتند و اقتباس انوار نمودند و خلافت بیت الاصل و اجازت گرفتند و به قرب قطب پور در اساول کهنه بر دریای سا بر توطن اختیار کردند. و جام نیکو انجام در آنجا بنیاد قلعه نهاد که ملک گوت (۳۲) اشتهار داشت، و مزار شیخ همانجا بر کنار دریای مذکور است، و بر طبق وصیت، قبر جام مذکور پایان شیخ به فاصله چند ذرع واقع است. و قبر بی بی مرکی پهلوی پدر جانب غرب است. چون مقبره سادات بخاری در آنوقت مقرر نشده بود، بنا بر آن حضرت شاه بیکن... طرف شرق، پهلوی جام مذبور جا مادری خود مدفون شدند. و رحلت شیخ چهار دهم شهر ذی قعد (۸۷۹هـ) رویداده اولاد و احفاد ایشان در ملتان و گجرات باقیست. (۳۳)

اس عبارت کا ترجمه محبوب ذی المنن تذکره اولیای دکن (ج ۲)

ص ۹۲۳) میں موجود ہے۔ جس میں مندرجہ ذیل فقرے خاص ہیں۔ جام جوڑہ آپ کا مرید و معتقد تھا، اور بنی اعمام کے تنازع کی وجہ سے پریشان و پراگندہ رہتا تھا۔ آپ نے (یعنی مولانا محمد نے) اس سے کہا کہ اگر آپ... منسوب کریں تو آپ کے لیے مفید ہوگا۔

مرآۃ احمدی کا ترجمہ ابو ظفر ندوی نے اردو میں کیا ہے، جس کی عبارت یوں ہے: حسب ارشاد اپنی دونوں لڑکیوں کو لے کر گجرات آئے۔ یعنی خود جام جونہ بیٹیوں کو لے کر گجرات آیا۔ (ص ۷۴)

مولانا محمد سہروردی کی وفات کا مہینہ، ترجمہ میں بجائے ذی القعد کے ذی الحجہ لکھا گیا ہے۔ ابو ظفر نے لکھا ہے کہ شیخ نور الدین اور اُس کی اولاد مولانا کے خاندان میں سے ہیں اور علم و تقویٰ میں مشہور ہیں۔ (۷۵ مطبوعہ حمایت الاسلام پریس، لاہور ۱۹۳۳ء)

مرآۃ سکندری میں ان شادیوں کا ذکر اس طرح مرقوم ہے:

”بی بی مرکی زوجہ شاہ عالم پناہ، رخت اقامت ازین سرای فانی بہ جہان جاودانی کشید۔ شاہ عالم پناہ بی بی مغلی را اعلان فرمودند کہ: تا خواہر شما در حیات بود، نسبت محرمیت بما داشتید، الحال لایق آنست کہ شما از برای خود منزل علیحدہ اختیار کنید۔ ازین سخن بہ غایت حزین خاطر گشت و با جام فیروز کہ عم او بود، گفت کہ اول پدر و مادر مرا بہ خدمتگاری حضرت شاہ قرار دادہ بودند۔ سلطان محمد مرا از روی تحکم در حبالہ نکاح خود در آورد۔ و آن چنان بود کہ جام جونہ بادشاہ سند دو دختر داشت، بی بی مغلی و بی بی مرکی نام بی بی مرکی را سلطان محمد خواستگاری کردہ بودند، و بی بی مغلی را بحضرت شاہ عالم پناہ۔ چون سلطان محمد آوازہ جمال بی بی مغلی را شنید، پیشوایان جام را پارہ ای بزور پارہ ای بہ زر راضی بہ این ساخت کہ: بی بی مغلی را بہ سلطان دہد و بی بی مرکی را بہ شاہ عالم پناہ۔ چون این خبر بہ شاہ رسید قصہ وار این حقیقت

را بہ عرض قطب الاقطاب رسانید آنحضرت فرمودند: ”دو تسان دی نصیب ہوں“ یعنی ای فرزند! نصیب شما در ہر دو مقدر است القصہ چون حضرت شاہ عالم پناہ میل خاطر بی بی مغلیٰ براین وجہ یافت... بی بی مغلیٰ را در نکاح خود در آوردند بی بی مغلیٰ عاشق وار و کنیزک کردار کمر خدمت بستہ، شب و روز سعی حصول رضای آنحضرت می بود...“ (ص ۶۷ تا ۷۱)

۱۸- جام فیروز عم بی بی مغلیٰ:

مرآۃ سکندری میں بی بی مغلیٰ کے متعلق مرقوم ہے کہ شاہ عالم کے ساتھ نکاح کرتے وقت انھوں نے اپنے چچا سے پوچھا: ”... با جام فیروز کہ عم او بود گفت کہ: اول پدر و مادر مرا بہ خدمتگاری حضرت شاہ (عالم) قرار دادہ بودند۔ سلطان محمد مرا از روی تحکم در حبالہ نکاح خود در آورد...“ (۷۷ مطبوعہ ۱۸۳۱ء ص ۶۶ مطبوعہ ۱۸۹۰ء انگریزی ترجمہ فضل اللہ ۸۹ پرودا ۱۹۶۱ء۔)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صدر الدین جام سکندر شاہ اول (نمبر ۱۰) سما کو جام فتح خان (نمبر ۱۱) اور جام تغلق جونہ (نمبر ۱۲) کے علاوہ تیسرے بیٹے بھی تھے (?) جس کا بیٹا مذکورہ بالا جام فیروز تھا۔

۱۹- دختر جام فتح خان، جام خیر الدین، جام صلاح الدین:

جیسا کہ اوپر پڑ چکے ہیں، جام جونہ (نمبر ۱۲) سے پہلے اس کا چچا (?) بھائی) جام فتح خان (نمبر ۱۱) سید قطب عالم کو اپنی بیٹی دے کر مثال قائم کر چکا تھا۔ مرآۃ احمدی میں: عم شما فتح خان - (۳۵) لکھا گیا ہے، مطبوعہ نسخوں میں کتابت اور چھپائی کی بہت سی غلطیاں ہیں، ممکن ہے کہ فتح خان کے بجائے (عم) کے ”برادر شما فتح خان“ ہو، کیونکہ فتح خان جام جونہ کا بھائی تھا، جس کا نسب نامہ میں نمبر گیارہ ہے۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جام فتح خان (نمبر ۱۱) نہ ہو، بلکہ صدر الدین جام سکندر شاہ اول (نمبر ۱۰) کو جام کرن (نمبر ۹) کے ساتھ دوسرے

بھائی فتح خان نامی ہو، جس نے اپنی بیٹی شاہ قطب عالم کو دے کر مثال قائم کی۔

اس بی بی (بنت جام فتح خان) کے نام کا علم نہیں ہو سکا، شاہ قطب کے اہل خانہ میں سے ایک کو ”جام زادی“ لکھا گیا ہے، جس سے شاہ موصوف کو دو بیٹیاں ہوئیں، بی بی فردوس اور بی بی شاہ مریم۔ قوی امکان ہے کہ یہ ”جام زادی“ جام فتح خان (نمبر ۱۱) کی بیوی ہو۔ (تذکرہ مخدوم جہانیاں از سخاوت میرزا ص ۱۲۶ بحوالہ مناقب برہانی ص ۸۸)

جام تغلق (نمبر ۱۲) کے دونوں بیٹوں جام خیر الدین اور جام صلاح الدین کے متعلق مرآۃ سکندری اور مرآۃ احمدی کے مذکورہ بالا حوالوں سے علم ہوتا ہے اور دوسرا کوئی بھی ذریعہ ہمارے پاس نہیں ہے۔

۲۰۔ بنت بہرام خان بادشاہ زادہ سندھ:

سلطان بہادر کے بعد گجرات کے سلطان محمود (نمبر ۱۲) بن لطیف خان بن سلطان مظفر ثانی (نمبر ۷) تخت نشین (۹۴۳ھ) ہوئے۔

اسی سلطان محمود کی والدہ بہرام خان سندھی (۹) کی بیٹی تھی، جس کے متعلق مرآۃ سکندری کے مصنف نے لکھا ہے کہ:

”در سنہ ثلث و اربعین و تسعمایۃ سلطان محمود بر تخت سلطنت گجرات جلوس فرمود و دران وقت عمر شریفش بہ سن یازد رسیدہ بود والدہ سلطان، بنت بہرام خان پادشاہ زادہ سند بود۔“

از نسل تمیم انصاری رضی اللہ عنہ. (۲۹۹ طبع ۱۸۳۱ء و پرود ایڈیشن ۱۹۶۱ء ص ۳۲۹)

۲۱۔ فتح خان بن سلطان نظام الدین و میاں تاج الدین ہمیشہ فتح خان: مکلی پر جام نظام الدین والی اراضی میں ایک مقبرہ ہے، جس میں اندر مغرب کی جانب محراب کی سیدھی طرف دیوار میں پتھر کا ایک کتبہ سال ۸۷۸ھ کا نصب ہے، جس کی عبارت یوں ہے:

(۱) (۳۶)

(۲) ... هذا المقام للراچی الی [رحمة الله] تعلی تمہید العمارت باسرتاج الدنيا و

(۳) الدین میان تاج الدین ہمشیرہ میان فتح خان

[الف] بن سلطان نظام الدین شاہ جلد

[ب] ملکہ و سلطانیہ فی سنہ ثمان و سبعین و ثمان مائے

[ج] در ماہ ربیع الاول روز پنجشنبہ (۳۷)

مندرجہ بالا کتبے سے معلوم ہوتا ہے کہ فیروز (۱۷) کے علاوہ بھی سلطان نظام الدین (۱۶) کو فتح خان نامی ایک بیٹا تھا۔

وہ فتح خان فیروز سے بڑا تھا اور سال ۸۷۸ھ میں، جس وقت تاج الدین نے یہ مقبرہ اپنی زندگی میں بنوا کر یہ کتبہ لگوا یا تھا، وہ زندہ تھا۔

جام فیروز نے اپنے بیٹے فتح خان (نمبر ۱۳) کا نام اپنے اسی فوت شدہ بھائی کے نام پر رکھا تھا۔

تاج الدین نے خود کو اس کتبے میں 'ہمشیر فتح خان' ظاہر کیا ہے۔ ہمشیر یا ہمشیرہ فارسی میں دودھ پینے والے (سوتیلے) بھائی کو کہا جاتا ہے، یعنی رضاعی بھائی، ایک ہی ماں کا دودھ پیا ہو اور باپ الگ الگ ہوں۔ (Steingass- Faster- Brother)

ہو سکتا ہے کہ تاج الدین کے والد کے انتقال کے بعد جام نظام الدین نے آپ کی والدہ سے شادی کی ہو۔

یہ بھی ممکن ہے کہ تاج الدین کی والدہ سے نظام الدین نے نکاح نہ کیا ہو، بلکہ فتح خان نے صرف اس عورت کا دودھ پیا ہو۔

تاج الدین کے والد چونکہ غیر معروف ہوں گے، اس لیے اس کا نام نہیں لکھا۔ اپنے آپ کو نظام الدین کا بیٹا نہیں کہہ سکتا تھا، اس لیے وقت کے شہزادے سے ہمشیری کی نسبت کو، اس نے اپنی اہمیت کی بنیاد بنایا۔

مقبرہ اینٹوں کی چہار دیواری کے اندر بنا ہوا ہے، اوپر گنبد بھی اینٹوں کا تھا جس کا درمیانی حصہ گر گیا ہے۔

۲۲- ملک راج پال:

اسی نظام الدین والی اراضی میں ہی ایک دوسرا مقبرہ ہے جس پر درج ذیل عبارت کا کتبہ ہے:

- ۱- هذا المقام الراجی الی رحمة الله تعالى ملك راج بال بن
 - ۲- ملك انرين ملك راهوين ملك رايدهن بن ملك راهوين فيروز
 - ۳- شاه سلطان اللهم برد مضجعه و نور قبره و انس و حشه
- یہ عبارت آثار قدیمہ والوں کی ہے، اور ان کے قول کے مطابق مقبرہ جس پر یہ کتبہ ہے، نویں صدی کی آخری چوتھائی کا بنا ہوا ہے۔
- اس کتبے کی عبارت سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ملک راج پال سلطان فیروز شاہ جام انٹر اول (نمبر ۱-۳۷-۵۳) کی اولاد میں سے تھا۔ فیروز شاہ کو صدر الدین جام بابینہ ثانی ۵۳-۵۷۸ (نمبر ۲-الف) اور رکن الدین شاہ جام تماچی (نمبر ۳ الف اور ۵) کے علاوہ تیسرا بیٹا ملک راہو تھا۔ جس کی اولاد نے ملک کا اعزازی لقب اختیار کیا۔
- ۲۳- جام بابینہ (۲/الف) جام تماچی (۳/الف) جام جونہ (۴):
- اس سلسلے میں حاشیہ نمبر (۳-۵-۶-۷) ذہن میں رکھ کر یہ اضافہ شدہ عبارت پڑھنی چاہئے:

ضیاء برنی نے تاریخ کے اختتام پر چنگیزی مغلوں کے حملے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے: ”مغلوں کے حملے، جو انھوں نے فیروز شاہ کی سرحد پار کر کے کیے، جن سے گجرات اور ملتان کی حدود میں انتشار پیدا ہوا، اور وہ ناکام ہوئے۔ اس طرح ان کو نقصان ہوا اور ہر بار شکست کھائی۔“ (ص ۲۰۱)

عین الملك ماہرو نے، جو فیروز شاہ کے ابتدائی دور میں ملتان کا گورنر تھا، گجرات کے گورنر کو ایک خط لکھا تھا، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مذکورہ حملوں میں ٹھٹھ کے حکمران جام جونہ (۴) اور جام بابینہ (۲/الف) بھی مغلوں کے ساتھ شریک تھے۔ جب مغل اپنے حملوں میں ناکام ہوئے تو اس وقت ان دونوں جاموں نے شیخ صدر الدین ملتانی (متوفی بعد از ۵۷۶) اور شیخ جلال الدین جہانیاں جہاں گشت کو درمیان میں لا کر، مرکزی حکومت کے ساتھ صلح کی۔

اسی سلسلی میں ملاحظہ ہو عین الملك ماہرو کے مندرجہ ذیل خطوط (خط نمبر ۸ اور ۴۶)

منشآت ماہرو کی روشنی میں ڈاکٹر ریاض الاسلام نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہ واقعہ ۷۶۲ھ - ۱۳۶۰ء تا ۷۶۳ھ - ۱۳۶۵ء میں وقوع پذیر ہوا۔ (۳۸) حقیقت کیا ہے، لیکن واقعات کی ایک صورت اس طرح بھی لکھی گئی ہے۔

فیروز شاہ ۷۶۲-۷۶۵ھ میں دلی سے روانہ ہوئے۔ اجودھن، بکھر اور سہون کے راستے سے آکر پانچ ہزار کشتیوں کے ساتھ ٹھٹھہ پر پہلا حملہ کیا، جس میں شکست کھا کر ”رن کچھ“ میں سخت جانی نقصان اٹھا کر گجرات پہنچا۔ (عفیہ ۱۲۵-۱۲۹)

۷۶۷ھ میں گجرات میں بڑی تیاریوں کے بعد فیروز نے واپس آکر ٹھٹھہ پر دوبارہ حملہ کیا۔ اسی حملے کے دوران مخدوم جہانیاں کو اُج سے بلوایا گیا، جنھوں نے دونوں مخالفین میں صلح کروائی۔ مخدوم جہانیاں کے آنے کا ذکر ملفوظات میں اس طرح آیا ہے:

”ایشان در تہ کہ بار دوم سلطان مرحوم فیروز شاہ بہ قصد بانہینہ و جام رفتند، حضرت مخدوم قطب عالم نیز برای آوردن جام و بانہینہ رسیدہ اند، تا اصلاح دہند زیر اچہ کرت اول کہ سلطان مذکور مرحوم قصد تہ کردہ بودند خیلی خرابی مسلمانان شدہ بود۔“ (۳۹)

مخدوم جہانیاں کے دوسرے ملفوظات ”سراج الہدایہ“ میں یہی بات کرامات کی رنگ آمیزی کے ساتھ اس طرح لکھی گئی ہے:

”حکایت: اندر آنچہ سلطان سلاطین فیروز شاہ در تہ برفت از ہردو جانب مردمان گفتند: اسلام روی خرابی آورد! لیکن دست شفاعت بر (؟) سید جلال الدین آوردہ ایم، اصلاح (بہ) برکت خاندان رسول (ص ۹) خواہد شد۔

شب جمعہ میان شب، قطب العالم از نماز تہجد فارغ شدند، فرمودند (ند): دستار شیخ رکن الدین بیارید! آوردند در سر بستند، مناجات کرد (ند): خداوند! جام بہمن (بابینہ) بر

پادشاہ دہلی برسان! آواز از غیب شنیدند! ما دعای ترا قبول کردیم! بغیر مشقت، ما ایشان را بر پادشاہ دہلی آریم! بامداد شد، این کیفیت بر سلطان فیروز شاہ، ارکان دولت او گفتند، و جملہ لشکر شادان گشتند۔

وقت چاشت ندا آمد کہ جام خدمتی بر فیروز شاہ آمد بعضی ارکان دولت گفتند بزرگ بہمن (بابینہ) است۔ چون اونیا ید اصلاح نیست!

باز شب سید السادات مشغول شدند، ناگاہ میان شب گفتند: کسی از آن بہمن (بابینہ) اینجا است! سید قاسم بیدار بود، گفت: نیست! فرمودند تو بیا و ہفت بار بگو بہمن بیا! سید قاسم بر حکم اشارت بسید السادات گفت۔

بامداد شد۔ دروازہم ماہ ربیع الاخر بہمن (بابینہ) با متعلقان خود آمد و در پای عماد الملک افتاد و وی وقتی خوب، سلطان فیروز شاہ را ملاقات کنانید۔ (۴۰)

مندرجہ بالا دونوں عبارتوں کے انداز سے ظاہر ہوتا ہے کہ:

۱- پہلی دفعہ ناکام ہو جانے کے بعد، جب فیروز بڑی تیاریاں کر کے دوبارہ واپس آیا تو اس وقت بھی اپنی جوان مردی کے باوجود اہل سندھ پر فتح حاصل نہیں کر سکا۔

۲- جانی نقصان بہت زیادہ ہوا، جس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ سندھیوں نے جوان مردی کے ساتھ مقابلہ کیا، خود بھی مرے اور غیروں کو بھی قتل کیا۔ اُن کی دفاعی توانائی میں ذرہ بھر بھی فرق نہیں آیا۔

۳- پہلی فارسی عبارت کا حصہ: نیز برای آوردن جام و بابینہ رسیدہ اند یا دوسرے اقتباس میں جو جھاڑ پھونک کے طریقے بیان کئے گئے ہیں، وہ بتاتے ہیں کہ سندھیوں پر سیدھی فتح حاصل کرنا مشکل تھا اور اس حالات کو دیکھ کر مجبوری اور معذوری کے سبب فیروز شاہ نے مخدوم جہانیاں کو اُج میں بلوایا۔

۴- اس بزرگ نے پہنچتے ہی شاہی لشکر گاہ میں جائے نماز بچھائی،

جن کو ہندی حملہ آور زیر نہیں کر سکے ان کو شکست دینے کے لیے دعا، تہجد اور مناجات کے تیر و تہنگ استعمال کیے گئے۔
۵- آخر اللہ تعالیٰ نے ان کی مناجات سنی۔

خداوند! جام بہمن بر پادشاہ دہلی برسان! ما دعای ترا قبول کردیم! بغیر مشقت ما ایشان را بر پادشاہ دہلی آریم!
۶- جب مخدوم کی طرف سے نوید ملی، اس وقت جملہ لشکر شاداں شدند۔ یعنی خدا خدا کر کے بڑ مرده چہروں پر اس وقت خوشی کی کرنیں بھوٹ پڑیں۔ تھکے ماندہ جسموں میں ایک نئی روح بیدار ہوئی۔ ان کی روحیں جو فنا ہو رہی تھیں، ان میں ایک طرح سے دوبارہ جان آگئی۔

۷- مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کی ایک آزاد مملکت کو تہہ و بالا کرنے کے لیے محمد تغلق کے دور میں جو منصوبہ تیار کیا گیا وہ اس طرح تیسری لشکر کشی کے بعد فیروز کے دور میں، مخدوم کی کرامات کے سبب 'شاہی فتح و نصرت' کی صورت میں پایہ تکمیل کو پہنچا، اور یہاں مظہر کڑہ کے قول کے مطابق اس "جہاد" میں فیروز شاہ نے "معجزہ" (۴۱) دکھایا۔

سندھی حکمرانوں نے تدبیر اور فراست سے کام لیا۔ وقت کا تقاضا اور مصلحت اسی میں تھی کہ وہ فیروز کے ساتھ صلح کر کے سندھ کے مسلمانوں کو ناحق کی خونریزی سے بچالیتے۔ اور ہندی مسلمانوں کے بے گناہ خون سے ہاتھ آلودہ نہ کرتے۔ جو محض فیروز کے حرص اور غرور کو پورا کرنے کے لیے اپنی بیوی بچوں کو چھوڑ کر سارے ہندوستان کے کونے کونے میں تکلیفیں اٹھاتے، دھول اڑاتے یہاں پہنچے تھے۔ آخر کیا ضرورت تھی کہ مسلمانوں کا خون ناحق بہا کر عاقبت کے لیے ابدی خجالت اور خسارے کا سبب پیدا کریں۔ آخر صلح ہوئی۔

۱- برائے نام دلی کی بالادستی کو تسلیم کرنا پڑا اور نشانی کے طور پر سندھ کے خزانے میں سے کچھ ٹنکے مرکز کو ہر سال دینے پڑے۔

۲- سندھ کی حکومت بدستور اپنے خاندانوں کے پاس رہی۔

۳- ملک کو مصیبت سے بچانے کے لیے اس کو خود تکلیف سہنی پڑی۔

دونوں جام حکمرانوں نے ترك وطن کی صعوبتیں اٹھا کر دلی میں اقامت اختیار کی، جہاں وہ اتنی ہی رقم دلی کے خزانے سے خرچ کرتے رہے، جتنی سندھ سے خراج کے طور پر وصول ہوتی تھی۔ گویا جو کچھ ہوا وہ مصلحت کے لیے اور وقت گزارنے کے لیے غیروں کی بالادستی دلی طور پر قبول نہیں کر سکے۔ غیرت مند قوم اور استقلال پسند ملك آخر كب تك یہ دھبہ اپنے دامن پر لگائے رہتا۔
راء تماچی نے جلد ہی آزادی کا اعلان کر دیا۔

سندھیوں کو سیدھی طرح زیر کرنے کی ہمت اس کو نہیں ہوسکی۔ فیروز نے جام جونہ کو روانہ کیا اور ساتھ ہی مخدوم جہانیاں کو بھی روانہ کیا جو اس وقت دلی میں شاہی مہمان تھا اور دلی کی بادشاہت سے اُس کا دنیاوی دوستی کا گہرا تعلق تھا۔
پہلے بھی مخدوم کو درمیان میں لے آئے تھے اور اب بھی ان سے مصالحت کا کام لیا گیا۔

سندھی نیک دل نیک نیت ہیں اور پیروں فقیروں کو حد سے زیادہ مانتے ہیں، چنانچہ ٹھٹھ پہنچ کر نامعلوم عہد و پیمان لے کر جام تماچی کو ساتھ لے کر دلی کی جانب روانہ ہوئے۔ جام جونہ اس کی جگہ پر سندھ کی حکمرانی پر فائز ہوئے۔

ٹھٹھ سے جام تماچی کی روانگی کا واقعہ، سال ۵۷۷۲ھ کو رجب کے مہینے میں ہوا۔ (جنوری ۱۳۷۱ء) چنانچہ ”سراج الہدایہ“ میں ہے کہ:
”باز گشتن سید السادات (مخدوم جہانیاں) از مہم تہ، در سمت حضرت دار الملك دہلی، در ماہ رجب اثنان و سبعین و سبعماتہ“ (۳۲)

۵۷۶۷ھ سے ۵۷۷۲ھ تک چھ سال تک سندھ کی سرداری پہلی دفعہ جام تماچی کے سپرد رہی۔

۵۷۷۲ھ سے لے کر فیروز شاہ کی وفات (۸۹۱ھ) سے چند برس بعد تک جام جونہ کو دوسری دفعہ حکومت حاصل ہوئی۔ اس کے بعد غیاث الدین کے دور میں جام تماچی نے واپس آکر حکومت کی باگ دوڑ دوبارہ سنبھالی۔ اس کے دوبارہ پسر اقتدار آنے کے سلسلے میں حماد کی دعا والا واقعہ مشہور ہے۔

حواشی

- (۱) مکلی نامہ میں (۱۷) سید محمد جمال کا نام لکھا ہے۔ در حقیقت غلطی سے سید محمد جلال کے بجائے، ان کے بھائی محمد جمال کا نام متن میں شامل ہے۔
- (۲) تحفة الکرام ص ۱۸۴۔
- (۳) مقالات ص ۱۷۸۔
- (۴) وفات کا سال (من اتی اللہ بقلب سلیم) سے نکلتا ہے۔
- (۵) تحفة الکرام ۱۸۲-۳۔
- (۶) ان ابیات میں سے ایک، ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ نے اپنی کتاب ”سندھی بولی جی تاریخ“ میں حدیقة الاولیاء سے نقل کر کے (۱۰۴) دیا ہے۔
- (۷) تفصیل دیکھیں تحفة الکرام ج ۳ ص ۱۸۲-۱۸۳۔
- (۸) جام تماچی نے یہ رقم ۹۲-۹۳ء کے قریب دی اور اس کے بعد مسجد کی تعمیر شروع ہوئی ہوگی۔ (دیکھیں سمون کا شجرہ اور اس پر نوٹ نمبر ۷)
- (۹) تذکرہ میں یہ شعر ”سیر العارفین“ کے مصنف شیخ جمالی دہلوی کے نام منسوب ہے۔ دیکھیں ریاض الشعرا (والہ داغستانی، قلمی تحت جمالی)
- (۱۰) دیکھیں سمون کا شجرہ اور اس پر نوٹ نمبر ۷۔
- (۱۱) تحفة الکرام ص ۵۲۔
- (۱۲) تحفة الکرام ص ۲۱۶۔
- (۱۳) معصومی ص ۷۴۔
- (۱۴) ظفر الوالہ ۱۳۸۔
- (۱۵) فان المغل لما دخلوا السند به طمعوا فی الملك فاحتالوا علی وزیرہ دریا خان وکان وجودہ به وفی الفرصة قتلوه غدرا وما بالوابہ۔ ص ۱۳۸۔

(۱۶) معصومی ص ۷۰ مائر رحیمی ج ۲ ب ۲۷۳۔

(۱۷) معصومی ص ۷۴

(۱۸) مائر رحیمی ج ۲ ص ۲۷۳۔

(۱۹) معصومی ص ۷۵۔

(۲۰) رحیمی ج ۲ ص ۲۷۳۔

(۲۱) رحیمی ج ۲ ص ۲۷۳۔

(۲۲) دیکھیں: BURGESS: The Muhammadan Architecture of

Gujarat 3 Vol. 1896-1903-1905.

(۲۳) اس رشتے داری کی صورتحال، سمہ خاندان کے شجرے اور اس پر

لکھے ہوئے حاشیے میں دیکھنا چاہیے۔

(۲۴) یہ کتبہ حاشیے میں درج کیا گیا ہے۔

(۲۵) دریا خان کا اصلی نام قبولیو تھا اور وہ جام نظام الدین کے دیوان

لکھمیر (لکھدیر- لکھسیر) کے غلام تھے، بعد میں جام نظام الدین

انہیں اپنے ہاں لے آیا۔

(۲۶) یہ اشارہ اسی فتح کی طرف ہے، جو دریا خان دولہا کو ارغونوں پر

بقول فرشتہ سال ۸۹۵ھ (طبقات اکبری ج ۳ ص ۵۱۷) حاصل ہوئی۔

اس جنگ میں شاہ بیگ ارغون کے بھائی سلطان محمد قتل ہوئے

اور قندھار اور ہرات کے مغلیہ لشکر کو عبرت ناک شکست ہوئی۔

دریا خان نے دوبارہ سیوی پر قبضہ کیا۔

میر معصوم نے تقاسی جنگ کا نام 'جلوہ گیر' لکھا ہے۔ جو دراصل

'جلوہ گیر' ہے اور درہ بولان میں بی بی نانی کے قریب ہے۔ دریا خان

جام نظام الدین کے منہ بولے بیٹے تھے، اس لیے کتبہ میں جام نظام

الدین کا بیٹا دکھلایا گیا ہے۔

(۲۷) سلطان مظفر ثانی - ولادت: سورج نکلنے کے وقت، بروز بدھ، ۶

رمضان ۸۸۰ھ

تخت: نماز جمعہ کے وقت ۷ رمضان ۹۱۷ھ

وفات: جمعہ ۲۲ جمادی الثانی ۹۳۲ھ

(۲۸) معصومی ۱۱۹ - طبقات اکبری ج ۳ - ص ۳۱۰۔

(۲۹) بی بی رائی نے وفات کے وقت سکندر کو اپنے معتمد غلام، خوش قدم (عماد الملک) کے حوالہ کیا۔ ان کی تخت نشینی کے بعد خوش قدم کو وزارت نہ ملی، اس لیے دو مہینے اور ۱۸ دن کے بعد انہوں نے سکندر کو قتل کر کے اس کے بھائی محمود کو حکمران بنایا۔ چند ماہ بعد انہیں بھی معزول کر کے ان کے دوسرے بھائی بہادر خان، جو فیروز بن جام نندہ کا داماد تھا، حکمران بنایا۔ (سکندر کے سلسلے میں دیکھئے مرآۃ سکندری ۲۰۹-۲۱۳-۲۱۸-۲۲۳) (۳۰) شاید بڈھہ ان کا عرف تھا۔

(۳۱) ملک گوٹ (مرآۃ احمدی بمبئی ص ۳۶)
 (۳۲) مرآۃ سکندری یک شنبہ شعبان ۸۶۳ھ عمر تیرہ سال (ص ۷۱ ص ۷۲)
 (۳۳) مرآۃ احمدی برودا ایڈیشن ص ۷۵ لکر کوٹ (?) یعنی نیم گز۔
 (۳۴) مرآۃ احمدی بمبئی ۱۳۰۷ھ ص ۳۶ ج ۲ برودا ایڈیشن ص ۵۶۔
 (۳۵) مرآۃ احمدی ج ۲ ص ۳۶ طبع بمبئی ۱۳۰۶ھ و برودا ایڈیشن - ۱۹۳۰ء خاتمہ مرآۃ احمدی ص ۵۶۔

(۳۶) تقطوں والی جگہ پر عربی عبارت ہے۔
 (۳۷) ب اور ج والی لائنوں کی عبارت صاف نہیں ہے۔ (مذکورہ عبارت محکمہ آثار قدیمہ کی ہے۔)
 (۳۸) اسلامک کلچر، اکتوبر ۱۹۳۸ء۔

(۳۹) محمد ایوب قادری نے سوانح جہانیاں جہاں گشت میں یہ اقتباس ”مناقب مخدوم جہانیاں“ ورق ۱۷۰- (مجلس ۵۹) میں دیا ہے۔ ص ۱۴۱- وہی اقتباس ڈاکٹر ریاض الاسلام صاحب نے بھی دیا ہے۔ (اسلامک کلچر اکتوبر ۱۹۳۸ء)

(۴۰) اسلامک کلچر اکتوبر ۱۹۳۸ء- یہ اقتباس ڈاکٹر ریاض الاسلام نے اپنے مضمون میں دیا ہے۔

(۴۱) ملاحظہ ہو مطہر کڑہ کا قصیدہ- دیدی کہ شہ.....
 (۴۲) اسلامک کلچر اکتوبر ۱۹۳۸ء بحوالہ سراج الہدایہ- وہی اقتباس محمد ایوب قادری نے سوانح مخدوم جہانیاں میں دیا ہے۔

باب ۴

منشآت ماہرو کے متعلقہ خطوط

ذیل میں ”منشآت ماہرو“ سے عین الملك عین الدین عبداللہ بن ماہرو کے وہی خطوط (۱) دئے جاتے ہیں، جن کا تعلق فیروز شاہ تغلق، جام بابینہ، جام جونہ اور جام تماچی کے دور سے ہے۔ خطوط کی پوری عبارت دی گئی ہے، تاکہ وقت ضرورت صاحب تحقیق کو خط کے پورے مطلب سے آگاہی حاصل ہو۔

ہم ہر ایک خط کے فارسی متن کے ساتھ چند سطور میں خط کا مطلب بھی سندھی میں شامل کر رہے ہیں۔
خط نمبر - ۱

یہ فیروز شاہ کا فرمان ہے، جس کے ذریعے اس نے اپنے بیٹے ناصر الدین فتح خان (۲) کو سندھ کا ملک سپرد کرتے ہوئے، وہاں کے باشندوں کو اطاعت کی ہدایت کے ساتھ فتح خان کو عدل و انصاف کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

این منشور بہ جہت تفویض اقلیم سند بر مجلس عالی خان اعظم و خاقان معظم ہمایون فتح خان۔ لازوال عالیاً و علی الکرام والیاً۔ صادر شدہ۔

اللہ اعلیٰ و حمد اولی۔ چون مالک الملك تعالیٰ و تقدس کہ منشور جلال او بتوقع۔ توتی الملك من تشاء۔ موشح و محلی و فرمان واجب الامتثال او بطغراء غراء۔ بیدہ ملکوت کل شی۔ مزین و مجلی است، تاج جہان بانی بر فرق ہمایون مان ہاد،

وتیغ کشور ستانی کہ مؤید بہ تائید آسمانی ست، بہ قبضہ
اقتدار ما داد، وما را از جمیع مکنونات و جمہور موجودات بر
گزید، ورقم۔ السطان ظل اللہ یاوی الہ کل ملہوف۔ بر
صفحات روزگار ما کشید، و بہ صفت نصف و سیرت
معدلت موفق گردانید، و برای ایتمار او امر ما، ندای -
واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم۔ بہ گوش ہوش
عالیمان رسانید۔ و مورد انصاف مارا از شائبہ جور و اعتساف
مصفی کرد، و قصیدہ دولت مارا بہ شاہ بیت کرم مقفی
گردانید، تا برای استدامت این کرم موفور و استقامت این
نعم نا محصور زبان بہ حلیہ حمد محلی می داریم، شکر حق و
حق شکر کہ از قوت بشری بیرون و از طاقت انسانی افزون
است، بہ قدر استطاعت بجا می آریم و بر وعدہ۔ لئن شکرتم
لازیدنکم۔ و میعاد۔ الشاکر یستحق المزیذ۔ ازدیاد نعم را
منتظر و مترقب می باشیم۔ و بر صحائف حسن نیت و صفائح
نقاء طویت نقش۔ الشفقہ علی خلق اللہ۔ می نگاریم و چنان
می خواهیم از کافہ رعایا و عامہ برایا کہ در ظل ظلیل رفت
ما آسودہ، و اہل بغی و فساد و ظلم و عناد بہ پایمال دمارستوہ
گردند۔ تا مطیع و عاصی و اذتاب و نواصی و دانی و قاصی بر
حسب کردار بر سنت کردار جزای اعمال خود یابند۔ ان
احسنتم احسنتم لانفسکم وان اساتم فلہا۔ بدین موجب
رغبت نیکوکاران بر اطاعت و فرمان برداری و مطاوعت
نیکوکاری می افزایشد، و بدکرداران، از پاس سیاست
پادشاہان ما، اعتبار و انتباہ و اندحار و انزجار حاصل می آید و
چون این قوانین کہ معہدارکان جہانداری و موکد بنیان شہر
یاریبست، استمرار یابد۔ بلاد و امصار قری بہ تضاعف عمارت
پذیرد و جہان نضارت و طراوت روضہ رضوان گیرد، و ہمہ
ہمت پادشاہانہ و نہمت خسروانہ ما، بران مقصود و مصروف

است که، در اقطار و انتحاء و اکناف و ارجاء صیت عدل و احسان ماء، شایع و مستفیض شود.

الحق چهره این مراد جز به آئینه معاونت فرزندان شایسته- که سرمایه لطف الهی و واسطه عقد پادشاهی اند- جمال ننماید. بر سوایق این مقدمات اقلیم ولایت سند که اعظم بلادست به فرزندی که- اکرم و اولاد کم- و نور حدقه پادشاهی و نور حدیقه شاهنشاهی و دره تاج سلطنت و غره جبه مملکت و ساعد ملک و ملت و بازوی دین و دولت- اعنی ناصر الحق والدین الموید من السماء المظفر علی صفوف الاعداء اعظم همایون فتح خان لا زال عالیا و علی الکرام والیا- مفوض فرمودیم- و زمام حل و عقد و عزل و نصب و قبض و بسط و منع و اعطاء به قبضه شهامت و بنان حزاست او سپردیم. و بر سبیل تذکار وصیت می فرمائیم تا: در عنفوان شباب و ریعان عیش اسباب و غلوی سلطنت و تائید مملکت چون در کمال قدرت خود نظر کند، از عجزی که مستلزم به نیت انسانی است یاد گیرد، و خوف و خشیت باری جل و علی نصب عین خود دارد، و تقوی و پرهیزگاری و حسن معامله و نیکوکاری، شعار ایام دولت و دثار اعوام حشمت خود سازد. و امارت دنیا که دولت فانی است، دران حسن عمل چنان پیش گیرد که بدان وسیلت به نعیم ملک جاودانی که- و اذا رایت ثم رایت نعیم و ملکا کبیرا- صفت اوست برسد، و قلم تقدیر بر منشور نهاد او توقیع - اهل المعروف فی الدنيا اهل المعروف فی الآخرة- کشد، و در تعمیر بلاد و ترفیه عباد و اعانت در باره عموم رعایای خراج گزار و عنایت به جمهور برایای فرمان بردار، بذل مجهود و مصروف دارد، و دقیقه ای از دقایق این کار فرو نگذارد. و اقتنای تقوی و نیکوکاری و ادخار ثنای جمیل و پرهیزگاری زاد معنی داند و آثار- التعظیم لامر الله هی

الشفقة علی خلق الله- کہ اخلاق عالم ازان روشن و گیتی از انوار آن مزین گردد، از مساعی مشکوره ظاهر گرداند. و سر معنی- کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ- بگوش هوش خود و اسرای ولایت کہ بہ جناب عالی نسبت فرزندى دارند، امروز فرود خواند تا فردا از تبعہ ندامت و عتبہ ملامت مصئون مانده، عدل و احسان و فضل و امتنان، کہ نیکناسی دنیا بدان منوط و رستگاری آخرت بدان مربوط است، فرض عین و عین فرض شمرد. چه مر ولایة را هیچ عبادتی ستوده تر، از عدل و احسان، و هیچ سیرتی پسندیده تر از فضل و احسان نیست. زیرا کہ، نصب اصحاب است برای آن است کہ، فوائد و عوائد مساعی جمیل ایشان، بہ همگنان از وجیع و شریف و قوی و ضعیف برسد. و این نوع تعذری تمام دارد و بی واسطہ این خصال حمیدہ دست ندهد. چنانچہ در باب رعایت رعایا اندرز فرمودہ، ہم درباره طبقات حشم و طوائف خدم کہ حماء جنح ملک و ملت و حفظ بیضہ دین و دولت اند، زیادت و وصیت می فرمائیم، کہ ذات ملک بدین دو پای قویم و مستقیم است- لا ملک الا بالعکسرو لاعسکر الا بالمال ولا مال الا بالرعیة ولا رعیة الا بالعدل والسیاسة- و تکریم اولاد رسول و تفخیم احفاد بتول، کہ از سادات عادات، عادات سادات است، سعادت عظمی و دولت کبری تصور کند. و این ذریعہ را برای شفاعت سید البشر و شفیع روز محشر، سبب قوی و موجبی منجی داند، و نقش مودت ایشان بنگار- الا المودة فی القربی- بر صحفہ حسن نیت و صحیفہ نقای طویت نگارد، و آن را سعادت دارین پندارد، و چنان باید کہ علما کہ ورثہ انبیاء و حملہ علوم انبیا و امانی خدا و اصفیای مصطفی اند، بہ عین عنایت و فرخ رعایت او ملحوظ و ملحوظ باشند. و بہ خاک پای مشائخ و صلحاء کہ، اقطاب دین و اوتاد

زمین و اصحاب عزیمت و ارباب طریقت اند، و از عالم ناسوت به ملک لاهوت ترقی نموده، و از مقاسات مجاهده به انس مشاهده رسیده تبرک نماید و در ترفیع حال و تطیب مال و توسیع ارزاق هر یک ازین طبقه کرام، که بهترین انام اند، اتفاق تیسر و توفیر فرماید، و تفضیل اهل غزو و جهاد که فضیلت ایشان به فحوای - فضل الله المجاهدین باموالهم و انفسهم علی القاعدین درجه - معلوم و مقرر و مفهوم و مصور است، بر سنت الهی به تقدیم برسانند. و اعطای ارزاق مقاتلان و ذراری ایشان، که در بیت خراج اهل و انصار جمیع طبقات را به تیغ جهان کشای کفیل اند، و دیار اسلام به حمایت اینان محمی و مصئون و تغور، و اماکن بعیده به پاس ایشان مامون است، اهم داند، چه تیره شب حوادث صبح مراد از تجلی انوار تیغ اینان یافت. و رای را بر شجاعت بپدم داند. شعر:

الرأى قبل شجاعة الشجعان

هو اول وهى المحل الثانى

و اگر خصم چیره رای به مهاونه پیش آید، تقبل آن به قول - وان جنحوا للسلم فاجنح لها - کند و درین، خود را تهاون و اذلال نداند. و بذل و اعطاء و جود و سخا بر مقتضای بیت:

نه بذلى، که طوفان بر آرد زمال

نه صرفى، که تنگی در آرد به حال

از صرفه تفریط افراط اجتناب نماید. و سوى منهج - خير الامور اوسطها - گراید. قال عز من قال - والذين اذا انفقوا لم يسرفوا ولم يقتروا وكان بين ذلك قواما - و ترجیح موازین جمع بر مقادیر خرج مصلحت داند، تا کار ملک بر او آسان شود. و اگر چیزی ذخیره کند به نیت نوائب و انتظام جمهور روا باشد. و در حلم و عفو که، طریقه ستوده انبیاء ست، باقصی الغایه ابعد لنهلیه بگو شد، تادر زمره - والكاظمين الغيظ والعافين عن الناس -

پیشوا و انگشت نما گردد. اما بر نهجی که جهت صلابت نامرعی نماند، کما قال الله تعالی: - ولا تاخذکم بهما رافۃ فی دین الله - و کما قال الشاعر:

لا خیر فی حلم اذا یکن له

بوادر یحیی صفة ان یکدرا

و در حد فرمان سیاست، از هواجس نفسانی و نزغات شیطانی، محترز و مجتنب باشد، و جان آدمی که در ثمین و علق مرضیه است، و جز از دریای ایجاد و تکوین حضرت رب العالمین بیرون نیاید، از هلك و تلف مصئون و محروس شناسد. و در زمان فوران سخط و غضب، چیزی که تلافی، و عوض آن، در زمان رضا از حیز قدرت بشری و امکان طاقت انسانی بیرون باشد، نه شتابد، و باز باین همه طائفه که به بغی و طغیان و تمرد و عصیان تمادی نمایند، در قمع و قلع ایشان صلاح دین و دولت و خیر ملک و ملت تصور کند و در کسر قوت و منعت ایشان بر مقتضای آنکه بیت:

مخالقان تو، موران بدند، مارشدند

برآور از سر موران مار گشت دمار

مده زمار نشان، پیش روزگار مبر

که اژدها شود، از روزگار، آخر مار

مبادرت نماید. و اگر مجرمی جانی و مدنی خاطی به اسهال و اعتذار و اذیال استغفار تشبث و تمسک کند، بر حسب آنکه - بیت:

چون به گنه معترف آید کسی

عفو نکو تر ز سیاست بسی

امان و عفو خود را، بر قبضه زمام شرع نگاهبان و پاسبان ایشان دارد. و زمام کاردیوان وزارت بر دست کفاه وزراء که به رزانت رای مشهور و متانت عقل مشکل کشای مذکور و

به امانت مشار الیه و به دیانت متفق علیه باشند، به سپارد، تا عروس مراد از آئینه مطلوب جمال نماید. چه جمع اموال به ادخار نیکنامی بی واسطه محاسن تدبیر کفایه وزراء که به حلیت امانت و کفایت مجلی و نیز در دیانت و صیانت متجلی باشند، دست ندهد. مع ذلك، چون بدین جمله نصب فرموده باشد استطلاع احوال ایشان در ذمه همت واجب و لازم داند، تا از هر که امانت و کفایت و صیانت احوال بی خیانت و پرورش رعایا وصیت نیکنامی محسوس و مکشوف شود، او را به مزیت انعام محفوظ و به وفور عواطف و مکارم و فرط عوارف و مراحم محفوظ دارد، و عنان عنایت بر صوب او معطوف گرداند. و از طبقه ای که خیانت و مدهانت و تخریب بلاد و تعدیب عباد معاینه افتد، در صرف و عزل آن تانی جائز ندارد، و بر اندازه جرایم ایشان تبکیت و تعریک نماید، تا همگنان بر منهج راست کاری و سداد و جاده کوتاه دستی و رشاد به رغبت استقامت کنند و از خیانت و عدوان به سوی امانت و انابت گرایند و دهاقین بزرگان را که، جمله ارزاق بنی آدم اند بر قضیه- التمسوا الرزاق من خبایا الارض- از بدکار و ستیز کار متغلبه محفوظ دارد، و به اصحاب دیوان خود بفرماید تا مال معامله به حسن مجامله به وقت بستانند، و می فرمائیم تا در امور عظام که در حیز مشیت باشد، با خردمندان کار دیده و در خور عواقب امور به تجارب ایام رسیده مشورت کند، و این را به مقتضای- و مشاورهم فی الامر فاذا عزمتم فتوکل علی الله- مبارک تصور فرماید. بیت:

هر که، در واقعات، با عقلا

نکنند مشورت به صدق و سداد

گرچه رایش، چو خور بود روشن

نماید رهش به سوی مراد

و طایفہ ای را کہ در موقف خدمت، به حسن اخلاص و عبودیت قیام نمایند، به عین رافت و نظر شفقت مرموق دارد، و مکافات خدمت ایشان را از لطف فرو نگذارد. و به آنان کہ به خدمتی استمرار نمایند و از اصرار به سوی اعتذار نہ گرایند به تبعیت و معیت با خود نگرداند چه در نهاد ملک هیچ چیزی قاذح تر ازین نیست، کہ یکی در نیک خدمتی قیام و رزد و او از لطائف مرحمت محروم ماند. و دیگری در بد خدمتی مصر و مستبد باشد و تدارک آن بد و نرسد. بیت:

هر کجا داغ بایدش فرمود

چون تو مرهم نهی، ندارد سود

سبیل اسراء و کبراء و رایان و راجگان و مقدمان و سایر سکان اقلیم سند آنکہ: برین مرحمت کہ در باب ایشان مبذول فرمودیم، و این اقطاع را به ایالت آن فرزند مخصوص گردانیدیم، شفقت کمال دانند. و بدین موجب به دعاء دولت قاهرہ- ثبت اللہ ارکانها و مہد بنیانا- ثبات نماید. و مثال این فرزند را مماثل فرمان ما دانند، تابه اجمال و ارضا مخصوص گردند، به مشیت اللہ تعالیٰ و عونہ.

خط نمبر - ۸

یہ خط ملتان کے گورنر کا ہے، جو اس نے ٹھٹھہ میں ہونے والی تحریک آزادی کو ناکام کرنے کے لیے ایک شخص کو فوج کا سپہ سالار مقرر کر کے بطور ہدایات لکھا ہے۔ اس تحریک میں ٹھٹھہ کے قوم پرستوں کی امداد مغل کر رہے تھے، جن کو ختم کرنے کی ہدایت بھی تاکید کے ساتھ لکھی گئی ہے۔

سپہ سالار کا نام خط میں دیا ہوا تو نہیں ہے، مگر فلاں ابن فلاں لکھا ہوا ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ علی گڑھ والا نسخہ جس کی یہ نقل ہے، اس میں بھی نام نہیں تھا۔

اس خط کے ساتھ مذکورہ بالا حاشیہ (نمبر ۲۳) پڑھنا چاہیے۔

این مثال به یکی از اسراء به جهت سر لشکری اقلیم سند در قلم آمد.

چون خداوند عالم، پادشاه بنی آدم، محیی مراسم دین مظهر
معالم صدق و یقین، سلطان السلاطین، ظل الله فی العالمین،
عضد الخلافة، ناصب العدل والرأفة، الموید من السماء،
المظفر علی صفوف الاعداء، الحامی لبلاد الله، الراعی
لعباد الله، مالک رقاب الامم، مولی الجود والکرم. شعر:

له هم لا منتهی لکبارها

وهمة الصغری اجل من الدهر

خلد الله ملکه و سلطانه، و اعلی اسره و شانه، بنده پیر قدیم خود
را از میان بندگان برگزید و رقم اختصاص بر ناصیه اخلاص این
بنده کشید، و محسود اقران و مغیوط احوان گردانیده، انواع
اصطناع و اصناف الطاف، در بارة دعا گوئی قدیم خود ارزانی
داشت، و بر علم حسن بندگی کتابه حسن قبول نگاشت، و
عرصه ملتان صانها الله عن الحادثات از کوه جودی تا شط
دریای، که آن جا باشد و با بحر مجتمع است، بدین بنده
استقامت یافت. و حل و عقد و قبض و بسط و منع و اعطاء
و عزل و نصب به صواب دید بنده مفوض فرمود و کرات و
مرات علی اختلاف الزمان و المكان بر زبان مبارک رانده که: در
عرصه ممالک طویل و بسیط، به هر زمان به جوانب و اطراف
آن، جز بندگان مخلص، که بر مزاج مبارک ما واقف و عارف
باشند، و به کاردانی لشکر کشی معروف و موصوف بودند،
پای کسی نتوان رسید. بنا بر این بنده قدیم خود را دران عرصه
فرستاد و از راه اعتماد زمام اذن مطلق بدست بنده داد و فرمود:
ما هر چه در حضرت می کنم او در عرصه ملتان و اقتفاء آن امور
به تقدیم رساند، و خود را درین امر جزیل ماذون و ماسور داند.
علی الخصوص در بار عام بدو این فرمان دادیم که: هر چه بنده

پیر قدیم کند، آن کرده ما دانندا و دران زیادت و کم نکنندا و
ابواب منازعت و مناقشت مسدود دارند!

و چون، ادای شکر این نعم و سپاس آن کرم، از طاقت بشری و
قدرت انسانی بیرون بود، دل را به هوای دولت خواهی، و زبان
را به ذکر ثنا سرائی، و جوارح را برای انتظام امور دین و
دولت، و التیام مصالح ملک و ملت، مشغوف گردانیم. شعر:

أفادتکم النعمانی منی ثلاثة

یدی ولسانی والضمیر المحجبا

و در محامات حوزه اسلام و ممالات بیضه انام و استیصال ارباب
ضلالت و تدمیر اصحاب جهالت، و قلع کفار و قمع فجار، و
قهر بغاة و قتل طغاة، و طرف اہالی فساد، و دفع اعوان حقد و
عناد، و تقویت انصار دین ہدی و تمشیت امور شریعت
مصطفی (صلی اللہ علیہ وسلم) بذل مجهود باقصری الغایتہ
و ابعد النہایتہ بہ تقدیم رسانیدم.

بر حسب این فلان بن فلان سر لشکر فرد بہ آن دیار گردانیدہ
شد و لشکرہا برای دفع تشویش مغل و حسم مواد فساد بغاة
تہ نامزد او فرمودہ ایم. ہر گاہ بوقت مراجعت طلبند، عسکر
مذکور با سران وعدت و ابہت جہاد بدو پیوندد. و اعلام رفت
تا او حزم را رعایت کند، و در محاربت اسالیب تحفظ و
اقائین تیقظ مرعی دارد، و ہر گاہ کہ او بحرب متصدی شود،
توکل را مقتدا و التجاء بحضرت خدا پیشوای خود سازد. و
در کار غزوہ و جہاد نظر او بر نصرت دین باشد، تا مظفر و
منصور و موید و مسرور گردد. ان تنصروا اللہ ینصرکم و یثبت
اقدامکم- و عجب و غرور را ممنوع و مخطور شناسد. چہ ہیچ
چیز قادح تر از عجب نیست، کما قال عزمن قائل: لقد
نصرکم اللہ فی مواطن کثیرہ ویوم حنین اذ اعجبکم کثرتکم.
بیت:

مبادا کس، بروز خویش مغرورا
 کہ مغروری، کلاہ از سر کند دور
 وچون بہ عون حق و قدرت قادر مطلق، بہ ظفر دست یا بد و
 خصم او از پیش بتابد، راہ گریز او بسته نگرداند، و این مثنوی
 را نصب عین داند۔ بیت:

چو فیروز گشتی، مشو در ستیز
 مکن بسته بر خصم، راہ گریز
 هذا ما عهدنا عليك و فوضنا الامر اليك آثارنا والله الموفق
 المسداد والهادی الی الرشاد۔

خط نمبر - ۴۶

یہ خط عین الملک ماہرو نے ملک ملوک الشرق، افتخار الملک فرید
 الدین صاحب دیوان استیفاء کی طرف لکھا ہے۔
 ماہرو نے انھیں لکھا ہے کہ: ہمیر دودو آپ کی شفقت کا پروردہ
 ہے۔ فسادی اور باغی (جام) بابینہ کو ختم کرنے کے لیے اسے مقرر کیا
 جائے۔ بابینہ ایک دفعہ مغلوں کا ہجوم ساتھ لے کر پنجاب کے علاقے میں
 لوٹ مار کرنے آیا تھا۔ ملتان کی فوج نے اس پر حملہ کر کے اسے ملک سے
 بھگادیا۔ گجرات میں بھی اس نے کئی دفعہ لوٹ مار کی ہے، جس سے آپ
 واقف ہیں۔ ہمیر دودو کی سفارش حاکم، گجرات رکن الدین امیر حسن کے
 لیے بھی کی گئی ہے، عین الملک نے امید ظاہر کی ہے کہ ہمیر دودو اس
 مہم کو نہایت عمدگی سے پورا کرے گا اور بابینہ کے ”فساد“ سے ملتان
 اور گجرات کے صوبوں کو ”پاک“ کر دے گا۔

خط کا خلاصہ کچھ اس طرح ہے: معلوم ہوتا ہے ہمیر دودو سومرہ
 کی شاہی اولاد میں سے تھا۔ سما خاندان کے قبضے کے بعد وہ سندھ سے
 باہر چلا گیا تھا۔ جب بابینہ نے دلی کی بالادستی سے سندھ کو نجات
 دلانے کے لیے کوششیں شروع کیں اور مختلف صوبوں پر حملہ کر کے
 سلطنت کو پریشان کیا، اس وقت عین الملک نے سندھ ہی کے ایک فرد

کو ان کے مقابلے میں لا کر بابینہ کی قوت اور تحریک کو ختم کرنا چاہا، تو انہوں نے ”لڑاؤ اور حکومت کرو“ کی پالیسی کو مدنظر رکھا۔

بابینہ کی اس تحریک کا مندرجہ بالا حاشیہ میں زیادہ ذکر آچکا ہے:

این مکتوب بجانب ملك الشرق افتخار الملك صاحب دیوان
استیفاء (۳) ممالك در قلم آمد۔ تا اعانت و اغاثت زمینداران
کہ بہ حلیہ اطاعت و مطاوعت متوشح بوده اند۔ و از دست
تغلب زبردستان، چون بنات النعش در اطراف جہان متفرق و
پراگندہ گشتہ، در جمیع ادیان محمود خواہد بود۔ و قلع
استیصال دعار نا بکار۔ کہ فساد را شعار و تھیج فتنہ را، دثار
خود ساختہ - نزدیک وضع و شریف و قوی و ضعیف
مستحسن خواہد نمود۔ ذات ملك صفات، خداوند ملك
ملوك الشرق والوزراء، افتخار الملك، قانع الکفر، قانع
الفجرة، ناصر الموحدين، کاسر المفسدين، قاتل البغاة، قاطع
الطغاة، حامی ارباب الصلاح، ماحی اولاد السفاح، صاحب
السيف والقلم، والی العلم والعلم، رافع رایات العدل
والاحسان، ناصب آیات الفضل والامنان، فرید الدولتہ والدین،
صاحب دیوان استیفاء ممالك - کہ مستجمع معالی سابقہ
است۔ بہ موالات اولیاء دین و معادات احزاب شیاطین موید و
موید باد۔ بحق من قال:- وتعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا
علی الاثم والعدوان۔ بندہ در گاہ عین ماہرو کہ عین اعتقاد او بہ
کحل ترفیہ عباد و تعمیر بلاد مکحول است، عین خدمت و
عبودیت در مورد اخلاص جاری گردانید و نمود کہ نہال
وجود ہمیر دودا۔ کہ از تند باد حوادث ذبول یافتہ بود۔ بہ زلال
شفقت خداوندی ملك ملوك الشرق آغاز نشو و نما گرفتہ،
متوقع آنکہ بہ فیضان رافت آن مجلس مشمر و برومند گردد۔

بیت:

نهالی، کان بدست خود، نشانی
همیشه، می ده آبی، تا توانی،
اگر آبش دهی، پیوسته ماند،
وگر، ترکش کنی، سر بسته ماند

غرض از ترتیب این مقدمات آن ست، همگنان را روشن و مبرهن است که: بانهینه (۴) علم فساد و بغی به عیوق رسانیده است و از قبله اطاعت روی گردانیده و تخریب بلاد و در آوردن مغل عادت ساخته و دین و نفس خود را به دین هوا در باخته. چنانچه يك كرت باهجوم مغل در ولایت وسیعۀ پنجاب در آمده بود، چون از عون حق، دستبرد از لشکر ملتان برو رسیده، پای کیشان بگریخت و آبروی مردانگی و جلادت در ساحت فرار بریخت. و این معنی پیش ازین به بندگی ملك الشرق باز نموده شده است. و در ولایت گجرات بعد از آن و پیش از آن چند كرت تعرض رسانیده آن حال به خدمت مولوی؟ پوشیده نیست برای قلع و قمع آن مدبر (؟) فضول - که در بغی و فساد اصل الاصول است - حسن اهتمام حضرت اعلیٰ - در طرفیه حال و استقامت کار - به همیر دودا مبذول شده است. و بشرف مراتب و تعین اختصاص یافته. و سر همه مرحمت ها آنکه، از اتفاقات حسنه، سپارش او بملك الامراء رکن الدوله والدین امیر حسن دام علوه شده است. و آن ازین جهت است که عرصه گجرات مفوض به خدمت خداوندی ملك ملوك الشرق است. و ملك رکن الحق والدین حسن برادر کهنتر و پرورده کرم خداوندی ملك الشرقی است، در حضرت اعلیٰ و جاهت و جلالت از ذات با عظمت ملك ملوك الشرقی یافته و بوقت سپارش از حضرت اعلیٰ مرحمت هم برین جمله درباره، خداوند ملك ملوك الشرقی می شد. چون این کار برین منوال ترتیب و استقامت از حضرت خدایگان یافته است، مرحمت و شفقت آن مجلس بدین اندازه

در حق ملك ركن الدين حسن منتظم شده.

بنده درگاه منتظر است، تا آن کار از دست او، به حسن ترتیب خداوندی ملك ملوك الشرق بر آید، و جمال کار آن مجلس بر آید. و در ضمن آن استقامت همیر دودا که مطلوب درگاه اعلیٰ است، دست دهد، و ساهت هر دو عرصه یکی ملتان و دوم گجرات از خبث فساد بانبهینه (۵) پاک گردد، و الا کدام عار ایشان ازین بالاتر است که، مشتی رساتیق مردود ملتان هر بار در دیار اسلام، کفار را در آرند رعایا و ذمیان دارالاسلام را به نهب و تاراج اسیر کنند و ببرند.

امید که، از عون و عنایت الهی و اقبال کامگار خدایگان آن است که، خداوند ملك ملوك الشرق ترتیب این کار چنان خواهد فرمود، که بر روی روزگار یادگار ماند بران مزید نتواند بود- زیرا که این بانبهینه (۶) مفسد هر بار مقدمان گجرات را تغلب می کند و اسیر می گرداند و کرگان به قهر و عتوت می ستاند و افتت گجراتیان که- اخترت النار لا العار- اختیار کنند اظهر من الشمس است، اما معونت و مظاهرت می طلبند. اگر خدمت ملك الشرقی ایشان را تحریض فرمایند که: شما اهل گجراتید و جان بازی را بار می دانید و بدان مباحثات و سرفرازی می کنید، چرا همچنین زیون شده اید؟ و بر دست مشتی سیماییان دون زیون شده اید؟ اگر همه جمع شوید و کمر انتقام بر میان جا استوار بندید، لشکر اسلام به معاونت شما بفرستم. امید باشد که دمار از نهاد آن فسده بر آید و کلفه عار تغلب ایشان از جبهه خویش مآب شجاعت شسته گردانید، تا در جهان این نام نیک یادگار ماند:

مرا نام باید که تن مرگ راست

به نام نکو گر بمیرم رواست

این نمودجی است، که به خدمت باز نمود شد. امیدوارم که

ہزار مقدمہ دیگر بہتر ازین خدمت ملک ملوک الشرقی خواہد فرمود۔ با این ہمہ نظر بر کرم حق باید داشت و محافظت دیار اسلام و نصرت دین محمدی پنداشت۔ و بر مقتضاء۔ ان تنصروا اللہ ینصرکم۔ منتظر فتح می باید بود، تا عروس مطلوب از آئینہ ظفر جمال بہ نماید۔ انہ علی ذلک قدیر و بالاجابہ جدیر۔

(ہذا باب) اسیر احمد فدا کہ این تعریف سبب تہلیل اوست، نیازادہ حقیقی این محب است، اورا بعین عنایت ملحوظ و بحسن ترتیب محفوظ دارند۔ و کرم خاص را در بارہ مخلص پندارند والسلام!

خط نمبر - ۹۹

اس خط میں غالباً کتابت کی غلطی کے باعث چاچکان کے بجائے ہالکان لکھا گیا ہے۔ اس کا بھی علم نہیں کہ علی گڑھ والے اصلی خطی نسخے میں لفظ کس طرح لکھا ہوا ہے۔

یہ خط بھی حکومت کی جانب سے، چاچکان پر گنہ والوں کو لکھا گیا ہے، جو جام بابینہ کی تحریف سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ تمام خطوط جو یہاں دیے جا رہے ہیں، وہ سارے سندھ کی تاریخ کے لیے بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ انھی سے اس بات کا بھی علم ہوتا ہے کہ جام بابینہ نے سندھ کی تحریک آزادی کو ایسے جوش و خروش سے چلایا تھا کہ اس سے سلطنت میں ایک زلزلہ آگیا۔ شیخ صدر الدین عارف ملتانی اور شیخ جلال الدین جہانیاں جہاں گشت بخاری دونوں کے درمیان ایک اہم سیاسی کردار ادا کر رہے تھے۔

فیروز شاہ نے جب آخری دفعہ ٹھٹھہ پر حملہ کیا تو جلال الدین کے ذریعے ہی جام جونہ اور بابینہ کے ساتھ اس کی صلح ہوئی، ہر ممکن طریقہ اختیار کرنے کے بعد بھی سندھ کی فتح نہیں ہوسکی۔ مندرجہ ذیل خط کا مطلب یہ ہے کہ:

ملتان کے گورنر نے چاچکان پر گنہ کے باشندوں کو تنبیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جام جونہ اپنے وعدہ پر قائم اور بادشاہ کا اطاعت گزار ہے، لیکن جام بابینہ عہد شکن ہے۔ شیخ صدر الدین اور سید جلال الدین دونوں فریق کے صلح کی خاطر لکھا تھا کہ اس ملک کی آمدنی فوج کی تنخواہوں اور دوسرے فوجی انتظامات میں صرف ہوجاتی ہے۔ اس لیے شاہی خزانے میں رقم نہیں بھیجی جاسکتی۔ رقم وصول کرنے کے بجائے سندھی فوج سے مملکت کی پشتی بانی کا کام لیا جائے۔ گجرات اور سکھر تک وہ کام دے سکتے ہیں۔ خراج کی صورت میں پچاس گھوڑے جن کی قیمت ایک لاکھ تنکا ہوتی تھی، بادشاہ کی خدمت میں بھیجتے رہیں گے۔ یوں لشکر رکھنے کا مقصد بھی پورا ہوجائے گا اور شاہی خزانے کی غرض بھی حاصل ہوجائے گی۔ چونکہ شیخ الاسلام صدر الدین اور شیخ جلال الدین بخاری بڑی ہستیاں ہیں، اسی لیے بادشاہ نے بھی اُن کی یہ گزارش قبول کی۔

آپ لوگوں میں سے ٹھٹھ کے کچھ مقدمین (حاکموں) نے شروع میں عہد شکنی کی۔ بطور خراج گھوڑے بھیجنے کا جو وعدہ کیا گیا تھا، وہ بھی پورا نہیں کیا گیا، اس لیے ان کو سزا دینے کے علاوہ اب اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ لیکن بہت سے مسلمان ایسے بھی تھے، جن کو ”شریروں“ کے ساتھ کوئی واسطہ، تعلق اور ہم خیالی نہیں تھی اور وہ محض کمزوری کی وجہ سے خاموش تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حملہ کرنے کا حکم نہیں دیا گیا، تاکہ غریب اور بے گناہ مسلمانوں کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ اس لیے فوج کو نہ بھیجنے کی وجہ سے فساد کرنے والوں کی ہمتیں اور بڑھ گئیں اور جام بابینہ نے مغلوں کی فوجوں کی اعانت سے ”غارت گری“ شروع کر دی۔ اس لیے اب یہ لازم ہے کہ ان ”شریروں“ کا خاتمہ کیا جائے۔

آپ چاچکان والے اگر توبہ اور مغذرت کر کے اطاعت گزار ہوجائیں تو دوسرے مسلمانوں کے ساتھ محفوظ رہیں گے اگر یہ نصیحت اور نہیں مانو گے تو پھر ”قہر اور غضب“ تلے دب جاؤ گے۔ حملے کے وقت گناہ گار

اور بے گناہ کا فرق مٹ جاتا ہے۔ آپ کا خون بہے گا اور آپ کی عورتیں اور بچے گرفتار ہوں گے۔ تلوار کسی کو امان نہیں دیتی۔ آپ مسلمان ہیں اس لیے اسلامی شفقت کے مد نظر آپ کو ہوشیار کیا جاتا ہے۔ اگر پہلے سے سعادت کی توفیق ہو جائے تو جس طرح دوسرے اطاعت گزار مسلمان محفوظ رہیں گے، اسی طرح آپ کی جانیں اور مال بھی سلامت رہیں گے۔ لیکن اگر آپ لوگوں نے جنگ کے دوران معافی مانگنا چاہی تو فوجی اس کو قبول نہیں کریں گے۔ اگر فی الحال کمزوری کی وجہ سے آپ ان (شریر) لوگوں سے جدا نہیں ہو سکتے تو جس وقت ہماری فوجیں سہوں پہنچیں اور ٹھٹھ کا لشکر مغلوب ہو جائے تو آپ ”لشکر اسلام“ کے ساتھ آکر شریک ہو جائیں۔

اس اعلان کے بعد، جو اسلامی ہمدردی کی غرض سے کیا گیا، ہم اپنے فرض سے عہد برا ہو گئے، اب آپ کو اختیار ہے کہ دنیا اور عاقبت کی بھلائی کے لیے جس طریقے کو بہتر جانیں، اس کو اختیار کریں۔
این پروانہ ہالکان در قلم آمد۔

مقدمان ہالکان (۷) کہ خدا شاہد اطاعت اولی الامر را بہ ایشان روی گرداناد و سر معنی - اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول والی الامر منکم - بہ گوش ہوش شان رساناد۔
بدانید کہ: جام جونا کہ مالک الملک او را بر جادہ رشاد دارد، و از بیداء نقض موافق بہ صحرائ بقای عہود آرد، و بحلیہ اطاعت و فرمان برداری و زیور مطاعت و خراج گذاری، زیب و زینت دہد۔ و بانہینہ کہ خسار را شعار و ادبار را دثار خود ساختہ است، و در نقض عہد خود، کہ در جمیع ادیان محرم است، اقدام نمودہ، و از حدیث نبوی - ما نقض قوم العہد الاوسط اللہ علیہم عدوہم - غافل بود، شیخ الاسلام قدرۃ الانام صدر الحق والشرع والدین - کہ صدر صفۃ شریعت و رکن کعبہ قوت است - وسید جلال الدین بخاری را - کہ اخلاق او معجزۃ باقی حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم

است- درمیان آورده بودند. و چنان عرضداشت محمول کردند کہ:

ولایتی کہ در تصرف داریم ہم وقت در وجہہ چشم ہا و خدمت ہا درین دیار بمصرف میرسد، و بخزانہ موفور چیز واصل نمی شود، اکنون مابندگان رعایا فرمان برداریم و از راہ معنی لشکر اسلام ہستیم ہر چہ درین حدود این لشکر میکرد، بکنیم. تا گجرات و سکر ہر جا کہ بمعنی فرمان رسد، اطاعت بنمائیم. و پنجہ سراسپ کہ قیمت آن يك (۸) تنکہ باشد بہ بارگاہ برسانیم. ہم غرض لشکر و ہم غرض خزانہ حاصل باشد. چون شیخ الاسلام و سید جلال الدین مخصوص اند، بر مبناء حسن ظن کلمات مموء ایشان را، راست پنداشتند و ایشان را مسلمان انگاشته، خداوند عالم بہ کرم عمیم، عرضداشت ایشان را بہ عز اجابت مقرون گردانید و بہ امن و امان اختصاص داد.

ایشان یعنی بعضی مقدمان تہ ہم در مبدأ کار بہ سیہ کاری و نقض عہد بر مبناء- اولہ اکدر- دزدی پیش نہادند، و اسپان کہ قبول کردہ بودند، نفرستادند و در سلك- الذین یتقضون عہداللہ من بعد میثاقہ و یقطعون ما امر اللہ بہ ان یوصل ویفسدون فی الارض اولائك ہم الخاسرون- منسلك شدند. بہ سبب این نقض عہد، بر بندگان دولت واجب بود، از مکافات بر ایشان رسانند. و چنان تدارک کنند کہ انتباہ و اعتبار حاصل آید. و از تیغ آتش بار، دمار از نہاد آن خاکساران بر آرند. و چون ایشان خون بر خاک خواری بہ بینند، باد نخوت کہ در دماغ ایشان جا گرفته است، بہ ضرب و طعن برون آید، اما چون جماعت مسلمانان از صغار و کبار و عبید و احرار، کہ در این سر، با این مخالفان نہرند، و بہ حکم عجز میان ایشان مانده اند، و حکم

والمستضعفين من الرجال والنساء والولدان الذين يقولون ربنا اخرجنا من هذا القرية الظالم اهلها- گرفته اند، بنا برین به محار و به مقاتله و استیصال آن دیار، حکم نشد. نباید به مسلمانان که به عجز مانده اند مضرت رسد. سبب حلم و اغضاء مدار ابقا بر این طبقه اشرار این بوده است. این کوته نظران را بر تزویر جرأت و جسارت زیادت شد و بانهینه در دار اسلام ما بالشکر مغل به غارت و تاراج در آمد و نفوس و اسوال مسلمانان تلف و هدر کرد، و من حیث الشرع در سلك قطاع طریق منسلک و نشانه تیر- انما جزا والذين يحاربون الله ورسوله ويسعون في الارض فساداً ان يقتلوا او يصلبوا او تقطع ايديهم وارجلهم من خلاف او ينفوا من الارض- گشت و عاقبت این نیز و دیگری عاقبتیان به قتل خواهند رسید- چه خلاف بر کلام مجید و فرقان حمید- لا یاتیه الباطل من بین یدیه ولا من خلفه تنزیل من حکیم حمید- تصور ندارد. و سنت الهی برین است که هر شری که از کسی واقع و سانس می شود، در و امهال باشد نه اهمال. کما قال عز من قائل- و أملى لهم ان کیدی متین- اکنون حمیت اسلام برین باعث است که، اطفاء این نائرة فساد به تیغ آبدار گردد و بالشکر های اسلام در قلع آن مدابیری تدبیر ناقص عهد قطاع طریق متوکلا علی الله و معتصما بحبل عنایت- کمر جهاد بسته شود. شما که هالکانید (۹) اگر به توبه گرائید! و به استغفار و اعتذار آئید! با مسلمانان دیگر به امن و امان اختصاص یابید! و از نهب و تاراج ایمن باشید. و اگر سر غفلت و ادبار این کلمات موعظت را به سمع انقیاد و امثال نشنودید! و بر موجب این پروانه نروید! چون لشکر اسلام، به قهر و غلبه شمشیر انتقام کشیده در آید، و به قتال و محاربت مشغول شود، در آن محل، میان بری و جانی فرق ممکن نباشد، و از تیغ امان نیابد،

خون شما ریخته شود! و زن و بچہ شما اسیر و دستگیر گردد! و
بر مسلمانان بدی رود کہ نہ لایق حال مسلمان است. از راہ
شفقت اسلام شما را اعلام ارزانی داشته شد. اگر پیش از
وقت، سعادت توفیق رفیق حال شما گردد، حکم شما و حکم
مسلمانان مطیع یکی باشد. و نفوس مصئون و اموال معصوم
مانند- ان احسنتم احسنتم لأنفسکم وان اسأتهم فلها- و اگر در
زمان قتال بر زبان عجز و ابتهال پیش-آرید و خواهید کہ در
حضرت اسلام تحصن جوئید! چون طعن و تیغ درمیان باشد،
اہل لشکر این معنی قبول نکنند! و بر مقتضاء شعر:

یذکرنی حمیم والرمح شاجر
فہلا تلا حمیم قبل التقدم

بہ زبان تیغ جواب گوید. و اگر گوئید کہ کار از میان ایشان،
بیرون آمدن سبب عجز ممکن نبود، چون لشکر ہا برای قلع
آن مدابیر در سیوستان رسد و مقدار تہ مغلوب گردد، شما بہ
لشکر اسلام پیوندید.

برین اعلام کہ از روی شفقت اسلام کردہ شد، خارج عہد
شدیم ہر چہ صلاح دنیا و عقبی خود می دانید بکنید، والسلام
علی من اتبع الہدی!

خط نمبر - ۱۳۳

مندرجہ ذیل خط ملتان کے صوبہ دار (غالباً ماہرو) ٹھٹھہ کے سمہ
حکمران کے لیے کسی خط کی جواب میں لکھا ہے۔ یہ خط بے حد اہم
ہے، اس کو پڑھ کر سندھ اور دلی کے درمیان ہونے والی سیاسی کشیدگی
کی مکمل خبر ملتی ہے۔

سمہ حکمران کا نام نہیں دیا گیا ہے، لیکن عبارت سے معلوم ہوتا ہے
کہ یہ خط جام جونہ (۲-ب) کے لیے لکھا گیا ہے، جو کہ پہلے جام بابینہ
(۲-الف) کے ساتھ حکومت میں (۵۳-۵۷۸ھ) شریک تھے اور دوسری

مرتبہ (نمبر ۴) خود سندھ کے حاکم (۷۲-۷۹۱) ہوئے۔ اس خط میں مغلوں کے حملے کا ذکر ہے جو کہ بابینہ اور جونہ کے دور میں، ان کی مدد کے لیے ملتان اور گجرات میں گھس آئے تھے۔ خط میں بابینہ کی سندھ میں موجودگی ظاہر کی گئی ہے۔ لکھنوتی (بنگال) میں فیروز کی وفات کی افواہ کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے اور کہا گیا ہے کہ بادشاہ کی وفات کی خبر سن کر جام سرکشی پر اتر آئے اور ملتان پر حملہ کیا۔

یہ واقعات بتاتے ہیں کہ، خط کا مخاطب جام جونہ ہے اور یہ خط اس وقت لکھا گیا، جب فیروز شاہ سندھ پر حملہ آور نہیں ہوئے تھے۔

سلطان فیروز نے دو دفعہ بنگال پر حملہ کیا، پہلی دفعہ ۵۴-۷۵ھ میں (۱۰) سلطان شمس الدین الیاس شاہ کے خلاف اور دوسری دفعہ مندرجہ بالا سلطان کے فوت ہونے کے بعد اس کے بیٹے سکندر شاہ کے خلاف (۱۱) سال ۷۶۱ھ (۱۳۵۹ء) میں کیا۔

اسی دوسرے حملے کے لیے فیروز ۷۶۱ھ میں دلی سے روانہ ہوئے، جب ناکام ہو کر واپس ہو رہے تھے، تو راستے میں جاج نگر (موجودہ اوڑیسہ) میں ہندوؤں کے مندر (پوری جگن ناتھ) کو برباد کرتے ہوئے چھوٹا ناگ پور کا راستہ اختیار کیا۔ ناگ پور کے گھنے جنگلوں میں راستے سے بھٹک گئے اور چھ مہینے تک ادھر ادھر بھٹکتے رہے، چون کہ اُس کے متعلق کوئی اطلاع نہ تھی، اس لیے سلطنت میں انتشار پیدا ہوا۔ سب کو یقین ہو گیا کہ سلطان مرجکا ہے۔ دلی میں اس حد تک خرابی پیدا ہوئی کہ بقول ہیگ: خان جہاں مقبول (وزیر اعظم اور نائب سلطنت) کے لیے انتظام برقرار رکھنا جنگال اور محال ہو گیا۔ (۱۲)

معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط بنگال کے ۷۶۱ھ والے دوسرے حملے کے بعد لکھا گیا۔ جب سلطان فیروز کی وفات کی افواہ مشہور ہوئی تو جاموں نے وقت کا فائدہ اٹھا کر آزادی کی تحریک کو از سر نو شروع کیا اور اپنی فوجیں ملتان کی حدود تک کھڑی کر دیں۔ سہون میں بھی جھوٹے جھوٹے حملے کر کے لوگوں میں بیداری پیدا کرنے کی کوششیں کیں۔ خط کا صحیح سال ۷۶۲ھ مقرر کیا جاسکتا ہے، کیونکہ بنگال کی

دوسری مہم سے بحفاظت لوٹنے کے بعد، فوراً سال ۷۲۳ھ میں سلطان فیروز نے سندھ پر پہلا حملہ کیا۔ (۱۳) ہم ذیل میں اس خط کے سندھی (اب اردو) خلاصے کے ساتھ اس کی فارسی اصل بھی دے رہے ہیں۔ اہمیت کے لحاظ سے یہ خط غور و فکر کے ساتھ پڑھنے کے لائق ہے۔

آپ کی عرض داشت موصول ہوئی، جس میں متضاد باتیں لکھی گئی ہیں، یعنی آپ نے اس میں اپنی اطاعت گزاری کے دعوے کے ساتھ شیخی اور خود ستائی کو بھی شامل کر دیا ہے۔ تکبر کے لہجے میں خاکساری کے فقرات لکھے ہیں۔ نیکی اور برائی کو ایک ساتھ کر کے قبول نہ کرنے والی توجیہات اور نامعقول تاویلات کو بھی اکٹھا کر دیا ہے۔ خط میں جو معاملات لکھے گئے ہیں، ان سے ہر ایک کا تفصیلی جواب آپ کو دیا جا رہا ہے۔

اطاعت اور فرمان برداری کے سلسلے میں مستقل مزاجی اور اپنی ثابت قدمی بیان کرتے ہوئے آپ نے بہت زیادہ مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے۔ یہ بات اچھی نہیں ہے۔ آپ کے دعوے اور قول آپ کے عمل اور کردار کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتے۔ آپ نے مسلمانوں کے اس ملک میں جو کہ اعلیٰ حضرت (بادشاہ) کے قلم رو میں ہے، مغلوں کی جماعت کو بلایا جنہوں نے مسلمانوں کی جان تلف کی اور ان کا مال لوٹا اب اسی سلسلے میں جھوٹی دلیل اور واہیات تاویل پیش کر رہے ہو واہ کیا اچھی اطاعت ہے۔

آپ نے لکھا ہے، کہ منجھوٹ (؟) کے مقدمات کے بارے میں جو آپ کے عزیز ہیں، اعلیٰ حضرت (بادشاہ) کا فرمان سہوں کے فوج داروں اور گماشتوں کے نام صادر ہوا تھا کہ ان مقدمات کی زمین اور ملکیت ان کو واپس کی جائے۔ لیکن ان عہدے داروں نے اس حکم کی اطاعت نہیں کی، جس کی تعمیل کی خاطر آپ نے اپنی فوج بھیجی، جس پر فوج داروں نے جنگ کا ارادہ کیا، لیکن آپ کی فوج نے مقابلے کی جہالت سے پرہیز کر کے گفت و شنید کے ذریعے فوج داروں سے فرمان کی تعمیل اور جھگڑا نہ کرنے کا وعدہ کیا اور جس صورت میں وہ عاجز ہو گئے، تب آپ کی

فوج نے جنگ سے پرہیز کی اور واپس ہوئی۔ فوج کے آنے جاتے سہون اور سکھر کی رعایا کو کوئی بھی نقصان نہیں پہنچا۔ اگر کوئی بھی شخص اس کے خلاف بولتا تو بلاشبہ اس کی جانچ پڑتال کی جائے۔ آپ اپنے اوپر دیے گئے بیان میں کس قدر منصف مزاج اور سچے لگتے ہیں؟

اسلامی حکمران کے ملک میں مغلوں کو ساتھ لے کر رعایا اور فوج داروں کے بچوں، عورتوں اور مال و دولت کو لوٹنا شروع کیا۔ یہ سب کچھ فرمان شاہی کے تعمیل میں ہوا؟ پھر لوٹ مار کے معاملے میں مغلوں اور بابینہ کے درمیان جو اختلاف ہوا وہ کسی سے چھپا ہوا نہیں ہے۔ اس کے باوجود آپ یقین دہانی کرواتے ہیں کہ آپ کی بات سولہ آنہ صحیح ہے، آپ نے رعایا کے ساتھ کوئی تعرض نہیں کیا اور لڑائی جھگڑے سے دور رہے۔

بابینہ نے سہون کے قلعے کے ماتحت فوج داروں کو، اپنی فوج کا استقبال کر کے انھیں قلعہ تک لے جانے کے لیے جو خط لکھا تھا، وہ بھی آپ کی سچائی اور اطاعت کا کھلا ثبوت ہے؟ العیاذ باللہ۔ مکاری کی ایسی باتیں کرنے سے کیا فائدہ؟ آپ نے خود سری سے کام لیا اور جب تمہیں کوئی بھی دلیل اس کی تائید میں نہیں ملی، تب باتوں کے ڈھیر لگادیے!

اعلیٰ حضرت (بادشاہ) کی طرف سے اس صوبے کا امیر میں ہوں، فوجیوں کی نافرمانیوں سے متعلق آپ کا جو دعویٰ ہے، وہ اگر سچا ہوتا تو آپ پہلے مجھے اطلاع کرتے اور انصاف مانگتے، سچائی اور اطاعت کی یہی صورت تھی۔ آپ سچ کیوں نہیں بولتے، کیا آپ نے سمجھا تھا کہ اعلیٰ حضرت (بادشاہ) لکھنوتی (بنگال) میں وفات پاچکا ہے؟ اس لیے آپ نے بے پرواہ ہو کر اپنی فوج کو حملہ کرنے کے لیے ملتان بھیجا؟ میرا دل تو یہ چاہتا تھا کہ آپ کے خط کا قلم کے بجائے تلوار سے جواب دوں، لیکن شریعت کا حکم ہے کہ جب رعایا فرمان برداری کا راستہ چھوڑ دے تو پہلے ان کو نصیحت سے سمجھایا جائے اور شکوک و شبہات دور کیے

جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں یہ خط لکھا رہا ہوں۔

آپ اگر فرمان بردار ہیں، اسی طرح جیسے پہلے گورنروں کے خاص طور بہرام (۱۴) کے تھے، تو اب بھی اسی طرح اطاعت گزار ہو جائیں۔

سبحان اللہ! اپنی بیٹیاں شاہی حرم سرا میں داخل کر کے اطاعت کا اقرار کیا جاتا ہے، پھر ایسی شوخی اور شیخی دکھائی جاتی ہے! ہندو راجہ جو مشرک ہیں وہ لڑکیوں کو بھیجتے ہیں۔ لیکن وہ اس طرح دغا بازی اور مکاری سے کام نہیں لیتے، وہ ہندو ہیں مگر مکر اور دغا بازی کرنے سے ان کو شرم آتی ہے۔ تم لوگوں کی صورتحال یہ ہے کہ تم مسلمان ہوتے ہوئے بھی غداری کرتے ہو اور پھر اس کو چھپانے کے لیے جھوٹی دلیلوں سے کام لیتے ہو، یعنی۔ تندر گناہ بد تراز گناہ۔ اگر اس طرح کا مسخرہ پن جاری رہا تو ایک دن اس کی سزا آپ کو ضرور بھگتنا پڑے گی۔

تم لوگوں نے لکھا ہے کہ تمہاری فوج جنگ کرنے سے پرہیز کرتی ہے، تمہارا یہ دعویٰ بھی جھوٹا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ جنگ سے بچنے کی اصل وجہ کیا ہے، ہمارے لشکر نے جب فسادوں کا پیچھا کیا تو جام بابینہ اپنے آدمیوں کو لے کر راتورات ٹھٹھ بھاگ گیا۔ اگر بہادر اور ہمت والا جوان ہوتا تو خود مقابلہ کرنے کے لیے ٹھہر جاتا۔ اپنی فوج کی مدد کیوں نہیں کی۔

آپ نے لکھا ہے کہ ہم خود غرض لوگوں کی باتوں پر بغیر تحقیق کے کوئی قدم نہ اٹھائیں۔ ہم نے یہ بھی کر کے دیکھا، لیکن کسی ایک بھی شخص نے آپ کی موافقت میں ایک لفظ نہیں کہا۔ اتنے سال تک تم لوگ اعلیٰ حضرت (بادشاہ) کے پہلو میں آرام، آسائش سے سکھ کی نیند سوتے رہے، لیکن آپ آخر میں شدید ابن الوقتی کے باعث اس نعمت کی قدر نہیں کر سکے اور اپنے امن و امان کو ایک ہی داؤ میں ہار بیٹھے۔

فوج داروں کو تنبیہ کرنے سے ہم نے اس لیے کنارہ کیا تاکہ مسلمانوں کو نقصان اور تکلیف نہ ہو۔ اگر حقیقی اور اعیانی بھائیوں کو

قتل کرنا اور مسلمانوں کی جان و مال کو تباہ کرنا مسلمانی ہے تو پھر کفر کو کون سا نام دیا جائے؟

اگر آپ کے منشی کو معقول اور منقول کا علم ہوتا تو اس قسم کی باتیں لکھنے سے پرہیز کرتا اور تمہیں نیک مشورہ دیتا۔ یا تو وہ علم و عقل سے عاری ہے یا اتنا کمزور ہے کہ تم جس طرح اسے کہتے ہو وہ آپ کی بھلائی برائی کا خیال کیے بغیر بلا چوں و چرا لکھ دیتا ہے۔ خط میں جو باتیں لکھی گئی ہیں، اگر وہاں کے عقل مند انسانوں کے مشورے کے بعد لکھی جاتیں تو زیادہ بہتر ہوتا۔ اگر خود آپ میں عقل اور شعور ہوتا تو قرآن کے حکم کے مطابق اپنے آپ کو اس طرح رسوا نہ کیا ہوتا۔ اچھا تھا کہ آپ صاف صاف لکھ دیتے کہ نفس امارہ نے ہمیں بہکا دیا اس لیے یہ سویا ہوا فتنہ جاگ اٹھا۔

آپ نے یہ اطلاع دی ہے کہ ہمارے لشکر نے مسلمانوں کو غلام بنا کر بازار میں فروخت کیا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ ایسے مسلمانوں کا قتل از روئے شریعت جائز ہے جو مسلمانوں کے ملک میں گھس آئیں اور جو ڈاکو ہوں۔

حالانکہ ان مسلمانوں کو بھی فروخت کرنا جائز نہیں، جن کا اسلام صرف ظاہری ہو۔ میں نے کوئی بھی اس قسم کا حکم نہیں دیا۔ وعدہ خلافت کے سبب تم لوگوں پر جنگ کی مصیبت کے متعلق تم جیسے دشمنوں کا قول، علم و عقل کے لحاظ سے کوئی بھی وقت نہیں رکھتا۔ تاریخ میں ڈاہر کی بیٹیوں کی مکاری اور دغا بازی کا واقعہ مشہور ہے۔ اس قسم کی مکاری اور دغا بازی اور افترا پردازی تم سندھیوں کی عادت اور رواج ہے۔ آپ نے مسلمانوں کے ساتھ جو شرارتیں منسوب کی ہیں، ہم ان پر اعتبار نہیں کر سکتے۔ تاہم میں جب سہون آیا تو ان کے بارے میں پڑتال کروں گا اور شریعت کے مطابق حکم صادر کیا جائے گا۔

اتنے نامعقول اور ناشائستہ افعال کے باوجود جن کا ذکر مذکورہ بالا سطور میں کیا گیا ہے، آپ کہہ رہے ہیں، کہ آپ پر تعریض کی گئی

تھی۔ اگر تعریض کے معنی آپ کی سمجھ میں نہیں آتے تو کسی عالم سے پوچھیے۔

اور یہ جو آپ نے لکھا ہے کہ آپ کے پاس بڑی جمعیت ہے، اگر ہمارا لشکر دوبارہ آیا تو اپنے کیے کی سزا بھگتے گا۔ کان کھول کر سن لو کہ آپ کی بڑی فوج کی ہمیں کوئی فکر نہیں ہے! شکار جتنا بڑا ہوتا ہے اتنے ہی زیادہ تیر اسے لگتے ہیں۔ ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ ملتان کی فوج یا ”اسلام کے لشکر“ کے مقابلہ میں ”ٹھٹھہ کے کسانوں“ کی کیا حیثیت ہے۔ لیکن ہم نے ان پر کوئی تکیہ نہیں کیا، ہمیں ان پر کوئی بھروسہ نہیں ہے۔ ہمارا بھروسہ صرف خدا پر ہے۔ آپ کی فوج بڑی ہو یا تعداد میں چاہے کتنی زیادہ ہو۔ جس صورت میں وہ حق پر نہیں بلکہ باطل پر ہے اس لیے وہ یقیناً ہار جائے گی۔ اور گرفتار ہوں گے کیونکہ آپ نے عہد توڑے ہیں حدیث نبوی گواہ ہے۔

تمہارے دماغ میں غرور و تکبر بھر گیا ہے۔ یہ چیز تمہارے لیے نقصان اور تباہی کا باعث بنے گی۔ تمہیں سوچنا چاہیے کہ گزشتہ زمانے کے صوبہ دار کتنے جابر تھے۔ خاص طور سے بہرام جس کے مطیع نوجوان اور بوڑھے تھے۔ (۱۵) تم کو اپنی حیثیت نہیں بھولنی چاہیے۔ چھوٹے منہ سے بڑی بات زیب نہیں دیتی۔

تم نے لکھا ہے کہ گجرات کا صوبے دار اور سہون کا گماشتہ (نائب) ہر بات پر الزام تمہارے سر رکھ دیتا ہے اور تہمتیں لگاتا ہے، لیکن وہ خط جو بابینہ نے قلعة سہون کے ماتحت فوج داروں کو لکھا تھا، اس میں تمہاری ہی مرضی شامل تھی اور تم ہی نے لکھوایا تھا۔

بہر حال ہمارے آدمیوں نے آکر بتایا ہے کہ جام تو اچھا شخص ہے لیکن یہ تمام فتنہ ٹھٹھہ کے ارباب کا پیدا کردہ ہے۔ درحقیقت یہ بھی جام ہی پر الزام ثابت ہوتا ہے، کیونکہ اس نے ٹھٹھہ کے ارباب کو خود پر اتنا مسلط کیوں کر دیا ہے۔ جو شخص مضبوط ارادوں کا مالک ہوتا ہے، اس کے حکم سے، اس کے بیٹے یا بھتیجے سرتابی نہیں کر سکتے!

خیر قصہ مختصر تم اطاعت اور فرمان برداری کو اپنا شعار بناؤ،

تاکہ امن و امان کے لباس سے تمہاری زیب و زینت بڑھے۔ والسلام علی من اتبع الهدی۔

مندرجہ بالا خط سے اس وقت کے سندھ کی سیاسی صورت حال کا علم ہوتا ہے۔ سندھ کے اندر غیروں کے خلاف جو بے چینی، بے قراری اور نفرت و مخالفت تھی، وہ خط کے ایک ایک لفظ سے ظاہر ہوتی ہے۔ خط سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سندھ میں ظالم، جابر اور بے رحم صوبہ دار مقرر کیے جاتے تھے۔ دلی کے لشکر کو ”لشکر اسلام“ تصور کیا جاتا تھا اور اپنے حقوق مانگنے والے مسلمانوں کو جھوٹا، بد عہد، دغا باز اور کافروں سے بھی بدتر سمجھا جاتا تھا۔ یہ ”سلطانی ذہنیت“ محکوموں کے لیے اس وقت بھی زیر عمل تھی۔ سلطان کی حرم سرا کے لیے لوگوں کی بیٹیاں اور بہنیں زبردستی لی جاتی تھیں۔ ایسی عقوبت اور تعدی کے بعد بھی یہ امید کی جاتی تھی کہ لوگ بے غیرت ہو کر ان کے ساتھ وفادار رہیں اور ان کے اقبال کے دعا گو رہیں۔ اس خط میں اسلام کو کس طرح استعمال کیا گیا ہے، وہ قابل غور ہے۔ خط کا فارسی متن کچھ یوں ہے:

مکتوب علیہ نامعلوم

عرضداشت ایشان کہ مشتمل الضدین و محتمل التقیضین
بود، اعنی کلمات تصلف و خود ستائی را، در ذکر اطاعت بر
سیل زبان آرائی امتزاج داده عنان سخن فراکشاده و مقدمات
تواضع از ناصیہ تکبر آویخته و خیر و شر بہم آمیخته و بہ
تعبیرات نا مقبول و تاویلات مجہول دران بار داده، رسید۔ بر
مضامین آن اطلاع شد ذکر ہر یک چیز، کہ در مکتوب شما
مسطور بود، بہ تفصیل نبشتہ (۱۶) می آید۔ آن کہ، در ثبات و
رسوخ اطاعت خود مبالغہ نمودید، این معنی نیکو نیست!
اگر مقال و آثار موافق افعال و کردار شما از زمرہ آنان باشد
کہ۔ یحبون ان یحمد وبما یفعلوا۔ چہ در ولایت مسلمانان کہ
در تحت تصرف بندگان در گاہ است، مشتی مغلان در آمدہ و
نفوس و اموال ایشان در تلف و ہدر انداختہ و بہ تاویلات فاسدہ

حجج واحضہ پیش می آئید۔ زہی مطاوعت! ونبشته اید کہ: فرمان اعلیٰ نفذہ اللہ در باب مقدمان منجھوت (؟) کہ اقربای اقرب ما اند۔ بر شحنگان و گماشتگان سوستان صادر شدہ بود کہ: زمین خلق و املاک ایشان بدیشان تسلیم نمایند۔ چون مقدمان و شحنگان و گماشتگان فرمان اعلیٰ بہ امتثال نرسانیدند برای نفاذ احکام فرمان ہمایون، جمعیت خود روان کردیم شحنگان جدال و خصومت بنیاد نہادند، جمعیت ما از وحشت احتراز کردہ، و بر ایشان اعلام کردہ آمد، بعد گفت و شنود، شحنگان قبول کردند کہ: بر قضیہ فرمان اطاعت نمائیم و بعد ازین وحشت و مخاصمت نکنیم۔ چون ایشان بہ عجز پیش آمدند بہ ضرورت از خصومت اعراض کردہ شد، و جمعیت ما باز گشت و آمد۔ و در آمدن رفتن، خلق ولایت سوستان و سیکر (۱۷) را ہیچ مضرت نہ رسانید و اگر کسی بر عکس باز نماید، درین پاس تفحص شود۔ مقرر باد، برین جواب ہا کہ شما نبشتہ اید - مردمان منصف و راست گوئید! چہ مغل کہ در دیار پادشاہ اسلام در آورده اید، برای اقیاد فرمان است؟ و آن کہ خلق و زن و بچہ شحنگان و مواشی و ذخائر و دفائن کہ ایشان پیش کردند، بر دید و مخالفتی کہ برای تاخت و غارت، میان مغلان و بانہینہ شدہ بود، پوشیدہ نمادہ است صدق این است، کہ تعرض نہ رسانیدہ اید! و از خصومت اعراض کردہ اید۔ و مکتوبی کہ بانہینہ بر شحنگان اوان حصار سوستان - والعیاذ باللہ منہا۔ نبشتہ بود، آن نیز بر اخلاص و اطاعت شما شاہد عدل است۔ مثل این کلمات مموہ حصہ عرضہ دارد؟ چون کاری بہ تغلب کردہ اید، بہ حجت درماندہ چرا تمسک می کنید؟ بیت!

ہم بستہ خود بتار، ہم نای زنی
ممکن نبود دو دم یک جای زنی

وامیر و حاکم مطلق العنان از جهت خداوند عالم- خلد الله
ملکه و جعل اقالیم العالم ملکه- منم! اگر دعوی شحنگان
راست بودی، اولاً کیفیت برمن نبشتید و منصفان می
طلبید راه اخلاص و اطاعت این بودی لیکن نیکو سره
بگویند که، خداوند عالم را در کثف باری عز اسمہ در لکنوتی
شنیده بودیم لشکر ملتان روان کرده دانستیم که بنا بران دیگ
سودا برسانیدیم و مالیخولیا می پختیم. ع:

سوادت پختم ای جان، سرمایہ ہم زیان شد!
بر مقتضای کلام- العدی ضرب من الہذیان- می خواستم که
جواب شما بزبان قلم ندهم که، ع:

السيف اصدق انباء من الكتب
اما چون، سنت الہی جاری است کہ اگر رعیتی از جادہ فرمان
برداری منحرف شود او را اطلاع نمایند و کشف شبہ کنند بنا
بران بر شما در قلم آمد. اگر فرمان بردارید چنانچہ در وقت ولایہ
ماضیہ، خاصہ بہرام را کہ بہ نسبت بندگان در گاہ اعلیٰ چہ
باشد حدیث و مسن اطاعت می کردند، همچنان اطاعت
کنید. بیت:

گر راست روی! ہر آنچه ما راست، تراست
ورنی! تو بگو، نفاق بپہودہ چراست
سبحان اللہ! دختران را میان پرستاران حرم فرستید و دم اطاعت
زنید! بعدہ همچنین مکابره کنید! رایان ہندو مشرک کہ
دختران فرستادہ اند بہ غدر و خداع نفرستادہ و بد حرکتی اقدام
ننمودہ- آنها کہ ہندو باشند، از مکر و غدر شرم دارند.
و جبلت شما کہ خود را مسلمان می گویانید و بر فساد مکابره
حجت می گویند! این عذر خواستن بدتر از گناہ است. و چون
این نوع استہزا است بر مقتضای- جزاء سیئۃ مثلہا- سزا
خواہید یافت.

وآن کہ نبشته اید کہ: جمعیت ما از خصومت اعراض کرده. آن نیز همچنین است سبب اعراض کردن معلوم است. چون لشکر ما در تعاقب آن مخاذیل است، بانبیہنہ چہ نوع با کسان از سوسستان یک شب میانہ تہ رفت. اگر جلالت و مردی داشت چرا بر سر انگشتان نہ نایستادہ؟ و سپاہ خود را نصرت نکردہ؟ بیت:

جولان گردی سمندش این بود؟

انداختن کمندش این بود؟

و آنکہ نبشته اید: کہ سخنان اصحاب غرض پیش تفحص مسموع نفرمایند. این معنی همچنین بود و سخن کسی در حق شما جای نیافت. چندین سال در ظل رافت خدایگان آسودہ و خوش غنودہ بودید. اما از غایت ابن الوقتی نظر و قدر آن نعمت نشناختید و امن و امان خود را بہ یک داو باختید. بیت:

سالها جام جم بہ دست تو بود

چون تو نشناختی! کسی چہ کند

تنبیہ شجنگان، بہ سبب نقصان و مضرت مسلمانان اختیار نکردیم. و اگر مسلمانی کشتن برادر اعیانی و برادر حقیقی و نہب و تاراج نفوس و اموال مسلمانان است، خود کفر کدام است؟- بئس ما یا مرکم بہ ایمانکم ان کنتم مؤمنین-

اگر نویسنده شما را در مقول و معقول شعور بودی! در شروع، از نبشتن این چنین کلمات، منحرف شدی و شما را تنبیہ کردی- یا خود او درین کار خردی و خبرتی ندارد یا آنچه او را نبشتن می فرماید، صلاح شما نمی بیند، بہ عجز و اضطرار نمی نویسد- این چنین سخنان بہ مشورت دانشمندان و دانایان آنجا نبشتی، بہتر بودی. و خود اگر دانشمند و دانا بودی، آن جا سکوت اختیار نکردی و در زمرہ- انما جزاء الذین یحاربون اللہ

ورسوله ويسعون فى الارض فساداً ان يقتلوا او تقطع ايديهم و
 ارجلهم من خلاف- خود را منسلك نگردانیدی!
 اما لایق تر این بود، که شما راست می نبشتید نفس اماره
 برین آورد که براین چنین معصیتی مرتکب شویم و فتنه خفته
 را بیدار کنیم و دران قسم در آییم که- الفتنة نائمة لعن الله من
 ایفظها-

و آن که تعریفی کرده بودید که: لشکر شما مسلمانان را برده
 کرده و در بازار فروخته است. جواب این آنست که: کشتن
 این چنین مسلمانان که در دار اسلام در آید، و حکم قطاع
 طریق گیرند، من حیث الشرع جائز است - اما فروختن
 مسلمانان اگرچه در ایشان اسلام صوری باشد، جائز نه. و من
 این معنی نفرموده ام. و نیز سخن شما که اعدائید، در حق غزاة
 که بعد آن تقض عهد در ولایت شما بر سبیل مکافات در
 آمده، از روی خرد و خیرت مؤثر نیست، و اعتماد را نشاید.
 چه حکایت مکر و خداع دو دختر رای داهر- که رای بزرگ
 تر ازو در سند نبود- در تاریخ داهر چچ (۱۸) مسطور، و میان
 عامه خلق دیار سند مشهور است. و آن این است که: دو
 دختر رای داهر از حرم او گرفتار آمدند و امیر محمد قاسم ثقفی
 ایشان را به دست خادمان حبشی به حضرت بغداد فرستاده
 بود، و خلیفه وقت ایشان را به خواجه سرایان بداد که تیمار
 داشت ایشان کنند تا شائسته شبستان شوند. بعد از مدتی
 خلیفه یاد آورد و خواست تا یکی از ایشان را خدمت فرماید.
 هر دو به يك زبان گفتند بقا با خلیفه را که ما بندگان شایان
 شبستان شاه نتوانیم بود، که امیر عماد الدین محمد قاسم ما را
 سه روز نزدیک خود داشت، بعده به خدمت دار الخلافه
 فرستاده. این چنین فضحی پادشاهان روا ندارند. خلیفه را
 دران لحظه غلبه توقان بود، امکان تفحص و تجسس نداشت.

دوات و قلم و کاغذ بخواست و فرمان به خط خود تمهید کرده: محمد قاسم به هر موضع که رسیده باشد باید که خود را در (چرم) خام گیرد و به دار الخلافه مرجعت نماید! محمد قاسم را چون فرمان به شهر "اودا پر" رسید بفرمود: تا او را در (چرم) خام گرفتند و در صندوق نهادند و باز گشتند. دوم روز جان به حق تسلیم کرد. چون صندوق به خدمت خلیفه بردند و حال او باز نمودند، خلیفه فرمود که: زنده است یا مرده؟ گفتند: خلیفه را عمر دراز باد! در عز و مخلص و بقای مویدا! چون فرمان نافذ به اودا پر رسید، بر حکم فرمان خود را در (چرم) خام گرفت. بعد از دو روز جان نیز بحق تسلیم کرده، و بدار بقا رفته. خلیفه فرمود تا: صندوق باز کردند، و آن دو غداره را حاضر آور دند و به ایشان آغاز کرد که: فرمان ما بر گماشتگان چنین نافذ است که همگنان متمسک و متقاد توانند بود! مخدرات نقاب از روی بکشادند و سر بر زمین نهادند و گفتند: بقای خلیفه در مزید اقبال فراوان شاد باد! بر شاهان وقت - که به کمال عقل متحلی باشند - واجب است که آنچه از دوست و دشمن استماع کنند، بر سنگ محک فرمایند! چون بر خاطر عاطر و طبع نقاد ایشان، تحقیق و بی شبهت گردد، حکم بر جاده معدلت فرمایند. تا ماخوذ غضب یزدانی و مذموم نطق انسانی نگردند. خلیفه را فرمان نافذ است. فاما خاطر مبارک از حکمت تمیز خالی است. محمد قاسم از طریق عصمت ما را به محل برادر و فرزند بود، و دست تصرف او به ما بندگان نرسیده فاما! به جهت انتقام آن که، او پادشاه هند و سند را هلاک گردانید و دیار ما را تاراج نهاد و مارا از پادشاهی به بندگی برسانید! برای مکافات و تشفی صدور خود در حضرت خلیفه باز نمودیم، و غرض ما به حصول پیوست و به واسطه این تمویه و تخلیظ چنین انتقام میسر شد. و خلیفه حکمی

محکم فرموده. و اگر درین قضیه تفحص و تجسس واجب دیدی، به وصمت ملامت موسوم و به سمت ملامت موسوم نشدی! و اگر محمد قاسم را حکمت و عقل بودی، پیشتر آمدی! تا به قرب یکروزه راه خود را در (چرم) خام گرفتی، چون به تفحص رسیدی، مخلص گشتی. خلیفه متأسف شده و از غایت غضب پشت دست به خائید و بفرمود تا هر دو را در دیوار گرفتند.

چون مکر و خداع و کلمات افتراء عادات سندیان است! در حق مسلمانان این حرکت که شما نسبت کردید، چگونه مسموع داریم! اما چون سوزستان بیایم و درین باب تفحص نمایم، بعد تفحص بر مقتضای شرع حکم شود. به وجود این قدر افعال نا مستحسن و نا مطلوب که، بالا ذکر رفته است، شما می پرسید که این تعریض بر ما کنید. اگر شما تعریض فهم نکنید، دانشمندان شما هستند، اگر ندانید از ایشان پرسید-

و آن که نبشته بودید که: جمعیت بسیار است، اگر لشکر بار دیگر در خواهد آمد، نباید گوشه کسی مکافات کند. مقرر باد، از عون خدای تعالی! از این چنین جمعیت اندیشه نیست. هر چند شکار بیشتر باشد تیر بیشتر خورد. و نیز معلوم است که روستائیان تته مقابل جمعیت عرصه ملتان و لشکرهای اسلام چه قدر و خطر دارد و بدین خود تکیه نیست، اتکا بر عون حق جل و علاست. و جمعیت شما اگرچه بیشتر و زیاده تر است، چون بر باطل اید، کشته و اسیر و دستگیر خواهد شد، زیرا چه شما نقض عهد کرده اید، و حدیث نبوی برین جمله وارد است، که ما نقض قوم العهد الا و سلط الله علیهم عدوهم.

در دماغ شما عجب و غرور راه یافته است و آن سبب خذلان

و خسران شما است. یکی تفکر کنید کہ مقطعان ماضی چه نوع مسلط بوده اند. خصوص بہرام کہ حدیث و مسن چگونہ در امر و تصرف ایشان بوده اند. یکبارگی خود را فراموش نباید آورد. بیت:

برگشتہ شد بخت زان سبک رای

کافزون کشد از گلیم خود پای

و آن کہ نبشتہ بودید کہ: مقطع گجرات و گماشتہ سوستان بر ما ہر چیز می بندد متہم می کند این مکتوبی باننبہینہ بر شحتنگان اوان حصار سوستان نبشتہ بود، ایشان فرمودہ بودند و تلقین کردہ. فی الجملہ کسان ما آمدہ و تقریر کردہ کہ: جام مردی فراہم است، این ہم فتنہ ارباب تہہ است. این نوع نیز عیب جام است چرا باشد کہ ارباب تہہ را بر خود چنین استیلا دہید. ہر کہ ضابط باشد، پسر و پسر برادر او ہرگز نتوانند از امر او منحرف شوند.

بہ ہمہ وجہ خلاصہ این مقدمات آن است، کہ اطاعت را شعار و متابعت را دثار خود سازند، تا بہ لباس امن و امان زیب و زینت یا بند- والسلام علی من اتبع الہدی-

۲۴- جام سکندر شاہ صدر الدین (۱۰) جام سکندر کے زمانے کا

سرائیکی زبان میں ایک کتبہ سنجرپور (ضلع رحیم یار خان) بہاول پور کے ایک کنوئیں سے تقریباً ڈیڑھ سو سال قبل ملا تھا، جس کو پڑھنے کے بعد مولانا حفیظ الرحمن نے ”ذکر کرام“ میں یہ حوالہ دے کر لکھا ہے کہ جس سکندر کا نام اس کتبے میں درج ہے وہ سندھ کے سما بادشاہ جام سکندر تھے:

سلان سلیند تھیان، پھگیا نام نصیر

کوه کٹایا پتر گامن دی انڑ نام حمیر

وقت سکندر بادشاہ، ملک دھنی پهلوان

رعیت راضی ایہ جی جو بڈھا نت جوان
ہک لک سلان لگی چکیان تھیا گھوہ تمام
تری سو بوئی باغ دی رادھے انڑ جام (۱۹)

۲۵- فتح نامہ سندھ ۸۹۲ھ ذیل میں سلطان حسین بایقرا بادشاہ خراسان (۸۶۲-۹۱۱) کا جاری کردہ فتح نامہ سندھ اختصار کے ساتھ درج کیا جاتا ہے۔ (۲۰) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہرات کے حاکم نے ۸۹۲ھ میں چند تاجروں کی شکایت پر سندھ کے کسی حصے پر لشکر کشی کی، اس فتح کی اطلاع کے لیے وہ فتح نامہ ملک کے مختلف حصوں میں اطلاع دینے کے لیے مشہور کیا گیا تھا۔

وہ زمانہ جام نظام الدین کا تھا۔ سی اور شال (کوئٹہ) تک اس کی حکومت تھی۔ اُس دور میں ہرات کی طرف سے اسیر ذوالنون ارغون قندھار کے نائب تھے۔ (۲۱) جس کے بیٹے شاہ بیگ نے ۸۹۰ھ (۲۲) میں جام نظام الدین کی حدود سے آگے بڑھ کر سوی کا قلعہ ان کے گماشتے بہادر خان سے چھین کر اُسے اپنے بھائی سلطان محمد کے حوالے کر دیا، جس کے بعد جلد ہی مبارک خان (دریا خان دولہا) نے قلعہ واپس چھین لیا اور اسے قتل کر دیا۔ میر معصوم کے قول کے مطابق جب تک ”نظام الدین“ زندہ تھے، تب تک کسی (غیر) کو ہمیت نہیں تھی، کہ سندھ کو غاصبانہ نگاہ سے دیکھے۔ (۲۳)

قندھار اور ہرات کے مغلوں کا سندھ پر ۹۱۳ھ تک یہ (۸۹۰ھ) حملہ تاریخ میں موجود ہے۔ درج ذیل فتح نامہ والی لشکر کشی ایک سال درمیان میں شامل کرنے سے ۸۹۲ھ میں ہوئی۔ سال کے شروع میں دیے گئے قطعہ کے فقرہ - مَلِّک فتح مُلک کرد- سے نکلتا ہے۔

سب سے پہلے فتح نامہ کا سندھی (اردو) اختصار دیا جاتا ہے، جس کے بعد فارسی متن آئے گا۔

حال ہی میں تاجروں کے ایک گروہ، جن کی تجارت کے سلسلے میں سندھ کے علاقے میں، جو ہمارے قلم رو سے ساتھ ملا ہوا ہے، آنا جانا تھا، دربار میں آکر فریاد کی کہ ”دشمنانِ اسلام“ کی ایک جماعت جو کہ

صاحب سلطنت ہے، مسافروں پر ظلم کرتی رہتی ہے اور آتے جاتے لوگوں کو لوٹتی رہتی ہے۔

یہ سن کر ہم کو بہت دکھ ہوا ہمارا ایک بڑا لشکر اس ملک پر حملہ کرنے کے لیے روانہ ہوا، جب ”لشکر اسلام“ کی خبر ان کافروں کو ہوئی تو انہوں نے بھی ایک بڑی فوج مقابلے کے لیے تیار کی۔ غداروں اور مکاروں کا وہ فرقہ ہماری فوج کا خاتمہ کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ شب خون مارنے کا منصوبہ بنایا۔ بادشاہی اقبال نے تقدیر کو ان کی تدبیر کے مخالف کر دیا، اور شب خون کا جو وقت مقرر تھا، وہ ناموافق ہو گیا۔ چنانچہ شب خون مارنے کے لیے وہ جیسے ہی روانہ ہوئے اور ایک فرسخ مشکل سے سفر کیا تو ہماری فوج کو خبر ہو گئی اور وہ تیار ہو کر مقابلے کے لیے نکل آئی۔ اسلامی فوج نے اُن بدبخت ہندوؤں کی لاشوں کے ڈھیر لگائے۔ خداوند کریم کے فضل سے فتح عظیم حاصل ہوئی۔

چون کہ یہ خبر سب اہل دانش کے لیے بڑی خوشی اور شادمانی کا سبب بنی، اس لیے اس خط کے ذریعے اس خبر کو چاروں طرف پھیلا دیا جاتا ہے، تاکہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں۔

ذیل میں فارسی متن دیا جاتا ہے، جس کا پہلا حصہ اللہ اور رسول کی حمد و ثنا میں ہے، اصل مطلب صرف اتنا ہے جس کا اختصار سندھی زبان میں اوپر دیا گیا ہے۔ فتح نامہ کی ابتدا اس عنوان اور قطعہ تاریخ سے ہوتی ہے:

فتح نامہ بلاد سند

شکر خدا کہ از اثر فیض فضل او
شد سرفرازِ رایتِ اسلام در نبرد
دشمن بہ تیغِ خواست، کند جویِ خون روان
وز جوئبار تیغِ جبینِ بودش آب خورد
توفیقِ فتح، چون ملکِ ذوالجلال داد
تاریخِ ماند آنکہ۔ ملکِ فتح مُلکِ کرد
(۵۸۹۲)

افتتاح کلام بہ ذکر قہاری باید کرد، کہ بیر تیر جرخِ پشتِ خم،
از دائرۂ صفِ نیزہ گذارانِ نبردِ غیرتش، چون دالِ ادا نتواند

گذشت. و ابتداء پیام، بنام جباری شاید، که کاتب کریم البنیان
نون والقلم، از روی ثبات قدم، در بیداء نثار، از سهم کمانداران
صف سیادتش، چون حرف ثنا نتواند گشت. رحیمی که در مقابله
تیر بهرام خون ریز، زهره عشرت انگیز را چنان زره پوش گردانیده،
که خود را چون یکی حلقه زره پیداست. و حکیمی که در محاربه
تیغ صبح شعله فشان، سپهر هراسان را باوجود زره کواکب، در
زیر سیر زین آفتاب گرفته بیاراست. نظم:

جهان آفرین و جهان بی نیاز
بهنگام بیچارگی کار ساز
خرد دانش آموز تعلیم او
دل از داغ داران تسلیم او

و بعد از تصدیق این مقال، و تصویر این خیال، نعت (اصل):
نعمت) سروری لایق، که درّی از برج سعادت، بلکه درّ درج
شهادت را از ته لب (اصل: شهد لب) به سنگ بد گوهران
نثار کرده، دُرّة التاج تارک مروت ساخت. و مدح دلویزی
موافق، (که) ماه علم عالم گیر را گسترده، معاندان را در قعر
چاه بدر انداخت. نظم:

گران مایه تر تاج آزادگان
گرامی تر از آدسی زادگان
محیطی چه گویم (که) بارنده میغ
بیک دست گوهر و یک دست تیغ
به گوهر جهان را بیاراسته
به تیغ از جهان، داد دین خواسته

صلی الله علیه وآله واصحابه الی یوم الدین.

اما بعد بر رای ارباب ذوالاعتبار واصحاب اولی الابصار مستور
نخواهد بود که، غرض از خلق ما سوی الله، و ایجاد ما خلق
الله، جز تکوین گوهر ذات حضرت رسالت پناه، و باعث بر

رسالت آنحضرت جز اهداء گم شدگان ضلالت دستگاه نیست. چه در وقتی که آن عالی قدر جهان کون و فساد را غیرت عالم ملکوت و رشک فضاء لاهوت گردانیده بود، همیشه همت مبارک بر مداوت غزا و مواظبت جهاد مقتصر و متحصر داشته، مضمون کریمه- ادع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة- به مسامح سگان کون و مکان میرسانیدند. ازان جمله هر که به سعادت- من یهد الله فهو المهتد- مستعد شدی، بر فلک توفیق به درجه اصحاب- اقمین شرح الله صدره للاسلام- مشرف گشتی. و آنکه به شقاوت- ومن یضل الله فلن تجد له ولیاً مرشداً - گرفتار بودی، به تیغ آبدار - اقتلوا المشرکین كافة- بر گذشتی. و چنان که در باقی خصائل و سائر شمایل، اقتداء به سنن سنیہ، اتباع به اخلاق مرضیہ آنحضرت به قدر وسع لازم است، همین شیوه نیز بر سلطان سلاطین جم جہ خصوصاً و بر سایر مسلمین عموماً سمت وجوب دارد- پس ما نیز این مقدمه را حرز جان و ورد جنان مترصد این امر عظیم الشان می بودیم. تا درین ولا جمعی از تجار که ممر عبور (و) ورود ایشان بر بعضی از دیار سند- که به حوزه این اقلیم تلاصق دارد- واقع بود، التجا بدرگاه دین پناه (۲۴) آورده عرض کردند که: فوجی از مخالفان راہ دین و معاندان شرع المرسلین، که از سایر کفره و فجره به سلطان و ایالت ممتازند، دست تعدی و تسلط کشاده عامل اسفار و قاطعان براری فگار را ضرری میرسانند.

این معنی به خاطر دریا مائر گران آمده، با جوقی از لشکر کواکب حشر، که از عکس به آفتابش تیغ افکن در آئینه جوشن، اطلس سپهر را از شعله آتش دولت محمدی و فروغ ششمه ملت احمدی روشن دارند- کالبرق الخاطب- آن دیار ظلمت آثار و زمین کدورت دثار را غیرت سپهر متیع و فلک

رفیع ساخته، خیام و اطناب را نمونه نجوم و شهاب گردانیدم. و چون خبر وصول (اصل: رسول) رایت آفتاب درایت اسلام، بدان مقیمان نشیمن ظلام رسید، آن جماعت با سپاهی بیحد و لشکر بیعد به استقبال دولت روز افزون متوجه گشتند. و آن طائفه مکار غدار که از روی شقاوت، بار خساره چون پرزاغ، چشم به متاع حیات این فرقه سرخ کرده بودند، و خون فاسد در بدن ایشان به جوش آمده، سودای شبیخون داشتند. از قوت دولت خسروی و یمن سعادت قوی، قیاس تدبیر ایشان مخالف اراده تقدیر افتاد، و ظن و تخمین ایشان در تشخیص و تعیین زمان، ناموفق (اصل: ما موافق؟) آمد. چنانچه وقتی که طائر شب هنگامه پرواز، زمانه را از آتش بال خود دل گرم ساخته بود، و انتقام مهر آیش قهر، در دودمان شب ظلمت آیین انداختند، خبر وصول ایشان از يك فرسخی معسکر ظفر اثر رسید. آواز طبل رحیل به گوش تیز هوش قایم دولت اسلام رسانیده. ازینجا نیز شیران (اصل: جلالت) و داوردی که هر يك در میدان مردی و مردانگی و مضمار چستی و فرزاندگی بارها از یکدیگر قصب السبق (ر) بوده بودند، به قصد افروختن نائره جدال و قتال روان شدند.

و چون قرب (اصل: قریب؟) مسافت آنّا فانّا بر مخالفان حیلت پیشه و معاندان کمر اندیشه، سمت ظهور می یافت، و نیز می دانستند که فریب و رنگ و افسون و نیرنگ را جز بر زبان تیغ مجال نماند، و به طریق اضطرار، به ترتیب قواعد کار زار و تمهید قوانین جنگ و پیکار مشغول گشته بودند، به وقتی که طلوعه صبح، با تیغ چون آب سپهر زرین آفتاب، خون زندگی شب را بر خاک میدان زمانه ریخت، دو صف در مقابله يك دیگر، چون کوه گردون ستوه بایستادند.

بیت:

دو لشکر بہم کشیدند کوس
 چو شطرنج از عاج و از آبنوس
 ما یک پر زمانہ را رہ امن و امان بسته و صولت استدارہ را از
 کرہ خاک شکستہ، از ہر دو جانب، مردان کاری و دلیران
 کارزاری، ہمہ چون کوہ پایدار، بر مراکب گردون نورد سوار،
 کہ ہنگام جولان کرہ فلک قمر- طابق النعل بالنعل- بودندی،
 و از زخم نعل گردون مسیر (اصل: میر؟) شان، ساکنان فلک
 از گاو زمین صدای- یا لیتنی کنت تراہا- شنیدندی و
 گفتندی. بیت:

بہ زیر مردان، اسبان چو کوہ آہن پشت
 بہ پشت اسبان، مردان چو کوہ آہن بار
 از آتش برگ نعل شان، ہلال نعل وش، بہ آتش غیرت
 سوختہ بزمین فرو رفت، و از دوران جرم مہر منیر بر چرخ اثیر،
 چون آئینہ ز آہ حسرت، ظلمت و کدورت پذیرفتہ. بیت:

در آمد دو لشکر بہ جنبش چو کوہ
 کزان جنبش آمد، جہان را، ستوہ
 ز غریدن نالہ کر نای
 در افتاد تب لرزہ در دست و پای
 ز فریاد روئین تن از پشت پیل
 فقیر نہنگان بر آمد ز نیل
 خروشدن کوس روئینہ کاس
 نبوشندہ را دادہ برجان ہراس
 جلا جل زنان از نواہای زنگ
 بر آورده خون از دل خارہ سنگ

سنان بر سر موی بازی کنان
 به خون روی دشمن نمازی کنان
 ز فولاد پوشان لشکر شکن
 تن کوه لرزیده (بر) خویشتن
 ستیزنده از تیغ سیماب ریز
 چو سیماب کرده، گریزان گریز

دلیران جنگ آزمای مرد افکن، و مردان دارای سکندر شکن،
 که هر يك در میدان جلادت صفدری و در بیشه هیجا
 غضنفری بودند، همه در دریای نبرد عرق آهن گشته از عکس
 اشعه لمعاتش، تیغ آب گردان سپهر دوار لرزان و هراسان
 داشتند.

آستین افشان علم در رقص بر آواز کوس
 پای کوبان از تزلزل همچو اسپان گنر (اصل: کوه؟)
 رمح خونین کرده کوتاه بر اجل راه دراز
 نای روئین گشته، بر بالین گشته، نوحه گر
 در دل رزم آزمایان، نوك پیکان و سنان
 چون مژه بر چشم عاشق، غرقه خون جگر
 در ظلمت گرد، زبان سنان خون آلود، راست چون علم آتش
 درسیانه دود، و رسیدن پیکان آبدار بر سپرهای زنگار، چون قطرات
 باران نسیانی، بر فراز گل هنگام بهار، و رماح خونین پیراهن آئینه
 جوشن، چون خطوط شعاع حوالی خورشید روشن. بیت:

اگر سیماب باریدی چو باران

ستادی بر سنان نیزه داران

هوای گرم آشیان ظلمت انجام، از زخم تیر و صدای نفیر و
 کوس رعد صریر، ندای- او کصیب من السماء فیه ظلمات
 ورعد وبرق يجعلون اصابعهم فی اذانهم من الصواعق حذر
 الموت- خبر داده.

نظم:

به دست تیغ، گریبان زندگی شد چاک
 به پای عمر فتاد (ست) دامن خذلان
 دلاوران را بسته که کشاده خدنگ (کذا)
 بسان غنچه گل، آتش از سرِ پیکان
 و چون از دم نای روئین، آتش پیکار اشتعال پزیرفت. امداد
 فیض الاهی و اسعاد فضل نا متناهی، مژده روح پرور- وهو
 معکم اینما کنتم- مانند آیت کریمه:- انی انا الله- از آتش
 کلیم، به مسامع اهل اسلام رسانیده، شوکت کوکبه دین
 محمدی و قوت غلبه عنایت سرمدی، حمله فتح (و) ظفر، بر
 سپاه مخالف آورده، اکثر دشمنان تباہ کار و هندوان سپه
 روزگار، که چون دود دعوی سرفرازی می کردند، مانند اخگر
 آذر به خاک سیاه برابر گشتند. و آنچه امید خلاص و سودای
 مناص داشتند، همه چون زاغ و زغن در بیابان بی پایان طعمه
 عقاب اجل شدند.

و این فتح بزرگ پایه، و این نصرت گرانمایه، موجب شکر
 حضرت لایزال و حمدِ مهیمن متعال گشت- والحمد لله الذی
 اذهب عنا الحزن- و چون این معنی را در خاطر جمهور اهل
 دانش و بینش، بلکه مجموع آفرینش، باعث امن و حضور، و
 مورت سروری دانست. به ارسال این نامه گرامی و مرساله
 نامی باطراف و اکناف ارتکاب نموده، توفیق نعمت عظمی -
 لئن شکرتم لازیدنکم- را مستدعی باشد. انه خیر موفق و
 معین- (۲۵)

حواشی

- (۱) منشآت ماہرو کا خطی نسخہ علی گڑھ یونیورسٹی میں ہے، جو جناب شیخ عبدالرشید (استاد دانش گاہ پنجاب) نے مرتب کر کے کلکتہ سے شایع کروایا۔ ابھی کتاب چھپی نہیں تھی کہ حادثے کے سبب چھپی ہوئے سب فارم جل گئے۔ متن میں دیے گئے خطوط اس واحد نسخے کی کاپی سے ماخوذ ہیں، جو شیخ صاحب کے پاس ہے۔ راقم الحروف شیخ صاحب کا شکر گزار ہے، جنہوں نے اپنا نسخہ عاریتاً عنایت کیا۔
- (۲) متوفی ۷۷۶ھ (۱۳۷۴ء) اُن کے دو بیٹے تھے۔ ایک تغلق شاہ ثانی (۹۰-۷۹۱) دوسرا نصرت شاہ۔
- (۳) یعنی وزیر اعظم مملکت ہند۔
- (۴) در نسخہ مطبوعہ ہمیں طور چاپ شدہ۔
- (۵) ہمیں طور چاپ شدہ۔
- (۶) بانہینہ
- (۷) ہالکان شاید سہو کتابت است و در اصل چاچکان باشد۔
- (۸) در اصل يك لك تنکہ باشد۔
- (۹) چاچکانید باشد۔
- (۱۰) فیروز ۷۵۴ھ (نومبر ۱۳۵۳) میں دلی سے بنگال کے لیے روانہ ہوا اور ۷۵۵ھ (۱ ستمبر ۱۳۵۴ء) میں واپس دلی آیا۔ اس پہلے حملے میں فیروز کو کامیابی نہ ہوئی۔
- (۱۱) ۷۴۶ھ میں حاجی الیاس نامی ایک اسیر نے مغربی بنگال پر قبضہ کر کے سلطان شمس الدین ابوال مظفر الیاس شاہ کے لقب سے حکومت شروع کی۔ ۷۵۳ھ میں مشرقی بنگال پر بھی قبضہ کیا۔ ڈھاکہ کے قریب سونار نامی ایک گاؤں اس نے پایۂ تخت کے لیے منتخب کر کے نیا شہر بنا کر بنگال کی آزاد حکومت کی بنیاد

ڈالی۔ آپ کے گھرانے میں ۸۸۶ھ تک بادشاہت رہی۔ وہ ۷۵۹ھ میں فوت ہوئے۔ ان کی جگہ ان کا بیٹا ابوالمجاہد سکندر شاہ تخت نشین ہوا۔ اسی دور میں سلطان فیروز نے دوسری مرتبہ حملہ کیا، جس میں اُس کو ناکامی ہوئی ۷۹۲ھ میں اس سلطان کی وفات ہوئی، اور اس کے بعد اس کا بیٹا سلطان غیاث الدین ۷۹۹ھ تک حکمران رہا۔ اسی سلطان غیاث الدین نے حضرت حافظ شیرازی کو بنگال آنے کی دعوت دی۔ حافظ نے معذوری کا اظہار کرتے ہوئے ایک غزل اس کے لیے بھیجی تھی، جس کے چند اشعار درج ذیل ہیں:

ساقی حدیث سرو و گل و لالہ میرو
وین بحث با ثلاثہ غسالہ میرو
شکر شکن شوند ہمہ طوطیان ہند
زین قند پارسی کہ بہ بنگالہ میرو
حافظ ز شوق مجلس سلطان غیاث الدین
غافل مشو کہ کار تو از نالہ میرو

(۱۲) کیمبرج ہسٹری آف انڈیا ج ۳ ص ۷۶-۱۷۸ (۱۹۵۸ء) ریاض السلاطین ترجمہ انگریزی (۱۹۰۲ء) ص ۹۸-۱۰۸ مندرجہ ذیل واقعات ذہن نشین ہوں:

- ۱- بنگال کی پہلی مہم - ۵۴-۷۵۵ھ (۱۳۵۳ء)
- ۲- سلطان شمس الدین کا انتقال - ۷۵۹ھ
- ۳- فیروز کو دلی میں قتل کرنے کا منصوبہ - ۷۶۰ھ (۱۳۵۸ء)
- ۴- بنگال کی دوسری مہم - ۷۶۱ھ (۱۳۵۹ء)
- ۵- فیروز کا سندھ پر پہلا حملہ - ۷۶۳-۷۶۴ھ (۱۳۶۲-۶۱ء)
- ۶- گجرات میں تیاریاں کرتا رہا - ۷۶۵ھ (۱۳۶۳ء)
- ۷- سندھ پر دوسرا حملہ - ۷۶۵ھ (۱۳۶۳ء)
- ۸- بابینہ اور جام جونہ کی دلی روانگی - ۷۶۵-۷۶۶ھ
- ۹- خان جہان مقبول کی وفات - ۷۷۲ھ (۱۳۷۰ء)

۱۰- فتح خان بن فیروز کی وفات - ۷۷۶ھ (۲۳ جولائی ۱۳۷۴ء)

۱۱- فیروز کا انتقال - ۷۹۰ھ (۲۰ ستمبر ۱۳۸۸ء)

۱۲- ابوالمجاہد سکندر شاہ والی بنگال کا قتل - ۷۹۲ھ

(۱۳) فتح خان (متوفی ۷۷۶ھ) کی سندھ پر تقرری کا ایک پروانہ اوپر درج کیا گیا ہے۔ یہ قریباً ۷۶۶ھ میں لکھا گیا۔ کیونکہ ۷۶۵ھ میں سلطان فیروز سندھ پر دوسری دفعہ حملہ آور ہوا۔ جاموں کے ساتھ صلح کی، انہیں (جونہ اور بابینہ) کو دلی ساتھ لے گیا۔ ۷۶۶ھ میں دلی پہنچ کر انہوں نے اپنے بڑے بیٹے فتح خان کو سندھ پر حاکم مقرر کر کے مذکورہ پروانہ جاری کیا ہوگا۔

(۱۴) سلطان محمد تغلق کی وفات (۷۵۲ھ) کے بعد فیروز تخت نشین ہوا۔ سندھ سے جاتے ہوئے انہوں نے سندھ کے مختلف حصوں پر نئے گورنر مقرر کیے۔ امیر نصر سندھ کے ایک حصے پر مقرر ہوئے، جس نے اپنے نام کی نسبت سے نصرپور شہر کی بنیاد ڈالی۔ ملک بہرام مذکورہ حصے کا فوج دار مقرر ہوا، جس نے بہرام پور کا شہر تعمیر کروایا، ملک علی شیر اور ملک تاج کافور، خود سہوں میں مقرر ہوئے۔ ملک رکن الدین کو نائب مقرر کیا اور اخلاص خان کا لقب دے کر پورے سندھ کے اختیارات دیے گئے اور ملک عبدالعزیز کو سندھ کا دیوان مقرر کیا گیا۔

(۱۵) اس سے ظاہر ہے کہ دہلی کی طرف سے سندھ کے جو گورنر مقرر کیے گئے وہ بڑے ظالم اور جابر تھے۔ خاص طور پر بہرام بڑا ظالم اور جابر تھا۔ خط میں ان کا نام دوبار آیا ہے۔

(۱۶) نبشتہ: بجای نوشتہ عصامی در فتوح السالطین (تالیف ۷۵۱ھ) میگوید:

یکی روز، از نیک خواہان خان بیورد مکتوب پیکی دوان نبشتہ دران نامہ، آن مرد کار کہ آمد سوارِ مغل سی ہزار (ص ۱۷۶)

شیندم بہ ہر تن، بہ آب سیاہ نبشتہ بر آن زمرہ بر گناہ
(ص ۱۷۳)

بیار ای عرب زادہ ہندی سرشت از ان فارسی های ہندی نبشت
(ص ۳۰)

(۱۷) در نسخہ مطبوعہ سیکھر نوشتہ شدہ است کہ در اصل املا سکھر
(سکر)۔

(۱۸) ازین ظاہر است کہ در زمانہ تغلق ”فتح نامہ سند“ المعروف بہ ”چچ
نامہ“ بنام ”تاریخ داہر چچ“ معروف بود۔ این واقعہ کہ اینجا نقل شدہ،
در چچ نامہ از صفحہ ۲۴۳ تا ۲۴۷ درج است۔ و از حیث تاریخی غلط
قرار دادہ شدہ است۔ رک: تعلیقات چچ نامہ ص ۲۶۷۔

(۱۹) ذکر کرام ص ۱۲۸۔ مخدوم جہانیان از محمد ایوب صاحب قادری
ص ۲۰۲

(۲۰) یہ فتح نامہ خواجہ عبداللہ مروارید (وفات ۹۳۲ھ) کے جمع کردہ
مکتوبات ”شرف نامہ“ سے لیا گیا ہے۔ خواجہ مذکورہ شاہ حسین
بایقرا کا میر منشی تھا۔ مکاتیب کے اس مجموعے میں اس نے اپنے
دور کے اہم خطوط کو جمع کیا ہے۔ شرف نامہ کا عکسی نسخہ
۹۵۸ھ کا مکتوبہ جرمن ترجمے سے Hans Robert Roemer شہر
Wiesbaden سے سال ۱۹۵۲ء میں شایع کیا ہے۔ میں جب منیلا
میں تھا، اس وقت محترمہ اینی میری شمل Prof. Dr. Annemarie
Schimmel نے اسی فتح نامے کی نہ صرف اطلاع دی، بلکہ ۱۹۶۰ء
میں میرے لیے کتاب بھی بھجوائی جس کے لیے میں اُن کا شکر
گزار ہوں۔ کتاب کے ۶۷-۷۰ صفحات پر فتح نامہ موجود ہے۔

(۲۱) میر معصوم کے قول کے مطابق ذوالنون ۸۸۰ھ قندھار پر مقرر ہوا۔
(ص ۸۰)

(۲۲) مائر رحیمی ج ۲ ص ۲۷۴ فرشتہ (جلد ۲ ص ۶۱۲-۱۸۳۱ء) نے بھی
وہی سال دیا ہے۔ طبقات اکبری (ج ۳ ص ۵۱۷) نے سال ۸۹۹ھ دیا
ہے۔ ممکن ہے کہ کتابت کی غلطی ہو۔ میر معصوم نے واقعے کا

کوئی سال نہیں دیا ہے۔

(۲۳) اس سلسلے میں طبقات اکبری، معصومی اور تاریخ فرشتہ کے اقتباسات نیچے دیے جا رہے ہیں:

طبقات اکبری (تالیف ۱۰۰۲ھ): در زمان او، شاہ بیگ ز قندھار آمدہ، در سنہ تسع و تسعین و ثمان مائة (۸۹۹ھ) قلعہ سیوی را کہ در تصرف بہادر خان گماشتہ او بود، مفتوح ساخت. و برادر خود سلطان محمد را آنجا گذاشتہ، خود بہ قندھار مراجعت نمود. و جام نندہ، مبارک خان نام را بر سر سلطان محمد فرستاد و سلطان درین جنگ بقتل رسیدہ. باز سیوی در تصرف جام در آمد. شاہ بیگ از استماع این خبر، میرزا عیسیٰ ترخان را، بہ جہت انتقام برادر فرستاد. میرزا عیسیٰ بالشرک جام، جنگ کردہ، غالب آمد. و متعاقب آن شاہ بیگ رسید، قلعہ بکر را، از تصرف قاضی قادن گماشتہ جام نندہ، بصلح گرفت... و قلعہ سہوان را نیز متصرف شدہ، حوالہ خواجہ باقی بیگ نمودہ، بہ قندھار مراجعت کرد. و جام نندہ بہ جہت استخلاص سیوی مکرر لشکر فرستاد، اما کاری از پیش نرفت. (ج ۳ ص ۱۷۷)

تاریخ سند میر معصوم (تالیف ۱۰۰۹ھ): و در آخر سلطنت جام نظام الدین، لشکر شاہ بیگ از قندھار آمدہ مواضع اکری و چند و کہ و سیدیچہ را تاخت نمود. جام لشکر، بہ جہت دفع فساد مغولان فرستاد و آن لشکر تا قریہ کہ مشہور است بہ جلوگیر رسیدہ جنگ صعب نمودند. و دران جنگ برادر شاہ بیگ بقتل رسید و ہزیمت یافت عنان بہ جانب قندھار برتافتند- و تازمان حیات جام نظام الدین دیگر بہ سند نیامدند. (ص ۷۵)

تاریخ فرشتہ (تالیف ۱۰۱۵ھ): اسی واقعے کی تفصیل اس مورخ نے یوں دی ہے: در سنہ تسعین و ثمانمایہ (۸۹۰ھ) شاہ بیگ ارغون از قندھار آمدہ قلعہ سیوی کہ در تصرف یکی از اسرای نظام الدین بود، بہادر خان نام داشت، محاصرہ نمود، و بہ جبر و قہر مفتوح ساختہ، بہ برادر خود، سلطان محمد سپرد، و خود بہ قندھار رفت. و در غیبت او، جام نظام الدین، یکی از اسرای خود را کہ مبارک خان نام داشت و مردانہ و شجاع بود، بہ استخلاص قلعہ سیوی نامزد فرمود. و بین الجانبین چند کرت جنگ واقع شدہ. عاقبت

سلطان محمد بہ قتل آمد۔ و قلعہ سیوی باز بہ تصرف جام نظام الدین المشہور بہ جام نندہ در آمد۔ شاہ بیگ از استماع این خیر، میرزا عیسیٰ ترخان را بہ جهت انتقام برادر فرستاد۔ و جام نظام الدین نیز لشکر خوب جمع آورده بہ سرداری مبارک خان بہ استقبال او فرستاد۔ و در سرحد بین الجانبین جنگ صعب واقع شدہ بسیاری از امرای قدیم کار آمدنی جام نظام الدین، بہ قتل آمدند۔ و مبارک خان زخمی و بدحال تا قلعہ بکر ہیچ جا عنان نکشید۔ و چون خبر فتح میرزا عیسیٰ ترخان بہ شاہ بیگ ارغون رسید، طمع در تمامی ملک سند کردہ، از قندہار با لشکر جرار متوجہ بکر شدہ، آن ملک را قبل کرد و قاضی قادن کہ- از جانب جام نظام الدین المشہور بہ جام نندہ حاکم آن حصار بود- رایت مدافع بر افراشت و چند گاہ بہ جنگ و جدال گذرانید و چون کار را دست شدہ، از لشکر سند کسی بفریاد نرسید و قلعہ بکر در انوقت باین استحکام نبود، ہر آئینہ قاضی مذکور، اسان خواستہ حصار را بتصرف خصم داد۔ و شاہ بیگ فاضل کوکلتاش را حاکم بکر ساخت، خود بجانب سہوان رفت و آن را مفتوح ساخت بہ خواجہ بیگ سپرد و دران سال ہمین قدر کفایت کردہ بہ قندہار مراجعت نمود۔ جام نندہ زر فراوان خرچ کردہ لشکر گرفت و ہر چند سعی نمود کہ قلعہ سیوی را خلاص کند میسر نشد۔ چہ کہ سپاہ سند کہ چشم ایشان از لشکر ترکان خونخوار کہ ہمراہ میرزا عیسیٰ ترخان آمدہ بودند۔ تر سیدہ بودند، بہ ہیچ وجہ مقابلہ و مقاتلہ، ایشان اختیار نمی کردند۔

چنانچہ وقتی تنگ اسب یکی از ترکمان سست شدہ، زین اسب بگردید، و ترکمان فرود آمدہ بکشیدن تنگ اسب مشغول گشت، در این اثنا فوجی از سپاہ سند بہ آنجا رسیدہ چہل سوار برو تاختند۔ ترکمان بقصد فرار چون پای در رکاب نہاد، چہل سوار سندی رو بہ گریز نہادند جام نندہ کہ شصت و دو سال پادشاہی کردہ بود، از غصہ مشاہدہ این حال مریض گشتہ در گذشت۔ (ج ۲ ص ۶۱۸، طبع ۱۸۳۱ء)

مندرجہ بالا عبارات میں کچھ اس طرح کے تضادات اور اشکال

موجود ہیں:

۱- سندھیوں کے ہاتھوں سے سیوی چھین لینے کا سال طبقات اکبری نے ۸۹۹ھ دیا ہے اور فرشتہ نے سال ۸۹۰ھ دیا ہے۔

۲- فرشتہ میں ہے کہ دوسری دفعہ سیوی جانے کے بعد جام نظام الدین نے بازیافتگی کے لیے بہت کوشش کی، لیکن سیوی واپس نہیں لے سکا۔ اور آخر میں اس صدمے میں مایوسی کا شکار ہو کر باسٹھ سال کی عمر میں وفات پائی۔ معصومی کا قول ہے کہ نظام الدین ۲۵ ربیع الاول ۸۶۶ھ کو تخت نشین ہوا۔ تاریخ الفی، تاریخ طاہری، بیگلارنامہ اور تحفۃ الکرام کے قول کے مطابق ۹۱۳ھ میں انتقال کیا۔ اگر ان کی عمر باسٹھ سال شمار کی جائے تو ان کے انتقال کا سال ۹۲۸ھ ہوگا، جو ظاہر ہے کہ غلط ہے۔ (دیکھئے جام نظام الدین کے مقبرے کا کتبہ)

۳- اسی سارے سلسلے میں شاہ بیگ اور مرزا عیسیٰ ترخان کا نام آیا ہے۔ اگر یہ واقعات سال ۸۹۰ھ یا ۸۹۹ھ یا اس کے لگ بھگ ہوئے تو قاعدے اور رسم کے مطابق امیر ذوالنون کا نام آنا چاہیے تھا، کیوں کہ قتل ہونے (۹۱۳ھ) تک حاکم وہی تھا نہ کہ شاہ بیگ۔

۴- اسی طرح اگر ۹۰۰ھ سے پہلے سیوی کی بازیافتگی کے لیے ذوالنون یا شاہ بیگ کوئی لشکر بھیجتا تو اس کی کمان مرزا عیسیٰ ترخان کے ہاتھ میں نہ ہوتی۔ مرزا ۸۹۰ھ خواہ ۸۹۹ھ میں اگر پیدا ہوئے، تو سنہ شعور تک پہنچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مرزا کا انتقال ۹۴۳ھ میں ہوا، ظاہر ہے کہ طبعی عمر کے لحاظ سے اُن کی ولادت زیادہ سے زیادہ ۸۹۸-۸۹۹ کے قریب ہونی چاہیے۔ تاریخ معصومی میں مرزا کا ذکر سب سے پہلے شاہ حسن کے کچھ والے حملے میں ۹۳۳ھ کے بعد ہوا ہے۔ (ص ۱۶۱-۲۰۶ معصومی)

(۲۳) یعنی سلطان حسین میرزا با یقرا بادشاہ خراسان کے پایہ تختش ہرات بود۔

(۲۵) ورق ۱۰۱ تا ۱۰۵ شرف نامہ خواجہ عبداللہ مروارید طبع ویسبادن

باب ۵

۱۰ - شیخ پیر جیو

پیر شیخ جیو (۱) ولد شیخ نعمت اللہ، شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی کی اولاد میں سے تھے اور سہروردی مشائخ میں ایک بڑے بزرگ تھے۔ آپ کے والد شیخ نعمت اللہ سما گھرانے کے ابتدائی زمانے میں غالباً ملتان سے ہجرت کر کے ٹھٹھہ میں مقیم ہوئے۔ تحفۃ الکرام کے مطابق شیخ موصوف بلند مرتبے کے بزرگ تھے:

- وجود مسعودش، بوفور کمال و فرط کرامت محض نعمت خدا

بودہ۔ (۲)

شیخ جیو کے مقبرے کے پیچھے شمال میں تھوڑے سے فاصلے پر گنبد کے اندر آپ کا مزار ہے، جس کے احاطے میں چہار دیواری موجود ہے۔ درگاہ کی تازہ مرمت کی گئی ہے۔

شیخ جیو: آپ مکلی کے بڑے اہل اللہ میں سے ایک ہیں۔ ولایت اور عرفان کے کمال کی وجہ سے ”چراغ مکلی“ (۳) کے لقب سے مشہور ہیں۔

سندھ میں شیخ جیو مکلی جو ڈیٹو، ”شیخ جیو مکلی کا دیوا“ کہا جاتا ہے، بقول میر قانع ہر مہینے کی پہلی اتوار کی رات (۴) کو میلہ لگتا تھا اور سالانہ میلہ جس میں ارد گرد کے تمام لوگ آکر اکٹھے ہوتے تھے، وہ بھی قابل دید نظارہ ہوتا ہے۔

”ہر سال بہ تاریخ موصوف مجمعی سترگ ممہد گردد، خدام

از شہر و بیرون، شب آنجا احیا نمایند و فقیران وجد و سماع

آغازند، غریب حالتی مشاہدہ گردد۔“

اس کے بعد میر قانع لکھتا ہے کہ:

”در تمام کوہ مکلی، این درگاہ بہ فرط نورانیت مستثنیٰ

است۔ اہل زیارت بہ استمداد ہمتش فائز حاجتند۔“ (۵)

شیخ کے مزار پر بلند دیواروں کا مقبرہ ہے، چہت پر گنبد ہیں، جو کہ دیواروں کے مقابلے میں چھوٹے اور غیر متوازن لگتے ہیں۔ جنوب کی جانب لکڑی کا داخلی دروازہ ہے۔ مقبرے کے اندر متعدد قبریں ہیں، جن میں جنوب کی جانب سے شیخ صاحب کا مزار دوسروں سے ذرا دور اور الگ ہے۔ مقبرے کی دیواریں اتنی بلند ہیں کہ دور سے ہی مقبرہ دکھائی دیتا ہے اور اطراف میں بڑا قبرستان ہے۔ ”پورانی سادات“ کا قبرستان مقبرے سے پانچ سو قدم کے فاصلے پر جنوب مغربی کونے پر واقع ہے۔

میان لال کی قبر بقول میر قانع، شیخ صاحب کی مشرق میں ہے۔

(۶) یہ نہیں لکھا کہ مقبرے کے اندر ہے یا باہر والے قبرستان میں؟

۱۱۔ قاضی الحاجات رفیع الدرجات بر آرنده مدارات

حضرت پیر آسات

پیر آسات (۷) مخدوم عربی (متوفی ۹۹۰ھ) کے بھائی اور حضرت

میران محمد جونپوری کے مرید (۸) تھے۔ ہالا ان کا آبائی گاؤں تھا، لیکن زندگی ٹھٹھہ میں بسر کی۔ انھیں باکمال ولی اور صوفی کہا گیا ہے۔ اُن کی اولاد میں محمد حسین، اور ان کے بیٹے احمد اور محمد کا ذکر میر قانع نے تحفۃ الکرام میں کیا ہے۔ احمد دلی کے شاہ غلام محمد صوفی کے مرید تھے اور اپنی بقیہ زندگی مرشد کے پاس بسر کی۔

پیر آسات کا مزار، عبداللہ شاہ ”صحابی“ کی چہار دیواری سے باہر مغرب کی جانب راستہ کے پاس گری ہوئی اور مسمار چوکندی میں ہے۔ مکلی نامہ میں اس کے مزار کے پاس جس چشمے کا ذکر کیا گیا ہے (ص ۲۷) غالباً یہ چشمہ وہی تھا جو کہ عبداللہ شاہ کے صحن میں پہاڑی کے درمیان سے نکلتا ہے اور اوپر بیان کردہ درخت بھی موجود ہے۔ (۹)

مکلی نامہ میں دو تالابوں کا اسی جگہ (۲۸-۲۹) بیان کیا گیا ہے۔ ایک پیر آسات کا تالاب اور دوسرا شیخ جیو کا تالاب۔ برسات میں ان دونوں تالابوں کا پانی باہم مل جاتا تھا۔ بڑے تالاب یعنی پیر آسات والے تالاب کے اوپر ایک پل تھا، جسے کابل کے ”پل مستان“ سے تشبیہ دی گئی ہے۔

اس وقت نہ تو وہ تالاب ہیں اور نہ ہی یہ پل موجود ہے، جس پر میر قانع کے دور میں ”جوانان سیار اور امردان آئینہ رخسار“ گروہوں کی شکل میں آر پار آتے جاتے تھے۔ اس بڑے تالاب کے کنارے پر خسرو جان کی رانک کا ذکر کیا گیا ہے، جس کا بیان اس کے بعد آئے گا۔

۱۲- مرزا خسرو چرکس

مکلی نامہ میں (۱۰) ذکر کردہ رانک خسرو خان، مرزا خسرو چرکس سے منسوب ہے جو ترخانی دور کا ایک امیر کبیر تھا، ملکی سیاست ہو یا سلطنت کے انتظامات وہ تمام نظام پر حاوی تھے۔ ابتداء اور حسب نسب: میر علی شیر قانع کا قول ہے کہ مرزا عیسیٰ ترخان اول خسرو خان ابتداء میں ملا جانی بندری کے ملازم تھے، جہاں سے مرزا عیسیٰ ترخان اول (۶۲-۹۷۴ھ) نے انھیں اپنے پاس بلوا کر پہلے آفتابچی کے عہدے پر رکھا اور بعد میں ان کی ذاتی خوبیوں سے متاثر ہو کر، انھیں مختلف علاقوں کا عمل دار مقرر کیا۔

خسرو خان چرکس منسوب بہ چرکس خان از اولاد چنگیز خان در دشت قباچان حکومت کردہ، نخست پیش ملا جانی بندری بود۔ میرزا عیسیٰ از او گرفته آفتابچی ساخت، و بہ معائنہ جوہر ذاتیش، عنقریب عملداری پر گنات فرمودہ، در عہد میرزا باقی (۷۴-۹۹۳ھ) ترقی نمود۔ در عہد میرزا جانی اسیر والا اعتبار شد۔ (۱۰)

مرزا جانی کا دور: خسرو کے روشن مستقبل کی ابتداء اگرچہ مرزا عیسیٰ کے زمانے میں ہو چکی تھی اور مرزا باقی کے دور میں بھی اسے اہمیت حاصل رہی، لیکن اس کے اقتدار کا اصل زمانہ مرزا جانی کے دور

میں شروع ہوا اور مرزا غازی کے دور میں اس کے عروج و شہرت کا آفتاب نصف النهار تک پہنچ گیا۔

خان خانان اور مرزا جانی کے درمیان جو مقابلہ ہوا تھا، اس کا اصلی بہادر اور جوان مردی کا نمونہ مرزا خسرو چرکس کا وجود تھا۔ اس نے سندھ کو ہندی مغلوں سے بچانے کے لیے بڑی محنت اور ہمت سے کام لیا۔ اُس نے ہر قدم پر اپنی جوان مردی اور جنگی قابلیت کے جوہر دکھائے۔ لیکن اس کے کارنامے کوئی بہتر انجام نہ دکھاسکے، کیونکہ خان خانان کی تحریک پر جانی بیگ صلح کے لیے مجبور ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ خسرو میدان سے نکل آیا۔

جب خان خانان جانی بیگ کو لے کر ہندوستان کے لیے روانہ ہوا تو دونوں ترخانی امیروں کے ساتھ خسرو خان کو بھی ساتھ لے لیا۔ (۱۲) خان خانان کی سفارش پر جب اکبر بادشاہ نے سہون کی تمام حکومت اور ٹھٹھہ میں سے بندرگاہ لاہری اپنی حکومت میں شامل کر کے سرکار نصرپور، سرکار چاچکان اور بقیہ سرکار ٹھٹھہ اور سرکار چاکر ہالہ اور جون جانی بیگ کو واگداشت کیں (۱۳) اس وقت دوسرے ترخانی امیروں سمیت ملک کے نظم و نسق کے لیے خسرو ہندوستان سے واپس ٹھٹھہ پہنچے۔ (۱۴)

مرزا غازی کا دور: مرزا جانی کے انتقال (۲۷ رجب ۹۰۹ھ) کے بعد سندھ کے ترخانی حصے پر آپ کا بیٹا مرزا غازی حکومت کرتا رہا۔ مرزا کم سن تھا، اس لیے صحیح معنوں میں خسرو چرکس ملک میں حکومت کر رہا تھا۔ اُس زمانے میں آپ اور آپ کے اہل خاندان کے افراد نے اتنا اثر رسوخ اور تسلط پیدا کر لیا کہ جب مرزا غازی نے جان چھڑانا چاہی تو اسے سخت تکالیف پیش آئیں اور اپنے تیرہ سالہ دور میں، مکمل طور پر مرزا خسرو سے اختیارات ختم نہیں کرواسکا۔

سندھ کے معاملات میں اسی طرح حاوی ہوجانے کی وجہ سے جب ۱۰۱۱ھ میں شہنشاہ اکبر نے مرزا غازی کو اپنے پاس بلانے کے لیے حکم صادر کیا تو مرزا خسرو کو بھی ساتھ لانے کی خاص ہدایت کی۔ (۱۵)

لیکن خسرو کی روش نے سندھ کے اندر ایسی نازک صورت حال پیدا کی کہ لاچار مرزا غازی کو تنہا جانا پڑا اور اُس کے بجائے اس کے بیٹے لطف اللہ کو ساتھ لے گئے۔

مرزا غازی اور قندھار: مرزا غازی جب ایک بار ۱۰۱۲ھ میں سندھ سے روانہ ہوا تو پھر کبھی اسے سندھ دیکھنا نصیب نہ ہوا۔ اگرہ پہنچنے کے بعد چند مہینے کے اندر ہی اکبر کا انتقال ہو گیا، جہانگیر تخت نشین ہوئے تو شہزادہ خسرو نے بغاوت کردی۔ ابھی یہ معاملہ مشکل سے حل ہوا تھا کہ قندھار پر ایرانی قزلباش نے حملہ کر دیا اور مرزا غازی کو ۱۰۱۵ھ میں سیدھا قندھار جانا پڑا۔ ۱۰۱۶ھ میں ایک دفعہ واپس ہوئے لیکن ٹھٹھہ نہیں آئے۔ رجب ۱۰۱۷ھ میں دربار سے قندھار کی مستقل صوبے داری کے لیے چلے گئے۔

یہ سندھ کو ان کا آخری سلام تھا، جس کے بعد ۱۰۲۱ھ میں ان کی لاش ٹھٹھہ پہنچی!

خسرو کا دور: ۱۰۰۱ھ سے لے کر ۱۰۱۷ھ تک چند درمیانی وقفوں کے علاوہ، خسرو کے مستقل اقتدار کی وجہ سے پیدا کردہ حالات نے مرزا غازی کو اس مرتبہ بھی مجبور کیا کہ، سندھ کے ترخان حصوں کی باگ دوڑ بھی خسرو خان کے حوالے کر دیے، چنانچہ اس کا بیٹا لطف اللہ، بھائی خان مرزا کے ساتھ قندھار روانہ ہوا اور خسرو خان خود اسی طرح سندھ کے قائم مقام حاکم رہے۔

مغلوں کی فتح کے بعد یعنی ترخانوں کے زوال کے دور میں سندھ کے مذکورہ حصے پر، درحقیقت دو ترخانی امیر خاندانوں کو اقتدار اور تسلط حاصل رہا۔ نصرپور کی جانب امیر شاہ قاسم بیگلار کا خاندان قابض تھا اور ٹھٹھہ کے علاقے پر امیر خسرو چرکس کا خاندان برسر اقتدار رہا۔

مرزا غازی کے دوسری مرتبہ قندھار جانے کے بعد مرزا خسرو نے نصرپور کا علاقہ بیگلار خاندان کے سپرد کر دیا اور باقی حصے کے مختلف صوبوں کو اپنے نواسوں اور پوتوں میں اس طرح تقسیم کر دیا:

- چاچکان کا صوبہ فتح اللہ بن لطف اللہ کو دیا گیا۔
 - نیروں کوٹ، محمد بیگ بن رستم بیگ کے سپرد ہوا۔ اور
 - ٹھٹھہ شہر شیخ عبدالباقی بن شیخ کالہ قریشی کے حصے میں آیا۔
 سندھ کے اندرونی حالات: اسی اقتدار اور کامل اختیار نے ملک کے
 اندر کئی مسائل پیدا کر دیے۔ سب سے بڑی بات یہ کہ مرزا غازی کا اقتدار
 ملک سے ختم ہو گیا۔ ملک کی آمدنی اور تمام حاصلات اسی خاندان کے
 تصرف میں آ گئے۔ مرزا غازی کے حصے میں ایک پیسہ بھی نہیں آیا، خسرو
 کے ان عزیزوں نے اپنے وسیع اختیارات کے سبب ملک میں ظلم و تشدد اور
 لا قانونیت کی فضا پیدا کر دی، نتیجتاً عوام بیزار ہو گئے۔ حالات جب حدود
 سے نکل گئے تو مشکل سے مرزا غازی کو ہوش آیا۔ اس کے مقربین میں
 بھی انتشار پیدا ہو گیا اور بہت سے مقربین نے اُسے کہہ دیا کہ:

”ہمہ تحت تصرف خسرو خان می رود۔ از بی پروایی صاحب
 فترت معاملات آن ملک ابتر گردیدہ۔ شیرازہ بندی از جملہ
 ضرورت است!“

سندھ سے جو لوگ آتے تھے، وہ سب خسرو کی شکایت کرتے تھے۔
 ”او (خسرو خان) خود را گماشته شما نمی پنداردند۔ نواسہ
 های خود را در صوبہ باسر انجام تمام صوبہ ساخته۔ کہ هر يك
 تقلید شما می دارد۔“

محمد بیگ ولد رستم بیگ نیروں کوٹ کے حاکم کی صورت حال
 کچھ اس طرح بیان کی گئی ہے:

”از غرور جوانی و نخوت کامرانی، بہ نوعی دماغ بہم
 رسانیدہ، کہ اکثر بر ارغون و ترخان تعدی می داشت۔ و
 کسی کہ بہ دیدن او می آمد، بہ جای دست دادن، پا دراز می
 کرد۔“

فتح اللہ بن بھائی خان جو بدین کے حاکم تھے، اس کے پندار کی
 حالت تاریخ طاہری نے اس طرح بیان کی ہے:

”روز عید مرشد خان را۔ کہ میرزا (غازی) او را از پدرش

بائیخان بیشتر میخواست- به تکلیف تمام از جاگیر کہ دران صوبہ داشت، طلب نموده، ازین قسم، آن نکته چین سخن آفرین را آزار داد، و بہ بی تورگی پیش آمد، کہ میرزا خود ہرگز برین مردم، چنین اداہای ناشایستہ نکرده باشد۔ عاقبت، چون بہ انباری فیل سوار گردیدہ متوجہ عیدگاہ گشت، موسیٰ الیہ از آمدن متفعل گردیدہ، بہ جاگیر رفت۔“ (۱۶)

شیخ عبدالباقی ولد شیخ کالا کی حرکتوں کا نقشہ اسی مصنف نے اس طرح پیش کیا ہے:

”شیخ عبدالباقی نواسہ دختری ایشان (خسرو) باوجود اصالت و آدمیت۔ کہ جبلی در خاندان غوث العالم مخدوم شیخ بہاء الدین زکریا بود و هست۔ چنین بی رسمی پسند داشتہ روادار ازین قسم ناشایستگی ہا گردیدہ کہ ... عبدالعزیز ... نجاست در صحبت او و یاران مذکور می ریخت کہ در عین معرکہ گوزہا می زد، و ایشان از ذوق خندہ فراحت حاصل می داشتند۔“ (۱۷)

ایک دفعہ میلے کے دوران، ہندوؤں کی ایک خوب صورت لڑکی مذکورہ عبدالعزیز کے ذریعے عبدالباقی دن دھاڑے عام لوگوں کے روبرو اغوا کر کے لے گئے۔ صاحب تاریخ طاہری نے لکھا ہے کہ اسی عبدالعزیز:

”تشنہ تفت حرارت بی شرمی و ملحد گرسنہ جوع بی ناموسی... اور را در بغل، چون جامی، آن خوش پروین را در میان عزیزان و خویشان روکشیدہ۔ در پی آن گردید کہ از میان برداشتہ در کنار بردہ کار دیگر نیز سازد۔“

لیکن عوام نے اس ظلم پر بہت بڑا ہنگامہ کیا، جس کی وجہ سے انھوں نے وہ لڑکی فوراً واپس لٹادی۔

صاحب تاریخ طاہری نے لکھا ہے کہ: اسی موقع پر جھوٹے اور بڑے ہرایک کی زبان پر یہی الفاظ تھے:

”دران وقت از زبان اہل عبرت، چہ ہندو چہ مسلمان بر آمد:

آخر ہمچنان بہ چشم معائنہ دیدہ شد کہ! الٰہی این حکومت
و حاکمان با صاحب خویش، نگوسار و آوارہ روزگار گردیدہ
شوند۔ چون ناموس غربا برہم می زنند۔ ہمچنان خود بی ننگ
و نام شوند!“

آگے چل کر لکھتے ہیں کہ:

”مردم بر افعال نا پسندیدہ چنین بزرگ زادہ۔ کہ باعث بدین
کار برہم زندہ ہنگامہ ایشان و حکم صاحبش بود۔ خون می
گریستند۔“

ایک طرف رعایا کی یہ حالت تھی اور دوسری طرف عبدالباقی کی
تفریح کا یہ عالم تھا: ”خود چنین عار و عیب را ہنر پنداشتہ چون گل می
خندید۔“

سندھ سے خسرو کی بے دخلی: جب یہ حالات انتہا کو پہنچ گئے اور مرزا
غازی کو سندھ سے متواتر شکایات اور لوگوں کی عام بیزاری کی خبریں
ملنے لگیں تب اس نے خسرو کی معزولی کا پروانہ دے کر اپنے ہندو امراء،
ہندو خان اور مانک چند کو سندھ کی طرف روانہ کیا جو پہلے نصرپور
پہنچے۔ ان کا خیال تھا کہ قاسم بیگلار کا خاندان، جو کہ نصرپور کے
حکمران تھے، ان کو ہم نوا بنا کر بعد میں ٹھٹھہ روانہ ہوں، لیکن وہ جب
وہاں پہنچے تو بیگلاروں نے فساد برپا کر کے مانک چند کو ہلاک کر دیا اور
ہندو خان محصور ہو گیا۔ مرزا غازی کو جب یہ خبر ملی تب اس نے مانک
چند کے بیٹے رائے سنگھ کو ایک بڑا لشکر دے کر قندھار سے سندھ روانہ
کیا، جس کے آنے کے بعد بڑی جدوجہد اور مشکلات سے خسرو کو بے
دخل کیا گیا۔ تاریخ طاہری میں ہے کہ:

”خسرو خان را از معاملات ملک بی دخل ساخته و در ہر
صوبہ کمال تعین داشتہ بہ تحصیل مال و معاملہ مشغول
گشتند۔“

مرزا غازی کا انتقال: مرزا خسرو کی بے دخلی غالباً ۱۰۱۹ء کے آخر یا
۱۰۲۰ء کے ماہ محرم میں ہوئی۔ وہ ٹھٹھہ سے اپنے تمام ساتھیوں سمیت

نکل کر قندھار کی جانب روانہ تو ہوا، لیکن پھر بھی جاتے وقت اپنے ساتھیوں کو سمجھاتا رہا:

”ہمہ را بہ موجب برہم زدگی معاملات اشارت نمود کہ: از او (ہندو خان وغیرہ) رو گردانیدہ در مال گذاری فصل، تا توانند، تقصیر دارند! و ہر طرف فتنہ برپا نمودہ شورش پیدا نمایند! تا میرزا بدانند کہ بی وجود فلانی، چنین حادثہ در ملک ہو یدا گشتہ۔“ (۱۸)

بہر حال خسرو خوش قسمت تھا، وہ ٹھٹھ سے چل کر ہالہ پہنچا تو مرزا غازی کے اچانک انتقال (۱۱ صفر ۱۰۲۰ھ) (۱۹) کی خبر سندھ میں پہنچ گئی۔

خسرو کا دوسرا تسلط اور مرزا عبدالعلی: مرزا خسرو نے اپنے لیے اس واقعے کو نیک فال سمجھا اور یہ ارادہ کر کے ٹھٹھ واپس لوٹا کہ سب سے پہلے مرزا کے ان لوگوں کو، جنہوں نے ان کو بے دخل کیا تھا، ایسی سزا دے جو دوسروں کے لیے آئندہ سبق بن جائے۔

”آن ہندوی جانشین خود را بہ کیفر و مکافات چنان رساند کہ عبرت دیگران شود۔“ (۲۰)

خسرو نے ٹھٹھ پہنچ کر رائے سنگھ اور ہندو خان سے کیسا سلوک کیا؟ اس کی خبر خدا کو۔ لیکن اس نے پہلا کام یہ کیا کہ بقول صاحب ترخان نامہ:

”میرزا عبدالعلی بن میرزا فرخ بن میرزا شاہ رخ بن میرزا باقی - کہ از نبایر میرزا محمد باقی همون ماندہ بود۔ برای گفت و شنود، بر مسند حکومت تہ نشاندہ، ملک و حکومت بدست خود در آورد۔“ (۲۱)

چنانچہ شرمندگی سے بچنے کی خاطر اس بچے کو تخت نشین کیا اور خود از سر نو ملک پر قبضہ کیا اور پہلے کی طرح اپنے خویش اور عزیز و اقارب کو جہاں جہاں ہوسکا، مقرر کر دیا اور پھر خود سیاہ اور سفید کے مالک بن گئے۔

ان کا خیال تھا کہ، عبدالعلی ترخان مرزا غازی کے خاندان کا فرد ہے، اس لیے شہنشاہ جہانگیر باپ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ترخانی سلسلے کے سندھ پر تسلط کے سلسلے میں ضرور عبدالعلی کو نامزد کریں گے۔ جس کے بعد مرزا خسرو ہوں گے اور سندھ کا ترخانی حصہ، کیونکہ عبدالعلی ابھی بچہ ہے، اُس کا ہونا اور نہ ہونا برابر ہے۔

مرزا رستم کا تقرر: خسرو کا یہ خواب شرمند تعبیر نہ ہوسکا، جہانگیر کو جب اجمیر میں یہ اطلاع پہنچی تو:

”خسرو خان غلام میرزا غازی۔ بی حکم اقدس۔ از ابنای میرزا

محمد باقی، خورد سالہ را بہ دست کردہ، باغی شد! میرزا

رستم قندھاری را صاحب صوبہ تہ نمودہ، بر سر خسرو خان

تعین فرمودند۔“ (۲۱)

جہانگیر اپنے حکم کا نفاذ جلد از جلد چاہتا تھا، کیونکہ اسے مرزا خسرو سے خطرہ تھا۔ مرزا سندھ کا ایک طاقتور امیر اور بڑا سیاست دان تھا، عین ممکن تھا کہ وہ وقت کا فائدہ اٹھا کر سرحدی حکومتوں کے ساتھ ساز باز کر کے عبدالعلی کے نام پر سندھ کی آزاد حکومت قائم کروادے۔ اس لیے جب تک مرزا رستم روانہ ہوا، اس سے قبل ہی جہانگیر نے میر عبدالرزاق معمولی کو بخشی گیری کا عہدہ دے کر ٹھٹھہ روانہ کیا، تاکہ خسرو کے منصوبہ سے پہلے ہی اس جگہ پہنچ کر قبضہ کرلیں۔

میرزا عبدالرزاق نے ٹھٹھہ پہنچ کر مرزا عبدالعلی کو معزول کر کے خسرو کو سردست پنج صدی منصب کا لالچ دے کر ملک و حالات پر قبضہ حاصل کرلیا۔ اسی دوران مرزا رستم بھی ۲۱ محرم ۱۰۲۱ھ (۲۳) کو اپنے لشکر سمیت ٹھٹھہ پہنچ گئے۔

خسرو کی بیدخلی اور اجمیر کی طرف روانگی: مرزا رستم کے پہنچنے کے بعد میر عبدالرزاق نے ترخانوں کے تمام قبیلوں کو معزول کر کے شاہ عبدالعلی سمیت، سندھ سے نکال کر جہانگیر کے پاس پیش کرنے کے لیے اجمیر کی طرف لے گئے۔ ترخانی اقتدار کی یہ آخری نشانی تھی۔ ۷۰ برس کی راج دھانی کے بعد سندھ سے ان کی یہ آخری منتقلی تھی۔ اس سے

قبل ارغون ہوں یا ترخان، جو بھی پیچھے رہ گئے، وہ سندھیوں کی طرح رعایا بنے۔ اُنھوں نے قندھار سے آکر سندھ کی گردن میں غلام کا طوق پہنایا۔ مغلوں نے بھی ہندوستان سے آکر ایسا ہی کیا تھا۔ ذخیرۃ الخوانین کا مصنف ایک ہی سطر میں نہایت عبرت ناک نقشہ کھینچتا ہے۔

”نام و نشان آن سلسلہ، بلکہ علامت تمام قوم ارغون و

ترخون، در آن دیار نمائد، اگر احیاناً تا حال خالی زندہ باشد،

از آن زندگی مرگ اولیٰ تراست۔“ (۲۴)

تاریخ ہمیشہ اپنے آپ کو دہراتی ہے، یہ اسی لیے ہی کہا گیا ہے۔ چونکہ سندھ میں تمام سیاست اور ملک کے تمام معاملات پر مرزا خسرو حاوی تھے اور سارا دارومدار اسی پر تھا۔ اسی لیے میر معموری نے اس کو بھی اُس کے قافلے کے ساتھ سندھ سے بے دخل کر کے، جہانگیر کے سامنے پیش کیا۔ یہ وہ کامیابی تھی، جس سے متاثر ہو کر بادشاہ نے اس کو مظفر خان کا لقب دیا۔ اس کے بعد وہ مظفر خان معموری کے نام سے اس طرح مشہور ہو گئے کہ لوگ اُن کا اصلی نام ہی بھول گئے۔ (۲۵)

انجام: ”ترخان نامہ“ کے مؤلف کا قول ہے کہ جہانگیر بادشاہ نے مرزا عبدالعلی کے ساتھ خسرو خان کو بھی قید کر دیا۔

کچھ عرصے کے بعد عبدالعلی نور جہاں بیگم کی سفارش پر رہا ہوئے۔ لیکن خسرو خان کی رہائی کی ضرورت پیش نہ آئی، اس نے جیل خانے میں رہتے ہوئے وفات پائی اور اس طرح زندگی کی قید سے رہائی حاصل کر لی۔

”چون عبدالعلی ترخان و خسرو خان

وغیرہ منسوبان میرزا غازی ترخان... بہ نظر

اشرف اقدس گذشتہ اند. حکم شد کہ:

عبدالعلی و خسرو خان و پسرش را محبوس

سازند... خسرو خان دربندی خانہ فوت

شد... و میرزا عبدالعلی و لطف اللہ پسر

خسرو خان کہ بایخان باشد، شفاعت مہد

علیا نور جہاں بیگم خلاص شدند۔“ (۲۶)

اسی قافلے سے خسرو کے جانے کا مذکور ذخیرۃ الخوانین میں بھی موجود ہے۔

”خسرو با جمیع توابع و لواحق میرزا غازی، بدار البرکہ اجمیر بہ ملازمت بادشاہ عالم رسید و عبدالعلی ترخان ورثہ ترخانہ را، در تہ- بہ جای میرزا غازی بیگ- خسرو خان نشانده. بودند، او را بہ درگاہ آوردند. آن غریب محبوس الابد گردید.“ (۲۷)

لیکن خسرو کا قید خانے میں جانا اور وہاں فوت ہونے کی روایت، فقط ترخان نامہ کا مؤلف بیان کرتا ہے۔ تحفۃ الکرام کی روایت کے بارے میں ان دونوں سے مختلف ہے۔ میر قانع لکھتے ہیں کہ:

”بقولی، وی از تہ سوی بندر لاهری شد. و از اینجا بہ ایران شتافتہ، و بہ قولی، ہمین جا در گذشتہ.“ (۲۸)

ٹھٹھ سے بے دخل ہونے کے بعد، مرزا خسرو کے متعلق فقط یہی روایتیں ملتی ہیں۔ سندھی چھوڑنے کے بعد اُس پر کیا بیتی؟ وہ کہاں مرے؟ کب مرے؟ اُس کی خاک کہاں دفن ہوئی؟ یہ تمام باتیں اخفاء میں ہیں۔

خسرو کی تعریف: سندھی مورخین نے خسرو کی بے حد تعریف کی ہے۔ وہ علم پرور تھے، سخی نیک سیرت اور فقیروں کے دوست تھے۔ عبادت گذاری اور پرہیزگاری ان کا شعار تھا۔ علاوہ ازیں ملکداری کی تمام صلاحیتوں کے مالک تھے۔ شیخ فرید بکھری نے لکھا ہے:

”او موصوف بہ صفات حسنہ بود. اولاً زاہد، عابد، متدین، فقیر دوست، سخی بی دریغ بود. سوال ہیچ کس اصلا رد نمود. و حسن سلوک بہ مرتبہ داشت کہ اگر او دعوای سرداری می کرد مردم بہ طوع و رغبت سرداری او قبول می کردند. و میرزا غازی را از میان بر می داشتند، بنا بران مرزا دست انداختن او، قادر نشد.“ (۲۹)

یہ مرزا کے ایک ہم عصر مورخ کا قول ہے، جو کہ خود سندھی تھا اور مغل دور کا بہت باخبر اور فعال نویسندہ تھا۔ اس کے علاوہ مرزا کے بیٹے لطف اللہ بھائی خان سے بھی ذاتی ملاقات اور تعلق تھا۔ اُس کا یہ کہنا بالکل دست ہے کہ: ”مرزا خسرو اتنے اثر و رسوخ والے تھے کہ، جب کبھی وہ چاہتے تو خود سندھ پر بہت آسانی سے قبضہ کر سکتے تھے، لیکن اُنھوں نے ایسا نہ کیا، شاید اسے نمک کا احساس تھا۔ اس کے اقتدار کی مضبوطی اور اس قوت کا کرشمہ تھا کہ جس کے خوف سے مرزا غازی شروع ہی سے خسرو کا اقتدار ختم کرنا چاہتے تھے، لیکن یہ ان کے لیے ممکن نہ تھا اور آخر تک وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکا۔

آثار: خسرو کی سخاوت، دریا دلی، نیک طبعی اور صالح طبیعت کی تعریف کرتے ہوئے مندرجہ بالا مصنف نے آخر میں لکھا ہے کہ:

”صاحب خیر و توفیق، مثلش کسی درین زمین برنخاستہ۔

آثاری کہ از و در سند ماندند، احدی از ملوک و امرا بر

عشرش موفق نشد۔“

میر قانع تحفة الکرام میں لکھتے ہیں کہ: ”ٹھٹھ اور اس کے گرد و نواح میں خسرو خان نے (۳۶۰) تین سو ساٹھ رفاہ عامہ کے لیے عمارتیں بنوائیں، بہت سی مسجدیں، تالاب، کنویں، مقبرے، پل اور مسافر خانے وغیرہ تعمیر کروائے اور اس پر اس نے دریا دلی سے بے دریغ پیسہ خرچ کیا۔

میر قانع کا قول ہے کہ یہ کار خیر اس نے اس لیے شروع کیا کہ ایک دفعہ وہ اپنے مکان کی جھت پر بیٹھے تھے کہ اچانک ان کی نظر سامنے والے گھر پر پڑی، جہاں گھر کی مالک خاتون ننگی نہا رہی تھی۔ خسرو بے حد متقی پرہیز گار اور نیک خوتھے۔ اگرچہ یہ گناہ اُن سے بے خبری میں سرزد ہوا، لیکن کفارہ ادا کرنے کے خیال سے اُنھوں نے چاہا کہ خود کو اندھا کر دیں۔ اس وقت کے علماء کو جب اس بات کی خبر ہوئی تو اُنھوں نے ایسا کرنے سے منع کیا اور ان کی تجاویز اور صلاح مشورے سے یہ عمارتیں عوام کی آسائش کے لیے بنوا کر کفارہ ادا کیا۔ عمارتوں کی یہ تعداد (۳۶۰) علماء نے اس کے لیے مقرر کردی تھی۔

میر قانع لکھتے ہیں کہ: مرنے کے بعد کسی شخص نے آپ کو خواب میں نہایت خوش و خرم دیکھا تو اُنھوں نے آپ سے پوچھا کہ اس سہریانی و عنایات کی وجہ کیا ہے؟ جس پر مرزا نے جواب دیا جو بھلائی کے کام میں نے کیے تھے اور رفاہ عام کی جگہیں، مسجدیں، خانقاہیں اور پل وغیرہ بنوائے تھے، اس کا تو یہاں مجھے کوئی فائدہ نظر نہیں آیا۔ اس کا اجر یا جزا تو اس دنیا میں ہی دے دیا گیا۔ یعنی اُنھی کی وجہ سے میری نیک نامی ہوئی۔ یہاں جو میری حالت ہے وہ ایک اس خاص واقعے کی وجہ سے ہے۔ ایک دفعہ میں کاغذ پر کچھ لکھ رہا تھا، سیاہی کے دھبے پر مکھی آکر بیٹھ گئی اور اُس کو چوسنے لگی۔ میں نے اپنا قلم تب تک روکے رکھا، جب تک مکھی سیاہی چوس کر اڑ نہ جائے۔ یہی واقعہ، جو نہ میری زبان پر کبھی آیا اور نہ ہی میں نے کسی خاص وجہ سے اس کو اہمیت دی، میرے تمام گناہوں کی بخشش کا سبب بنا۔ (۳۰)

”مقالات الشعراء“ میں میر قانع نے مکھی والا واقعہ بیان کرتے ہوئے، مثال کے لیے یہ شعر دیا ہے:

خاطر موری جو کئی شاد تو
خانہ بہ جنت کئی آزاد تو (۳۱)

یہ واقعہ درست ہو یا غلط، یہ خواب سچا تھا یا من گھڑت، لیکن اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ لوگوں کو خسرو کے لیے کتنی خوش اعتقادی تھی کہ ان لوگوں نے اچھی اچھی باتیں خسرو سے منسوب کر دیں۔

۳۶۰ رفاہ عام کی وہ جگہیں جو مرزا خسرو نے تعمیر کروائیں تھیں۔ وہ سب نیست و نابود ہو چکی ہیں۔ ممکن ہے کہ آج کوئی کنواں، چھوٹی سی مسجد یا خانقاہ موجود ہو، لیکن اس کی خبر کسی کو نہیں ہے۔ اس وقت صرف دو مقامات کے آثار کا علم ہے، جن میں سے ایک ٹھٹھہ کی مسجد دابگیر اور دوسری ان کے نام سے منسوب مکلی میں ایک رانک ہے جس کو اس وقت ”ست چڑھنی“ کہا جاتا ہے۔

مسجد دابگیر: جنوب مشرقی کونے میں واقع ہے۔ حضرت نگر ٹھٹھہ کا جو ویران حصہ ہے وہ اُس زمانہ عروج میں محلہ دبگیران (۳۲) کہا جاتا تھا۔

خسرو کی اپنی حویلی بھی شاید اسی کے آس پاس (۳۳) تھی اور غالباً یہی سبب تھا (۳۴) کہ اس نے یہ خوب صورت اور عمارتی نقطۂ نگاہ سے شاندار جامع مسجد تعمیر کروائی۔ اس مسجد کے مسمار شدہ آثار کا ذکر کرتے ہوئے مسٹر کزنس لکھتے ہیں کہ:

Upon the out skrits of the town, to the south, is the old brick Mosque, khown as the Dabgir Masjid, which has been very badly ruined. It is perhaps, the oldest Mosque in the place? and may have been the older Jami Masjid in which Shah Jahan worshipped, when he was in Thathah, as it dates back to A.D 1588. It is also known as Amir khusro Khan's Masjid.... (121)

The Mosque measures 98 by 48 feet, and has three bays surmounted by one large and two small domes. It still Contains some very fine coloured tile work; and the mihrab, which is of stone, covered with the most delicate tracery, is a superb piece of work. (35)

ایک عرصے سے یہ مسجد محکمہ آثار قدیمہ کی زیر نگرانی ہے، مگر رنگین کاشی کے کچھ حصے بچے ہوئے ہیں۔ تمام مسجد سیم اور تھور کی زد میں آچکی ہے۔ محراب کی پیشانی پر درج ذیل کتبہ ہے:

بسم الله الرحمن الرحيم محمد رسول الله

والذين معه اشداء على الكفار رحماء بينهم. ۹۹۷ھ

خسرو نے مسجد میں پہلی بار بطور پیش امام خطیب اور متولی سید ابوالمکارم کو مقرر کیا۔ جو بزرگی کی تمام اعلیٰ صفات سے سنوارا ہوا اور سید احمد بن محمد عابد مشہدی کی اولاد میں سے تھا۔ وہ بزرگ اسی مسجد کے ساتھ ہی رہتے تھے۔ وفات کا سال ”ستون دین فتاد“ سے نکالا گیا۔ (۱۰۶۵) - (۳۶)

درس للو ٹھٹھ کے مشہور بزرگ بھی اسی مسجد سے متصل

مشہدی سادات کے محلے میں کافی وقت رہے۔ مخدوم ہاشم علیہ رحمۃ (المتوفی ۱۱۷۴ھ) ہر جمعہ کی صبح کو اسی مسجد میں وعظ فرماتے تھے۔ اُن کے بعد اُن کے بیٹے مخدوم عبداللطیف اپنے باپ کے طریقے پر عمل کرتے رہے۔ ۱۱۸۷ھ میں اُنھوں نے میاں محمد سرفراز کلہوڑہ کی ملازمت اختیار کی اور ٹھٹھہ سے چلے گئے۔ جس کے بعد اُن کے بیٹے مخدوم محمد ابراہیم (عرف مولا ڈنہ) جس کو مڈٹی میں فوت ہو جانے اور وہیں دفن ہونے کے باعث ”مڈٹی مرقد“ پکارا جاتا ہے، وہ اسی مسجد میں وعظ کرتے تھے۔ (۳۷)

رانک خسرو: مکلی نامہ میں ”رانک خسرو“ کا ذکر کیا گیا ہے، جس کی تعریف کرتے ہوئے مصنف لکھتا ہے کہ:

’رسد این جا اگر ارواح قدسی شود با زمرہ سیار انسی
 بہ نام ایزد چہ نیکو جا یگاہ است فضایش جملہ پاکیزہ نگاہ است
 مکلی نامہ میں رانک کی جائے وقوع اور عمارت کی تمام نشانیاں
 بیان کی گئی ہیں۔ گمان غالب ہے کہ، یہ رانک مکلی پر وہی ہے جس کو
 ”ست چڑھنی“ کا عوامی نام دیا گیا ہے۔ یہ نام اس وجہ سے مشہور ہوا کہ
 بالائی حصے میں جانے کے لیے سات اطراف سے عمارت میں سیڑھیاں
 موجود ہیں۔ محکمہ آثار قدیمہ کے سابق ڈائریکٹر مسٹر کوریل کا قول ہے
 کہ: فنی لحاظ سے اور عمارت سازی کے نقطہ نگاہ سے اس عمارت کی مثال
 مکلی میں کوئی دوسری نہیں ملتی۔

عمارت کا بالائی حصہ گرچکا ہے۔ زیریں حصے میں ساتھ والے
 نشیمن اور دیواریں موجود ہیں۔ اندر کی جانب کچھ قبریں ہوں گی، لیکن
 اب ان کی کوئی نشانی موجود نہیں ہے۔ ”ست چڑھنی“ کو مکلی نامہ
 میں رانک خسرو کے نام سے متعین کرنے کے لیے راقم الحروف ذمہ دار ہے۔
 کیونکہ مکلی نامہ میں دیے گئے نشانات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہی
 خسرو کی رانک کہی جاتی ہے۔

خسرو کی علم دوسری اور شاعری: مرزا خسرو علم دوست اور
 شعر و سخن کے دل دادہ اور سر پرست تھے۔ خسرو نے اپنے زمانے میں

بہت سے علماء اور ادیبوں کی سرپرستی کی۔ سید عبدالقادر جنہوں نے اپنی کتاب ”حدیقة الاولیا“ اس کے نام معنوں کی، وہ بھی ان سے وابستہ تھے۔ خسرو خود بھی شاعر تھا۔ مقالات الشعراء کے مصنف نے بطور نمونہ ان کے یہ اشعار دیے ہیں:

خسروا خانی تو در وقتی کہ از جان کرم
 هر صباح و شام می خوانی به سر اهل هم
 خاین درگاه رب العالمین باشی اگر
 از تو ناراضی رود جانی ز تن سوی عدم
 جهد کن، گرد آر دلہای خلائق، و آنکھی
 هرچه باشی باش یکسانست گدا و محتشم

میر ابوالقاسم بیگلار: جس نے مرزا غازی کے خلاف بغاوت کی تھی اور بعد میں ۱۰۱۱ھ میں اسے گرفتار کر کے اندھا کر دیا گیا۔ اس نے میرزا خسرو چرکس کے لیے شکایتاً ایک طویل نظم لکھی ہے، جس کے درج ذیل چند اشعار صاحب ذخیرۃ الخوانین نے محفوظ کیے ہیں۔ (۳۸)

نیک بختا با کسی از بھر دنیا، بد مباش
 چون ز مهر بی وفاء، هرگز وفا را کس ندید
 دل منہ بر طرف دنیا هرگز پیر کھن
 کین زنی مکارہ دارد میل بر مرد جدید
 از بنفشہ یا سمن گشته به مویت کن نگاہ
 ظلمت شب آخر آمد، صبح صادق بر دمید
 قاتمی گویم چوسر وی داشتی، ای نوجوان!
 از زمان از ضعف پیری جانب پستی خمید

امیر خسرو دہلوی کی غزل کا درج ذیل شعر مرزا بطور سجع استعمال کرتے تھے:

خسرو از تو پناہ می طلبد

ای پناہ من و پناہ همه (۳۹)

حدیقة الاولیاء: سندھ کے صوفیائے کرام کا یہ (۴۰) دوسرا قدیم

تذکرہ سید عبدالقادر بن سید محمد ہاشم بن سید محمد الحسینی ٹھٹوی نے ۱۰۱۶ھ میں اس وقت لکھا، جب مرزا خسرو مرزا غازی کی طرف سے نصف سندھ پر قابض تھے اور ملک کے سیاہ و سفید کے مالک بن گئے تھے، لکھ کر اس کے نام معنون کیا۔

سید عبدالقادر نے دیباچہ میں اُن کے متعلق درج ذیل عبارت آرائی کی ہے:

”چون درین روزگار خجستہ آثار گلبانگِ عدالتِ کسری و

فضل پروری اسیرِ کبیر صائبِ رای ثاقبِ تدبیر، بیت:

ہر کجا جزمش کند خلوت زمانہ پردہ را

ہر کجا عزمش دہد فرمانِ جہان فرمانِ پزیر

مغیثِ کافہ انام، معینِ مراسمِ اسلام، مشیدِ ارکانِ دولت و

جہان فانی، موبدِ اساسِ سلطنت و کامرانی، فائزِ سحاب

جود و افضال، جامعِ مراسمِ فضل و کمال، بیت:

آنکہ آثارِ صفایِ دلش از چہرہ عیان

نورِ خورشیدِ ہدایت ز جبینش رخشان

وانکہ از فیضِ سحابِ کرم و معدلتش

شد ہمہ عالم و آفاق جو باغِ رضوان

رافعِ لوایِ شریعت، ناصبِ رایاتِ طریقت، خافضِ آیات

ضلالت و بدعت، جامعِ کمالاتِ علمی و عملی، حاوی

مراسمِ صوری و معنوی، المولفہ:

جمالِ صورت و معنی، کمالِ دین و دول

نہالِ دولت و جاہ و گلِ حدیقہٗ جان

خلیلِ خلق و مسیحا نفسِ علی ہمت

خلیلِ قدر و رفیعِ المکان، عظیمِ الشان

زہی کریم کہ دستِ سخایش غارت کرد

ہمہ ذخایرِ بحر و ہمہ دفاینِ کان

سحابِ دستِ نوازش جو قطرہ بار شود

ز قطره قطره شود رشحه قلزمِ عمان
مرجع افاضل روزگار و مهبط طوائف ایرار و احرار، صاحب
معرفت و ایقان امیر خسرو خان- لازال دولته و ایالته، مستقیماً الا
یوم الحساب، مصوّناً عن اسباب النقص والانقلاب- محبط آفاق و
انفس گردیده و به مساح سکانِ عالمِ قدس رسیده. و در عهد
میمونش و روزگارِ هما یونش کافه برایا و عامه رعایا مرفه حال و
فارغ بال، از شکوه روزگار مصئون و از اضرار اشرار محروس و
مامون. صاحب خیری که تشنه لبان خشک سال نیاز از فیضان
سحابِ بذل و افضال آن ذاتِ بی همال درعینِ نعم و ناز سیراب
ساخت و ملتجیان دربار فیض آثار آن بحر ذخار از خواهش و آرز
مستغنی و بی نیاز نمود. لمولفه:

از فیضِ نشاء کرم او جهانیان
با مایه نشاط و طرب همدم و ندیم
بر خلق واجب است دعا و ثنای او
کز حضرت کریم بود نعمت جسیم
صفدری که در هنگام کار زار حُسام ذوالفقار کردارش شعله
ایست آتش بار که خرمن وجود اشرار و کذار به یک طرفه
العین بسوزاند. آبی هست خوش گوار که حلق تشنه دشمن
نکو هیده کردار را به یک دم سیراب گرداند. دیبایی است ملون
که به مجرد دیدن دشمن برتن به تقد جوهر جان خریداری آن باز
نماید. و خدنگ تیز پرش همایون مرغی است از آشیانه قدس
که نامه فتح و ظفر در بال و پر بسته دارد. عقابی ست که از
نشیمین قضا که در پی شکار مرغ روح اعداد دهان واکشاده
است. و همایی از قاف تقدیر که به جهت استخوان دشمن شیر
طیران گشته. و شبذیز دلدل مثالش از سرعت گرمی جولان
خون چکان و از نعل آتشین شراره فشان. تند بادی است وزان،
و ابری است قطره ریزان. برقی لا مع در خشان. صاحبِ رایی

کہ تدبیرش شگفتہ گلی است از گلینِ عالمِ قدس کہ شاهدِ قضا
 عمامہٗ خود را بہ آن بیاراید۔ دستِ انبوی است کہ مشامِ دماغِ
 عروسِ فکرت و اذکا از رایحہٗ آن بیاساید۔ جہانِ بانی کہ از پرتو
 خورشیدِ معدلتش کلبہٗ جہانیان روشن شدہ و از نسیمِ لطف
 مکرمتش عرصہٗ بسیطِ غیرا گلشنِ گشتہ۔ شعر:

بہ عہدش کارہایی یافت بنیاد
 کہ ماند تا کہ بنیادِ جہان باد

حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ تا انقراضِ عالم و انتہایِ بنی آدم،
 حدیقہٗ دولت و اقبالِ آن کریم الخصال از جویبارِ بقا سرسبز
 وریان گرداند۔ و تخیلِ حیاتِ آن ذاتِ ملکی صفاتِ مثمر و بارور
 گرداند، الٰہی یومِ التناد بالنبی وآلہ الامجاد۔

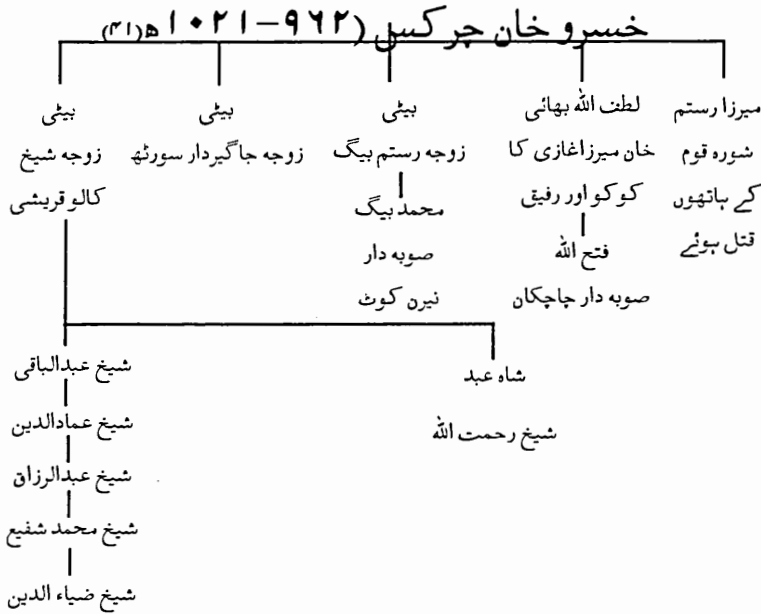
بنا علی ذالک، این محقی از ذرہٗ کمتر، کہ از تراجمِ فنونِ بلیات
 و تصادمِ صنوفِ نکبات، سراسیمہ و پریشان و والہ و حیران بود،
 از زبانِ حالِ ندایِ این مقال بہ گوشِ ہوش شنود۔ شعر:

خیز و نزدیکِ خداوند شو! این حالِ بگوی
 چارہٗ ای از کرمِ او کہ کریمِ است، بجوی

بہ استبشارِ این بشارت و استبصارِ این اشارت از رویِ صدق و
 عقیدت و التجا بدان درگاہِ والا آورد کہ عنوانِ این صحیفہ بہ
 نامِ میمون و اسمِ ہمایونِ آن کریمِ الطبعِ موشحِ ساختہ، تابینِ
 لقبِ سامی و اسمِ گرامیِ او مشہورِ جمیعِ اصصارِ گردد و
 مقبولِ انظارِ اولو الابصارِ شود، و واضحِ این دفترِ نیاز مند و
 جامعِ این اوراقی چند، ادخار بہ چنگِ آرد و از شدایدِ روزگار
 و فتنِ لیل و نہار وارہد۔ انشاء اللہ الکریم۔

مندرجہ بالا عبارات سے دو دو باتوں کا اندازہ ہوتا ہے۔ اول: مرزا
 خسرو کے سلسلے میں اسی زمانے کے ایک ادیب کے خیالات کیا تھے؟
 اور دوسرے یہ کہ اس دور میں سندھ میں فارسی تحریر کا کیا انداز تھا۔
 اولاد: خسرو کی اولاد کے متعلق صحیح علم نہیں ہے۔ ہمیں جو نام مل

سکے ہیں، ان کے سلسلے کی صورت حال کچھ یوں ہے:



بھائی خان: مرزا کی تمام اولادوں میں لطف اللہ بھائی خان زیادہ مشہور ہوئے۔ بھائی خان کا لقب مرزا غازی نے ”کو کہ“ ہونے کی وجہ سے دیا تھا۔ مرزا غازی جب زندہ تھے، اس کے ساتھ رہتے تھے، جب مرزا فوت ہوئے تو مرزا کو زہر دیے کر مارنے کا الزام اس پر لگایا گیا۔ (۳۲) اسی زمانے میں مرزا غازی نے اپنے باپ کو معزول کر کے، اسے اپنے پاس قندھار بلوایا تھا۔ اگر مرزا کی زندگی میں خسرو قندھار پہنچتے تو یقیناً جو حالات تھے، اس کے مطابق انہیں ناقابل برداشت عقوبتیں دی جاتیں، کیونکہ مرزا غازی یہ کہہ چکے تھے کہ:

”ہمہ غلامان حرام نمک را۔ کہ پا از گلیم بیرون آورده و سراز اندازہ بدر پرده مارا بنظر نمی آورند۔ بدین عقوبت خوار و رسوا خواہم ساخت کہ خسرو خان را چوب در دست داده، دربان

کنیزان چند گہ در کار بست می نماییم۔ فتح اللہ ولد لطف اللہ
 بای خان را کہ حاکم بدین شدہ، آفتابچی می سازم، کہ پدرش
 در جرگہ نشستہ باشد و او آب بردست آن کسان برید، کہ آنرا
 از جملہ نوکران خود نمی پنداشت۔ محمد بیگ کہ بسیار
 نازک و بیشتر تقلید ما می دارد، جلاجل جلو داران در کمرش
 می بندیم و در جلو می دوانیم تا بداند کہ صاحب ماہست و
 نتیجہ بی دیانتی خود می یابیم۔“ (۲۳)

تاریخ طاہری کے مصنف نے آخر میں لکھا ہے کہ: جب مرزا یوں
 کہہ رہا تھا، اسے اس وقت یہ علم نہیں تھا کہ قضا و قدر کا فیصلہ اس
 سلسلے میں کوئی اور ہوجکا ہے۔ جو کنواں وہ مرزا خسرو کے لیے کھود
 رہا ہے، اس میں اُس کو گرا دیا جائے گا۔

”از قضا و قدر خبر نداشت کہ حریفان چند پختہ کار پیش
 ازین کار ما تمام خواهند ساخت۔ و چاہی کہ ہنوز برای
 افگندن ایشان کنندہ ایم در آن مرا خواهند انداخت۔“

یہی مصنف سید طاہر نسیانی، مرزا غازی کا مقرب تھا اور قندھار
 میں اس کے ساتھ قیام پذیر تھا۔ آگے چل کر لکھتا ہے کہ:

”از حاضران صحبت، چنین استماع داشتہ کہ چون از عمر آن
 جامع الکملات و صاحب فراست تتمہ نماوند، ہمین نادولت
 خواہان چند، کہ در اصل عالم بہ صاحب کشی شہرت
 یافتہ، بی موجب تغیر و تبدیل خواری و بی ناموسی، زہر در
 کام و کاسہ اش ریختند و روی خود در ہر دو عالم سیاہ
 ساختند۔“

اس مصنف نے آپ کی موت پر جو تاریخی قطعہ کہا ہے، اس میں
 بھی زہر دینے کا اشارہ موجود ہے۔

زہر در کاش غلامان ریختند از بہر آن
 تا بگیرند، جای او آیند اندر منزلش

قاضی محمود ٹھٹھوی نے مرزا کی موت کی تاریخ ”کشتہ جوروجفا“

سے نکالی ہے۔ اسی طرح مائر الامرا اور تحفة الکرام کے مولف نے بھی اس واقعے کی اس نوعیت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ مثلاً میر علی شیر قانع یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

”بدست غلام خانہ زادش عبداللطیف نام بقولی خفہ و بقولی مسموم کردند.“ (۴۴)

یعنی زہر دینے والی روایت کے علاوہ گلا گھونٹ کر مارنے کی روایت بھی زبان زد عام تھی۔ مائر رحیمی کے مولف نے لکھا ہے کہ: وفات کا سبب قولنج کہا جاتا ہے۔ لیکن زیادہ تر زہر دینے والی بات مشہور ہے۔ (۴۵)

صاحب ذخیرۃ الخوانین بھائی خان لطف اللہ کے واقف تھے، بلکہ ان دونوں کے تعلقات بھی تھے۔ زہر دینے کی روایت کے بعد مولف مذکور لکھتے ہیں کہ:

”بعد از وقوعِ این حادثہ۔ کہ بایں خان در سلكِ جہانگیری منسلک شد۔ در سفر مرتبہ اول کشمیر در ۱۰۲۸ھ در رکاب سعادت جہانگیر بود۔ در مقام بابا حسن ابدال مسودِ این اوراق شیخ فرید بکری را با میر خواجہ محمد مودودی چشتی از روی ہم وطنی و معرفتہای سابق بایں خان بہ خانہ خود طلبیدہ ضیافت کرد، در مجلس ہمین مقدمہ کشتنِ میرزا، در میان آمد، بایں خان مصحف مجید برداشت کہ: از من این امر صدور نیافتہ و نہ بہ دانستگی من شدہ میرزا بہ اجلِ طبیعی در گذشتہ و از افراطِ شرب شراب میرزا ازین عالم رحلت کردہ.“ (۴۶)

حسن ابدال کی منزل پر بھائی خان نے قسم کھا کر خود کو اس الزام سے بری کرنے کی سعی کی۔ لیکن یہ قطعی ناممکن ہے کہ ایک شخص اتنی بدنامی اور بے عزت ہونے کے بعد قسم کھا کر نمک حرامی اور خون کے جرم کا قبول دار ہو جائے!

مرزا غازی حقیقتاً شرابی تھا۔ رات دن نشے میں مدہوش اور مخمور

رہتا تھا۔ اس کی صحت بھی خراب ہو چکی تھی۔ ممکن ہے کہ ایک شرابی کا جو انجام ہوتا ہے، وہی اس کا بھی ہوا ہو۔ لیکن بھائی خان پر، مرزا کے خون کا جو الزام لگ چکا ہے، اسے اب تاریخ کے صفحات سے مٹایا نہیں جاسکتا۔ جب کبھی مرزا غازی اور بھائی خان کا ذکر ہوگا، اُس وقت زہر دینے کا الزام بھی لازماً سامنے آئے گا۔ اس کے لیے نمک حراسی اور محسن کشی کے الفاظ ابھر کر سامنے آئیں گے۔

بھائی خان کے لیے مرزا کی وفات پا جانے کے بعد یہ بات بھی مشہور ہوئی کہ بھائی خان نے قندھار پر تسلط جمانے کی کوشش کی تھی۔ لیکن اسے کامیابی حاصل نہیں ہو سکی۔ ترخان نامہ کا مؤلف اس کا راوی ہے، اور لکھتا ہے کہ:

”بابی خان ولد خسرو خان بعد از رحلت میرزا، خیال فاسد قایم مقامی میرزا بہ خاطر رسانیدہ، اداہای جنگ نمود۔ مردم او را مستہم داشتند کہ: از روی حرام نمکی آقایی خود را خفہ کرد۔“ (۴۷)

بھائی خان چونکہ مرزا غازی کے معزز امراء میں سے تھے، اس لیے ہو سکتا ہے کہ جب تک دربار میں کوئی دوسرا صوبے دار مقرر ہو کر آئے، تب تک انہوں نے قندھار کے انتظامات سنبھالنے کی کوشش کی ہوگی۔ لیکن انہیں یہ کام کرنے کی مندرجہ بالا بیان کے مطابق، لوگوں نے مہلت ہی نہیں دی ہوگی۔ علاوہ ازیں جہانگیر نے انہیں وہاں رہنے نہ دیا۔ اس خطرے کی وجہ سے کہ کہیں وہ ایران سے کوئی سازش کریں، اسی لیے اسے واپس بلوایا۔ (۴۸)

ترخان نامہ کے مصنف کی روایت ہے کہ بھائی خان مرزا خسرو اور مرزا عبدالعلی کے ساتھ جیل میں تھے، جہاں سے وہ مرزا عبدالعلی کے ساتھ بیگم نور جہاں کی سفارش پر رہا ہوئے۔ (۴۹)

شیخ فرید بکھری کا قول ہے کہ جہانگیر نے اُن کو بڑی عزت و احترام کے ساتھ قندھار میں اپنے پاس بلوایا۔

”بعد از وقوع این حادث بابی خان درسلک جہانگیری

منسلک شد... بعد از قوت میرزا غازی بیگ خلیفہ الہی بہ
توہم آنکہ مبادا بایی خان قندھار را بہ قزلباش دہد، اہل بی
اوزبک... بہ قندھار فرستادند و بایی خان را بہ صد گونہ اعزاز و
احترام بہ حضور طلبیدند۔“ (۵۰)

اُن کے متعلق آخری اطلاع یہی ہے جو کہ اوپر دی جا چلی ہے۔
یعنی ۱۰۲۸ھ میں وہ کشمیر کے سفر میں جہانگیر کے ساتھ تھے، اس کے
بعد تاریخ اُن کے بارے میں بالکل خاموش ہے۔ ہاں البتہ ایک تاریخی کتبے
سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بھائی خان ۱۰۳۲ھ میں بھی جہانگیر کے دامن
دولت سے وابستہ تھے۔

مغربی خاندیش کے شہر نندر بار بذر بار میں، ایک خدا رسیدہ
بزرگ، سید سعادت علاؤ الدین امام بادشاہ صاحب کی خاتقاہ ہے، جہاں
دن بھر ہزاروں عقیدت مندوں کی آمد و رفت رہتی ہے۔ اس بزرگ کا مقبرہ
بھائی خان لطف اللہ کا تعمیر کردہ ہے۔ مقبرے کے کتبے کی عبارت اس
طرح بیان کی جاتی ہے:

”در زبان خلافت جہانگیر بادشاہ غازی بندہ درگاہ لطف اللہ
عرف بایی خان ابن خسرو تثنی بنا نہادہ در تاریخ غرہ ماہ
ذوالحج ۱۰۳۲ھ بہ اتمام رسانیدہ۔“ (۵۱)

اس کتبے کی بنیاد پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ باپ کی طرح بھائی
خان کا رجحان بھی یادگار عمارات تعمیر کروانے کی طرف تھا۔ اس کے
علاوہ یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ہندوستان میں بھائی خان نے اپنی زندگی
ثروت مندی کے ساتھ گذاری۔

بھائی خان کب فوت ہوئے؟ کہاں دفن ہوئے؟ اس کے متعلق کوئی
بھی اطلاع نہیں ہے۔

مرزا رستم اور زوجہ شمشیر بیگ اوزبک: مرزا خسرو کی اولاد کا ذکر اوپر
کہیں آچکا ہے۔ مرزا خسرو کے بڑے بیٹے مرزا رستم کا تفصیلی ذکر
تاریخ میں کہیں نظر نہیں آتا، سوائے ”تاریخ مظہر شاہجہانی“ کے، جس
میں اس کا ذکر ضمناً آیا ہے۔

میرک یوسف سرکار چاکر ہالہ کی سرکش قوم کا ذکر کرتے ہوئے
شورہ قبیلے کے بیان میں لکھتا ہے کہ:

اس قوم نے ترخان عہد میں اپنی خود سری کے باعث حکومت کا
انتظام اور اُس کا عمل دخل درہم درہم کر دیا تھا۔ اس قوم کے ساتھ
حکومت کی طرف سے جب مقابلہ ہوا، تو اس میں سے ایک میں مرزا
خسرو کا بڑا بیٹا رستم مارا گیا۔ مرزا خسرو نے دوبارہ بھاری تعداد میں
کمک جمع کر کے (شورہ قبیلہ) پر حملہ کیا، لیکن کچھ حاصل نہ ہوسکا۔
شورہ نومڑہ کے ساتھ مل کر پہاڑوں میں چھپ گئے۔ مرزا خسرو
”کوہیار“ اور ”زنکار“ تک ان کا پیچھا کر کے واپس لوٹ آئے۔ (۵۲)

ذخیرۃ الخوانین سے مرزا خسرو کے خاندان کی ایک عورت کے
متعلق کچھ معلوم ہوتا ہے، جس کی شادی ٹھٹھ اور سہون کے صوبے دار
شمشیر خان اوزبک کے ساتھ ہوئی تھی۔ ذخیرۃ الخوانین کے مؤلف نے
اسی صوبے دار کی حماقتوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

”صاحب صوبہ تہ شد، در آنجا از سلسلہ خسرو خان چرکس
خواستگاری نمودہ، باز بہ جاگیر سرکار سیوستان آمد... حکایت سادہ
لوحی ایشان، مکرر بہ سمع اشرف اقدس صاحب قران ثانی (شاہجہان
پادشاہ) رسید۔ از منصب و جاگیر افتاد... از جملہ حکایات اویکی این است
کہ: روزی درون محل رفت و آن منکوخہ چرکس۔ کہ نو در حبالہ نکاح خود
آوردہ بود۔ و بازیب و زینت نشستہ بود، خان مشارا الیہ نگاہ بہ جانب
او کردہ پرسیدند کہ: این عورت کیست؟ و از کجا آمدہ؟ کیوانوی خانہ بعد
از قسم مغلطہ خاطر نشان ایشان ساختند کہ: او منکوخہ شما است!“ (۵۳)

۱۳ - شاہ پریاں

مکلی نامہ میں شاہ پریاں کا ذکر کرتے ہوئے (۵۴) میر قانع نے لکھا
ہے کہ:

”جایی است چہار دیواری و درو چند قبر۔ باعتقاد عالم انات
آرا جای شاہ پریاں نامند۔ کہ روز خمیس ہر ہفتہ، ہجوم
زیارت زنان پری طلعتان آن جا محشر طاقت نظارگان می

شود۔“

میر قانع نے نظم اور نثر کے ذریعے اس آستان کی تعریف میں پورے آٹھ صفحات تحریر کیے ہیں۔ سبزہ زار، برسات کے موسم، پُر لطف نظارے، مہ و شوں کی محشر خراسی:

پری رویان بلای دین و ایمان
در آنجا ہر طرف محشر خرامان
سیاہ چشم عورتوں کی دائیں بائیں غارت گری، کبھی شوخی،
کبھی عشوہ کبھی ناز:

نگاہِ شان، نمی دارد، یک انداز
گہی شوخی، گہی شکوہ، گہی ناز
بہ چشمان سیہ، غارتگری ہوش
کمان زہ کردہ، از ابروی تا گوش
غرض کہ تعریف کرتے کرتے میر قانع اس جگہ کی کیفیت اور فضا
کو شہداء عشق کی کربلا قرار دیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ:
رود آنجا کسی، کو را ہوائی است!
شہیدِ عشق را خوش کربلائی است!

یہ قصہ پرانا ہے، دو سو برس گذر چکے ہیں۔ شاہ پریاں کا آستانہ آج
بھی موجود ہے، لیکن ویران بیابان اور بے آب و گیاہ ہے۔ گرد و پیش بہت
بے رونق ہے۔ ماحول دل و دماغ کو بڑا مایوس اور اداس کرنے والا نظر آتا
ہے۔ دکھ اور غم کے ستائے ہوئے لوگ یہاں آکر کوئی سکون محسوس
نہیں کرتے۔ غموں میں ڈوب کر ماضی کے عذاب سے دوچار ہو کر یہاں
آتے ہیں اور سب کچھ فراموش کر کے یہاں سے اداس و غمگین چلے جاتے
ہیں۔ پتھروں کے ٹکڑوں کی بنی ہوئی کچی حد بندی کے اندر تنکوں کے
سائے تلے تین لاوارث اور اداس قبریں ہیں۔ جن کا کوئی نام پتا نہیں ہے۔ ان
کا کوئی وارث بھی نہیں۔ پری طلعتوں کی محشر خراسی تو کجا اس
وقت شاید ہی کوئی زیارت مند ادھر آتا ہو۔ مجاور کے بجائے آثار قدیمہ
کا چوکی دار کبھی کبھی کسی وزیر یا امیر کے مقبرے کی طرف آتے

ہوئے، اس آستانے سے متصل پگڈنڈی سے گذرتا ہوا نظر آتا ہے۔ اس کو یہ کیا خبر کہ دو سو برس قبل یہ جگہ بڑی متبرک شمار کی جاتی تھی۔ یہاں لوگ بڑی عقیدت و انکساری سے حاضری دیتے تھے۔ جو کی داروں کا نہیں بلکہ عشاق کا ہجوم ہوتا تھا۔ یہ ویرانہ کبھی آباد تھا۔ پریوں کا آستانہ تھا۔ ان حدود کے اندر کسی کی مجال نہیں تھی کہ وہ بے غرضی کے ساتھ گذر جائے!

اس وقت آس پاس سوکھے ہوئے خشک درخت ہیں۔ تینوں قبریں زمین سے ایک فوٹ اونچے ٹیلے پر چوٹے سے بنی ہوئی ہیں۔

یہ آستانہ کسی زمانے میں زنانہ زیارتوں کے لیے مخصوص تھا۔ ہر ہفتہ کو جمعرات کے دن، جیسا کہ قانع کا بیان ہے، عورتوں کا میلہ لگتا تھا۔ مردوں کے میلے اور زیارتوں کے لیے مکلی کے قبرستان میں متعدد خانقاہیں اور درگاہیں تھیں۔ عورتوں نے یہ آستانہ اپنے لیے مخصوص کر لیا تھا، جہاں آکر وہ منتیں مانتی تھیں اور ساتھ ساتھ دل کی مرادیں بھی حاصل کرتی ہوں گی۔ لیکن زیادہ تر یہاں اپنی سہیلیوں کے ساتھ مل کر ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہو کر دلوں کے داغ اور برسوں کی تھکن دور کرتیں اور مایوسی کا بوجھ یہاں آکر اُتارتی تھیں اور یہاں پہنچ کر ایک دوسرے کو سہارا اور تسلی دیتی تھیں۔

یہ قبریں کس کی ہیں، اس کا علم کسی کو نہیں ہے، سوائے ”مکلی نامہ“ کے، کسی دوسرے کتاب میں اس آستانے کا ذکر نہیں ملتا۔ خود میر قانع نے بھی اپنی دوسری کتابوں میں کچھ نہیں لکھا۔ بہر حال قرین قیاس یہ ہے کہ یہ قبریں پاک باز عورتوں کی ہوں گی (۵۵) جن کی برگزیدگی آستانہ بوسی کا سبب بنی ہوگی۔

اس طرح ”شاہ پریان“ اس کے نام سے ایک اور زیارت گاہ ایران میں واقع ہے، جو صرف عورتوں ہی کے لیے مخصوص ہے۔

حواشی

- (۱) جام نظام الدین کے مقبرے کے ذکر کے بعد قانع نے ان کے نشیب میں ایک تالاب کا ذکر کیا ہے: در پائین تالاب خوش آب، رشك جلوۀ سیماب است۔ اس وقت مقبرہ کے متصل ایسا کوئی بھی تالاب نہیں ہے۔ البتہ مشرق کی جانب ایک بڑی جھیل ہے اور شمال کی جانب کچھ فاصلے کے بعد نشیبی علاقہ ہے، جو شاہ مراد شیرازی تک ہے۔
- (۲) خطی نسخہ ص ۲۱۹۔
- (۳) چراغش را بہ شب از ماہ روغن
چراغ مکلی، است نامش بہ این فن (مکلی نامہ ص ۲۴)
- (۴) مکلی نامہ میں لکھا ہے کہ: ہر اتوار کی رات زائرین آکر جمع ہوتے ہیں۔ خاص طور پر مہینے کے پہلے اتوار کو خوب رونق ہوتی ہے۔ اس میلے کی اب وہ کیفیت نہیں رہی، لیکن زائرین اب تک آتے رہتے ہیں۔ سالانہ میلہ میں لوگ آتے تو ہیں، لیکن ان کی تعداد کم ہوتی ہے۔
- (۵) تحفۃ الکرام خطی نسخہ ص ۲۱۹ مطبوعہ ۳/۲۴۸۔
- (۶) شرقی شیخ جیہ مدفون۔ تحفۃ الطاہرین کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ میان لال کا مدفن مقبرے کے باہر ہے۔ سمت مشرق درگاہ شیخ جیہ مدفون است۔ (ص ۳۸)
- (۷) آسات لفظ کے معنی معلوم نہیں۔
- (۸) بہ خدمت سید میران محمد مہدی جونپوری (متوفی ۱۹ ذیقعدہ سنہ ۹۱۰ھ) شرف ارادت حاصل کردہ۔ (تحفۃ الکرام خطی ص ۲۲۰)۔
سید موصوف ٹھٹھ میں پہلی بار ۹۰۱ھ میں آئے اور دوسری مرتبہ ۹۰۷-۹۰۶ھ میں۔ افغانستان جاتے ہوئے کچھ وقت آپ ٹھٹھ میں رہے۔ پیر آسات اسی زمانے میں آپ کے مرید ہوئے ہوں گے۔ اس طرح، مخدوم عربی جن کی وفات کا سال ۹۸۰ھ تسلیم کیا جائے تو

- پیر آسات کو آپ کا بڑا بھائی ہونا چاہیے۔
- (۹) عقب این در گاہ... چشمہ ایست... در عین مابین کوہ... وسایہ آزاد درخت در آن ظل رحمت لا یزال۔ (ص ۲۷)
- (۱۰) دیکھیے متن ص ۳۰
- (۱۱) تحفة الکرام خطی متن ص ۶۴۔
- (۱۲) بقول عبدالباقی نہاوندی میرزا جانی ۲۴ جامدی الثانی ۱۰۰۱ھ اکبر کے دربار میں پہنچے۔
- (۱۳) مظہر شاہجہانی (ص ۲) اکبر نے سندھ کے ترخانی حصے پر سب سے پہلے شاہ رخ میرزا (متوفی ۱۰۱۶ھ) کو مقرر کیا، لیکن خان خانان کی سفارش پر وہ حکم تبدیل کر کے حق داروں کو اپنا حق دیا گیا۔
- (۱۴) خان خانان نے اپنی عدم موجودگی میں، خان جہان لودھی کے والد، دولت خان لودھی کو، ملک کا نگران مقرر کیا۔ (ذخیرۃ الخوانین ص ۱۹۱) خسرو نے آکر ملک کی باگ دوڑ سنبھالی۔
- (۱۵) با ابو القاسم نمکین فرمان نافذ گشت کہ میرزا غازی را با خسرو خان غلامی۔ کہ معتمد اوست۔ روانہ در گاہ والا سازد۔ (اکبر نامہ جلد ۳ صفحہ ۸۱۶ واقعات سال ۴۷ جلوس، مطابق ۱۰۱۱ھ)
- (۱۶) طاہری خطی تحت طلبیدن خسرو خان۔
- (۱۷) ایضاً۔
- (۱۸) ایضاً۔
- (۱۹) ترخان نامہ نے یہ تاریخ دی ہے، تاریخ طاہری کے مؤلف اور قاضی محمود ٹھٹوی یا صاحب ذخیرۃ الخوانین نے وفات کا سال ۱۰۲۱ھ بیان کیا ہے۔
- (۲۰) طاہری۔
- (۲۱) مطبوع صفحہ ۹۳
- (۲۲) میرزا کے انتقال کی خبر بادشاہ کو اجمیر میں ۲۷ ربیع الاول ۱۰۲۱ھ کو ہوئی۔ (تزک جہانگیری صفحہ ۱۱۰ نولکشمور)

(۲۳) ترخان نامہ صفحہ ۹۴۔

(۲۴) ذخیرہ خطی صفحہ ۱۶۶۔

(۲۵) بخشی کے عہدے کے بعد میر عبدالرزاق معموری کو ٹھٹھہ کا مستقل صوبہ دار بھی مقرر کیا۔ ۱۵ ربیع الاول ۱۰۲۵ھ، ان کا تقرر ہوا اور ربیع الاول ۱۰۳۰ھ تک اس عہدے پر فائز رہے۔ (تزک جہانگیری ۳۳۱-۳۳۳-۱۵۰ نولکشور) انھوں نے ٹھٹھہ کے گدا بازار میں ۱۰۲۲ھ جامع مسجد تعمیر کروائی جو آج تک ”مسجد خضریٰ“ کے نام سے مشہور ہے۔

(۲۶) ترخان نامہ صفحہ ۹۴-۹۵

(۲۷) ذخیرہ ۱۶۳ قلمی۔

(۲۸) خطی صفحہ ۶۵۔

(۲۹) ذخیرۃ الخوانین صفحہ ۱۶۳۔

(۳۰) تحفۃ الکرام مطبوعہ ج ۳ صفحہ ۹۱-۹۲۔

(۳۱) مقالات الشعراء صفحہ ۲۰۲۔

(۳۲) دابگرون کا محلہ۔

(۳۳) تحفۃ الکرام میں ہے کہ خسرو نے یہ مسجد سید ابوالمکارم مشہدی کی حویلی کے پاس تعمیر کروائی تھی۔

(۳۴) ان کی حویلی نہایت عظیم الشان، خوب صورت اور دو منزلہ تھی۔ ان کے بیٹے لطف اللہ بھائی خان کی حویلی اس سے الگ تھی۔ شیخ کالہ قریبی جو خسرو کے داماد تھے، وہ بھی خسرو کی حویلی میں بطور گھر داماد رہتے تھے۔ میر قانع (۱۱۸۱ھ میں) نے لکھا ہے کہ یہ حویلی اب زبوں حال ہو چکی ہے، لیکن آج بھی یہ خسرو کے نام سے پہنچانی جاتی ہے اور شیخ کالہ کی اولاد اس میں رہتی ہے۔
(35) Antiquities of Sindh. 122

(۳۶) یہ تحفۃ الکرام کی روایت ہے (ص ۱۶۷)۔ خسرو خان چرکس چون تعمیر مسجد جامع، پهلوی حویلی وی بہ تمام رسانید۔ تولیت آن ہم بہ سید حوالہ کرد۔ یہ مسجد ۹۹۷ھ میں تیار ہوئی۔ سید کی وفات

کے سال (۱۰۶۵ھ) کو مد نظر رکھتے ہوئے ظاہر ہوتا ہے کہ، مسجد کی تعمیر کے وقت اگر سید صاحب کی ولادت ہوئی ہوگی، تو وہ مشکک سے سات، آٹھ سال کے ہوں گے، اس لیے یہ روایت مشکوک ہے کہ وہ مسجد بننے کے بعد پہلے خطیب یا متولی بنے تھے۔

(۳۷) تحفة الکرام۔

(۳۸) ذخیرہ صفحہ ۱۶۴۔

(۳۹) مقالات صفحہ ۲۰۱۔

(۴۰) پہلا تذکرہ میرزا باقی کے دور میں قاضی نعمت اللہ ٹھٹوی نے لکھا، جو دستیاب نہیں۔

(۴۱) میرزا عیسیٰ کی مسند نشینی سے لے کر میرزا عبدالعلی کی معزولی تک۔

(۴۲) صاحب ذخیرۃ الخوانین لکھتے ہیں کہ: مردم مردن میرزا را بہ بابی خان لطف اللہ ولد خسرو خان کو کہ تہمت نہادند، چرا کہ میرزا اگرچہ لطف اللہ را بہ خطاب بابی خان ممتاز ساختہ وکیل مطلق العنان خود ساختہ بود و او مصاحب و ندیم میرزا بود اما میرزا با پدرش خسرو خان بی عنایت بودند۔ (قلمی ۱۳۲)

(۴۳) طاہری تحت طلبیدن میرزا خسرو خان۔

(۴۴) تحفة الکرام ج ۳ ص ۲۸۔

(۴۵) مائر رحیمی ج ۲ ص ۳۵۴۔

(۴۶) ذخیرہ ۱۶۲۔

(۴۷) ترخان نامہ مطبوعہ ص ۹۳۔

(۴۸) ذخیرۃ الخوانین ص ۱۶۲۔

(۴۹) ترخان نامہ ص ۹۵۔

(۵۰) ذخیرۃ الخوانین ص ۱۶۲۔

(۵۱) یہ اطلاع اور کتبے کا مضمون جناب محمد منیر صاحب قریشی سابق سپرنٹنڈنٹ محکمہ آثار قدیمہ کا عنایت کردہ ہے۔ اس کتبے

کا چربہ ان کے پاس موجود ہے، لیکن فی الحال یہ دستیاب نہ ہوسکا، اس لیے یہ معلوم نہیں کہ عبارت کتنی سطور میں ہے۔

(۵۲) مظہر شاہ جہانی ص ۴۱۔

(۵۳) ذخیرۃ الخوانین خطی ص ۳۰۰۔

(۵۴) دیکھیے متن ص ۳۱-۳۸۔

(۵۵) مکلی میں دو برگزیدہ خواتین کی زیارت گاہیں بھی ہیں، جن کا ذکر تحفۃ الطاہرین کے مصنف نے کیا ہے۔ مثلاً بی بی تاری، بی بی فاطمہ اور ہفت عقیفہ (۴۸-۹۱-۱۷۵)

(۵۶) افسوس اس بات کا ہے کہ یہ مضمون لکھتے ہوئے ایرانی ”شاہ پریاں“ کا احوال اور حوالہ دستیاب نہ ہوسکا۔

باب ۶

۱۴- میرزا عیسیٰ ترخان ثانی

میرزا عیسیٰ بن مرزا عبدالعلی بن مرزا عبدالرزاق ترخان (۱) شاہ بیگ اور شاہ حسن ارغون کے جید امراء میں سے تھے۔ شاہ بیگ کے ساتھ (۲۶-۹۲۷ھ) میں سندھ آئے اور شاہ حسن کے دور (۲۸-۹۶۲ھ) سب امراء میں اہم حیثیت کے مالک رہے۔ دوسرے امیروں کے مقابلے میں ان کو اہمیت حاصل ہوئی، اس لیے کہ ان کے ساتھ ان کے قبیلے کی فوج شامل تھی، جب کہ دوسرے امراء تنہا سندھ میں آئے تھے۔

شاہ حسن لا ولد فوت (۱۲ ربیع الاول ۹۶۲ھ) ہوا۔ (۲) اس لیے سندھ کو ارغون کے دو امیروں نے آپس میں بانٹ لیا۔ بالائی سندھ پر سلطان محمود کو کلتاش نے قبضہ کیا اور زیریں سندھ میرزا عیسیٰ کے تسلط میں آیا۔ پہلے ان کا مرکز بکھر تھا، پھر بعد میں انھوں نے ٹھٹھہ میں اپنا مرکز قائم کیا۔ اسی طرح چھتیس برس کی حکومت کے بعد ارغون ختم ہو گئے اور سندھ پر ترخان (۳) دور کا آغاز ہوا۔

(۲)

میرزا عیسیٰ ۹۷۴ھ میں فوت ہوا، مرزا کا بڑا بیٹا میرزا محمد صالح (۴) اس کی زندگی میں ہی، ایک بلوچ کے ہاتھوں مارا گیا، اس لیے دوسرا بیٹا میرزا محمد باقی تخت نشین ہوا۔ (۵) جس نے انتہائی ظالمانہ زندگی گزارنے کے بعد ۹۹۳ھ میں (۸ شوال ہفتہ کے دن) خودکشی کر لی، اس کے بعد اس کا بیٹا مرزا پائندہ بیگ (متوفی ۱۰۰۱ھ) تخت نشین ہوا، اُس کے دماغ میں خلل تھا، اس لیے حکومت کا کاروبار اُس کے بیٹے مرزا جانی بیگ کے سپرد ہوا۔

سال ۹۹۹ھ میں مرزا عبدالرحیم خان خانان نے سندھ پر حملہ کیا اور

۱۰۰۰ء میں سندھ ترخان کے ہاتھ سے نکل کر ہندوستانی مغلوں کی حکومت کا جز بن گیا۔ نہ صرف سندھ کی جداگانہ حیثیت ختم ہوئی، بلکہ ترخان خود ۳۸ سالوں کے تسلط کے بعد اقتدار سے محروم ہو گئے۔

سال ۱۰۰۰ء سے لے کر ۱۰۲۱ء تک سندھ میں ترخانوں کی حیثیت جاگیردارانہ رہی۔ جانی بیگ خان خانان کے ساتھ اکبری دربار میں پہنچا، جس کی سفارش پر اکبر نے سندھ کے ترخانی حصے میں سے کچھ ٹکڑوں کو سرکاری خزانے کے لیے مختص کر کے باقی مرزا جانی کو بطور جاگیر دیے دیا۔

جانی بیگ زندگی کے بقیہ آٹھ سال اکبر کی حاضری میں رہا۔ سندھ کی جاگیر اس کے بعد اس کا بیٹا مرزا غازی بیگ، تجربہ کار امیروں کے مشورے اور نظرداری کے تحت سنبھالتا رہا۔ ۱۰۰۹ء میں مرزا جانی بیگ کا انتقال ہوا۔ وہ خود اس وقت برہان پور میں تھا، اکبر وہاں منزل انداز تھا کیوں کہ آسیر کی مہم در پیش تھی۔

اکبر نے سندھ اپنے حقوق کے ساتھ مرزا غازی کے نام قائم رکھی۔ جہانگیر نے نہ صرف اس کی وہی جاگیر بلکہ ملتان اور بکھر کے کچھ حصے بھی اس کے حوالے کیے اور بعد میں قندھار کی صوبہ داری (۱۰۲۱-۱۴ء) پر اُسے فائز کیا۔ بہت زیادہ شراب نوشی کی وجہ سے جوانی میں ہی (محرم ۱۰۲۱ء) میں قندھار میں فوت ہوا۔ اس کے بعد سندھ پر ترخانی بالادستی کا دوسرا دور ختم ہوا جو بیس برس تک قائم رہا۔ (۷)

جب مغلوں کی پہلی صوبہ داری براہ راست قائم ہوئی، اس وقت ارغونوں اور ترخانوں کے تمام پسماندگان کو سندھ سے نکال کر ہندوستان روانہ کر کے سندھ سے ان کی جڑ اکھاڑ دی۔ ذخیرۃ الخوانین کے مؤلف نے نہایت عبرت ناک انداز میں اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

”نام و نشان آن سلسلہ، بلکہ علامت تمام قوم ارغون و

ترخون، دران دیار نماند۔ اگر احیاناً تا حال خالی زندہ باشد،

ازان زندگی مرگ اولیٰ تراست۔“ (۱)

اسی طرح مائرا الامراء کے مؤلف نے لکھا ہے کہ:
 ”میرزا رستم قندھاری را به حکومت آن دیار مامور فرمود. و
 به سعی او، رگ و ریشہ ترخانہ ازان ولایت بر کنده
 گشت.“ (۲)

دونوں قبیلوں نے سندھ پر ایک صدی حکومت کی۔ ترخانوں نے
 سندھیوں کے ساتھ رشتہ داری بھی کی۔ لیکن اس طرح بھی وہ خود کو
 اس ملک کا باشندہ نہیں بناسکے۔ جب ان کا دور حکومت ختم ہوا تو ان
 کے زوال اور زیوں حالی پر کسی کی آنکھ پر نہ ہوئی۔ کسی کو بھی
 افسوس نہ ہوا۔ رشتے دار بننے اور کسی بھی ملک میں سو سال تک رہائش
 پذیر ہونے سے غیر اپنے نہیں ہوسکتے۔ وہ پرائے تھے، صرف حکومت کرنے
 آئے تھے، اس لیے آخر تک غیر ہی رہے۔ ان کا تمدن جدا، تہذیب الگ اور
 زبان مختلف تھی۔ سو سال تک یہاں رہے، لیکن نہ اپنی ذہنیت کو بدل
 سکے، نہ فکری ہم آہنگی پیدا کرسکے۔ ان میں سندھیت کا ایک بھی ٹن
 نہ تھا۔ پھر کیوں سندھ کے لوگ ان کے زوال اور بیخ کنی پر مرثیہ خوانی
 کرتے۔ وہ پرائے تھے پرائے ہی رہے۔ جب یہاں سے نکلے تو اس وقت بھی وہ
 غیر ہی تھے، یہ تو فطری امر ہے۔ پھر کسی کو دیکھ کیوں کر ہو۔

(۳)

میرزا عیسیٰ ثانی: میرزا عیسیٰ ثانی جس کا خوب صورت مقبرہ
 مکلی میں ہے اور جس کو مکلی نامہ میں میر علی شیر قانع نے بہت سراہا
 ہے۔ وہ مذکورہ بالا میرزا عیسیٰ کلاں کا پوتا، مرزا جان بابا (۸) کا بیٹا مرزا
 باقی کا بھتیجا اور جانی بیگ کا چچا تھا۔

ننہیالی قبیلہ: میرزا جان بابا نے سندھ کے سمیجہ قبیلے سے شادی کی تھی۔
 میرزا عیسیٰ اسی گھر میں پیدا ہوئے۔ سمیجہ قبیلہ سندھ کے اندر نام ور،
 بردبار، بہادر اور بڑا عزت دار تھا۔ جب مرزا باقی نے اپنے قبیلے کے لوگوں
 کو ختم کرنا شروع کیا، تو میرزا جان بابا بھی مارا گیا۔ اس وقت یا اس کے
 بعد جب مرزا غازی اور مرزا عیسیٰ کے درمیان نا اتفاقی ہو گئی تو میرزا

عیسیٰ نے اپنے ننھیال میں جا کر پناہ حاصل کر لی، اس لیے مرزا باقی کا اُن پر بس چل نہ سکا اور غازی کو بھی کامیابی حاصل نہ ہوئی۔

ولادت: میرزا موصوف کی تاریخ پیدائش کہیں سے موصول نہ ہوسکی، البتہ اُس کی عمر کا تخمینہ مختلف مورخین نے دیا ہے، جس کو پیش نظر رکھتے ہوئے ”تولد کا سال“ متعین کیا جاسکتا ہے۔

مورخ عمر کے تخمینے پر متفق نہیں ہیں، ہر ایک نے اپنے اپنے انداز سے الگ الگ عمر لکھی ہے۔ مثلاً:

۱- ذخیرۃ الخوانین ۱۱۲- (۳) اور عمر طبعی سے اوپر (۴)

۲- ترخان نامہ ۹۵ (۵)

۳- مائر الامرا ۱۰۰ (۶)

۴- مرآۃ محمدی ۱۰۰ (۷)

ترخان نامہ کے علاوہ بقیہ دونوں مورخین کا ماخذ ذخیرۃ الخوانین ہے۔ مائرنے ذخیرہ سے لیا ہے اور محمدی نے مائرسے اخذ کیا ہے۔ اختلاف کی مذکورہ بالا صورت حال کے مطابق عمر ۹۵-۱۰۰-۱۱۲ برس ہوتی ہے۔

میرزا کی وفات کے سال (۱۰۲۱ھ) کو مدنظر رکھتے ہوئے، مذکورہ بالا تینوں تخمینوں کے مطابق، مرزا کے تولد کا سال ذیل کی طرح متعین ہوتا ہے:

۱- ذخیرہ ۱۲۲-۹۳۸ھ

۲- ترخان نامہ ۹۵-۹۶۶ھ

۳- مائر اور مرآۃ ۱۰۰-۹۶۰ھ

لیکن یہ تینوں سال غلط ہیں۔ کیونکہ میرزا کے دادا عیسیٰ اول -جن کا نام ان پر رکھا گیا تھا- وہ اوپر دیے گئے سالوں میں زندہ سلامت تھے۔ اس لیے ظاہر ہے کہ اُن کی زندگی میں رواج کے مطابق ان کے پوتے کا نام یہ نہیں ہوسکتا۔

مرزا عیسیٰ کلان: ۹۷۳ھ میں فوت ہوا اور مرزا عیسیٰ ثانی کے والد مرزا جان بابا کو ۹۷۸ھ میں قتل کروایا گیا۔ اس لیے میرزا موصوف کا سال تولد

۱۹۷۴ء کے بعد اور ۱۹۷۸ء سے پہلے سمجھنا چاہیے۔ ۱۹۷۸ء میں باپ کے قتل ہونے کے وقت میرزا پیدا ہو چکا تھا اور اس کی والدہ نے اُسے میرزا باقی کے خوف سے چھپا کر اپنے میکے پہنچا دیا تھا۔

اگر بالفرض میرزا عیسیٰ ۱۹۷۵-۱۹۷۶ء میں سے کسی ایک سال میں پیدا ہوا، تو اسی حساب سے وفات کے وقت اُس کی عمر ۸۵-۸۶ بنتی ہے۔ یہ عمر اگرچہ کسی بھی صورت میں طبعی عمر سے زیادہ نہیں ہے، لیکن اوپر دیے گئے دلائل کی بنا پر فی الحال ہمارے سامنے اس کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے، کہ مرزا کی اسی عمر کو تسلیم کرتے ہوئے، اس کی پیدائش کا سال ۱۹۷۵ یا ۱۹۷۶ سمجھیں۔

ترخان نامہ کے مؤلف کا تخمینہ ذخیرۂ اور مائر کے مقابلے میں حقیقت کے زیادہ قریب ہے۔ اس سلسلے میں ایک احتمال کی گنجائش موجود ہے، ہوسکتا ہے کہ ترخان نامہ کے مؤلف نے اصل میں ہشت و پنج لکھا ہو، اور پھر بعد میں کاتبوں کی سہو کے سبب نود و پنج رقم ہو گیا ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ذخیرۂ الخوانین کے مؤلف نے کسی سبب اپنے تخمینے میں مبالغہ سے کام لیا ہو یا اس سے عمر کا اندازہ لگانے میں غلطی سرزد ہوئی ہو۔

(۴)

باقی سے جانی تک: میرزا باقی نے جس وقت اپنے عزیز و اقارب کا قتل عام شروع کیا اور اپنے بھائی، جان بابا کو دھوکے سے قتل کروا کر دوسرے اعزہ کے پیچھے پڑا، اس وقت میرزا عیسیٰ مشکل سے سال ڈیڑھ کا (۱۹۷۵-۱۹۷۶) ہو گا۔ اور باپ کے مرنے کے بعد والدہ کے ساتھ جا کر اپنے ماسوں کے ہاں پناہ لی ہو گی۔ کیونکہ اس کے علاوہ کسی دوسری جگہ اُس کا سلامت رہنا ممکن نہ تھا۔ مرزا باقی نے وہاں سے بھی اُس کو پکڑنے کی بہت کوشش کی، لیکن وہ چونکہ سمیجوں کی زیر پناہ تھا، اس لیے میرزا عیسیٰ کو پکڑنا مرزا باقی کے اقتدار اور اختیار میں نہیں تھا۔ میرزا عیسیٰ: ۱۹۷۷ء سے لے کر کم و بیش سات آٹھ سال تک روپوش رہا۔

۹۸۳ء میں جب میرزا باقی نے خود کشی کی اور ملک کی باگ مرزا پائندہ کے نام سے اس کے بیٹے میرزا جانی کے ہاتھ میں آئی، تو اس وقت میرزا عیسیٰ بھی واپس آیا۔ میرزا جانی اپنے سب عزیز و اقارب کو تلاش کر کے واپس لایا جو مرزا باقی کے خوف سے جان بچا کر ملک سے باہر جا کر چھپ گئے تھے۔ ترخان نامہ کے مؤلف نے میرزا کے متعلق لکھا ہے:

”... کہ از ملاحظہ میرزا محمد باقی، در احتشام سمیجہ مختفی

بود. (میرزا جانی) بہ ہزار تملق و دلاسا، بہ اعزاز و اکرام، در

تہ آورده، عمہ، خود را در حبالہ نکاح او آورد، و جاگیر و

منصب مقرر نمود...” (۸)

اس طرح عیسیٰ کو منصب جاگیر اور رشتہ دے کر میرزا جانی نے واپس بلوا کر ٹھٹھ میں آباد کیا۔

اگر میرزا عیسیٰ ۸۳-۹۸۳ء میں واپس ٹھٹھ لوٹ آیا، تو اس وقت اُس کی عمر بمشکل نو دس برس ہوگی۔ ظاہر ہے کہ یہ شادی اس نے آتے ہی نہیں کی ہوگی، بلکہ نامزدگی کے بعد اس کی شادی بلوغت کی عمر میں ہوئی ہوگی۔ یہ لڑکی جو میرزا کے نکاح میں آئی وہ کس کی بیٹی تھی؟ یہ معلوم نہیں، البتہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مرزا پائندہ کی بھتیجی تھی۔

جب تک میرزا جانی زندہ تھا، اس وقت تک معلوم ہوتا ہے کہ میرزا عیسیٰ کا وقت نہایت آرام و اطمینان اور سکون سے گذرا۔ اس دور میں کوئی بھی خاندانی خلفشار اور نفاق پیدا نہیں ہوا تھا۔ البتہ وہ تمام زمانہ نہ صرف سندھ کے لیے، بلکہ خود اس گھرانے کے لیے مجموعی طور پر بڑے انقلاب کا تھا۔ ۹۹۹ء سے ۱۰۰۰ء تک سندھ میں مغل اور ترخان کے درمیان، سندھ کے مختلف حصوں میں جنگیں ہوتی رہیں۔ سال ۱۰۰۰ء میں سندھ مغلوں کے قبضے میں آیا۔ میرزا جانی چند دن کے بعد اپنے امیروں سمیت سندھ کو الوداع کہہ کر خان خانان کی معیت میں اکبری دربار میں پہنچا۔ اُن کے والد میرزا پائندہ بیگ کا انتقال اُس کے جانے کے فوراً بعد اسی سال صفر کے مہینے میں ہوا۔ جب سندھ بطور جاگیر واپس

میرزا کو ملا، تب اس نے اپنے امیروں کو واپس سندھ روانہ کیا، تاکہ وہ اُس کے بیٹے مرزا غازی کے تحت جاگیر داری کا انتظام سنبھالیں۔ ۱۰۰۹ھ میں میرزا جانی فوت ہوا۔ (۹) اور اس کی لاش مکلی میں دفن کی گئی۔ میرزا غازی جو اس وقت تک باپ کی طرف سے نیابت کر رہا تھا، وہ شاہی حکم سے باپ کا جانشین ہوا۔

یہ سارا دور ۹۸۳ سے لے کر ۱۰۰۹ھ تک اٹھائیس برس کا ہے۔ میرزا عیسیٰ کا اس عرصے میں کسی بھی سلسلے میں کوئی ذکر بالکل نہیں آیا۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُس وقت کے حالات کے مطابق اس کے حالات خراب نہیں تھے۔ ملکی معاملات میں ضرور حصہ لیا ہوگا، لیکن ترخانوں کے دوسرے امراء اتنے نمایاں اور موثر تھے کہ تاریخ کے صفحات میں ان کے مقابلے میں یہ نوخیز ترخان کوئی خاص مقام حاصل نہیں کر سکا۔

میرزا موصوف کا ذکر پہلی بار تاریخ کے اوراق میں اس وقت آتا ہے، جب میرزا غازی اور ان کے امراء کے درمیان نہ صرف اختلاف پیدا ہوا، بلکہ ان کے درمیان خطرناک حد تک کشمکش رہی۔

میرزا غازی سے اختلاف: جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ میرزا غازی نے نوجوانی میں اپنے والد کی نیابت کی اور بعد میں جانشین بنا۔ سارا کام کاج قدیم امراء انجام دیتے تھے۔ میرزا محض ایک نشانی کے طور پر تھا۔ جب باپ کی وفات کے بعد مسند نشین ہوا، اس کے بعد وہ صورت حال زیادہ عرصے تک قائم نہیں رہ سکی۔ میرزا غازی جب سن شعور کو پہنچا تو اس نے امیروں کا اتنا زیادہ تسلط اور قبضہ اپنے اختیار اور اقتدار کے منافی سمجھا۔ اس لیے اس نے سب سے پہلے نئے منصب عطا کر کے نئے امراء مقرر کیے اور بعد میں آہستہ آہستہ قدیم امراء سے اختیارات چھیننا شروع کر دیے۔

میرزا کی اس روش نے قدیم امیروں کو ناراض کر دیا اور تھوڑے ہی عرصے کے بعد امراء دو گروہوں میں بٹ گئے۔ نئے امراء ایک طرف پرانے امراء ایک طرف۔ پرانے امیروں کا اثر اور اقتدار اتنا مضبوط تھا کہ اس کو

ختم کرنے کے لیے کافی جدوجہد کرنی پڑی اور کئی سال اس کشمکش میں بسر ہوئے۔

پرانے امیروں میں سے دو مشہور تھے۔ ایک امیر خسرو چرکس جس کا تقریباً پورے سندھ پر اثر رسوخ تھا۔ دوسرے بیگلار قبیلے کا امیر میر ابوالقاسم سلطان جس کا نصرپور صوبے پر خصوصاً اور عام طور سے پورے ملک پر ضابطہ تھا۔

نئے امیر نو دولت تھے۔ ہر چند ان کی پشت پر ملک کا والی موجود تھا، لیکن ملک کو قدیم امیروں کے ہاتھوں سے نکال کر نئے امیروں کے حوالے کرنا، بلکہ صحیح معنی میں ان کا اقتدار قائم کرنا اتنا آسان کام نہ تھا۔

اسی سلسلے میں بڑی کشمکش ہوئی، سال ۱۰۱۰ سے لے کر ۱۰۱۲ تک یہ ہنگامہ ہوتا رہا۔ میرزا عیسیٰ خفیہ طریقے سے پرانے امیروں کی پشت پناہی کر رہے تھے، لیکن ظاہر طور پر ان کی ہمدردی مصلحت کے خلاف تھی۔ میرزا عیسیٰ کا در حقیقت یہ خیال تھا کہ اس اختلاف میں اگر میرزا غازی ناکام ہوا تو قدیم امراء اسے مستند نشین کر کے شاہی دربار سے پروانہ حاصل کر لیں گے۔ چونکہ اس کے نانا کا قبیلہ نہایت طاقتور تھا، اس لیے سندھ پر حکومت کرنا اُس کے لیے کوئی مشکل مسئلہ نہیں تھا۔

میرزا خسرو چرکس مرکز میں موجود تھا۔ اس لیے اس کو زیادہ اہمیت تھی۔ میرزا غازی نے سب سے پہلے اسی کو ختم کرنے کا ارادہ کیا۔ تاریخ طاہری میں ہے:

”سرہمہ شور بختان، خسرو خان چرکس است، اگر اول اورا

به چنگ آریم، کار دیگران بسی آسان است۔“

میرزا غازی نے یہی سوچ کر پروگرام بنایا کہ:

”قرار دیگر بر این یافت کہ اورا تنها در خلوت طلبیدہ از

مرکب حیات پیادہ ساختہ به خاک تیرہ یکسان نماید۔“

تاریخ طاہری کے مصنف نے لکھا ہے کہ میرزا عیسیٰ نے میرزا کی

اس نیت سے خسرو کو آگاہ کر کے بچالیا۔

”چون مابین میرزا عیسیٰ ترخان و مشاراً الیہ اتحاد و اخلاص
از قدیم باز بود۔ ازین واقعہ، واقف ساختہ بدم عیسوی از مرگ
ماسون داشت۔“

میرزا غازی کو یہ حقیقت معلوم ہوئی، اس لیے ارادہ کیا کہ عیسیٰ کو بھی
ختم کیا جائے۔

”میرزا از موافقت عیسیٰ ترخان نفاق معلوم و مفہوم
گشت کہ او نیز از خیر خواہان نیست! لائق چنانست کہ
اول اورا بدار سیاست - چون صلیب عیسیٰ - برداشت، تا
کسی ہماراز بودہ افشای راز پوشیدہ ننماید۔“

میرزا عیسیٰ کو یہ علم ہو گیا کہ اس کی جان کی خیر نہیں، اس نے
سمجھا تھا کہ یہ بات پوشیدہ رہ جائے گی، لیکن جہاں نفاق، مخالفت اور
ایک دوسرے کا بیڑا غرق کرنے کی تیاری ہو رہی ہو، ماحول انتہائی شر
انگیز ہو جائے، وہاں راز کہاں چھپ سکتے ہیں۔ میرزا عیسیٰ، میرزا غازی
کے آدمی پہنچنے سے پہلے ہی ٹھٹھ سے نکل کر ننھیال جا پہنچا۔
”میرزا از سیاست چیرہ دستان این درگاہ، چون روح اللہ، از
زمین بہ آسمان ازین جا بدر رفت۔ و در مردم سمیجہ، کہ
خویشان مادری او بودند، پا برجا نمودہ، منتظر آن ماند کہ
امروز فردا، فتنہ قائم خواہد گشت و مرا نیز از ملک یک
گوشہ بہ دست آید!“

تاریخ طاہری کے مؤلف نے لکھا ہے کہ: اگر میرزا غازی کی
قسمت اچھی نہ ہوتی تو امیروں نے اسے مارنے کا جو منصوبہ بنایا تھا، اسی
میں اس کا خاتمہ ہو جاتا۔ مخالفین نے میرزا عیسیٰ ترخان اور مرزا مظفر کو
جانشین بننے کے لیے تیار کر لیا تھا۔ (۱۰) میرزا عیسیٰ، ننھیال پہنچنے کے
بعد بھی ایک عرصے تک اس اسید پر ٹھٹھ کی طرف آس لگائے بیٹھا تھا کہ
خسرو کے ساتھیوں کی جیت ہو گی۔ اب ان کی مسند نشینی کی باری
آئے گی۔

ترخان نامہ کے مولف نے اوپر بیان کیے گئے واقعے کے متعلق لکھا ہے کہ: جس وقت میرزا غازی نے خسرو چرکس کو ختم کرنے کے لیے قلعہ کے اندر منصوبہ بنایا، اس وقت میرزا عیسیٰ ان کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ میرزا نے اس کو سمجھایا کہ قدیم امیروں کی بربادی مصلحت آمیز نہیں۔ لیکن میرزا غازی باز نہیں آئے اور حکم دیا کہ آج جیسے ہی خسرو سلام کرنے آئے تو فوراً اسے گرفتار کیا جائے۔ میرزا عیسیٰ رنجیدہ ہو کر دربار سے اٹھ کر چلا گیا۔ اتفاق سے قلعے کے دروازے کے پاس ہی اُس کی خسرو سے ملاقات ہوئی، اشاروں ہی اشاروں میں اسے معاملے کی نوعیت سے آگاہ کرتے ہوئے وہ خود آگے چلا گیا۔ (۱۱)

خسرو بچ گیا لیکن فساد ہوتا رہا۔ نصرپور کے صوبے دار ابوالقاسم سلطان نے آخر میرزا کے خلاف بغاوت شروع کی۔ لشکر واپس آ کر ٹھٹھہ کی سرحد کے پاس پہنچا۔ میرزا سچ سچ ہی خوش قسمت تھا، نوجوان تھا، جوش زیادہ اور تجربہ کم، نئے امیر سارے کے سارے بزدل، کم ہمت اور نو دولت تھے۔ دوسری طرف پرانے امراء يك مشیت، باقوت اور صاحب اقتدار، آدمیوں پر رعب، کسی پر احسان تو کسی کے لیے خطرہ۔ میر ابوالقاسم خود اتنا دلیر اور پهلوان تھا کہ جب نصرپور سے تھوڑا آگے بڑھا تو ملک کے اندر خوف و ہراس پھیل گیا۔ ٹھٹھہ کے عوام کی حالت تو دیکھنے کے لائق تھی۔ (۱۲) بظاہر کوئی امید نہ تھی کہ میرزا غازی اس کشمکش سے نکل جائے گا۔ لیکن یہ سارا ہنگامہ ختم ہو گیا۔ امیر ابوالقاسم سلطان پیش ہوا۔ ان کو اندھا کر کے قید کیا گیا۔

میرزا عیسیٰ اس واقعے کے بعد آخری بار مایوس ہو گیا۔ ابوالقاسم سلطان ختم ہو گیا۔ خسرو چرکس نے صلح کر کے اختلافات ختم کر دیے۔ دوسرے امراء جو اس کے زیر سایہ تھے وہ بھی خاموش ہو گئے۔ اس طرح اس کشمکش کا اختتام ہوا۔

(۵)

ہندوستان روانگی: میرزا عیسیٰ کو جب سندھ میں امید کی کوئی کرن نظر نہیں آئی، تو ناامید ہو کر ننھیال سے سیدھا شاہی دربار چلا گیا، تاکہ ہاتھ پیر مار کر کچھ حاصل کر سکے۔ طاہری کی عبارت ہے:

”میرزا عیسیٰ ترخان کہ چشم پر شورش دوختہ منتظر ماندہ بود، کہ مرا از ازمین نمد، کلاہی خواہد رسید، مایوس گشتہ متوجہ بہ دار الخلافت، خاکبوس اعلیٰ حضرت (اکبر) گشت۔“

ترخان نامہ نے ماموں کے پاس پناہ لینے کا واقعہ بیان نہیں کیا۔ بلکہ بتایا ہے کہ مرزا عیسیٰ قلعے کے دروازے کے پاس خسرو کو آگاہ کرنے کے بعد ٹھٹھ چھوڑ کر ہندوستان روانہ ہو گیا۔

”میرزا متوہم شد کہ، مبادا کسی این مقدمہ بہ میرزا غازی رساند، از تہ بر آمدہ، متوجہ دربار عالم مدار گرید۔“ (۱۳)

طاہری کے مؤلف نے معاملات کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے: جب کہ ترخان نامہ نے اختصار اور کوتاہ قلمی سے کام لیا ہے۔ حقیقت میں میرزا عیسیٰ نے ٹھٹھ سے روانہ ہونے کے بعد پہلے سمیچہ کے یہاں قیام کیا اور ابوالقاسم سلطان کے واقعے کے بعد ہندوستان کی طرف روانہ ہوا۔

مائر الامراء کے مؤلف نے ان دونوں مؤلفین سے مختلف صورت حال بیان کی ہے۔ لکھا ہے کہ: میرزا جانی کی وفات کے بعد میرزا عیسیٰ نے حکومت حاصل کرنے کے لیے کافی تگ و دو کی، لیکن خسرو چرکس نے میرزا غازی کو مسند نشین کر کے میرزا عیسیٰ کو قید کر لیا، مگر بخت کی یآوری کے سبب وہ جان بچا کر جہانگیر کے دربار میں پہنچ گیا۔

”چون پیمانہ حیات میرزا جانی لبریز گردید، میرزا عیسیٰ بہ ہوس حکومت، دست و پای بہ حرکت آورد۔ خسرو خان چرکس (کہ وکیل مستقل آن سلسلہ بود) میرزا غازی را جانشین پدر خاست، و خواست کہ میرزا عیسیٰ را بہ ادب

گاہ زندان بر نشاند، او بہ فلا ورزی بخت و رهنجوی اقبال،
ازان دیار بدر زدہ، بدر گاہ جہانگیری استظلال عافیت نمود۔ و
جنت مکانی بہ منصب عمدہ، مطرح انتظار عاطفت ساختہ،
تعیّنات دکن فرمود۔“ (۱۴)

ماثر نے یہ روایت ذخیرۃ الخوانین سے لی ہے، اگرچہ ذخیرۃ الخوانین
ایک وقیع تذکرہ ہے اور اُس کا مؤلف میرزا عیسیٰ کا دوست اور بقول خود
اُس کا رشتے دار بھی تھا۔ (۱۵) لیکن مندرجہ ذیل دلائل کی بنا پر یہ قول
قبول نہیں کر سکتے:

- ۱- سندھ کے جاگیردار کی مقرری خسرو کے ہاتھ میں نہیں تھی، بلکہ
بادشاہ کے حکم سے ہوتی تھی۔
- ۲- اکبر نامہ میں ہے کہ میرزا جانی کے فوت ہوتے ہی بادشاہ نے غائبانہ
طور پر اپنے بیٹے کے نام پروانہ، خلعت گرانمایہ سمیت ان کو بھیج
دیا۔ گیتی خداوند، از قدردانی الکای اورا بہ پور او میرزا غازی،
غائبانہ باز گذاشت، و منشور والا، و گرانمایہ خلعت، فرستاد۔ (۱۶)
- ۳- میرزا جانی نے ۱۰۰۹ھ میں انتقال کیا، اس وقت جہانگیر نہیں، بلکہ
شہنشاہ اکبر تخت نشین تھا۔
- ۴- میرزا عیسیٰ یقیناً اکبر کے دور میں گیا، تاریخ طاہری اس سلسلے
میں قدیم ترین ماخذ ہے۔ جس کا مؤلف مرزا غازی کا معاصر تھا
اور بہت سے واقعات کا وہ عینی شاہد ہے۔ ترخان نامہ کا مؤلف
بھی اس کا ہم نوا ہے۔

(۶)

دور اکبر اور عیسیٰ: ممکن ہے کہ میرزا عیسیٰ نے جانی بیگ کی وفات کے
بعد کسی وقت سندھ کا جاگیردار ہونے کی خواہش کا اظہار کیا ہو،
لیکن اس پر عمل نہ ہو سکا اور غالباً بادشاہ تک بھی ان کی یہ خواہش نہیں
پہنچی تھی۔ عیسیٰ اور میرزا غازی کے باہمی تعلقات خوش گوار تھے۔
جب امراء کا ہنگامہ جاری تھا، اس وقت بھی قلعے کے اندر میرزا عیسیٰ

کا آنا جانا جاری تھا۔ سندھی مورخین نے اس موقع پر جاگیردار بننے کی خواہش کے پیدا ہونے کا بیان اس موقع پر کیا ہے، جب میرزا غازی اور امیروں کے درمیان نفاق شروع ہوا اور یہی بات قرین قیاس ہوسکتی ہے، ورنہ بیٹے کی موجودگی میں دوسرا کوئی بھی وارث رواج کے مطابق درست نہیں۔

ترخان نامہ کے مولف نے لکھا ہے کہ ۱۰۱۲ھ میں میرزا عیسیٰ سندھ کو چھوڑ کر، اکبر کے دربار پہنچا، یہ وہی زمانہ تھا جب ابوالقاسم سلطان کی گرفتاری کے بعد سندھ کے حالات میرزا غازی کے لیے اطمینان بخش تھے۔ مؤلف نے لکھا ہے کہ:

”چون در سنہ اثنی و عشر و الف ہجری، بہ شرف اقدام بوسی
حضرت اکبر بادشاہ مشرف شد، اعلیٰ حضرت عنایت و
مہربانی بسیار شامل حال او داشتہ، خلاف ضابطہ آنوقت، از
روی رعایت و شفقت، دہ سی زیادہ منصب بہ او مرحمت
فرمودہ در سلك امرايان انتظام دادہ۔“ (۱۷)

سندھ کے سلسلے میں ابتداء ہی سے اکبر کی پالیسی نہایت نرم تھی۔ ملک تو فتح ہوا، لیکن وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ قدیم روایات کا فوراً خاتمہ کیا جائے۔ یہی وجہ تھی کہ اُس نے میرزا باقی کے معاملے میں درگزر سے کام لیا اور میرزا جانی کے ہاں سے پہلی دفعہ محمد صادق کو واپس بلوایا۔ پھر بھی جب سندھ فتح ہوا، تو لوگوں کو سندھ میں ہونے والی تبدیلی محسوس ہونے نہ دی، بلکہ میرزا جانی کو دوبارہ ملک واگذاشت کر دیا گیا۔ جانی کے بعد غازی کی تقرری بھی اسی پالیسی کے تحت ہوئی۔ یہی وجہ تھی کہ میرزا عیسیٰ جب وہاں پہنچا تو خلاف دستور اس کو بھی غیر معمولی منصب پر فائز کیا گیا۔

اس کے علاوہ شاید دوسری بھی ایک خاص وجہ موجود تھی۔ اکبر نے بغیر دیکھے میرزا غازی کے لیے جاگیر اور جانشینی کا پروانہ ارسال کیا تھا۔ اب اکبر کی خواہش تھی کہ میرزا غازی خود آکر دربار میں حاضری دے۔ اس کو بلانے کے لیے اکبر نے بابا اصفہانی کو بھیجا۔ جب

دیر ہو گئی تو اس نے ۱۰۱۱ھ میں سعید خان چغتائی کو روانہ کیا۔ غازی اپنے گھریلو انتشار میں مصروف تھا، اس لیے فوراً نہیں پہنچ سکا۔ دربار میں یہی شک اور خدشہ تھا کہ ممکن ہے کہ خسرو چرکس جیسے سیاست مدار اور با تدبیر امیر کے مشورے پر میرزا ایرانی حکومت سے امداد حاصل کر کے کہیں سندھ کو دوبارہ آزاد کروالے۔ یہ گمان اور یہ خطرہ مغلوں کو سندھ میں ہمیشہ رہتا تھا۔ اور یہ ایک لحاظ سے درست بھی تھا۔ اہل سندھ آخر دم تک خود کو مغلوں کی غلامی کا عادی نہیں بناسکے تھے۔ نفرت، عدم تعاون اور کبھی کبھی بغاوت ہوتی رہتی تھی۔ جب تک مغلوں کی سندھ سے بنیاد نہ نکالی اور اپنا ملک حاصل نہیں کیا، تب تک برابر یہ سلسلہ جاری رہا۔

میرزا عیسیٰ کو معمول سے بڑھ کر منصب عطا کرنے کا مطلب یہی تھا کہ جب کبھی سندھی، غازی کی رہنمائی میں ہنگامہ کریں تو اُن کے مقابل مغل دربار میں دوسرا ترخانی امیر موجود ہو۔ جس کی نئیال بھی سندھی ہے اور وہ سندھیوں کی ہمدردی بھی حاصل کرسکتا ہے۔ مائر الامراء کی عبارت اسی شبہ پر روشنی ڈالتی ہے:

”در سنہ ۱۰۱۱ھ میرزا غازی در تہ، بعد مردن پدر خود جانی بیگ، خیال خود سری پیش گرفت. عرش آشیانی ملتان و بکر را بہ جاگیر سعید خان تنخواہ فرمود، او را بر سر میرزا تعین کرد.“ (۱۸)

خیال خود سری۔ اور۔ بر سر میرزا تعین کرد۔ لفظوں سے درباری فضا کا تذکرہ عیاں ہے۔ یہی رنگ مائر رحیمی کی عبارت کا ہے:

”سعید خان چغتایی کوکہ را بہ ایبست ہزار سوار مقرر نمودندکہ، رفتہ میرزا غازی را بہ پایہ سریر خلافت میسر آورد.“ (۱۹)

بیسٹ ہزار سوار۔ اور۔ میسر آورد۔ کے الفاظ درباری محاول کی ترجمانی کرتے ہیں۔ نہ فقط یہ بلکہ سہوں کے صوبے دار میر ابوالقاسم نمکین کے لیے بھی تاکیدی فرمان جاری ہوا، کہ میرزا غازی کو خسرو

سمیت دربار پہنچایا جائے۔

بہر حال، میرزا عیسیٰ ۱۰۱۲ھ میں پہنچا اور میرزا غازی کے پیش تر حالات کے مد نظر ۱۰۱۳ھ میں اکبر کے سامنے حاضر ہوا۔ (۲۰)

(۷)

عہد جہانگیری اور میرزا عیسیٰ: اکبر کے دور میں ہی میرزا عیسیٰ کے سلسلے میں فقط اتنا ہی ذکر ملتا ہے۔ یہ معلوم نہیں کہ منصب کے علاوہ، میرزا موصوف اکبری زمانہ میں کون کون سے عہدوں پر اور کہاں کہاں رہا۔ تاریخ میں اس کا پہلا تقرر جہانگیر کے عہد میں دکن سے بیان کیا گیا ہے۔ ماثر امراء کے مؤلف کا قول ہے کہ:

”جنت مکانی، بہ منصب عمدہ مطرح انتظار عاطفت ساختہ،

تعیّنات دکن فرمود۔“ (۲۱)

جہانگیر ۸ جمادی الثانی ۱۰۱۲ھ کو تخت نشین ہوا۔ میرزا غازی اس وقت دربار میں حاضر تھا، بعد کی صورت حال اور واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا غازی کا جہانگیر کے مزاج پر بڑا اثر تھا۔ جہانگیر نہ صرف خسرو کی بغاوت فرو کرنے کے لیے اس کو اپنے ساتھ لاہور لے گیا، بلکہ چند مہینوں کے بعد جب قندھار پر لشکر کشی کا معاملہ در پیش آیا، تو غازی بیگ کو پنج ہزاری منصب دے کر بڑے ٹھانڈے سے روانہ کیا۔ معلوم نہیں کہ میرزا غازی کے اس رسوخ نے میرزا عیسیٰ کی پوزیشن پر کون سا اثر ڈالا۔ بہر حال ترخان نامہ کے مؤلف نے تفصیل دینے کے بجائے جہانگیر کے مجموعی سلوک کا مؤثر لفظوں میں ذکر کیا ہے:

”چون حضرت جہانگیر پادشاہ، بر سریر سلطنت و خلافت

جلوس فرمود، میرزا عیسیٰ ترخان را مشمول عنایات و

عاطفت پادشاہانہ (گردانیدہ نواز شہا) فرمود۔ و در ایام

سلطنت جہانگیر پادشاہ، مدار المہامی اکثر بہ و سائل بود۔“

جہانگیر ۱۰۱۲ھ میں تخت نشین ہوا اور ۲۸ صفر ۱۰۳۷ھ میں

کشمیر سے واپسی پر راستے میں فوت ہو گیا۔ ان تئیس برسوں کے دور

میں معلوم ہوتا ہے کہ میرزا عیسیٰ بڑے دہدیے اور ٹھاٹھ کے ساتھ اپنے منصب پر فائز رہا اور اپنے فرائض ادا کرتا رہا۔ جیسا کہ ترخان نامہ کی اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے:

”میرزا عیسیٰ ترخان از کمال جمعیت و ہمت و غیرت، بغیر از بادشاہ، بہ کسی سرفرو نمی آورد، و بہ ارکان دولت توسل نمی جست۔ لاجرم ارکان دولت در مقام نزاع او بودہ، اورا جاہای سخت و زور طلب تنخواہ می کردند۔
میرزا مذکورہ جمعیت خوب ہمراہ داشت، از روی تہور قبول نمودہ، بہ ہر صوبہ کہ می رفت ترددات نمایان نمودہ، بہ انعام و اکرام و اضافہ منصب، بی منت عمرو زید، سر بلندی می یافت۔“ (۲۲)

مندرجہ بالا عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا ہمت، جرأت اور بڑے دل گردے والا شخص تھا۔ بادشاہ کے سوا وہ کسی دوسرے کی پرواہ نہیں کرتا تھا۔ سلطنت کے مدار لمہاموں کے آگے کبھی نہیں جھکا۔ اس لیے سارے امراء اس سے نالاں اور ناراض رہنے لگے۔ یہی سبب تھا کہ اس کو ہمیشہ بہت دور کے علاقوں اور مشکل مہمات پر بھیجا جاتا تھا، لیکن اُس نے جس طرف بھی رخ کیا، وہاں سے فتح کے ساتھ واپس ہوا، نہ کسی سے مروت چاہی نہ مدد کا طالب ہوا۔ ایک تو اُس کے پاس بہت لشکر تھا اور دوسرا اپنے آپ پر بھی بھروسا تھا۔ اپنی ہمت سے کامیابیاں حاصل کیں اور بڑے منصب حاصل کیے اور انہیں کسی ایسے غیرے کی سفارش کی ضرورت نہ پڑی۔

یہ عبارت میرزا کے کردار اور اس کی فطرت پر مکمل روشنی ڈالتی ہے۔ آگے چل کر معلوم ہوگا کہ واقعی پوری زندگی اسی رنگ میں بسر کی۔ اس کی فطرت کی بلندی اور اولوالعزمی اس کے مقبرے کی عمارت سے ظاہر ہے۔ اس کے حسن طبیعت، تحمل اور صبر کا اندازہ اُس کے مقبرے کی عمارت ہی سے ظاہر ہے۔ بڑے بڑے انسان ہی، بڑی بڑی عمارتیں بناتے ہیں۔ ہر تخلیق اپنے خالق کے حوصلے کی بلندی اور پستی

کا مظہر ہوتی ہے۔

آگے چل کر یہ معلوم ہوگا کہ میرزا عیسیٰ نے جہانگیر کے عہد میں زندگی کا زیادہ عرصہ دکن اور گجرات میں گزارا۔ جب جہانگیر فوت ہوا، اس وقت بھی وہ گجرات میں تعینات تھا۔

جہانگیر کے زمانے میں میرزا کی تقریروں کا سلسلہ وار احوال مندرجہ ذیل عبارت سے معلوم ہو جائے گا:

دکن ۱۰۱۲ھ: جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ جہانگیر کے تخت نشین ہونے کے بعد غالباً سب سے پہلے تقرر دکن میں ہوا۔ میرزا کہاں گیا؟ کس عہدے پر فائز ہوا اور کون کون سے کام سر انجام دیے؟ اس کی تفصیل معلوم نہیں اور نہ کہیں کوئی اس سلسلے میں اشارہ ملتا ہے۔

مکمل آٹھ سال درمیان میں گذرے، ۱۰۲۱ھ میں میرزا غازی کی وفات کے بعد ایک مرتبہ پھر میرزا عیسیٰ کا ذکر ملتا ہے۔ اتنے سال کے عرصے میں جہانگیر نے خود بھی مرزا عیسیٰ کے متعلق ایک لفظ بھی نہیں لکھا، حالانکہ ترک میں زیادہ تر قابل ذکر واقعات نظر آتے ہیں اور ہر امیر کا کچھ نہ کچھ ذکر موقع بموقع ملتا ہے۔

میرزا غازی کی وفات ۱۰۲۱ھ: میرزا غازی کو قندھار کی صوبے داری مستقلاً ۱۰۱۷ھ میں دی گئی۔ پہلی دفعہ ۱۰۱۵ھ میں گیا تھا۔ ایران کے صفوی بادشاہ نے قندھار پر لشکر کشی کی اور شہر کا محاصرہ کیا۔ جہانگیر تخت پر بیٹھا تھا اور بیٹھتے ہی خسرو (۲۳) کی بغاوت درپیش آئی۔ اندرونی خلل ابھی جاری تھا کہ لاہور کی منزل پر قندھار کے انتشار کا احوال پہنچا۔ میرزا غازی پر خاص نظر عنایت تھی۔ جہانگیر نے اس کو وہیں روانہ کیا۔ غازی نے پہنچتے ہی ایرانی لشکر کے محاصرے کو ختم کر کے قندھار کو آزاد کیا۔ قندھار دور تھا اور ایرانی لشکر کے حملوں اور مقامی بغاوتوں کا ہر وقت خطرہ موجود رہتا تھا۔ میرزا غازی کی کارکردگی دیکھ کر جہانگیر نے اس کو مستقلاً وہیں روانہ کیا۔

میرزا غازی کا کثرت شراب نوشی کے سبب ۱۰۲۱ھ میں انتقال ہوا۔ جہانگیر سے پہلے آصف خان کی وفات ۱۰۲۲ھ کی خبر پہنچی اور

چند دن بعد (۲۵ ماہ اردی بہشت) میرزا غازی کی وفات کا احوال انہیں ملا۔ (۲۳)

میرزا عبدالعلی کی مسند نشینی: سندھ میں جس وقت یہ خبر پہنچی تو میرزا خسرو چرکس نے مرزا عبدالعلی (۲۵) کو مرزا غازی کی جگہ ٹھٹھہ میں مسند نشین کیا۔ جہانگیر کو نہ تو اس کی اطلاع دی گئی اور نہ اجازت طلب کی گئی۔ اس بات کا علم نہیں کہ خسرو نے کون سا منصوبہ بنایا تھا۔ جب جہانگیر کو علم ہوا تو اس وقت دربار میں بڑے اندیشے اور خدشات پیدا ہو گئے۔ ایرانی بادشاہ سے اچھے تعلقات نہیں تھے۔ ظاہرداری کے باوجود دلوں میں خلش تھی۔ اسی طرح سندھ کی سرحد پر دوسری ریاستیں بھی موجود تھیں، جن کی مدد سے سندھ مغلوں سے آزاد کرانے کا احتمال ہوسکتا تھا۔

میرزا عیسیٰ کی دکن سے واپسی ۱۰۲۱ھ: میرزا عیسیٰ اسی زمانے میں دکن کی طرف (۹) تھا۔ جہانگیر نے اس لیے اُنہیں بلوایا تاکہ ان کو سندھ روانہ کرے۔ ذخیرۃ الخوانین کے مؤلف کا قول ہے کہ:

”پس از فوت میرزا غازی بیگ... بہ موجب فرمان طلب از

دکن بہ حضور آمد۔ حضرت جنت مکانی خواستند کہ اورا بہ

تہ فرستند کہ، مبادا خسرو خان بغی ورزد و عبدالعلی ترخان

کہ بجای میرزا غازی بیگ نشانده اورا تقویت بخشد۔“ (۲۶)

مائرا الامراء کی عبارت کچھ اس طرح ہے:

”خسرو خان، عبدالعلی نامی را ازان سلسلہ بر مسند ترخانیہ

متمکن ساختہ، دست مایہ حکم رانی اندیشید۔ جنت مکانی

بہ توہم آن (کہ مبادا عبدالعلی بہ دستان سرائی خسرو خان

ریشہ استقلال دران سرزمین فرو برد) فرمان بہ نام میرزا عیسیٰ

خان قلمی فرمود۔“ (۲۷)

ٹھٹھہ کی صوبیداری: جہانگیر چاہتا تھا کہ میرزا کو ٹھٹھہ روانہ کرے، چنانچہ مرزا حکم کے مطابق جمعرات کے دن (۱۸ خرداد) ۱۰۲۱ھ (ش) کو آکر دربار میں حاضر ہوا۔

”میرزا عیسیٰ... در لشکر دکن تعین بود به جهت تہ او را طلبیدہ بودم۔ در ہمین تاریخ بہ خدمت استسعاد یافت۔ چون قابل رعایت و تربیت بود بہ منصب ہزاری و پانصد سوار ممتاز گشت۔“ (۲۸)

اوپر دکھایا گیا ہے کہ میرزا خود دار، خود پسند اور بے پروا تھا۔ آخر وہ ایک حکمران خاندان کا فرد تھا۔ اسی لیے درباری اسراء اُس کو پسند نہیں کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اسیروں نے دخل اندازی شروع کی۔ جہانگیر مضبوط ارادے کا مالک نہ تھا، قوت فیصلہ میں کمزور شخص تھا۔ افیون کھانے کی وجہ سے طبیعت میں وسوسہ رہتا تھا۔ اس کے دل میں یہ بات بیٹھ چکی تھی کہ مبادا میرزا پہنچنے کے بعد باغی ہو جائے۔ ذخیرۃ الخوانین کے مؤلف نے اس بات پر اس طرح روشنی ڈالی ہے:

”بعضی ارباب عناد بہ عرض رسانند کہ: میرزا عیسیٰ بیگ کہ از سالہای دراز آرزوی حکومت ملک موروثی خود داشت، حالا کہ در آنجا برود و با دارائی ایران شاہ عباس صفوی ساختہ توسل بہ او نماید، و یا حاکم کیچ مکران و ہرمز کہ دران صلح واقع شدہ اند، توسل جستہ باعانتِ آنہا، در آنجا بماند۔ عمری باید کہ کار او ساختہ گردد۔“ (۲۹)

مائر الاسراء کے مؤلف نے اسی ماخذ سے اخذ کر کے ان لفظوں میں اشارہ قلم بند کیا ہے:

”بہ عرض برخی حساد [کہ میرزا از دیر باز در آرزوی ملک موروثی نعل در آتش است۔ اگر درین ولا مستقل شدہ، بہ حاکم کیچ و مکران و ہرمز۔ کہ قریب واقع شدہ اند۔ اعانت جستہ با شاہ عباس صفوی توسل نماید، مدتہا باید کہ تدارک آن بہ وقوع آید] بادشاہ بد گمان شد۔“ (۳۰)

میرزا رستم کا تقرر ۱۰۲۱ھ: اوپر دیے گئے اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت کے حالات کیا تھے۔ شاہ عباس اندر ہی اندر مغلوں کے خلاف تھا۔ قندھار اور کابل یا خراسان کے جن حصوں پر مغلوں کا قبضہ

تھا وہ اس کو پسند نہیں تھا، کیونکہ ایرانیوں نے اس کو اپنا سمجھ رکھا تھا۔ کیچ اور مکران سندھ کی سرحدوں سے ملتے ہیں۔ بلکہ سندھ کا حصہ ہیں۔ مغلوں کو یہ ملک فتح کرنے کی ایک عرصے سے آرزو تھی۔ اکبر کے دور میں حکومت کا خیال تھا، لیکن عمل میں نہیں آسکا۔ (۳۱) اس لیے فطری طور پر کیچ اور مکران کے والی بھی موقع کی تلاش میں تھے، تاکہ سندھ سے مغلوں کا قبضہ ختم کر کے اپنے ملک کی سرحدوں سے ان کو دور ہٹادیں۔ ہرمز کی والی کا بھی شاید یہی خیال تھا۔ ان سب کے درمیان صلح تھی۔ جس کا اشارہ اوپر دیے ہوئے اقتباس میں موجود ہے۔ اس لیے ”توسل جستہ وبہ اعانت آنها در آنجا بماند“ کے خطرے کی وجہ سے میرزا کا جانا منسوخ کر کے میرزا رستم صفوی کو ٹھٹھہ پر مقرر کیا گیا۔ جو شاہ عباس صفوی کا عزیز (۹) تھا، مگر خاندانی اختلافات اور جھگڑوں کے سبب ترک وطن کر کے مغلوں کے امیروں میں شامل ہوا تھا۔ جہانگیر کو اطمینان تھا کہ خاندانی دشمنی کی وجہ سے ایران اور ہرمز سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوگا اور اس طرح کیچ اور مکران کا بھی سد باب ہو جائے گا۔

رادھن پور میں تقرر ۱۰۲۱ھ: میرزا عیسیٰ دربار میں پہنچ چکا تھا، یقیناً دکن کا چارج کسی دوسرے کے سپرد ہوگا۔ اس لیے جہانگیر نے میرزا عیسیٰ کو اس مرتبہ رادھن پور (۱۰) میں جاگیر دے کر اُس کو وہاں سے بلایا۔ ذخیرۃ الخوانین کے مؤلف نے لکھا ہے کہ: میرزا کو دین پور کی جاگیر دے کر روانہ کیا ہوگا:۔ میرزا را دین پورہ در نواحی گجرات جاگیر دادہ بدان صوبہ فرستادند۔ لیکن مائر الامراء، جس کا ماخذ بھی ذخیرہ ہے، اس میں دین پورہ کے بجائے رادھن پورہ ہے۔ میرزا عیسیٰ بجایا گیری رادن پور گجرات سربر نواختہ تعین آن صوبہ گردید۔ ہمارے خیال میں ذخیرہ میں دین پورہ کتابت کی غلطی ہے، دراصل مرزا کو رادھن پورہ کی جاگیر ملی، جیسا کہ مائر کا بیان ہے۔

رادھن پورہ میں قیام کے زمانے کی تفصیل یا اجمال نہیں ملا، لیکن اتنا اندازہ ہوتا ہے کہ اس تقرر نے میرزا کے دل میں گجرات کے لیے غیر

معمولی کشش پیدا کردی۔ چنانچہ اس نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ گجرات میں مختلف عہدوں اور مختلف جگہوں پر بسر کیا۔ اُس کی ذہنی اور فکری تشکیل میں بھی گجراتی اثرات کار فرما رہے۔ جس کا اظہار واضح طور پر اپنے اور اپنے والد کے مقبرے کی ساخت اور فن کاری سے ظاہر ہوتا ہے۔

ترخانی پس ماندہ اور میرزا عیسیٰ ۱۰۲۳ھ: ۱۰۲۱ھ میں میرزا رستم کو ٹھٹھ کا صوبے دار مقرر کیا گیا۔ میر عبدالرزاق معموری کو جہانگیر نے ٹھٹھ کا بخشی مقرر کر کے (۳۲) میرزا رستم سے پہلے ٹھٹھ بھیج دیا، تاکہ وہ پہلے پہنچ کر حکمت عملی سے عبدالعلی کو معزول کر کے حکومت کے اختیارات اور ملک اپنے قبضہ میں لے لے۔ چنانچہ میر عبدالرزاق نے پہنچتے ہی میرزا خسرو چرکس کو راضی کر کے اس سے منصب دینے کا وعدہ کیا اور اس کے بعد عبدالعلی کو معزول کر کے ملک کو اپنی گرفت میں لیا۔

میرزا رستم کو بادشاہ نے ۲۶ جمادی الثانی ۱۰۲۱ھ کو ٹھٹھ کی صوبے داری کا فرمان دیا تھا۔ (۳۳) میرزا کو تیاری میں کچھ وقت لگا۔ جب وہ ٹھٹھ پہنچا، اس کے بعد میر معموری ارغون اور ترخانوں کے سارے قبیلے کو عبدالعلی اور خسرو سمیت ٹھٹھ سے نکال کر ہندوستان لے گیا۔ اور ۲۶ ربیع الاول ۱۰۲۲ھ (جمعرات) کو دربار میں پہنچا (۳۴) میر عبدالرزاق معموری کو دربار سے اس کے صلے میں مظفر خان کا لقب ملا۔ ترخانوں کا جو حشر ہوا، وہ صاحب ترخان نامہ کی زبان سننا چاہیے:

”چون عبدالعلی خان ترخان و خسرو خان وغیرہ منسوبان

میرزا غازی خان کہ در تہ و قندھار بودند، بہ نظر اشرف اقدس

گذشتہ اند، حکم شد کہ: عبد العلّی و خسرو خان و پسرش را

محبوس سازند! اکثر نوکران عمدہ میرزا غازی مدد معاش

مرحمت فرمودند۔ باقی کل ارغون و ترخان و سپاہ، رجوع بہ

خدمت نواب میرزا عیسیٰ ترخان نمودند۔“

میرزا عیسیٰ ترخان کے سلسلے میں مؤلف نے لکھا ہے:
 ”مومی الیہ از کمال ہمت پرداخت نموده، ہر کس را فراخور
 استعداد، در خدمت خود نگاہ داشتند.“ (۳۵)

اوپر دی گئی عبارت سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مرزا کی مالی حالت
 اس حد تک مستحکم تھی کہ وہ ارغونوں اور ترخانوں کے جملہ افراد اور
 سپاہیوں کے اخراجات کا متحمل ہوسکا۔

میرزا رستم کی معزولی ۱۰۲۳ھ: میرزا رستم ۱۰۴۱ھ میں
 ٹھٹھ پہنچا۔ سندھ جغرافیائی لحاظ سے مغلوں کے لیے نہایت مشکل مقام
 پر واقع تھا۔ مرکز سے دور اور سرحدی ممالک اس کے مخالف۔ سندھ کے
 اندر بھی بہت ہی مخالف مواد موجود تھا، جس کی وجہ سے ہنگامی
 حالات پیدا ہونے کا امکان ہر وقت رہتا تھا۔ اسی نکتے کو پیش نظر
 رکھتے ہوئے جہانگیر نے رستم میرزا کو خاص تاکید کی تھی کہ، ملکی
 رعایا سے غیر معمولی سلوک کرتے رہنا۔ لیکن میرزا رستم اس ہدایت پر
 عمل نہیں کرسکا، الٹا وہاں پہنچتے ہی رعایا پر مختلف قسم کے مظالم
 شروع کردیے، جس کے نتیجے میں سخت اضطراب اور بے چینی پیدا
 ہوئی۔ جہانگیر کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ تھا کہ فوراً اس کو
 واپس بلالے۔ چنانچہ اس نے اپنے خاص امراء ٹھٹھ بھیج کر اس کو واپس
 بلالیا۔

جہانگیر پانچ شوال ۱۰۲۲ھ سے اجمیر میں منزل انداز تھا اور میرزا
 رسم ۲۶ اردی بہشت (غالباً رمضان) ۱۰۲۳ھ اجمیر میں ان کے ہاں
 پہنچا۔ (۳۶)

جہانگیر نے ترک میں کہا ہے:

”... او را بہ تہ فرستم تا آنجا جوہر ذاتی خود را خاطر نشان
 ساختہ، آن ملک را بہ عنوان پسندیدہ محافظت نماید، و بہ
 منصب پنہزاری ذات و سوار سرفراز ساختہ دو لک روپیہ
 نقد مدد خرچ بدو مرحمت فرمودہ بہ صوبیداری ملک تہ را
 رخصت نمودم۔ عقیدہ آن بود کہ از و دران سرحد خدمتہا بہ

وقوع آید، بہ خلاف توقع مصدر ہیچگونہ خدمتی نشد۔ ظلم و تعدی را بہ جای رسانید کہ، خلق بسیاری از سلوک زشت او بہ شکوہ در آمدند۔ و خبری چند ازو شنیدہ شد کہ، آوردن او لازم گشت۔ یکی از بندہ ہای درگاہ را طلب او تعین نمودہ اورا را بدرگاہ طلبیدم۔ در بیست و ششم اردی بہشت اورا آوردند، چون ظلم و تعدی بہ خلق خدا بسیار رسیدہ بود، باز خواست آن، بہ مقتضای عدالت لازم گشتہ او را بہ انی رای سینگ دِلن سپردم... الخ“ (۳۷)

جہانگیر نامہ کے مصنف نے لکھا ہے:

”- او خود طریقی پیش گرفتہ کہ خلاف آئین مروت و مردمی بود۔ و مردم از ستم و تعدی او بستوہ آمدند و زبانہا بشکوہ او گویا شد... چون بہ درگاہ پیوستہ، خلق انبوه از ظلم و تعدی او، داد خواہ آمدند۔ و باز خواست آن بہ مقتضای شریعت و عدالت ناگزیر شد۔ لا جرم حوالہ انی رای سینگ دِلن فرمودند و حکم شد کہ: تا دلاسای مستغنیان نماید بہ دریافت سعادت ملازمت بار نہند۔“ (۳۸)

ذخیرۃ الخوانین میں ہے:

”و مُشار الیہ اگرچہ در آنجا رسید و تشخیص جمع ہم داد و خسرو خان را با توابع و لواحق میرزا غازی بیگ و میرزا جانی بیگ روانہ درگاہ ساخت، اما بہ آنها سلوک خوب نکرد۔ اکثر مردم جلا وطن شدند۔ قاضی محمود کہ اعلم العلماء الملک بود، از دست تعدی میرزا باعیال و اطفال خود در بکر آمدہ، در خانہ پدر مسود این اوراق شیخ معروف- صدر سرکار بکر- مقیم گشت۔ این خبر بہ مسامع علیہ جہانگیری رسید۔ میرزا را تغیر کردہ حضور طلبیدہ روزی چند بار نہادند... الخ“ (۳۹)

رستم میرزا کچھ عرصہ زیر شاہی عتاب رہا، جس کے بعد بمشکل

اس کو حاضری کی اجازت ملی۔ تاہم وہ پہلی سی عزت دوبارہ حاصل نہیں کرسکا۔ (۴۰)

جہانگیر اس دفعہ تین سال سے پانچ دن کم عرصہ اجمیر میں مقیم رہا۔ (۴۱) اس لیے حکومت کا سارا کاروبار آگرہ کے بجائے اجمیر میں چلتا رہا۔ رجب ۱۰۲۳ھ میں بکھر کے حاکم تاج خان کی وفات (۴۲) کی اطلاع بھی اس کو وہیں ملی۔ سید بایزید کو اجمیر سے بکھر کا چارج سنبھالنے کا حکم صادر ہوا۔ (۴۳) شمشیر خان اوزبک کو بھی وہاں سے ٹھٹھ روانہ کیا گیا۔ پھر اجمیر کی منزل پر ۱۵ ربیع الاول ۱۰۲۵ھ کو میر عبدالرزاق مظفر خان معموری کو ٹھٹھ کی صوبے داری کا حکم دیا گیا۔ (۴۴)

اسی طرح میرزا عیسیٰ کے منصب میں اضافہ بھی اجمیر میں ہی کیا گیا۔ اور اس کو اسی منزل پر، سنبھل کی جاگیر سے بلوایا گیا۔ سنبھل ۱۰۲۳ھ: تزک جہانگیری سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۰۲۳ھ (۴۵) میں میرزا عیسیٰ سنبھل کا جاگیردار تھا۔ لیکن یہ معلوم نہیں کہ اسے رادھن پور سے سیدھا سنبھل کی طرف روانہ کیا گیا، یا درمیان میں کسی دوسری جگہ اس کا تقرر کیا گیا تھا۔ ۱۰۲۳ھ میں ہم اُس کو سنبھل سے اجمیر میں جہانگیر کے دربار میں حاضر ہوتے اور منصب حاصل کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ جہانگیر نے چوتھے مہینے آبان کے روزنامے میں میرزا کی آمد کا ذکر اس طرح کیا ہے:

”میرزا عیسیٰ ترخان، از ولایت سنبل (۱۱) - کہ بہ جاگیر او مقرر بود۔ آمدہ ملازمت کرد. و یک صد مہر نذر گذرانید۔“ (۴۶)

اسی مہینے کی اٹھارہ تاریخ، یعنی حاضر ہونے سے چودہ دن بعد، میرزا کے منصب میں اضافہ کیا گیا، جس کا ذکر جہانگیر نے روزنامے میں یوں کیا ہے:

”در ہیجدهم، منصب میرزا را از اصل و اضافہ ہزار و پانصدی ذات و ہشت صد سوار مقرر ساختہ، خلعت و فیل

مرحمت نمودم۔ وہ دکن رخصت یافت۔“ (۴۷)

دکن - لاہور ۱۰۳۱ھ: بادشاہ کشمیر کے دوسرے سفر سے واپس ہو کر لاہور پہنچا (۴۸) یہ سترہواں سال جہانگیری تھا۔ ماہ آذر کی ساتویں تاریخ کے بعد کے احوال میں جہانگیر نے لکھا ہے کہ دکن سے دوسرے امیروں کے ساتھ میرزا عیسیٰ خان بھی آیا اور دوسرے لوگوں کے ساتھ اُسے بھی خان خانان کی ہمراہی کے لیے روانہ کیا گیا۔

”الہداد خان افغان و میرزا عیسیٰ ترخان و مکرم خان اکرم خان و دیگر امراء کہ از صوبہ دکن و محال جاگیر خود آمدہ بودند۔ اسب و خلعت لطف نمودہ بہ ہمراہی خان جہان

رخصت فرمودم۔“ (۴۹)

قندھار کی شورش ۱۰۳۱ھ: مندرجہ بالا عبارت میں ’صوبہ دکن و محال جاگیر خود‘ کے فقرے کی وجہ سے نہیں کہا جاسکتا کہ میرزا عیسیٰ صوبہ دکن سے آیا، یا اپنی کسی جاگیر سے آیا۔ کیوں کہ ۱۰۲۴ھ سے لے کر ۱۰۳۱ھ تک آٹھ سال کا عرصہ اُس کے متعلق کوئی اطلاع نہیں۔ بہر حال شوال ۱۰۳۱ھ کے بعد میرزا قندھار کی مہم کے لیے ہندوستان سے بادشاہ کے حکم پر لاہور پہنچا۔

اسی زمانے میں، قندھار میں شاہ عباس صفوی کے اشارے پر دوبارہ شورش کا آغاز ہوا۔ جہانگیر کشمیر کی طرف جاتے ہوئے حسن ابدال کی منزل پر تھا کہ اُسے اس شورش کی اطلاع ملی۔ اُس نے خود لکھا ہے کہ:

”درین ولا، مکرر استماع یافتہ کہ: دارای ایران از خراسان بہ عزم تسخیر قندھار شتافتہ۔ اگرچہ این حرف، نظر بر نسبتہای سابق و حال، بہ غایت بعید می نمود و از حساب دور بود کہ، این قسم بادشاہ بزرگ، خیالات سبکی و بی حوصلگی بہ کار برد، و برسر ادنیٰ بندہ، از بندہ های من، کہ با سیصد چہار صد نوکر در قندھار باشد، خود بیاید۔“ (۵۰)

اطلاع میں شاہ عباس کے بذات خود آنے کا واقعہ درج تھا اور اسی

لیے بادشاہ کو حیرت تھی کہ اُس کے ایک معمولی اسیر پر اتنے بڑے بادشاہ نے کیوں لشکر کشی کی۔ بہر حال بادشاہ کشمیر کی طرف اپنا دوسرا سفر جاری رکھتے ہوئے معاملے کا مقابلہ کرنے کا انتظام کرتا گیا۔ خود لکھتا ہے:

”اما از آنجا کہ حزم و احتیاط از شرایط جہانداری و لوازم سلطنت است۔ زین العابدین بخشی احدیان را با فرمان مرحمت عنوان، نزد خرم فرستادہ ام کہ: با عساکر فیروزی اثر، و فیلان کوہ شکوہ، و توپ عظیم کہ دران صوبہ بہ کمک او مقرر بود، بہ سرعت ہرچہ تمام تر خود را بہ ملازمت رساند، کہ اگر این حرف مقرون تصدیق شد، او را با لشکری، از حساب و شمار بیرون و خزائن از حدود اندازہ افزون، فرستادہ شود، تا نتیجہ عہد شکنی و حق ناشناسی را دریابد“ (۵۱)

بادشاہ نے دکن، گجرات، بنگال اور بہار کے تمام اسیروں کو حکم صادر کیا کہ لشکر کے ساتھ دربار میں حاضر ہوں اور خود کشمیر پہنچا۔ (۵۲) کچھ عرصے یہاں قیام کرنے کے بعد ۷ شوال ۱۰۳۱ھ کو واپس لاہور آیا۔ اس وقت شاہ عباس کے ایلچی جو پہلے ہی وہاں پہنچ گئے تھے، اُس سے ملے۔ شاہ عباس نے قندھار پر لشکر کشی کے متعلق عذر معذور لکھے تھے، جس کا مناسب جواب لکھ کر (۵۳) جہانگیر نے ۷ تاریخ ماہ آذر اپنے ایلچیوں کو واپس کیا اور خود اہتمام میں مصروف ہو گیا۔

خان جہان اس وقت ملتان میں تھا۔ وہ بھی لاہور پہنچ گیا۔ بادشاہ نے جو لشکر قندھار کی طرف روانہ کرنے کے لیے تیار کیا تھا، اس کا سربراہ شہزادہ شہریار تھا، اور سپہ سالاری کے لیے خان جہان اس کی نگاہ میں تھا۔ ایران کے ایلچیوں کو رخصت کرنے کے بعد جہانگیر رقم طراز ہے:

”ہمگی ہمت بہ تنبیہ لشکر قندھار مصروف داشتہ فرزند خان جہان را، کہ بہ جہت بعضی مصلحتہا طلب شد بود... رخصت فرمودم کہ تا رسیدن شاہزادہ شہریار با عساکر ظفر

آثار در ملتان توقف نموده، منتظر حکم باشد۔“ (۵۴)

جاری کردہ حکم کے مطابق لاہور کی منزل پر، جیسا کہ ہم اوپر دکھا چکے ہیں۔ دکن سے لشکر خان اور اپنی اپنی جاگیروں سے الہداد افغان، مکرم خان، اکرم خان اور میرزا عیسیٰ ترخان وغیرہ پہنچ چکے تھے۔ ان کو بھی وہی حکم دے کر خان جہاں کے ساتھ ملتان میں منتظر رہنے کا ارشاد فرما کر رخصت کیا گیا۔

شہزادہ خرم کی بغاوت ۱۰۳۱ھ: بادشاہ ابھی لاہور ہی میں منزل انداز تھا، شہریار ابھی نہیں پہنچا تھا۔ خان جہاں اور دوسرے امراء ملتان میں انتظار کر رہے تھے کہ اچانک وہاں یہ اطلاع پہنچی کہ شہزادہ خرم نے بغاوت کی ہے۔ ان حالات نے ایسا رخ اختیار کیا کہ مجبور ہو کر سارے کام کاج چھوڑ کر بادشاہ کو فی الحال دہلی کی طرف کوچ کرنا پڑا۔

معتمد خان بخشنی اور تزک ۱۰۳۲ھ: اُس زمانے میں بادشاہ کی صحت کمزور ہو گئی تھی۔ دو سال قبل ہونے والی بیماری کی وجہ سے دل و دماغ پر گہرا اثر ہو گیا تھا۔ جب بادشاہ لاہور میں تھا، اس وقت مختلف معاملات کی اہمیت اور نزاکت نے اُسے اور زیادہ پریشان کر دیا۔ قندھار کا مسئلہ، خرم کی بغاوت، اپنی صحت کی کمزوری۔ اس سے قبل تزک وہ خود لکھتا تھا، لیکن اس صورت حال کے بعد لاہور کی منزل پر اُس نے تزک نویسی کا کام معتمد خان کے سپرد کیا، جو خود اس عرصے میں دکن سے لاہور پہنچا تھا۔

قندھار کی مہم ملتوی: شہزادہ خرم کے ساتھ اس بغاوت میں کئی امراء شامل تھے۔ خان خانان جیسا قدیم امیر جو کہ ستر سال کا ہو چکا تھا، وہ بھی اُس بغاوت میں شریک تھا۔ بادشاہ لاہور سے روانہ ہوا اور خرم اگرہ سے جلا۔ خرم اور شاہی لشکر کا پہلا مقابلہ پیر کے دن جمادی الاول ۱۰۳۲ھ کو ہوا۔ یہ دن بادشاہ کے اٹھارہویں جلوس کا آغاز تھا۔ مقابلے میں شہزادہ خرم کا سپہ سالار سنذر مارا گیا۔ بغاوت تو بدستور جاری رہی، لیکن لشکر کے شکست کے بعد ادھر ادھر بھاگ گیا۔

یہ اندرونی خلفشار اس منزل پر پہنچ چکا تھا کہ بادشاہ کو مجبور ہو کر قندھار پر لشکر کشی کا ارادہ فی الحال ملتوی کرنا پڑا۔

میرزا عیسیٰ کی حاضری ۱۰۳۲ھ: میرزا عیسیٰ قندھار کی مہم پر جانے کے لیے ملتان میں بادشاہ کے حکم ثانی کے لیے منتظر تھا۔ جب قندھار کی طرف لشکر بھیجنے کا ارادہ ملتوی کر کے، سارا لشکر خرم کی بغاوت فرو کرنے کے لیے مرکزی ہندوستان کی طرف بلوایا گیا، تب میرزا عیسیٰ بھی ملتان سے اپنے سواروں سمیت ساز و سامان لے کر، کول فتح پور (۵۵) کی منزل پر آکر ۴ تاریخ ماہ اردی بہشت (۱۰۳۲ھ) کو شاہی دربار میں حاضر ہوا۔ روزنامچہ نگار اس تاریخ میں لکھتا ہے:

”میرزا عیسیٰ ترخان از ملتان رسیده سعادت آستان بوسی دریافت.“ (۵۶)

میرزا عیسیٰ اور گجرات ۳۲-۱۰۳۵ھ: ذخیرۃ الخوانین اور مائثر الامراء کے انداز تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ مرزا عیسیٰ ۱۰۲۴ھ کو رادھن پور کی جاگیر پر گیا تو اکیسویں سال جہانگیری تک وہیں رہا، اور جس وقت شہزادہ خرم گجرات پہنچا تو اُسے خدمت گذاری کا غیر معمولی شرف حاصل ہوا۔ جس نے مستقبل میں اس کو بڑا فائدہ پہنچایا۔ لیکن در حقیقت جس طرح پہلے بیان ہو چکا ہے کہ مرزا رادھن پور میں کچھ عرصہ رہ کر باقی وقت میں مختلف جگہوں پر خدمت انجام دیتا رہا۔ قرینے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۰۳۲ھ میں جب وہ ملتان سے لوٹ کر شاہی دربار میں پہنچا، اسی وقت اُس کو گجرات روانہ کر دیا گیا۔ کس عہدے پر اور کس مقام پر فائز ہوا؟ اس کا علم نہیں، لیکن معاملات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسے اچھے منصب اور آمدنی والی جگہ ملی تھی۔

شہزادہ خرم ٹھٹھہ میں ۱۰۳۵ھ: شہزادہ خرم نے ۱۰۳۲ھ میں باپ کے خلاف بغاوت شروع کی، جو جہانگیری کی وفات تک مختلف صوبوں میں جاری رہی۔ اکیسویں سال جہانگیری میں (۱۰۳۵ھ) شہزادہ اجمیر، ناگپور، جودھ پور اور جیسلمیر سے ہوتا ہوا ٹھٹھہ پہنچا۔ (۵۶) اس کا خیال تھا کہ ٹھٹھہ کو فتح کر کے آئندہ کے لیے اسے مرکز بنا کر بغاوت کا

سلسلہ جاری رکھے گا۔

ٹھٹھ اُس وقت شہزادہ شہریار کی جاگیر میں شامل تھا اور اس کی جانب سے شریف الملك نیابت کر رہا تھا۔ شہزادہ خرم سے اس نے نہ صرف اچھا سلوک اور شایان شان برتاؤ نہیں کیا، بلکہ جنگ و جدل کے لیے تیار ہو گیا۔ تحفة الکرام (۵۸) کی روایت ہے کہ: ایک بار شہزادے کی بیگم نے انار کھانے کی خواہش ظاہر کی۔ اس زمانے میں ٹھٹھ کے انار شیرینی، رنگ روپ اور اصل نسل کے سبب بہت مشہور تھے۔ شریف الملك کی طرف جب یہ پیغام پہنچایا گیا، تو اس نے نہ صرف انار نہیں بھیجے، بلکہ شہزادے کے خیمے پر توپ سے گولہ داغ کر، پیغام بھیجا کہ: لو یہ انار آرہا ہے! شہزادے نے کافی مقابلے کیے لیکن وہ ٹھٹھ فتح کر نہ سکا۔ بعد میں مایوس ہو کر گجرات کے راستے دکھن کی طرف رخ کیا۔

تذک جہانگیری میں شریف الملك اور خرم کے اس معرکے کا احوال کچھ اس طرح ہے:

”شاہ جہان با معدودی از بندہ ہا بہ جانب تہ نہضت فرمود... چون بہ حوالی تہ پیوستند، شریف الملك کہ حارس آن ملک بود، نہ ہزار سوار و دوازہ ہزار پیادہ فراہم آوردہ، حصار شہر را استحکام دادہ، قدم جرات پیش گذاشت، وبا لجمہ ہمگی سیصد چہار صد سوار از بندہ ہای وفادار ہمراہ بودند، تاب صدمۂ آنها نیاوردہ، بہ حصار شہر در آمدہ، متحصن گشت. و چون از پیشتر مرست قلع نمودہ توپ و تفنگ بسیار در برج و بارہ آمادہ ساختہ بود، درین ولا بدرون حصار در آمدہ، بہ مدافعہ و مقابلہ پای ضلالت افشرد. و شاہجان مردم خود را منع فرمود کہ بر قلع نتازند، و رعیت خود را بہ توپ و تفنگ ضایع نسازند باوجود این معنی، جمعی از جوانان کار طلب بر حصار بند شہر یورش نمودند. و از استحکام برج و بارہ و کثرت توپ خانہ کاری نساختند، و ناگزیر عطف عنان نمودہ دائرہ کردند و پس از روزی چند، باز بہادران شیر دل زنجیر گسل

مانند برق لامع، بہ قلعہ تاختند، و چون بر دور قلعہ ہمہ جا میدان مسطح بود، واصلاً پستی و بلندی و دیوار و درخت نداشت، سپرہا بر روکشیدہ دویدند، قضا را دران قلع، خندق عمیق و عریض، مملو از آب بود، پیش رفتن محال و پس گشتن ازان محال تر شد۔ درمیان میدان نشستہ توکل را حصار خود ساختند درین وقت شاہجان تکسری بہم رسانید، و بنا بر بعضی موانع، کہ نوشتن آن طولی دارد، سفر عراق در عقد توقف افتاد... باوجود ضعف قوی و بیماری ضعب پالکی سوارہ از راہ گجرات و ملک بہار، متوجہ دکن شدند۔“ (۵۹)

مندرجہ بالا اقتباس سے، شاہ جہاں کے معاملے کے علاوہ ٹھٹھہ کے قلعہ کی وضع قطع اور صورت حال کے علاوہ فوج کا احوال بھی معلوم ہوتا ہے۔

ذخیرۃ الخوانین کا مصنف رقم طراز ہے کہ:

”صاحب قران ثانی، کہ بہ حسب گردش فلکی از دکن بہ راہ باروار و امرکوت بہ تہ رسیدند۔ شریف خان کور (۶۰) حاکم تہ، کہ از قبل شاہزادہ سلطان شہریار بود، سعادت رهنمونی او نگشت قلعہ را بر روی دولت خود بستہ از گستاخی بہ جنگ مبادرت نمود۔ آنحضرت بہ آن ملک محقر نپرداخت، نظر بر مطلب بلند داشتہ فسخ فتح تہ نمودہ، مراجعت بہ جانب دکن نمودہ، بہ ہمین راہ جبل و دشت گجرات، پای دولت خود، بہ عزیمت دکن در رکاب آوردند۔“ (۶۱)

میرزا عیسیٰ اور شہزادہ خرم ۱۰۳۵ھ: جب شہزادہ خرم مایوس ہو کر واپس گجرات پہنچا، اس وقت میرزا عیسیٰ گجرات میں تھا۔ شہزادے کی آمد کا سن کر خود تو شاہی عتاب کے خوف کے سبب کنارہ کش ہو گیا، لیکن شہزادے کے سفر اور منزل کے لیے اونٹ، گھوڑے، اناج اور نقد روپیہ اتنی زیادہ تعداد میں بجهوادیا کہ شہزادے کی تمام کلفت دور ہو گئی۔ ذخیرۃ الخوانین کا مؤلف لکھتا ہے کہ یہی دن

میرزا کی ساری زندگی کی اقبال مندی کے لیے بار آور ثابت ہوا:
 ”میرزا عیسیٰ بیگ از رہنمونی بخت و افزونی طالع خود کہ
 ارباب دول تحقیق ملہم غیبی اند، اسپان و شتران و زر نقد و
 جنس بسیار، در خدمت خدیو زمان پیشکش فرستاده،
 سرخریبی دین و دنیا و وسیلہ اعظم تمام عمر و آل و اولاد خود،
 حاصل کرد.“ (۶۲)

ماثر الامراء کے مؤلف نے لکھا ہے کہ:
 ”میرزا بہ یاورِ طالع از نقد و جنس و اسب و شتر بہ طریق
 پیشکش در جناب شاہی ارسال داشتہ، ذخیرہ سود و بہبود
 روزگار خود، اندوخت.“ (۶۳)

صاحب ذخیرہ کا کہنا یہ بھی ہے کہ میرزا ملہم غیبی نہ تھا بلکہ
 اس وقت کا ایک بڑا صاحب تدبیر، سمجھ دار اور دانش مند تھا۔ اس وقت
 کا سارا سیاسی حال اور جائزہ اس کے سامنے تھا۔ بادشاہ کی بیماری
 سلطنت کے وزیر اعظم آصف خان کی طبیعت کا رجحان اور اقتدار
 دوسرے شہزادوں کے مقابلے میں تخت نشینی کے مواقع، الغرض میرزا
 ذہین آدمی تھا یہ ساری صورت حال اس کے سامنے تھی۔ مستقبل کے
 سارے واقعات اور حادثات کے نقشے اس کے دماغ میں تھے، اس لیے اس
 موقع پر جو طریقہ اختیار کیا گیا وہ اچھی طرح سوچ سمجھ کر کیا گیا تھا۔
 خود شہزادے کے سامنے نہیں گیا، اس لیے شاہی عتاب اور خطاب دونوں
 سے بچا رہا۔ گھوڑے، اونٹ، اجناس و نقدی بھیج کر اس نے مستقبل کے
 بادشاہ کو خوش کر لیا اور اس طرح اپنے مستقبل کو بھی محفوظ کر لیا۔

(۸)

عہد شاہجہانی اور عیسیٰ ترخان: جب شہنشاہ جہانگیر نے
 وفات پائی، اس وقت شہزادہ خرم دکن میں تھا۔ اور اس کا سسر ابوالحسن
 آصف خان بادشاہ کی لاش کے پاس موجود تھا۔
 ابوالحسن کی بہن نور جہاں بیگم کی خواہش تھی کہ اپنی

زندگی میں ہی شہریار کو شہریار بنادے اور مستقبل میں بھی اقتدار اسی طرح قائم رہے۔ اس کے برعکس ابوالحسن آصف خان چاہتے تھے کہ تاج و تخت اپنے داماد خرم کے سپرد کرے، تاکہ وہ اس طرح خود تمام مملکت کا سربراہ بن جائے۔

بہن اور بھائی کا یہ اختلاف ابھی صرف ان کی سوچوں میں ہی تھا کہ ابوالحسن نے جلد بازی میں بادشاہ کے مرتے ہی شہریار کے لیے دروازے بند کرنے کی خاطر داور بخش کو تخت پر بٹھا کر چکر پٹی کی منزل پر، بنارسی داس ہندو کو شہزادہ خرم کو صورت حال سے آگاہ کرنے کے لیے بھیجا، اور خود داور بخش کے شاہی تخت و تاج کے زیر سایہ سابق بادشاہ کی لاش لاہور لے گیا۔

بنارسی داس نے بیس دن کے بعد ۱۹ ربیع الاول ۱۰۳۷ء میں شہزادے کو دکن کے اس پار خیبر میں پہنچ کر اطلاع دی۔ شہزادے نے دو دن کے وقفے کے بعد اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ ۲۲ تاریخ کو خیبر سے روانہ ہو کر گجرات کے راستے سے دو مہینے چار دن کے سفر کے بعد ۲۶ جمادی الاول کو اکبر آباد میں باغ نور جہاں میں منزل انداز ہوا۔

تیرہ دن کے بعد ۸ جمادی الثانی ۱۰۳۷ء کو شاہ جہاں نے اپنی تخت نشینی کی باقاعدہ رسم ادا کر کے بادشاہت کا آغاز کر دیا۔ شاہ جہاں کے اس شاہی آغاز کا راستہ چار مغل شہزادوں کے خون کے چھڑکاؤ سے تیار کیا گیا تھا۔ خود ۲۶ جمادی الاول کو اکبر آباد پہنچا اور ایک دن قبل یعنی ۲۵ جمادی الاول کو، لاہور میں نہ صرف عارضی تخت نشیں داور بخش کو ماردیا گیا، بلکہ تخت کے دوسرے دعوے داروں کا بھی صفایا کر دیا۔ گویا شہریار، طہمورت اور ہوشنگ کو بھی قتل کر دیا گیا۔ تب کہیں جا کر شاہ جہاں کی شاہی سیج تیار ہوئی۔

گجرات میں میرزا عیسیٰ کی حاضری: اُس زمانے میں ناہر خان مخاطب بہ شیر خان گجرات کا صوبے دار تھا۔ میرزا عیسیٰ ترخان انہی تک گجرات کا جاگیردار، اور غالباً کسی مقام پر فوج دار بھی تھا۔ ۱۰۳۵ء میں میرزا عیسیٰ، شاجہاں کے دکھ سکھ میں خدمت گزار رہ

چکا تھا اور اب ڈھائی سال کے بعد وہی شہزادہ بادشاہ بن کر گجرات سے گذر رہا تھا، تو اس وقت خود حاضر ہو کر اُس کے حضور نذرانے اور سلامی پیش کی۔

بادشاہ نامہ کا مؤلف رقم طراز ہے کہ: ناہر خان المخاطب بہ شیر خان جو کہ اس وقت گجرات میں صوبیدار تھا، تمام امراء کے ساتھ آکر محمود آباد کی منزل پر بادشاہ کے پاس حاضر ہوا اور عیسیٰ بھی اس کے ساتھ آیا۔ (۶۴) تزک جہانگیری کے ضمیمہ نویس نے بھی اسی طرح لکھا ہے کہ:

”شیر خان از ضبط و نسق شہر (احمد آباد) خاطر پرداختہ با دیگر امراء، مثل میرزا عیسیٰ ترخان و میرزا والی وغیرہم، بہ محمود آباد بہ سعادت زمین بوسی کا مروائی مراد گردیدند۔“ (۶۵)

ترخان نامہ کے مؤلف کی روایت مختلف ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ: میرزا عیسیٰ گجرات میں جاگیردار تھا، جب اس نے شاہ جہان کی آمد کی خبر سنی، اس وقت احمد آباد پہنچ کر، عید گاہ میں جا کر اس کے نام کا خطبہ پڑھایا، پھر بادشاہ کے پاس بھی سب سے پہلے گیا اور بادشاہت کی مبارک باد پیش کی۔

”از کمال اخلاص و دانائی۔ بی استصواب و رخصت صوبہ دار گجرات۔ خطبہ بہ نام ہمایون حضرت صاحب قران ثانی، در عید گاہ احمد آباد خواندہ، روانہ خدمت گردید۔ و بر کنارہ مہی کہ سی کروہی احمد آباد است، بہ شرف اقدام بوسی مشرف شدہ، و بہ سعادت کورنش مبارکبادی سلطنت، پیش از امرايان تعینات آن صوبہ، استعداد یافت۔ مجرای او خوب شدہ و حضرت بادشاہ ظل اللہ دربارہٴ میرزا کمال عنایت و مرحمت فرمودند۔“ (۶۶)

اس سلسلے میں ترخان نامہ کی روایت اس لیے قابل قبول ہوسکتی ہے کہ مؤلف خود براہ راست میرزا کا سوانح نگار ہے اور دوسرے مؤرخین

نے واقعے کے ضمن میں میرزا عیسیٰ کا صرف نام لیا ہے۔ میرزا عیسیٰ کی ذات سے ان کا کوئی واسطہ نہیں تھا۔

ٹھٹھہ کی صوبے داری ۱۰۳۷ھ: تزک جہانگیری کا ضمیمہ نگار رقم طراز ہے کہ: شاہ جہاں محمود آباد کی منزل کے بعد احمد آباد میں کانکریہ تالاب کے پاس منزل انداز ہوا۔ سات دن مسلسل اس خوب صورت مقام پر رہ کر گجرات کے معاملات کی تنظیم کرتا رہا۔

شیر خان کو منصب پنج ہزاری ذات و سوار سے سرفراز کر کے اسی طرح گجرات کی صوبے داری پر قائم رکھا اور میرزا عیسیٰ کو منصب چار ہزاری ذات اور دو ہزار و پانصد سوار پر فائز کر کے ٹھٹھہ کی صوبے داری عطا کی۔ (۶۷)

بادشاہ نامہ کا مؤلف رقم طراز ہے: بادشاہ نے میرزا عیسیٰ کو ٹھٹھہ بھیجنے کا فرمان ۱۸ ربیع الثانی ۱۰۳۷ھ کو جاری کیا اور خلعت دے کر ٹھٹھہ روانہ کیا۔

”بہ اضافہ دو ہزار و سی صد سوار، بہ منصب چہار ہزاری ذات و دو ہزار پانصد سوار، سربراہ پرداختہ بدان صوب رخصت فرمودند۔“ (۶۸)

ماثر الامراء کے مؤلف نے اس تقرر کے متعلق لکھا ہے کہ: میرزا عیسیٰ ٹھٹھہ کی ایالت حاصل کر کے ’کامروای ملک خود گردید‘ (۶۹) ٹھٹھہ روانگی، ربیع الثانی ۱۰۳۷ھ: میرزا کو ٹھٹھہ کی ایالت یا صوبے داری (۷۰) کا فرمان ۱۸ ربیع الثانی ۱۰۳۷ھ کو ملا۔ بادشاہ ایک آدمہ دن کے بعد اکبر آباد کی طرف روانہ ہوا۔ اندازہ ہے کہ میرزا عیسیٰ بھی چند دن کے اندر ٹھٹھہ روانہ ہوا ہوگا۔ ترخان نامہ کے مؤلف نے لکھا ہے کہ: میرزا عیسیٰ اپنے بیٹے میرزا عنایت اللہ کو ایک ہزار سواروں سمیت بادشاہ کی اردل میں روانہ کر کے خود دو سو سواروں سمیت ٹھٹھہ کی طرف روانہ ہوا۔ (۷۱)

شریف الملک کا واقعہ: ترخان نامہ کے مؤلف کا بیان ہے کہ: ٹھٹھہ کی صوبے داری کا حکم میرزا عیسیٰ کو دے کر، بادشاہ نے اس کو حکم

دیا کہ ٹھٹھ پہنچتے ہی ”شریف الملک“ یعنی شریف خان شریف الملک کو گرفتار کر کے دربار کی طرف روانہ کرے، تاکہ اُسے ایام شاہزادگی میں بادشاہ کے ساتھ کردہ بدسلوکی کی سزا دی جائے۔

”تابہ خرابی کردار و افعال شنیعہ خود برسد، و اگر جنگی بکنند اورا بکشند۔“ (۷۲)

اس سلسلے میں شریف کی بدسلوکی کا واقعہ اوپر بیان کیا جاچکا ہے۔ تحفۃ الکرام کے مؤلف نے میر ابوالبقاء امیر خان کے متعلق لکھا ہے کہ: بادشاہ اس کو میرزا عیسیٰ کے بعد ٹھٹھ میں مقرر کر کے ان تمام اغیار کی گرفتاری کا حکم دیا، جنہوں نے شریف الملک کے ساتھ مل کر بادشاہ سے بدتمیزی کی تھی۔

”چون شاہ جہان جلوس کردہ بہ نسبت بہ نقاری کہ از ہمراہیان شریف خان مذکور در دل داشت. و گستاخی جام ککرالہ کہ بازار لشکرش تاخستہ بود و حسن خدمت رانای داراجہ، نکامرہ قوم، و حمل جت، صاحب ایل مواضعات دری، نامبرده را متعین بلده فرمودہ ... در بلده ... رسید منصبداران متعینہ تہ را اکثر ماخوذ و معزول و مصادرہ فرمود...“ (۷۳)

تحفۃ الکرام کے مؤلف سے غلطی سرزد ہوئی ہے، میرزا عیسیٰ کے بعد میر ابوالبقاء (۷۴) نہیں، بلکہ شیر خواجہ ٹھٹھ کے صوبے دار ہوئے۔ میرزا عیسیٰ جہانگیر کے آخری سال میں تو برابر ٹھٹھ آتا رہا، لیکن جہانگیر کے انتقال کے بعد شاہجہان کے فرمان پر آیا۔ جیسا کہ پہلے لکھا جاچکا ہے۔

شریف الملک کے واقعے کے متعلق کچھ کہا نہیں جاسکتا کہ ترخان نامہ کی روایت کس قدر درست ہے۔ ہوسکتا ہے کہ جہانگیر نے اپنی زندگی میں رجب ۱۰۳۶ھ کو مرزا ابو سعید کی صوبے داری کا فرمان جاری کیا تھا، ترخان نامہ کا مؤلف تو اس طرح لکھتا ہے کہ: شریف الملک نے میرزا عیسیٰ کا خوب مقابلہ کیا۔ لیکن اقبال بادشاہی طاقتور تھا،

آخر گرفتار ہوا اور شاہی دربار کی جانب بھیجا گیا۔ بادشاہ نے اس کارنامے پر میرزا عیسیٰ کو ایک لاکھ روپیہ انعام دیا۔

”شریر الملك سپاہی اول و از شجاعان روزگار و دلیران آوان بود، و جمعیت خوب داشت، اما به اقبال به پادشاهی (میرزا) لشکر از اطراف و جوانب جمع نموده بر سر او آمد، و بعد از جنگ و جدال او را دستگیر ساخته روانه درگاه فلک بارگاہ نمود. و مجرای عظیم میرزا شد، و میرزا را صاحب نوبت ساخته به انعام يك لك روپیہ تقد و ہزاری اضافہ منصب سرفراز فرمودند.“ (۷۵)

یعنی نہ صرف میرزا عیسیٰ کو ایک لاکھ روپیے انعام دیا بلکہ اُس کے منصب میں بھی اضافہ کیا گیا اور سب سے بڑی بات یہ کہ اس کو ’نوبت‘ کا اختیار بھی دے دیا گیا، جو کہ مغل دور میں سوائے شہزادوں اور بڑے بڑے امراء کے کسی اور کو نصیب نہ ہوتا تھا۔

ٹھٹھ سے تبادلہ: میرزا عیسیٰ نے ٹھٹھ پہنچ کر اتنا بڑا کارنامہ انجام دیا، جس کے لیے شاہجہاں کا انتظار میرزا عیسیٰ کو دیے گئے انعام اور اعزاز سے معلوم ہوتا ہے۔ لیکن بقول مائر الامراء حسب اقتضائے وقت اس کو اڑھائی مہینے کے مختصر عرصے کے بعد یہاں سے تبادلے کا حکم دے دیا گیا۔ معلوم نہیں کہ یہ اقتضائے وقت کیا تھا؟ اور مملکت سندھ کے ضبط و روابط میں میرزا کا وجود کیوں مفید ثابت نہ ہو سکا؟ ہو سکتا ہے کہ یہی سبب ہو، جو ۱۰۲۱ء میں میرزا غازی کے بعد میرزا عیسیٰ کو نہ بھیجنے کے لیے بارگاہ سلطانی میں درپیش ہوا تھا۔ بہر حال ۱۸ ربیع الثانی گجرات میں میرزا کو ٹھٹھ جانے کا فرمان دیا گیا اور ۲۶ جمادی الاول کو بادشاہ آگرہ پہنچا۔ ۸ جمادی الثانی ۱۰۳۷ء کو تخت نشین ہوا۔ یکم رجب، یعنی فرمان جاری ہونے کے تقریباً ڈھائی مہینے کے بعد میرزا کے تبادلے کا حکم جاری کر کے اس کی جگہ شیر خواجہ کو مقرر کیا گیا۔ یہ وہی دن تھا جب ابوالحسن آصف خان نے بھی تخت کے حالیہ دعوے داروں کو قتل کر کے تخت کے آئندہ دعوے داروں، دارا، شجاع، اورنگزیب کو لاہور

سے لاکر دربار میں پہنچا تھا۔ (۷۶) بادشاہ نامہ کے مؤلف نے مرزا کے تبادلے اور شیر خواجہ کے تقرر کا ذکر یوں کیا ہے:

”خواجہ باقی خان مخاطب بہ شیر خواجہ (۷۷) بہ خلعت و خنجر مرصع، و منصب چہار ہزاری ذات، و سہ ہزار پانصد سوار، و علم و نقارہ، و اسپ بازین مطلا و صوبیداری تہ سرافرازی یافت... از تغیر میرزا عیسیٰ ترخان، کہ در اثنای توجہ ریایات جہان کشا از دکن بہ دارالخلافۃ اکبر آباد، ہنگام وصول موکب اقبال بہ حوالی احمد آباد، بہ نظم صوبہ مزبور دستوری یافتہ بود۔“ (۷۸)

ماثر الامراء کے مؤلف نے اس واقعے کو اس طرح بیان کیا ہے:

”لیکن بعد جلوس بر سریر فرمان روائی، حسب اقتضای وقت، ضبط و ربط آن دیار بہ شیر خواجہ مخاطب بہ خواجہ باقی خان، تفویض یافت۔ و میرزا بی نیل مقصود از عرض راہ معاودت نمودہ۔“ (۷۹)

ماثر کی مندرجہ بالا عبارت میں ”حسب اقتضای وقت“ ”بی نیل مقصود“ و ”عرض راہ“ کے الفاظ قابل غور ہیں۔ گویا اس مؤلف کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ میرزا ٹھٹھ پہنچا ہی نہ تھا کہ راستے ہی میں (از عرض راہ) اسے واپس روانہ کیا گیا، وہ بھی بی نیل مقصود۔ کم از کم ایک بات کا یقین ہے کہ میرزا ٹھٹھ پہنچا تھا، جس کا علم ترخان نامہ کی عبارت سے ہوتا ہے۔

ٹھٹھ کا قیام (ربیع الثانی ۱۰۳۷ھ ربيع الاول ۱۰۳۸ھ): میرزا عیسیٰ کے تبادلے کا حکم یکم رجب ۱۰۳۷ھ کو جاری ہوا، ممکن ہے کہ شیر خواجہ اسی وقت ٹھٹھ پہنچا ہو۔ لیکن میرزا عیسیٰ چارج چھوڑنے کے کم و بیش نو مہینے تک کے عرصے میں ٹھٹھ میں قیام پذیر تھا۔ اس نے اپنے اور اپنے والد جان بابا کے مقابر تعمیر کروانے کا بندوبست کیا تھا۔ دونوں مقبروں کے نقشے اور ایک دوسرے کے سامنے کے سلسلوں سے بھی اس گمان کی تصدیق ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ پہلا اور آخری دفعہ تھا جب

سندھ سے (۱۱-۱۰۱۲ھ) روانہ ہونے کے بعد میرزا کو ایک بار پھر ٹھٹھہ آنے کا موقع ملا تھا۔

میرزا عیسیٰ کی ٹھٹھہ آمد کے سلسلے میں یہ تاریخی ذہن نشین ہوں:

۲۸ صفر ۱۰۳۷ھ کو جہانگیر کا انتقال ہوا۔

۱۹ ربیع الاول ۱۰۳۷ھ شاہجہاں کو دکن میں اطلاع ملی۔

۲۳ ربیع الاول ۱۰۳۷ھ شاہجہاں دکن سے روانہ ہوا۔

۲۳ ربیع الاول ۱۰۳۷ھ شاہجہاں گجرات پہنچا۔

۱۸ ربیع الثانی ۱۰۳۸ھ کو میرزا عیسیٰ کو ٹھٹھہ کی صوبے داری کا فرمان ملا۔

۲۶ جمادی الاول ۱۰۳۷ھ اگرہ پہنچ کر باغ نور جہاں میں منزل انداز ہوا۔

۸ جمادی الثانی ۱۰۳۷ھ تخت نشین ہوا۔

۱ رجب ۱۰۳۷ھ میرزا عیسیٰ کے تبادلہ کے احکامات جاری ہوئے اور شیر خواجہ کو ٹھٹھہ میں مقرر کیا گیا۔

۸ ربیع الاول ۱۰۳۸ھ میرزا عیسیٰ کو متھرا کی جاگیر ملی۔

۷ ربیع الثانی ۱۰۳۸ھ میرزا عیسیٰ ٹھٹھہ سے اکبر آباد پہنچا۔

متھرا کی صوبے داری ۱۰۳۸ھ: تحفۃ الکرام کے مؤلف نے لکھا ہے کہ میرزا عیسیٰ ٹھٹھہ سے بدلی ہونے کے بعد گرنار پر مقرر ہوا۔ لیکن بادشاہ نامہ کے قول کے مطابق، جو کہ درست ہے، میرزا عیسیٰ کو متھرا کا علاقہ دیا گیا۔ جس کے لیے شاہی فرمان ۸ ربیع الاول ۱۰۳۸ھ کو جاری ہوا۔

”وہم بہ میرزا عیسیٰ ترخان، بعد از تغیر، صوبیداری مترا و نواحی آن، جاگیر عنایت شد۔“ (۸۰)

مائر الامراء میں لکھا ہے کہ:

”بہ تیولداری مترا و آن نواحی مورد نوازش گشت۔“ (۸۱)

میرزا عیسیٰ ابھی ٹھٹھہ میں مقیم تھا کہ یہ حکم جاری ہوا۔ غالباً میرزا ربیع الاول کے مہینے ہی میں ٹھٹھہ سے روانہ ہوا۔ متھرا جانے سے قبل

سلامی کے لیے ایک مہینے کے بعد ۷ ربیع الثانی کو شاہی دربار میں حاضر ہوا۔ جس کی اطلاع بادشاہ نامہ میں اس طرح مرقوم ہے:

’ہفتم ربیع الثانی (۱۰۳۸ھ) میرزا عیسیٰ ترخان کہ صوبیداری تہ از و تغیر یافتہ بود، و مترا و نواحی آن در تیولش مقرر شدہ، از تہ آمدہ، بسعادت کورنش کامیاب صوری و معنوی گردید۔“ (۸۲)

قرین قیاس ہے کہ میرزا عیسیٰ چند دن شاہی حضور میں گزار کر رخصت ہوا۔ اسی مہینے یعنی ربیع الاول میں متھرا والی جاگیر کی طرف روانہ ہوا ہوگا۔

دولت آباد - جمادی الاول ۱۰۴۰ھ: ۱۰۳۹ھ کے بعد ۱۰۴۰ھ تک میرزا عیسیٰ کے متعلق ہمیں کوئی اطلاع نہیں ملتی، ہو سکتا ہے کہ یہ اڑھائی تین سال میرزا نے متھرا میں بسر کیے ہوں۔ بادشاہ نامہ کے ذریعے ایک دفعہ بھر ۱۰۴۰ھ کے واقعات میں اطلاع موجود ہے۔ جس کے مطابق ۱۰ جمادی الاول ۱۰۴۰ھ کو عبداللہ خان بہادر کی زیر کمان دونوں سرداروں کے ساتھ میرزا عیسیٰ کو بھی دریا خان کی بغاوت کچلنے کے لیے دولت آباد بھیجا گیا۔

”عبداللہ خان بہادر را کہ... از بالا گھات طلب فرمودہ بودند، بہ جہت تادیبی آن شوریدہ بخت، معین گردانیدند۔ دہم جمادی الاول بہ عنات خلعت واسی از طویلہ خاصہ بازینِ مطلا، سر بلند ساختہ رخصت فرمودند۔

میرزا عیسیٰ و... دیگر منصبداران و اہدیان و کمانداران و تفنگچیان ہمراہ او مرخص گشتند۔“ (۸۳)

محمد طاہر آشتانی نے قرینہ میں اس واقعے کو اس انداز سے درج کیا ہے:

”عبداللہ خان بہادر را... بہ تادیب دریا خان (بہ دکن) تعین نمودند دہم جمادی الثانی... میرزا عیسیٰ ترخان و رشید خان و خواجہ بابا و خواجہ کا مگار، کہ با عبداللہ خان بہادر بودند، و سیف الملوک و شذرہ خان و ابوالبقا برادر زادہ عبداللہ خان

بہادر و خلیل بیگ... و دیگر منصبداران و اہدیان و تفنگچی
ہمراہ او مرخص کردند۔“ (۸۴)

ناسک رمضان ۱۰۴۰ھ: جمادی الاول اور شعبان ۱۰۴۰ھ کے درمیان کہہ نہیں سکتے کہ میرزا مندرجہ بالا مہم میں مصروف رہا یا دوسرے کام اس کے سپرد کیے گئے۔ شعبان میں ناسک میں سخت قحط پڑا، اس لیے عوام کی تکلیف دور کرنے کی غرض سے بہت سا روپیہ شاہی خزانے سے روانہ کیا گیا۔ خواجہ ابوالحسن (۸۵) اس وقت صوبے کا گورنر تھا۔ شاہی خزانہ جن امیروں کی نگہبانی میں بھیجا گیا تھا، ان میں میرزا عیسیٰ بھی شامل تھا۔ بادشاہ نامہ کے مؤلف نے ۵ رمضان کے اس واقعے کو یوں بیان کیا ہے:

”فرمان شد کہ: خزانہ از درگاہ والا نزد او (ابوالحسن) فرستادہ شدہ، از ہر راہی کہ مناسب داند، ہمراہ میرزا عیسیٰ ترخان و سردار خان و رشید خان و خواص خان و چندی دیگر، بندہ ہای درگاہ، بہ لشکر منصور ارسال نماید۔“ (۸۶)

طاہر آشنائے قرنیہ میں اس واقعے کو تقریباً انہی الفاظ میں دہرایا ہے:

”درین اثنا فرمان رسید کہ: خزانہ کہ از درگاہ فرستادہ شدہ بود، از ہر راہ کہ مناسب داند، بہ لشکر منصور ارسال دارد، مصحوب میرزا عیسیٰ ترخان و سردار خان و رشید خان و خواص خان و چند دیگر بفرستد۔“ (۸۷)

ایلچ پور شعبان ۱۰۴۱ھ: میرزا رمضان ۱۰۴۰ھ میں ناسک گیا، اس کے پورے ایک سال بعد اسے ایلچ پور بھیجا گیا۔ بادشاہ نامہ کی اطلاع یہ ہے:

”میرزا عیسیٰ را بہ عنایت خلعت و اسب با زین مطلا بر نواختہ بہ ایلچ پور رخصت نمودند۔“ (۸۸)

گھوڑا سونے کی زین کے ساتھ اور دوسرے ساز و سامان دیے کر خلعت قیمتی مرحمت کر کے میرزا کو ایلچ پور کیوں بھیجا گیا؟ مندرجہ بالا عبارت میں یہ چیز بالکل واضح نہیں ہے۔ طاہر آشنائے قرنیہ میں بھی

وضاحت نہیں کی۔ اس تمام عبارت کو گھما پھرا کر اس طرح لکھا ہے کہ:

”میرزا عیسیٰ ترخان را خلعت و اسب شفقت کردہ بہ ایلچ پور مرخص ساختند۔“

مائر الامراء کا مصنف رقم طراز ہے کہ میرزا کو ایلچ پور کے لیے جاگیر دے کر روانہ کیا گیا تھا۔

”در سال پنجم در سواران، منصب افزودہ، بہ جاگیرداری ایلچ پور رخصت یافت۔“ (۸۹)

بادشاہ نامہ کے مصنف کے مطابق میرزا عیسیٰ کو ۲۷ شعبان ۱۰۴۱ھ اسی طرف رخصت کیا گیا۔

گویا ٹھٹھ سے تبادلہ کر کے ۱۰۳۸ھ میں اس کو متہرا کی صوبہ داری اور جاگیر دی گئی تھی اور درمیان کا عرصہ وہ عام خدمات انجام دیتا رہا، پھر ۱۰۴۱ھ میں اسے جاگیر عطا کر کے مستقل طور ایلچ پور روانہ کیا گیا۔ متہرا کے بعد یہ دوسری جاگیر تھی جو میرزا کو عطا کی گئی۔

منصب میں اضافہ۔ شوال ۱۰۴۱ھ: میرزا شعبان کے مہینے میں ایلچ پور روانہ ہوا، رمضان کا مہینہ درمیان میں شامل کر کے شوال ۱۰۴۱ھ کی تاریخ کو شاہجہان نے اس کے منصب میں اضافہ کر دیا۔ اس سے قبل شاہ جہان کی جانب سے پہلے منصب ۱۰۳۷ھ میں ملا جب اسے ٹھٹھ بھیجا گیا تھا۔ چار ہزاری ذات دو ہزار پانصد سوار۔ جس کے بعد پانچ سالوں کے عرصے کے بعد دوسری دفعہ میرزا کے منصب کے متعلق دربار شاہی سے فرمان صادر ہوا، اس دفعہ اس کے منصب میں اس طرح اضافہ کیا گیا:

”میرزا عیسیٰ بہ اضافہ پانصد سوار، بہ منصب چہار ہزاری سہ ہزار سوار، نوازش یافت۔“ (۹۰)

یعنی ابتداء میں اسے چار ہزار ذات کے ساتھ اڑھائی ہزار سواروں کا منصب تھا۔ اور اب اسے سواروں میں پانچ سو کا اضافہ کر کے چہار ہزاری سے تین ہزار سواروں کے منصب تک پہنچایا گیا۔

مائر الامراء میں اس اضافے کا ذکر نہیں ملتا۔ قرنیہ کے مؤلف نے

بادشاہ نامہ سے اس اضافے کی نقل یوں کی ہے کہ:

”میرزا عیسیٰ ترخان بہ اضافہ پانصد سوار بہ منصب چہار ہزار سوار نوازش یافتہ۔“ (۹۱)

سورٹھ کی جاگیر اور منصب - صفر ۱۰۴۵ھ: معلوم ہوتا ہے کہ ۱۰۴۱ھ شوال سے لے کر ۱۰۴۵ھ تک میرزا عیسیٰ ایلچ پور میں مقیم رہا، جہاں سے ۲۷ صفر ۱۰۴۵ھ کو اس کا تبادلہ سورٹھ (جونہ گڑھ) کی طرف کیا گیا۔ اُسے جاگیر بھی عطا کی گئی اور تین دفعہ منصب میں بھی اضافہ کیا گیا۔ محمد طاہر آشنا رقم طراز ہے کہ:

”بیست و ہفتم (صفر ۱۰۴۵ھ) ... سرکار سورت بہ جاگیر میرزا عیسیٰ ترخان مقرر گردید، و منصب منشار الیہ بہ اضافہ یک ہزاری ذات سوار دو اسپہ و سہ اسپہ، پنج ہزاری ذات و سوار ازاتجملہ یک ہزار سوار دو اسپہ و سہ اسپہ قرار یافت۔“ (۹۲)

اس سے قبل چار ہزاری ذات و سہ ہزاری سوار کا منصب تھا۔ اور اب پانچ ہزاری ذات اور چار ہزاری سوار کے منصب پر فائز ہوا، ایک ہزار کا اضافہ ذات میں اور ایک ہزار کا اضافہ سواروں میں کیا گیا۔ مائرا الامراء کے مؤلف نے اس واقعے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

”در سال ہشتم بہ اضافہ ہزاری ہزار سوار، بہ منصب والای پنج ہزاری چار ہزار سوار دو اسپہ سہ اسپہ بر نواختہ، بہ فوجداری سرکار شورت مباہی گردید۔“ (۹۳)

میرزا عیسیٰ گویا جہانگیر کے زمانے میں پہلی بار ۱۰۲۱ھ کو گجرات (رادھن پور) گیا تھا۔ دوسری مرتبہ ۱۰۳۲ھ میں گیا اور ۱۰۳۷ھ تک وہیں مقیم رہا۔ اس عرصے میں دو مرتبہ شاہجہاں ٹھٹھ سے واپسی پر گجرات پہنچا اور دوسری دفعہ اعلان بادشاہی کے بعد ۱۰۳۷ھ میں گجرات سے اکبر آباد کی طرف جاتے ہوئے اور تیسری بار نو سال کے وقفے کے بعد وہ دوبارہ گجرات کی طرف روانہ ہوا۔

کچھیلے گھوڑے - رمضان ۱۰۴۱ھ: میرزا عیسیٰ ۱۰۴۷ھ میں ابھی جونا گڑھ میں ہی تھا، جہاں سے شاہی حضور میں پیش کرنے کے لیے ۱۵ کچھی گھوڑے روانہ کیے، جو بقول مصنف بادشاہ نامہ ۱۵ رمضان ۱۰۴۷ھ کو بادشاہ کی نگاہوں سے گذرے۔

”پیشکش میرزا عیسیٰ ترخان پانزدہ اسب کچی کہ از جونا گرافستاده بود... از نظر اقدس گذشت.“ (۹۴)

مصنوب میں ترقی - جمادی الثانی ۱۰۴۹ھ: بادشاہ نامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ، ۵ جمادی الثانی ۱۰۴۹ھ کو بادشاہ کی منزل بھیرہ (پنجاب) میں تھی۔ جہاں سے میرزا کے منصب میں ایک ہزار سواروں کے اضافے کا پروانہ جاری ہوا۔

”میرزا عیسیٰ ترخان حاکم ولایت سورت، بہ اضافہ ہزار سوار بہ منصب پنج ہزاری پنج ہزار سوار، ہزار سوار دو اسبہ سہ اسبہ مفتخر گردید.“ (۹۵)

اس سے قبل پنج ہزاری اور چہار ہزاری سوار کا منصب تھا۔ اب پنج ہزاری ذات کے ساتھ پنج ہزاری سوار ہوا۔ میرزا ابھی سورٹھ ہی میں تعینات تھا۔ معلوم نہیں کہ یہ فرمان اُس کی غیر موجودگی میں جاری ہوا یا میرزا خود بھیرہ میں اس وقت شاہی منزل پر موجود تھا۔ اس کے بیٹے میرزا عنایت اللہ کا بھی اسی دن منصب میں اضافہ ہوا، جس کا ذکر اس کی سرگذشت میں کیا جائے گا۔

کچھی گھوڑے ۱۰۵۰ھ: معلوم نہیں، کچھی گھوڑے بادشاہ کو پسند تھے یا وہ گھوڑے نسل کے لحاظ سے بہتر تھے۔ غرض میرزا عیسیٰ جونا گڑھ میں دو دفعہ شاہی حضور میں ایک ہی قسم کے چالیس گھوڑے پیش کر چکا تھا۔ جو کہ ۱۱ محرم ۱۰۵۰ھ کو شاہی ملاحظہ کے لیے پیش کیے گئے۔

”(۱۱ محرم ۱۰۵۰ھ سال سوم دورہ دوم) پیشکش میرزا عیسیٰ ترخان چهل اسب کچی کہ از جوناگر ارسال داشته بود، بہ نظر انور در آمد.“ (۹۶)

گجرات کی صوبے داری اور منصب میں اضافہ -
 محرم ۱۰۵۲ھ: جس دور کا ذکر ہو رہا ہے، اس دور میں گجرات کا
 صوبے دار اعظم خان تھا۔ وہ اپنے زمانے میں گجرات کا انتظام مکمل طور پر
 درست نہ رکھ سکا۔ اس لیے ایک عرصے سے بادشاہ کے حضور شکایات
 ارسال ہو رہی تھیں۔ بار بار شاہی دربار سے اسے تاکید کی جا رہی تھی،
 لیکن حالات بدستور ویسے ہی رہے۔ جس کی وجہ سے محرم ۱۰۵۲ھ کو
 اسے صوبے داری سے معزول کر دیا گیا۔

گجرات سے میرزا عیسیٰ کا پرانا تعلق تھا، سارے صوبے میں اُس
 کی انتظامی صلاحیت، تدبیر اور دانش مندی کی ساکھ تھی۔ اس زمانے
 میں وہ گجرات کے ایک اہم صوبے کا جاگیردار اور فوج دار تھا۔ اس لیے
 بادشاہ نے ان باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اعظم خان کو معزول کرنے کے
 بعد چوتھے دن یعنی ۱۲ محرم ۱۰۵۲ھ میرزا عیسیٰ کی صوبے داری کا
 فرمان جاری کیا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صوبے داری پر فائز کرنے کے
 ساتھ اس کی منصب میں بھی اضافہ کیا گیا۔

”وا ز جملہ سواران منصب او، هزار و پانصد سوار دو اسپہ، سہ

اسپہ، مقرر فرمودہ... اورا بہ منصب پنج ہزاری ذات و پنج

ہزار سوار دو ہزار و پانصد سوار دو اسپہ و سہ اسپہ سر بلند

گردانیدند۔“ (۹۷)

اس حکم کے ساتھ اسی دن دوسرا حکم بھی جاری کیا گیا۔ جس
 کے مطابق میرزا عنایت اللہ اپنے والد کی جگہ پر سورتھ میں فوج دار مقرر
 ہوا۔ اس کے منصب میں بھی اضافہ کیا گیا اور اُس کے بھائی میرزا محمد
 صالح کا منصب بھی بڑھایا گیا۔

شاہ جہاں کے اس سلوک سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ میرزا
 عیسیٰ اور اُس کی اولاد کے لیے بادشاہ کے دل میں کتنی عزت تھی۔ شیخ
 فرید بکھری کی تحریر واقعے کی سچائی سے تعلق رکھتی ہے کہ: میرزا
 عیسیٰ نے مشکل وقت میں شاہ جہاں کی مدد کر کے ”وسیلۂ اعظم تمام

عمر و آل و اولاد خود حاصل کرد۔“

شاہی فرمان - محرم ۱۰۵۲ھ: مرآۃ احمدی کے مؤلف نے بھی اتفاق سے اسی فرمان کی نقل دی ہے، جو ۱۲ محرم ۱۰۵۲ھ کو اعظم خان کی معزولی کے لیے جاری کیا گیا تھا۔ بادشاہ نے اعظم خان کی بد انتظامی کا ذکر کرتے ہوئے اپنے فرمان میں لکھا ہے کہ:

”خود توفیق نیافت، و آن ملک را خراب تر ساخت، و کار بہ جای رسانید کہ، اگر بہ تدارک نپردازم، دیگر ممکن نہ باشند۔“

اس فقرے سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اعظم خان نے گجرات میں کتنی تباہی کردی تھی اور کس حالت میں گجرات کے انتظام اور اصلاح کا حکم میرزا کے سپرد کیا گیا۔ میرزا کے متعلق فرمان کی عبارت یہ ہے:

”بنا بر این، بر آن ملک و اهل آن ملک ترحم فرمودہ، صاحب صوبگی آن ملک، بہ امارت پناہ، سزاوار لطف و احسان، میرزا عیسیٰ ترخان۔ کہ ملک سورت خراب را، بہ حسن سلوک و رعیت پروری، آباد ساختہ بود۔ از ابتداء خریف یونت ٹیل مرحمت نمودیم۔ میرزا مذکور کہ داخل احمد آباد شود، صوبہ را تسلیم مشار الیہ نمودہ، خود عازم در گاہ عرش اشتباہ گردد۔ و در عہد، دانستہ تخلف و انحراف نورزند۔ تحریر دوازدهم شہر سنہ ۱۵ جلوس مبارک۔ موافق سنہ یکہزار و پنجاہ دو۔“ (۹۸)

فرمان کے اس اقتباس سے میرزا کی انتظامی صلاحیتوں اور کارکردگی کی اہلیت کے لیے بادشاہ کی ذاتی رائے معلوم ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ سورٹھ کی حالت میرزا کے جانے سے قبل اتنی خراب اور برباد تھی کہ جس کو میرزا نے جا کر درست کیا اور اپنے حسن سلوک اور رعایا پروری کی وجہ سے جلد ہی ملک کو آباد اور رعایا کو خوشحال کر دیا۔

اعظم خان: مرآۃ احمدی کے مؤلف نے اس حکم کے سلسلے میں لکھا

ہے کہ: بادشاہ روشن ضمیر نے سوچا تھا کہ کہیں یہ خبر معلوم ہونے سے اعظم خان رعایا اور زبردستوں پر انتقامی کارروائیاں شروع کروادیں۔ اس لیے اسی وقت میرزا عیسیٰ کی طرف شقہ خاص روانہ کیا۔

”پادشاہ روشن ضمیر آگاہ دل۔ کہ مبادا بہ سبب استماع خبر تغیری صوبہ، اعظم خان، بیش از بیش ستم و تعدی، عاید حال رعایا و زبردستان شود، شقہ خاص بہ نام میرزا عیسیٰ ترخان، با فرمان طلب حضور بہ اعظم خان، شرف صدور یافت۔“ (۹۹)

میر محمد باقر عرف ارادت خان ملقب بہ اعظم خان ساوہ شہر کے اصل سیدوں میں سے تھا اور میرزا جعفر آصف خان کا داماد تھا۔ اس رشتے کی وجہ سے سے شاہجہاں کے سسر عین الدولہ آصف خان کی وزارت عظمیٰ میں اس نے زبردست ترقی کی۔ شہزادہ محمد شجاع کی پہلی بیوی، جو کہ مرزا رستم صفوی کی بیٹی تھی، جب فوت ہو گئی تو اس نے اعظم خان کی بیٹی سے ۱۰۴۹ھ میں شادی کی۔ انہی رشتوں ناتوں کی وجہ سے اعظم خان کو اتنا بڑا اقتدار اور دبدبہ حاصل تھا کہ اس نے غرور میں آکر گجرات میں مظالم شروع کیے۔ بادشاہ کے کانوں تک رعایا کی زبوں حالی کا احوال پہنچایا گیا۔ مرآۃ احمدی کا مؤلف رقم طراز ہے کہ:

”از کہن سالان ثقات کہ از نیاکان خود نقل نمودند۔ استماع یافت کہ: از ملاحظہ منزلت و نسبت با پادشاہ زادہ محمد شجاع بہادر، کسی را حد نالشی تعدی اعظم خان نبود۔ این معنی بہ ذریعہ سیادت پناہ سید جلال بخاری بعرض رسید۔ لہذا چہار دہم (؟) شہر محرم الحرام سال ہزار و پنجاہ و دو، از تغیر اعظم خان، صوبہ گجرات بہ میرزا عیسیٰ ترخان... مرحمت شد۔“ (۱۰۰)

مطلب یہ کہ اتنی مشکلات کے ساتھ گجرات کی رعایا نے خان مذکورہ سے رہائی حاصل کی۔ اور میرزا عیسیٰ کے لیے گجرات کی صوبے داری کا راستہ ہموار کیا۔

گجرات کی اصلاح اور بھاگ بٹئی: گجرات کا صدر مقام احمد آباد تھا۔ میرزا عیسیٰ اعظم خان کو شاہی دربار کی طرف روانہ کر کے خود ملک کے انتظام اور اصلاح میں مصروف ہو گیا۔ زمینیں غیر آباد ہو چکی تھیں، ان کو آباد کروایا۔ گاؤں ویران ہو چکے تھے، ان کو از سر نو بسایا۔ آدمی دربدر ہو گئے تھے، ان کو ایک جگہ اکٹھا کیا۔ ملک کے اندر بدنظمی اور انتظامی خرابی حد سے زیادہ بڑھ گئی تھی، بڑی کوششوں کے بعد میرزا نے نظم و نسق کو دوبارہ رائج کیا۔

ہم ابتداء میں پڑھ چکے ہیں کہ درباری امراء مرزا کی خودداری کی وجہ سے اس سے ہمیشہ ناراض اور نالاں رہتے تھے۔ اور جان بوجھ کر اُسے کسی مشکل سے مشکل مہم کی طرف روانہ کیا جاتا، تاکہ وہ ناکام ہو جائے اور اس طرح اس کی رسوائی ہو۔ مگر میرزا نے ہمیشہ ہر مشکل موقع پر فتح حاصل کی۔ لیکن اس دفعہ امراء کی کوششوں کے سبب اُس کا تبادلہ نہ ہوا تھا، بلکہ اُس کی صلاحیتوں کے مدنظر سوچ سمجھ کر بادشاہ نے خود اُسے روانہ کیا تھا۔ چنانچہ میرزا نے امید کے مطابق جلد ہی گجرات میں ایک نئی زندگی کی روح پھونک دی۔

مرآۃ احمدی کے گجراتی مؤلف نے یہ بات تسلیم کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

”و مرہم تسلی دلہای ستمدیدگان گجرات شد، میرا عیسیٰ
ترخان بہ اشتغال امور صوبہ بہ استمالت رعایا پرداختہ، در پر
گنات عمل غلہ بخشی۔ کہ بہ اصطلاح این ملک، باگ بتائی
گویند۔ قرار داد، و در اندک فرصتی ملک بہ معموری آورد۔“
(۱۰۱)

کاشتکاروں نے شکستہ خاطر ہو کر زمینیں آباد کرنا چھوڑ دی تھیں۔ زمین داروں، جاگیرداروں اور اہل کاروں کے ظلم، سختیوں اور غیر واجبی مطالبوں نے ان کو ایسا کرنے پر مجبور کیا۔ اُس زمانے میں مغل کار پردازوں کی بے جا کارروائیوں نے سندھ کے اندر ایسی ہی صورت حال پیدا کر دی تھی۔ گاؤں ویران، زمینیں غیر آباد، ملک لاوارث اور عوام زیر و زبر

ہو چکے تھے۔

میرزا عیسیٰ نے بھاگ بٹنی یعنی خوشحال بٹنی کا رواج جاری کیا اور کسانوں کو دوبارہ کھیت سرسبز کرنے پر آمادہ کیا۔ بھاگ بٹنی کا مفہوم شاید یہ تھا کہ ایک متعین عرصے تک زمین کی پیداوار انھی کسانوں کے حوالی کی جاتی تھی۔ سال کی دونوں فصلوں کے وہی مالک ہوتے تھے۔ اس لیے اس کو بھاگ والی بٹنی کہا گیا۔

ایک انگریز مورخ کی رائے: میرزا کے سلسلے میں گجرات کا مشہور مورخ Mr. Commissariat بھی بہت زیادہ معترف ہے، لکھا ہے کہ:

In April 1642. Azam Khan was recalled from Gujrat by the Emperor's.... (122).... In succession to Azam Khan, therefore, Mirza Isa Tarkhan the Governor of Sorath, become the next viceroy of Gujrat (1642-45). This noble had aquired a Good reputation when in charge of Junagadh and it was expected that his rule would bring relief and prosperity to the much harassed population of Gujrat. By force marches, the new viceroy travelled from Junagadh to the Ahmadabad, and proceeding without delay to the Bhadra, delivered personally the Imperial farman of 2nd April 1642 to Azam Khan for his recall. Inayatullah, son of Mirza Isa Tarkhan was appointed governor of fouzdar at Junagadh in place of his father. Among the measures of the new subahdar was the introduction in the province of the 'Bhagbatai' of Share system of levying revenue in kind. (102)

انعام، ہاتھی - صفر ۱۰۵۲ھ: محرم میں بادشاہ نے میرزا کو احمد آباد روانہ کیا۔ کچھ دنوں کے بعد ۳۰ تاریخ صفر ۱۰۵۲ھ کو بیٹے محمد صالح کے ہاتھوں شاہی فیل خانے کا ایک خاص ہاتھی، بطور انعام اس کے

لیے بھجواوا۔

”سلخ ماہ (صفر) بہ میرزا عیسیٰ ترخان، معجوب محمد صالح

پسرش، فیل از حلقہ خاص عنایت نموده فرستادند۔“ (۱۰۳)

مرآۃ محمدی کے مؤلف نے لکھا ہے کہ: میرزا صوبے کا انتظام نہایت اچھا چلا رہا تھا، ”بھاگ بٹنی“ کی رسم شروع کر کے زمینوں کو آباد کرایا، جس کے صلے میں بادشاہ نے اسے ایک ہاتھی انعام میں دیا۔ (۱۰۴)

ظاہر ہے میرزا بمشکل پہنچا ہی تھا کہ اس کے لیے ہاتھی بھجواوا گیا۔ اس لیے یہ انعام بھاگ بٹنی شروع کرنے پر نہیں بلکہ شاہی خوش نودی کے لیے بھجواوا گیا تھا۔ میرزا صالح شاہی دربار سے رخصت ہو کر باپ سے ملنے کے لیے جارہا تھا، بادشاہ نے اس کو باپ کے لیے ایک ہاتھی دے دیا تاکہ وہ اپنے باپ کے ہاں خالی ہاتھ نہ جائے۔

یہ حقیقت ہے کہ گجرات میں قیام کے دوران شاہجہاں نے میرزا پر بڑی عنایتیں کیں، اور بار بار کیں۔ جیسے جیسے وقت گذرتا جارہا تھا اور وہاں کے انتظامات کی بہتری کی خبریں بادشاہ کو ملتی تھیں، ویسے ویسے شاہی انعامات، واکرامات بھی اس کے لیے جاتے تھے۔

خلعت اور گھوڑا۔ ذی القعد ۱۰۵۳ھ: ۳۰ تاریخ ماہ ذی القعد ۱۰۵۳ھ کو دوستکام ولد معتمد خان احمد آباد کا بخشی بن کر دربار سے روانہ ہوا۔ بادشاہ نے اس کے ہاتھ میرزا کے لیے خلعت خاص اور خاص شاہی اصطل کا گھوڑا سونے کی زین سے آراستہ کر کے بھجواوا۔

”سلخ ماہ (ذی القعد) دوستکام ولد معتمد خان... بدان صوبہ

مرخص گردید، و مصحوب او بہ میرزا عیسیٰ ناظم گجرات،

خلعت و اسب از طویلہ خاصہ با براق طلا عنایت نموده

فرستادند۔“ (۱۰۵)

منصب کا اضافہ۔ ربیع الثانی ۱۰۵۴ھ: انعامات کا سلسلہ

اسی طرح ہر سال جاری رہا۔ ۷ تاریخ ربیع الثانی ۱۰۵۴ھ کو بادشاہ نے

میرزا کے منصب میں یہ اضافہ کیا:

”دو ہزار پانصد سوار، میرزا عیسیٰ ترخان ناظم احمد آباد، بہ
جہت ضبط صوبہ، دو اسپہ سہ اسپہ، مقرر نموده، او را بہ
منصب پنج ہزاری پنج ہزار سوار دو اسپہ سہ اسپہ، سرافراز
گردانیدند.“ (۱۰۶)

وہ جب گجرات جارہا تھا، اس وقت ۵ ہزار سواروں میں فقط دو ہزار
پانچ سو سوار دو اسپہ سہ اسپہ تھے۔ اور اب پانچ ہزار سوار دو اسپہ اور سہ
اسپہ کیے گئے۔

شاہجہاں کے آخری زمانے تک میرزا کا یہ منصب قائم رہا۔ اس لیے
کہہ سکتے ہیں کہ بادشاہ نامہ کے منصب داروں والی آخری فہرست
میں میرزا کا نام پنج ہزاری میں لکھا گیا ہے۔

ترخان نامہ کے مؤلف نے میرزا کا منصب ہشت ہزاری لکھا ہے۔
جس کا ثبوت دوسری جگہوں سے میسر نہ ہو سکا، ترخان نامہ کی عبارت
یہ ہے کہ:

”منصب میرزا عیسیٰ ترخان..... بہ ہشت ہزاری ذات و

ہفت ہزار سوار دو اسپہ و سہ اسپہ رسیدہ.“ (۱۰۸)

پھر سورٹھ ذی الحج ۱۰۵۰ھ تا ۱۰۶۱ھ: میرزا عیسیٰ نے گجرات کی صوبے
داری پورے تین سال تک کی۔ شاہجہاں کے بیٹوں میں کتنے سالوں سے
اختلاف کی جو آگ دبی ہوئی تھی، وہ اُس زمانے میں بھڑک اٹھی۔ دارا
شکوہ بادشاہ کا ولی عہد تھا۔ اسے عالمگیر سے مستقبل میں خدشہ تھا۔
ان دونوں بھائیوں کی رقابت کے سبب دوسرے شہزادے بھی برسرِ پیکار
رہے۔ ۱۰۵۴ھ میں شاہجہاں نے احمد آباد کی صوبے داری بقول مرآۃ
احمدی خاص مصلحتوں کی وجہ سے عالمگیر کو دی۔ ۲۹ ذی الحج میرزا
عیسیٰ کو اس کی اصلی جاگیر اور اپنے عہدے پر واپس سورٹھ روانہ کیا۔
(۱۰۹)

جونہ گڑھ کا قلعہ: میرزا نے اپنی زندگی کا طویل عرصہ گجرات اور
سورٹھ میں گزارا۔ میرزا کا مزاج اصلاحی اور فلاحی کارناموں کی طرف

مائل تھا۔ عمارت سازی کا شوق اور اس سلسلے میں وہ ایک خاص قسم کے ذوق کا حامل تھا۔ اس نے مقبروں کی تعمیر میں جس نزاکت اور حسن سے کام لیا ہے، اس کو دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس نے جب دوسری تعمیرات کروائی ہوں گی تو ان کی کیا کیفیت اور صورت ہوگی۔

افسوس تو اس بات کا ہے کہ اس قسم کے تمام کارنامے گجرات کے حصے میں آتے ہیں۔ جن تک ہماری دسترس نہیں ہے۔ سورٹھ کے صوبے کا مرکزی شہر جونا گڑھ تھا، مرزا نے اپنے پہلے دور یا ابتدائی دور میں اس کا قلعہ تعمیر کروایا، جو کہ غالباً آج تک موجود ہے۔ قرین قیاس یہی ہے کہ یہ قلعہ اس نے پہلے دور میں (۳۵-۱۰۵۲ء) میں تعمیر کروایا ہوگا۔ قلعہ کی تاریخ: تاریخ سورٹھ کے مؤلف Ranchodji Amarji جونا گڑھ کے قلعے کی تاریخ اس طرح بیان کرتا ہے:

"The fort of Junagadh is called in Sanskrit Karana Kubja, but as an account of it is given in the Prabhasa Khanda of the Skanda Purana. I Shall describe its present state only. The citadel, called Uparkot is strongly build of stone and is situated in a velley at the foot of Mount Girnar; it has eighty-four turrets, two gates and two ways- one of the latter called Adi, and the other called Chadi, built by Raja Nonghan's slave-girls. There is also a kuvo (or draw-well) excavated by Nonghan and named after him. The stone dug out to from the fosse around the fort served for the construction of the towers and battlements; and in case of a siege, there is a subterranean passage leading into the fort on the east side; which might be used to convey provisions to the garrison.

There is a tradition that Uparkot or fort was built by the

Yadav Raja Ugarasena, when he fled from Mathura in dread of Kala Yavana Shah of Khorasan, and came to the Sorath country. It is said that on Samvat 1507 (A. D. 1450) Raja Mandalik repaired the fort of Uparkot. Afterwards, in the reign of Shah Akbar, A'isa Khan came from Sindh to be the Subahdar, and built the wall of the city on Samavat 1690 (A. D. 1633) with a hundred and fourteen turrets and nine gates, four of which were kept open, and five closed. In Samvat 1718 (A. D. 1661) the fort was improved by Mirza A'isa Torkhan." (110)

ملازمت سے سبک دوشی ۱۰۶۱ھ: میرزا کے لیے زندگی کی جدوجہد اور کش مکش کی صورت حال جنم کے دن سے ہی شروع ہوئی تھی جو آخری دن تک قائم رہی۔ ساری زندگی اسی چل چلاؤ میں گذری۔ باپ کا قتل، اپنی موت کا خوف، ماموں کے پاس جا کر جھپٹنا، میرزا غازی سے اختلاف، ترک وطن، شاہی دربار میں باریابی میرزا غازی سے رسوخ ہونے کی وجہ سے جہانگیری دور میں اپنا مقام پیدا کرنا، وطن کے لیے واپسی پر سازشوں کا درباری جال، امراء کی کدورت اور کینہ پروری، ان کی عداوتوں سے اپنے پہلو کو بچانا، ہمیشہ احتیاط سے چلنا، ہر معاملے میں دامن بچاتے ہوئے سرخرو ہونے کے لیے کوششوں میں مصروف اور منہمک رہنا۔ غرض مرزا کی ساری زندگی کی امیری کانٹوں کی سیج ثابت ہوئی۔ لیکن کمال تو یہ ہے کہ اس سارے عرصے میں ایک دفعہ بھی اُس کے دامن پر کوئی داغ نہ لگ سکا۔ واقعی اُس کے تدبیر فہم اور فراست کا یہ کمال تھا۔

میرزا ۱۰۶۱ھ میں تقریباً چھیاسی سال کا ہو چکا تھا۔ اس وقت تک شیخ فرید بکھری کی روایت کے مطابق ان کی بینائی رجولیت اور قوت اشتہا میں کمی نہ ہوئی تھی، دیکھنے میں بیس سال کا جوان لگتا تھا، تاہم چھیاسی سال کا جسم آرام کرنے پر مجبور تھا۔ چنانچہ جیسے

مندرجہ ذیل عنوان کے تحت معلوم ہوتا ہے، بادشاہ نے سورٹھ کی فوج داری اُس کے بیٹے محمد صالح کے حوالے کر کے اُسے ملازمت سے ہٹا دیا۔ دے کر اپنے پاس ملاقات کے لیے بلوایا، اس طرح میرزا عیسیٰ کی عملی زندگی کا ایک طویل باب اختتام کو پہنچا بلکہ بڑی خیر خوبی کے ساتھ اس کا خاتمہ ہوا۔

(۹)

وفات: میرزا عیسیٰ کے بارے میں ہم کو آخری اطلاع ذخیرۃ الخوانین کے مصنف شیخ بکھری نے دی ہے۔ لکھا ہے کہ:

”تا حال کہ سنہ الف و ستین ہجری (۱۰۶۰ھ) ہست، در رادن پور وغیرہ آن ضلع، بہ کمال خواہش خاطر می گذراند، و معزز و محترم وبا آبرو ہست۔“

اسی سلسلے میں اس وقت اُس کی صحت اور تندرستی کے بارے میں اطلاع دیتا ہے کہ:

”عمر شریف ایشان از عمر طبیعی زیادہ است، در شنوائی و بینائی و رجولیت وقوت اشتہا کمی، نیست، بمثل جوان بہت سالہ دارد۔“ (۱۱۱)

ایک اور مقام پر رقم طراز ہے کہ:

”و تا حال کہ سنہ ستین و الف ہجری ہست میرزا در صوبہ گجرات بہ کمال عیش میگزrand، و مصدر توجهات قدسی ہستند۔ و عمر شریف ایشان زیادہ از یک صد دوازده سال است۔ شنوائی و بینائی و قوت بدن و رجولیت بہ حال خود است۔“ (۱۱۲)

ماثر الامراء میں اس کی عمر ایک سو بارہ نہیں، بلکہ ایک سو سال سے زیادہ بتا کر صحت اور قوت کے متعلق وہی رائے دی ہے:

”با آنکہ عمر میرزا از صد متجاوز بود، اما قوی از درجہ طبیعی سقوط نیافتہ، باہ ہم جوانانہ داشت۔“ (۱۱۳)

ذخیرۃ الخوانین ۱۰۶۰ھ تک کا احوال لکھنے کے بعد میرزا کے سلسلہ سوانح کو چھوڑ دیتا ہے۔

میرزا کی وفات کا ذکر فقط تین کتابوں میں ملتا ہے۔ ترخان نامہ، عمل صالح اور مائثر الامراء۔

میرزا عیسیٰ ۶۰-۱۰۶۱ھ تک اپنا سارا کاروبار اپنے بیٹے میرزا محمد صالح کے سپرد کر کے خود عملاً ریٹائر ہو گیا تھا، لیکن اُس کا قیام اپنی جاگیر اور رادھن پور میں تھا۔

مرآۃ احمدی کا مؤلف رقم طراز ہے کہ: شاہجہاں بادشاہ نے مرزا عیسیٰ کو خود اپنے پاس بلوایا اور سورٹھ کی فوج داری اس کے بیٹے محمد صالح کے سپرد کی۔ مائثر الامراء سے بھی اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ پچیسویں سال شاہجہانی میں میرزا کو بادشاہ نے اپنے پاس بلوایا تھا اور میرزا وہاں جا کر جب سانہر گوٹھ میں پہنچا، اس وقت اُس کی زندگی کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا، اسی گاؤں میں اس کا انتقال ہوا۔

”فرمان طلب میرزا بہ حضور، صادر گردید، در محرم سنہ

(۱۰۶۲ھ) ہزار و شصت و دوم بہ قصبہ سانہر رسیدہ بود کہ،

پیمانہ حیاتش بر آمود۔“ (۱۱۳)

میرزا کی وفات کی تاریخ ترخان نامہ کے مؤلف نے لکھی ہے، لیکن کتاب کے ایک نسخے میں ۱۲ محرم ہے اور دوسرے میں ۱۳ محرم (۱۱۵) سال بجائے ۱۰۶۲ھ کے ۱۰۶۱ھ لکھا گیا ہے۔ جو کہ غلط ہے اور یہ کتابت کا سہو ہو سکتی ہے۔

”در تاریخ ۱۲ شہر محرم الحرام سنہ احدی و ستین الف

(۱۰۶۱ھ) میرزا عیسیٰ ترخان بہ رحمت حق پیوست۔“

(۱۱۶)

عمل صالح کے مؤلف نے صراحت سے لکھا ہے کہ میرزا کی وفات ۱۳ محرم کو سانہر میں ہوئی، جس کی اطلاع بادشاہ کو لاہور کی منزل پر پانچ صفر کو ملی۔

”پنجم صفر بہ عرض مقدس رسید کہ: میرزا عیسیٰ ترخان کہ

از جونہ گر روانہ در گاہ آسمان جاہ شدہ بود، سیزدہم محرم در
سانبر پیمانہٴ حیات بر آسود۔ پادشاہ بندہ نواز محمد صالح پسر
کلانش را از اصل و اضافہ بہ منصب دوہزاری پانصد سوار و
دو پسر دیگر را بہ منصبی در خورِ عز و امتیاز بخشیدند۔“
(۱۱۷)

مرآۃ احمدی کے مؤلف نے میرزا کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا
ہے کہ میرزا دورہ کرتے ہوئے سانبر میں آکر منزل انداز ہوا، جہاں
۱۰۶۲ھ میں اُس کا انتقال ہوا۔ (۱۱۸)

میرزا کے مزار پر یہ کتبہ نصب ہے، جس سے سال وفات ۱۰۶۲ھ پر
آمد ہوتا ہے۔

چو رحلت کرد از دارِ فنا
آن سرورِ ترخان بہ بستانِ جنان
آسودہ شد در منزلِ اعلیٰ
بہر سیدم چو سالِ رحلتِ او، از خرد، گفتا:
نمودہ میرزا عیسیٰ بگلزارِ ارم ماوا

جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ میرزا کی عمر کے لیے مختلف
آراء ہیں، لیکن قرین قیاس یہ ہے کہ اُس کی ولادت ۷۵-۷۶ھ کو ہوئی
اور وفات کے وقت اُس کی عمر ۸۷-۸۶ سال ہوئی جاہیے۔

سانبر سے یا رادھن پور سے لاش روانہ ہوئی اور سندھ میں پہنچی
اور اس کو اپنے تعمیر کردہ مقبرے میں سپرد خاک کیا گیا۔ ٹھٹھہ سے
۱۰۱۲ھ میں رخصت ہوئے اور پوری آدھ صدی گزرنے کے بعد ۱۰۶۲ھ
میں ان کی لاش اسی شہر لائی گئی اور وہیں دفن ہوئے۔

(۱۰)

میرزا عیسیٰ کی شخصیت: میرزا کے واقعات زندگی سے ظاہر ہوتا ہے کہ
وہ بہادر، خوددار، عزت خواہ امیر تھا، بادشاہ کے علاوہ کبھی کسی
دوسرے کی پروا نہیں کی، دوسرے درباری امراء اسی خودسری کی وجہ

سے اس کے مخالف تھے۔ لیکن اس نے کبھی ان کی پروا نہ کی۔ مشکل سے مشکل مہم پر روانہ ہوا اور اپنی قوتِ بازو کی وجہ سے اس کو سر کر کے سرخرو ہو کے واپس آیا۔ اسے جو کچھ بھی شاہی دربار سے حاصل ہوا وہ سب کچھ اس نے اپنی ہمت، مردانگی اور کارکردگی کی بنیاد پر حاصل کیا، نہ کہ کسی کی سفارش کے سہارے سے۔ غرض وہ تمام عمر لاغرض رہا اور یہ غرض ہو کر زندگی گزاری۔ فہم و فراست، دانش مندی اور تدبیر اُس کے ہر عمل سے ظاہر ہوتا ہے۔ زندگی کا تمام سفر نہایت شان و شوکت اور خوش اسلوبی سے طے کیا۔ دل کا کشادہ اور مزاجاً سخی تھا۔ ارغونوں اور ترخانوں کا سندھ سے خارج شدہ قافلہ جب اُس کے سپرد ہوا تب بھی نہایت دریا دلی سے ان کی پرورش کا بوجھ خود اٹھالیا۔ ترخان نامہ کے مؤلف نے اُس کے اوصاف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

”مردی خلیق و ادیب و حلیم و بردبار صاحبِ ہمت و غیرت، قبیلہ پرور، سپاہ دوست، آبادان کار، در جوانی کسب کمالات نمودہ در علوم دستگاہی ہم، رسانیدہ۔ بہ جمع مکارم اخلاق آراستہ و پیراستہ۔ شیوۂ عدالت و سخاوت، شعار خود داشتہ۔ در شجاعت و دلاوری نظیر نداشت۔“ (۱۱۹)

مندرجہ بالا اقتباس اُس کا تمام کردار آئینے کی طرف ہمارے سامنے آجاتا ہے۔

ذخیرۃ الخوانین کے مؤلف نے اُس کے سلسلے میں یہ عبارت لکھی ہے:

”مردی است حریص، جملہ کیفہا و در سرود و نغمہ سندی و ہندی قابل است۔ خود ہم، در علم نظم و نثر و موسیقی و نواختن سازہا، دستگاہی دارد۔ و اوقات را بہ عیاشی و بی غمی می گذراند۔“ (۱۲۰)

یعنی میرزا عیسیٰ راگ رنگ کا شوقین ساز و سرود کا رسیا تھا اور نظم و نثر میں کامل۔ سندھی سر اور راگنیوں سے واقف، عیاش، آزاد منش اور خوش باش شخص تھا۔ کیف و سرور کی چاٹ بھی تھی۔ مندرجہ ذیل عبارت، ذخیرہ سے ماثر الامراء کے مؤلف نے اس طرح لکھی ہے:

”بسیار عیش دوست و شیفته مسکرات و دلدادہ راگ و رنگ
بود، و در نغمہ خوانی و ساز نوازی خالی از کمال نبود.“
(۱۲۱)

اکثر ترخان علم دوست، شاعر، راگ رنگ کے دل دادہ اور ہنر پرور
تھے۔ میرزا عیسیٰ اول علم دوست اور ہنر پرور تھا۔ میرزا باقی باوجود اپنی
شقی القلی کے اور ظالم ہونے کے علم و ہنر کا پرستار تھا۔ میرزا پائندہ نیم
باگل سا شخص تھا، لیکن شعر کہتا تھا اور شاعری کا ذوق بھی رکھتا
تھا۔ میرزا جانی بیگ شاعر، راگ کا ماہر اور نہایت خوش ذوق اسیر تھا۔
میرزا غازی کو شاعری، نغمہ نوازی اور علم پروری میں خاص مقام حاصل
تھا۔ اسی لیے میرزا عیسیٰ ثانی میں اگر مندرجہ بالا خوبیاں تھیں تو وہ ذاتی
کے علاوہ خاندانی وراثت کے طور پر اسے ملی تھیں۔ اور وہی خصوصیات
اُس کے خون بلکہ رگ و پے میں پیوست تھیں۔

افسوس کہ میرزا کی نظم کا نمونہ محفوظ نہ رہ سکا۔ راگ روپ
کے سلسلے میں اگر اُس کی کوئی ایجاد تھی تو وہ بھی لوگوں سے پوشیدہ
رہ گئی۔

(۱۱)

اہل و عیال: جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ میرزا عیسیٰ کی پہلی شادی
میرزا جانی بیگ نے اپنی چچی (؟) سے کرائی تھی۔ ذخیرۃ الخوانین کا قول
ہے کہ ۱۰۶۰ھ میں جب وہ طبعی عمر سے تجاوز کر چکے تھے، تو بھی ان
کی قوت بیس سالہ نوجوان جیسی تھی۔ ظاہر ہے کہ میرزا نے اپنی زندگی
میں ایک شادی پر تو اکتفا نہیں کیا ہوگا، ترخان نامہ سے معلوم ہوتا ہے
کہ ان کی وفات کے بعد بھی کچھ بیویاں زندہ تھیں جن کے لیے بادشاہ نے
وظیفے مقرر کر دیے تھے۔ (۱۲۲)

میرزا عیسیٰ کو کثیر الاولاد کہا جاتا ہے۔ جس طرح ذخیرہ کے
مؤلف نے لکھا ہے: ”اولاد امجاد کثیر بہم رساندہ“ یا اسی کی تقلید کرتے
ہوئے مائر الامراء کے مؤلف نے بھی لکھا ہے کہ: ”اولاد بسیار بہم رساند“

(۱۲۳) یا انھی سوانح نگاروں کے نوشتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سی اولادیں تو ان کی زندگی میں ہی وفات پاچکی تھیں، جبکہ صاحب ذخیرۃ الخوانین کا کہنا ہے کہ ۱۰۶۰ھ میں ان کا صرف ایک بیٹا (۴) زندہ تھا جو کہ باپ کے بعد اس کے خاندانی اثاثے کا وارث بنا۔

”ہمہ داعی حق را لبیک اجابت گفته اند۔ یک پسر مسن و معمر یادگار دارد۔“ (۱۲۴)

لیکن یہ درست نہیں ہے کہ میرزا کے تمام بیٹے سوائے ایک کے اس کی زندگی میں ہی وفات پاچکے تھے۔ اس کا ایک بیٹا میرزا فتحی باپ کے بعد تیس برس تک زندہ رہا۔ اس طرح ترخان نامہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وفات کے بعد میرزا صالح کے علاوہ بھی میرزا کے متعدد بیٹے تھے جن کو بادشاہ نے جدا جدا منصب عطا کیے۔

”پسران خورد میرزا عیسیٰ ترخان و نبیرہ های و اقربا و عاجز های میرزا، جدا جدا بہ منصب و مدد معاش سرفراز ساختند۔“ (۱۲۵)

ترخان نامہ کے مؤلف نے میرزا عیسیٰ کے مندرجہ بیٹوں کے نام نسب نامہ میں دیے ہیں۔

(۱) میرزا عنایت اللہ بہادر

(۲) میرزا محمد صالح

(۳) میرزا فتحی

(۴) میرزا عاقل محمد

(۵) میرزا جان بابا ثانی

مورخین کی مندرجہ بالا آراء پر یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ، یہ فہرست مکمل نہیں ہے، بلکہ ترخان نامہ کے مؤلف نے اس مسئلے میں بھی دستوری غفلت اور تحریر کی سرسری روش سے کام لیا ہے۔

حواشی

- (۱) ذخیرہ ص ۱۶۶
- (۲) مائر ج ۳ ص ۴۵۸
- (۳) عمر شریف ایشان زیادہ از یکصد و دوازدہ سال است. شنوائی و بینائی و قوت بدن در رجولیت، بہ حال خود است. فتوری بہ سبب کبر سن ایشان، راہ نیافتہ. (ذخیرہ خطی نسخہ انجمن ترقی اردو ورق ص ۸۳)
- (۴) عمر شریف ایشان از عمر طبعی زیادہ است، در شنوائی و بینائی و رجولیت و قوت اشتہا کمی نیست. بہ مثل جوان بیست سالہ دارد. (ذخیرہ ایضاً وریق ۱۳۱ الف)
- (۵) عمر شریفش نود و پنج سال (۹۵) بود. (ترخان نامہ ص ۹۹)
- (۶) عمر میرزا از صد متجاوز بود. اما قوی از درجہ طبعی سقوط نیافتہ. باہ ہم جوانانہ داشت. (مائر الامراء ص ۳۸۸)
- (۷) اثنائے دورہ، بمقام سانہر میرزا عیسیٰ ترخان نے وفات پائی۔ ایک سو برس سے زیادہ عمر پائی۔ (مرآۃ محمدی اردو ص ۱۸۰)
- (۸) ترخان نامہ ص ۶۶
- (۹) سال ۱۲۵ اکبری (۱۰۰۹ھ) ماہ بہمن مورخہ ۱۳ کی روئداد میں اکبر نامہ کے مؤلف لکھتے ہیں: "... از صوری دانش لختی آگہی داشت. در پارسی شعر و نظم و موسیقی توانا داشت. ازان باز کہ بہ درگاہ والا آمد، اخلاص از پیشانی گفتار و کردار او تابان بود. و

شناسائی و آہستگی از نشست و برخاست او پیدا. لیکن از خردی باز شیفته بادہ بود. شگرفت آنکہ از ناہنجاری سر بر نزدی و در کار کرد و گفت پاسبان خود بودی، بہ کنج خانہ ساغر کشی از اندازہ بیرون بودی، و از نابودن اندرز سرا عنان بر نگرفتی... آن صافی آب زلالِ زندگی بر آلاید، و آن عشرت مایہ جان کاستی بر دہد. از می فزونی رنجور شد، و بہ ر عشمہ و سر سام کشید. سیزدہم (بہمن ۱۳) ازین کاروانی سرا رخت بر بست و آشنا و بیگانہ را دل بسوخت. گیتی خداوند از قدر دانی، الکائی او را بہ پور او میرزا غازی، غایبانہ باز گذاشت. و منشور والا و گرا نمایہ خلعت فرستاد. (ج ۳ ص ۸۲-۸۳) اکبر کا دور ۳۵ سال شب دو شنبہ ۴ رمضان ۱۰۰۸ھ ماہ فرودین سے شروع ہو کر، شب دو شنبہ ۱۰ رمضان ۱۰۰۹ھ (فروردین) پر ختم ہوتا ہے۔ (اکبر نامہ ج ۳ ص ۷۸۰)۔ اکبر اس وقت قلعہ اسیر کی فتح کے لیے برہان پور میں منزل انداز تھا۔ اسیر کی چابیاں ۷ ماہ بہمن اکبر کو ملیں، اور ۱۳ بہمن کو میرزا جانی کا انتقال ہوا۔ (اکبر نامہ ج ۳ ص ۷۸۰) ذخیرۃ الخوانین کا قول ہے کہ:

”... و حضرت خلیفہ الہی بہ تسخیر قلعہ اسیر تشریف

آوردند، و بہادر (خان) اسیری بی جنگ آمدہ

ملازمت حضرت نمود... ظاہرا جانی بیگ گفتہ باشد

کہ اگر این قسم قلعہ من می داشتم، اگر حضرت

خلیفہ الہی خود بہ دولت می آمدند فتح میسر نمی

شد. این ماجرا بہ عرض مقدس رسید، از نظر حضرت

افتاد. و دران چند روز در گذشت. (ورق ۱۰۸)“

(۱۰) طاہری خطی - تحت - باغی گردیدن ابوالقاسم سلطان.

(۱۱) ترخان نامہ ۸۶

(۱۲) ملاحظہ ہو طاہری- راقم کا مضمون ”میرزا غازی ترخان“ اور ”چنیسرنامہ“ کا مقدمہ پڑھنا چاہیے۔

(۱۳) ترخان نامہ ص ۸۶

(۱۴) مائثر الامراء ۳ ص ۲۸۵-۲۸۶۔ یہ روایت ذخیرۃ الخوانین کی اس عبارت سے اخذ کی گئی ہے: ... بعد از فوت میرزا جانی بیگ ترخان، مشار الیہ (عیسیٰ ترخان) خواست کہ در تہ قائم مقام او شود۔ میرزا غازی بیگ کہ دست گرفته خسرو خان چرکس بود، بہ جای پدر نشست و غالب گردید۔ میرزا اسیلائی اورا معاینہ کرد، از انجا گریختہ بر آمدہ بہ درگاہ مقدس معلیٰ ہندگان حضرت جہانگیری رسیدہ، بہ منصب فاخرہ رسیدہ، تعینات دکن گشت۔“ خطی ص ۲۸۶۔

(۱۵) ”... مسود این مجموعه شیخ فرید بکری کہ وطن بندہ از سند است، بہ نسبت دعا گوئی بہ آن سلسلہ عالیہ بروجہ اتم و اکمل دارد۔ و قرابت قریبہ ہم فی مابین واقع است۔ از احوال آن ستودہ صفت (یعنی میرزا عیسیٰ) کما ینبغی واقف است۔ ذخیرہ ۲۸۸۔

(۱۶) اکبرنامہ ج ۱ ص ۸۲-۸۳

(۱۷) ترخان نامہ ص ۹۶

(۱۸) مائثر الامراء ج ۲ ص ۴۰۴

(۱۹) مائثر رحیمی ج ۲ ص ۳۵۰

(۲۰) اکبرنامہ- چہار دہم مہر ماہ الاهی (سال ۱۰۱۳ ۵۰ سال جلوس)۔۔۔ میرزا غازی خان از تہ آمد۔۔۔ ج ۳ ص ۸۳۹۔

(۲۱) مائثر ج ۳ ص ۴۸

(۲۲) ترخان نامہ ص ۹۶ ص ۹۷

(۲۳) تزک صفحہ ۱۱۰-۱۱۸ ذوالحجہ ۱۰۱۴ ھ کو خسرو نے بغاوت کی اور

آگرہ سے فرار ہوا۔ ۹ تاریخ کو جہانگیر اس کے پیچھے گیا۔ میر ابوالقاسم نمکین نے اس کو ۲۸ ذی الحج ۱۰۱۳ھ کو گجرات (پنجاب) میں گرفتار کر کے ۳ محرم ۱۰۱۵ھ کو لاہور کی منزل پر باغ کامران میں، جہانگیر کے سامنے پیش کیا۔ ۹ محرم ۱۰۱۵ھ کو بادشاہ کو قندھار کے انتشار کی خبر پہنچی۔

(۲۴) ترك ص ۱۱۰۔

(۲۵) میرزا عبدالعلی بن میرزا فرخ بن میرزا شاہ رخ (۹۹۳ھ) بن میرزا باقی ترخان۔

(۲۶) ذخیرہ قلمی ص ۲۸۶

(۲۷) ذخیرہ قلمی ص ۲۸۶

(۲۸) ترك ص ۱۱۱

(۲۹) ذخیرہ قلمی ص ۲۸۶

(۳۰) مائرج ص ۳۸۵

(۳۱) دیکھیے میر معصوم بکھری تالیف راقم الحروف

(۳۲) ترك ص ۱۱۱

(۳۳) ترك ص ۱۱۲

(۳۴) ترك ص ۱۱۸

(۳۵) ترخان نامہ ص ۹۴، خسرو خان کے لیے مؤلف رقم طراز ہے کہ: ان کا جیل میں انتقال ہوا (۹) عبدالعلی اور خسرو کا بیٹا نور جہان کی سفارش پر آزاد ہوئے۔

(۳۶) ترك ص ۱۳۰

(۳۷) ترك ص ۱۲۹-۱۳

(۳۸) جہانگیر نامہ ص ۷۳

(۳۹) ذخیرہ قلمی ص ۵۸

(۴۰) رستم میرزا کے تغیر کے بعد شمشیر خان اوزبک کو ٹھٹھہ پر مقرر کیا گیا۔ تزك ص ۱۳۱ ص ۱۵۷

(۴۱) تزك ص ۱۶۹

(۴۲) تزك ص ۱۳۲

(۴۳) تزك ص ۱۵۷ - ص ۳۰۹

(۴۴) تزك ص ۱۵۷ ص ۳۰۹

(۴۵) یہ دسواں سال جہانگیری تھا، جو کہ ہفتہ ۸ صفر ۱۰۲۳ھ سے شروع ہوا۔ مطابق غزہ فروردین سنہ ۱۰

(۴۶) تزك ص ۱۴۹

(۴۷) تزك ص ۱۴۹

(۴۸) ۷ شوال ۱۰۳۱ھ کو بادشاہ کشمیر سے روانہ ہوا اور ۳ ماہ آبان لاہور پہنچا۔ یہ ۱۷ سال جہانگیری تھا، جو شب دو شنبہ جمادی الاول ۱۰۳۱ھ سے شروع ہوا تھا۔ تزك ص ۳۵۰

(۴۹) تزك ص ۳۵۹ - ۳۶۰

(۵۰) تزك ص ۳۵۰

(۵۱) تزك ص ۲۵۰

(۵۲) بادشاہ ۲ تاریخ اردی بہشت کو کشمیر پہنچا۔

(۵۳) یہ دونوں خطوط جہانگیر نے تزك میں درج کیے ہیں۔ ص ۳۵۶

(۵۴) تزك ص ۳۵۹

(۵۵) بادشاہ غرہ ماہ اردی بہشت کو کنارِ کول فتح پور پر منزل انداز ہوا۔

(۵۶) تزك ص ۳۶۸

(۵۷) تزك ص ۴۲۱

(۵۸) تحفة الکرام فارسی ص ۹۴

(۵۹) ترك ۳۲۵-۳۲۶

(۶۰) شریف الملك ملازم سلطان شہریار، کہ حکومت دولہر داشت، با دریا خان افغان جنگ کردہ و تیری بر چشم شریف الملك رسید اورا کور ساخت۔ ذخیر قلمی ص ۱۸۶

(۶۱) نسخہ خطی ص ۲۸۷ مائر الامرا نے اس کا اختصار دیا ہے۔ ج ۳ ص ۳۸۶

(۶۲) ایضاً ص ۲۸۷

(۶۳) مائر الامرا ج ۳ ص ۳۸۶

(۶۴) بادشاہ نامہ ج ۱ ص ۷۸

(۶۵) ترك نولکشور ص ۳۳۸ و تاریخ گجرات مولفہ کمیشریٹ ج ۲ ص ۱۰۸

(۶۶) ترخان نامہ ۹۷

(۶۷) ترك ص ۳۳۸

(۶۸) بادشاہ نامہ ج ۱ ص ۷۸-۷۹، تحفۃ الکرام کے مؤلف نے غلطی سے میرزا کے تقرر کو جہانگیر کی زندگی کا واقعہ بیان کیا ہے۔ ”ودر ابتدای سال سی و ہفت ہجری، آخر سال جہانگیری بہ منصب چہار ہزار سوار ایالت تہ یافتہ۔“ ص ۹۴

(۶۹) مائر الامرا ج ۳ ص ۳۸۶

(۷۰) محمد طاہر آشنا نے بادشاہ نامہ کے پہلے دس برسوں کی تلخیص کی ہے، جس کا نام قرنیہ ہے۔ اس میں میرزا کے تقرر کا بحیثیت صوبے دار بیان کیا گیا ہے۔ ”میرزا عیسیٰ ترخان را بہ منصب چہار ہزاری و دو ہزار و پانصد سوار نواختہ بہ صوبیداری تہ تعین فرمودند۔“ (خطی نسخہ ۱۵)

(۷۱) ترخان نامہ ص ۹۸

(۷۲) ترخان نامہ ص ۹۸

(۷۳) تحفۃ الکرام ص ۹۵

(۷۴) میر ابوالبقا جہانگیر کی وفات کے وقت شاہجہاں کی تخت نشینی کے زمانے میں یمین الدولہ ابوالحسن کی طرف سے ملتان میں اپنی جاگیر پر نیابت کر رہا تھا۔ اس کو مرتضیٰ خان کی وفات کے بعد ۱۲ ربیع الاول ۱۰۳۹ھ کو ٹھٹھہ روانہ کیا گیا۔ (دیکھیں تذکرہ امیر خانی)

(۷۵) ترخان نامہ ص ۹۸

(۷۶) بادشاہ نامہ ج ۱ ص ۱۷۷

(۷۷) اصل نام سید بادشاہ خواجہ، بادشاہ نے ان کا نام شیر خواجہ رکھا تھا، خواجہ باقی خطاب۔ ٹھٹھہ کی صوبے داری سے چھٹی پر ہندوستان روانہ ہوا۔ راستے میں ۱۰۳۸ھ کو فوت ہوا۔ مائرا ج ۲ ص ۶۴۸

(۷۸) بادشاہ نامہ ج ۱ ص ۱۸۱

(۷۹) مائرا امرا ج ۳ ص ۴۸۷

(۸۰) بادشاہ نامہ ج ۱ ص ۱۳۰

(۸۱) مائرا امراء ج ۳ ص ۴۸۶

(۸۲) بادشاہ نامہ ج ۱ ص ۲۴۴

(۸۳) بادشاہ نامہ ج ۱ ص ۳۲۹

(۸۴) قرنیہ خطی ۷۴-ب

(۸۵) خواجہ ابوالحسن تربتی متوفی ۱۰۴۲ھ ٹھٹھہ کے گورنر ظفر خان احسن کے والد اور قرنیہ کے مؤلف محمد طاہر آشنا کے دادا۔

(۸۶) بادشاہ نامہ ج ۱ ص ۳۶۳۔

(۸۷) قرنیہ ۹۳/الف

- (۸۸) بادشاہ نامہ ج ۱ ص ۴۱۸
- (۸۹) مائر جلد ۳ ص ۴۸۷
- (۹۰) بادشاہ نامہ ج ۱ ص ۴۲۳
- (۹۱) قرنیہ ۱۸۸-ب
- (۹۲) قرنیہ ۲۰۶-الف
- (۹۳) مائر جلد ۳ ص ۴۸۸
- (۹۴) بادشاہ نامہ جلد ۲ ص ۱۲
- (۹۵) بادشاہ نامہ جلد ۲ ص ۱۶۲
- (۹۶) بادشاہ نامہ جلد ۲ ص ۱۹۳
- (۹۷) بادشاہ نامہ جلد ۲ ص ۲۹۰
- (۹۸) مرآۃ احمدی، چاپ قدیم، جلد اول ص ۲۸۸
- (۹۹) مرآۃ، چاپ جدید ۲۱۶
- (۱۰۰) مرآۃ، چاپ جدید جلد ۱ ص ۲۱۹۔ اعظم خان آخری عمر میں جون پور میں تھا۔ وہاں ۷۶ برس کی عمر میں ۱۰۵۹ھ میں انتقال کی۔ 'اعظم اولیا' سے وہ سال برآمد ہوتا ہے۔ اس کو دریائے جون پور کے کنارے، اسی باغ میں دفن کیا گیا، جسے خود نے ۱۰۵۸ھ میں تیار کروایا تھا اور جس کی تاریخ 'بہشت بر لب آبجو' سے نکلتی ہے۔
- (مائر الامراء ج ۱ ص ۱۸۰)
- (۱۰۱) مرآۃ احمدی چاپ قدیم ص ۲۲۹
- (۱۰۲) A History of Gujrat vol II P123
- (۱۰۳) بادشاہ نامہ جلد ۲ ص ۲۰۲
- (۱۰۴) مرآۃ محمدی اردو ص ۱۸۰
- (۱۰۵) بادشاہ نامہ جلد ۲ ص ۳۵۳
- (۱۰۶) بادشاہ نامہ ج ۲ ص ۳۷۷

(۱۰۷) بادشاہ نامہ ج ۲ ص ۳۱۹- عمل صالح میں بھی پانچ ہزار کی فہرست میں ان کا نام موجود ہے۔ (جلد ۳ ص ۳۵۰)

(۱۰۸) ترخان نامہ ص ۹۸

(۱۰۹) مرآۃ احمدی ۱۸۰

(۱۱۰) Tarikh-i-Sorat 1982 P 26-24 اس میں دیے گئے سال غلط معلوم

ہوتے ہیں۔

(۱۱۱) ذخیرہ خطی ص ۲۸۶

(۱۱۲) ذخیرہ خطی ص ۱۶۳

(۱۱۳) مائر جلد ۳ ص ۳۸۸

(۱۱۴) مائر جلد ۳ ص ۳۸۸

(۱۱۵) ۱۳ صفر ۱۰۶۲ھ مطابق ۱۶ دسمبر ۱۶۵۱ء- تاریخ گجرات

کمشریت ۱۲۳

(۱۱۶) ترخان نامہ ص ۹۸

(۱۱۷) عمل صالح جلد ۲ ص ۱۳۳

(۱۱۸) مرآۃ محمدی اردو ص ۱۸۰

(۱۱۹) ترخان نامہ ص ۹۶

(۱۲۰) ذخیرہ قلمی ص ۲۸۷

(۱۲۱) مائر الامراء جلد ۳ ص ۳۸۷

(۱۲۲) ترخان نامہ ص ۹۹

(۱۲۳) مائر جلد ۳ ص ۳۸۸

(۱۲۴) ذخیرہ ص ۲۸۸

(۱۲۵) ترخان نامہ ص ۹۸

باب ۷

(۱۲)

میرزا کے بیٹے

ابتداء میں بیان کردہ اولاد کے متعلق جو معلومات حاصل ہو چکی ہیں، وہ ہر بیٹے کے عنوان سے ذیل میں درج کی جا رہی ہیں:

میرزا عاقل محمد: اس سلسلے میں کوئی بھی تفصیل یا جزوی احوال بالکل نہیں ملتا۔ ترخان نامہ کے شجرے میں ان کا نام موجود ہے۔ مائر الامراء کا مؤلف رقم طراز ہے کہ: ”اُس کو شاہی دربار کا منصب ملا تھا۔“ کتنا اور کون سا؟ اس کی وضاحت کہیں نہیں کی گئی۔ فقط ان چند لفظوں پر اکتفا کیا ہے:

”و عاقل به منصبی در خور سرافرازی... (یافت)...“ (۱)

فتح اللہ معروف بمیرزا فتحی: ترخان نامہ اور مائر الامراء کے مؤلف نے ان کا نام فتح اللہ لکھا ہے۔ لیکن دوسرے ذرائع سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد فتح یا محمد فتحی کے نام سے بھی مشہور تھا اور مرزا فتحی کے عرف سے بھی معروف تھا۔ جو کہ نیچے مکمل طور پر معلوم ہو گا۔ افسوس ہے کہ میرزا عیسیٰ کے اس بیٹے کے متعلق بھی معلومات کا حال پہلے جیسا ہی ہے۔ مائر الامراء میں فقط اتنا ہی بتایا گیا ہے کہ: وہ پنج صدی منصب پر فائز تھا۔ (۲)

ہم کو تاریخی مکتوبات کے ایک مجموعے سے کئی خطوط ملے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ عالمگیر کے دور میں میرزا فتحی مختلف عہدوں پر فائز رہا اور سندھ میں بھی کئی علاقوں میں فوج دار وغیرہ کے عہدوں پر فرائض انجام دیتا رہا۔ مثلاً یہاں مندرجہ ذیل خطوط کے ذریعے

اس سلسلے میں مفید معلومات ملتی ہیں۔

نصرپور میں تھانے داری ۸۵-۱۰۸۲ھ: مغلوں کے کسی عملدار نے سندھ سے شاہی دربار میں ایک عرض داشت بھیجی تھی، جس میں سندھ میں مخالف تحریک، قحط سالی، بدنظمی اور اپنی بدحالی کے ذکر اذکار کے بعد مشورہ دیا گیا ہے کہ: سندھ کی حالت کو مدنظر رکھتے ہوئے مناسب ہوگا کہ میرزا محمد فتحی کو سہون میں رکھا جائے۔ یا نصرپور کی تھانے داری دے کر ٹھٹھہ میں مقیم کیا جائے۔ عرض داشت کی عبادت اس طرح ہے:

”حضرت جہان پناہ سلامت!

بہ عنایت الہی و اقبال جہانکشای حضرت شہنشاہی، تا حال نظم و نسق سرکار سوستان، بہ وجہ احسن براہ امنیت جاری، جمیع قضایا بہ قانون شریعت غرا۔

احقر باین جرد ضعیفی در سرکار... تردد و تدبیر، تقصیر نکرده، اما! سہ سال علی الاتصال از ممر آفت سماوی، آتقدیر بہم نرسیدہ کہ بہ مواجب طلب داران، اکتفا کند۔ بدون مصالح و سرانجام، بندوبست این استخوان معلوم. خصوصاً پراگندگی زمیندار پرگنہ چاندو کہ سرکار بکر، در ہر دو سرکار تخلل یافتہ است، و پسران قیصر زمیندار پرگنہ کاهان و دیگر واقعہ جویان این مرزوبوم کہ ہنگامہ ہارا از خدا می خواہند... خیرہ شدہ، معہ ہذا احمد بلوچ زمیندار قلات، حینی کہ بختیار خان زندہ بود، نیز یکبار آمدہ بہ افغان آویزش کردہ و بہ مذکور نیز دست رسانید۔ حالا کہ، میرزا پسر بختیار خان در ہم در افتادہ اند، چنان خبر رسیدہ کہ احمد مذکور، قابو وقت دیدہ، باز جنبیدہ است۔ ہنوز مشخص نشدہ کہ مطلب پرخاش باکہ دارد؟ و از کجا سر خواہد کشید؟ از روی صلاح دولت بہ خاطر ناقص رسیدہ کہ، چنانچہ امارت پناہ نصرت خان از ممر قرب و جوار واقف شدہ، در باب عفو تقصیر، از درگاہ معلیٰ

درخواست نموده، پیرایہ قبول یابد۔ از اقامت او برجای خود،
 هر آینه این تگاپوی بی حاصل فرو نشیند. و الا هرچه پذیرای
 خاطر مبارك مزکی آید، عین کرامت و محض ثواب است.
 بنده را لازم است که حقیقت ملک کما حقہ به عرض مقدس
 معلی رساند.

حضرت سلامت اقرب پنج سال است کہ این فقیرزاده درین
 جا کشتی بر خشکی رانده به ضبط و مدارات عملی از روی
 پیش رفت کار آنچه دانسته، در مراتب جانفشانی به جان
 کوشیده و می کوشد. لیکن، الحال از عسرت وقت و حوادث
 متعدده چنان طاقت طاق شده، کہ پاس ناموس دعا گوی،
 درین جا معذرت است، و نمی تواند دید کہ عبث این هنگامه
 ها در ملک پادشاهی... در آید و از بی سر انجامی نشسته
 تماشا... به مردن راضی است. به مقتضای کار سرکار والا
 تجدید و نسق ملکداری اینست کہ خدمت این سرکار به
 یکی [از بندگان حضور] لامع نور مرحمت شود یا محمد یا
 فتحی پسر عیسیٰ ترخان خانه زاد درگاه والا، به منصب
 مناسب... او بفوجداری این سرکار، به چندین وجوه واسطه
 درخور است... حضور قدسی ظهور شود کہ به شرف عتبہ
 بوسی رسیده، حیات دو باره حاصل نماید. یا محمد فتحی به
 همین منصب، تھانہ [تانه] نصرپور مفوض شود کہ تعینات تہ
 باشد. اگرچہ هر کس ترقی خود می خواهد و عرض انکسار و
 تنزل دشوار می داند، اما، فقیرزاده جرد ضعیفی خود دیده.
 باوجودی کہ تا حال اسری منافی نظم و نسق بسر نبرده، اما
 منصوبہ کہ به نظر می آید، از پیش اندیشہ بی کم و کاست
 به عرض التماس جسارت نموده. چون ملک بادشاہ و بنده
 پادشاہ است، واجب بود بہ عرض رسانیدن.“ (۳)

مندرجہ بالا عرض داشت سے درجہ ذیل صورت حال واضح ہوتی ہے:

۱- یہ عرض داشت سہون کے فوج دار یا قلعہ دار کی لکھی ہوئی نظر آتی ہے، جو کہ عالمگیر کے دور میں لکھی گئی ہے۔ کیونکہ اس میں گورنر نصرت خان کا نام موجود ہے۔ جو کہ پہلی دفعہ ۱۰۸۰ھ میں ٹھٹھہ میں تھا اور دوسری دفعہ ۱۱۰۰ھ میں مقرر کیا گیا۔ یہ عرض داشت پہلی مرتبہ (۸۰-۱۰۸۲ھ) میں کی گئی معلوم ہوتی ہے، ان کے اس پہلے دور میں میرزا فتحی زندہ تھا۔

۲- تین سال لگاتار آسمانی آفات کی وجہ سے سندھ کی زراعت برباد ہو گئی تھی، جس کے سبب مغل حکمرانوں کے اخراجات کے لیے رقم وصول نہیں ہوسکی تھی۔

۳- قحط سالی کی وجہ سے رقوم کی وصولی کے سلسلے میں ان پر کی گئی سختیوں سے جانڈو کہ پرگنہ کے زمینداروں میں پراگندگی پیدا کی تھی۔ جس کے لیے بکھر اور سہون کی سرکار پریشان تھیں۔ کاہان پرگنہ کے زمیندار قیصر خان کا بیٹا اس تحریک کا اک رہنما تھا۔ قلات کے زمیندار بھی اس سلسلے میں ان کے ہمدرد اور ہمنوا بتلائے گئے تھے۔

۴- ٹھٹھہ کے گورنر نصرت خان سے کوئی غلطی سرزد ہو گئی تھی جس کی معافی کے لیے دربار میں اس کی درخواست بھیجی گئی۔ عرض داشت لکھنے والے کا خیال ہے کہ نصرت خان چوں کہ ان حالات سے واقف ہے اس وجہ سے اس کو وہاں رہنے کی مہلت دی جائے، وہی اس تحریک کو ختم کرسکے گا۔

۵- عرض داشت لکھنے والے نے یہ بھی ظاہر کیا ہے کہ اس کو رہتے ہوئے پانچ سال ہو گئے ہیں اس عرصے میں اُس نے سارا وقت فاقہ کشی اور مصیبت میں بسر کیا ہے، اب اس میں اتنی طاقت نہیں کہ وہ زیادہ کام کرسکے یا ہنگامہ آرائیاں اور تماشا دیکھتا رہے اور ان پر قابو پانے کے لیے کچھ بھی نہ کرسکے۔

۶- 'تجدید و نسق ملکداری' کے لحاظ سے اُس کی تجویز ہے کہ محمد

فتحی ولد میرزا عیسیٰ ترخان کو مناسب منصب دے کر مذکورہ علاقے (سہون) کی حکومت پر فوجدار بنا کر بھیجا جائے۔ کیونکہ وہی موزوں ترین آدمی ہے، یا اسے نصرپور کے تھانے پر مقرر کر دیا جائے اور وہ ٹھٹھہ میں رہائش پذیر ہو۔

۷۔ اس عرض داشت سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت میرزا فتحی کسی بھی عہدے پر فائز نہ تھا، یہی وجہ تھی کہ عرض داشت لکھنے والے نے ”بہ شرف عتبہ بوسی رسیدہ، حیات دوبارہ حاصل نماید۔“ کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔

میرزا فتحی کی ناکارکردگی: مکتوبات کے اس مجموعے میں میرزا فتحی کے نام کسی بالادست کا لکھا ہوا خط موجود ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ: میرزا کے مقرر کردہ تمام گماشتوں کی بدکرداریوں اور خرابیوں کی شکایات بھی اس کے پاس پہنچی ہوئی ہیں، جن کے لیے میرزا کو تنبیہ لکھا کہ اگرچہ کسی حد تک بے توجہی کی جاسکتی ہے، لیکن اگر اس روش پر کوئی ضابطہ نہ کیا گیا تو ممکن ہے کہ شکایات چلتے چلتے اس منزل پر پہنچ جائیں جہاں تلافی ممکن نہ ہو اور شرمندگی حاصل ہو۔ اسی بالادست نے ان کی امیرزادگی کو مد نظر رکھتے ہوئے فی الحال صرف لفظی انتباہ پر اکتفا کیا ہے۔

مندرجہ بالا عرض داشت کے سلسلے میں ہمیں شک ہے کہ جس وقت مندرجہ بالا عرض داشت لکھی گئی، اس وقت میرزا فتحی زیر عتاب تھا۔ مندرجہ ذیل خط سے اس شبہ کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ ان کے اعمال کی زبونی اور اس گماشتوں کی غلط کاریوں کا آخر یہ نتیجہ نکلا کہ ۱۰۸۰ء میں اس کو معزول ہونا پڑا۔ خط کی عبارت کچھ اس طرح ہے:

”رفعت و معالی پناہ، میرزا محمد فتحی، محفوف العافیۃ باشد!

بعد هذا مستور نمائد کہ، بہ مراتب کیفیت بی روشی و شیطنت بعض گماشتگان کہنہ عمل آن رفعت پناہ۔ کہ در آنجا اقامت و رزیدہ مصدر امور نامناسب می باشند۔ بہ گوش

رسیدہ۔ از سواد بزرگزادگی و احوال زمانہ شناسی آن معالی انتعا رواداری این معانی، از بس غریب و تعهد نمود، چه سیاست نوکر باز گشت به جانب آقایش دارد، و از مردم با فہم و دور اندیش تجویز این معنی چه لائق۔ به مقتضای اغماض تحملی کہ به عنایت قسام حقیقی نصیب است، اگرچہ رعایت حال ہر یکی نمودہ چنین مقدمات را شنیدہ ناشنیدہ می شود، اما اندیشہ آن باید کہ، مبدا قالہ قالہ بہ جای رسد کہ تلافی از متعذرات و اسباب ندامت گردد۔ نظر بہ امیر زادگی و اصالت اعتبار حالت شما بہ این جانب لازم بود کہ، در ہرچہ خیریت و بہبود باشد، رهنمونی کردہ آید۔ یقین کہ بگوشِ ہوش راہ... مرتکبِ تہاون این مراتب نخواہد بود“

(۴)

وفات: میرزا فتحی غالباً سندھ میں فوت ہوا۔ بلکہ ان کے بیٹے میرزا محمد فضل اللہ کے خط سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کی موت بکھر میں ہوئی۔ جب ان کا بیٹا فضل اللہ لاش حاصل کرنے کے لیے بکھر پہنچا، اس وقت اُس کے چچا زاد بھائی میرزا محمد مراد (ولد عنایت اللہ) نے اُس سے تکرار کی، جس کی شکایت اس نے نواب صاحب (?) کے حضور میں یہ عریضہ لکھ کر کی:

”بندگان رفیع مکان امارت و... مرتبت، شوکت و ابہت منزلت، اسید گاہ قدردان، ملجأ متوسلان، صاحب و قبلہ مہربان، فیض بخش فیض رسان، صاحبی نواب صاحب، جیو زید عمرہ سلامت!

بندہ محمد فضل اللہ ولد محمد فتحی عرض نیاز و بندگی بہ تقدیم رسانیدہ، معروض می دارد کہ: چون خبر ارتحال والدِ مغفور بہ فقیر رسید، از بس یاس و شکستگی ہیچ طاقتی نماندہ بود۔ اما ازین مَمَر کہ آوردن نعش در عالم ناموس، ضرور و لایبہی بود۔ لاجرم براہ تری معہ وابستہ ہا، عازم بکر گردید۔

وقتی کہ درینجا رسید میرزا محمد مراد پیش از بنده در بکر رسیده طریقهٔ تعصب و عداوت پیش آورده، کاوش کردن گرفت. تا آنکہ روزی کہ فقیر می خواست داخل حویلی شود، میرزا مذکور با جمعیت سوار و پیاده از مردم سمیجہ وغیرہ، کہ ہمراہ آورده بود سبقت نموده در حویلی خزیدہ بہ ہنگام در آمد، احقر دروازہ را مضبوط گرفتہ۔ شمشیرها و کتک و کلوخ بر سر کسان احقر۔ کہ جزوی بودند۔ ریختند، چنانچہ چند آدم ازین طرف مجروح گشتند، و در بی ستری هیچ نمائندہ بود کہ درین اثنا، بعض مردم این دیار، درمیان آمدی، از ہم جدا ساختند۔ و بر یتیم بیکس خیلی تطاول و زیادتی بہ وقوع آمد، کہ درین ملک اجنبی، کس نیست کہ بہ فریاد من رسد و اکنون ملاحظہ دارد کہ چنانچہ درین جا در اضرار فقیر هیچ فرونگداشت مبادا بہ کسان متعہ محال جاگیر تہ نیز متعرض گردد لاجرم مصدع اوقات حسنات گردیدہ کہ، تدارک این معنی بہ ذات کریم الصفات وابستہ است، مہربانی فرمودہ حسبہ اللہ این حقیقت را بہ خدمت بندگان خانصاحب و قبلہ برنگارند، کہ بخشودن بر یتیمان بیکس اجرہا دارد... زیادہ چہ عرض نماید؟ دولت و اقبال مستدام!“ (۵)

مندرجہ بالا عرضداشت سے یہ حقائق ظاہر ہوتے ہیں:

۱- میرزا فتحی غالباً سکھر میں فوت ہوا۔ اور فضل اللہ اس وقت سندھ سے باہر تھا۔ باپ کی وفات کی اطلاع ملتے ہی کشتیوں کے ذریعے سکھر پہنچا۔

۲- ان کا چچا زاد بھائی میرزا محمد مراس اس سے پہلے سکھر پہنچا تھا۔ جس نے فضل اللہ کی آمد پر تعصب اور عداوت کے سبب اس سے جنگ کی، سمیجہ قبائل، محمد مراد کی مدد کر رہے تھے۔ فضل اللہ کو حویلی میں داخل ہونے سے روکا گیا، جس کے سبب

کئی لوگ زخمی ہوئے۔ آخر کچھ معزز لوگوں نے آکر جھگڑا ختم کروایا۔

۳- فضل اللہ کو خطرہ تھا کہ ٹھٹھ پہنچنے پر مبادا کہیں دوبارہ میرزا محمد کے لوگ اس سے جھگڑا کریں۔ اس لیے یہ ماجرا نواب صاحب (?) کو لکھتے ہوئے درخواست کی کہ خان صاحب قبلہ (?) کی خدمت میں تمام روئداد پہنچا کر تدارک کروایا جائے۔

۴- اس درخواست سے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا عیسیٰ کی اولاد کو سندھ سے کوئی خاص انس اور تعلق باقی نہیں رہا تھا۔ بیٹے، نواسے اور پوتے سب ہندوستان میں پیدا ہوئے، محض ملازمتوں کی غرض سے کبھی کبھی، یہاں چلے آتے۔ البتہ قبرستان سندھ میں ہی تھا، یہی وجہ ہے کہ فضل اللہ نے سندھ کے لیے 'ملکِ اجنبی' کے الفاظ لکھے ہیں اور خود کو سندھ میں لاوارث کہا ہے۔

۵- میرزا فتحی کی وفات کے زمانے میں (۱۰۹۳ھ) میرزا محمد مراد کو ٹھٹھ کی طرف جاگیر ملی تھی۔

۶- مندرجہ بالا عرض داشت سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ میرزا عیسیٰ کے بعد اس کے بیٹوں اور پوتوں کا آپس میں باہمی ربط ضبط برقرار نہ رہا۔ ایک دوسرے سے شائستہ سلوک نہیں کرتے تھے۔

قبر: میرزا فتحی سال ۱۰۳۹ھ میں فوت ہوا۔ بکھر سے اس کی لاش فضل اللہ نے لا کر دادا کے مقبرے کے اندر مکلی میں دفن کی۔

میرزا کی قبر گنبد میں مرکزی چبوترے پر مشرق سے پہلے نمبر پر ہے۔ قبر کا کتبہ پتھر کا ہے۔ چاروں طرف قرآنی آیات کندہ ہیں۔

لا الہ... بسم اللہ... تبارک الذین... بماء معین. قل یا عبادي الذین... هو الغفور الرحیم. کل شیء هالک... وعلیه ترجعون. شهد اللہ انه... هو العزیز الحکیم. کل من علیها فان... والا کرام. اللہ لا الہ الا هو الحی القيوم... هو العلی العظیم. آمین
الرسول بما انزل الیه من ربه... ان نسینا او اخطانا.

قبر کے پائیں یہ تاریخی کتبہ ہے:

چون فتحی میرزا ازین دار فنا
در ملک بقا گرفته آرام
رضوان تاریخ رحلتش گفت
فتحی به ارم نموده آرام
۱۰۹۳ھ

اولاد

فضل اللہ: میرزا فتحی کی اولاد میں فقط میرزا فضل اللہ کی پہچان، مذکورہ خطوط اور عرض داشتوں کے ذریعے ہوئی ہے۔ خاص فضل اللہ کے بارے میں دو اور خطوط بھی ہم کو ملے ہیں، جن سے حاصل شدہ احوال بقول کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔

کھبیروں کی تہانیداری ۱۱۱۱ھ: ایک نشان کے ذریعے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا فضل اللہ ۱۱۱۱ھ میں کھبیر پرگنہ کا تھانے دار تھا، اس نشان کی نقل یہ ہے:

نشان عالی، بہ نام فضائل خان. شانزدهم (۱۶) صفر سنہ ۴۴
براه داک روانہ حضور مطلع النور گشت. آنکہ سیادت پناه،
لائق العنايت والاحسان، قابل المرحمت والامتنان، فضائل
خان، مفتخر و مباهی بودہ بدانند کہ!

عبدالحافظ و حرزانه (۶) پسران حفظ اللہ خان، خانہ زادان
موروئی و کار آمدنی و شائستہ تفضل جناب فضل و کرم اند.
اولین کہ بہ نیابت پدر بہ تقدیم خدمت فوجداری قلعه
گلہلک (?)۔ مضاف صوبہ پنجاب۔ قیام دارد. باوجود دو صد
سوار، مشروط خدمت مذکورہ، نظر بر کار پادشاهی
جمعیت بسیار نگاہ داشتہ بندوبست آن ضلع۔ کہ از مدتی
مختل بودہ۔ و تنبیہ مفسدان و ترفیہ رعایا کما ینبغی درست
نمودہ. و از دو من لوازم حسن رفاقت برادر بہ ظہور می رسد.

والحال کہ آنها جوانِ قابلِ بندگی، در گاہِ خلائق پناہ شدہ اند، و برای ہر کدام سامانی علیحدہ می باید، و مصالح مشروط خدمت مذکورہ بہ غایت قلیل است، خان مسطور از عہدہ سرانجام ضروریات آنها، نمی تواند بر آمد۔ اگر از پیشگاہ خانہ زاد نوازی، عبدالحفاظ بہ منصب چہار صدی ذات دو صد سوار، سرفراز شود، گنجایش دارد۔ و برگنہ کیبران مضاف صوبہ تہہ ہمگی چہار لک دام جمع دارد تانہ [تہانہ] داری آنجا بہ ہشتاد سوار مشروط، بہ فضل اللہ ولد فتحی ترخان، متعلق است، و ناشائستگی اوضاع و زبونی علمش، مکرر بہ عرض مقدس و معلیٰ رسیدہ و تعلق خدمت آن محال، بہ این قدر مصالح گنجایش ندارد... اگر آن برگنہ بہ جاگیر و فوجداری، خان مسطور مقرر شود بدون مصالح مشروط بہ کار آنجا بہ از دیگران می تواند پرداخت۔ و درین صورت کفایت سرکار والا و انتظام کارہاست۔ باید کہ آن سیادت پناہ در وقت نیک بہ عرض اقدس ارفع و اعلیٰ برسند! و توجہات ما را نسبت بہ حال خود، روز افزون شناسد۔ ۱۴ ماہ صفر ۴۴ (۷)

مندرجہ بالا نشان مندرجہ ذیل حقائق کو ظاہر کرتا ہے:

- ۱- یہ 'نشان' ۴۴ سال عالمگیری (۱۱۱۱ھ) میں لکھا گیا ہے مغلیہ دار الانشاء کے مقرر کردہ قانون کے مطابق 'نشان' اُس مراسلے کو کہا جاتا تھا، جو کہ شاہی خاندان کا فرد، بادشاہ یا اپنے خاندانی بزرگوں کے علاوہ، کسی اہم شخص کو لکھتا تھا۔
- ۲- چنانچہ اس نشان کا لکھنے والا شہزادہ معظم ہے۔ جو اُس زمانے میں پنجاب کا گورنر تھا اور ان کی جانب سے حفظ اللہ خان جو کہ بعد میں ٹھٹھہ اور سہون کا گورنر ہوا، پنجاب میں نیابت کر رہا تھا۔
- ۳- شہزادے نے یہ نشان فضائل خان (۸) کے لیے لکھا تھا جو اُس سال عالمگیر کا منشی بیوتات تھا۔ لکھا ہے، اور اسے حفظ اللہ خان کی

بیٹوں کی سفارش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ”اس وقت دونوں جوان ہو چکے ہیں، فی الحال باپ کی طرف سے قلعہ گلبہلک (?) کی فوج داری پر مامور ہیں، لیکن بادشاہ کی جانب سے ان دونوں کو جدا جدا منصب عطا کیے جائیں۔ تاکہ ہر ایک اپنی رائے اور محنت سے شاہی خدمت کرتا رہے۔“

۴- تجویز یہ کی گئی ہے کہ عبدالحافظ (۹) کو چہار صدی منصب عطا کر کے اسے سندھ میں کھیران پرگنہ کی جاگیر اور فوج داری دی جائے۔ جس کی آمدنی ۴ لاکھ دام تھی۔ یقین دلایا گیا ہے کہ عبدالحافظ اس پرگنہ کو اچھی طرح سنبھال لے گا۔

۵- یہ پرگنہ اس وقت فضل اللہ کی تھانے داری میں تھا، جس کے لیے شہزادے کا کہنا ہے کہ وہ نا اہل ہے۔ اس نے انتظام خراب کر دیا ہے اور اس سے قبل بھی شاہی دربار تک اس کی ”ناشائستگی“ اوضاع اور زیونی عمل“ کی شکایات پہنچتی رہی ہیں۔

فضائل خان کو آخر میں تاکید کی گئی ہے کہ: وہ کسی نیک ساعت شاہی حضور میں یہ عرض پہنچا کر، حکم جاری کروائے۔ یہ نشان ۱۲ صفر ۱۱۱۱ھ (سنہ ۳۳ عالمگیری) کو لکھا گیا اور اسی مہینے کی ۱۶ تاریخ کو ڈاک چوکی کے ذریعے دہلی بھجوا دیا گیا۔

سرکار سہون کی فوجداری ۱۱۱۳ھ: فضل اللہ کے سلسلے میں ایک دوسرے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جمادی الثانی ۱۱۱۳ھ (سنہ ۳۶ عالمگیری) کو سہون میں فوج دار ہو کر پہنچا، وہ خط دراصل عرضیہ ہے جو کہ سندھ سے کسی سرکاری عہدے دار نے کسی مرکزی بالادست کے لیے بھیجا ہے۔ عریضے کی عبارت یہ ہے:

”و... می رساند کہ ۵ شہر جمادی الثانی سنہ ۴۶ بہ موجب امر عالی، فضل اللہ بہ نیابت فوجداری سرکار سوسستان داخل قلعہ گردید۔

خانہ زاد بہ مقتضای فدویت، فضل اللہ مذکور گفتہ فرستاد کہ: ہنکام گرد آوری مال سرکار والاست، تانہ [تھانہ] داران

خود در تپه کجیره و پرگنه بوبکان و پرگنه سن- که اندکی ازبیم غنیم لئیم، در جان اند- بفرستد، تا سلسله بندوبست انتظام پذیر گردد. جواب داد که: بی اسر عالی نگاه داشتن سپاه سوای ضابط متعذر. مطابق منصب، سی و چهار سوار نگاه داشته ام، ازان جمله چندی برای استحکام تانه [تهانه] جات هاله کندی و کهبیران گذاشته. معدودی برای شهر مقرر هستند.

قبله عالم و عالمیان سلامت! حقیقت تسلط مفسدان این دیار، به جناب عالمتاب روشن و هویدا. درین ولا از دریافت خصوصیات اوضاع و اطوارش، معلوم شد که: در صورت متوجه شدن رایات به این سمت، عزم تاخت مصمم دارد. از آنجا که مقاهیر خذلان پذیر، در پرگنه کاهان دوازده گروه از سوستان اقامت دارد. جمعی که، از جانب گردون رکاب روانه این صوب شده، تا حال نرسیده، وامر والا در بان نگاه داشتن جمعیت سرکار نظم و نسق به فدوی شرف اصدار نیافته، و امارت پناه سعید خان ناظم معزول، سپاه خود بر طرف نموده پریجد است که: قیصر زمیندار پرگنه کاهان که حبس او بود، به خانه زاد حواله نماید، درس او از خانه زاد بگیرد. خانه زاد اگرچه در کار... تا جان خود را دریغ ندارد، لیکن بدون جمعیت که باعین امنیت ملک است، در گرفتن زمیندار مسطور متردد است.

به هر تقدیر، به حکمت عملی نظر بر صلاح زمان و بر آمد کار و کلای سرکار عالی، عاملان را در پرگنات مذکوره و بر محال سایر قصبه سوستان مقرر ساخته، با سر گروه مفسدان در مقام دلاسا واستمالت عنایات والا افضال است. اگر استادهای حضور پر نور بر این مراتب، تازینت افزای گردیدن رایات عالیات درین ملک، اورا مشمول دلاسا دارند مثر مدعا

و متضمن مصلحت امور اینجا ست. کشتی های پر بار متاع بیوپاریان از تته به این صوب می آمدند، هنگام رسیدن بر گذر هاله کندی فضل الله مسطور، مبلغی از محصول از آنها، متصرف شد. به تاریخ ۱۱ شهر صدر، داروغه های محالات سایر و بندر لاهری درینجا رسید، سید فتح الدین که به خدمت داروغگی محال سایر سوستان مقرر بود، سرگرم کار گردیده، و داروغه های محالات تته روبرو روانه شدند. خانه زاد را معروض داشتن لازم بود، به نحوی که امر جلیل القدر به سرعت شرف نفاذ یابد، کار بند گردد... واجب بود به عرض رسانیدن.“ (۱۰)

مندرجہ بالا عریضہ ۱۱۱۳ھ کا ہے۔ ۱۱۱۲ھ میں ٹھٹھہ اور سہون کا صوبے دار نواب حفظ اللہ خان۔ جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔ سہون میں پل بنواتے ہوئے ٹولگنے کے سبب فوت ہوا۔ (۱۱) جس کے بعد اسی سال یا ۱۱۱۲ھ کی ابتداء میں سعید خان (معروف بہ خانہ زاد خان متوفی ۱۱۱۶ھ) کو ٹھٹھہ اور سہون کا صوبے دار مقرر کر کے بھیجا گیا، جس نے اپنے بیٹے ارشاد خان کو نائب مقرر کیا اور خود ٹھٹھہ میں رہنے لگا۔ سعید خان جلد ہی معزول ہو گیا اور وہ ابھی سندھ میں ہی تھا کہ فضل اللہ کو فوج دار مقرر کر کے سہون روانہ کیا گیا۔ مندرجہ بالا خط سے معلوم ہوتا ہے کہ ۵ جمادی الثانی کو فضل اللہ سہون کے قلعے میں داخل ہوا۔ عریضے سے مزید چند مندرجہ ذیل حقائق پر روشنی پڑتی ہے:

۱۔ فضل اللہ جس وقت سہون پہنچا، اس وقت لگان کی وصولیوں کا وقت تھا۔ خط لکھنے والے کا قول ہے کہ: کجیروں کے تپہ اور سن اور بوبیکوں کے پرگنوں میں غنیمت (?) کے ہراس کی وجہ سے لوگ پریشان ہیں۔ اس لیے فضل اللہ نے فوراً اپنے تھانے دار وہاں روانہ کرے، تاکہ سرکاری وصولیابی میں خلل واقع نہ ہو۔ لیکن اس نے ایسا کرنے سے مجبوری ظاہر کی۔ کیونکہ از روی منصب اس کے پاس نہ اتنے لوگ تھے اور نہ روپے۔

- ۲- فضل اللہ کے پاس منصب کے ظرف کے مطابق جملہ ۴۳ سوار تھے۔ جن میں سے کچھ سوار اس نے کھیران اور ہالہ کے تھانوں کی طرف نگہداشت کے لیے روانہ کر دیے تھے۔
- ۳- مذکورہ سال میں سندھ کے اندر شورش تھی۔ جس سبب مغلوں کے لوگ پریشان تھے۔ کابان کے زمیندار قیصر کو گرفتار کیا گیا تھا جو اتنا طاقتور تھا اور اس حد تک مغلوں کے کارندوں کی حالت زیوں تھی، کہ عریضے لکھنے والے کو معزول شدہ صوبے دار نے ان کے حوالے کرنا چاہا، لیکن اس میں ہمت نہیں تھی کہ وہ ان کی نگہداشت کرسکے۔
- ۴- غالباً کوئی شہزادہ سندھ میں اپنی فوج سمیت آکر ٹھہرا تھا، تاکہ سندھ میں جو تحریک شروع ہوئی تھی، اس کا تدارک کرے۔ عریضہ نویس اس کے لیے سخت انتظار دکھاتے ہوئے لکھا ہے کہ مخالف گروہ کابان میں منزل انداز ہے اور روانگی کی تیاری کر رہا ہے۔
- ۵- اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ معزول شدہ صوبے دار سعید خان جمادی الثانی سے قبل بلکہ غالباً جمادی الاول میں معزول ہو چکا تھا۔ مخالف تحریک کا سرخیل قیصر خان اُس کے پاس نظر بند تھا، جس کو وہ سندھ چھوڑنے سے قبل عریضہ لکھنے والے کے حوالے کرنا چاہتا تھا۔
- ۶- عریضہ نویس نے یہ مشورہ بھی دیا ہے کہ: پیدا شدہ تحریک کے سلسلے میں حکمت عملی سے کام لینا ضروری ہے۔ لہذا تحریک کے علم برداروں کو آسے اور دلا سے دے کر رکھنا چاہیے کیونکہ مصلحت اور وقت کا تقاضا یہی ہے۔
- ۷- عریضہ بھیجنے والے نے یہ اطلاع بھی دی ہے کہ ہالا کے پتن پر جب ٹھٹھ کے سوداگروں کی کشتیاں پہنچیں تو ان سے محصول کی وصولی مذکورہ فضل اللہ نے کی۔
- مندرجہ بالا خط ممکن ہے کہ سہوں کے ناظم کا لکھا ہوا ہو۔ اس

وقت سندھ کا یہ صوبہ عالمگیر کے کسی بیٹے کی جاگیر میں شامل تھا، جس کے لیے یہ عریضہ بھیجا گیا۔

میرزا فضل اللہ کے متعلق فی الحال مذکورہ بالا احوال سے زیادہ کوئی بھی حقائق دستیاب نہیں ہو سکے۔ ۱۱۱۳ھ کے بعد وہ کہاں رہا؟ کب فوت ہوا؟ اس کی قبر کہاں ہے؟ یہ سب باتیں خدا ہی کو معلوم ہیں۔

(۱۳)

میرزا عنایت اللہ:

میرزا عنایت اللہ عیسیٰ کا بڑا بیٹا تھا۔ (۱۲) باپ کے بعد خاندان میں اس کی شخصیت اہم تھی۔ عمر بھر وہ دربار شاہی سے مختلف اعزاز اور منصب حاصل کرتا رہا۔

اُس کی پیدائش کی تاریخ یا ابتدائی زندگی کے بارے میں علم نہیں، لیکن قیاساً کہہ سکتے ہیں کہ سندھ میں پیدا ہوا اور اسکاں یہ ہے کہ اسی بی بی کی اولاد تھا، جو میرزا جانی کی چچی تھی اور اس نے میرزا عیسیٰ کو ماموں کے ہاں سے ٹھٹھ واپس بلوا کر ان کی شادی کروائی تھی۔

میرزا کی سرگذشت حیات کے چند واقعات ہم کو دستیاب ہوئے ہیں، جو کہ سال کی ترتیب سے نیچے بیان کیے جاتے ہیں:

اکبر آباد ربیع الثانی ۱۰۳۷ھ: در حقیقت میرزا عنایت اللہ کے احوال کی ابتداء تاریخ میں اسی دن سے ہوتی ہے، جب باپ کے حکم پر وہ گجرات سے شاہجہاں کے ساتھ اکبر آباد روانہ ہوا۔

میرزا عیسیٰ کی سرگذشت میں ہم پڑھ چکے ہیں کہ، بادشاہ دکن سے اکبر آباد تخت نشینی کے لیے جاتے ہوئے ربیع الثانی ۱۰۳۷ھ کو گجرات میں آکر رکا، جہاں میرزا عیسیٰ کو ۱۸ ربیع الثانی ۱۰۳۷ھ کو ٹھٹھ جانے کا حکم دے کر، خود اکبر آباد کے لیے کوچ کیا۔ ترخان نامہ کا

قول ہے کہ میرزا عیسیٰ نے اپنا بڑا بیٹا میرزا عنایت اللہ ایک ہزار سواروں سمیت شاہی رکاب میں روانہ کیا۔

”میرزا عیسیٰ ترخان، با ہزار سوار میرزا عنایت اللہ پسر کلان خود را، ہمرکاب ہمایون نمودہ۔“ (۱۳)

معلوم ہوتا ہے کہ میرزا عنایت اللہ ۱۰۳۲ھ سے لے کر ۱۰۷۳ھ تک باپ کے ساتھ گجرات میں تھا اور شاہجہاں بادشاہ سے اس کا پہلا تعارف بھی اسی موقع پر ہوا، جب گجرات سے اُس کا اردل بن کر روانہ ہوا۔ اگرچہ یہ دستور تھا، لیکن بیٹے کو ساتھ بھیجنے سے میرزا عیسیٰ کا ایک مطلب یہ بھی ہوگا کہ وہ بادشاہ سلامت کی نظر اشرف اور ملاحظے میں آجائے۔ بہر حال اس مقصد کے لیے اس سے زیادہ اور کون سا بہتر موقع ہو سکتا تھا۔ عہد جہانگیری تک میرزا عنایت اللہ کے متعلق ہمیں کوئی بھی شہادت نہیں ملتی کہ وہ کس سرکاری منصب یا عہدے پر فائز تھا۔ شاہی منصب دار کی حیثیت میں اس کی زندگی کا آغاز شاہجہانی دور کی ابتداء سے سمجھنا چاہیے۔

منصب ۱۰۴۷ھ: بادشاہ نامہ کے مؤلف نے، شاہجہاں کی پہلی دہائی (۱۰) دن کا احوال پہلی جلد میں دیا ہے۔ پہلی دہائی ربیع الثانی ۱۰۴۷ھ میں ختم ہوتی ہے۔ جلد کے آخر میں عنایت اللہ کو ”ہشتصدی چہار صد سوار“ کے منصب داروں میں دکھایا گیا ہے۔ (۱۴) اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ۱۰۴۷ھ تک میرزا کا منصب یہی تھا۔

اضافہ جمادی الثانی ۱۰۴۹ھ: میرزا عیسیٰ سورٹھ کا فوج دار تھا۔ بادشاہ کی منزل پنجاب (بہیرہ) میں تھی۔ (۱۵) جمادی الثانی کو میرزا عیسیٰ کے منصب میں اضافے کا فرمان اسی مقام سے جاری ہوا اور میرزا عنایت اللہ کے منصب میں بھی اسی دن اضافہ کیا گیا۔ بادشاہ نامہ کے مؤلف نے لکھا ہے کہ:

”و عنایت اللہ پسر کلان او، بہ منصب ہزاری ذات و پانصد

سوار از اصل و اضافہ سرفراز گردید۔“ (۱۶)

اس زمانے میں وہ کس عہدے پر پہنچا؟ اور کہاں تھا؟ اس کا علم

نہیں۔ قرین قیاس یہ ہے کہ میرزا اس فرمان کے جاری ہونے کے وقت بہرہ میں شاہی منزل پر حاضر تھا۔ اکثر وہ خود یا اُس کا بھائی محمد صالح سرکاری کام کاج کے سلسلے میں اپنے باپ کی جانب سے شاہی دربار میں وقت بوقت حاضر ہوتے رہتے تھے۔

سورٹھ کی فوج داری، محرم ۱۰۵۲ھ: میرزا عیسیٰ کے احوال میں بتایا جاچکا ہے کہ بادشاہ نے گجرات کے صوبے دار اعظم خان کو بد انتظامی کے سبب تبادلہ کر کے سورٹھ سے میرزا عیسیٰ کو بلوا کر، گجرات کی صوبے داری پر فائز کیا تھا۔

میرزا عیسیٰ کی جاگیر سورٹھ میں تھی اور زیادہ عرصے تک رہنے کی وجہ سے سورٹھ گویا میرزا کا وطن ہو چکا تھا۔ غالباً اسی سبب بادشاہ نے اس کی جگہ پر عنایت اللہ کی فوج داری کا پروانہ جاری کیا اور اسی وقت (۱۲ محرم) اس کے منصب ہزاری میں اضافہ کر کے دو ہزاری کر دیا۔ میرزا عیسیٰ کے اس تبادلہ کا ذکر کرتے ہوئے بادشاہ نامہ کے مؤلف نے لکھا ہے کہ:

”ضبط سرکار سورت بہ عنایت اللہ ولد موسیٰ الیہ مفوض

گشت، واز اصل و اضافہ اورا بہ منصب دو ہزاری و ہزار و

پانصد سوار... نواختند۔“ (۱۷)

اس موقع پر اس کے چھوٹے بھائی محمد صالح کا منصب بھی بڑھایا گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر بادشاہ ان پر زیادہ مہربان تھا، ایک ہی گھر کے تین افراد کو ایک ہی وقت انعام سے نوازنا معمولی بات نہیں تھی۔

میرزا عنایت اللہ کا پہلا منصب ہزاری ذات و پانصد سوار تھا اور اب ایک ہزار ذات اور ایک ہزار سواروں کا اضافہ کر کے دو ہزاری میں داخل کیا گیا۔

عَلَم، رجب ۱۰۵۴ھ: شاہی دربار سے علم عطا ہونا گویا بڑی عزت اور ایک امیر کے لیے انتہائی سرفرازی کی دلیل ہوتی تھی اور تمام اہم خدمات کو خوش اسلوبی سے نبھانے کے بعد ہی علم عنایت کیا جاتا تھا۔ معلوم ہوتا

ہے کہ میرزا عنایت اللہ نے باپ کی جگہ پر سورٹھ کی فوج داری میں رہ کر نہ صرف اپنے دستوری فرائض پوری طرح انجام دیے، بلکہ کچھ ایسے خاص اور اہم کام بھی کیے کہ بادشاہ نے اس کو قابلِ عزت و احترام سمجھا۔

عزت افزائی کا یہ حکم، غالباً ۱۲ رجب کو جاری ہوا۔ اس تاریخ کے روزنامے میں بادشاہ نامہ کے مؤلف نے ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

”عنایت اللہ ولد میرزا عیسیٰ صوبہ دار در گجرات، بہ

عنایت علم عزو افتخار اندوخت۔“ (۱۸)

مرآۃ احمدی کے مؤلف نے لکھا ہے کہ: ”مرزا عنایت اللہ کو علم کے ساتھ تقارہ بھی عنایت ہوا۔“

”عنایت اللہ... فوجدار جونہ گر بہ عنایت علم و تقارہ رتبہ بلندی یافت۔“ (۱۹)

لیکن تقارے کی تصدیق بادشاہ نامہ سے نہیں ہوتی۔

فوجداری کا اختتام، ذی الحجہ ۱۰۵۳ھ: ہم اوپر میرزا عیسیٰ کے بیان میں یہ کہہ چکے ہیں کہ بادشاہ نے اپنی ذاتی مصلحتوں کی وجہ سے گجرات کی صوبہ داری عالمگیر کے سپرد کی اور میرزا کو بلوا کر اپنی اصلی جاگیر اور عہدے پر سورٹھ روانہ کیا۔ (۲۰) یہ تبادلہ ۲۹ ذی الحجہ کو ہوا۔ چنانچہ باپ کے پہنچنے کے بعد میرزا عنایت اللہ سورٹھ کی فوج داری سے سبکدوش ہوا۔

منصب: بادشاہ نامہ کے مؤلف نے میرزا کو دو ہزاری منصب داروں کی فہرست میں شامل کیا ہے۔ (۲۱) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سورٹھ کی فوج داری پر محرم ۱۰۵۲ھ میں مقرر کرتے وقت انھیں شاہی دربار سے جو منصب عطا ہوا، اس میں اور اضافہ نہ ہوا، بلکہ وہی دو ہزاری و ہزار صد پانصد سوار تھا۔

وفات، ۱۰۵۸ھ: میرزا سورٹھ کی فوج داری سے ۱۰۵۴ھ کو سبکدوش ہوا۔ جس کے بعد فقط چار سال تک ان کی زندگی رہی۔ ان چند سالوں کے متعلق ہمیں معلومات نہیں ملتیں۔ ان کی وفات کی اطلاع مائثر الامراء سے ان الفاظ میں ملتی ہے:

”عنایت اللہ خلف کلانش، کہ عمدہ بود در سال بیست و یکم (۱۰۵۸ھ) در گذشت.“ (۲۲)

قبر: مرزا کی وفات سوڑٹھ میں ہوئی ہوگی، جہاں سے اس کی لاش ٹھٹھ لاکر مکلی کے قبرستان میں اسے باپ کے مقبرے میں سپرد خاک کیا گیا۔ اس کی قبر مرکزی چبوترے کے دائیں اور بائیں سے ۴ نمبر پر یعنی اپنے والد کے پہلو میں موجود ہے، پائیں کتبے پر یہ عبارت کندہ ہے:

۱- تاریخ وفات مرحوم

۲- میرزا عنایت اللہ ۱۰۵۸ھ

قبر کے پتھر پر چاروں جانب قرآنی آیات خوبصورت خط میں کندہ

ہیں۔

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ. قال اللہ تعالیٰ: قل یا عبادى الذين اسرفوا على انفسهم لا تقنطوا من رحمة اللہ... غفور الرحيم. كل شىء هالك... ترجعون. قال اللہ تعالیٰ: لقد صدق اللہ رسولہ الرؤيا... آمنين. محلقين روسکم... فتحا قريبا. هو الذى ارسل رسولہ بالهدى ودين الحق... محمد رسول اللہ. والذين معہ اشداء على الکفار... من اثر السجود ذالك مثلهم فى توراۃ. وعد اللہ الذين امنوا وعملوا الصالحات منهم مغفرة واجرا عظيما. يا ايها الذين امنوا اذا نودى للصلاة من يوم الجمعة فاسعوا الى ذكر اللہ وذرو البيع ذالکم... واللہ خير الرازقين. قال اللہ سبحانه وتعالى: ان الذين آمنوا وعملوا الصالحات كانت لهم جنات الفردوس نزلا... بعبادة ربه احدا. بسم اللہ... تبارک الذين بيده الملك... ياتيکم بماء معين.

میرزا اپنے باپ کی زندگی میں فوت ہوا اور باپ اس کے بعد تقریباً ساڑھے چار سال تک زندہ رہا۔

پہلی لاش: بیان کیا جاتا ہے کہ میرزا عیسیٰ کی رانک پر ۱۷ سال تک کام ہوتا رہا۔ اسی حساب سے مقبرہ ۱۰۵۳ھ میں مکمل ہوا۔ گویا مکمل ہونے کے بعد اس میں پہلی لاش میرزا عنایت اللہ کی دفن کی گئی۔

اولاد: میرزا عنایت اللہ کی تمام اولادوں کا احوال دستیاب نہیں۔ ترخان نامہ بھی خاموش ہے، فقط نسب نامہ میں ان کے بیٹوں کی اولاد کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے:

۱- میرزا داراب

۲- میرزا غازی (ثانی)

۳- میرزا مظفر (ثانی)

۴- میرزا مراد

۵- میرزا ایرج

ان میں سے میرزا داراب اور میرزا غازی کے متعلق کچھ بھی معلوم نہ ہو سکا، حتیٰ کہ یہ بھی علم نہیں کہ وہ کہاں مرے اور کہاں دفن ہوئے؟ میرزا مظفر کی اہلیہ: میرزا مظفر کے بارے میں بھی وہی صورت حال ہے، البتہ آپ کی اہلیہ کی قبر میرزا عیسیٰ کے احاطے میں شمالی دیوار کے ساتھ الگ ایک چبوترے پر موجود ہے، جس کی قبر پر پائیں یہ کتبہ ہے:

۱- عصمت پناہ ولینعمت میرزا مظفر

۲- بتاریخ ۱۰ شہر جمادی الثانی

۳- ۱۰۸۶ھ بہ رحمت حق شدہ

قبر کے چاروں اطراف درج ذیل آیات قرآنی کندہ ہیں:

لا الہ الا اللہ... بسم اللہ... تبارک الذین... یاتیکم بماء معین.

اسی چبوترے پر دوسری قبر بھی موجود ہے، جس پر کوئی کتبہ

نہیں ہے۔

میرزا محمد مراد: فضل اللہ اور میرزا محمد مراد کے سلسلے میں اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ ۱۰۹۳ھ میں نقل شدہ عریضے کے مطابق محمد مراد کی ٹھٹھ میں جاگیر تھی اور سمیجہ قوم اس کی پشت پناہ تھی۔ میرزا عیسیٰ کی یہ نہیال تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے خاندان کے لوگ بعد میں بھی سمیجوں سے رشتہ داریاں کرتے رہے۔

جہانگیر آباد، ہاکڑہ اور ساوڑہ: ایک تاریخی خط سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد مراد سندھ میں جہانگیر آباد، ہاکڑہ اور ساوڑہ کا تھانے دار تھا۔

جہاں اپنے قیام کے دوران اس نے نہایت عمدہ انتظام رکھا۔ خط کی عبارت اس طرح ہے:

”مسند ابھت و کامرانی و وسادہ مکنت و مہربانی، بہ ذات
بابرکات صدر آرای انجمن امارت و اقبال، بہار پیرای گلشن...
و اجلال، خان والا شان، قدردان صداقت نشان، آراستہ و
پیراستہ بادا

بعد ادای ادعیاہ اجابت طراز و اثنیہ نیاز پرداز، مشہود ضمیر
خورشید نظر می گرداند کہ: بعد دریافت خصوصیات این
صوبہ ظاہر شد کہ پیش ازین، صوبہ جہانگیر آباد و ہاکرہ و
ساورہ متعلقہ سرکار نصرپور۔ بہ محمد مراد نبیرہ میرزا عیسیٰ
ترخان مقرر بود بہ حسن ضبط و ربطش، مفسدان مجال
شوخی و شیطننت نمی یافتند، و رعایا و برابا بہ فراغ خاطر
اشتغال بہ کسب و کار خود داشتند۔ ظاہرا اشغالی بعض
مردم۔ کہ بر آئینہ از راہ افترا بہ تحریک اہل غرض خواہد بود۔
باعث عزلش گردید۔ و بعد تغیر او، تانہ جہانگیر آباد بہ محمد
باقی تقویض یافت۔ بہ علت زیونی عملش، متعمردان مصدر
حرکات دور از کار و متوطنین و مسافرین مورد اضرار و آزار،
می شوند۔ و تانہ ہاکرہ و ساورہ کہ سر راہ قوافل احمد آباد و
جیسلمیر و ملتان است۔ تا حال خالی و آمد و شد قوافل
اطراف مذکورہ، در موانع مزاحمت نشدہ آنجوانب است، و
فکر بندوبست این تانہ جات و حفظ حال خلایق لازم۔ نظر بر
صلاح امور، امیدوار است کہ، این معانی معروض مقدس
گردیدہ، تانہ داری آن محال بہ محمد مراد مسطور۔ کہ خانہ
زاد موروثی و بندہ کار آمد و بی تقصیر است۔ بہ دستور سابق
مقرر شود، تا سررشتہ نظم امور آن امکنہ مضبوط گردد! زیادہ
مہربانی و قدردانی بادا (۲۳)

مندرجہ بالا خط کا حاصل یہ ہے کہ:

- ۱- جہانگیر آباد، ہاکڑہ اور ساوڑہ کے صوبہ جات جو کہ نصرپور کی سرکار میں تھے، محمد مراد ترخان کے تحت تھے۔
 - ۲- اپنے دور میں اس نے بہت اچھے انتظامات کیے۔ مخالف تحریکیں بند ہو گئیں۔ بقول عریضہ نویس: رعیت اطمینان سے اپنے کام کاج میں مشغول تھی، کہیں کوئی گڑبڑ کبھی نہیں ہوئی کسی کو بھی شکوہ شکایت نہ تھی۔
 - ۳- کچھ خود غرض لوگوں کی رپورٹوں پر جس کا مطلب تھا کہ فتنہ اور فساد ہوتا رہے۔ محمد مراد کو معزول کیا گیا۔
 - ۴- ان کی جگہ پر محمد باقی نامی ایک منصب دار کو مذکورہ علاقے کا عمل دار بنا کر بھیجا گیا۔ جس نے آکر انتظام خراب کیا، ملک میں بدامنی پیدا ہوئی۔ آنے جانے کے راستے مسدود ہو گئے قافلوں نے آنا جانا بند کر دیا۔ یہی تھانے آمد و رفت کے لحاظ سے اہم جگہ پر تھے۔ ہاکڑہ اور ساوڑہ، احمد آباد، جیسلمیر اور ملتان کی شاہراہوں پر تھے۔
 - ۵- عریضہ نویس نے (?) گزارش کی ہے کہ ان علاقوں کی تھانے داری پھر محمد مراد کے سپرد کی جائے۔ کیونکہ وہ نہ صرف موروثی خانہ زاد ہے، بلکہ نہایت کارآمد، موزون اور برجستہ ہے۔ ساتھ ہی ساتھ وہ بے قصور بھی ہے۔ اس کے آنے سے یقیناً انتظام بہتر ہو جائے گا اور ملک کا یہ حصہ دوبارہ سکھ کی سانس لے سکے گا۔
- میرزا مراد کے سلسلے میں فقط اتنی ہی معلومات مل سکی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہایت برجستہ آدمی تھا۔ انتظام چلانے کا اس کو خاص سلیقہ تھا اور سندھ میں اس نے سمیجوں کے ساتھ مل کر اتنی قوت حاصل کر لی تھی کہ فضل اللہ کو بے بس کر دیا تھا اور اس کے لیے سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہ تھا کہ عرض داشت لکھ کر بالادستوں سے انصاف طلب کرے، ٹھٹھ سے باپ کی لاش لے جانے میں بھی اسے تردد اور خدشہ تھا۔
- میرزا مراد کب فوت ہوا؟ اس کی قبر کہاں ہے؟ اس سلسلے میں

کوئی بھی معلومات میسر نہیں۔

میرزا ایرج: میرزا عنایت اللہ کا پانچواں بیٹا ایرج تھا۔ جس کے متعلق کچھ بھی معلوم نہیں ہو سکا۔ سوائے اس بات کے کہ اُس کی قبر دادا کے مقبرے میں داہنے ہاتھ تیسرے نمبر پر اور الٹے ہاتھ چھٹے نمبر پر ہے۔ یعنی اپنے باپ کے بائیں پہلو میں دفن ہے۔

قبر کا کتبہ: قبر کے بائیں میرزا ایرج کی وفات کی تاریخ کتبے پر اس طرح لکھی ہوئی ہے:

۱- بہ تاریخ ۲۰ شہر شوال ۱۰۶۱ ھ قرۃ العیون

۲- میرزا ایرج از دار فنا

۳- بہ دار البقا رحلت نمود

قبر کے چاروں جانب یہ عبارات کندہ ہیں:

بسم اللہ... لا الہ الا اللہ... ان الذین امنوا وعملوا الصالحات...

جنات الفردوس. ناد علیا مظهر العجائب... لافتی الاعلی

لاسیف الا ذوالفقار.

میرزا مراد اپنے والد کی وفات کے تقریباً چار سال بعد فوت ہوا۔ یعنی اپنے دادا کی وفات سے تقریباً دو مہینے بیس دن قبل۔ یہ کتبہ، معلوم ہوتا ہے کہ اس کے دادا کے حکم سے لکھا گیا۔ کہتے ہیں کہ اس میں ”قرۃ العیون“ کا لفظ کندہ ہے۔

میرزا عنایت اللہ مرحوم اور اس کی اولاد دونوں کے متعلق مندرجہ بالا بیانات کے علاوہ اور کسی بات کا علم نہیں۔

(۱۴)

میرزا محمد صالح:

ترخان نامہ کے مؤلف نے اس کے متعلق یہ شعر لکھا ہے:

ز ترخانیان، مثل او، گوہری

نیاوردہ از آسمان دیگری

دیباچے میں لکھا ہے کہ:

”با اخلاق حمیدہ و اوصاف پسندیدہ آراستہ، و بہ اکتساب کمالات صوری و معنوی پیراستہ بود۔ در حین حیات پدر بزرگوارش، حضرت ... ظل سبحانی بہ الطاف و اکرام بہ ادشاهانہ، و عنایت و مراحم خسروانہ، بین الاقران سر بلند مسلک امرای عظام انتظامش فرمود۔“

یعنی شہنشاہ شاہجہان نے اس کو باپ کے زمانے ہی میں اعلیٰ منصب دے کر اپنے امراء میں شامل کر لیا تھا۔

برافراخت، شاہنشہی قدردان
سر میرزا صالح از فرقدان
بہ الطاف شاہانہ اش سرفراخت
میان گروہش سر افراز ساخت

یہ میرزا عیسیٰ کا دوسرا بیٹا تھا۔ اور اس کا نام عیسیٰ اول کے بیٹے میحمد صالح اول کے نام پر رکھا گیا۔ غالباً میرا عنایت اللہ اور اُس کے درمیان میں کوئی بیٹا باقی نہ رہا تھا۔ مائر الامراء نے اس کو اسی وجہ سے ’پسر دوش‘ لکھا ہے۔ (۲۴)

منصب - محرم ۱۰۵۲ھ: میرزا صالح کو شاہی دربار سے پہلا منصب غالباً اس وقت ملا، جب شاہجہان نے باپ کو اعظم خان کی جگہ پر گجرات کی صوبے داری سونپ دی اور (۱۲ محرم) ان کے بڑے بھائی کو منصب عطا کر کے سورٹھ کے فوج دار بنایا گیا۔ محمد صالح کو اسی وقت ہزاری منصب ملا، جیسا کہ بادشاہ نامہ کے مؤلف نے لکھا ہے:

”و محمد صالح دیگر پسر اورا بہ منصب ہزاری ہزار سوار نواختند۔“ (۲۵)

اسی موقع پر جس طرح پہلے بیان ہو چکا ہے، باپ کو پنجہزاری پر فائز کیا گیا تھا اور اس کے بھائی عنایت اللہ کو دو ہزاری منصب دیا گیا تھا۔ میرزا صالح کے سلسلے میں یہ پہلی اطلاع ہے جو شاہجہانی تاریخوں سے ملتی ہے۔

گجرات روانگی، صفر ۱۰۵۲ھ: معلوم ہوتا ہے کہ محرم ۱۰۵۲ھ میں جس وقت بادشاہ نے میرزا عیسیٰ کے لیے گجرات کی صوبے داری کا فرمان جاری کیا۔ میرزا صالح شاہی دوبار میں موجود تھا۔ کہہ سکتے ہیں کہ تقریباً ۲۸ دنوں کے بعد وہ باپ کے لیے شاہی انعام کے طور پر فیل خانہ خاص سے ایک ہاتھی لے کر گجرات روانہ ہوا، بادشاہ نامہ میں مرقوم ہے:

”سلخ ماہ صفر بہ میرزا عیسیٰ ترخان، مصحوب محمد صالح

پسرش، فیل از حلقہ خاصہ عنایت نمودہ فرستادند۔“ (۲۶)

میرزا صالح کا دربار میں موجود ہونا، ہم نے اس لیے فرض کیا ہے، کیونکہ شاہی حضور میں پیش ہونے کے بعد واپس لوٹ جانے کے لیے اجازت کے سلسلے میں جو مراحل در پیش تھے، انہیں طے کرنے میں خاصا وقت لگ جاتا تھا۔ اس لیے گمان ہوتا ہے کہ میرزا صالح کے لیے گجرات کا فرمان جاری ہونے کے موقع پر ان کی وہاں موجودگی ضروری ہوگی اور باپ اور بھائی کے منصب میں اضافہ کرتے ہی بادشاہ نے اس کا منصب بھی بڑھا دیا۔

منصب میں اضافہ، محرم ۱۰۵۷ھ: معلوم نہیں کہ ابتدائی منصب کے بعد میرزا صالح کو اور کون سی سرکاری خدمات سپرد کی گئیں۔ اس کے متعلق دوسری اطلاع پانچ سال کے بعد ۳ محرم ۱۰۵۷ھ کو ملتی ہیں۔ جب شاہی دربار سے اس کے منصب میں اضافے کا حکم صادر ہوا، جس کی تفصیل معلوم نہیں ہے۔ فقط بادشاہ نامہ کے مؤلف نے یہ الفاظ بیان کیے ہیں:

” (۳ محرم) محمد صالح ولد میرزا عیسیٰ را بہ اضافه پانصدی

ذات، بہ منصب ہزار و پانصدی ہزار سوار مفتخر ساختند۔“

(۲۷)

اسی زمانے میں اس کے والد گجرات کی صوبے داری سے تبادلہ ہونے کے بعد سورٹھ میں فوج دار کی حیثیت سے کام کر رہے تھے اور بھائی میرزا عنایت اللہ باپ کی واپسی کے بعد (۱۰۵۳ھ) سورٹھ کا چارج

چھوڑ کر غالباً سورٹھ ہی میں مقیم تھا۔ جہاں محمد صالح کے اس اضافے کے ایک سال بعد فوت ہوا۔ جس کے بعد میرزا عیسیٰ کے خاندان میں صرف ایک محمد صالح بچا تھا۔ جس کو مورخین نے قابل ذکر سمجھا ہے۔

سورٹھ کی فوجداری ۱۰۶۱ھ: جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ تاریخ کی کتابوں میں محمد صالح کے منصب میں اضافے کی ایک آدھ اطلاع ملتی ہے۔ لیکن اس کے عہدے اور دوسری سرکاری خدمات کے متعلق اشارتاً بھی کہیں ذکر موجود نہیں۔ سب سے پہلے سورٹھ کی فوج داری کا ذکر آتا ہے۔ جب باپ کے ریٹائر ہو جانے کے بعد اس کو مستقل چارج دیا گیا تھا۔

میرزا عیسیٰ کو بادشاہ نے ۱۰۶۱ھ میں سرکاری عہدوں سے سبکدوش کر کے اپنے پاس بلوایا اور اُس کی وہ جگہ (سورٹھ میں) میرزا صالح کے سپرد کردی گئی۔ مائثر الامراء کے مؤلف نے لکھا ہے کہ:

”محمد صالح پسر دوم میرزا عیسیٰ است، در سال بیست و چہارم شاہجہانی پدرش از فوجداری سورت طلب حضور گردید۔ و نظم سرکار مذکور بالاصالہ بہ مشار الیہ تقویض یافت۔“ (۲۸)

فرید بکھری کی رائے: ہم اوپر بتا چکے ہیں کہ ذخیرۃ الخوانیہ کے مؤلف شیخ فرید بکھری کا کہنا ہے کہ: سوائے ایک بیٹے کے تمام بیٹے میرزا عیسیٰ کی زندگی ہی میں فوت ہو چکے تھے۔ یہ قول صحیح نہیں ہے۔ لیکن کہہ سکتے ہیں کہ جس وقت میرزا فوت ہوا، اس وقت محمد صالح کے سوا کم از کم دوسرے دو بیٹے میرزا فتحی اور میرزا عاقل زندہ تھے۔ جو کہ باپ کی وفات کے بعد بھی بہت سال تک زندہ رہے۔ شیخ فرید ۱۰۶۰ھ میں ذکر کرتا ہے کہ میرزا عیسیٰ اس وقت رادھن پور میں مقیم ہے اور اُس کا ایک بیٹا بچا ہے جو کسی قابل نہیں ہے۔

”اولاد امجاد کثیر بھم رسانندہ، ہمہ داعی حق را لبیک اجابت گفته اند۔ یک پسر مسن و معمر یادگار دارد... مدار سرکار

خود بر پسر نام آورده انداخت، اگرچہ اورا لیاقت این بار گران
و کالت میرزا نبوده، اما از مساعدت طالع، برین نوازش امتیاز
دارد۔“ (۲۹)

یہ قول میرزا صالح کے متعلق ہے۔ کہتے ہیں کہ میرزا عیسیٰ کی
جاگیر اور سرکار کا سارا انتظام میرزا کے ریٹائر ہو جانے کے بعد اُس کے
سپرد ہوا۔ ذخیرہ کے مؤلف نے نہ صرف اُس کا نام لکھا ہے، بلکہ اُس کو یہ
بوجھ اٹھانے کے قابل بھی سمجھتا ہے۔

میرزا صالح کے بارے میں معلوم نہیں کہ یہ رائے شیخ فرید نے کیوں
دی۔ خاص طور پر اس حالت میں جبکہ باپ کی وفات کے بعد ہم اُسے
مختلف عہدوں اور منصب پر سرفراز دیکھتے ہیں۔ علاوہ ازیں ماثر الامراء
کے مؤلف جس کا ماخذ بھی شیخ فرید کی کتاب ہے، نے ”ارشاد اولاد“
لکھا ہے۔ بہر حال شیخ فرید کے اس گھرانے کے ساتھ قریبی تعلقات تھے۔
ہوسکتا ہے کہ محمد صالح کے کردار کے کئی پہلو اس کو ناپسند ہوں،
جس کی وجہ سے اس نے اسے نااہل سمجھا اور لکھا ہو۔

باپ کی جانشینی ۱۰۶۳ھ بقول شیخ فرید بکھری جس وقت محمد صالح
نے اپنے باپ سے چارج لیا، اس وقت وہ خود بھی مسن یعنی سن رسیدہ تھا۔
کہہ نہیں سکتے کہ اس سے شیخ فرید کی مراد کتنی عمر کا ہے؟ کیونکہ
جس صورت میں اُس کی تاریخ ولادت اور تاریخ وفات کا علم نہیں تو
صحیح عمر کا تعین نہیں کیا جاسکتا۔

۱۰۶۲ھ میں محرم کے مہینے میں اُس کے والد جہان فانی سے
رخصت ہوئے۔ جس کے بعد تمام اشیاء کا وارث یہی تھا۔ ترخان نامہ کا
مؤلف رقم طراز ہے کہ:

”بعد از رحلت نواب غفران پناہ، بہ کمال عطوفت و مرحمت
شاہانہ، قائم مقامش کرد۔ و آن جوان بخت دولت قرین بہ
مسنہ حکومت و ایالت پدر نامور، متمکن گشتہ، اہل والوس
و سپاہ و رعیت، بہ انعام عام خود، بنواخت۔ و اہل اللہ
وسادات کرام و فضلاء عظام و فقرا و صلحا و گوشہ نشینان را

بہ التفات و اکرام راضی ساخت۔“ (۳۰)

یعنی مسند نشینی کے بعد انعام و اکرام دینے سے اس نے اپنے عزیز و اقرباء، سپاہیوں، سادات، مشائخ حضرات کو خوب راضی رکھا۔ زندگي ہی میں وہ باپ کی جاگیر اور عہدے کا مالک بن گیا تھا۔ وفات کے بعد کہہ سکتے ہیں کہ یہی بڑا بیٹا تھا۔ اس لیے خاندانی مسند نشینی بھی اُس کے سپرد ہوئی۔

منصب میں اضافہ ۱۰۶۲ھ: مائر الامراء میں مرقوم ہے کہ ۲۴ سال شاہجہانی میں میرزا عیسیٰ کی وفات ہوئی۔ جس کے بعد شاہجہاں بادشاہ نے میرزا صالح کے منصب میں اضافہ کیا۔ (۳۱) ۲۴ واں سال شاہجہانی ۱۰۶۱ھ میں ختم ہوا اور میرزا نے ۱۰۶۲ھ ماہ محرم میں انتقال کیا۔ جس کی خود مائر میں وضاحت کی گئی ہے۔ (۳۲) اس لیے اگر منصب کا اضافہ باپ سے چارج لیتے وقت نہیں، بلکہ باپ کی موت کے بعد میسر ہوا، تو اس حالت میں اُس کی تاریخ ۱۰۶۲ھ محرم میں یا اس کے بعد سمجھنی چاہیے۔

اس سے قبل میرزا کا منصب ہزار و پانصدی تھا اور باپ کی وفات کے بعد مائر کے قول کے مطابق دو ہزاری ہوا:

”چو در همین سال (بیست و چہارم) والد بزرگوار او در گذشت، او بہ اضافہ پانصدی، بمنصب دو ہزاری، ہزار و پانصد سوار، چہرہ امتیاز برافروخت۔“ (۳۳)

سورٹھ سے سبکدوشی ۱۰۶۳ھ: میرزا صالح سورٹھ کی فوج داری پر کم و بیش چار سال تک فائز رہا، جس کے بعد مرآۃ احمدی کے قول کے مطابق ۱۰۶۳ھ میں سورٹھ کی فوج داری نظر بہادر کے بیٹوں شمس الدین اور قطب الدین کے سپرد کی گئی۔ (۳۴)

مائر الامراء کے مؤلف نے شمس الدین کے احوال میں لکھا ہے:

”سال بیست و ہفتم (۶۳-۱۰۶۴ھ) از تغیر محمد صالح پسر میرزا عیسیٰ ترخان، بہ فوجداری جوناگر و تیولداری برخی

محال آن، دستوری یافت۔“ (۳۵)

سورٹھ سے سبکدوش ہونے کے بعد مرزا صالح نے گجرات ہی میں قیام کیا۔ ممکن ہے کہ رادھن پور والی جاگیر میں جا کر مقیم ہوا ہو، کیونکہ ابتدائی دور ہی سے یہ اس کی جاگیر تھی۔ اور زیادہ عرصہ جاگیر قائم رہنے کی وجہ سے اس گھرانے نے دادھن پور کو اپنا خاندانی مرکز بنالیا ہو۔

ترخان نامہ کی تالیف ۶۵-۱۰۶۲ھ: دادھن پور میں میرزا تقریباً پونے دو سال فارغ رہا۔ یعنی ۱۰۶۵ھ کا سارا سال اور ۱۰۶۶ھ کے تقریباً دس ماہ تک لازمت کی مصروفیات اور زندگی کے تمام ہنگاموں سے فارغ ہو کر یکسوئی کے ساتھ بیٹھا رہا۔ اس وقت اُس نے اپنے آباؤ اجداد کی تاریخ معلوم کرنے کی طرف توجہ دی۔ ایسے وقت ہی میں اپنے آباؤ اجداد یاد آتے ہیں، خصوصاً اس وقت جب خاندان میں چند افراد بجے ہوں، باپ مرجکا تھا، بڑا بھائی عنایت اللہ بھی جہان فانی سے رخصت ہو گیا تھا۔ ذخیرہ کے مؤلف نے لکھا ہے: اس کے متعدد دوسرے بھائی مرجکے ہیں اور خاندان میں سوائے اس کے شاید دو چھوٹے بھائی زندہ ہیں۔ اس وقت وہ خود بھی جوان نہ تھا، بلکہ شیخ فرید کے کہنے کے مطابق مرد مسن ہو چکا تھا۔ ایسے ہی دلگیر وقت میں اسے اپنے ”گذشتگان“ یاد آئے اور اس نے جاہا کہ اپنے بزرگوں کے حالات سے دل بہلائے۔

سندھ میں اس کا کوئی بھی نہیں تھا۔ اس کے گھرانے کی بنیاد یہاں ختم ہو چکی تھی۔ اس لیے اس نے ٹھٹھہ میں اپنے دور کے ایک رشتے دار سید محمد شیرازی ٹھٹھوی کو جو میرزا صالح کلان کا نواسا تھا، لکھا کہ: وہ سندھ سے کتاب ترخان نامہ تلاش کر کے اس کو بھجوادے۔ چنانچہ سید محمد نے بہت تلاش کی، مگر اس نام سے کوئی بھی کتاب اس کو نہ ملی، جس کے بعد اُس نے بہت سی کتابوں کی مدد سے ایک نئی کتاب تصنیف کی، جس کا نام ترخان نامہ رکھ کر اُسے ارسال کی۔ مقدمے میں مؤلف نے اس روئداد کو اس طرح بیان کیا ہے:

”از روی قبیلہ پروری، میلی تمام و رغبتی مالا کلام، بہ مطالعہ

احوال اسلاف عالی نژاد خود داشت... بنا بر شفقت و مہربانی طریقہ مسلوکۂ آباد و اجداد کرام- کہ بہ این سلسلہ فقراء دارند- مبذول فرمود. بنا بر این اقل العباد... نامہ ای نگارش فرمود کہ: کتاب ترخان نامہ را ارسال نماید! ہر چند این خادم... تفحص و تجسس نمود، در بلاد سند کتاب مذکور پیدا نشد، ہیچ کس از آن نشان نداد. و امثال امر متاع آن بزرگ بر خود لازم دید، لاجرم با وجود تعلق خاطر بہ اموری کہ انتظام مہام این نشاء را از آن ناچار است، رجوع کتب معتبر... نمودہ، آنچه مطلوب و مرغوب آن... بود، انتخاب نمودہ... آن را مسمی بہ ”ترخان نامہ“ گردانید.“ (۳۶)

ہمارے خیال میں کتاب، جسے مؤلف نے مکمل کر کے میرزا کے نام منسوب کیا، وہ غالباً ۱۰۶۵ھ کے آخر یا ۱۰۶۶ھ کے شروع میں تالیف ہوئی۔ مؤلف نے خود تاریخ نہیں دی لیکن یہ ظاہر ہے کہ میرزا عیسیٰ کی وفات (۱۲ محرم ۱۰۶۲ھ) کے بعد کتاب لکھی گئی۔ میرزا صالح خود ۱۰۶۳ھ تک ملازمت میں مصروف تھا۔ اس لیے ضروری ہے کہ کتاب تب ہی لکھی گئی ہوگی، جب میرزا صالح کو نوکری سے برخاست ہونے کے بعد یکسوئی کے ہونے دو سال (۶۵-۱۰۶۶ھ) ملے ہوں گے۔

سہون کی فوج داری، آخر ۱۰۶۶ھ: جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے، بظاہر میرزا سورٹھ سے آنے کے بعد تقریباً ہونے دو سال تک کسی بھی سرکاری عہدے پر فائز نہ تھا اور اپنی جاگیر رادھن پور میں بیٹھا رہا۔ ۱۰۶۶ھ کے آخر میں بلکہ ممکن ہے کہ آخری دو مہینوں کے دوران میرزا صالح کو سہون کی فوج داری کے لیے شاہی فرمان پہنچا۔ مائر الامراء نے حسب دستور تاریخ نہیں دی فقط اتنا لکھا ہے کہ:

”- در سال سی ام بہ خدمت فوجداری و تیولداری سیوستان

از تغیر میرزا ابوالمعالی..... تارک افتخار بر افراخت.....“ (۳۷)

اس سے قبل سہون کا فوج دار میرزا ابوالمعالی تھا۔ جس کا تقرر

بقول صاحب مائر جہیبیسویں سال شاہجہانی میں سہون میں ہوا تھا۔

”در سال بیست و ششم (۶۲-۱۰۶۳ھ) جلوس اعلیٰ حضرت
 بہ منصب دو ہزاری و پانصد سوار و جاگیرداری و فوجداری
 سیوستان تارک عزت برافراخت۔“ (۳۸)

مائر الامراء کے مؤلف اس کے تذکرے میں تبادلے کا سال اکتیس
 لکھا ہے۔ حالانکہ میرزا صالح کے سلسلے میں لکھا چکا ہے کہ وہ تیسویں
 سال شاہجہانی سہون کا فوج دار ہوا۔ بہر حال ایک خط کی بناء پر جو کہ
 ذیل میں دیا گیا ہے - معلوم ہوتا ہے کہ: میرزا صالح کو سال ۱۰۶۲ھ کے
 آخری دو مہینوں میں سہون کی فوج داری کا حکم ملا اور دو مہینے
 تیاری کرنے کے بعد وہ محرم ۱۰۶۴ھ کی ۳ تاریخ کو سہون پہنچا۔

منصب کا اضافہ ۱۰۶۲ھ: سہون کی فوج داری کے ساتھ ساتھ بادشاہ نے
 اس کے منصب میں بھی اضافہ کیا، اس سے قبل وہ دو ہزاری ذات و پندرہ
 سو سواروں کا منصب دار تھا اور اس دفعہ اس کے سواروں میں پانچ سو کا
 اضافہ کر کے، دو ہزاری ذات و دو ہزار سوار پر فائز کیا گیا۔ (۳۹)

محمد صالح کو، جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے، پہلا منصب
 ۱۰۵۲ھ محرم میں ملا تھا۔ جس کے بعد پہلا اضافہ ۱۰۵۷ھ میں ہوا اور
 دوسرا اضافہ اس کو باپ کے مرنے کے بعد ۱۰۶۲ھ میں غالباً ماہ محرم میں
 ملا۔ یہ تیسرا اضافہ تھا جو ماہ محرم ہی میں کیا گیا۔

سہون میں آمد، ۳ محرم ۱۰۶۷ھ: ہمارا خیال ہے کہ میرزا صالح کو،
 سہون کی فوج داری کا حکم رمضان ۱۰۶۶ھ میں ملا اور آنے کی تیاری
 میں کم و بیش اس کو مہینہ ڈیڑھ لگ گیا ہوگا۔ ذی الحج کی نماز عید
 غالباً اپنی جاگیر رادھن پور میں پڑھی۔ اس کے بعد دس دن قیام کرنے کے
 بعد سہون کی طرف، یعنی اپنے آبائی ملک کی جانب روانہ ہوا ہوگا۔
 سہون میں وہ ۳ محرم ۱۰۶۷ھ کو وارد ہوا۔ جو کہ درج ذیل عریضے سے
 ظاہر ہوتا ہے۔

دربار کے لیے عریضہ ۳ محرم ۱۰۶۸ھ: میرزا صالح نے سہون پہنچنے کے
 بعد ایک عریضہ اطلاعاً دربار میں بھجوا دیا تھا۔ جس کی نقل خوش قسمتی
 سے ایک خطی بیاض سے ملی ہے۔ یہ خط بہت سی اہم باتوں پر روشنی

ڈالتا ہے۔ خط کی عبارت اس طرح ہے:

”عرضداشت۔ کمترین خانہ زادان فدوی محمد صالح آدابِ بندگی و تسلیمات بہ جا آورده ناصیہ عزت بہ درگاہ سلاطین سجدہ گاہ سودہ، بہ موقف عرض ایستادہ ہای پایہ، سریرِ خلافت مصیر عرش نظیر سلیمانی می رساند کہ: پادشاہ دین و دنیا پناہ سلامت! این فدوی چون بہ سرحدِ سرکار بکر رسید۔ قیصر نام زمیندار سیوستان آمدہ دید و همچنین منزل بہ منزل اکثر زمینداران۔ کہ پیش ازین، راہ تہمرد می پیمودند۔ حلقہ اطاعت و اتقیاد درگاہ خواقین پناہ بہ گوش ہوش کشیدہ رجوع آوردند۔

امروز یکشنبہ (سوم) محرم الحرام ۱۰۶۷ھ در ظاہر قصبہ سیوستان آمدہ منزل نمودہ و میر ابوالمعالی از قلعہ بر آمدہ روانہ عتبہ بوسی شدہ سنیہ گردید۔ انشاء اللہ تعالیٰ بہ ساعت مختار کہ ہفتم شہر مذکور (محرم) باشد، این فدوی داخل قلعہ می شود۔

الحمد للہ والممنۃ کہ مفسدان دستِ تہمرد و قطاع الطریق کوتاہ ساختہ، در استغفار جرایم ماضیہ می کوشند، و مترددین از سوداگر وغیرہ۔ کہ در عمل فوجدارانِ سابق، بی بدرقہ عبورِ آنها، ازین سر زمین معتذر بود، بل باوجود بدرقہ، در خوف و رجا می بودند۔ درین ولا بہ یمنِ اقبال ابد اتصال شاہنشاهی از مخاطرہ راہ، جمعیت خاطر حاصل نمودہ، و بہ شکر این عطیہ عظمیٰ و مہبت کبریٰ خاقانی، دست دعا بر افراشتہ، از حضرت مجیب الدعوات، دوام دولتِ ابد مدت مسئلت می نمایند۔ امیدوار است کہ در اندک روز، بہ اقبالِ لا یزال والا، این کل زمین از لوٹ وجود کوتہ اندیشان پاک سازد۔

سایہ آفتابِ عالم تاب، بر مفارق خانہ زادان فدوی۔ تا انقراضِ عالم۔ تا بندہ و پایندہ باد!“ (۴۰)

مندرجہ بالا عریضہ نہایت اہم اور قیمتی ہے۔ شاہجہانی دور میں سندھ کے اندر پیدا ہونے والی صورت حال کے کئی اہم اور تاریخی پہلو اس سے معلوم ہوتے ہیں۔ مثلاً:

الف: محمد صالح کے پہنچنے سے قبل وہاں کی صورت حال خراب ہو چکی تھی۔ عوام میں امن و امان کی صورت حال بالکل ابتر تھی۔

ب: جن کو ”قطاع الطريق اور مترددین“ بیان کیا گیا ہے، وہ در حقیقت مغلوں کے خلاف گوریلا جنگ لڑ رہے تھے۔ حکومت کی ناکامی اور غیر مقبولیت کو چھپانے کے لیے محمد صالح نے عریضے میں دستوری طور پر سرکاری اصطلاح کی آڑ میں پناہ لی ہے۔

ج: بد نظمی اور امن امان کے فقدان کا یہ حال ہو چکا تھا کہ تمام راستے غیر محفوظ تھے۔ سوداگر ایک مقام سے دوسرے مقام تک نہیں جاسکتے تھے۔ ان کا نہ مال سلامت تھا اور نہ جان سلامت تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ تاجر اور سوداگر غیر ملکی تھے۔ جو کہ مغل گورنروں کی پشت پناہی کی وجہ سے سندھ میں آئے تھے۔ ملکی دولت باہر بھجوا کر نفع کما رہے تھے، یہی وجہ تھی، جس نے سندھیوں اور ان کے درمیان میں نفاق کی ایک وسیع خلیج حائل کر دی۔ ملک کے لوگ بھوکے تھے۔ ملک کی تمام دولت غیروں کے ہاتھ آ گئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب اپنے ملک کے آدمیوں کو موقع ملا، تو انھوں نے انتقامی کاروائیاں کرنے سے دریغ نہیں کیا۔

د: نہ صرف ابوالمعالی کے دور حکومت میں یہ صورت حال تھی، بلکہ اس سے قبل بھی جو شخص فوج دار رہ چکا تھا، اس کے زمانے سے لے کر اب تک نفاق اختلاف و برہمی کا سلسلہ جاری تھا۔

ہ: سندھ کا زمین دار جس طرح اس صدی میں ہے، اس زمانے میں بھی اُس کا مزاج یہی تھا۔ ابھرتے سورج کی سلامی، کردار اور عمل میں اخلاقی فقدان۔ فقط ذاتی فائدے مدنظر رکھنا، نہ لوگوں کی بھلائی سے غرض اور نہ حکومت کی بہبودی سے مطلب۔ محمد

صالح کی آمد کا سن کر سہون کا زمین دار قیصر بکھر تک پیشوائی کے لیے پہنچا۔ راستے میں دوسرے زمین دار حاضر ہوتے رہے۔ شاید اسی عرصے میں ابوالمعالی کے دور میں، حکومت پرستی کے راستے سے تھوڑا ہٹ گئے تھے۔ نئے فوج دار کو آتے دیکھ کر پھر سرکار کے ساتھی بن گئے۔

و: محمد صالح ۳ تاریخ محرم ۱۰۶۸ھ کو سہون شہر میں داخل ہوا۔ اسی دن ابوالمعالی قلعہ خالی کر کے شہر سے نکلا اور ہندوستان کے سفر پر روانہ ہو گیا۔

ز: میرزا صالح نے پہنچتے ہی ۳ تاریخ کو مندرجہ بالا عریضے کے ذریعے شاہی دربار میں اپنی آمد کی اطلاع دی۔

ح: قلعے میں داخل ہونے کی تاریخ ۸ محرم مقرر کی۔ جس کی اطلاع بھی عریضے میں درج کی گئی ہے۔

ل: خط میں محمد صالح نے شاہی دربار کو یقین دلایا ہے کہ تمام مفسدین نے ”قطاع الطریق“ سے توبہ کر لی ہے۔ اور اپنے گناہوں پر پشیمان ہیں، راستوں پر آمد و رفت شروع ہونے کی اطلاع بھی درج کی ہے۔ محمد صالح نے یہ بھی لکھا ہے کہ اب ہر وہ آدمی جس کو راستے میں کوئی خطرہ تھا، خود کو محفوظ سمجھ کر شاہی اقبال کی سربلندی کے لیے دست بدعا ہے۔

اگر ان اطلاعات کو صرف مبالغہ تصور نہ کیا جائے، تو پھر اعتماد رنے میں ذرا تکلیف ہو گی۔ محمد صالح ابھی قلعے میں داخل بھی نہیں رہا، ملک کا جائزہ بھی نہیں لیا، فقط بکھر سے سہون تک پہنچتے ہی وہ ون سی جادو کی چھڑی ہے، جس کے ذریعے اس نے چند دن کے اندر توں کے برباد شدہ انتظام کو درست اور اس کے زبوں حال وقار کو از سر سر بلند کر دیا؟

بہر حال، مظہر شاہجہانی کی تالیف کے وقت (۱۰۴۰ھ) میں جو کی صورت حال تھی، وہ ستائیس سالوں کے بعد بھی جیسا کہ اس سے معلوم ہوتا ہے، اسی طرح تھی۔ وہی انتظام کی خرابی، اسی طرح

عمل داروں کی نا اہلیت اور ناکامی، وہی حکومت کے خلاف نفرت اور حقارت کا جذبہ اور وہی فاتح اور مفتوح کے درمیان میں احساس برتری اور کمتری۔ اسی لیے نفرت، کشیدگی اور عدم تعاون تھا۔

الارض اس صورت حال کی موجودگی میں محمد صالح ترخان گجرات سے روانہ ہو کر سہون کا فوج دار بنا۔ یہ صورت حال غیر معلوم نہ تھی۔ بلکہ یہ دستوری صورت حال تھی۔ جو کہ پہلے بھی موجود تھی اور اس کے بعد بھی قائم رہی۔ اور اسی طرح مغلوں کے سندھ پر تسلط کے خاتمے تک جاری و ساری رہی۔

محمد صالح کو ابھی اصلاح حالات کی فرصت بھی نہیں ملی ہوگی۔ کیونکہ اس کے پہنچنے کے بعد جلد ہی شاہجہاں اور اس کے بیٹوں کے مابین اختلاف اور اس کے بعد فساد شروع ہوا۔ جس نے تھوڑے عرصے میں مغلیہ سلطنت کی بنیادیں کمزور کرنی شروع کر دیں۔

شاہجہاں کا زوال - ۱۰۶۷ھ: شاہجہاں کے بیٹوں میں کئی سالوں سے اختلاف چلا آرہا تھا۔ دارا شکوہ ولی عہد اور شاہجہاں کا پیارا بیٹا تھا۔ عالمگیر اس کے خلاف تھا۔ اختلاف کا سبب تخت اور تاج تھا۔ باقی بھائی اور بہنیں کچھ دارا شکوہ کے حامی اور کچھ عالمگیر کے ہمدرد تھے۔ یہ صورت حال جس وقت شدت اختیار کر گئی، عین اس وقت (۱۰۶۸ھ) میں شاہجہاں خود بیمار ہو گیا۔ شہزادوں کے درمیان تخت و تاج کو حاصل کرنے کے لیے جو کشمکش چل رہی تھی، وہ بادشاہ کے بیمار ہوجانے کی وجہ سے یک لخت نازل صورتحال اختیار کر گئی۔

محمد صالح ابھی سکون سے بیٹھا ہی نہیں تھا کہ مرکز میں یہ رسہ کشی شروع ہو گئی۔ ہر شاہی ملازم کی توجہ مقامی حالات سے ہٹ کر مرکز کے اس ہنگامے کی طرف مبذول ہو گئی تھی۔ ہر ایک کا مستقبل اس ہنگامے کے نتیجے سے وابستہ تھا۔ ظاہر ہے کہ محمد صالح ترخان کے لیے بھی سوائے اس کے دوسرا کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ سہون میں بیٹھ کر اس ڈرامے کے انجام کا انتظار کرے۔

دورِ عالمگیر کا آغاز - رمضان ۱۰۶۷ھ: ۱۰۶۷ھ میں اس کشمکش اور

داروگیر کا آغاز ہوا اور ۱۰۶۸ھ تک برابر فساد اور کشت و خون کا سلسلہ جاری رہا۔ بالآخر رمضان ۱۰۶۸ھ میں اورنگزیب نے باپ کو بیماری کی حالت ہی میں بستر سے اٹھا کر قید خانے میں بند کروا کر یکم ذیقعد کو اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا اور تخت پر قبضہ کر کے بیٹھ گیا۔

دارا شکوہ سندھ میں ۱۰۶۸ھ: عالمگیر کے ہاتھوں دارا شکوہ کو پہلی شکست رمضان (۱۰۶۸ھ) کو آگرہ اور دھول پور کے درمیان سامو گڑھ (فتح آباد) (۴۱) کے قریب ہوئی۔ جس کے بعد وہ آگرہ چھوڑ کر دہلی سے ہوتا ہوا پنجاب پہنچا۔ عالمگیر نے پنجاب تک اس کا تعاقب کیا۔ جب دارا شکوہ نے سندھ کی طرف رخ کیا تو صف شکن خان کو لشکر سمیت اس کے پیچھے روانہ کیا اور خود دارالسلطنت کی جانب واپس چلا گیا۔

دارا آگے اور صف شکن اس کے پیچھے، صف شکن خان کی سرکردگی میں شاہی لشکر تھا۔ دارا ابھی سہون تک بھی نہ پہنچا تھا کہ صف شکن بقول صاحب عالمگیر نامہ صفر ۱۰۶۹ھ کو آکر روپڑی کے پاس منزل انداز ہوا۔

صف شکن خان نے دوسرے دن، چار صفر کو روپڑی، بکھر اور سکھر میں مندرجہ ذیل عمل دار مقرر کیے:

بکھر: آغر خان (امام قالی) کو فوج دار بنا کر اس کو ساڑھے تین سو سوار حفاظت کے لیے دیے گئے۔

روپڑی: محمد علی بیگ جماعہ دار کو روپڑی کی کوتوالی عطا کر کے اور دو سو سوار برق انداز اور تین سو پیادہ بندوقچی اس کے سپرد کیے۔

سکھر: فوج علی بیگ سکھر میں مقرر ہوا۔ پانچ سو سوار برق انداز اور تین سو پیادہ بندوقچی پانچ توپوں سمیت اسے دیے گئے۔

ان عملداروں کو تاکید کی گئی تھی کہ وہ بکھر کے قلعے کا محاصرہ کر کے وہاں مقیم لوگوں پر عرصہ حیات تنگ کریں۔

”از مداخل و مخارج قلعہ باخبر باشد و حتی المقدور تا معاودت لشکر منصور، بہ توپ و تفنگ شعلہ افروز نیران

جنگ ہو، کاربر متحصنان تنگ نماید۔“ (۴۲)

یہ انتظامات کرنے کے بعد آصف شکن بکھر سے ۵ تاریخ کو روانہ ہوا اور اسی مہینے کی ۱۲ تاریخ کو سہون سے تیرہ کوس کے فاصلے پر پہنچ کر منزل انداز ہوا۔

سہون: اس وقت سہون کا فوج دار محمد صالح ترخان تھا۔ دارا شکوہ کے متعلق، عین اُس وقت اسے معلوم ہوا کہ وہ سہون آرہا ہے۔ جس وقت آصف شکن ۱۳ کوس کے فاصلے پر سکونت پذیر تھا، محمد صالح نے اس کو پیغام بھیجوا یا کہ شہزادہ پانچ کوس کے فاصلے پر آچکا ہے، اس لیے آپ اس سے قبل سہون آجائیں، تاکہ شہزادے کی خزانے والی کشتیاں، جو ابھی راہ میں ہیں، ان پر قبضہ کرلیں۔

”نوشۂ محمد صالح ترخان فوجدار و قلعدار آنجا رسید کہ:

دارا بی شکوہ (۴۳) بہ پنج کروہی قلعہ رسیدہ، باید کہ شما

(صف شکن) خود را زود رسانیدہ کشتیهای خزانه و اموال و

اشیای او را، کہ از عقب می آید، در کنار دریا سد راہ شوید۔“

(۴۴)

صف شکن نے اپنے عزیز محمد معصوم کو ضروری سپاہ اور سامان سمیت پہلے ہی روانہ کردیا، وہ قلعے کے نزدیک جہاں دریا کی وسعت کم ہو وہاں پہنچ کر دارا کی کشتیوں کا راستہ روک لے اور وہ خود بھی راتوں رات بارہ کوس کا فاصلہ طے کر کے صبح سویرے قلعے سے ایک کوس کے فاصلے پر پہنچ گیا۔

شہزادے کو اس سازش کی خبر ملی گئی تھی۔ اس لیے اس نے اپنی کشتیوں کا رخ تبدیل کردیا۔ صف شکن کے پاس اتنی کشتیاں نہ تھیں کہ وہ اس کے مقابل جا کر اس کو روک سکے۔ اس نے محمد صالح کو پیغام بھیجوا یا کہ، سہون سے اس کے لیے کشتیاں روانہ کر کے اور خود بھی فوج سمیت قلعہ چھوڑ کر مقابلہ کے لیے پہنچ جائے۔

”پیغام نمود کہ: ازان طرف کشتی بفرستد و خود نیز با سپاہ و

تابینان خویش، از قلع بر آید و عقبہ صعب دشوار گذاری، کہ

نزدیک بہ سیوستان واقع شدہ۔ و عبور دارا بی شکوہ ازان می شد۔ گرفتہ، تا رسیدن جیش منصور، حتی المقدور در مراتبِ ممانعت، کوشش بہ کار برد۔ و بہ اہل قلعہ تاکید نماید کہ: ہر گاہ مخالفان کشتیہا را از جای خود حرکت دادہ، خواہند کہ از پای قلعہ بگذرانند، از قلعہ ابواب انداختن توپ و تفنگ مفتوح داشتہ شرایط ممانعت بہ تقدیم رسانند۔“ (۴۵)

محمد صالح کا زوال، صفر ۱۰۶۹ھ: اس پیغام کے بعد محمد صالح ترخان کے زوال کی ابتدا ہوئی۔ محمد کاظم نے اس کو ”بیہ جوہر“ اور ”فرومایہ“ کہتے ہوئے لکھا ہے کہ پیغام پہنچنے کے بعد اس نے بہت بزدلی دکھائی اور جواب بھیجا کہ اگر کشتیاں روانہ کروں گا تو دارا کے آدمی جو راستہ روکے ہوئے ہیں، وہ کشتیوں پر قبضہ کر لیں گے، اس لیے اتنی ہمت نہیں ہے کہ شاہی لشکر کی امداد کے بغیر دارا کا مقابلہ کر سکوں۔

”محمد صالح از بی جوہری و فرومایہ ہمتی، توفیق خدمتی بہ سزا نیافتہ، پیغام داد کہ:۔۔۔ مرا بی امداد عسا کر بہ ادشاہی، قدرتِ گرفتن سرکُتل و تاب مقاومت و مصادمت جنود مخالف نیست، و چون ازین کنار عمیق آب بہ مرتبہ ای کم است کہ عبور کشتی اسکان ندارد بالضرورت عبور کشتیہا ازان کنار خواہد شد، ازان طرف در مراتب ممانعت باید کوشید۔“ (۴۶)

محمد صالح کا یہی پیغام اس کے زوال کا سبب بن گیا۔ صف شکن نے اس پر اعتماد کیا کہ واقعی دوسرے کنارے پر پانی گہرا نہیں ہے۔ اس لیے دارا کی کشتیاں ضرور بقول محمد صالح ان کے ہاں سے گذریں گی۔ اس لیے وہ وہیں بیٹھا رہا اور کچھ مدت کے بعد معلوم ہوا کہ دارا شکوہ کی کشتیوں کا بیڑہ دوسرے کنارے سے آگے چلا گیا۔ صف شکن کا انتظام، انتظار اور اہتمام سب بے کار ثابت ہوا۔ صف شکن نے اس کے تعاقب کی ہر ممکن سعی کی، لیکن بہت زیادہ فاصلے کی وجہ سے وہ اس کو نہیں پکڑ سکا۔ محمد کاظم نے لکھا ہے کہ: سوائے دو کشتیوں

کے اس کے ہاتھ کچھ بھی نہیں آسکا، جن میں سے ایک ٹوٹی ہوئی اور ایک کیچڑ میں بھنسی ہوئی تھی۔ ساری کشتیاں اور لشکر قلعے کے پاس سے بغیر کسی روک ٹوک کے گذر گیا۔

”دیگر مجموعہ آنہابی ممانعتی از طرف قلعہ عبور کردہ، از آن ورطہ تھلکہ و بیم گذشت، و این قسم منصوبہ فتحی، بہ کج بازی محمد صالح باطل گشت.“ (۴۷)

محمد صالح کی اس کوتاہی پر، جو کہ اس سے عمداً سرزد ہوئی یا حالات کا نتیجہ تھی۔ محمد کاظم نے اس سلسلے میں جو طویل عبارت لکھا ہے، اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ شاہی افسروں میں اس وقت، محمد صالح کے خلاف کس قدر اشتعال پیدا ہوا ہوگا۔ (۴۸) مؤلف نے لکھا ہے کہ: محمد صالح نے لالچ میں آکر شاہی لشکر سے یہ دھوکے بازی بازی کی۔

”آن بی بھرہ جوہر دانش و تھی دست سرمایہ سعادت را، افسون و سوسہ های طمع و امید فریفته و خیالات باطل مردم فریب پردہ بینش گشتہ، دیدہ ناعاقبت بین، از شرائط دولتخواہی و خدمت گذاری پوشید، و مدار کار بر سامحہ و تساہل نہادہ، از سطوت قہر مان عتاب نیندیشید، و درین وقت۔ کہ باندک حُسن سعی و جوہر ہمتی، مصدر خدمتی نمایان می توانست شد۔ سر رشتہ صلاح اندیشی و خیر سگالی از کف دادہ، بہ ادای حقوقِ عبودیت و نیکو خدمتی احراز قصب السبق ارادت و ہوا خواہی۔ کہ در گرو اتفاق این قسم اوقات و رہن انتہا ز این چنین فرصتہا میباشد۔ موافق نگشت۔ والا اگر بہ دلالتِ بخت و یاورِی، سعادت کمرِ ہمت بر میان دولت خواہی بستہ سر کتل راسیگرفت۔ چنانچہ صف شکن خان ازین طرف تہیہ اسباب ممانعت نمودہ بود، او نیز از آن طرف ابواب مدافعت بر روی مخالفان می کوشد، نہ دارا بی شکوہ باطل پڑوہ بالشکر ازان عقبہ صعب

می توانست گذشت و نہ کشتیهای آن غریق بحر ادبار را،
عبور از پای قلعه به آسانی میسر می گشت. و عتقرب زبده
نوینان اخلاص کیش شیخ میر، با جنود اقبال و عساکر دشمن
مال از پی رسیده، آن سر گشته تیه نکال را باتمامی اشیا و
اسوال به دست میاورد. و هم دران زودی ساحت ملک و
دولت از غبار فساد او پزایش می یافت.“ (۳۹)

صف شکن نے عالمگیر کی خدمت میں جب محمد صالح کے
خلاف یہ رپورٹ پیش کی، اس کا ماحصل محمد کاظم کے مندرجہ بالا
بیان کو سمجھ لینا چاہیے۔ شاہی کارکنوں کا خیال تھا کہ:
الف: محمد صالح کو دارا کی جانب سے لالچ ملا تھا، یہی وجہ تھی کہ
اس نے جان بوجھ کر یہ غلط پیغام بھیجا اور صف شکن خان کو
گمراہ کیا۔

ب: محمد صالح نے جان بوجھ کر شاہی لشکر کو گمراہی میں رکھ کر
قلعے کے پاس سے دارا شکوہ کو آگے نکل جانے کا موقع دیا۔
ج: اگر صف شکن خان کی صلاح پر عمل کرتا تو دارا شکوہ اور اس کا
بیڑا یقیناً گرفتار ہو جاتا۔ بکھر سے شیخ میر بھی پہنچ جاتا۔ نہ صرف
سارا سامان قبضے میں آ جاتا، بلکہ دارا بے شکوہ و باطل پڑوہ، کا
سارا فساد وہیں کا وہیں ختم ہو جاتا۔

محمد کاظم نے لکھا ہے کہ: محمد صالح سے قسمت نے ساتھ نہ
دیا، ورنہ ایسے مواقع کبھی کبھی ہاتھ آتے ہیں۔ وہ حسن خدمت
دکھا کر دربار سے سب کچھ حاصل کر لیتا۔

محمد صالح کے خلاف جو سازش سہون کی سر زمین میں کی
گئی تھی، عالمگیر کے درباری مؤرخ نے اس کو اتنا دوام بخشا کہ بعد کے
مؤرخین نے بھی اس کو ہو بہو نقل کرتے ہوئے ذرا بھی خدا ترسی کا
مظاہرہ نہیں کیا۔ مائرا لامراء کے مؤلف نے یہ حقیقت نقل کرتے ہوئے یہاں
تک لکھا ہے کہ محمد صالح کے گھر میں دارا شکوہ کے کرکے کی بیٹی
تھی۔ اس لیے اس نے یہ طریقہ اختیار کیا۔

راجا جے سنگھ: دارا شکوہ کی جنگوں، فرار اور گرفتاری کے سلسلے میں راجا جے سنگھ اور عالمگیر کے درمیان کی گئی خط و کتابت، جس کو اورنگزیب کی وفات کے بعد محمد صالح جعفری نے کتابی صورت میں مرتب کیا ہے۔ یہ بے حد مفید اور دلچسپ کتاب ہے۔ (۵۰) اس سلسلے میں چند اقتباسات یہاں پیش کیے جاتے ہیں۔

عالمگیر نے جے پور کے راجہ جے سنگھ کو ایک خط میں (جنوری ۱۶۵۹ء-۱۰۶۹ھ) جو دھپور کے راجا جسونت سنگھ کی غداری کی شکایت کرتے ہوئے لکھا ہے:

”بی شکوہ از تہ بہ جانب گجرات روانہ شدہ، انشاء اللہ تعالیٰ دستگیر خواہد شد۔“

راجا جے سنگھ نے ان کو (ربیع الاول) میں لکھا کہ:

”... آنچہ از روی خانہ زاد نوازی خبر واقعہ بکر مرقوم خامہ الہام نگاہ، گشتہ بود کہ: صف شکن خان پیش راہ بی شکوہ گرفتہ و سید میر و دلیر خان و دیگر بندہ ہا متعاقب در آمدہ اند، از آنجا کہ اقبال مخالف مال در کار کشای و ظفر آرای است، و بندہ های کہ بہ خدمت مذکور مامور اند، کار طلب در دست اعتقاد اند، یقین کہ دستگیر شدہ باشند...“

معلوم ہوتا ہے کہ عالمگیر نے اپنے امراء کو بکھر سے سہون بھیجنے کی اطلاع جے سنگھ کو دی، جس کے جواب میں جے سنگھ نے اسے یہ خط لکھا۔

راجا جے سنگھ ذاتی طور پر دارا کا سخت مخالف تھا۔ ایک دفعہ جے سنگھ رنگ برنگے کپڑے پہن کر دربار میں آیا۔ دارا نے مسکراتے ہوئے طنزیہ انداز میں اس کو کہا کہ آج میراثیوں کے رنگ میں نظر آتے ہو۔ راجا نے یہ مذاق معاف نہیں کیا اور ہمیشہ اس کی گھات میں رہا۔ دارا کو جسونت سنگھ نے اپنی مدد کا یقین دلایا تھا۔ جس کے بھروسے پر اُس نے سہون سے اپنی جان بچا کر سیدھا گجرات کا رخ کیا۔ اس کا خیال تھا کہ جسونت سنگھ کی امداد سے وہ عالمگیری لشکر سے دوسری جنگ

لڑ سکے گا۔

مذکورہ بالا مجموعے میں وہ خط اور اس کے جوابات ہیں، جو کہ عالمگیر نے راجا جے سنگھ جے پوری کی طرف، جسونت سنگھ کو راضی کرنے اور دارا کے بجائے شاہی لشکر کی مدد کرنے کے لیے لکھے تھے۔ راجا جے سنگھ نے بالآخر جسونت سنگھ کو دارا سے باغی کر دیا۔ چنانچہ جسونت سنگھ کے جے سنگھ کو ذریعے عالمگیر کے پاس حاضر ہو کر منصب اور جاگیر کو بحال کرایا اور واپس جودہ پور پہنچایا۔ دارا جو کہ جسونت سنگھ کے مشورے سے اجمیر پہنچا تھا۔ جب اس نے یہ حال سنا تو اس نے اپنے بیٹے سپہر شکوہ کو اس کے پاس روانہ کیا، لیکن شہزادہ ناامید ہو کر واپس لوٹا۔ (۵۱)

جسونت سنگھ کی بے وفائی نے دارا کو مجبور کیا کہ اپنے لشکر سے عالمگیری لشکر کا مقابلہ کرے، نتیجتاً دونوں لشکروں کے مابین اجمیر میں جنگ ہوئی۔ (۱۱ سے ۱۳ مارچ ۱۶۵۹ء) جس میں دارا کو شکست ہوئی۔ نہایت بے سرو سامانی کی حالت میں رن کچھ سے ہو کر بدین، ٹھٹھہ، سہون اور بکھر سے ہوتا ہوا سیوی پہنچا۔ جہاں ۲۹ رمضان ۱۰۶۹ھ کو اسے گرفتار کیا گیا۔

جے سنگھ اور عالمگیر کی مذکورہ خط و کتابت کے مزید اقتباسات یہ ہیں:

”آنچه از بی سعادتِ جسونت سنگ مرقوم خامۂ اقبال گشتہ،

کسی را کہ روز بد پیش آید، رای و روی او سیاه و تباہ می

شود، و مصدر این قسم کار و کردار میگردد۔“

جسونت سنگھ نے عالمگیر سے غداري نہیں کی، بلکہ حقیقت میں

اس نے دارا شکوہ کو دھوکا دیا۔ اس کا نتیجہ اجمیر والی شکست تھی۔

دارا شکوہ اس شکست کے بعد احمد آباد سے ہوتا ہوا، جب سندھ

کی طرف روانہ ہوا، اس وقت کی اطلاع جے سنگھ نے یوں دی ہے:

”می گویند کہ: از آن سمت تہ با معدودی گذشتہ رہگرای

دشت ادبار و ناکامی است، بندہ ہا در تعاقب او مرحلہ

پیمای جدوجہد اند۔ امیدوار است کہ بہ عنایت ایزدی گرفتار شود۔

و رسیدن خلیل اللہ خان بہ بکر و مسدود ساختن جیسلیمیر، از اعجاز تدبیر خاقان ملک ستان عالمگیر است۔ دو منصبدار سرکار شریفہ بہ اتفاق عمدہ خواقین رفیع مکان بہادر بیارند۔ آنچہ خان مذکور بنویسد معروض خواہد داشت۔“

دوسرے خط میں دارا شکوہ کے فرار ہوجانے اور سرکاری لشکر کی جفاکشی کا ذکر کرتے ہوئے جے سنگھ نے اس طرح ابتداء کی ہے:

”می رساند کہ: حقیقت آمدہ دیدن پیماجی زمیندار کچ و مشخص شدن آوارگی بی شکوہ بہ سمت سند و عزیمت بندهای درگاہ بہ تعاقب آن وخیم العاقبت از عرضداشت سابق بہ عرض معلی رسیده باشد۔“

رن کچھ میں جے سنگھ کے لشکر کا جو حال ہوا، اس کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔ مثلاً پانی کی قلت، سفر کی مشکلات و زحمتیں اور تباہیاں، جانوروں کی پیاس، اس کے لیے گھاس کی کمی وغیرہ۔ یہی لشکر احمد آباد سے آکر کچھ کے گاؤں چھل پہنچا۔ وہاں سے رن کچھ آٹھ یا نو کوس کے فاصلے پر تھا۔ کچھ کا رن عبور کر کے کنارے پر پہنچنے کے بعد ان کو پہلا گاؤں راہمان ملا، جس کے تالاب پر منزل انداز ہوئے راہمان میں ایک دن قیام کرنے کے بعد بدین پہنچے تو یہ حالت تھی کہ:

”اسپان و شتران... از تعب سفر دراز و محنت کم کاهنی و بی آبی و کم غلگی کشیدہ زبون شدہ بودند... اکثری ضایع شدند و در ہر منزل تلف می شدند... عسرت غلہ بہ مرتبہ بود کہ بعض منزل کمترین را رویہ سیری بہم رسید و پیشتری رامیسر نشد و در بعض منزل ہیچ را بہم نرسید۔ و از اشداد ہر قسم مصائب و متاعب احوال لشکری بہ جای رسیدہ کہ از جملہ چہار ہزار سوار این خانہ زاد۔ کہ حسب الحکم اشرف اقدس اعلیٰ ہمراہ آوردہ بود۔ شاید امروز ہزار کس سوار

اسپ بوندہ باشد۔ احوال دیگران از اینجا متصور می شود۔“
 دارا شکوہ کے متعلق راجا جے سنگھ نے اسی خط میں لکھا ہے کہ:
 ”خبر بی شکوہ از نوشتجات میر معین و قاضی داؤد، آنچه
 پیش ازین برظہور پیوست، این بود کہ: بی شکوہ از رن
 گذشتہ می خواست کہ بہ بدین بیاید، از مہر بودن قباد خان یا
 جمعیت ہزار کس از سوار و پیادہ فسخ (کرد) و ارادہ آمدن
 قصبہ مسطور نمودہ بہ سند ودا (کذا) منزل گزیدہ بہ جانب
 نصرپور و ہالہ کندی آوارہ شد۔ پسر قباد خان در تعاقب
 اوست این خانہ زاد ازین طرف لشکر ظفر اثر کنار دریا گرفتہ
 بہ تعاقب او می رود و از سمت بکر خلیل اللہ خان با فوج گران
 روبرو او می آید۔ فدوی بہ قباد خان نوشتہ کہ: آن دولتخواہان
 والا درگاہ، با جمعیت ہمراہ و زمینداران آن نواح۔ کہ بین
 سرحد تہ و سیوستان است۔ آن سوی آب گرفتہ، از مسالک
 و معابر خبردار شود۔ و بہ پسرش قلمی نمودہ کہ: بہ نیلوفری
 (کذا) رفتہ، سلطان بیگ ارغون را بر سر سائر راہ ہای
 جیسلمیر تعین نماید، کہ نتواند از ان راہ سری بدر کرد۔“
 اسی سلسلے میں محمد صالح ترخان کو بھی راجا جے سنگھ نے لکھا ہے
 کہ:

”وہ محمد صالح فوجدار سیوستان تاکید نوشتہ و بہ مصری
 افغان و فتح سنگ کچوہ کہ پیشتر روانہ نمودہ۔ بہ قدغن تمام
 قلمی ساختہ کہ: در قطع منازل جہد بلیغ کنند۔“
 اسی کے ساتھ قباد خان، اس کا بیٹا اور خلیل اللہ خان کے نوشتے
 بھی عالمگیر کو روانہ کیے گئے۔

”نوشتہ جات قباد خان و پسرش و نقل نوشتہ خلیل اللہ خان کہ
 قباد خان فرستادہ، خود بہ جنس ارسال داشت۔ بہ عرض مقدس
 معلیٰ خواہد رسید۔“

یہ عریضہ نصرپور کی منزل پر ۱۷ رمضان کو عالمگیر کو روانہ کیا

گیا۔ اس کے بعد بھیجے گئے عریضے میں جے سنگھ نے مندرجہ بالا خط کا حوالہ دیتے ہوئے سندھ سے دارا شکوہ کے چلے جانے اور قندھار کی طرف جانے کی اطلاع اس طرح دی ہے:

”قبل ازین، منزل نصرپور عرضداشت نموده بود به عرض اقدس رسیده۔

بعد ازان چون بنده های درگاه وقف تعاقب آن مخذول العاقبت بودند، راضی به توقف یکشنبہ ۲۶ رمضان به حالہ کندی رسیدند، و از آنجا کوچ به کوچ عازم کوہ زمجرى (کذا) کہ به سرحد سیوستان و بکر واقع است، گردیدند۔ آخر شہر مذکور، لشکر منصور این سوی آب سیوستان رسیده بود، کہ حقیقت رفتن آن آوراه صحرای ادبار به قندھار، و گذشتن از آب سند به استصواب سمیجہ های سیوستان، و عزیمت پیشتر بدرقہ و امداد الکھار و خاندیہ و یکسان (کذا) به ظہور پیوست۔ پادشاہ خواقین جہان سلامت، در وقت تعین این خانہ زاد به خدمت لازم الانقیاد حکم جہان متاع شرف ایراد یافتہ تا بی شکوہ دستگیر نشود یا اسیر سر پنجہ تقدیر۔ کہ عبارت از محروم گشتن اوست۔ نگرده، تا از قلمرو خلافت ابد پیوند بر تابد، دست از و باز ندارد۔ (۵۲)

اس سلسلے میں ایک نامعلوم عملدار کا عریضہ بھی خطوط کے اس مجموعے میں موجود ہے۔ جس میں عالمگیر کو دارا شکوہ کی گرفتاری کی حقیقت بیان کی گئی ہے:

”می ساند کہ: در تهنیت و مبارکباد اولیای دولت ابد پیوند، عرضداشتی مشتمل بر گرفتار شدن، بی شکوہ به طریق اجمال ارسال داشته، بعد ازان مفصل اینست کہ: او چون از سروہی قاضی عنایت اللہ را نوشتجات عمدة الملك بہادر خان به سمت زمیندار بکر و حدود آن فرستادہ بود کہ: در امیر ساختن او جہد بلیغ نمایند، پس از رسیدن بنده های ازین طرف، بنده

[۹] نوشتہ قاضی مذکور مشعر برین معنی رسید کہ: جیون زمیندار دھادھر اورا باپسرش دستگیر نمود: بہ مجرد استماع این، فدویان والا درگاہ، بلا توقف و اہمال بہیر و بنگاہ را عقب گذاشتہ بہ طریق یلغر شتافتہ و از معبر نزدیک بکر از آب سند گذشتہ آتش بیگ قلماق و محمود قدیمی را روانہ پیش گردانیدہ، خودہا از عقب روان گشتہ، عازم مطلب بودند۔ و از دوازدم شجر شوال آتش بیگ و محمود قدیمی بی شکوہ و پسر اورا گرفتہ معاودت نمودند۔ و تاریخ ہفدہم شہر مذکور از آب سند عبور نمودہ، این سوی آب در سواد قصبہ لوہری دھرہ (کذا) گردند۔ بہ جہت بعض مراکب سواری محل و بار بردار توقف ضرور بود، و نوشتہ بی شکوہ نیز مصحوب مقبول خواجہ سرا و سید خاندیہ دلی وال بہ حضور آن قلعہ فرستادہ مترصد آنست کہ قلعہ را امروز فردا بہ بندہ ہا بہ درگاہ تفویض نمایند۔“

تاریخی جدول: دارا شکوہ کی مذکورہ جدوجہد، شکست اور زوال کے سلسلے میں یہاں ایک تاریخی جدول دیا جا رہا ہے، جس سے تاریخوں کے تعین سمیت ساری صورت حال معلوم ہوجائے گی۔

۲۹ مئی ۱۶۵۸ء: ساموگڑہ کے قریب دارا شکوہ کو شکست ہوئی۔ (۷ رمضان ۱۰۶۸ھ)

– رات کے ۹ بجے دارا اگرہ پہنچا، اس کے دس ہزار سپاہی جنگ میں قتل ہوئے اور ۹ راجپوت ۱۹ مسلمان جرنیل کام آئے۔ بوندی کا رائے چترا جو ۵۲ لڑائیاں لڑ چکا تھا، اپنے چھوٹے بھائی بھارت سنگھ اور بھائی مقیم سنگھ کے ساتھ اور تین بھتیجوں کے ساتھ خود بھی راہ اجل کا راہی ہوا۔ رستم خان فیروز جنگ، محمد صالح دیوان، علی مراد خان کے دو بیٹے دلیر خان روہیلے کا بھائی اور سادات بارہہ کے ۵ افراد بھی اس جنگ میں

کام آئے۔

- رات ۳ بجے دارا شکوہ اپنے عیال اور خاص آدمیوں سمیت آگرہ سے نکل کر دہلی کی طرف روانہ ہوا۔ اس کی عدم موجودگی میں اس کے محل کا سامان شہر کے لوگ لوٹ کر لے گئے۔

- دہلی جاتے ہوئے دو دن کے اندر دارا کے لشکر میں ۵ ہزار آدمی جمع ہو گئے۔

یکم جون ۱۶۵۸ء: ساموگڑھ سے فتح حاصل کر کے عالمگیر آگرہ پہنچ کر نور منزل میں منزل انداز ہوا۔ دس دن اسی مقام پر مقیم رہا۔ شہر کے بڑے بڑے لوگ، شاہی دربار کے اسراء اور فوج کے اہم ارکان، شاہی حلقے سے نکل کر اس کے ساتھ شمولیت اختیار کرتے گئے۔

- شاہجہاں نے حالات کا جائزہ لے کر عالمگیر کے لیے قرب کا پیغام بھیجوا یا اور اس کو اپنے پاس حاضر ہونے کا پیغام بھیجا۔ لیکن عالمگیر نے ٹال دیا۔ شاہجہاں نے دوسری دفعہ فاضل خان کو بھیجوا یا (۵ جون) لیکن عالمگیر نے ایک دفعہ پھر ٹال مٹول سے کام لیا۔

۵ جون ۱۶۵۸ء: رات کو عالمگیر نے شاہی قلعے کا محاصرہ کروایا۔ دارا شکوہ دہلی پہنچ کر بابر کے قلعہ میں اقامت پذیر ہو کر دہلی کے خزانے پر قابض ہوا۔

۸ جون ۱۶۵۸ء: آگرہ کے قلعے پر قبضہ کیا (جمعہ ۱۱ رمضان ۱۰۶۸ھ) عالمگیر کے بیٹے محمد سلطان نے اپنے دادا کو (۲۱ رمضان ۱۰۶۸ھ) نظر بند کر دیا۔ کسی نے یہ تاریخ کہی ہے:- واعتبروا یا اولی الابصار۔ ۱۰۶۸ھ۔

۱۲ جون ۱۶۵۸ء: دارا دہلی چھوڑ کر، دس ہزار کی فوج سمیت پنجاب کی طرف روانہ ہوا۔

۱۳ جون ۱۶۵۸ء: عالمگیر آگرہ سے نکل کر دہلی کی طرف روانہ ہوا۔

(۲۲ رمضان ۱۰۶۸ھ)

۳ جولائی ۱۶۵۸ء: دارا لاهور پہنچا (جہاں تقریباً ساڑھے تین مہینے تک رہا) لاهور کا صوبے دار سید غیرت خان تھا۔ جو بعد میں ٹھٹھہ کا گورنر بنا اور ٹھٹھہ میں ہی وفات پائی اور وہیں دفن ہوا۔ دارا کے پاس لاهور کی منزل پر ۲۵ ہزار فوج جمع ہوئی۔

۵ جولائی ۱۶۵۸ء: عالمگیر دہلی پہنچا۔

۲۱ جولائی ۱۶۵۸ء: دہلی کے باہر شالیمار باغ میں عالمگیر نے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا اور رسم تخت نشینی ادا کی اور ابوالمظفر محی الدین محمد اور نگریب عالمگیر کا لقب اختیار کیا۔ (یکم ذی القعدہ ۱۰۶۸ھ)

۲۶ جولائی ۱۶۵۸ء: عالمگیر نے دہلی سے لاهور کی جانب کوچ کیا۔
۱۴ اگست ۱۶۵۸ء: عالمگیر نے روپڑ کے قریب ستلج کے کنارے پہنچ کر منزل کی۔

۱۸ اگست ۱۶۵۸ء: دارا نے لاهور چھوڑ کر ملتان کی جانب کوچ کیا۔
۲۱ اگست ۱۶۵۸ء: عالمگیر نے اس منزل پر آٹھ دن تک قیام کیا، تاکہ اُس کا لشکر ستلج پار کرے۔

۲۵ اگست ۱۶۵۸ء: عالمگیر نے راستے ہی سے طاہر خان کو لاهور روانہ کیا، تاکہ وہ پہلے پہنچ کر دارا کے چھوڑے ہوئے مال اور آدمیوں پر قبضہ کر لے۔

۲۹ اگست ۱۶۵۸ء: طاہر خان کے بعد خلیل اللہ خان بھی لاهور پہنچا، لیکن اس نے فوراً دارا کے تعاقب میں ملتان کا رخ کیا۔
۴ ستمبر ۱۶۵۸ء: عالمگیر نے تین ہفتوں تک ستلج کے کنارے قیام کیا، تاکہ اس کا تمام لشکر دریا کو پار کر لے۔ (۱۴ اگست تا ۴ ستمبر)

۵ ستمبر ۱۶۵۸ء: دارا ملتان پہنچا، اس نے خزانہ اور دوسرا سامان فیروز سیواتی اور بسنت ملازم کے ذریعہ کشتیوں میں ڈال کر

بکھر روانہ کیا۔

۱۱ ستمبر ۱۶۵۸ء: عالمگیر نے دریائے بیاس پار کیا۔

۱۲ ستمبر ۱۶۵۸ء: عالمگیر ہیبت پور پہنچا۔

۱۳ ستمبر ۱۶۵۸ء: دارا خشکی کے راستے ملتان چھوڑ کر براہ اُج بکھر روانہ ہوا۔

۱۴ ستمبر ۱۶۵۸ء: عالمگیر مومن پور پہنچا۔ اس کو خلیل اللہ خان کا یہ پیغام ملا کہ وہ سیدھے ملتان آئیں۔ ممکن ہے کہ دارا ملتان میں مقابلہ کرے۔ عالمگیر نے سامان اور غیر ضروری آدمیوں کو اپنے بیٹے اعظم خان سمیت لاہور بھجوادیا اور خود شیر گڑھ اور قصور کے راستے ملتان روانہ ہوا۔ ۱۷ تاریخ کو مومن پور پہنچ کر دارا کے بکھر جانے کی اطلاع ملی۔ چنانچہ اسی دن وہ چھ ہزار سپاہیوں کے لشکر کے ساتھ صف شکن خان کو اس کے تعاقب میں روانہ کیا۔

۲۱ ستمبر ۱۶۵۸ء: خلیل اللہ خان خود ملتان پہنچا۔ یعنی دارا کے روانہ ہونے کے آٹھ دن بعد۔

۲۳ ستمبر ۱۶۵۸ء: دارا، اُج پہنچا۔

۲۵ ستمبر ۱۶۵۸ء: عالمگیر ملتان پہنچا۔

۲۶ ستمبر ۱۶۵۸ء: ملتان سے عالمگیر نے شیخ میر اور دلبر خان کو نو ہزار فوج سمیت دارا کے تعاقب میں روانہ کیا۔

۳۰ ستمبر ۱۶۵۸ء: عالمگیر خود بھی ملتان سے دہلی چلا گیا۔ صف شکن خان اُج پہنچا، دارا وہاں سے چار دن قبل نکل چکا تھا۔

۲ اکتوبر ۱۶۵۸ء: صف شکن خان کے پاس اسی ہزار سونے کی مہریں اور راج مزدور پہنچے۔

۱۳ اکتوبر ۱۶۵۸ء: دارا دریائے سندھ کے داہنے کنارے کے راستے بکھر پہنچا۔

۱۷ اکتوبر ۱۶۵۸ء: صف شکن خان بکھر سے ۱۲۶ میل کے فاصلے پر مقیم

تھا۔ جہاں اس کے پاس شیخ میر اپنے لشکر کے ساتھ پہنچا۔

— شیخ میر دریا کے دائیں کنارے سے بکھر روانہ ہوا اور صف شکن بائیں کنارے سے روانہ ہوا۔ علی الترتیب دونوں کناروں سے بکھر تک ۲۰۰ اور ۱۲۶ میل کا فاصلہ تھا۔

۱۸ اکتوبر ۱۶۵۸ء: دارا بکھر کو چھوڑ کر زیریں سندھ کی جانب روانہ ہوا۔

۲۱ اکتوبر ۱۶۵۸ء: صف شکن بکھر پہنچا (۳ صفر ۱۰۶۹ھ) معلوم ہوا کہ دارا حرم سرا کے آدمی، خزانہ، کچھ توپیں، بارود اور دوسرا بہت سا سامان اپنے ملازم اور سید عبدالرزاق کی تحویل میں دے کر آگے کی جانب نکل گیا ہے۔ اور وہ امراء قلعہ بند ہو کر بکھر میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ یورپی ملازم اور فرنگی توپچی اور اس کا یورپی مصاحب منوجی بھی بکھر کے قلعہ میں موجود ہے۔ دارا لاہور سے ۱۴ ہزار کا لشکر لے کر نکلا تھا۔ راستے میں اس سے جدا ہوتے ہوئے باقی تین ہزار لوگ بچے تھے، بکھر سے ۵۰ میل دور پہنچ کر، اس نے قندھار کی طرف جانے کا ارادہ کیا۔ لیکن اس کی بیوی اور دوسرے لوگوں نے انکار کیا۔ جس کی وجہ سے مجبور ہو کر سہون کی جانب روانہ ہوا۔

۲۲ اکتوبر ۱۶۵۸ء: صف شکن خان روہڑی پر قابض ہوا اور بکھر کے قلعے کا محاصرہ کرنے کے لیے آدمی مقرر کیے۔ (۴ صفر ۱۰۶۹ھ)

۲۳ اکتوبر ۱۶۵۸ء: صف شکن خود دارا کے تعاقب میں روانہ ہوا۔ (۵ صفر ۱۰۵۹ھ)

۳۰ اکتوبر ۱۶۵۸ء: محمد صالح ترخان کا خط صف شکن کو ملا، جس

میں اسے اطلاع دی گئی تھی کہ سہون سے دس میل کے فاصلے پر دارا موجود ہے۔ وہ خود فوراً وہاں پہنچ کر اُس کی کشتیوں پر قبضہ کر لے۔

- صف شکن خان پہنچا (۱۲ صفر ۱۰۶۹ء) لیکن دارا دھوکہ دے کر سہون سے سلامتی کے ساتھ آگے نکل گیا۔

- صف شکن خان نے محمد صالح ترخان کو لکھا کہ دارا کو سہون کے پاس روکو، لیکن اس نے مقابلہ کرنے سے معذوری ظاہر کی۔

- محمد صالح ترخان پر اس کوتاہی کا الزام عائد ہوا اور آخر وہ معزول ہو گیا۔

۱ نومبر ۱۶۵۸ء: صف شکن خان نے جو جگہ مقرر کی تھی۔ اس مقام پر سہون کے قریب پہنچا (۱۲ صفر ۱۰۶۹ء) تاکہ وہ دارا کو گرفتار کرے اور اس کی کشتیوں کو روک سکے۔

۲ نومبر ۱۶۵۸ء: ۹ بجے صبح کے وقت معلوم ہوا کہ دارا اور اس کی کشتیاں سلامتی کے ساتھ نکل گئی ہیں۔ صف شکن کے توپچی صرف دو کشتیوں کو نقصان پہنچا سکے۔

۳ نومبر ۱۶۵۸ء: صف شکن اس منزل سے روانہ ہو کر بائیں کنارے والی راہ لے کر دارا کے تعاقب کے لیے روانہ ہوا۔ ایک دو دن تک انتظار کرتا رہا تاکہ شیخ میر بھی پہنچ سکے۔

۶ نومبر ۱۶۵۸ء: شیخ میر صف شکن خان کے آمنے سامنے آ پہنچا، دو دن دریا کو پار کرنے میں لگ گئے اور دونوں لشکر ایک دوسرے سے مل گئے۔

۱۳ نومبر ۱۶۵۸ء: دارا شکوہ یہ تکالیف برداشت کرتا ہوا ٹھٹھ پہنچا۔

۱۴ نومبر ۱۶۵۸ء: صف شکن ان کے تعاقب میں ٹھٹھ کی جانب روانہ ہوا۔

۱۷ نومبر ۱۶۵۸ء: صف شکن کو خبر ملی کہ ٹھٹھ کے قریب دارا نے بائیں

کنارے سے دریا کو پار کر لیا ہے۔

— دارا ایک دفعہ قبل بھی اپنے والد کے دور میں باپ سے ناراض ہو کر ٹھٹھ آیا تھا۔ بقول صاحب مقالات الشعراء: لیکن ٹھٹھ اس کو پسند نہ آیا۔ ایک دروازے سے داخل ہوا اور دوسرے دروازے سے نکل گیا۔ قاضی ابراہیم ٹھٹھوی ان کا مصاحب تھا۔ اس کو حکم دیا کہ: ٹھٹھ کو جلادو! حکم کی بجا آوری کی خاطر گھاٹ کے اطراف کی چند جھونپڑیوں کو آگ لگادی گئی۔ چنانچہ میر علی شیر قانع کے دور تک اس آگ کے نشانات موجود تھے اور عرف عام میں اس کو ”سوختہ گھاٹ“ یعنی جلا ہوا پتن کہا جاتا تھا۔

— قاضی ابراہیم ٹھٹھ کا امین الملك تھا۔ اس نے مخزن الاسرار کی شرح لکھی اور شیخ عبدالقادر گیلانی کی ایک تصنیف کا فارسی میں ترجمہ کر کے وہ دارا کے نام معنون کی۔ یہ نسخہ راقم کے کتب خانے میں موجود ہے۔ اور یہ معروف کتاب ہے۔

۱۸ نومبر ۱۶۵۸ء: صف شکن ۲۸ میل طے کر کے ٹھٹھ سے دو میل کے فاصلے پر آ پہنچا۔ لیکن دارا ٹھٹھ چھوڑ چکا تھا۔

۱۹ نومبر ۱۶۵۸ء: صف شکن نے ٹھٹھ پہنچ کر دارا کے جھوٹے ہوئے سامان پر قبضہ کر لیا۔ شیخ میر بھی ان کے ہاں پہنچ گیا۔

۲۰ نومبر ۱۶۵۸ء: صف شکن ٹھٹھ سے آگے روانہ ہوا، چھ میل کے سفر کے بعد دریا پار کرنے کے لیے منزل انداز ہوا۔

۲۳ نومبر ۱۶۵۸ء: صف شکن نے دریا پار کیا، دارا کو اس کا علم نہیں ہو سکا۔

۲۳ نومبر ۱۶۵۸ء: دارا بدین پہنچا، جہاں سے گجرات جانے کے لیے رن کچھ کی راہ لی۔

۲۷ نومبر ۱۶۵۸ء: دارا ن کچھ پار کر کے آگے روانہ ہوا۔

۸ دسمبر ۱۶۵۸ء: عالمگیر کی جانب سے صف شکن خان کو حکم ملا

کہ: شجاع کی بغاوت ختم کرنے کے لیے سندھ والا

لشکر ہندوستان واپس بھیج دے۔ چنانچہ ناکام تھکا،

ہارا اور مایوس لشکر فی الحال بے نیل و مرام واپس ہوا۔

۳ جنوری ۱۶۵۹ء: شجاع کے خلاف عالمگیر نے کجواہی میں لشکر

کشی کی۔

۹ جنوری ۱۶۵۹ء: کچھ اور کاٹھیاواڑ سے ہوتا ہوا دارا، شاہنواز خان

(عالمگیر کے سسر) کی دعوت پر قلعے میں داخل ہوا۔

آخر جنوری ۱۶۵۹ء: شہزادہ مراد اور اس کے بیٹے کو عالمگیر نے قید

کر کے گوالیار کے قلعے میں بھجوادیا، جہاں سے بعد

میں ۳ دسمبر ۱۶۶۱ء (۲۱ چہار شنبہ ربیع الثانی

۱۰۷۰ھ) کو اسے علی نقی کے قتل کے الزام میں بے

بنیاد گناہ کی پاداش میں قاضی سے فتویٰ لے کر قصاص

میں شہید کر دیا گیا۔

۱۳ فروری ۱۶۵۹ء: دارا ایک مہینے سات دن تک احمد آباد کے قلعے میں

مقیم رہا۔ شاہنواز خان نے شہزادہ مراد کا رکھا ہوا،

دس لاکھ روپیہ نکال کر اسے دے دیا۔ دارا نے یہ روپیہ

تقسیم کر کے تین ہزار کے بجائے بائیس ہزار کا لشکر

تیار کیا۔ (عالمگیر نامہ ۲۹۶-۲۹۹) خافی خان

ج ۶۲-۶۳)

۱۴ فروری ۱۶۵۹ء: احمد آباد کو چھوڑ کر دارا اجمیر کی جانب روانہ

ہوا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ یہ راستہ اختیار کر کے آگرہ

پہنچے گا اور اپنے والد کو عالمگیر کی قید سے آزاد

کرائے گا۔

راستے میں اسے اطلاع ملی کہ شجاع نے عالمگیر کو

شکست دی ہے۔ تو اسے بہت خوشی ہوئی، لیکن تین

منازل عبور کرنے کے بعد اسے اصل حقیقت کا علم ہوا کہ، در حقیقت عالمگیر کے ہاتھوں شجاع کو شکست ہوئی ہے۔

- راجپوتانہ کی جانب، دارا، جودھپور کے راجا جسونت سنگھ کے بھروسے اور آسمرے پر جارہا تھا۔
- عالمگیر نے جے سنگھ کی معرفت جسونت سنگھ کو راضی کر لیا۔

- دارا نے یہ خبر سن کی پہلے اپنے ملازم دی چند کو اس کے پاس بھیجا۔ دوسری مرتبہ بھی دی چند اس کے پاس گیا۔ آخر تیسری بار اپنے بیٹے سپہر شکوہ کو اس کے ہاں بھیجوا یا۔

- دارا جب اجمیر پہنچا تو سپہر شکوہ آخری دفعہ جسونت سنگھ سے مایوس ہو کر واپس لوٹ آیا۔
- دارا مجبور اور ماس ہو گیا۔

- عالمگیر لشکر لے کر اجمیر کے قریب آ پہنچا۔ دارا کے لیے دوسرا چارہ نہ تھا، سوائے اس کے کہ اجمیر میں قیام پذیر ہو کر لڑائی کا انتظار کرے۔

۱۱ مارچ ۱۶۵۹ء: عالمگیر اجمیر کے قریب دیورائے Deorai سے ایک میل کے فاصلہ پر پہنچ کر منزل انداز ہوا۔

- اجمیر سے چار میل کے فاصلے پر دیورائے کے اطراف میں لڑائی کا میدان تیار ہوا۔ عالمگیر کی منزل سے دو میل کے فاصلے پر اجمیر کی جانب دارا کا لشکر تھا۔

۱۲ مارچ ۱۶۵۹ء: دونوں بھائیوں میں فیصلہ کن جنگ شروع ہوئی۔

۱۳ مارچ ۱۶۵۹ء: جنگ جاری رہی۔

۱۴ مارچ ۱۶۵۹ء: (۲۹ جمادی الثانی ۱۰۶۹ھ) دارا کو شکست ہوئی (۵۳) اور اُس کا تمام لشکر تباہ ہو گیا، عالمگیر کا جرنیل شیخ میر قتل ہوا، دارا کا مددگار اور عالمگیر کا

سسر شاہنواز خان بھی قتل ہوا، دونوں جرنیل خواجہ
اجمیر کی درگاہ میں دفن ہوئے۔

— دارا نہایت بے سرو سامانی کے عالم میں دس بارہ
لوگوں اور چند عورتوں سمیت سخت پریشانی اور
بدحالی کے عالم میں میدان چھوڑ کر سندھ کی طرف
چلا گیا، اس کو اپنے مستقبل اور انجام کی کوئی خبر نہ
تھی۔ اس کو تو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ وہ سندھ کیوں
جارہا ہے؟ سپہر شکوہ اور فیروز سیواتی اس کے ساتھ
تھے۔ آگے چل کر برنیران کے ساتھ ہو گیا۔

۱۵ مارچ ۱۶۵۹ء: جے سنگھ اور بہادر خان دونوں اپنے لشکروں سمیت دارا
کے تعاقب میں روانہ ہوئے۔

۲۰ مارچ ۱۶۵۹ء: جے سنگھ مئرتا Mairta پہنچا۔

۲۹ مارچ ۱۶۵۹ء: دارا ۲۹ میل کے فاصلے پر احمد آباد کے قریب پہنچا
تھا، ان کا خیال تھا کہ وہ احمد آباد کے قلعے میں پناہ لے
لے، لیکن وہاں بھی اسے کسی نے پناہ نہ دی، سارے
راجپوتانہ میں کہیں بھی اسے امان حاصل نہ ہوسکی،
جہاں رخ کرتا، وہیں خطرہ اور گرفتاری کی تیاریاں
ہونے لگتیں۔ احمد آباد کا قلعہ دار سید احمد بخاری جو
دارا کا حامی تھا وہ گرفتار ہو گیا تھا۔

۳۱ مارچ ۱۶۵۹ء: جے سنگھ کے ساتھ جسونت سنگھ بھی آکر شامل
ہوا۔ دونوں ہاتھ مل کر دارا شکوہ کے تعاقب میں روانہ
ہوئے۔

۵ اپریل ۱۶۵۹ء: جے سنگھ سدھپور پہنچا۔

۱۱ اپریل ۱۶۵۹ء: جے سنگھ احمد آباد پہنچا، ایک دن رہنے کے بعد آگے
روانہ ہوا۔ دارا تقریباً ۱۲ دن قبل احمد آباد کی حدود کو
چھوڑ چکا تھا۔

شروع مئی ۱۶۵۹ء: دارا رن کو عبور کر کے بدین کے پاس پہنچ گیا، جہاں

اسے خبر ہوئی کہ قباد خان نے ایک ہزار سپاہ کے ساتھ اس کا راستہ روکا ہوا ہے، دارا یہاں سے سیدھا درمیانی راستے سے سہون پہنچا، سہون سے اس کا ارادہ قندھار جانے کا تھا۔

— لاہور کا گورنر خلیل اللہ خان دارا کو گرفتار کرنے کے لیے لشکر سمیت بکھر کے پاس موجود تھا۔ جے سنگھ اس کا تعاقب کرتا رہا، اب دارا کے لیے تمام راستے مسدود ہو گئے۔

— اس نازک موقع پر فیروز میواتی جو کہ اس وقت تک اس کے ساتھ تھا، وہ بھی الگ ہو گیا۔

۳ مئی ۱۶۵۹ء: جے سنگھ ہلود سے چھے میل کے فاصلے پر پہنچا ہی تھا کہ اسے دارا کے رن پار کر جانے کی اطلاع ملی۔

۱۳ مئی ۱۶۵۹ء: جے سنگھ بھج میں پہنچا، جہاں اسے بدین سے قباد خان کی ارسال کردہ اطلاع ملی کہ دارا بدین سے سہون کی طرف روانہ ہو گیا ہے۔

— رن ستر میل دور تھا، جے سنگھ نے رن کو پار کرنا شروع کیا، اس کا بہت سا لشکر تباہ ہو گیا، جس کا ذکر اس کے خطوط سے عیاں ہوتا ہے۔

۱۸ مئی ۱۶۵۹ء: جے سنگھ رحمکی بازار پہنچا۔

۲۹ مئی ۱۶۵۹ء: جے سنگھ نصرپور پہنچا۔

۶ جون ۱۶۵۹ء: دارا سیوی ڈھاڈھر پہنچا، اس کی بیوی نادرہ بیگم کا انتقال ہوا۔

۷ جون ۱۶۵۹ء: جے سنگھ ہالا پہنچا۔

۸ جون ۱۶۵۹ء: دارا نے اپنی بیوی نادرہ بیگم کی میت خواجہ مقبول کے ذریعے سیوی سے میان میر سندھی کے قبرستان میں دفن کرنے کے لیے لاہور روانہ کی۔

۹ جون ۱۶۵۹ء: ملک جیون کا گھر چھوڑ کر دارا جس وقت درہ بولان

کی طرف روانہ ہوا، اس وقت ملك جیون نے دارا کو گرفتار کروایا۔ (۲۹ رمضان ۱۰۶۹ھ)

۱۵ جون ۱۶۵۹ء: گرفتاری کی خبر جیسے سنگھ اور بہادر خان کو ملی تو وہ بکھر کے پاس اپنا سامان اور لشکر چھوڑ کر دونوں جرنیل بڑی تیزی کے ساتھ سیوی کی طرف روانہ ہوئے۔

۲۳ جون ۱۶۵۹ء: ملك جیون نے دارا کو بہادر خان کے سپرد کیا اور خود بھی بہادر خان کے ساتھ دہلی روانہ ہوا۔

— بہادر خان نے دارا سے بسنت قلعہ دار کے لیے زبردستی خط لکھایا تاکہ وہ بکھر کا قلعہ سرکاری آدمیوں کے سپرد کر دے۔

۲۸ جون ۱۶۵۹ء: دارا قیدی کی حیثیت میں بکھر کے مشرق میں دریا عبور کر کے آگے روانہ ہوا۔

۲ جولائی ۱۶۵۹ء: عالمگیر کو ملك جیون کا خط ملا، جس میں دارا کی گرفتاری کی اطلاع تھی۔ لیکن عالمگیر خاموش رہا، کسی کو یہ بات نہیں بتائی۔ محتاط تھے، انھیں کسی پر بھروسہ نہ تھا، اس کو دراصل یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ کہیں یہ کوئی دھوکا نہ ہو۔

۱۵ جولائی ۱۶۵۹ء: عالمگیر کو جب بہادر خان کا خط ملا، تو عالمگیر کو تسلی ہوئی، پھر اس نے سرکاری طور پر دارا کی گرفتاری کا اعلان کیا، دہلی کے عوام سخت مایوس ہو گئے، ان کو بے حد دکھ اور غم ہوا۔

۲۳ اگست ۱۶۵۹ء: دارا شکوہ ایک قیدی کی حیثیت میں نہایت خستہ حالی میں دہلی پہنچا۔

۲۹ اگست ۱۶۵۹ء: دارا کی پگڑی اتار کر ہاتھ پیٹھ سے باندھ کر ہاتھی پر بٹھا کر دہلی کے شہر میں گشت کروا کے رسوا کیا۔

- یہ جلوس لاہوری دروازے سے شہر میں داخل ہوا اور چاندنی چوک سے ہوتا ہوا، قلعہ کے برابر سے گذرتا ہوا، خضر آباد پہنچا، جہاں خواص پور محل میں اسے اتار کر قید میں رکھا گیا۔

- اسی شام کو عالمگیر نے دربار لگایا اور حکم دیا کہ دارا کو فوراً قتل کر دیا جائے، دانش مند خان نے جان بخشی کے لیے عرض کی، لیکن دوسرے سب امراء (شائستہ خان، محمد امین خان، بہادر خان (۵۴) حکیم داؤد) نے بادشاہ کی رائے کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کے قتل پر اصرار کیا، روشن آرا بیگم نے بھی ان سب کی تائید کی کہ دارا شکوہ کو ضرور قتل کیا جائے۔

- دارا نے جان بخشی کے لیے درخواست کی، جسے نا منظور کیا گیا۔

- مذکورہ جلوس دیکھ کر لوگوں کو سخت غصہ آیا، شہر میں آہ و زاری ہونے لگی اور تمام دارالسلطنت میں ایک محشر بپا ہو گیا۔

۳۰ اگست ۱۶۵۹ء: ملک جیون کو اس غداری کے عوض عالمگیر کے دربار سے ایک ہزار منصب اور بختیار خان کا لقب ملا، لوگوں کو غصہ تھا۔ پچھلے دنوں تو وہ دارا کے ساتھ ہاتھی پر سوار تھا۔ سخت فوجی پہرہ تھا، اس لیے لوگ کچھ بھی نہیں کر سکے۔

- آج ملک جیون درباری لباس پہن کر اپنے افغان سواروں سمیت دربار میں جانے کے لیے بازار سے گذرا تو لوگوں کے مجمع نے اس کا گھیراؤ کیا، اس پر تھوکا اور چھتوں پر سے عورتوں اور بچوں نے اس پر تھوکا۔ اینٹیں، جوتے، پتھر اور لاتیں ماریں اور خوب گالیاں دیں۔ الغرض کتنے ہی افغان مرگئے ملک جیون زخمی ہو کر گر گیا۔

پورے شہر میں فساد کی آگ بھڑک اٹھی۔

- سرکاری فوج پہنچ گئی اور ملک جیون کو بڑی

مُشکل کے ساتھ اٹھا کر محفوظ مقام پر پہنچایا گیا۔

- شام کو عالمگیر نے حکم دے دیا کہ فوراً دارا کو قتل

کر دیا جائے، ممکن ہے کہ لوگ اس کو قید خانے سے

آزاد کرالیں۔

- رات کو سیف خان کی زیر نگرانی نذر بیگ بندی

خانے میں داخل ہوا۔

- سپہر شکوہ باپ کے ساتھ سویا ہوا تھا۔ ان کو

زبردستی جدا کر کے دوسرے کمرے میں پہنچایا گیا اور

دارا کا سر دھڑ سے جدا کر کے عالمگیر کی خواہش

پوری کی گئی۔ (۲۱ ذی الحج ۱۰۶۹ھ)

- دارا کا سر عالمگیر کے سامنے پیش کیا گیا۔

۳۱ اگست ۱۶۵۹ء: دارا کی لاش ہاتھی پر رکھ کر شہر میں گھمائی

گئی، اور ہمایوں کے مقبرے میں اس کے کفن دفن کا

انتظام کیا گیا، نماز جنازہ بھی ادا نہیں کی گئی۔

محمد صالح کی معزولی ۱۰۶۹ھ: بہر حال محمد صالح کا قصور اتنا ہی

تھا، ابھی دارا شکوہ کا قصہ چل ہی رہا تھا، محمد صالح کو معزول کر کے

(۵۵) رعایت خان کو اس کی جگہ سہون بھیجا گیا۔ محمد کاظم نے لکھا

ہے:

”رعایت خان بہ فوجداری سیوستان، از تغیر محمد صالح

ترخان، تعین یافتہ مشمول مراحم خسروانہ گشتہ۔“ (۵۶)

یہ حکم رجب (۱۰۶۹ھ) میں جاری ہوا، جب دارا اجمیر کے پاس

شکست کھا کر (۲۹ جمادی الثانی ۱۰۶۹ھ) سندھ پہنچ چکا تھا، یا

پہنچنے والا تھا۔

رعایت خان ۶۹-۱۰۷۳ھ: عالمگیر نامہ کے مؤلف نے رعایت خان کے

منصب وغیرہ کے سلسلے میں لکھا ہے:

”منصب رعایت خان کہ بہ فوجداری سیوستان از تغیر محمد صالح ترخان منصوب شدہ بود۔ بہ اضافہ ہفتصد سوار ہزار و پانصدی، ہزار و پانصد سوار دو اسپہ و سہ اسپہ مقرر گشت۔“ (۵۷)

رعایت خان سہون کی فوج داری پر تقریباً سوا چار سال تک رہا، اور سال ۱۰۷۳ء میں سہون میں فوت ہوا، جس کی اطلاع عالمگیری سے چھ (رمضان ۱۰۷۳ء سے شروع) کے ضمن میں محمد کاظم نے یوں دی ہے:

”بہ عرض اشرف رسید کہ: رعایت خان فوجدار سیوستان بہ اجل طبعی بساط حیات درنوردید۔“ (۵۸)

محمد صالح کو معافی ۱۰۷۰ء: محمد صالح معزولی کے بعد واپس گجرات گیا یا سندھ میں ہی رہائش پذیر ہوا، مورخین کا اس سے کوئی تعلق نہیں تھا، اس لیے یہ جاننا مشکل ہے۔ اس کے بارے میں پھر اطلاع اس وقت ملتی ہے، جب ان پر شاہی عتاب ختم ہوا اور اس کا نام لینا اور لکھنا جائز ہوا۔

عالمگیر کے دوسرے سال میں جب انھوں نے اپنی پیدائش کا جشن منایا، اور خود شمسی حساب کے مطابق ۴۱ ویں سال کے بعد ۴۲ ویں سال میں قدم رکھا، اس موقع پر اس نے بہت سے زیر عتاب امراء کو ان کی خطائیں معاف کر کے دوبارہ اپنے منصب پر بحال کر دیا۔ مثلاً راجا جسونت سنگھ کا راجگی کا خطاب جو ضبط ہو چکا تھا، اس موقع پر دوبارہ واپس کیا گیا، اس طرح خان عالم کی بھی تقاصیر کی معافی ہو گئی، اسے سہ ہزاری منصب پر فائز کیا گیا۔ محمد کاظم اپنی کتاب میں روایت کرتا ہے کہ محمد صالح ترخان کو بھی اس موقع پر ’بادشاہ خطاب بخش‘ نے معاف کر دیا۔

”محمد صالح ترخان کہ سابق قلعه دار سیوستان بود، بنا برتھاون تقصیری... ہنگام رفتن دارابی شکوہ بہ تہ، چنانچہ در مقام خود گذارش یافتہ... ازو صادر شدہ، از منصب معزول

گشتہ مغضوب و معاتب بود، از مراحم شهنشاه جرم بخش
رخصت کورنش یافته به منصب هزار و پانصدی هزار سوار،
کامیاب تفضل گردید۔“ (۵۹)

عالمگیر کی عمر کا بیالیسواں سال جمعرات کے دن ۵ ربیع الاول
۱۰۷۰ء کو شروع ہوا اور اسی دن جب تمام امراء اور درباریوں پر انعام و
اکرام کی بارش ہوئی، اس وقت محمد صالح کی خطا بھی معاف ہوئی۔
اس کو دربار میں حاضر ہو کر کورنش بجالانے کی اجازت ملی۔ اور اس کو
پندرہ صدی منصب واپس ملا۔ مائر الامراء کے مؤلف نے، جس کا ماخذ
وہی کتاب ہے، لکھا ہے کہ:

”مورد عتاب خسروانی گردید و از منصب و خطاب بر طرف
شد۔ و باز در سال دوم عالمگیری به منصب هزار و پانصدی
ہزار سوار به حال گشت۔“ (۶۰)

اسی موقع پر زاہد بیگ ترکمان کو جو صف شکن کے ساتھ سندھ
کی مہم پر خاص خدمت انجام دے چکا تھا، زاہد خان کے خطاب سے
نوازا گیا۔ (۶۱)

مندرجہ بالا مذکور سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد صالح رجب
۱۰۶۹ء کو معزول ہوا، اور تقریباً ۹ یا ۱۰ مہینے کے بعد ربیع الاول ۱۰۷۰ء
میں اس کی خطا معاف کر کے اسے دوبارہ منصب اور ملازمت پر بحال کیا
گیا۔

بہادر کی مہم، ربیع الثانی ۱۰۷۰ء: مائر الامراء کے مؤلف نے لکھا ہے کہ
محمد صالح ترخان کو منصب دوبارہ واگذشت ہونے کے بعد بہادر خان
کی سپہ سالاری کے تحت بہادر پچکوٹی کی تنبیہ کے لیے روانہ کیا گیا۔
جس نے بسواری کے آس پاس فساد اور شورش کی تھی۔ (۶۲)

محمد کاظم نے لکھا ہے کہ: ۸ ربیع الاول ۱۰۷۰ء میں بہادر خان
کو اس مہم پر مقرر کیا گیا۔ یعنی منصب بحال (۱۵ ربیع الاول) ہونے کے
چوتھے دن یہ مہم در پیش ہوئی، شہنشاہ عالمگیر اس وقت دہلی سے
روانہ ہو کر دو کوس کے فاصلے پر شکار کے لیے منزل انداز تھا۔

”چون وقایع سمت پورب، مکرر بہ عرض واقفان پایۂ سریر خلافت مصیر رسیدہ بود کہ: بہادر نام مفسد از طائفۂ پچکوٹی در سمت بیسوارہ سر بہ فتنہ و فساد و رھزنی افساد برداشتہ است، و جمعی کثیر و فرقۂ انبوه از کواران و متمردان طائفۂ بیس و دیگر واقعہ جویان و خلاف منشان آن سمت، بہ او گردیدہ بہ استظہار جمعیت و هجوم اوباش، لوای جرأت و جسارت بہ تاخت غارت آن حدود افراشتہ و رعایا و متردین از سر شورش و طغیاننش در امان نیستند، لہذا دفع او نیز پیشنہاد خاطر اقدس گشتہ۔ بہادر خان با جمعی از افواج نصرت مال بہ دفعہ و استیصال آن بغی اندیشہ فتنہ سگال تعین یافت، و بہ عنایت خلعت خاص و شمشیر و سپر ہر دو با ساز مرصع مورد نوازش گشتہ، درین تاریخ (۸ ربیع الاول) مرخص شد۔“ (۶۳)

بہادر خان جس نے دارا شکوہ کی مہم میں سندھ میں نہایت سرگرمی کا مظاہر کیا تھا، اور دارا شکوہ کو ملک جیون سے لے کر دہلی تک پہنچایا تھا۔ اسی طرح اب بہادر خان کی سرکردگی میں محمد صالح روانہ ہوا۔ کئی دوسرے امراء اور منصب دار اس مہم پر فائز ہوئے۔ مثلاً رائے امر سنگھ چندراوت، جگت سنگھ ہادہ، رام سنگھ راٹھوڑ، اگر خان، سید مصطفیٰ، رگھ ناتھ، غیرت خان، مظفر، بہادر افغان کے بیٹے بلوہ چوہان وغیرہ۔ محمد کاظم نے لکھا ہے کہ تمام امراء ”بہ مراحم خسروانہ سر بلند گردیدند۔“

اس کے بعد بادشاہ نے بھی دو دنوں کے بعد ۱۱ تاریخ کو شکار کے لیے گڑھ مکتسیر کی جانب کوچ کیا۔ (۶۴)

اختتام، ۱۳ جمادی الثانی ۱۰۷۰ھ: بادشاہ ابھی شکار پر ہی تھا کہ بہادر خان اور اس کے ساتھ پچکوٹی کے فساد کو ختم کر کے واپس آگئے۔ بادشاہ نے شکار کے سفر سے واپسی پر ۱۳ جمادی الثانی ۱۰۷۰ھ کو شاہدرہ میں منزل کی۔ (جو کہ دہلی سے ایک کوس کے فاصلے پر تھا)

انہی دنوں بہادر خان کو خان دوراں کے تبادلے کی وجہ سے الہ آباد کی صوبے داری کے خالی عہدے پر تقرر کا فرمان خلعت سمیت بجهوایا گیا۔ شیواجی، ۱۹ ربیع الاول ۱۰۷۵ھ: ۱۰۷۰ھ میں جمادی الثانی کے مہینے میں بہادر پچکوٹی کی مہم سے واپسی کے بعد ۱۰۷۵ھ تک سال کا عرصہ محمد صالح نے کہاں اور کس مشغولیت یا خدمت میں گزارا، اس کا ہمیں علم نہیں ہے۔ محمد کاظم بھی اس معاملے میں خاموش ہے۔ اور ماثر الامراء کے مؤلف نے لکھا ہے کہ بہادر پچکوٹی کی مہم سے واپسی کے بعد محمد صالح:

”پس ازان تعین یساق دکن گردیدہ، بہ ہمراہی میرزا راجہ جی سنگ در تسخیر قلاع سیوائی بونسله و تاخت و تاراج ولایت او، کمر خدمتگاری محکم بست.“ (۶۵)

شیواجی کی شورش اور بغاوت کو فرو کرنے کے لیے پہلے راجہ جسونت سنگھ کو بھیجا گیا، لیکن یہ معاملہ وہ اکیلا ختم کرنے سے قاصر تھا۔ بادشاہ جیسا چاہتا تھا، ویسے راجہ نہیں کرسکا۔

”مہاراج جسونت سنگ کہ با عساکر قاہرہ بہ استیصال او تعین یافتہ بود، اگرچہ بر سر ولایت آن مردود رفتہ یکچند بہ محاصرہ بعض از قلاع او قیام ورزید و در تخریب ولایت و تسخیر حصون آن مقہور سعی موفور بہ ظہور رسانید، لیکن اثری کہ مطلوب اولیای دولت بود، بر کوشش او مترتب نشد و هیچ یک از قلعہای عظیم آن مخدول لثیم مفتوح نگشت، و مہم او بہ طول و امتداد کشید.“ (۶۶)

محمد کاظم نے لکھا ہے کہ، اسی وجہ سے بادشاہ سلامت کا خیال تھا کہ جسونت سنگھ کو واپس بلوا کر اس مہم پر راجہ جے سنگھ کو جو کہ: ”از راجہ های ذی شان و بہ حسن تدبیر و جمعیت لشکر... و وفور سامان سرداری و سر لشکری را شایان بود.“ چند دوسرے امراء سمیت بھیجا دے، جسونت سنگھ یا راجہ جے سنگھ دونوں عالمگیر کے معتبر امیر تھے۔ دارا شکوہ کے سلسلے میں ان دونوں کے کارنامے گذشتہ صفحات

میں بیان ہو چکے ہیں۔

دلیر خان، داؤد خان، راجہ رائے سنگھ، احتشام خان شیخ زادہ، قباد خان، راجہ سجان سنگھ بدیلو، کیرت سنگھ، ملا یحییٰ نایت، راجہ نرسنگھ گور، پورنمل بندیلو، زبردست خان، بادل بختیار، برق انداز خان اور دوسرے کئی بہادر جرنیل، چودہ ہزار جوانوں اور دوسرے ضروری اسلحہ اور اسباب سمیت اس مہم کے لیے نام زد ہوئے۔

راجہ جے سنگھ ہفتہ ۱۹ ربیع الاول ۱۰۷۵ھ کو شاہی وزن کے جشن میں شریک ہونے کے بعد انعام اور خلعتیں و دوسری شاہی عنایات حاصل کر کے اپنی مہم پر روانہ ہوا۔ (۶۷) ۲۵ شعبان ۱۰۷۵ھ کو پونہ پہنچ کر جسونت سنگھ سے ملا۔ جوان کے انتظار میں تھا۔ (۶۸) اس کو چارج دے کر وہ شاہی دربار کی طرف روانہ ہوا اور راجہ جے سنگھ ۷ رمضان ۱۰۷۵ھ کو پونہ سے کوچ کرنے کے بعد شیوا جی کے مقابلے کے لیے ساسور کی جانب روانہ ہوا، ساسور کے پاس شیوا جی کے دو مضبوط قلعے تھے۔ ایک ردر مال اور دوسرا پورندھر۔ راجہ نے سوچا کہ پہلے ان دونوں قلعوں کو فتح کرے، چنانچہ ۲۲ رمضان ۱۰۷۵ھ کو راجہ جے سنگھ نے ساسور سے ایک منزل کے فاصلے پر پہنچ کر حملہ کرنے کی نیت سے پڑاؤ ڈالا۔

محمد صالح ترخان: راجہ جے سنگھ کی سرکردگی میں جو امراء دیے گئے تھے، ان کی فہرست اوپر دی گئی ہے، محمد صالح کا نام اس میں شامل نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ جسونت سنگھ کی کمان داری میں محمد صالح پہلے ہی اس مہم پر چلا گیا ہو۔ جب جے سنگھ اور شیوا جی کا مقابلہ اور معرکہ شروع ہوا، اس وقت محمد صالح ترخان موجود تھا اور اس نے جنگ میں نمایاں اور قابل ذکر حصہ لیا۔

بارہ رمضان کو راجہ جے سنگھ نے مندرجہ بالا منزل پر پہنچ کر دلیر خان کو آگے روانہ کیا۔ تاکہ وہ راستے کی تمام مشکلات کو طے کر کے ساسور کے سامنے جا کر خیمہ زن ہو۔ وہ خود بھی دو دن کے بعد وہاں روانہ ہوا۔

دلیر خان منزل مقصود پر پہنچ کر ابھی لشکر کے لیے جگہ اور زمین

منتخب کر رہا تھا کہ شیواجی کا لشکر آ پہنچا۔ یہ اچانک اور پہلا حملا تھا۔ دلیر خان نے بھی جوانی کا رروائی کی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مقابل حملہ آور تاب نہ لا سکے اور پیچھے ہٹ گئے اور اسی پہاڑی پر پہنچے، جس کی بلندی پر دو قلعے پورندھر اور ردر مال تھے۔ اس معرکے میں شیواجی کے لشکر کا بہت نقصان ہوا، کچھ سپاہی قلعے میں داخل ہو کر پناہ گزین ہوئے اور بہت سوں نے بھاگ کر جان بچائی۔

قلعے کا محاصرہ: دلیر خان نے قلعے کا محاصرہ کیا۔ راجہ جے سنگھ کو جیسے ہی اس کی اطلاع ہوئی، اس نے اپنے بیٹے کیرت سنگھ کو تین ہزار سواروں سمیت دلیر خان کی مدد کے لیے روانہ کیا۔ اس وقت راجہ جے سنگھ، قباد خان، مترسین، اندرمن اور بادل بختیار نے اپنے اپنے دستے ان کی طرف روانہ کر دیے، اس طرح داؤد خان بھی پوری آب و تاب کے ساتھ قلعے کے سامنے پہنچ گیا۔

محمد کاظم نے محاصرے کی تفصیل بیان کرتے ہوئے ان امیروں کے نام دیے ہیں، جو محاصرے کو تنگ کر کے پورندھر کے قلعے کے دروازے پر پہنچے۔ مثلاً جن دستوں کے ساتھ محمد صالح ترخان تھا، اس کے لیے لکھا ہے کہ:

”داؤد خان بہ اتمام تابینان خویش و راجا رای سنگ راتور، و محمد صالح ترخان و رام سنگ و سید زین العابدین بخاری و حسین داؤد زبی و شیر سنگ راتور و راج سنگ گور و چندی دیگر از بندہ های بادشاہی، عقب قلعہ پورندر مقابل گر کی، جای مورچال گزیدند۔“

ردر مال کی شکست، ۶ شوال ۱۰۷۵ھ: دوسرے دن راجہ جے سنگھ بھی روانہ ہوا۔ ساسور کے پاس پہنچ کر، دو کوس کے فاصلے پر لشکر کو وہاں بٹھا کر قلعے کے قریب صورت حال کا جائزہ لینے کے لیے پہنچ گیا۔ شوال کی ۳ تاریخ کو، وہاں سے روانہ ہو کر قلعے کے پاس خیمہ زن ہوا۔

روزانہ مقابلے شروع ہو گئے، اور دونوں جانب سے تیر و تفنگ چلنے لگے، ردر مال کے قلعے کا ایک برج مسلسل توپ زنی کی وجہ سے گر گیا،

۶ شوال کو دلیر خان نے اس برج پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا۔ اس قبضے میں دونوں طرف کے لوگوں کو جو جانی نقصان ہوا، اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے محمد کاظم نے ایک خاص انداز اختیار کیا ہے۔ لکھا ہے کہ:

”درین یورش و آویزش چہار کس از تا بینان دلیر خان، پیکر مردی بہ زینت زخم آراستند، و ہفت تن از مخالفان بر خاک ہلاک افتادہ چہار کس زخمدار شدند۔“

یعنی دشمن کے سپاہی موت کی مٹی پر گر پڑے۔ اور دلیر خان کے چار نوجوانوں نے جوان مردی کے جسم کو زخموں سے سجایا تھا۔ بہر حال ردر مال قلعے کے سپاہی مقابلے کی تاب نہ لا کر اور محاصرے سے تنگ ہو کر دلیر خان کے سامنے پیش ہوئے اور قلعہ اس کے سپرد کر دیا۔ اس قلعے کو حاصل کرنے میں شاہی لشکر کا کوئی خاص نقصان نہیں ہوا۔ محمد کاظم کا قول ہے کہ:

”در تسخیر آن حصار استوار از مبارزان جلادت شعار قریب پنجہ سوار وسی پیادہ جان نثار گشتند۔ وسی و دو سوار و ہفتاد و ہفت پیادہ را آسیب زخم رسید۔“ (۶۹)

تاخت و تاراج ۱۹ شوال ۱۰۸۵ھ: قلعہ سر ہوجانے کے بعد راجہ جے سنگھ نے مختلف دستوں کو مرتب کر کے، اس کے لیے مختلف سمتوں میں روانہ کئے تاکہ وہ دشمن کے ملک کے تمام علاقوں کے اندر لوٹ مار اور زد و کوب کر کے مخالفین کے لیے دشواریاں پیدا کریں۔

”بعد از فتح این قلعہ، راجہ بہ صوابدید رای اخلاص پیرا، داؤد خان را با راجہ رای سنگ و شرزہ خان و امر سنگ چندراوت، محمد صالح ترخان، وسید زین العابدین بخاری و اجل سنگ کچواہ نوکر عمدہ خود و چہار صد سوار از تابینان خویش و جمعی دیگر از مبارزان بسالت کیش، کہ ہمگی قریب ہفت ہزار سوار بودند، معین نمود کہ: از دو طرف بولایت سیوای مردود در آمدہ بتاخت و تاراج پردازند، و بدین جہت کار بر آن تیرہ روز گار تنگ سازند۔“

شوال کی ۱۹ تاریخ کو داؤد خان اپنی نئی مہم پر روانہ ہوا۔ محمد صالح ترخان بھی اپنے دستوں سمیت ان کے ساتھ شامل ہو گیا۔ مقررہ پروگرام کے تحت، وہ لشکر جہاں سے بھی گذرتا، آگ لگاتا، ملک کو نیست و نابود کرتا ہوا آگے کی طرف بڑھتا گیا۔ مثلاً ۲۱ شوال کو روہیڑہ کے نواح میں قلعہ راج گڑھ کے پاس پہنچ کر ۵۰ گاؤں (قریہ) کو۔ چون خرمین بخت اعادی۔ آگ لگا کر جلادیا۔ اس کے علاوہ چار بڑے گاؤں (موضع) بھی تباہ کر دیے اور:

”و رعایای ضلالت گرا اسیر گردیدہ مواشی وامتعہ واشیای
آنها، بہ دست بہادران ظفرلوا در آمد۔“

۲۳ شوال کو راج گڑھ قلعے کی طرف بڑھتے ہوئے شاہی دستے:
”بسیاری از مواضع و قریہ را آتش در زدہ ویران ساختند۔“

۲۴ شوال کو قلعہ راج گڑھ کے پاس پہنچ کر بقول کاظم:
”بہ تسخیر مضافات و نواحی آن پرداختند۔“

قطب الدین خان کے لیے مرقوم ہے کہ وہ اپنے حمایتوں کے ساتھ پورہ گھوڑہ اور تاسی گھوڑہ کے قریب کنواری قلعے کے پاس پہنچ گیا اور:

”بہ تخریب ولایت اہل کفر و غداہت پرداخت از سکئہ آن
و بوم، اسیر بسیار گرفت و مواشی بیشمار بہ دست آورد۔“

۲۹ شوال کو داؤد خان اور قطب الدین خان دونوں آپس میں آملے اور دونوں ایک ساتھ قلعہ لوہ گڑھ کی جانب بڑھے۔ قلعے کے پاس پہنچتے ہی طرفین میں جنگ ہوئی، جس میں مخالفین شکست کھا کر بھاگ گئے اور قلعہ شاہی سواروں کے ہاتھ آ گیا، اس طرح چاروں طرف شاہی لشکر کے دستے، ”عاصیان مردود“ کی ولایت کو ”پامال و تاخت و تاراج“ کرتے ہوئے مقررہ پروگرام کے مطابق پونا کے قریب آپہنچے۔

شاہی لشکر نے آخری معرکے کی تیاری راج گڑھ کے قلعے کے پاس کی، کیونکہ شیواجی کے اہل و عیال اور سارا مال خزانہ اسی قلعے میں موجود اور محفوظ تھا۔

پیش ہونا، ۷ ذی الحج ۱۰۷۵ھ: شیوا جی نے حالات کا اندازہ کرتے ہوئے ایک طرف تو مقابلے کی تیاری کی اور دوسری طرف ایک برہمن کو راجہ جے سنگھ کے پاس امان طلبی کے لیے بھیجا۔ راجا نے اس کی جان، مال اور عیال کی حفاظت کا وعدہ کیا، جس کے بعد ۷ ذی الحج ۱۰۷۵ھ شیوا جی طے شدہ طریقے سے راہ گڑھ سے نکل کر راجا کی منزل کی طرف بڑھا۔ دوسرے دن راجہ جے سنگھ نے قلعے کا محاصرہ مزید تنگ کروا کر، قتل و غارت گری کو فروغ دیا، تاکہ شیوا جی اپنا ارادہ تبدیل نہ کرے۔

آخر شیوا جی گوٹھ شیواپور کے تھانے دار سرفراز خان کو اپنا شفیع بنا کر، اس کو ساتھ لے کر راجہ جے سنگھ کے سامنے پیش ہوا۔

پیش ہونے کے بعد (۷۰) شیوا جی نے ۳۵ قلعوں میں سے جو اس کے قبضے میں تھے، ۲۳ قلعے شاہی لشکر کے سپرد کر دیے، جن میں دو محکم ترین قلعے پورندھر اور رد مال بھی شامل تھے۔ اس کے علاوہ یہ معاہدہ بھی ہوا کہ: اپنے ملک کی آمدنی میں سے دس لاکھ وہ شاہی خزانے کو دے گا، باقی بارہ قلعے، جن کی قیمت تقریباً ایک ایک لاکھ ہوتی تھی، اس کے پاس رہے۔ اس کے علاوہ اس کا آٹھ سالہ بیٹا سنبھا جی بھی بطور یرغمال شاہی دربار میں رہے گا۔ اگر کبھی کسی بھی مہم میں ضرورت پیش آئی تو شیوا جی سرکاری طلب پر فوراً آکر حاضر ہوگا۔

انعام اور منصب: شیوا جی کے پیش ہونے، شرائط طے کرنے اور قلعہ حوالے ہونے کا احوال راجا کے عریضے کے ذریعے ۱۹ ذی الحج ۱۰۸۵ھ کو شاہی دربار میں پہنچا، بادشاہ نے خوشخبری پہنچتے ہی:

”بہ اشارہ معلی شادیانہ اقبال بہ نوازش آمد و عواطف خسروانہ
 راجہ را بہ عطای خلعت خاص و شمشیر خاصہ با ساز مینا کار
 و یک زنجیر فیل با یراق تقدہ و جل زربفت نواختہ، دو ہزار
 سوار از تابینانش دو اسپہ سہ اسپہ مقرر فرمود کہ منصبش
 اصل و اضافہ ہفت ہزار ہفت ہزار سوار دو اسپہ سہ اسپہ
 باشند۔“ (۷۱)

اس طرح راجہ کے بیٹے کنور رام سنگھ، دلیر خان، داؤد خان، راجہ

رائے سنگھ، کیرت سنگھ، سجان سنگھ اور ترکتاز خان کو بھی درجہ کے مطابق انعام و اکرام ملے اور ان کے منصب میں بھی اضافہ ہوا۔ محمد صالح کو کیا ملا؟: محمد کاظم نے مندرجہ بالا جرنیلوں کے نام کی فہرست دے کر، مہم میں دوسری شراکت داروں کے لیے فقط مجمل طور پر لکھا ہے کہ:

”دیگر بندہ ہا در خور حال بہ اضافہ مناصب و دیگر مواہب نوازش یافتند۔“ (۷۲)

محمد صالح ان ”دیگر بندہ ہا“ کے ضمن میں آتا ہوا نظر آتا ہے، جس کے لیے معلوم کرنا مشکل ہے کہ اس کی کس طرح قدر افزائی کی گئی۔

بیجاپور کی مہم، ۲۳ جمادی الاول ۱۰۷۶ھ: عالمگیر نے شہزادگی کے دوران یا بادشاہی تک پہنچنے کے بعد بھی زندگی کے تین حصے دکن میں مسلمان حکمرانوں کے ساتھ جنگ لڑتے ہوئے بسر کر دیے، تخت نشینی کے بعد، شیواجی کی مہم در پیش آئی، اب اس کے لشکر کو ایک اور مہم بیجاپور کے والی عادل شاہ کی درپیش ہوئی۔ جس کے لیے راجہ جے سنگھ کی سرکردگی میں یہی تمام لشکر بیجاپور کی جانب منتقل کیا، جو پہلے ہی شیواجی کے سلسلے میں دکن میں موجود تھا۔ محمد کاظم نے عالمگیر نامہ میں عادل شاہ کے حسب نسب پر سخت حملے کیے ہیں۔ مثلاً

”عادل خان حاکم بیجاپور... در اصل از جوہر شعور و دانایی محروم و بہ نقص فرومایہ نژادی و صمت پستی نسب موسوم است۔“ (۷۳)

محمد کاظم کا قول ہے کہ عادل خان کو مسند سوائے کسی حق اور وارث کے ملی، اس وقت عالمگیر شہزادہ تھا اور اورنگ آباد میں مقیم تھا۔

”دران ایام خیر انجام کہ صوبہ دکن مرکز ریایات اقبال و آرام گاہ موکب جاہ و جلال بود، آن ناقابل امر ایالت کہ بی سابقہ

ارٹ و استحقاق تازہ بہ حکومت آن ولایت رسیدہ بود، امور
دولت و امارتش کمال فتور و اختلال داشت۔“ (۷۴)

عادل شاہ کے ملک میں ”فتور اور اختلال“ کی کوئی بھی تفصیل
نہیں بیان کی گئی، اس لیے قاری کے لیے ناممکن ہے کہ وہ الزام اور
حقیقت، حق اور ناحق کے درمیان تمیز کرسکیں۔ محمد کاظم نے تفصیل
دینے سے گریز کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ”تفصیل موجب اطناب“ ہے۔

عالمگیر نے خود بیجاپور پر حملہ کر کے بیدر اور کلیان کا قلعہ فتح
کیا۔ ارادہ تھا کہ بیجاپور تک جائے، لیکن مرکز کے حالات و واقعات نے
اسے واپس لوٹنے پر مجبور کیا، اس کے علاوہ عادل خان نے بھی ایک کروڑ
روپے دینے کی پیش کش کا وعدہ کر کے سردست مصیبت کو ٹالنا
مصلحت کی خاطر ضروری سمجھا۔

تخت نشینی کے بعد: جب وہ دارا اور شجاع کے مسائل سے فارغ ہوا،
تب اسے بیجاپور والی پیش کش وصول کرنے کا خیال آیا۔ لیکن بقول
محمد کاظم ”مجہول النسب“ (۷۵) عادل شاہ مختلف بہانوں سے ٹال
مٹول کر کے دیر کرتا رہا۔

محمد کاظم نے دکن کے باشندوں کے لیے نفرت اور حقارت کا
اظہار کیا ہے۔ جس سے اندازہ کرسکتے ہیں کہ عالمگیر کے دربار اور دور
میں دکن اور دکن کے رہنے والوں کے لیے کون سا ماحول تھا۔ عادل شاہ
کے ٹال مٹول کا ذکر کرتے ہوئے، محمد کاظم نے لکھا ہے کہ: دکن والے
اصل سے ہی روبہ خصلت ہیں:

”تاخیر و تسویف در امور و کوتہ اندیشی و نا عاقبت بینی و

مکیدت و احتیال از خصائص احوال دکنیان روبہ خصال

است، در ادای وجہ پیشکش تعلل و تاخیر ورزید۔“ (۷۶)

یہ لبت و لعل چل رہی تھی کہ عادل شاہ کے کچھ قلعوں پر شیوا
جی نے حملہ کر کے قبضہ کر لیا۔ عادل شاہ نے اس وقت وہ پیشکش بھیج
کر عالمگیر کو مدد کی درخواست کی۔

عالمگیر نے اپنا لشکر شیوا جی کی سرکوبی کے لیے روانہ کر کے

عادل شاہ کو حکم دیا کہ وہ بھی دوسری طرف سے شیوا جی پر حملہ کرے، تاکہ دونوں طرف سے شیوا جی پر دباؤ پڑے۔ محمد کاظم نے لکھا ہے کہ دراصل عادل شاہ کی مرضی بالکل نہ تھی کہ شیوا جی ختم ہو جائے۔ وہ فقط شاہی لشکر پر دباؤ ڈال کر صرف شیوا جی سے اپنے قلعے خالی کروانا چاہتا تھا، ورنہ اس کی نیت تو یہ تھی کہ بیجاپور اور ہندوستانی حکومت کے درمیان شیوا ایک دیوار کی صورت میں ضرور قائم رہے۔

محمد کاظم نے لکھا ہے کہ: کج اندیشی اور کوتاہ نظری۔ چونکہ اہل دکن کی فطرت ہے، اس لیے راجہ جے سنگھ کے لیے عالمگیر نے حکم بھیج دیا کہ شیوا جی کی مہم سے فارغ ہو کر فوراً بیجاپور پر حملے کے لیے روانہ ہو۔

”بعد از بندوبست قلاع و ولایاتی کہ از سیوای بہ تصرف اولیای دولت قاہرہ در آمدہ بود، با افواج منصور بہ تاخت ولایت بیجا پور شتافتہ در تخریب توابع و مضافات آن کہ ہمگی سکنانش در کیش کفر و جہالت و آئین بت پرستی و ضلالت اند، جہد و کوشش بکاربرد.“ (۷۷)

ابتداء میں جب قصہ شروع ہوا تھا، مجہول النبی کو بی ارٹ، ملک ہاتھ آجانے کی وجہ سے پیدا ہونے والا ’کمال فتور اور اختلال‘ کے سبب جس کی صورت حال بیان کرنا ’طول الکلام‘ کا سبب بن رہا تھا۔ درمیان میں ایک کروڑ کی پیش کش پر فتور اور اختلال کے مسئلے کو نظر انداز کیا گیا۔ پھر جب اسی ایک کروڑ کی پیشکش دینے میں تاخیر ہوئی تب حملہ کرنے کے لیے ’کفر اور جہالت‘ کا مسئلہ پیش آیا اور بیجاپور کے مسلمان حکمران پر لشکر کشی ہر لحاظ سے جائز اور ضروری ہو گئی۔

راجہ جے سنگھ کی زیر کمان ۲۲ جمادی الاول ۱۰۷۶ھ کو پورندھر کے قلعے سے شاہی لشکر بیجاپوریوں کی تادیب اور تخریب کے لیے روانہ ہوا۔

اسی مہم پر راجا کے ساتھ کتنے ہی نامور امراء اور منصب دار شامل تھے، جن کی فہرست عالمگیر نامہ (۹۸۸-۹۸۹) میں موجود ہے۔

لشکر کی برانغار کی کمان داؤد خان کے حوالے تھی۔ جس کے ساتھ منجملہ اور فوجی جرنیلوں کے محمد صالح ترخان بھی شامل تھا۔ چھ ہزار سواران جرنیلوں کے حوالے کیے گئے۔ (۷۸)

شاہی لشکر نے بیجاپور کی سلطنت پر حملے شروع کر دیئے، ابتداء میں انہوں نے کئی قلعے بھی قبضے میں کر لیے۔ لیکن پورا سال لڑنے کے باوجود بیجاپور کو فتح نہیں کرسکے، بیجاپور سے ۸ کوس کے فاصلے پر پہنچ کر شاہی لشکر کو مقابلہ کرتے ہوئے کئی مہینے لگ گئے۔

واپسی، ۳۰ ذی القعدہ ۱۰۷۶ھ: لشکر تھک گیا تھا۔ برسات کا موسم بھی آگیا تھا۔ راجا کے لیے عالمگیر کا حکم پہنچا کہ بیجاپور کی مہم کو فی الحال ترک کر کے واپس آکر اورنگ آباد میں منزل انداز ہوں، برسات کا موسم گذر جانے کے بعد پھر دیکھا جائے گا۔

راجہ جے سنگھ نے اس حکم کے مطابق ۳۰ ذی القعدہ ۱۰۷۶ھ کو کوچ کیا۔ ۸ جمادی الاخر ۱۰۷۷ھ کو واپس آکر اورنگ آباد پہنچا۔ (۷۹) محمد کاظم نے لکھا ہے کہ: مقابلوں اور مجادلوں کی وجہ سے شاہی لشکر بہت زیادہ تلف ہو چکا تھا، اور پھر جب برشگال کا موسم آیا تو ان میں مقابلے کی سکت اور تواناء باقی نہیں رہی، پروانے میں مذکورہ بالا صورت حال کی بنائی پر راجہ کے لیے یہ بھی حکم تھا کہ خود اورنگ آباد میں مقیم رہے اور دوسرے امراء اور لشکریوں کو اپنے اپنے مقامات کے لیے چھٹی دے دے، تاکہ وہ آرام کریں اور اپنا ساز و سامان بھی درست کریں۔

”بہ راجہ جیسنگ صادر شد کہ: باجنود مسعود بہ بلدۂ فاخرہ اورنگ آباد معاودت نمودہ موسم بر شگال را آنجا بگذرانند، و برخی امرا و لشکریان را بہ محال تیول خویش، رخصت نماید کہ مرفہ و آسودہ حال شوند۔“ (۸۰)

آخری اطلاع: عالمگیر نامہ میں محمد صالح ترخان کے متعلق یہ (۱۰۷۶ھ کو) آخری اطلاع ہے۔ بیجاپور سے واپسی پر راجا جے سنگھ کے ساتھ اورنگ آباد میں رہ گیا، یا واپس اپنی کسی جاگیر (?) پر گیا (?) یہ پتا کرنا

مشکل ہے۔ ہمیں یہ بھی معلوم نہیں ہوسکا کہ سہون سے ہر طرف ہونے کے بعد جب اس کا قصور معاف ہوا تو اُس کو کہاں جاگیر دی گئی؟ وفات اور قبر: میرزا صالح کے آخری ایام کا کسی بھی کتاب میں ذکر نہیں ہے، کسی بھی شخص نے اس کی تاریخ وفات نہیں بتلائی، نہ ہی کسی کو یہ علم ہے کہ کہاں فوت ہوا، اور کہاں دفن ہوا۔ مائر الامراء کے مؤلف کو بھی یہ شکایت ہے کہ: تاریخ فوتش نظر نیامد۔ اسی طرح کسی دوسرے تذکرے یا بیاض یا تاریخ ہی سے یہ عقدہ کشائی نہ ہوسکی۔ اس کا آخری ذکر راجا جے سنگھ کی ہمراہی میں عادل شاہ کے ساتھ معرکہ آرائیوں کے سلسلے میں آیا ہے، جو ہم اوپر بیان کرچکے ہیں۔ نہ اس کے بعد کی کوئی خبر ہے کہ کتنا وقت شاہی ملازمت میں گزارا اور کس طرح اس کی زندگی پوری ہوئی۔

اس کی قبر کے متعلق بھی نہیں کہہ سکتے کہ باپ کے ساتھ ہے یا نہیں۔ رانک کی مرکزی قبروں سے کسی قبر پر کتبہ نہیں ہے، اگر مکلی میں دفن ہوا ہوگا تو ممکن ہے کہ ان قبروں میں سے کوئی ایک قبر اُس کی ہو۔ اگر اس کا انتقال ہندوستان میں ہوا ہو تو اُس کی لاش وہاں سے مکلی پہنچائی گئی ہوگی۔ جس طرح اس کے بھائی میرزا عنایت اللہ اور اس کے والد میرزا عیسیٰ کی لاش گجرات سے سندھ پہنچائی گئی۔

عالمگیر کا کتاب دار: رسالہ معارف اعظم گڑھ میں خان خانان کے کتب خانہ پر حافظ نذیر احمد مرحوم کا ایک مضمون آج سے ۴۴ سال قبل شائع ہوا۔ تھا، جس کے کئی حصوں کا اعادہ اکتوبر ۱۹۴۵ء کے اسلامک کلچر میں کیا گیا ہے۔ مضمون نویس ایشیائٹک سوسائٹی کلکتہ کا ایک خطی کلام مجید کا ذکر کرتے ہوئے اس پر لکھی ہوئی ایک عبارت کو محمد صالح ترخان کی طرف منسوب کرتا ہے، عبارت یہ ہے:

”مصحف مجید بہ خط نسخ ترجمہ در بین السطور بہ خط

خفی نوشتہ، چہار لوح و جدول و طلارنگ آمیز۔ اکثر اوراق

آب رسیدہ داغدار۔ بر خواشی اوراق خط خانخانان عبدالرحیم۔

ابری جلد، زر دوزی اطلس... بابت پیشکش محمد جعفر

مخاطب بہ الہ وردی خان بہ تاریخ ۲۱ جمادی الاول سنہ ۴
جلوس مبارک از تحویل محمد منصور شد۔ العبد محمد
صالح۔“ (۸۱)

حافظ نذیر احمد کا خیال ہے کہ یہ محمد صالح ترخان ہے۔ ایک
دوسرا محمد صالح خوش نویس شاہجہانی کتب خانے کا لائبریرین تھا،
لیکن وہ ۱۰۶۱ھ میں فوت ہو چکا تھا۔ اس لیے مذکورہ محمد صالح اُن کے
خیال کے مطابق محمد صالح ترخان ہی ہو سکتا ہے۔

ہمارے خیال میں فقط اوپر کی عبارت کو سمجھنے کے لیے وہی
محمد صالح، محمد صالح ترخان تھا، کافی نہیں ہے، عالمگیری عہد میں
محمد صالح کرمانی نام کا بھی ایک منصب دار تھا، جو بیوتات عالمگیری
کا دیوان تھا، اور عالمگیر نے اس کو مکرمت خان کا خطاب دیا تھا۔ (۸۲)
ہو سکتا ہے کہ وہ محمد صالح کچھ عرصے کے لیے کتب خانے کا مہتمم
ہوا ہو۔ ایک وقت میں وہ اکبر آباد میں بھی شاہی بیوتات (۸۳) کی
دیوانی پر رہا تھا۔

اہل و عیال: محمد صالح ترخان کے ذاتی اور خانگی حالات معلوم نہیں۔
سوائے اس کے کہ اس کے گھر میں دارا شکوہ کے کوکہ کی بیٹی تھی۔ یہ
دونوں روایات مائر الامراء کے مؤلف کی ہیں، سہوں کے واقعہ کا ذکر
کرتے ہوئے مؤلف نے لکھا ہے کہ: محمد صالح ترخان نے صف شکن کے
ساتھ دھوکہ بازی اس لیے کی کہ اس کی ہمدردی دارا شکوہ کے ساتھ
تھی۔ کیونکہ اس کے گھر میں دارا کی کوکہ زادی تھی۔

”چون کوکہ زادۂ دارا شکوہ در خانۂ محمد صالح بود اصلاً
توفیق خدمت نیافت، بلکہ ہوا دارینی او بہ خاطر رسانیدہ بہ
خان مذکور پیغام داد کہ: ازین کنار عمق آب تا کمر است،
ازان کنار آب عبود خواہد کرد۔“ (۸۴)

اس طرح اس کے بیٹے بہروز کے متعلق بھی اس کتاب میں اتنی ہی
اطلاع ہے کہ: ”پسرش میرزا بہروز پانصدی شاہجہانی بود۔“ (۸۵)
ترخان نامہ کے مؤلف نے نہ صرف محمد صالح کا احوال نہیں لکھا،

بلکہ نسب نامے میں اس کی اولاد کے نام بھی درج نہیں کیے۔ حالانکہ اس کتاب میں محمد صالح کے حالات کم سے کم ضروری حد تک ضرور لکھنے چاہیے تھے۔

میرزا بہروز: میرزا بہروز کے متعلق زیادہ حقائق نہیں ملتے۔ سوائے اس کے کہ اس کی قبر ددھیال کے قبرستان میں تیسرے نمبر پر ہے اور اس کی وفات کا سال کتبے میں ۱۰۷۷ھ مرقوم ہے۔ (۸۶) شاہجہانی دور میں اس کو پنج صدی دو صد و پنجاہ سوار کا منصب حاصل تھا۔ خداداد خان کی بیاض میں یہ الفاظ درج ہیں:

”وفات در سنہ ۱۰۷۷ھ مرحوم مغفور میرزا بہروز۔“

ترخانی منصب: عیسیٰ ترخان اور اس کی اولاد شاہجہاں کے زمانے تک جن منصبوں پر فائز رہی، اس کی فہرست عمل صالح کے مؤلف نے اس طرح دی ہے:

- ۱- میرزا محمد عیسیٰ: پنج ہزاری چہار ہزار سوار
- ۲- محمد صالح: دو ہزاری دو ہزار سوار
- ۳- عنایت اللہ: دو ہزار دو صد و پنجاہ سوار
- ۴- بہروز: پانصدی دو صد و پنجاہ سوار
- ۵- فتحی: پانصدی صد سوار

محمد صالح کو مذکورہ بالا منصب سپہوں میں فوج دار بن کر آمد کے وقت ۱۰۶۶ھ میں شاہجہاں نے دیا تھا۔ جس کا ذکر ہم اوپر کرچکے ہیں۔ عالمگیر نے اُس کے منصب اور مرتبہ میں کون سے اضافے کیے، اس کا مذکور نہیں ملتا۔

حواشی

- (۱) مائر ج ۳ ص ۴۸۸
- (۲) مائر ج ۳ ص ۴۸۸
- (۳) مکاتیب تاریخی ملک دانشگاه نمبر ۲۰۴۶۱ صفحہ ۱۴
- (۴) مجموعہ مکاتیب نمبر ۲۰۴۶۱ ملک دانشگاه سند ص ۸۹
- (۵) رک: مجموعہ مکاتیب نمبر ۲۰۴۶۱ ص ۴۵ دانشگاه سند
- (۶) اصل نام حرز اللہ۔ لقب ببر جنگ۔ وفات ۱۱۶۷ھ۔ ان دونوں بیٹوں کے علاوہ حفظ اللہ خان کو، جس نے ۱۱۱۲ھ میں سندھ میں انتقال کیا، دو بیٹے اور بھی تھے۔ متوسل خان بہادر رستم جنگ اور طالب محی الدین خان بہادر۔ خان مذکورہ کی دو بیٹیاں غازی الدین خان بہادر فیروز جنگ سے بیابھی گئی تھیں۔ مائر الامراء ج ۲ ص ۵۲۱۔
- (۷) مجموعہ مکاتیب نمبر ۲۰۴۶ ص ۹۱
- (۸) فضائل خان میر بہادی ولد وزیر خان میر حاجی۔ عالمگیر کے زمانے میں مختلف خدمات پر فائز رہا، مائر الامراء میں ہے کہ: در سال چہل و چہارم از تغیر خدا بندہ خان بہ خدمت بیوتاتی حضور بہ انضمام منشیگری سرمایہ جمعیت اندوخت. ۶ ذی القعدہ ۱۱۱۳ھ (۴۷ سال عالمگیری) میں فوت ہوا مائر ج ۳ ص ۳۸۔
- (۹) عبدالحافظ غالباً حفظ اللہ خان کے تیسرے بیٹے طالب محی الدین کا دوسرا نام تھا۔
- (۱۰) مجموعہ مکاتیب نمبر ۲۰۴۶۱ ص ۳۹
- (۱۱) تاریخ محمدی میں مرقوم ہے کہ حفظ اللہ خان ۱۱۱۳ھ کے آخر میں فوت ہوا۔ ص ۱۳
- (۱۲) مائر ج ۳ ص ۴۸۸

(۱۳) ترخان نامہ ص ۹۸

(۱۴) بادشاہ نامہ جلد ۱ ص ۳۱۴

(۱۵) بادشاہ کی منزل ۵ تاریخ کو حضرت فردوس مکانی کے تالاب کے پاس تھی، جو کہ گڑھ گوٹھ (از مضافات پرگنہ بھیڑہ) میں تھا۔ بادشاہ نامہ ج ۲ ص ۱۶۱

(۱۶) بادشاہ نامہ ج ۲ ص ۱۶۲

(۱۷) بادشاہ نامہ ج ۲ ص ۲۹۰

(۱۸) بادشاہ نامہ ج ۲ ص ۳۸۶

(۱۹) مرآۃ احمدی چاپ قدیم ص ۲۳۱

(۲۰) مرآۃ احمدی

(۲۱) بادشاہ نامہ ج ۳ ص ۷۲۶

(۲۲) مائر ج ۳ ص ۳۸۸

(۲۳) مکتوبات تاریخی ص ۹۲ نمبر ۲۰۴۶۱

(۲۴) مائر ج ۳ ص ۳۸۸ وج ۳ ص ۵۶۰

(۲۵) بادشاہ نامہ ج ۲ ص ۲۹۰

(۲۶) بادشاہ نامہ ج ۲ ص ۳۰۲

(۲۷) بادشاہ نامہ ج ۲ ص ۶۳۲

(۲۸) مائر ج ۳ ص ۵۶۰ میں پرشن لٹریچر کے مؤلف مسٹر اسٹوری نے

غلطی سے ترخان نامہ کا ذکر کرتے ہوئے، محمد صالح کے لیے لکھا

ہے کہ وہ ۱۰۶۱ھ میں ٹھٹھہ کا صوبہ دار تھا۔ ہوسکتا ہے کہ

صاحب ممدوح سورٹھ کے بجائے غلطی سے ٹھٹھہ لکھ گیا ہو۔

پرشن لٹریچر ص ۶۵۵

(۲۹) ذخیرہ خطی

(۳۰) ترخان نامہ ص ۳

(۳۱) مائر ج ۳ ص ۵۶۰

(۳۲) مائر ج ۳ ص ۳۸۸

(۳۳) مائر ج ۳ ص ۵۶۰

- (۳۲) مرآۃ چاپ قدیم ص ۲۲۳
- (۳۵) خویشنگی پٹھان تھے، تیسویں سال شاہجہانی میں (۶۷-۱۰۶۶ھ) دونوں بھائیوں کا آپس میں تنازعہ ہوا۔ جس کی وجہ سے دونوں کو سورٹھ سے نکالا گیا۔ قطب الدین کو پٹن کی فوج داری اور تیولداری دی گئی اور شمس الدین کو اورنگزیب کی طرف دکن روانہ کیا گیا۔ عالمگیر کے زمانے میں شمس الدین نے خوب ترقی کی۔ مائر جلد ص ۶۷۶-۶۷۷
- (۳۶) مقدمہ ترخان نامہ ص ۳-۴
- (۳۷) مائر ج ۳ ص ۵۶۰
- (۳۸) مائر ج ۳ ص ۵۷-۵۶۰ میرزا والی کا بیٹا جو شہزادی دانیال کی بیٹی بلاقی بیگم کا شوہر تھا۔ باپ کی وفات کے بعد ابوالمعالی سہون پر مقرر ہوا۔ اس تبادلے کے بعد وہ دوسری مختلف جگہوں اور منصب پر فائز رہا۔ ۱۰۷۴ھ میں طبعی موت مرا۔
- (۳۹) مائر ج ۳ ص ۳۶۰ بادشاہ نامہ میں منصب دار کی فہرست میں محمد صالح کو، ہزار و پانصدی و پانصدی ہزار۔ میں لکھا گیا ہے، حالانکہ یہ بعد کا اضافہ بھی اسے شاہجہانی دور میں ملا۔ معلوم نہیں کہ مصنف نے کس طرح اس کو پندرہ صدی میں شمار کیا ہے۔ (بادشاہ نامہ ج ۲ ص ۷۳۰)
- (۴۰) مکتوبات خطی ملک دانش گاہ سند نمبر ۲۰۴۶۱ ورق ۲۸-۲۹
- (۴۱) سامو گڑھ پر یہ نام اسی فتح کے سبب پڑا۔
- (۴۲) عالمگیر نامہ ۲۷۶
- (۴۳) دارا شکوہ کو 'بیشکوہ' محمد صالح نے نہیں لکھا تھا، بلکہ عالمگیر کی بادشاہت کے بعد، سرکاری مورخین نے اپنی کتابوں میں اس کا نام لکھنا اس طرح شروع کر دیا تھا۔ عالمگیر نامہ کے مؤلف محمد کاظم اسی نام کو خاص طور پر اپنی کتاب میں دہرایا ہے۔
- (۴۴) عالمگیر نامہ ص ۱۷۶
- (۴۵) عالمگیر نامہ ص ۲۷۷

(۴۶) عالمگیر نامہ ص ۷۷-۷۸

(۴۷) عالمگیر نامہ ۲۷۸

(۴۸) ایضاً ص ۲۷۹

(۴۹) ایضاً ص ۲۷۹

(۵۰) یہ کتاب پیرس کے ببلیوتھک ناسونال میں موجود ہے۔ (پرشین سلیمینٹ ۲۷۶- ورق ۲۳۳) دیکھیے جنرل ریسرچ سوسائٹی آف پاکستان- لاہور اپریل ۱۹۶۵ء

(۵۱) لڑائی کا نقشہ دیکھیے تاریخ اجمیر ص ۱۶۰

(۵۲) جنرل آف دی ریسرچ سوسائٹی آف پاکستان- اپریل ۱۹۶۵ء
۱۳۳-۱۳۵

(۵۳) دیکھیے جنگ کا نقشہ تاریخ اجمیر از ہربلاس ساردھا ص ۱۶۱ سال ۱۹۴۱ء۔

(۵۴) بہادر خان کا مقبرہ لاہور میں میان میر کے سامنے نہر کے نیچے ہے۔
(ڈاکٹر چغتائی کا مضمون)

(۵۵) دارا کے کوکہ کی بیٹی سے محمد صالح کی شادی اور اسی وجہ سے دارا کی چشم پوشی کا قصہ مائر الامراء (ج ۳ ص ۵۶۰) لکھا ہے۔ خلاصۃ التواریخ کے مؤلف محمد کاظم کی عبارت لفظ بہ لفظ اخذ کی ہے۔ ص ۵۳۹۔

(۵۶) عالمگیر نامہ ص ۳۴۷

(۵۷) عالمگیر نامہ ص ۴۰۰

(۵۸) عالمگیر نامہ ص ۸۱۵

(۵۹) عالمگیر نامہ ص ۴۴۷

(۶۰) مائر ج ۳ ص ۵۶۲

(۶۱) عالمگیر نامہ ص ۴۰۱

(۶۲) مائر ج ۳ ص ۶۲-۵

(۶۳) عالمگیر نامہ ص ۴۵۰ تا ۴۵۲

(۶۴) بادشاہ شکار سے دو مہینے آٹھ دن کے بعد ۱۰ جمادی الثانی

۱۰۷۰ھ کو واپس دہلی پہنچا۔

- (۶۵) مائر ۳ ص ۵۶۲
- (۶۶) عالمگیر نامہ ص ۸۶۷
- (۶۷) عالمگیر نامہ ص ۸۶۹
- (۶۸) عالمگیر نامہ ص ۸۸۸
- (۶۹) عالمگیر نامہ ص ۸۹۳
- (۷۰) پیش ہونے، قلعوں کی تفصیل اور احوال کے لیے دیکھیے عالمگیر نامہ ص ۹۰۱ تا ص ۹۰۶۔
- (۷۱) عالمگیر نامہ ص ۹۰۷
- (۷۲) عالمگیر نامہ ص ۹۰۸
- (۷۳) عالمگیر نامہ ص ۹۰۹
- (۷۴) عالمگیر نامہ ص ۹۱۰
- (۷۵) عالمگیر نامہ ص ۹۱۰
- (۷۶) عالمگیر نامہ ص ۹۱۱
- (۷۷) عالمگیر نامہ ص ۹۱۳
- (۷۸) عالمگیر نامہ ص ۹۸۹
- (۷۹) عالمگیر نامہ ص ۲۰-۱۰۲۱
- (۸۰) عالمگیر نامہ ص ۱۰۲۰
- (۸۱) معارف، دسمبر ۱۹۲۳ء ص ۴۲۳ ج ۱۴
- (۸۲) عالمگیر نامہ ص ۱۶۱-۲۲۱
- (۸۳) بادشاہ کا خانگی اور گھریلو امور کا انچارج
- (۸۴) مائر ج ۳ ص ۵۶۲
- (۸۵) ایضاً ص ۵۶۲
- (۸۶) کتبات مکلی از بیاض خداداد خان (خطی)

باب ۸

(۱۵)

رانک - گورستان:

میرزا عیسیٰ کی رانک جس کی مکلی نامہ کے مصنف نے بڑی تعریف کی ہے۔ وہ واقعی ہر لحاظ سے پوری مکلی کا حسن ہے۔ تعمیر کا ایسا نادر نمونہ کہیں نہیں ہے۔ میر قانع نے مبالغہ نہیں کیا، بلکہ سچ لکھا ہے:

”طرفہ نشیمنی کہ ادراک حیرت زدہ ہو قلمونی صفت بنایان
اوست، و اندیشہ محو برجستہ کاری معماران ویست۔ بینندہ
را خرد بیرون در وداع میکند، و نشینندہ را فرحت یار غار می
باشد۔ چون کسی آنجا بہ فراغت چار زانو زند، ہر سو صحرا
صحرا سبزہ نو و ہر طرف جنگل جنگل ریاحین خوشبو معاینہ
کند۔ نسیم فرحتی کہ آنجا وزد، نوح نبی بر کوہ جودی نبرہ
باشد، می آسایشی کہ در آن قصر عالی نوش گردد، موسیٰ بر
جبل، طور سینا نخورده باشد۔ تا نظر کار کند ہر روز ہر طرف
عالمی آبادان، و تا دیدہ و اگر دد ہمہ سو جہانی نمایان۔“

آج وہ عمارت تو ہے، لیکن ویران و سنسان۔ وہ فضا نہیں ہے، جس کا نقشہ میر قانع نے کھینچا ہے، جس دور کا ذکر کیا ہے، اس زمانے میں ابھی ٹھٹھ اور اس کے آس پاس کا علاقہ جوان اور جوان بخت تھا۔ اس وقت واقعی یہی صورت حال ہو گئی، جس کا بیان ہم اوپر پڑھ چکے ہیں۔

تعمیر اور سامان: میر قانع نے تحفۃ الکرام میں لکھا ہے کہ اس عمارت کے لیے پتھر میرزا عیسیٰ نے ہندوستان سے بھیجا تھا اور اٹھارہ سال عمارت کی

تعمیر میں صرف ہوئے۔ ابھی عمارت مکمل نہیں ہوئی تھی کہ اس کا انتقال ہوا۔ میرزا چاروں اطراف ایک دوسرے کے مقابل نشیمن تعمیر کروانا چاہتا تھا۔

”رو بروی نشیمن بزرگ ہر چہار طرف نشیمنہای شایان بہ جواب ہم دگر ترتیب دھند۔“ (۱)

میرزا کی زندگی کا زیادہ عرصہ گجرات میں گذرا۔ اس لیے قرین نیاس یہ ہے کہ اُس نے پتھر ہندوستان سے نہیں بلکہ گجرات سے منگوائے ہوں گے۔

میر قانع نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس عمارت کی تعمیر پر نورائی جاگیر کی آمدنی خرچ کی گئی تھی۔ یہ جاگیر ابتدائی زمانے سے خاندانی مقابر کی تعمیر اور مرمت کے لیے مخصوص تھی۔

تعمیر کا عرصہ: میر قانع نے لکھا ہے کہ اس رانک کی تعمیر میں اٹھارہ سال صرف ہوئے، ایک خطی بیاض سے معلوم ہوتا ہے کہ: میرزا نے ۱۰۳۷ھ میں کام شروع کروایا جو ۱۰۵۳ھ میں ختم ہوا۔ (۲) یہ عرصہ سترہ سال بنتا ہے، غالباً یہاں پہلی لاش چار سال کے بعد ۱۰۵۸ھ میں مرزا عیسیٰ کے بیٹے میرزا عنایت اللہ کی دفن ہوئی۔

میرزا عیسیٰ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ وہ ایک مرتبہ ٹھٹھہ کا صوبہ دار بن کر دو مہینوں کے لیے ۱۰۳۷ھ میں آیا۔ ہمارے خیال کے مطابق اسی زمانہ میں اُس نے فقط اپنے والد کے مقبرے کی تعمیر کا کام شروع کروایا ہوگا۔ وہ رانک اتنی اعلیٰ ساخت اور کارکردگی کا نمونہ ہے کہ اس کی تکمیل میں کئی سال لگ گئے ہوں گے۔ میرزا خود اسی سالے میں دو مہینوں کی صوبے داری کے بعد بھی آٹھ مہینے ٹھٹھہ میں باقی پذیر رہا، لیکن یہ عرصہ ظاہر ہے کہ فقط نقشے تیار کرنے اور ابتدائی دو بست کے لیے بھی کافی نہیں تھا، اس لیے گمان غالب ہے کہ نقشے تیار کروا کر مقبرے کی بنیاد ڈالنے کے بعد وہ خود چلا گیا ہوگا۔ بقیہ کام کے جانے کے بعد ہوا ہوگا۔

۱۰ اور در - : جب سارا پتھر گجرات سے لایا گیا، اس

صورت حال ميں ايڪ گمان يہ بھي ھوسکتا ھے کہ پتھر کے تراشنے اور نقش و نگار کا سارا کام گجرات ميں ميرزا نے اپني نگراني ميں مکمل کروا کر بنا بنایا سامان بھيج ديا، جس کو يہاں کاری گروں نے عمارت کی شکل دی ھوگی۔ گجرات، پتھر کے کام اور اس پر نقش و نگار کے سلسلے ميں ہميشہ مشھور رہا ھے۔ سندھ ميں اس وقت تک جو پتھر پر کام ھورہا ھے وہ گجرات کے ماھرین ہی کر رہے ھیں۔

پتھروں کو ايڪ دوسرے کے اوپر اس طرح رکھا گیا ھے کہ کہیں سے جوڑ معلوم نہيں ھوتا۔ مير قانع نے صحيح کہا ھے کہ:
 ”سنگھايِ اين قصر، چنان بالاي ھم چيدہ اند کہ گویا، ھمگی
 در قالبي ريخته اند و يا ھمچنين يك لخت انگيخته اند۔“

گجراتی اثر: جان بابا کا مقبرہ ھو یا ميرزا عیسیٰ کی رانك، دونوں کی طرز تعمیر جداگانہ ھے۔ جام نظام الدین کا مقبرہ اور اس دور کے دوسرے مقبروں کی طرز تعمیر کے لحاظ سے يہ دونوں مقبرے ھم شکل ھیں۔ سما خاندان کے طرز تعمیر پر گجرات کا اثر ھے۔ اس طرح يہ دونوں مقبرے بھي تعمیر کی ذبیت سے مخصوص اور گجراتی اثرات کے آئينہ دار ھیں۔ چوکور ستون پتھر کی کاٹ اور نقش و نگار، دروازوں کے چوکور فریم اور سردر، ان کا مختصر طول و عرض بر آمدے اور بر آمدوں ميں اضافے، چھت اور اس کے شہتیر، ونگوں کا نمونہ اور مقبروں کی بناوٹ يہ سب کچھ گجراتی طرز تعمیر کے مظہر ھیں۔

يہ صورت حال ديکھ کر خاصی حد تک يقين ھوجاتا ھے کہ نقشہ بنانے والے، مستری، کاریگر اور نقش و نگار کرنے والے گجراتی تھے۔ اس لیے قوی گمان ھے کہ عمارات کا سارا سامان گجرات ہی ميں ميرزا کی زیر نگرانی تيار ھوا ھوگا۔ يہ خيال اس لیے بھي يقين کی حد تک پہنچتا ھے کہ ميرزا اور اس کی اولاد سب کے سب گجرات ميں تھے اور کوئی شخص نہيں تھا جو ٹھٹھ ميں اس کام کی نگرانی کرتا۔ ميرزا جب سندھ سے باہر گیا تو پھر کبھی واپس سندھ نہيں آیا۔ اس صورت حال ميں يہ ممکن نظر نہيں آتا کہ ميرزا، ایسی خوب صورت عمارات پس غائبانہ غیروں کے ہاتھ

چھوڑ دیتا۔

عمارت: مقبرے کی عمارت دو منزلہ ہے۔ ایوان میں داخل ہونے کا دروازہ مشرق سے ہے اور مقبرے کے اندر داخل ہونے کا دروازہ جنوب میں ہے۔ پوری عمارت ایک چبوترے پر ہے۔ ہر آمدے زیریں یا بالین چوکور نقشہ دار پتھر کے ستونوں پر آویزاں ہیں۔ چھت میں بھی اسی طرح چوکور نمونے کے شہیتر نصب ہیں، بالائی منزل پر جانے کے لیے مشرقی دیوار سے دونوں طرف اوپر جانے کے لیے سیڑھی بنی ہوئی ہے۔

مرکزی قبریں کمرے کے درمیان ایک تھلے (چبوترہ) پر بنی ہوئی ہیں۔ کمرے کی دیواریں دونوں طبقوں سے نکل کر اوپر جاتی ہیں، جن کے اوپر ہشت پہلو گنبد ہے۔

زیریں طبقے کے ہر آمدے یا غلام گردش، یا بالائی طبقے کے صحن بہت کشادہ ہیں۔ بالائی منزل پر پہنچنے کے بعد مکلی کا مکمل نظارہ کیا جاسکتا ہے۔

دکانیں: باپ بیٹے کے ان دونوں مقبروں کے درمیان، پتھر کی دیوار کی ایک گلی نظر آتی ہے، جس میں دونوں طرف سے حجے بنے ہوئے تھے، جو میلوں ٹھیلوں کے وقت دکانوں کا کام دیتے تھے۔ اس وقت اس گلی کی بنیادوں کے آثار کھود کر نمایاں کیے گئے ہیں۔ مکلی نامہ میں ان دکانوں کا یوں ذکر کیا گیا ہے۔

”دو رستہ دکانیں محاذی نردبان، شہر مصر را چون نبات

در آب رشک گذاخته. و آمد و شد خیل خیل خوبان زمین

خلج و نوشاد را چون کان نمک شور زار انفعال ساخته.“

ناران سر اور بھرا سر تالاب: میر قانع نے لکھا ہے کہ عمارت کے چاروں طرف نہایت ہی دلکش اور دیدہ زیب تالاب موجود ہیں:

”از چشمہ ها لا تعد و تحصی عالم آب سرئی و از جلوہ فروزی

حوضها، بیرون از عدا حصی کانهای سیماب مشاهد.“

هر طرف چاه چشمه و تالاب
 قلب را فرح دیدها را آب
 وہ چه مردم فریب کانِ حسن
 نمک زیب رویِ خوانِ حسن
 سبزہ ہا رستہ درمیائے آب
 برگہایِ زمرد و سیماب

میر قانع نے مکلی نامہ میں دو تالابوں کا خاص طور پر ذکر کیا ہے،
 ایک چشمہ نارن سر اور دوسرا تالاب خوش آب بھراسر۔ ان کے پانی کی
 تعریف کرتے ہوئے شاعرانہ مبالغے سے کام لیا ہے، لکھا ہے:
 ”آب ہر یکی در عذوبت رشک ذائقہ نبات و در گوارایی
 شریک چاشنی آب حیات:

قلم شکر فروشد وقت تحریر
 زبان طوطی بود ہنگامِ تقریر

یہ تالاب یا پانی کے چاہ اور چشمے سب خشک ہو کر مٹ گئے
 ہیں۔ آج ان کے تھوڑے سے آثار بھی موجود نہیں ہیں۔
 معبد کالکان: میر قانع نے مکلی نامہ میں میرزا عیسیٰ کے مقبرے کا ذکر
 کرتے ہوئے ہندوؤں کے ایک معبد کا ذکر کیا ہے:
 ”پائین این رانک در دامن کوہ، معبد ہندوان است۔ و اغلب
 از آن مردم در آنجا جہان جہان نمایان۔“

مزید لکھتے ہیں کہ:

”ازین معبد تا دامن بلدہ، از ہمہ جہات در ایام برسات، تمام
 زمین مملو از آب و باران بود۔ و کرا طاقت کہ بی کشتی از
 آنجا رود۔“

میر قانع نے در حقیقت جان بابا کے مقبرے کا ذکر اور جانی بیگ کی
 رانکہ کا بیان حذف کر کے، اس مندر کا ذکر کیا ہے، جس کو کالکا کا
 مندر کہا جاتا ہے، جو موجودہ شاہراہ کے جنوب میں پہاڑی کے دامن میں
 واقع ہے۔ اس کے جڑ سے لے کر شہر تک نشیبی زمین ہے جو آج بھی سیم

کے پانی سے بھری پڑی ہے۔

اس کالکا مندر کا تفصیلی ذکر ہم نے اس کتاب کے ضمیمے میں دیا ہے، یہاں فقط چند اشعار بطور نمونہ پیش کیے جا رہے ہیں، جن سے اندازہ ہو جائے گا کہ جس وقت یہ مندر آباد تھا، اس وقت لوگوں کا ہجوم رہتا تھا:

بہ ہر گوشہ نشستہ حلقہ حلقہ
 بتانِ مہرو و رشکِ زہرہ
 بود خورشید و مہ وقفِ یکِ آہنگ
 بہ دستِ شان نباشد 'تال و مردنگ'
 بہ لبِ گویند: رام، و رام سازند
 دو گیسو بشکنند و دام سازند
 ازین غارتِ گرانِ شہرِ دلہا
 کرا تابِ صبوری و شکیبا
 مگر آن قشقہ بر جیو عیان است
 سمایِ رویِ شان را کھکشان است
 نہ در دُرِ گوشِ این خوبانِ قرین است
 طلوعِ ماہ و مہر از مشرقین است
 رخِ شان کعبۂ اربابِ اسرار
 غزالانِ حرمِ چشمانِ طرار
 کمانِ دارند ز ابرو و زمزہ تیر
 دلی یکِ عالمی شان راستِ نخچیر
 کشیدہ قامتانِ چونِ سرو آزاد
 خرامِ شان کند صد گلشنِ آباد
 بہ این خوانیِ چو جمعی جمع کردند
 جہانِ شیرین کنند از یکِ شکر خند

به روزِ مجمعِ شان، اهلِ تقویٰ
 برایِ بتِ پرستی داده فتویٰ
 عجب حالی و طرفہ اتفاق است
 رهایی دل اینجا، امرِ شاقی است
 بیا ساقی بده ذوقِ الستی
 خرابم میکند این بت پرستی!

میر قانع کی یہ فقط شاعری نہیں ہے، بلکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ عروج کے زمانے میں ٹھٹھ کے ہندو اور مسلمان سب زندہ دل تھے۔ میلے ٹھیلے، موسیقی کی محفلیں، خوشی اور خرمی ان کا دن رات کا شعار اور وظیفہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے مختلف پیروں اور بت کدوں پر میلوں، عرسوں اور ساز و سرود کی محفلوں کے لیے مختلف تاریخیں اور دن مقرر کر کے گورستان کو بھی عشرت گاہ میں تبدیل کر دیا تھا۔

جس شہر کے ہر گھر میں شراب کی بھٹیاں موجود تھیں، جس شہر کے ہر گھر سے ساز و سرود کی دل موہ لینے والی آواز فضا میں بلند ہوتی رہتی ہو، جن کے جوان اپنی چند اور جن کی عورتیں دن رات عروسی اور گلابی کپڑے زیب تن کر کے سرخی اور دندا سا لگا کر میلے میں موجود ہوں۔ اس شہر کے لوگوں کی طبع کے میلان اور مزاج کا کیا رنگ ہوگا؟ یہ بات ہر ذی فہم سمجھ سکتا ہے اور ہر آدمی اس کا اندازہ لگا سکتا ہے، تاریخ طاہری کے مؤلف نے حقیقت بیان کی ہے:

”ہرگز ساکنان و متوطنان آن، غمگین و حزین کسی نیافتہ،

برکم و بیش قناعت داشتہ بہ عیش و طرب کام و کامرانی

میدارند۔ تا حال خوشدلی و خرمی کہ درین خلق است، جای

دیگر نیست و نخواہد بود۔“ (۳)

کھیر سرتالاب: میرزا عیسیٰ نے اپنے مقبرے اور اپنے والد کی رانک کے لیے نہ صرف خوبصورت عمارات تعمیر کروائیں، بلکہ ان کے لیے مکلی پر جو جگہ منتخب ہوئی، وہ بھی نظارے اور جائے وقوع کے لحاظ سے مکلی کی بے انتہا خوبصورت جگہ ہے۔ شہر کے بالکل سامنے، آنے جانے والے راستے

کے درمیان، چاروں طرف خوش نما تالاب اور چشمے، سرسبز زمین تا حد نظر سبزہ ہی سبزہ نظر آرہا ہو۔

جان بابا کا مقبرہ مکلی کے کنارے پر واقع ہے، نیچے سے نشیبی زمین شروع ہوتی ہے جو ایک طرف شہر تک پھیلی ہوئی ہے تو دوسری طرف جام نظام الدین کے مقبرے تک پہنچتی ہے۔ ساری کی ساری زمین پانی سے بھری رہتی ہے اور سارا سال اس پر کشتیاں چلتی رہتی ہیں اور سیر و تفریح کے شائقین کے میلے لگے رہتے ہیں۔

ہندوؤں کا معبد جنوب کی طرف ہے اور اس طرف سے دوسرا خوبصورت اور بے مثل تالاب ہے، جس کو کھیر سر کہا گیا ہے۔ مزار سے لے کر اسی تالاب تک ساری سرزمین مخملی تھی۔ جیسا کہ مکلی نامہ میں درج ہے:

”ارض مابین رانک مذکور و این تالاب ہمہ مخمل باف...
نساج قدرت براین منوال دارای آبی رنگ نیافتہ، و نقاش
صنعت صورتی بدین شادابی بر صفحہ تکوین نکشودہ۔ دھقان
امل را هیچ ارضی بہ ازین مرئی نشدہ و معمار امید را زمینی
بدین طراوت مشاہدہ نرفتہ، تا نظر کار کند سبزہ در سبزہ و تا
دیدہ بار بندد، جنس طراوت تودہ بر تودہ۔ و سوداگران شہر
ختن و خطا، خریدار عطریات این زمین و تجاران معمورہ سبز
و سبا، مشتری متاع سرسبزی چنین ارض۔“

یہ تالاب مکلی کے مشہور تالابوں میں سے ایک تھا۔ سرسبز خوبصورت اور پانی سے بھرا ہوا اور اس کا پانی صاف اور شفاف۔ یہ تالاب لوگوں کی سیر و تفریح کا مرکز تھا۔ زندہ دل لوگ سارا دن اس تالاب کے کنارے بیٹھے رہتے تھے۔ مکلی نامہ سے پونے دو سو برس قبل کی تاریخ میں، اس تالاب اور اس پر لوگوں کی سیر و تفریح اور شغل کا ذکر یوں آیا ہے:

”بر بالای کوہ مکلی، تالابی است کہ آنرا کیر سر سی نامند،

یعنی تالاب شیرین. درین مدت تا باران، آب در تالاب هست، مرد و زن اصناف چه هندو چه مسلمان صف در صف، هر روز تاشب در آنجا طعام می پزند و جشن میدارند، به نوعی جمعیت یکجا می گردد که کدام عید و چه طوی برابر آن باشد؟ هر که آنجا رسیده و تفرج نموده، او می داند و انصاف خواهد داد.

مذکورہ بالا عبارت تاریخ طاہری کی ہے۔ مزید اس طرح ہے: یہ طریقہ ایام سے چلا آرہا ہے کیونکہ ایک تو رسم جاری ہے، اس لیے اس کو ترک کرنا مشکل ہے۔ (۴)

پونے دو سو برس بعد میر قانع کے زمانے میں بھی اس تالاب پر لوگوں کے ہجوم اس طرح لگے رہتے تھے۔ میر قانع نے مکلی نامہ میں اپنے شاعرانہ انداز میں وہی بات بیان کی ہے، جو میر طاہر نسیانی نے اپنی کتاب تاریخ طاہری میں بیان کی ہے:

”ہر طرفش مجمع مرد و زن، و ہر سو کله گوشہٴ عشرت در
 بشکن بشکن. ساقیان سیمین عذار بربل آن چشمہ سار کوثر
 بکاسہ دھند، و مغنیان لالہ رخسار، برکنار این تالاب، گوش
 طنبور مسرت بر مالند. پا کوئی اطفال و دستک زنی جوانان
 شیرین مقال، ہر جانب شور در بحر اخضر سپہر می افگند.
 رقاصہٴ مہ طلعتان و خنیاگری پری رویان، زہرہ را بر فلک
 رامشگری می آموزد. جوانان امرد و امردان بیخود در آنجا
 خیل خیل روان، و نازنینان ہم صورت غلمان، جوق جوق
 خرامان. پری رویان را خوش مجعی و سہی قدان را نیکو
 مرجعی.“

میر قانع نے مکلی نامہ میں حسب دستور اسی تالاب کی تعریف میں ایک طویل نظم لکھی ہے، جس کے ابتدائی اشعار بڑے اہتمام سے کہے گئے ہیں:

به وصف کیر سر تا لب کنم تر
 دهن پر می شود از شیر و شکر
 قلم از نیشکر باید به دستم
 به ذوق آب این تالاب مستم
 به آب خضر باید شستیم دست
 شوم تا در صفاتش پاک سر مست
 ز چشم آهوم چینی دوات است
 به جای آہم آبی از نبات است
 مدادم مشک ابری کاغذ اعلیٰ
 مگر در وصف او لب را کنم وا

اس تالاب سے وضو کر کے لوگ جلوہ گاہ امامین کی زیارت کے لیے جاتے تھے۔

اس تالاب کی سرزمین کس جگہ پر تھی؟ اس وقت یہ معلوم کرنا بہت مشکل ہے۔ ممکن ہے کہ تالاب کا نشیب موجود ہو، لیکن کسی کو اس کے متعلق معلومات نہ ہو۔

بہر حال یہ خوبصورت اطراف تھے، میرزا عیسیٰ کی رانک کے، شرفا خان کا مقبرہ اور طغرل بیگ کی چوکھنڈی یا دوسری آس پاس کی عمارات، بعد کی ہیں۔

رانک اور اشعار: عمارت کی خوبصورت ساخت دو منزلہ پر آمدہ ستونوں اور دیواروں کے نقش و نگار اور دل کشی ہر دور میں سیاحوں کی کشش کا سبب رہے ہیں۔ ملکی خواہ غیر ملکی جن لوگوں نے اس مزار کو دیکھا، وہ اس کی تعریف کرنے پر مجبور ہوئے۔ متعدد شعراء نے اس کی توصیف میں نظمیں کہیں۔ مثلاً ٹھٹھہ کے ایک شاعر ”طاہر“ نے ایک قصیدہ کہا تھا، اس کے چند اشعار ”مقالات الشعراء“ میں بطور نمونہ درج ہیں:

رانك ميرزا عيسى اندر كوه مكلى، طرفه جاست
 در بهاران گوييا، سر چشمه نور خداست
 در صفائش هر كه بگمارد نظر، بى شك و ريب
 ديده ديده باليقين مى گويد اين جاى هداست
 بى تكلف گر كند ناگه گذر رضوان درو
 در غلط افتاده گويد: آنكه فردوس علاست
 چار ديوارش اگر از شش جهت ... صفا
 باج گيرد در دو چشم منصفان، الحق بجاست

اسى عمارت ميں ٹھٹھ كے عوام كے علاوہ خواص كى تفرىحى
 محفلىں اور مجالس منعقد ہوتى تھیں۔ صبح سے لے كر شام تك آمد و
 رفت كا سلسلہ جارى رہتا تھا۔ شاعروں كے ہجوم اور مشاعروں كى
 محفلىں ہوتى تھیں۔ مخدوم ابراہيم نے تكملہ مقالات الشعراء ميں ايك
 ايسى مجلس كا ذكر كرتے ہوئے كہا ہے: ”ايك دن ٹھٹھ كے مشہور شاعر
 مير عظيم الدين موجود تھے۔ ان كے چچا زاد بھائى يعنى مير قانع كے
 صاحب زادہ مير غلام على مائل بھى ان كے ساتھ تھے۔ دونوں چچازاد
 بھائى ميرزا عيسى كے مقبرے كے بڑے داخلى دروازے كے پاس بيٹھے تھے،
 آتے جاتے لوگوں كو ديكھ رہے تھے۔ دروازے كے پاس سے ايك بہت
 خوبصورت لڑكا گذرا، اُس كى ناك، كے نيچے كالا تل تھا، جس كے سبب
 اس كا چہرہ زيادہ خوبصورت لگ رہا تھا۔ مير عظيم كى طبع ميں جولانى
 پيدا ہوئى، فوراً ايك مصرع موزوں كيا:

زبس حيرت، بلال از منبر افتاد

مير مائل ابھى اس وقت غالباً شعر و سخن كى طرف مائل نہيں
 تھے، مگر اچانك اس موقع پر ان كى زبان سے مصرع نمودار ہوا:

چو ديد، آن خال زير بيني يار

ز بس حيرت، بلال از منبر افتاد

مير عظيم نے فرط محبت سے اپنے بھائى كو گلے لگايا، اگرچہ دونوں

اشعار میں شعریت بالکل نہیں ہے، لیکن شاعروں کی بات ہے، بلال کی مناسبت سے جو خال سیہ مصرع میں آگیا، اس نے شاعر کو شعر کہنے پر مجبور کر دیا۔

(۱۶)

۱- قبریں اور اس کے کتبے:

میرزا کی رانک کی مکمل عمارت ہیلے پتھر کی بنی ہوئی ہے۔ دیواریں، ستون، چھت، شہتیر، اندرونی یا بیرونی میدان کا فرش، الغرض ہر چیز پتھر کی بنی ہوئی ہے۔

چھت والی عمارت درمیان میں ہے، جس کے چو گرد کشادہ میدان ہے اور چاروں طرف دیوار بنی ہوئی ہے۔ د اخلی دروازہ مشرق سے اور مرکزی عمارت میں جانے کے لیے دروازہ جنوب کی طرف ہے۔ مکمل عمارت تھلے (چبوترے) پر بنی ہوئی ہے، جس کے اوپر چڑھنے کے لیے چاروں طرف سے سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔

بیرونی دیوار کے مغربی حصے میں درمیان میں محراب ہے اور دیوار کے ساتھ تھلے (چبوترے) بنا ہوا ہے، جس پر تقریباً دو سو آدمی نماز ادا کرسکتے ہیں۔

مرکزی عمارت میں شمال اور جنوب کی بیرونی دیواروں کے ساتھ تھلوں (چبوتروں) پر کل اٹھارہ قبریں ہیں، جن کی تفصیل یوں ہے:

۲- مرکزی قبریں:

مرکزی عمارت میں قبروں کی کوٹھری کے اندر جنوب سے داخل ہونا پڑتا ہے۔ قبریں ایک تھلے (چبوترے) پر بنی ہوئی ہیں، جس کے سامنے والی دیوار پر خوبصورت نقش و نگار نظر آتے ہیں۔

ہم اس کے ساتھ پوری عمارت کا نقشہ شامل کر رہے ہیں، جس میں ہم نے ہر ایک قبر پر نمبر لگائے ہیں۔ انہی نمبروں کے تحت ہر ایک قبر کے متعلق ضروری احوال دیا گیا ہے۔

۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۸ نمبر والی قبروں پر تاریخی کتبہ نہیں۔ ان

میں سے فقط ۲ اور ۳ نمبر والی قبروں پر قرآنی آیات کندہ ہیں۔ پہلی اور دسویں نمبر والی قبر مرکزی قطار سے الگ ایک تھلے (چبوترے) پر موجود ہے۔
۳- میرزا بہروز:

تاریخ اور آیات کا کتبہ خان بہادر خداداد خان مرحوم کی بیاض میں موجود ہے۔ تاریخی کتبہ میرزا کے احوال کے ساتھ دیا گیا ہے۔ آیات یوں ہیں:
بسم اللہ... اللہ لا الہ الا هو الحي القيوم... هو العلی العظیم. (۵)
لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ. شهد اللہ انه لا الہ الا هو
والملائكة... اليه ترجعون. (۶)
لقد صدق اللہ... منهم مغفرة و اجرا عظيماً (۷)
بسم اللہ... تبارك الذين... بماء معین. (۸)

۵- میرزا عیسیٰ:

پیلے پتھر کی قبر ہے، قبر کے پائیں والا کتبہ تاریخی کتبہ ہے۔ میرزا کے احوال کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔ قبر کے کناروں پر مندرجہ ذیل آیات کندہ ہیں:

لا الہ... بسم اللہ... تبارك الذی... بماء معین. (۹)
بسم اللہ... اللہ لا الہ الا هو الحي القيوم... هو العلی
العظیم. (۱۰)
کل شیء هالك الا... ترجعون. (۱۱)
قال اللہ تعالیٰ: ان الذين امنوا و عملوا الصالحات... ولا يشرك
بعبادة ربه احدا. (۱۲)

تل یا عبادی الذین اسرفوا... انه هو الغفور الرحیم. (۱۳)

۶- میرزا عنایت اللہ:

میرزا عیسیٰ کے پہلو میں، اسی پیلے پتھر والی قبر پر، پائیں سے تاریخی کتبہ ہے، آیات اور کتبہ، ان کے احوال کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔
۷- ایرج میرزا:

عنایت اللہ کے پہلو میں دفن ہیں، آیات اور کتبہ ان کے احوال کے ساتھ ملاحظہ ہوں۔

۹- فتحی میرزا:

میرزا عیسیٰ کے صاحب زادے میرزا فتحی کی قبر اسی پیلے پتھر کی بنی ہوئی ہے۔ کتبہ اور آیات ان کے احوال میں دیے گئے ہیں۔

۱۰- دو قبریں:

مرکزی تھلے پر موجود قبر نمبر ۲ اور ۴ پر کوئی تاریخی کتبہ نہیں۔ قرآنی آیات مرحوم خداداد خان نے اپنی بیاض میں نقل کی ہیں۔ ایک قبر پر یوں لکھا ہوا ہے:

بسم الله... تبارك الذی... والیہ النشور. (۱۴)

الله لا اله الا هو الحی القيوم... علی القوم الکافرین. (۱۵)

دوسری قبر پر مندرجہ ذیل آیات موجود ہیں:

لا اله الا الله... آمن الرسول بما انزل الیه... علی القوم الکافرین.

(۱۶)

توكلت علی الحی الذی لا يموت

كل شیء هالك الا ترجعون. (۱۷)

كل من علیها فان...

قال الله سبحانه وتعالى: ان الذین امنوا وعملوا الصالحات

كانت لهم... ولا یشرک بعبادة ربہ احدا. (۱۸)

بسم الله... تبارك الذی... بماء معین. (۱۹)

۱۱- شمال اور مغربی کورنے کا تھلہ (چبوترہ):

نماز کے لیے مغرب کی طرف سے جو تھلہ (چبوترہ) ہے، اسی سے متصل تھلے (چبوترے) پر شمال اور مغرب والی دیوار کے کونے میں دو قبریں (۱۲-۱۳) ایک دوسرے کے ساتھ پہلو بہ پہلو موجود ہیں۔ ایک قبر (نمبر ۱۱) پائیں سے کچھ فاصلے پر ہے، جس پر کوئی کتبہ نہیں ہے، قبر سیمنٹ کی بنی ہوئی ہے، شاید کسی جھوٹے بیجے کی ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ دستور کے مطابق ان قبروں کے چاروں طرف چہار دیواری تھی، جو بعد میں مسمار ہو گئی۔ دو قبریں (۱۲-۱۳) کے کتبات ذیل میں دیے جاتے ہیں۔

۱۲ - ولی نعمت:

اس قبر کے پائیں کتبہ ہے:

تاریخ وفات مرحومہ مغفورہ ولی نعمت

پانزدہم شہر رجب المرجب ۱۰۸۰ھ

قرآنی آیات:

لا الہ الا اللہ... قال اللہ تعالیٰ: قل یا عبادى الذين اسرفوا...

الغفور الرحیم. (۲۰)

صدق اللہ العلی العظیم وصدق رسوله الکریم.

بسم اللہ... آمین الرسول بما انزل الیہ... والیک المصیر. (۲۱)

بسم اللہ... تبارک الذی... بماء معین. (۲۲)

ہمارا گمان ہے کہ یہ قبر میرزا عیسیٰ کی بیگم کی ہوگی، کیونکہ دستور کے مطابق 'ولی نعمت' مالک کی بیگم کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس خاندان کے بڑے بزرگ یا مالک میرزا عیسیٰ تھے، اس لیے ان کی بیگم کے لیے ہی یہ الفاظ لائے جاسکتے ہیں۔ ۱۰۸۰ھ میں اس خاتون کا انتقال ہوا۔

۱۳ - عصمت پناہ جہاں بیگم:

قبر نمبر ۱۲ کے پہلو میں ہے۔ شجرے میں یہ نام نظر نہیں آتا۔ فقط کتبے سے اس خاتون کا نام جہاں بیگم ظاہر ہوتا ہے۔ کتبہ یوں ہے:

بتاریخ بیست و ششم ذی

الحجہ سنہ ۱۰۸۲ھ عصمت پناہ

جہاں بیگم فوت شد۔

آیات:

لا الہ الا اللہ... بسم اللہ... ینسین القرآن الحکیم... ومتاعاً الی

حین. (۲۳)

۱۴ - صحن کا جنوبی تھلہ (چبوترہ):

جنوب اور مغرب کے کونے پر صحن کے اندر تھلے پر تین (نمبر ۱۴، ۱۵، ۱۶) خوبصورت قبریں موجود ہیں۔ اوپر سے چھجے کی دیوار پر آیت کا ایک ٹکڑا بچ گیا ہے۔

مذکورہ قبور میں سے (قبر نمبر ۱۶) پر کتبہ نہیں ہے، باقی دو قبروں کے پائیں تاریخی کتبات اور کناروں پر آیات درج ہیں، یہ تینوں زنانہ قبریں ہیں، مگر کتبوں پر ان کا نام لکھا ہوا نہیں ہے۔

۱۵- سعادت یافت:

اس قبر کے پائیں ایک کتبہ ہے:
بگفتابی حجاب از غیب، هاتف:

سعادت جاودانی یافت بی بی - ۱۱۱۳ھ

قبر کے کناروں پر یہ آیات مرقوم ہیں:

لا اللہ... بسم اللہ... یسین والقرآن الحکیم... وما لا یعلمون. (۲۴)

ان رحمت اللہ قریب من المحسنین. (۲۵)

صدق اللہ جل جلالہ.

۱۶- عصمت پناہ: اس قبر کے پائیں کتبہ موجود ہے:

بتاریخ بیست وسوم

شهر رمضان سنہ ۱۰۸۱ھ

وفات ابن عصمت پناہ مغفورہ.

آیات:

لا الہ الا اللہ... بسم اللہ... یسین والقرآن الحکیم... وما لا

یعلمون. (۲۶)

۱۷- صحن کا شمالی تہلہ (چبوترہ):

مرکزی عمارت کے مقابل شمالی دیوار کے بیچ میں تہلے کے اوپر فقط ایک قبر (۱۷) موجود ہے، جس کے دونوں اطراف کافی زمین خالی پڑی ہوئی ہے۔

۱۸- ولی نعمت میرزا مظفر:

قبر پہلے پتھر کی ہے، پائیں والا تاریخی کتبہ اور آیات (۲۷) میرزا مظفر کے احوال میں ملاحظہ ہوں۔

ترخانی خاندان میں میرزا مظفر دو گزرمے ہیں، ایک میرزا باقی کا بیٹا جو پہلے چاچکان پرگنہ کا حاکم تھا اور والد کی وفات کے بعد میرزا جانی سے شکست کھا کر کچھ کی طرف بھاگ گیا تھا۔ دوسرے میرزا مظفر ثانی، جو

میرزا عنایت اللہ بن میرزا عیسیٰ ثانی کے صاحبزادے تھے۔ وفات کے سال کو مدنظر رکھتے ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خاتون میرزا مظفر ثانی کی بیگم تھیں۔ یہ بات قرین قیاس ہے کہ زنانہ قبروں کے ہر ایک تھلے (جبوترے) پر ابتدائی زمانے میں اس دور کے دستور کے مطابق پردے کے لیے چہار دیواری لازمی ہوتی تھی۔ جو بعد میں مٹ گئیں۔ مشرقی اور شمالی دیوار کے کونے میں اس قسم کی زنانہ چہار دیواری ابھی تک موجود ہے۔ (۲۸) شمالی اور مشرقی گوشہ والی قبر ۱۸: اس تنہا زنانہ قبر نمبر (۱۸) کے چاروں طرف پردہ کے لیے پھیکے رنگ کے پتھر کی دیوار ہے، جس کے مغرب میں ایک کھڑکی ہے، لیکن اس کا نہ تو داخلی دروازہ ہے اور نہ اس پر کوئی چھت وغیرہ بنی ہوئی ہے۔

قبر کی موجودہ ساخت بالکل صاف ہے۔ جس پر کبھی کوئی کتبہ وغیرہ نہیں تھا۔

عصمت پناہ: مذکور بالا قبر (۱۸) اور قبر (۱۷) کے درمیان ایک دو سمار شدہ قبروں کے نشانات موجود ہیں، ہوسکتا ہے کہ خداداد خان کا نقل کیا ہوا مندرجہ ذیل کتبہ ان میں سے کسی ایک کا ہو، جو کسی زمانے میں مٹ گئی ہو، ایسی صورت حال مکلی کی ہزاروں قبروں کی ہے۔

خداداد خان کی بیاض میں کتبے کے اس حصے کی نقل موجود ہے۔
مرحومہ مغفورہ عصمت پناہ۔

آیات:

لا الہ الا اللہ... بسم اللہ... تبارک الذی ... ربهم بالغیب لهم
مغفرة واجر کبیر. (۲۹)

(۱۷)

عمارت کے بقیہ کتبات:

مرکزی عمارت کی تھوڑے محرابوں کی پیشانی پر، یا چہار دیواری والی تھوڑے محرابوں پر آیات کے کتبات موجود ہیں، جو ذیل میں دیئے جاتے ہیں۔ مغربی دیوار میں مسجد کی محراب ہے، اس طرف سے کوئی کتبہ نہیں ہے۔

داخلی دروازہ:

مقبرے کے اندر داخل ہونے والے دروازے (۲۰) کی پیشانی والا کتبہ: (۳۰)

بسم اللہ... لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ... صدق اللہ۔
اس وقت وہ کتبہ موجود نہیں ہے۔

مصلیٰ مشرق و جنوب:

قال اللہ سبحانہ و تعالیٰ: آمن الرسول بما انزل الیہ... القوم الکفرین۔ (۳۱)

مصلیٰ غربی:

۱- بسم اللہ... ان الذین امنوا... یوحى الی۔ (۳۲)

مصلیٰ شمالی:

۲- انما الہکم اللہ واحد فمن کان یرجوا... ولا یشرك بعبادة ربہ احدا۔ (۳۳)

ما کان محمدا ابا احد... بکل شیء علیما۔ (۳۳)

مسجد:

مغربی چہار دیواری کے بیچ مسجد کی محراب اور نماز کے لیے تھلہ بنا ہوا ہے، جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ تھلہ جنوبی دیوار سے شروع ہو کر مغربی دیوار سے ہوتا ہوا شمالی دیوار تک پہنچتا ہے۔ ۱۳ سے ۱۶ نمبر والی قبریں اسی تھلے کے کونوں پر قائم ہیں۔ جنوب اور مغرب کی طرف سے شاید مندرجہ ذیل کتبات تھلے، جو مٹ چکے ہیں۔

جنوبی کتبہ:

بسم اللہ... انا فتحنا لك فتحاً مبیناً...

لیز دادوا۔ (۳۵)

مغربی کتبہ:

یا ایہا الذین امنوا اذا نودی للصلوة من یوم الجمعة... کنتم تعلمون۔ (۳۶) صدق اللہ۔

سہ محرابی:

شمالی، مشرقی اور مغربی طرف کی سہ محرابی کے بیرون یہ کتبہ ہے:

بسم اللہ... الحمد للہ فاطر السموات والارض... كذلك النشور
من كان يريد العزة فللہ العزة جميعا اليه يصعد الكلم الطيب
والعمل الصالح يرفعه. (۳۷)
جنوب کی طرف باہر سے:

محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار... وعملوا
الصالحات منهم مغفرة واجراً عظيماً. (۳۸)
مشرق کی طرف سے اندر کی طرف زیر مصلی:
قال اللہ تعالیٰ: ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا... وفصاله
ثلثون شهرا حتی اذا بلغ. (۳۹)

شمال کی طرف سے اندرون زیر مصلی:
قال اللہ تعالیٰ: وسیق الذین اتقوا ربهم الی الجنة زمرا... من
الجنة حيث نشاء فنعم اجر العاملين. (۴۰)
مغرب سے اندرون جانب زیر مصلی:

محمد رسول اللہ۔ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء...
منهم مغفرة واجراً عظيماً. (۴۱)
جنوب سے اندر کی جانب زیر مصلی:
قال اللہ تعالیٰ: لقد صدق اللہ رسولہ الرؤیا بالحق... کفی باللہ
شہیداً. (۴۲)

گنبد کے دروازے کے اوپر: یہ کتبہ ہے:
اقم الصلوة لدلوك الشمس... اعلم بمن هو اهدى
سیلاً. (۴۳)

گنبد کے اندر:

گنبد کے اندر تین اطراف (جنوب شمال اور مغرب) سے دیوار کے
کناروں پر مندرجہ ذیل کتبات موجود ہیں، جو ہر طرف سے پتھر کے پانچ
ٹکڑوں پر کندہ ہیں۔

شمالی، غربی، جنوبی دیوار:

بسم اللہ... تبارک الذی...

من دون الرحمن ان الکافرون الا فی غرور. (۴۴)

محراب کے اوپر:

مندرجہ بالا کتبے سے ڈھائی ڈھائی فوٹ اوپر چاروں طرف سے گنبد میں روشن دان ہیں، جن کے اوپر کتبات ہیں، جو مندرجہ ذیل کتبے کے تین نمبر ٹکڑے پر کندہ ہیں۔ روشن دان محراب کی طرز پر ہیں، اسی لیے خداداد خان نے ان کو محرابی کہا ہے۔

جنوب کی طرف:

قال اللہ تعالیٰ: ربنا فاغفر لنا ذنوبنا وکفر عنا سیاتنا وتوفنا مع
الابرار۔ (۴۵)

مشرق کی طرف:

ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا لنکونن من
الخاصرین۔ (۴۶)

شمال کی طرف:

ربنا و آتانا وعدتنا علی رسلک ولا تخزنا یوم القیمة انک لا
تخلف المیعاد۔ (۴۷) صدق اللہ۔

مغرب کی طرف:

علی اللہ توکلنا ربنا افتح بیننا و بین قومنا بالحق خیر
الفاتحین۔ (۴۸)

(۱۸)

مقبرے کا نقشہ:

میرزا عیسیٰ کے مقبرے کا نقشہ آئندہ صفحات میں دیا گیا ہے، جس میں نمبروں کے ذریعے خاص جگہوں کو نمایاں کیا گیا ہے۔
نقشے میں دکھائی گئی ۱۲-۱۳-۱۴-۱۵-۱۶-۱۷-۱۸ نمبر کی قبروں کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔

مندرجہ ذیل قبروں کی بقیہ شرح اس طرح ہے:

قبر ۱: کتبہ نہیں ہے اور نہ ہی آیات کندہ ہیں۔

قبر ۲: تاریخ کا کتبہ نہیں۔ صرف سرہانے سے کلمہ طیبہ کندہ ہے۔ قبر کے دونوں پہلو قرآنی آیات کندہ ہیں، آیات کی تفصیل گذشتہ صفحات میں دی گئی ہے۔

قبر ۳: میرزا بہروز: تاریخ کا کتبہ پائیں سے ہے، لیکن وہ مٹ گیا ہے، فقط

نشانات موجود ہیں، بڑی مشکل سے پڑھا جاسکتا ہے، قبر پر قرآنی آیات کندہ ہیں۔

قبر ۴: کتبہ نہیں ہے، فقط قرآنی آیات کندہ ہیں، جن کی تفصیل اوپر دی گئی ہے۔

قبر ۵: میرزا عیسیٰ: (تاریخی کتبہ ان کے احوال میں دیا گیا ہے) قرآنی آیات کے کتبات اس طرح ہیں:

لا الہ الا اللہ... تبارک الذی... بماء معین. (۴۹)

بسم اللہ... اللہ لا الہ الا هو الحی القيوم... حفظہما وهو العلی العظیم. (۵۰)

کل شیء ہالک الا وجہ له الحکم والیہ ترجعون. (۵۱)
قل اللہ تعالیٰ: ان الذین امنوا و عملوا الصالحات کانت لہم جنات... ربہ احدا. (۵۲)

قل یا عباد الذین... انہ غفور الرحیم. (۵۳)

قبر ۶: میرزا عنایت اللہ: (تاریخی کتبہ اور آیات ان کے احوال میں دیے گئے ہیں۔ آیات: الزمر آیت ۵۳- القصص آیت ۸۸- الفتح آیت ۲۷، ۲۹- الجمعہ آیت ۹-۱۱ الکہف آیت ۱۰۷-۱۱۰- الملك آیت ۱ و دعا)

قبر ۷: میرزا ایلچ: (کتبات ان کے احوال میں ملاحظہ ہوں۔ قرآنی آیات یہ ہیں: الکہف آیت ۱۰۷ و دعا)

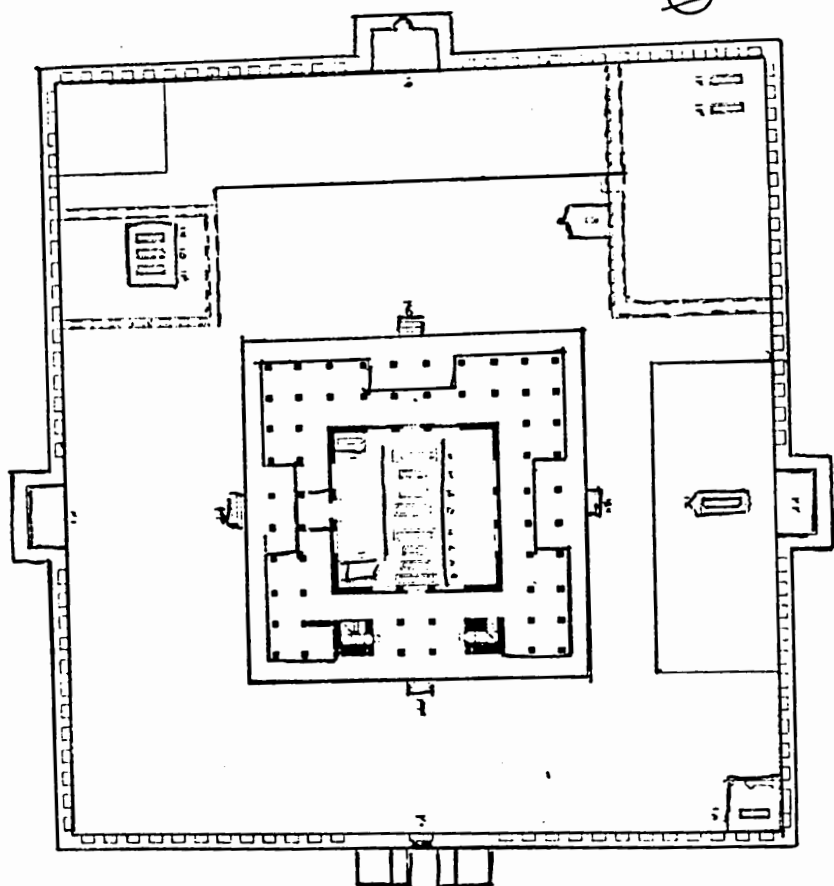
قبر ۸: کتبہ یا آیات نہیں ہیں۔

قبر ۹: میرزا فتحی: (کتبہ اور آیات ان کے احوال کے ساتھ دئے گئے ہیں۔ آیات یہ ہیں: الملك آیت ۱، الزمر آیت ۵۳، القصص آیت ۸۸، آل عمران آیت ۱۸، الرحمن آیت ۲۷، البقرہ آیت ۲۵۵، البقرہ آیت ۲۸۵، ۲۸۶) یہ قبریں گنبد کے اندر تھلے (جبوترے) پر ہیں۔ تھلے کی شرقی دیوار نقشہ دار ہے، جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔

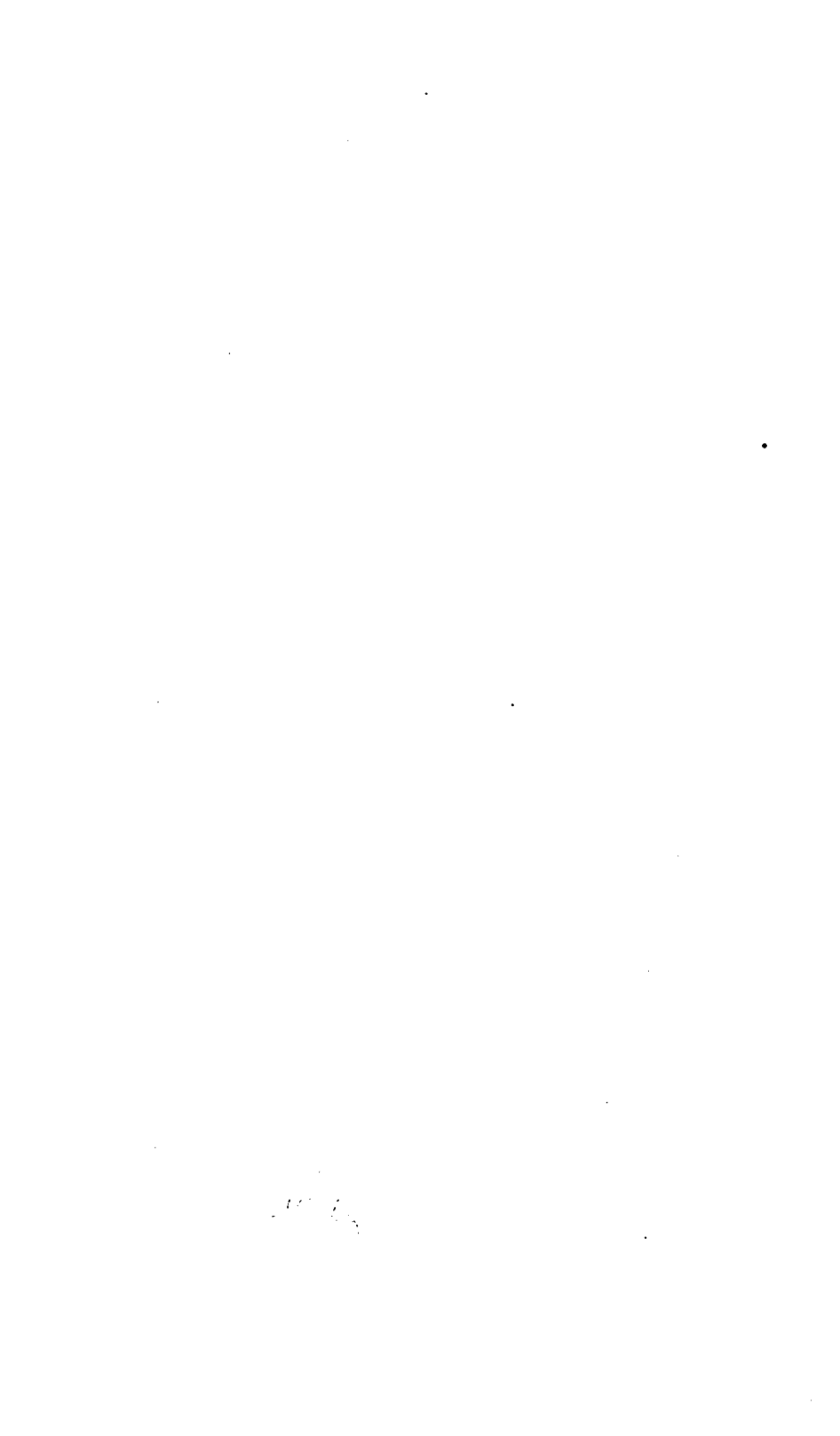
قبر ۱۹: مسجد کا محراب اور نماز کے لیے تھلہ (جبوترہ)

قبر ۲۰: داخلی دروازہ، اس وقت کتبہ نہیں ہے۔

PLAN OF THE TOMB OF
MIRZA 'ISA KHAN TARKHAN II
TATTA



Scale of 0 20 40 60 80 100 Feet



قبر ۲۱-۲۲: احاطے کی دیوار میں چاروں طرف سے سہ گوشہ محرابیں ہیں۔ ان محرابوں پر آیات کے کتبات ہیں، جو کتبات کے تحت ملاحظہ ہوں۔

قبر ۲۳: مرکزی عمارت میں سہ گوشہ محراب اور ان پر آیت کے کتبات ہیں، وہاں سے چڑھ کر دونوں طرف کی سیڑھیوں سے بالاٹی منزل تک جاسکتے ہیں۔

قبر ۲۴: سہ گوشہ محراب اور اندر جانے کا دروازہ، محراب پر اسی طرح آیات کے کتبات ہیں۔

قبر ۲۵-۲۶: اسی طرح سہ گوشہ محرابیں اور ان پر آیات کے کتبات نظر آتے ہیں۔

میرزا عیسیٰ کے خوبصورت مقبرے کے اندر جملہ ۱۸ قبریں موجود ہیں۔ جن کے کتبات اور ان کی موجودہ صورت حال کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ اسی طرح عمارت کی آیات کے کتبات بھی دیے گئے ہیں۔ مقبرے کی مرمت ۱۹۶۰ء سے محکمہ آثار قدیمہ کی زیر نگرانی شروع ہو چکی ہے۔

میرزا عیسیٰ کا سندھ کو الوداع کہنے کے بعد پھر واپس سندھ آنا، ایک مرتبہ ۱۰۳۷ء ثابت ہے، قرین قیاس ہے کہ اس زمانے میں انھوں نے عمارت تعمیر کروانے کا منصوبہ تیار کیا ہوگا، وہ ہندوستان کے مختلف صوبہ جات میں مختلف عہدوں پر فائز رہے۔ معلوم نہیں کہ انھوں نے اپنے والد کا اور اپنا مقبرہ زندگی میں دیکھا یا نہیں یا مرتے دم تک وہ اپنے اس تخلیقی شاہکار کو دیکھنے سے محروم رہے؟ خدا ہی بہتر جانتا ہے۔

(۱۹)

نسب نامہ:

اس مضمون میں تقریباً سندھ کے سب ترخانوں کا ذکر کیا گیا ہے، اس لیے ان کے باہمی رشتوں کو سمجھنے کے لیے ایک مفصل شجرہ (۵۴) شامل کر رہے ہیں۔ اسی نسب نامہ میں شامل افراد کے متعلق یہاں مختصر حواشی دئے جا رہے ہیں، تاکہ ہر فرد کے متعلق قاری کو ضروری احوال معلوم ہو جائے۔ آسانی کے لیے ناموں کی ترتیب حروف تہجی کے

تحت دی گئی ہے۔

آنچه بیگہ بنت میرزا عیسیٰ اول: وفات محرم ۹۶۵ھ، قبر میرزا سلیمان کے ساتھ ہے (نمبر ۵) تاریخی کتبہ پائیں سے اس طرح ہے:

وفات آنچه بیگہ بنت

میرزا عیسیٰ فی محرم ۹۶۵ھ

ابراہیم سلطان اول بن میرزا عیسیٰ اول:

اس کی قبر مغلیہ قسم کے گنبد دار مقبرے میں (نمبر ۱) ہے، وہ ۱۶ ربیع الاول ۹۶۶ھ میں فوت ہوئے، قبر پر کتبہ اس طرح ہے:

پائیں:

وفات شاہزادہ عالمیان سلطان

ابراہیم بن حضرت سلطان شعاری میرزا

محمد عیسیٰ ترخان بہادر مدظلہ

پائیں:

در تاریخ لیلة الاثنين شانزدهم

ماہ ربیع الاول سنہ ۹۶۶ھ بودہ.

آیات:

الله لا اله الا هو الحي القيوم... العلی العظیم. (۵۵)

شهد الله انه لا اله الا الله... العزيز الحكيم. (۵۶)

صدق الله العلی العظیم.

والحمد لله وعده العزيز.

لا اله الا الله محمد الرسول الله.

مقبرہ میرزا ابراہیم:

یہ مقبرہ ۱۸۷۱ء تک خلیل خان مُہر دار کے نام منسوب تھا، یہ خلیل خان میرزا باقی کے عہد کے امیر تھے۔ (۵۷) تحفۃ الکرام کے صاحب نے لکھا ہے کہ: ان کا مقبرہ مکلی پر مشہور ہے، کہتے ہیں کہ انہوں نے وصیت کی تھی کہ ان کو اس مقبرے میں دفن نہ کرنا، کیوں کہ وہ مقبرہ ان کی امارت کے دور میں تعمیر ہوا ہے، ممکن ہے کسی مزدور پر ظلم ہوا ہو، اس لیے انہیں مقبرے کے باہر دفن کیا جائے۔ چنانچہ انہیں مقبرہ

کے صحن میں دفن کیا گیا۔

بہر حال اس وقت ان کی قبر نہ مقبرے کے اندر اور نہ ہی باہر ہے۔ ان کی قبر کا کوئی نشان موجود نہیں ہے۔

یہ مقبرہ اینٹوں کا بنا ہوا ہے، جس کا آٹھ محرابی گنبد کاشی کا بنا ہوا ہے، ترخانی دور میں اپنی طرز تعمیر کے لحاظ سے یہ واحد نمونہ ہے، ترخانوں کے سارے مقابر اور گورستان پتھر کے بنے ہوئے تین نمونوں کے ہیں، کچھ کھلے میدان میں مثلاً عیسیٰ اول، باقی ترخان، محمد صالح اور سلیمان کے مقبرے، جن کے چاروں طرف دیوار بنی ہوئی ہے اور اندر کھلے ہوئے تھلوان (چبوتروں) پر قبریں موجود ہیں، دوسرا نمونہ آٹھ ستونی کھلی ہوئی چھتری کے اندر مثلاً میرزا بدیع الزمان کا مقبرہ، تیسرا نمونہ گنبد سے ہے، مثلاً عیسیٰ ثانی، میرزا جانی اور میرزا جان بابا کے مقبرے، لیکن ان کے گنبد مقامی رنگ سے متاثر اور مغلیہ گنبد سے سراسر مختلف ہیں۔

ترخانوں کے گورستانوں پر سما سلاطین کی تعمیر کا اثر ہے، جو مقامی اور گجراتی طرز تعمیر کے سنگم سے تیار کیے گئے ہیں، مثلاً دریا خان کا گورستان، جام نظام الدین کا مقبرہ اور اُس دور کے ہشت ستونی چٹھری والے مقبرے۔

سما دور کے چند مقبرے خشتی بھی نظر آتے ہیں، مثلاً ہمیشیرہ فتح خان والا مقبرہ، یا اس کے ساتھ ایک آدھ اور اسی طرز کے خشتی مقبرے، لیکن اپنے عہد کے عام رواج اور مخصوص طرز تعمیر سے، ان مقبروں کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ اسی قسم کے خشتی مقبرے کچھ خاص غیر معلوم محرکات کا نتیجہ معلوم ہوتے ہیں۔

میرزا عیسیٰ ۹۶۲ھ میں سندھ کی مسند پر جلوہ افروز ہوئے۔ ان کے دور کا پہلا خاندانی گورستان وہی کھلے صحن والا ہے، جس میں ان کی بیٹیوں کے ساتھ میرزا سلیمان (۹۶۳ھ) مدفون ہیں۔ اس سے تقریباً ڈیڑھ برس بعد ان کا بیٹا ابراہیم فوت ہوا، جو معلوم نہیں کس سبب سلیمان والے گورستان کے بجائے اس خشتی مقبرے میں دفن کیا گیا۔ جس کے اندر پہلی قبر شہربانو (۹۵۰ھ) کی موجود تھی، جو شاہ حسن ارغون کے دور کی تھی۔

مصلیٰ:

مقبرے کے صحن میں دستور کے مطابق اینٹوں کی بنی ہوئی مسجد (مصلیٰ) تھی، جو اس وقت زبوں ہو چکی ہے، فقط اس کی دیوار کے چند حصے موجود ہیں، خداداد نے مصلیٰ کا کتبہ یوں نقل کیا ہے:

بسم الله... سبح اسم ربك الاعلى... صحف ابراهيم وموسى. (۵۸)

دیوار کے چاروں گوشوں پر:

مقبرے کی دیوار پر بیرونی پہلودار محرابوں پر چاروں گوشوں پر یہ کتبہ نیلی ٹائلز پر موجود تھا، وہ بھی خداداد خان نے نقل کیا ہے، لیکن اب وہ کتبہ ہر طرف سے مٹ گیا ہے۔

اقم الصلوة لدلوك الشمس... هو احدى سبلا. (۵۹) صدق
الله جل جلاله.

بیرون دیوار:

مندرجہ ذیل کتبہ دروازوں کے چاروں اطراف مغرب، مشرق، شمال اور جنوب، محرابوں پر تین حصوں میں موجود تھا، جو اس وقت مٹ چکا ہے، فقط شمال اور جنوب کی طرف کے کچھ حصے موجود ہیں:

وسبق الذین... فادخلوها خالدین. (۶۰)

مشقه العبد الفقير المحتاج الى الله الباری احمد الانصارى.

بیرون گنبد:

بیرون گنبد، چاروں طرف نشیبی کنارے پر مندرجہ ذیل کتبہ اسی طرح نیلی ٹائلز پر منقش تھا، جو اب مٹ چکا ہے، فقط کہیں کہیں کچھ نشانات موجود ہیں:

بسم الله... كهيعص... يرجعون. (۶۱)

گنبد کے اندر:

گنبد کے اندر چاروں طرف کنارے کے نیچے مندرجہ ذیل کتبہ خداداد خان کی بیاض میں منقول ہے:

بسم الله... سبح اسم ربك... صحف ابراهيم وموسى. (۶۲)

قبر ۲. ناہید سلطان یا بیچہ سلطان ۹۶۱ھ:

اس قبر کا تاریخی کتبہ بڑی حد تک مٹ چکا ہے، محکمہ آثار قدیمہ

نے اس کی تحریر یوں نقل کی ہے:
ہائیں:

هذه روضة الجناب الصالحه العابده الواصلة
الى الله الملك المنان ناهيد سلطان بنت
اسير خليل [عاشت].

ہائیں:

فى طاعة رب العالمين
فى احدى وستين وتسعمائة. (۶۳)

آیات:

الله لا اله الا هو الحى... هو العلى العظيم. (۶۴)
لا اكراه فى الدين... والله سميع علیم. (۶۵)
قل يا عبادى... الغفور الرحيم. (۶۶)
صدق الله... النبى الكريم.

قبر ۳. شہربانو ۹۵۰ھ:

قبر پر موجود تاریخی کتبہ بڑی حد تک مٹ چکا ہے، قبر پتھر کی ہے۔
وفات یافت مستورہ مغفورہ شہربانو فی
سن (کذا) خمس و عشرين من شهر رمضان سن ۹۵۰ھ (۶۷)

آیات:

لا اله الا الله... بسم الله...
الله لا اله الا هو الحى... وهو العلى العظيم. (۶۸)
ربنا اغفرلى... يوم يقوم الحساب. (۶۹)
رب اغفر وارحم وانت خير الراحمين.

قبر ۴. یادگار محمد ۹۵۳ھ:

یہ قبر کسی جھوٹے بیجے کی معلوم ہوتی ہے، اشعار سے یادگار
محمد کا نام معلوم ہوتا ہے:

نو بہار آمد و گلہا ہمہ رستند ز خاک
تو ہم از خاک بر آ ای گل خندان پدر
ریختی خون دل از دیدہ گریان پدر
رحم بر جان پدر، بایدت ای جان پدر

زیر گل تنگدل ای غنچہ رعنا چونی
 بی تو ما غرق بہ خونیم، تو بی ما چونی
 بسک جمعیت ما، بی تو گسست است، زہم
 ما کہ جمعیم چنینیم! و تو تنها چونی

پائیں:

ہزار حیف و صد افسوس یادگار محمد
 کہ جان سپرد بہ جانان و سوخت جان جہان

بالین:

ز بیر عقل جو تاریخ فوت طلبیدم
 ز یادگار بھشتی (۷۰) بجوی! گفت روان
 قبر سلطان محمد بن امیر حاجی بیگ مغل ۹۶۳ھ:
 شمال مغربی کونے پر مصلی کے سامنے پتھر کے کٹھرے کے
 اندر، ایک خشتی قبر موجود ہے، سرہانے سے لمبے پتھر پر یہ کتبہ ہے:
 اللہ. قال اللہ تعالیٰ:

کل شیء ہالک... والیہ ترجعون. (۷۱)

کتبہ الفقیر عبدالرحیم الصدیقی:

قبر کے پائیں یہ کتبہ ہے:

قد توفي الامیر المرحوم سلطان

محمد بن امیر حاجی بیگ مغل فی یوم

الخمیس سنہ ثلاث و ستین و تسعائہ.

قبر کے اوپر اور کناروں پر:

شهد اللہ انہ لا... ہو العزیز الحکیم. (۷۲)

اللہ لا الہ الا هو الحی... العلی العظیم. (۷۳)

سلطان ابراہیم کے مذکورہ قبرستان کی چہار دیواری تھی اور
 مشرق سے داخلی دروازہ تھا۔ دیوار گر گئی ہے مگر دروازے والا حصہ قائم

ہے۔

ابراہیم میرزا ثانی بن میرزا ناصر اپنے دادا میرزا عیسیٰ اول کے مقبرے

میں دفن ہے، اُس کی قبر ۳ کے کتبہ پر سال ۱۰۴۷ھ لکھا ہوا ہے، یہ کتبہ قبر کے پائیں موجود ہے۔

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ.

میرزای زمانہ ابراہیم
آن خلیل اللہ از قنوت وجود
سال ہجرت چو آمدہ بشمار
چهل و هفت از هزار افزون بود

قبر کے دونوں پہلو یہ آیات ہیں:

لا الہ الا اللہ... باریک وسلم

قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ: قل یا عبادى الذین اسرفوا... انه غفور

الرحیم. (۷۴)

امن الرسول بما انزل... القوم الکافرون. (۷۵)

بسم اللہ... تبارک... بماء معین. (۷۶)

ابوالفتح میرزا اول بن میرزا جانی بیگ (۷۷) میرزا محمد باقی کے قبرستان میں (نمبر ۴۲) دفن ہیں۔ کتبے سے سال وفات ۱۰۰۱ھ ظاہر ہوتا ہے۔ میرزا جانی بیگ خود غالباً ہندوستان پہنچ چکا تھا، ان کے بیٹے نے ان کے بعد وفات پائی۔ میرزا جانی کا اپنا مقبرہ غالباً میرزا غازی بیگ نے تعمیر کروایا، یہی وجہ ہے کہ ان سے پہلے کے وفات یافتہ میرزا عیسیٰ اول اور میرزا باقی کے گورستان میں مدفون ہیں۔ قبر کے پائیں یہ کتبہ ہے:

وقد توصل الى

الملك

السبحان ابوالفتح

بن میرزا جانی

بیگ ترخان تاریخ ۱۰۰۱ھ

دونوں پہلو یہ آیات ہیں:

قال اللہ تعالیٰ: کل من علیہا فان... والا کرام. (۷۸)

اقل یا عبادى الذین... هو الغفور الرحیم. (۷۹)

ان الذین امنوا وعملوا... بعبادة ربہ احدا. (۸۰)

قال الله تعالى: يا ايها الذين آمنوا استعينوا بالصبر... هو الرحمن الرحيم. (۸۱)

صدق الله... المختار الكريم. هو الكريم يا غفار يا وهاب- يا ستار- يا رحيم.

ابوالفتح شاه قاسم خان بیگلار کی بیٹی سے تھا- شاه قاسم کے بیٹے ابوالقاسم نے اپنی بیٹی ان سے منسوب کی تھی، لیکن ابوالفتح شادی سے پہلے (۱۰۰۱ھ) میں فوت ہوئے- اس کے بعد وہی رشتہ میرزا غازی بیگ نے اپنے لیے حاصل کیا-

ابوالفتح میرزا ثانی بن میرزا ابراہیم بن میرزا ناصر بن میرزا عیسیٰ اول، متوفی ۱۰۹۲ھ کی قبر (نمبر ۲) اپنے پر دادا میرزا عیسیٰ اول کے قبرستان میں ہے، جس پر یہ کتبہ ہے:

مہ کوکب میرزای خورشید عالم
در عالم جان شد بہ عیسیٰ ہمدم
جستم از دل جو سال آرامش،
گفت: دادند بمیرزای ابوالفتح ارم

آیات کے کتبے

لا اله الا الله محمد رسول الله صلى الله عليه وآله وصحبه وبارك وسلم.
قال الله سبحانه وتعالى: قل يا عبادي الذين اسرفوا... غفور الرحيم. (۸۲)

صدق الله العلي العظيم وصدق رسوله الكريم.
قال الله سبحانه وتعالى: الله لا اله الا هو الحي القيوم... وهو العليم العظيم. (۸۳)

بسم الله... تبارك الذي... بماء معين. (۸۴)
كل شيء هالك... واليه ترجعون. (۸۵)

كل من عليها فان ويبقى... الثقلان. فباي الاء ربكما تكذبان. (۸۶)

صدق الله العلي... رسوله الكريم.

ایرج میرزا بن میرزا عنایت اللہ بن میرزا عیسیٰ ثانی متوفی ۲۰ شوال ۱۰۶۱ھ: میرزا عیسیٰ ثانی کے مقبرے میں (نمبر ۷) مدفون ہے۔ اُس کی قبر کے کتبات اُس کے احوال میں ملاحظہ ہوں۔

باقی میرزا محمد بن میرزا عیسیٰ اول، اپنے والد کے قبرستان سے تقریباً تین سو فوٹ جنوب میں میرزا باقی کا الگ گورستان ہے۔
میرزا باقی کا قبرستان:

اندر داخل ہونے کے لیے چہار دیواری کے مشرق میں ایک دروازہ ہے، اس سے اندر داخل ہوتے ہی شمال کی طرف کونے میں زنانہ قبرستان ہے، جس میں گیارہ پختہ قبریں ہیں۔ (نمبر ۱ تا ۱۱) (۸۷) وہاں سے تھوڑا مغرب میں ایک احاطہ ہے، جس کے کھلے ہوئے کشادہ میدان میں کئی قبریں ہیں، مرکزی تھلے کی قبریں (۱۲ تا ۲۲) اہم اور پختہ ہیں۔ احاطے میں مختلف جگہوں پر دوسری قبروں کے بھی مجموعے ہیں۔ مثلاً ۱۲-۱۳ اور ۲۳-۲۴-۲۵-۲۶ اور ۲۷ سے ۳۳ تک۔ یہ سب قبریں کچی ہیں، ان پر کوئی تاریخی کتبہ نہیں ہے، فقط نشان کے طور پر ان قبروں پر جھوٹے پتھر رکھے گئے ہیں، تاکہ ہر ایک قبر کی نشان دہی ہو سکے۔

اسی میدان کے مغرب میں ایک گلی ہے، جس کے ذریعے آدمی جنوبی صحن پہنچ جاتا ہے، مغربی کونے میں ہشت پہلو چھتری کے نیچے قبر نمبر ۳۳ ہے، (۸۸) اس کے ساتھ کھلے ہوئے تھلے (چبوترے) پر ایک دوسری قبر نمبر ۳۵ ہے، مغربی اور جنوبی کونے میں قبر نمبر ۳۶ ہے، جنوبی دیوار سے متصل قبر نمبر ۳۷ اور صحن کے درمیان والی قبر نمبر ۳۸ مٹ چکی ہے۔

اسی میدان میں ہشت ستونی چھتری کے اندر قبر نمبر ۳۹ پر کتبہ ہے۔ یہ بدیع الزمان میرزا کی قبر ہے، جس کا ذکر ان کے نام کے تحت آئے گا۔
مردانہ قبرستان کی چہار دیواری:

اسی میدان کے اندر مذکورہ چھتری ۳۹ کے سامنے چہار دیواری کے اندر پانچ قبریں (۴۰ سے ۴۳ تک) موجود ہیں۔ میرزا باقی اور ان کے دوسرے عزیز و اقارب اس کے اندر دفن ہیں۔ ان کے کتبات کا ذکر ان کے

ناموں کے تحت دیا جائے گا۔

آیات کے کتبات: اسی چار دیواری کی اندرونی اور بیرونی پیشانی پر چاروں طرف، آیات کندہ ہیں۔ محراب پر بھی ایک آیت موجود ہے۔ اندر آیات کے علاوہ دیوار کے کنارے اور ستون نقشہ دار ہیں۔ دیوار میں ہوا کے لیے جالیاں بنی ہوئی ہیں۔ اوپر کوئی چھت نہیں۔ آیات اس طرح ہیں:

بسم اللہ... تبارك الذی... بماء معین. (۸۹)

بسم اللہ... قل هو اللہ احمد... كفوا احد. (۹۰)

صدق اللہ..... والحمد للہ رب العالمین.

مشقہ العبد الفقیر الی اللہ الملك المتین حسن بن رکن الدین.

اندرون کنارے پر:

بسم اللہ... اذا وقعت الواقعة... فسبح باسم رب العظیم. (۹۱)

مشقہ العبد الفقیر الی اللہ الملك المتین حسن بن رکن الدین.

محراب پر اندر کی طرف:

فنادته الملائكة... فی المحراب. (۹۲)

میرزا باقی کی قبر ۴۱:

میرزا باقی کی قبر نقشے میں ۴۱ نمبر پر ہے، قبر کے پائیں ایک تاریخی کتبہ ہے:

وفات یافت حضرت جنت

مکانی الواصل الی جوار الملك

الرحمن میرزا محمد باقی بن میرزا

محمد عیسیٰ ترخان در تاریخ

روز پنج شنبہ ہشتم

شہر شوال سنہ ۱۲۹۳ھ.

قبر پر دونوں پہلو:

قال اللہ سبحانہ تبارك وتعالیٰ.

شهد اللہ انه لا اله الا هو الملائكة... بصیر بالعباد. (۹۳)

صدق اللہ... النبی الکریم.

بسم اللہ... تبارک الذی... بماء معین. (۹۴)

بسم اللہ... اللہ لا الہ الا هو الحی القيوم... هو العلی العظیم. (۹۵)

قال اللہ... کل شیء هالک... ترجعون. (۹۶)

صدق اللہ یبشرهم ربهم... عنده اجر عظیم. (۹۷)

صدق اللہ... رسوله النبی الکریم.

قبر ۴۴: ؟

میرزا کے گورستان میں قبر نمبر ۴۴ پر نام کا کوئی کتبہ نہیں، آیات

کے کتبات یہ ہیں:

قال اللہ تعالیٰ: قل ان الموت الذین تفرون... بما کنتم

تعلمون. (۹۸)

صدق اللہ... النبی الکریم.

بسم اللہ... تبارک الذین... بماء معین. (۹۹)

اللہ لا الہ الا هو الحی... العلی العظیم. (۱۰۰)

کھلا ہوا زناں قبرستان:

جیسا کہ اوپر دکھایا گیا ہے، میرزا باقی کے زناں قبرستان سے نکل کر

مغربی دیوار کے دروازے سے باہر آنے کے بعد ایک کشادہ صحن میں داخل

ہوتے ہی قبروں کے تین مجموعے نظر آئیں گے۔ ان میں سے مرکزی تھلے

(چبوترے) پر موجود قبروں (۱۵، ۱۶، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲) کے کتبات ذیل

میں دیے جاتے ہیں۔ باقی قبریں (۱۲، ۱۳، ۱۴ اور ۲۳ تا ۲۵ اور ۲۶ اور ۲۷ تا

۳۳) بغیر کتبے کے ہیں اور ان میں سے اکثر کچی اور مسمار شدہ ہیں۔

قبر ۱۵... بیگہ؟ سنہ ۱۰۱۳ھ:

بالیں:

هو الکریم - هو الفتاح

پائیں:

وفات یافت... بیگہ... بنت

شاہ بیگ در تاریخ سنہ ۱۰۱۳ھ (۱۰۱)

آیات

هو الكريم - يافتاح
 قال الله سبحانه وتعالى: يا ايها الذين امنوا استعينوا..... واولئك
 هم المهتدون. (۱۰۲)
 الا اله الا هو الحي... وهو العلى العظيم. (۱۰۳)
 ما كان محمد ابا احمد... عليما. (۱۰۴)

قبر ۱۶؟

نام کا کتبہ نہیں ہے۔

آیات:

قال الله تعالى: ولقد خلقنا الانسان... عن الخلق غافلين. (۱۰۵)
 صدق الله... النبی الکریم.
 صلی الله علیه وآله وصحبه وبارک وسلم.
 قبر ۱۷ - چوچک بیگم ۱۰۰۱ھ:
 یہ قبر جھوٹی ہے۔
 وفات یافت چوچک (؟)
 بیگم در تاریخ سنہ ۱۰۰۱ھ
 هو الکریم.
 الله لا اله الا هو الحي... هو العلى العظيم. (۱۰۶)
 بسم الله... تبارک الذی... مغفرة واجر کبیر. (۱۰۷)
 صدق الله.

قبر ۱۸ - ماہ بیگم ۱۰۰۱ھ: (؟)

پائیں:

وفات ماہ بیگم تاریخ ۱۰۰۱ھ: (؟)

آیات یہ ہیں:

هو الباقي

الله لا اله الا هو الحي القيوم... العلى العظيم. (۱۰۸)

قبر ۱۹: ؟

اس پر نام نہیں ہے۔ آیات یہ ہیں:

قال الله تعالى: قل يا عبادى... انه هو الغفور الرحيم. (۱۰۹)

الله لا اله الا هو الحي القيوم... العلى العظيم. (۱۱۰)

قبر ۲۰ - والده محمد على ۹۵۵ھ: (؟)

پائیں:

وفات یافت صالحہ ساجدہ والدہ میرزا محمد علی ترخان.....

(؟) در تاریخ سنہ ۹۵۵ھ (؟)

آیات یہ ہیں:

لا اله الا الله محمد رسول الله۔

قال الله تعالى: ان الذين قالوا ربنا... من غفور الرحيم. (۱۱۱)

منها خلقناكم... الى صدق الله. (۱۱۲)

قبر ۲۱ - ارغون بیگہ ۱۰۰۰ھ:

پائیں:

وفات ارغون بیگہ بنت

امیر محمد علی ارغون سنہ ۱۰۰۰ھ

آیات:

لا اله الا الله محمد رسول الله.

قال الله سبحانه تبارك وتعالى: شهد الله انه لا اله... العزيز

الحکیم. (۱۱۳)

صدق الله العظيم وصدق... نبی الکریم.

الله لا اله الا هو الحي... العلى العظيم. (۱۱۴)

قبر ۲۲:

نام کا کتبہ نہیں ہے۔ آیات یہ ہیں:

بسم الله... يا ايها المزمّل قم... الى ربه سبيلا. (۱۱۵)

قل يا عبادى الذين... هو الغفور الرحيم. (۱۱۶)

الله لا اله الا هو الحي... وهو العلى العظيم. (۱۱۷)

كل شىء هالك ال..... ترجعون. (۱۱۸)
 صدق الله العلى... الكرىم و نحن على الشاكرىن..... رب
 العالمىن.

مىرزا باقى كى والده، سندھ كے سوڈھا خاندان سے تھى، اسى لىے
 ارغون اور ترخان اُنھىں طعنے كے طور پر سندھى بچہ (۱۱۹) كھتے تھے۔
 لىكن وائے ناكاسى كه وه سندھى بچہ مرتے دم تك سندھى نہ بن سكا۔ سندھ
 مىں اس نے جو مظالم كىے، ان كى مثال غىروں كے دور حكومت مىں بهى
 ملنا مشكل ہے۔

ارغون اور ترخان ايك سو برس سے زياده عرصے سندھ مىں مقىم رہے،
 لىكن اپنے آپ كو سندھى نہ بنا سكے۔ غىر ہونے كے سبب ہميشہ اپنے آپ
 كو اہل سندھ سے برتر و بالا سمجھتے رہے، وه فاتح تھے اور اہل سندھ
 مفتوح، حاكم اور محكوم كے درمىان جو فرق ہوتا ہے وه اس دور مىں شدت
 سے قائم رہا۔

مىرزا باقى كى ايك بيگم رايچہ بيگم تھى، جو ناہيد بيگم كى بيٹى
 تھى، اور شاہ قاسم بيگلار كے ہاتھوں مدافعت كرتے ہوئے مارى گئى۔
 بيگہ...؟ بنت مىرزا عيسى' مدفن گورستان مىرزا سليمان قبر (نمبر ۷) پر يہ
 كتبہ ہے:

وفات... بيگہ بنت مىرزا

عيسى' در شعبان ۹۶۳ھ

بيگہ (بيگى آغا)؟ بنت مىرزا عيسى' ترخان، زوجہ يادگار مسكين، مىرزا باقى
 نے اُنھىں دو بچوں كے ساتھ قتل كروايا (۹۷۸ھ) ان كا مدفن گورستان جان
 بابا مىں ہے (قبر ۷) كتبہ اچھى طرح پڑھنے مىں نہىں آتا، عبارت تقريباً يہ
 ہے:

وفات يافت صالحہ

بيگہ (بيگى بنت) مىرزا محمد

عيسى' ترخان (۸) ۹۷۸ھ

آيات جان بابا كے قبرستان كے تحت ملاحظہ ہوں۔ (۱۲۰)

بیگہ جان بیگان؟ بنت میرزا باقی متوفی پنجشنبہ رجب ۱۰۱۸ھ مدفون زنانه گورستان میرزا باقی قبر (نمبر ۶) نام غیر مانوس ہے، کتبہ یہ ہے:

منتقل شد از دار غرور بدار

سرور مرحومہ مغفور المعرفہ بالاحسان

بیگہجان بیگان (?) بنت مرحوم

میرزا محمد باقی ترخان مغفور

در تاریخ روز خمیس شهر رجب المرجب ۱۰۱۸ھ

آیات کے کتبات

هو الکریم.

بسم الله... الله لا اله الا هو الحي... وهو العلی العظیم. (۱۲۱)

قال الله تعالى: قل ان الموت الذين... كنتم تعملون. (۱۲۲)

صدق الله العلی العظیم... رسوله الکریم.

بسم الله... تبارك الذي... بماء معین. (۱۲۳)

بدیع الزمان بن میرزا شاہ رخ بن میرزا باقی (متوفی ۱۰۱۱ھ):

ان کی قبر میرزا باقی کے مردانہ قبرستان کے باہر دروازے

کے سامنے جنوبی صحن میں، ہشت ستونی چھتری کے نیچے (نمبر ۳۹)

ہے، چھت کے کنارے پر اندر سے آیات تھیں، جو اس وقت تھور اور نمک

کے سبب ضایع ہو گئی ہیں۔ ذیل میں خداداد خان کے بیاض سے ان آیات

کی نقول دی جارہی ہیں۔ ہر ستون پر مور کی تصویر ہے، جو اپنی چونچ

سے سانپ کو مار رہا ہے، دوسرے ستون پر دو مرغ دانہ جگ رہے ہیں،

ستونوں کی تصاویر ضایع ہو چکی ہیں۔ اس قسم کی تصاویر مقبرے پر

منتقل کرنا غیر معمولی بات ہے، ہوسکتا ہے کہ میرزا صاحب کو مور اور

مرغ پالنے کا شوق ہو اور اسی مناسبت سے مقبرے پر نشان کے طور پر اس

قسم کے نقوش دیے گئے ہوں۔ یا یہ بھی ممکن ہے کہ کاریگر کی یہ اپنی

اختراع ہو۔ تاریخی کتبہ پائیں سے یہ ہے:

وفات یافت مرحوم
مغفور الواصل الی
الجوار الملك منان
بدیع الزمان
ابن شاه رخ خان ۱۰۱۱ھ

آیات:

قال الله سبحانه وتعالى: شهد الله انه لا اله الا هو... العزيز
الحكيم. (۱۲۳)

الله لا اله الا هو الحي... العلى العظيم. (۱۲۵)
صدق الله العلى العظيم وصدق... الكريم... والشاكرين.
بسم الله... تبارك الذى... بماء معين. (۱۲۶)

چو کھنڈی ۳۳:

میرزا باقی کے اس صحن میں مغرب کی طرف سے دوسری
چو کھنڈی ہو بہو اسی طرح کی ہے، جس کی قبر (نمبر ۳۳) پر کوئی
تاریخی کتبہ نہیں ہے۔ آیات یہ ہیں:
بسم الله... تبارك... بماء معين. (۱۲۴)
بسم الله... قل هو الله... كفواً احد. (۱۲۸)
صدق الله... الكريم.

بہروز میرزا بن محمد صالح بن عیسیٰ ثانی، ان کا نام مائر الامراء (جلد ۳
ص ۵۶۲) کے مؤلف نے دیا ہے۔ پسرش میرزا بہروز پانصدی شاہجہانی بود۔
میرزا عیسیٰ ثانی کے مقبرہ میں (نمبر ۳) مدفون ہے، ان کے کتبات ان کے
احوال میں میرزا عیسیٰ کے تحت ملاحظہ کریں۔
ترسون بیگہ، بنت میرزا عیسیٰ اول، متوفی جمادی الاول ۹۶۷ھ گورستان
میرزا سلیمان میں ان کی قبر (نمبر ۶) ہے، پائیں یہ کتبہ ہے:
وفات ترسون بیگہ بنت

میرزا عیسیٰ جمادی الاول ۹۶۷ھ

پسگران بیگہ بیگی آغا:

میرزا باقی نے ہوتھی اور نوتھی نامی دو جلا دوں کے ہاتھوں رات

کی تاریکی میں ان دو صغیر بچوں کو ان کی والدہ کے ساتھ قتل کروایا۔ ”ہوتی، و نوتی جلادان امر نمود: تا شب بلزدی بخانہ بیگہ بیگی آغا رفتہ معہ دو پسر صغیر اورا خفہ کردند۔“ (۱۲۹) غالباً بین دونوں صغیر جان بابا کے مقبرے میں مدفون ہیں۔ (مثلاً قبر نمبر ۸)

پائندہ محمد بن میرزا باقی:

یہ بڑا بیٹا تھا۔ صفر ۱۰۰۰ھ میں فوت ہوا۔ جس وقت میرزا جانی سندھ کے مفتوح ہونے کے بعد ہندوستان جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ اس کی قبر میرزا عیسیٰ اول کے ساتھ (نمبر ۵) ہے اور کتبہ پانچ چوکور خانوں میں پائیں سے کندہ ہے۔

قد وصل الی جوار

رحمت حضرت الملك

السبحان میرزا محمد پائندہ بن میرزا محمد باقی ترخان... اللہ تعالیٰ

تاریخ ماہ صفر ۱۰۰۰ھ

یہ آیات قبر پر کندہ ہیں:

قال اللہ تعالیٰ: شهد اللہ انہ... الحکیم (۱۳۰) صدق اللہ.

اللہ لا الہ الا هو الحی القيوم... فیہا خالدون. (۱۳۱)

بسم اللہ... تبارک الذی... بماء معین. (۱۳۲)

قال اللہ تعالیٰ: یا ایہا النفس... ادخلی جنتی. (۱۳۳)

صدق اللہ... العظیم. یا اللہ، وصدق الکریم.

درمیان میں باری تعالیٰ کے اسمائے حسنه ہیں.

یا رحمن! یا رحیم! یا حی! یا قیوم! یا لا یموت ابدًا.

ان کے دائیں:

ربنا آتنا فی الدنیا... عذاب النار.

بائیں:

ربنا و تقبل... یوم قوم الحساب. (۱۳۴)

نیچے:

وارحمنا برحمتک یا ارحم الراحمین.

دوسری طرف:

وقال ان الذين آمنوا... بعبادة ربه احداً. (۱۳۵)
والذين آمنوا وعملوا الصالحات ... وعد الله حقا. صدق
الله. (۱۳۶)

قال الله سبحانه وتعالى: ان الذين قالوا ربنا ... السميع
العليم. (۱۳۷)
صدق الله تعالى.

میرزا پائندہ اپنے باپ کے زمانے میں ان کے بیٹے جانی بیگ اور
مصاحب شمس کشمیری کے ساتھ سہون کے حاکم تھے۔ ۹۸۲ھ میں
بکھر کے بھی حکمران رہے۔ (۱۳۸)

جان بابا اول بن عیسیٰ ترخان اول:

میرزا عیسیٰ کا تیسرا بیٹا تھا، جس کو میرزا باقی نے ۹۷۸ھ میں
قتل کروایا۔ ان کی ایک بیگم سما خاندان سے تھی، جس کے بطن سے
میرزا عیسیٰ ثانی پیدا ہوئے 'تاریخ طاہری کے مؤلف نے لکھا ہے: "باپ کی
اپنے بیٹے سے بے پناہ محبت تھی"۔ "جان بابا کہ جان پدر بود از خود چون
جان بابا جدا نمی داشت." ان کی قبر اپنے بیٹے کے مقبرہ کے سامنے ایک
الگ رانک میں ہے، جس کے نقش و نگار کی مکلی میں کوئی مثال نہیں
ملتی، اس کی قبر پر یہ کتبہ ہے:
بالیں:

وفات یافت حضرت جنت

مکانی الواصل الی جوار الملك المنان میرزا جان بابا ابن میرزا عیسیٰ
ترخان بتاریخ سنہ ۹۷۸ھ.

بائیں:

هاتف از غیب گفت تاریخش:

ورنه عقل از جنون بصحرا رفت

طرح میم (۴۰) است تایکی تاریخ

جان بابا ز دار دنیا رفت

۱۰۱۷ - ۴۰ = ۹۷۷

آیات:

بسم الله... الله لا اله الا هو الحي... هو العلي العظيم. (۱۳۹)
 شهد الله انه... هو العزيز الحكيم. (۱۴۰)
 ان الذي... ربه احداً. (۱۴۱)
 وسق الذين اتقوا... خالدین. (۱۴۲)
 لقد صدق الله رسوله الرؤيا... اجراً. (۱۴۳)
 بسم الله... تبارك... بماء معين. (۱۴۴)
 مقبرہ:

اس مقبرے کے اندر ۱۳ قبریں ہیں، جن میں سے اکثر وہ مقتول مدفون ہیں، جن کو میرزا باقی نے قتل کروانے کے بعد میرزا جان بابا اور دوسرے مقتولین کو ترخانی گورستان سے الگ اسی جگہ دفن کروایا۔ موجودہ مقبرہ ان کے بیٹے عیسیٰ ثانی نے اپنی ایام کاری میں تعمیر کروایا۔ یہ مقبرہ تعمیری فن اور نقش و نگاری کے لحاظ سے بے حد خوبصورت ہے، مقبرے کے سامنے تھلہ (جبوترہ) ایک چھت والی عمارت ہے، اس کی تعمیر سے گجراتی اور سندھی اثر نمایاں نظر آتا ہے۔ اندر کی طرف مرکزی تھلے پر ایک گول گنبد ہے، محراب اور داخلی دروازے کے نقش و نگار لاجواب ہیں، احاطے کی دیوار پر بھی چاروں طرف خوبصورت نقش و نگار ہے، جو ایک دوسرے سے مختلف ہے۔

مقبرے کے مشرقی شمالی کونے میں دیوار کے اندر دو زنانہ قبریں موجود ہیں، مرکزی تھلے (جبوترے) پر سات قبریں ہیں، بقیہ قبریں تھلے کے نیچے ہیں۔ جان بابا کی قبر کے کتبے اوپر دیے گئے ہیں۔ بقیہ قبروں کے کتبات اس طرح ہیں:

قبر ۴: یادگار مسکین ترخان ۹۷۸ھ:

اس کو میرزا باقی نے قتل کروایا۔ قبر کے بالی اور پائیں یہ کتبات ہیں:

بائیں:

وفات یافت مرحوم

مغفور الواصل الی جوار حضرت رحمة الملك السبحان میرزا

پائیں:

یاد گار مسکین ترخان
ابن مرحوم مغفور امیر مسکین ترخان...
اللہ تعالیٰ.
بتاریخ سنہ ۹۸۸ھ

آیات:

بسم اللہ... قال اللہ... کل نفس ذائقة الموت. (۱۳۵)
کل شیء هالك... ترجعون. (۱۳۶)
صدق اللہ... الکریم.
اللہ لا اله الا هو الحي... العظیم. (۱۳۷)
بیشرهم... فیها ابداء. (۱۳۸)

بسم اللہ... تبارک الذین... ان کتتم صادقین. (۱۳۹)

قبر ۵: پسر یاد گار مسکین ترخان ۹۶۴ھ:

یہ قبر جان بابا کی قبر کے پہلو میں (۵) ہے، کتبات یہ ہیں:

سرہانے:

وفات یافت

سعادت امیر زادہ بیگ بن

پائیں

حضرت سلطنت شعار یاد گار مسکین
بیگ ترخان در تاریخ دوازدهم ربیع الاول
سنہ ۹۶۴. (۱۵۰)

آیات:

شهد اللہ انه لا اله الا... الحکیم. (۱۵۱)
اللہ لا اله الا هو الحي... العلی العظیم. (۱۵۲)

قبر ۶:

یہ ایک بچے کی چھوٹی قبر ہے، اس کے پائیں یہ کتبہ ہے:

آیات:

قال الله تعالى: كل شيء هالك... واليه ترجعون. (۱۵۳)

قال الله: كل نفسه ذائقة... يوم القيامة. (۱۵۴)

يبشرهم ربهم... فيها ابداً. (۱۵۵)

قبر ۷: بیگہ (بیگی آغا) ۹۷۸ھ:

پائیں تاریخی کتبہ ہے، جو اس کے نام کے تحت دیا گیا ہے، یہاں

آیات دی جاتی ہیں:

ان الذين آمنوا وعملوا الصالحات... ربهم ارحم الراحمين. (۱۵۶)

الله لا اله الا هو الحي... سميع عليم. (۱۵۷)

قبر ۸: میر... ابن یادگار مسکین ۹۷۸ھ:

یہ قبر مشرق کی طرف مرکزی تھلے (جبوترے) کے نیچے ہے، قبر

کے پائیں مندرجہ ذیل تاریخی کتبہ ہے:

وفات یافت میر محمد...

ابن اسیر یادگار مسکین در تاریخ ۹۷۸ھ

آیات:

بسم الله... تبارك... بماء معين. (۱۵۸)

قال الله تعالى: كل من عليها... والاكرام. (۱۵۹)

كل شيء هالك... ترجعون. (۱۶۰)

ہمارے خیال کے مطابق یہ قبر بیگہ بیگی آغا کے ان دو صغیر بچوں

میں سے ایک کی ہے، جن کو سیرزا باقی نے ان کی والدہ کے ساتھ قتل

کروایا تھا۔

قبر ۱۲: ۱۰۷۵ھ:

یہ قبر مشرقی جنوبی کونے پر موجود ہے، جس کے پائیں فقط تاریخ

کا کتبہ ہے۔

بتاریخ غره ماہ ربیع الاول ۱۰۷۵ھ مغفور شد۔

آیات:

قال الله تعالى:

قل يا عبادى الذين اسرفوا على انفسهم . . . الغفور

رحيم. (۱۶۱)

صدق الله -

الله لا اله الا هو الحي القيوم... العلى العظيم. (۱۶۲)

لا اكراه فى الدين... فيها خالدون. (۱۶۳)

قبر ۱، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۳:

ان قبروں پر کوئی تاریخی کتبہ نہیں ہے، فقط مندرجہ ذیل آیات

کندہ ہیں:

الف: قال الله سبحانه تبارك وتعالى جل جلاله وعم نواله:

قل يا عبادى الذين... الغفور الرحيم. (۱۶۴)

بسم الله... تبارك الذين... بماء معين. (۱۶۵)

لقد صدق الله رسوله الرؤيا بالحق... واجراً عظيماً. (۱۶۶)

ب: شهد الله انه لا اله الا هو وملئكته... العزيز الحكيم. (۱۶۷)

ج: یہ قبر جھوٹے بیچے کی ہے -

قال الله تعالى: فادخلى فى عبادى وادخلى جتنى. (۱۶۸)

كل نفس ذائقة الموت. (۱۶۹)

كل شيء هالك... ترجعون. (۱۷۰)

صدق الله العلى العظيم وصدق رسوله الكريم.

د: الله لا اله الا هو الحي... العظيم. (۱۷۱)

كل شيء هالك... ترجعون. (۱۷۲)

بسم الله... تبارك... بماء معين. (۱۷۳)

ه: آمن الرسول بما انزل اليه... القوم الكافرين. (۱۷۴)

الله لا اله الا هو الحي... العلى العظيم. (۱۷۵)

بسم الله... تبارك... بماء معين. (۱۷۶)

جان بابا میرزا ثانی بن عیسیٰ ثانی، اس کا نام ترخان نامہ کے مؤلف نے اپنے شجرے میں دیا ہے۔

جانی بیگ میرزا بن میرزا محمد پائندہ بیگ، الگ ایک خشتی مقبرہ میں مدفون ہیں، جو غالباً میرزا غازی نے ان کی وفات کے بعد تعمیر کروایا تھا۔ مقبرے کا بالائی گنبد منفرد نوعیت کے کنول کے بھول کی مانند ہے۔ یہ مقبرہ اپنی وضع کے لحاظ سے بے انتہا خوبصورت ہے، چہار دیواری کے مغربی حصے کے درمیان ایک محراب کی پیشانی پر یہ آیت اور عبارت ایک سطر میں مرقوم ہے:

فنادتہ الملائکۃ وهو قائم یصلی فی المحراب. (۱۷۷)

تاریخ میرزا جانی بیست و ہفتم ماہ رجب ۱۰۰۹ھ

مقبرہ:

بیرونی دروازے کی سنگی چوکٹھ کے دونوں اطراف اوپر پیشانی پر، بیرونی طرف سے تین حصوں میں یہ آیات کندہ ہیں:

(۱) ان الذین آمنوا وعملوا الصالحات ... کلمت ربی.

(۲) ولو جننا... ولا یشکر.

(۳) بعبادۃ ربہ احدا (۱۷۸) قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ: وسق الذین...

خالدین. (۱۷۹)

مقبرے کے آٹھ محرابوں میں سے ہر ایک پر کاشی کی اینٹ پر یہ آیت مرقوم ہے:

فاللہ خیر حافظا وهو ارحم الراحمین.

میرزا کے مقبرے کے اندرونی قبروں پر کوئی کتبہ نہیں ہے۔ غالباً مرمت کے سبب قبروں کی اصل صورت مٹ چکی ہے۔ گنبد کے اندر چار قبریں ہیں۔

چہار دیواری کے اندر مقبرے کے صحن میں تین کونوں پر (۵-۶-۷) قبریں ہیں اور مقبرے کے اندر چار قبریں (۱-۲-۳-۴) موجود ہیں۔ (نقشہ ملاحظہ ہو) مقبرے کی چھت پر جانے کے لیے مغرب سے ایک سیڑھی بنی ہوئی ہے۔

سنگ مرمر کی قبریں: گنبد کے اندر مرکزی تھلے (جبوترہ) جس

کی جنوبی دیوار پتھر کی بنی ہوئی خوب صورت نقشے دار ہے، اس کے اوپر دو قبریں (۲-۳) سنگ مرمر کی ہیں۔ غالباً قبر (نمبر ۲) میرزا جانی بیگ کی اپنی ہے اور (نمبر ۳) میرزا غازی کی ہونی چاہیے۔ ۱۸۷۱ء میں بھی ان قبروں پر کوئی تاریخی کتبہ نہیں تھا۔ فقط ایک پر آیات اس طرح کندہ ہیں:

اللہ لا الہ الا هو الحی... العلی العظیم. (۱۸۰)

خشتی قبر:

اسی مرکزی تھلے (چبوترے) پر قبر (نمبر ۱) پتھر کی بنی ہوئی ہے، جس پر مندرجہ ذیل آیت کندہ ہے:

بسم اللہ... تبارک... بماء معین. (۱۸۱)

مشرق کی طرف آخری قبر (۴) چونے سے بنی ہوئی کسی بچے کی ہے، باہر صحن کی قبروں (۵-۶-۷) پر کوئی کتبہ نہیں ہے، وہ زنانہ قبریں معلوم ہوتی ہیں۔

میرزا جانی کی ایک بیگم شاہ قاسم خان بیگلار کی بیٹی تھی۔ (۱۸۲) میرزا شاعر تھے اور 'حلیمی' تخلص کرتے تھے۔

جوہر میرزا:

بن میرزا عیسیٰ ترخان اول۔ ان کو میرزا باقی نے قتل کروایا تھا۔ ان کا قتل اس زمانے میں (۹۷۸ھ) میں ہوا، جس وقت میرزا باقی نے اپنے عزیزوں کو قتل کروانے کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ میرزا جان بابا کے قتل کے بعد جلد ہی اسے بھی قتل کروادیا گیا تھا۔ (۱۸۳) گمان غالب ہے کہ اس کی قبر بھی جان بابا والے 'گنج شہیدان' میں ہوگی۔

چوچک بیگہ، بنت میرزا جانی بیگ؟

متوفی ۲۶ شعبان ۱۰۱۰ھ مدفن زنانہ گورستان میرزا باقی (نمبر ۵) تاریخی کتبہ یہ ہے:

وفات نامہ مرحومہ مغفورہ مساءہ (?)

حضرت

نواب

رضوان

مقامی (۱۸۴)

عاجزہ چوچکہ بیگہ

بتاریخ ۲۶ شہر شعبان المعظم سنہ ۱۰۱۰ھ

آیات:

اللہ لا الہ الا هو الحی... هو العلی العظیم. (۱۸۵)

قال اللہ تعالیٰ: شهد اللہ انہ... الحکیم. (۱۸۶)

صدق اللہ العلی العظیم.

قل یا عبادی الذین... الرحیم. (۱۸۷)

صدق اللہ... النبی الکریم.

بسم اللہ... تبارک... بماء معین. (۱۸۸)

حور بیگم، بنت میرزا باقی،

وفات ربیع الاول ۱۰۱۲ھ مدفن زنانه گورستان میرزا باقی قبر (نمبر ۷)

اس کا کتبہ اس طرح ہے:

منتقل شد از دار غرور بدار

سرور مرحومہ مغفورہ و المعرفة بالاحسان

حور بیگم...؟ بنت مرحوم

مغفور میرزا محمد باقی ترخان

بتاریخ روز جمعہ شہر ربیع الاول ۱۰۱۲ھ

آیات:

قال اللہ تعالیٰ: شهد اللہ... الحکیم. (۱۸۹)

صدق اللہ... رسولہ الکریم.

اللہ لا الہ الا هو الحی... العظیم. (۱۹۰)

قال اللہ تعالیٰ: شهد اللہ... الحکیم. (۱۹۱)

بسم اللہ... تبارک... بماء معین. (۱۹۲)

داراب میرزا:

بن میرزا عنایت اللہ بن میرزا عیسیٰ ثانی، ان کا نام ترخان نامہ کے

شجرے میں موجود ہے۔ مگر ان کا مدفن معلوم نہیں۔

دختر، میرزا عیسیٰ اول کی بہن اور میرزا محمد ترخان کی والدہ۔

جن کا میر معصوم نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے۔ (۱۹۳)

دختر، میرزا عیسیٰ ترخان اول، زوجہ فقیر محمد ترخان (مقتول رجب ۹۸۶ھ گورستان محمد صالح اول بن امیر مسکین بیگ ترخان، اس خاتون کا نام اور مدفن معلوم نہیں۔

دختر، میرزا محمد صالح اول، زوجہ سید جلال شیرازی، میرزا غالب کو قتل کروانے کے بعد میرزا باقی نے اس لڑکی کو ان کی دادی کے ساتھ قلعے کے اندر ایک حویلی میں قید کر دیا تھا۔ (۱۹۴) یہ واقعہ ۹۷۹ھ کا ہے، ۹۹۴ھ میں میرزا جانی نے اس لڑکی کا نکاح سید میر جلال الدین شیرازی کے ساتھ کیا۔ (۱۹۵) جس کے بطن سے سید میر محمد، مؤلف ترخان نامہ، پیدا ہوئے۔ (۱۹۶)

دختر، میرزا محمد باقی۔ سندھی بیگم (۱۹۷) ۹۷۶ھ میں ناہید بیگم ہندوستان جانے کے لیے تیار ہوئی۔ میرزا باقی نے ہندوستانی حملے سے بچنے کے لیے اپنی بیٹی ان کے ساتھ روانہ کر دی، تاکہ ان کو شاہی حرم میں شامل کرے۔ ان کے ساتھ یادگار مسکین ترخان کو بھی روانہ کیا۔ لکی میں میرزا جان بابا بھی آکر ان کے ساتھ ملے اور انہیں میرزا باقی سے جنگ کرنے کے لیے آمادہ کر کے مقابلہ کیا۔ اس جنگ میں میرزا باقی کو فتح حاصل ہوئی۔ ناہید بیگم کی والدہ ماہ بیگم، جو پہلے قاسم کوکہ کی بیوی تھی اور طلاق کے بعد ان کا نکاح شاہ حسن سے ہوا اور آخر میں میرزا عیسیٰ نے ان سے شادی کی، وہ گرفتار ہو کر میرزا باقی کے پاس پہنچی، جس نے ان کو ایک کمرے میں قید کروا کر حکم دیا کہ ان کو کھانے پینے کی کوئی چیز نہ دی جائے۔ اس طرح وہ بے چاری بھوک اور پیاس کے سبب مر گئی۔ (۱۹۵)

دختر، میرزا محمد باقی زوجہ میرزا شادمان۔ ۸۷۵ھ میں میرزا جان بابا نے بحیثیت ولی عہد میرزا باقی کے خلاف بغاوت کی۔ ٹھٹھہ کے پاس جنگ ہوئی، جس میں میرزا شادمان، جان بابا کے ساتھ تھے۔ میرزا شادمان کے متعلق ترخان نامہ میں مرقوم ہے:

”از شجاعان روزگار بود دامن میرزا باقی بود۔ و از جانب پدر بہ

سلطان قلی برادر میر ذوالنون ارغون می رسد۔“ (۱۹۹)

شادمان، بیگ علی کا بیٹا اور میر سلطان علی کا پرپوتا تھا۔ میر

سلطان علی ۹۱۰ھ میں شاہزادہ بدیع الزمان کی طرف سے سیستان کے حکمران تھے۔ (ترخان نامہ شجرہ F) اس خاتون کا نام نہیں دیا گیا۔ ترخان نامہ میں فقط حوالہ دیا گیا ہے۔

دختر، میرزا محمد باقی، منسوب بہ میرزا غالب بن میرزا محمد صالح اول: میرزا باقی نے میرزا غالب سے اپنی ایک بیٹی منسوب کر کے اسے بڑی تسلیاں دے کر دھوکہ دہی سے قتل کروایا ”اورا (غالب) بیکی از دختران خود نامزد کرد۔“ (۲۰۰)

دختر، میرزا محمد باقی، میرزا جانی بیگ نے میرزا عیسیٰ کو جو سمیجہ قبائل کے ہاں قیام پذیر تھے، وہاں سے بلوا کر کی اپنی پھوپھی سے شادی کروائی۔ ”عمہ خود را در حبالہ نکاح اور آوردہ۔“ (۲۰۱)

یہ بات وثوق سے نہیں کہہ سکتے کہ وہ کس کی بیٹی تھی۔ ہمارے خیال کے مطابق وہ میرزا باقی کی بیٹی تھی، کیونکہ وہ کثیر الاولاد تھے۔

دختر، میرزا جانی بیگ، منسوب بشاہزادہ خسرو بن جہانگیر بادشاہ،

دختر، میرزا باقی، زوجہ شاہ بابا اول:
زاہد، میرزا اول بن میرزا عیسیٰ اول، متوفی رجب ۸ بروز جمعہ ۹۶۶ھ۔ یہ لا ولد فوت ہوئے اور محمد صالح اول کے گورستان میں دفن ہوئے۔ قبر پر یہ تاریخی کتبہ ہے۔

وفات یافت مرحوم مغفور

الواصل الی جوار الملك

السیحان امیر محمد زاہد ترخان بن

اعظم سلاطین زمان و افضل سلاطین

دوران میرزا محمد عیسیٰ ترخان۔

پائیں:

فی تاریخ، ہشتم روز جمعہ

شہر رجب المرجب ۹۶۶ھ

آیات:

قال الله تعالى: شهد الله انه لا اله... العزيز الحكيم۔ (۲۰۲)

ان الدين عند الله الاسلام صدق الله تعالى:
 بسم الله... الله لا اله الا هو الحي... العزيز الحكيم. (۲۰۳)
 بسم الله... يايها المزمّل... ان الله غفور الرحيم. (۲۰۴)
 بسم الله... اذا جاء نصر الله... انه كان توأباً. (۲۰۵)
 بسم الله... قل هو الله... كفواً احد. (۲۰۶)
 صدق الله العظيم.

زاهد ميرزا ثانی بن میرزا ابراہیم ثانی /
 سلیمان، میرزا اول بن میرزا عیسیٰ اول متوفی ۹۶۴ھ:
 جام نظام الدین کے مقبرے کی طرف جاتے ہوئے راستے میں پتھر کی چہار
 دیواری کے اندر تھلے (چبوترے) پر ایک قبرستان ہے، جس میں میرزا عیسیٰ
 اول کی اولاد مدفون ہے، ترسون بیگہ اور آنچہ بیگہ وغیرہ۔
 یہاں قبروں کا نقشہ دیا جاتا ہے، جس میں ۹ قبریں ہیں۔ میرزا
 سلیمان کی قبر آنچہ بیگہ کے سرہانے قبر نمبر ۱۳ ہے۔ قبر چھوٹی ہے، اس
 لیے گمان ہے کہ مرزا سلیمان بچپن میں فوت ہوئے پائیں یہ کتبہ ہے:
 وفات میر سلیمان

ابن میرزا عیسیٰ ۹۶۴ھ

کتبے میں میرزا کے بجائے 'میر' لفظ لکھا گیا ہے، ممکن ہے کہ
 ترخانوں کے ہاں چھوٹی اولاد کے لیے 'میر' کا لفظ مروج ہو۔

سلیمان، میرزا ثانی بن میرزا ابراہیم ثانی:

شاہ بابا اول بن جان بابا اول:

میرزا باقی کے خوف سے ہندوستان بھاگ گیا تھا۔ جب جانی بیگ
 ہندوستان پہنچا تو اُسے وہاں سے ٹھٹھ روانہ کیا اور بقول ترخان نامہ: 'امر
 کرد کہ عمہ خورد خود اورا، در عقد نکاح او در آورند.' (۲۰۷) معلوم نہیں
 یہ خاتون کس کی بیٹی تھی۔ ممکن ہے کہ یہ بھی میرزا باقی کی بیٹی ہو۔

شاہ بابا، ثانی بن عمر بیگ بن شاہ بابا اول۔
شادمان، میرزا، میرزا باقی کا داماد تھا۔ اُس کا ذکر دختر کے تحت
آیا ہے، لیکن مدفن معلوم نہ ہوسکا۔

شاہ رخ، میرزا اول بن میرزا باقی: ۹۹۲ھ میں فوت ہوا۔
میرزا کا دوسرے نمبر والا بیٹا تھا۔ میرزا کا اُس سے اتنا پیار تھا کہ جب وہ
فوت ہوا تو اس صدمے سے وہ دیوانہ ہو گیا۔ جب اُس کو اپنے بیٹے کی
وفات کی خبر ملی تو اس وقت دیوانگی میں عورتوں کی چھاتیاں کٹوا دیں
اور ان کے ساتھ غیر اخلاقی مظالم کیے۔ میرزا شاہ رخ نصرپور کا صوبے دار
تھا۔ ان کے ساتھ علی شیر کوکہ بھی قیام پذیر تھا۔ (۲۰۸) ان کا مزار
میرزا باقی کی قبر کے ساتھ (نمبر ۴۰) ہے۔

ان کی قبر کے پائیں پانچ خانوں میں کتبہ یہ ہے:

وفات یافت مرحوم مغفور

الواصل الی جوار الملك

السبحان شاہزادہ شاہ رخ خان بن مرحوم

سلطان دوران میرزا

محمد باقی ترخان

بتاریخ سنہ ۹۹۲ھ۔

آیات:

قال الله سبحانه وتعالى: ولقد خلقنا... تحملون. (۲۹۰)

قال الله تعالى: ان الذين آمنوا... ربه احداً. (۲۱۰)

قال الله تعالى: ان الذين قالوا... مكان بعيد. (۲۱۱)

قال الله تعالى: كل شيء هالك... اليه ترجعون. (۲۱۲)

كل من عليها... والاكرام.

الله لا اله الا هو الحي... فيها خالدون. (۲۱۳)

بسم الله... يس... وجعلني من المكرمين. (۲۱۴)

قال الله سبحانه وتعالى:

قل يا عبادى الذين... انه هو الغفور الرحيم. (۲۱۵)
 صدق الله العلى العظيم وصدق رسول النبى المختار الكريم
 ونحن على ذلك من الشاهدين والشاكرين والحمد لله رب
 العالمين.

شاہ رخ، میرزا ثانى بن میرزا محمد پائنده:

میرزا جانی کا چھوٹا بھائی تھا۔ (۲۱۶)

شاہ رخ، میرزا ثالث بن میرزا ابو الفتح ثانى:

شاہ رخ، بن شاہ رخ اول:

(طاہرى: ۱۷۱، ۱۷۳ اور ۱۷۴ مطبوعه) اس نام میں تاریخ طاہرى کے

مؤلف سے سہو ہو گئی ہے۔ شاہ رخ بن شاہ رخ ہونہیں سکتا۔

صالح، میرزا محمد بن میرزا عيسى اول:

اُس کو مرید بلوچ نے قتل کیا۔ لفظ 'ظلم' سے اُس کی وفات کا سال

نکلتا ہے۔ (۲۱۷) اُس کے قتل کا سنہ ۹۷۰ھ ہے، تاریخ طاہرى میں مرقوم

ہے 'محمد صالح تند طبع' تند رائے اور خود بین تھا۔ (ص ۹۹) غالباً اُس کے

مزاج کی تندى اُس کے قتل کا سبب بنی۔ (۲۱۸) اُس کی قبر اُس کے والد

کے قبرستان سے جنوب کی طرف تھوڑے فاصلے پر الگ ایک تھلے

(چبوتھے) پر ہے۔ قبر اور اس کے کتبات بہت خوبصورت ہیں۔ مکلی کی

ساری قبروں میں یہ قبر اپنے طرز کی ایک لاثانی قبر ہے۔ تھلے (چبوتھے) پر

تین قبریں ایک قطار میں اور دو بیچوں کی قبریں بائیں سے مغربى کونے پر

ہیں۔ میرزا محمد صالح کی قبر درمیان میں ہے۔

پائیں لمبے کھڑے پتھر پر یہ تاریخی کتبہ موجود ہے:

وفات یافت

حضرت شاہزادہ عالمیان

شہید سعید الواصل

الى جوار الملك المنان

میرزا محمد صالح

ترخان بن عالى حضرت

جنت مکانی الواصل
 الی جوار الملك
 الرحمان میرزا محمد
 عیسیٰ ترخان
 در تاریخ
 روز شنبہ بیست و
 سیوم ماہ شعبان
 ۹۷۰ھ

معلوم ہوتا ہے کہ میرزا محمد صالح کی قبر میرزا عیسیٰ (جنت مکانی) کی وفات کے بعد تیار ہوئی اور پتھر پر نقش و نگار کا کام۔ ۹۷۰ھ سے میرزا عیسیٰ کی وفات ۹۷۳ھ تک تین سال یا اس سے بھی زیادہ عرصے تک ہوتا رہا۔ اسی کے پائیں کھڑے پتھر کے چاروں حواشی پر مندرجہ ذیل اشعار ہیں:

خدایا تو آگاہ از حال من
 عیان است پیش تو احوال من
 تویی از کرم دلنوازِ ہمہ
 بہ بیچارگی چارہ سازِ ہمہ
 بود ہر کسی را امیدِ بکس
 امید من از رحمت تست و بس
 اگر نا مرادم کنی، باک نیست
 چو لطف تو باشد ازان باک نیست
 مرا چشم پر لطف و انعام تست
 امید من از رحمتِ عام است

اسی طرز کے کھڑے پتھر پر اندر کی طرف مندرجہ ذیل اشعار درمیان میں اور حواشی پر مرقوم ہیں:

درمیان میں:

مشتاقِ آفتابِ جمالِ محمدیم
 ما بندہٗ محمد و آلِ محمدیم
 پروانہ وار سوخته از آتشِ فراق
 در آرزویِ شمعِ جمالِ محمدیم
 صاف شرابِ عشق ز لالِ محمد است
 ما تشنهٗ زلالِ شرابِ محمدیم
 خالی شده تمام ز فکر و خیالِ خود
 شام و سحر بفکر و خیالِ محمدیم
 صالح شد است شیفتهٗ هر کس به حالتی
 خوش حال ماکه، شیفتهٗ خالِ محمدیم

حواشی پر:

بود پیوسته مه رویِ تو آیینہٗ ما
 رویِ او سوخت ز هجرانِ دل بی کینہٗ ما
 تا قیامت زغمِ هجر رخت، خواهم سوخت
 این نہ سوزیست کہ، بیرون رود از سینہٗ ما
 گنجِ الطاف و کرم بود محمد صالح
 مردم از غم کہ، بیرون رفت ز گنجینہٗ ما
 اسی پتھر پر چو گرد مندرجہ ذیل آیات ہیں:

قال الله سبحانه وتعالى: قل يا عبادي ... هو الغفور
 الرحيم. (۲۱۹) صدق الله العلي العظيم.

قال الله سبحانه وتعالى: كل نفس ذائقة ... ثم الينا
 ترجعون. (۲۲۰)

قال الله سبحانه وتعالى: زغم الذين... المومنون. (۲۲۱)
 صدق الله العلي العظيم.

انما اسره اذا اراد... ترجعون. (۲۲۲)

یہ آیات شروع میں اشعار والے پتھروں پر ہیں:

... کل حی یموت، وکل شیء یموت.

قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ: کل شیء ھالک... ترجعون. (۲۲۳)

قال اللہ تعالیٰ عزوجل: ان الذین قالوا ربنا... من غفور

الرحیم. (۲۲۴) صدق اللہ العلی العظیم.

قل ان الموت الذین تفرون... کنتم تعلمون. (۲۲۵)

قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ: والذین آمنوا... فیہا ابداء. (۲۲۶)

مندرجہ ذیل آیات قبر پر موجود ہیں:

قال اللہ سبحانہ تبارک وتعالیٰ تقدس: بسم اللہ... شہد اللہ انہ لا

الہ الا هو... العزیز الحکیم. (۲۲۷)

صدق اللہ العلی العظیم.

قال اللہ تعالیٰ عزوجل: کل من علیہا فان... ربکما

تکذبان. (۲۲۸) صدق اللہ.

اللہ لا الہ الا هو الحی... وهو العلی العظیم. (۲۲۹)

بسم اللہ... تبارک... بماء معین. (۲۳۰)

قال اللہ تعالیٰ: ان الذین آمنوا... ربہ احداً. (۲۳۱)

صدق اللہ.

قال اللہ تعالیٰ: کل نفس ذائقة الموت... الا متاع الغرور. (۲۳۲)

صدق اللہ العلی العظیم.

قال اللہ سبحانہ تقدس وتعالیٰ: قل یا عبادی..... هو الغفور

الرحیم. (۲۳۳) صدق اللہ.

قال سبحانہ تبارک وتعالیٰ: وسق الذین... رب العالمین. (۲۳۴)

صدق اللہ العلی العظیم وصدق رسولہ النبی المختار الکریم

ونحن علی ذالک من الشاہدین والشاکرین والحمد للہ رب

العالمین.

قبرستان اور قبریں:

سیرزا صالح کے قبرستان میں اگر کوئی دیوار تھی تو وہ اب سسماں

ہو گئی ہے۔ اس وقت تھلے (چبوترے) پر پانچ قبریں موجود ہیں، اور اسی

تھلے (چبوترے) کے پاس دو اور چبوترے ہیں، جو بقول خداداد خان، اسی احاطہ کے اندر تھے۔ ذیل میں محمد صالح والے تھلے (چبوترے) اور ان دونوں چبوتروں کی قبروں کے کتبات دیے جاتے ہیں۔

محمد صالح والا چبوترہ:

میرزا صالح اور محمد زاہد کا کتبہ درج کیا گیا ہے، تھلے (چبوترے) پر اس وقت پانچ قبریں موجود ہیں، لیکن خداداد خان نے چھ قبروں کے کتبات دیے ہیں۔

چھوٹے بچے کی قبر ۳:

اس قبر پر قرآنی آیات کے یہ کتبات ہیں:

قال الله سبحانه وتعالى:

كل شيء هالك... اجراً عظيماً. (۲۳۵)

صدق الله تعالى.

قبر ۴:

اسی تھلے (چبوترے) پر چوتھی قبر پر یہ آیات ہیں:

قال الله تعالى: شهد الله انه لا اله الا هو... الاسلام. (۲۳۶)

صدق الله تعالى: ان الذين قالوا... قالوا يعلمون. (۲۳۷)

قال الله سبحانه وتعالى: كل شيء هالك... ترجعون. (۲۳۸)

صدق الله تعالى:

قال الله تعالى: يا ايها الذين آمنوا... الله شاکر علیم. (۲۳۹)

قال الله: آمن الرسول... الکافرین. (۲۴۰)

صدق الله... الکریم.

بسم الله... الله لا اله الا هو الحي... هو العلی العظیم. (۲۴۱)

قال الله تعالى: ان الذين قالوا ربنا... حظ عظیم. (۲۴۲)

صدق الله... الکریم ونحن علی ذالك... رب العالمین.

قبر ۵:

اس قبر پر کوئی تاریخی کتبہ نہیں۔ آیات یہ ہیں:

قال الله تعالى: شهد الله انه... عند الله الاسلام. (۲۴۳)

بسم الله... الله لا اله الا هو الحي... العلی العظیم. (۲۴۴)

صدق الله... الکریم.

قبر ۶:

اس قبر پر تاریخی کتبہ نہیں ہے۔

آیات یہ ہیں:

قال الله تعالى: يبشرهم ربهم... اجر عظیم۔ (۲۴۵)

صدق الله... والحمد لله وحده۔

بسم الله... الله لا اله الا هو الحي... العلى العظیم۔ (۲۴۶)

صدق الله العلى العظیم الذين... القلم والنون۔

پہلا تھلا (چبوترہ):

میرزا محمد صالح والے تھلے (چبوترے) کے پاس الگ ایک تھلہ

(چبوترہ) ہے، جس کی قبروں کے کتبات اس طرح ہیں:

شاہ بیگہ ۹۹۷ھ:

مندرجہ ذیل تاریخی کتبہ پائیں موجود ہے:

وفات یافت مرحومہ مغفورہ

شاہ بیگہ بنت امیر مرحوم مغفور

سلطان محمد ترخان بتاریخ بستم

شہر ذی الحج سنہ ۹۷۷ھ

آیات:

قال الله سبحانه وتعالى: شهد الله انه... الاسلام۔ (۲۴۷)

بسم الله... يا ايها المزمّل... غفور رحيم۔ (۲۴۸)

بسم الله... الله لا اله الا هو الحي... العلى العظیم۔ (۲۴۹)

صدق الله... الكريم۔

قبر ۲: اسی قبر کے ساتھ تھلے (چبوترے) پر دوسری قبر کی آیات

کے کتبات یہ ہیں:

قال الله سبحانه وتعالى: شهد الله انه لا اله الا هو... الاسلام۔ (۲۵۰)

بسم الله... الله لا اله الا هو الحي... العلى العظیم۔ (۲۵۱)

دوسرا تھلہ (چبوترہ):

یہ تھلہ بھی محمد صالح کے احاطے میں شمار کیا گیا ہے۔ جس پر

دو قبریں ہیں:

محمد علی ترخان ۹۸۴ھ:

اس قبر پر مندرجہ ذیل تاریخی کتبہ پائیں موجود ہے:

وفات یافت مرحوم مغفور

الواصل الی جوار الملك المنان

محمد علی بن امیر ولی (محمد) ترخان

تاریخ ماہ محرم الحرام ۹۸۴ھ

آیات:

بسم الله... یا المزمّل... غفور الرحیم. (۲۵۲)

شهد الله انه... عند الله الاسلام. (۲۵۳)

بسم الله... الله لا اله الا هو الحي... هو العلی العظیم. (۲۵۴)

دوسری قبر:

اسی تھلے (چبوترے) پر دوسری قبر ہے، جس پر مندرجہ ذیل آیات

مرقوم ہیں:

لا اله الا الله محمد رسول الله... صلی الله علیه وآله واصحابه وسلم.

بسم الله... یاہا المزمّل... غفور رحیم. (۲۵۵)

قال الله تعالیٰ: ان الذين قالوا ربنا... حظ عظیم. (۲۵۶)

میرزا صالح میرزا عیسیٰ کا دوسرے نمبر والا بیٹا تھا، اُس کے قتل

کے بعد میرزا عیسیٰ نے میرزا جان بابا کو ولی عہد بنایا۔ (۲۵۷)

صالح، میرزا محمد، ثانی بن میرزا عیسیٰ ثانی۔ اُس کی قبر ان کے

باپ کے رانک میں ہونی چاہئے۔

صالحہ بیگم، بنت میرزا عیسیٰ ثانی اُس کا نام ترخان نامہ کے شجرے

میں موجود ہے۔

عاقل میرزا محمد، بن میرزا عیسیٰ ثانی: (۲۵۸)

عبدالعلی ترخان اول:

میرزا عیسیٰ کے والد تھے۔ ان کے شجرہ میں کئی پشتیں غائب

ہیں۔ سلطان شاہ حسین بایقرا کے دور میں ان کی بڑی شہرت تھی۔

(۲۵۹) ان کی وفات ہرات کی طرف ہو گئی ہوگی۔

ان کے نسبی سلسلے میں مندرجہ ذیل نام بیان کیے جاتے ہیں۔

عبدالعلی، عبدالخالق، میر حسن ترخان، میرزا عبدالعلی ترخان (ان کی بیٹی ترخان بکم سلطان احمد میرزا کی بیگم تھیں)، میرزا نور اللہ ترخان، فضل اللہ ترخان، امیر التمش بن امیر ایکوتمر بن امیر ایلچی بن الجائتو خدا بندہ (۷۰۳-۷۱۶ھ) بن ارغون خان (۷- جمادی الآخر ۷۸۳-۶ ربیع الاول ۷۹۰ھ) بن ہلاکو خان (۶۵۱-۹ ربیع الاول ۷۶۳ھ) (۲۶۰)

عبدالعلی، ثانی بن فرح میرزا بن میرزا شاہ رخ:

میرزا غازی کی وفات کے بعد چند مہینوں کے لیے خسرو چرکس نے انھیں جانشین بنایا۔ ان کا انتقال ۹ رجب ۱۰۴۰ھ کو ہوا۔ ان کی قبر میرزا باقی کے مقبرے کے اندر پیش کردہ نقشے کے مطابق نمبر (۳۳) پر ہے، تاریخی کتبہ پائیں موجود ہے، جس کے دو پہلو سادہ ہیں، ان پر کوئی نقش و نگار نہیں:

وفات میرزا عبدالعلی

نہم شہر رجب سنہ ۱۰۴۰ھ

آیات:

قال اللہ... وتعالیٰ.

قل یا عبادى الذین... الغفور الرحیم. (۲۶۱)

اللہ لا الہ الا هو... العظیم. (۲۶۲)

کل شیء هالک... ترجعون. (۲۶۳)

ترخان نامہ کے قول کے مطابق سنہ ۱۰۳۹ھ میں فوت ہوئے۔ (۲۶۴)

لیکن یہ قول غلط ہے۔

عبدالعلی، ثالث بن عمر بیگ بن شاہ بابا اول، ان کا نام ترخان نامہ

کے شجرے میں موجود ہے۔

عمر بیگ، بن شاہ بابا اول:

ان کا نام ترخان نامہ کے شجرے میں موجود ہے۔

عمہ خورد میرزا جانی زوجہ شاہ بابا اول:

معلوم نہیں یہ خاتون کس کی بیٹی تھی، ترخان نامہ کے مؤلف نے

ان کا ذکر کیا ہے۔ (۲۶۵)

عنایت اللہ میرزا:

بن میرزا عیسیٰ ترخان ثانی متوفی ۱۰۵۸ھ مدفون رانک میرزا

عیسیٰ۔ ان کا کتبہ ان کے احوال میں ملاحظہ ہو۔

عیسیٰ میرزا محمد اول بن میرزا عبدالعلی ترخان:
متوفی ۹۷۳ھ ان کا مقبرہ پتھر کی ایک الگ چہار دیواری کے اندر
ہے، جس کی تفصیل یوں ہے:
قبرستان:

احاطے کی بیرونی دیوار کے اندر قبروں کے مختلف تھلے (جبوترے) موجود ہیں، جن میں سے بہت سی قبریں زبوں ہو چکی ہیں۔ بیرونی دیوار سے ملحق دو تھلوں (جبوتروں) اور مغربی تھلے (جبوترے) اور جنوبی تھلے (جبوترے) کی قبروں کے فقط نشان رہ گئے ہیں۔ مشرق سے کونوں پر زناٹہ چہار دیواریاں ہیں، جن کے اندر قبریں نہیں۔ صحن میں جنوب سے ایک چوکھنڈی ہے، جس کا ذکر آگے آئے گا۔ داخلی دروازوں کی پیشانی پر قرآنی آیات کندہ ہیں، احاطے والی دیوار کے چوگرد یہ آیات ہیں:
بیرونی طرف سے دیوار کے کنارے پر:

بسم الله الرحمن الرحيم. تبارك الذي... بماء معين. (۲۶۶)
بسم الله الرحمن الرحيم. والضحي والليل... فاما بنعمت ربك
فحدث. (۲۶۷)

بسم الله الرحمن الرحيم. انا انزلنه في... مطلع الفجر. (۲۶۸)
صدق الله العلي العظيم وصدق حضرت رسوله النبي المختار
الكريم. ونحن على ذلك من الشاهدين والشاكرين. والحمد لله
رب العالمين.

کاتب مقبول عنہ عبدالرحیم بن حافظ رشید صدیقی.

اندرونی طرف سے دیوار پر:

بسم الله الرحمن الرحيم: اذا وقعت الواقعة... باسم ربك
العظيم. (۲۶۹) صدق الله العلي العظيم وصدق رسوله النبي
الكريم ونحن على ذلك من الشاهدين والشاكرين والحمد لله
رب العالمين.

محراب کی پیشانی پر:

قال سبحانه تبارك وتعالى: فنادته الملائكة وهو قائم يصلي في

المحراب. (۲۷۰) فاللہ خیر حافظا وهو ارحم الراحمین۔ قال اللہ
تعالیٰ: شهد اللہ انہ... بصیر بالعباد. (۲۷۱)

جنوبی مصلیٰ پر:

قال اللہ سبحانہ تبارک وتعالیٰ: وسیق الذین اتقوا ربہم الی
الجنتہ زمرا... الحمد للہ رب العالمین. (۲۷۲)

سبحان ربک رب العزت عما یصفون و سلام علی المرسلین والحمد للہ رب
العالمین۔ صدق اللہ العلی العظیم وصدق الرسول النبی الکریم۔
قبر کے کتبات:

میرزا عیسیٰ کی قبر کے چاروں طرف اشعار اور آیات کندہ ہیں۔
پائین تاریخی کتبہ ہے:
مغرب سے:

افسوس کہ دور کامرانی بگذشت
دوران نشاط و شادمانی بگذشت
سرمایہ عمر زندگی رفت ز دست
شد عمر و زندگانی بنادانی بگذشت

.....

دھریست کہ، صد ہزار عیسیٰ دید ست
طوریست کہ، صد ہزار موسیٰ دیدست
قصریست کہ، صد ہزار قیصر دید ست
طاقیست کہ صد ہزار کسریٰ دیدست

جنوب سے:

میرسد بیداد صد، ہر لحظہ از دست اجل
داد از دست اجل! فریاد از دست اجل!

.....

یا رب تو کہ داری پایمان مرا
با قول شہادت پیری جان مرا
خشنود کنی جملہ خصمان مرا
پر نور کنی تربت تاریک مرا

گر من گناهی روی زمین کردستم
امید به لطف تو که، گیری دستم
گفتی که: به روز غم، دست گیرم!
عاجز تر ازین مخواه، که اکنون هستم
تربت کیے اوپر چاروں طرف سے:

ای چرخ! فلک را سیرت کینہ تست (?)
بیداد گری شیوہ دیرینہ تست
ای خاک! اگر سینہ تو بشگافند
بس گوهر قیمتی که در سینہ تست

.....

تا در رگ من، خون بود و پوست
از دوست، مراد خود نخواهم جز دوست
بستن باین جهان متاع دل، نه نکوست
کانه‌ها، همه فانی ست، باقی همه اوست

.....

ای دیدن، رویت آرزوی مردم
گاهی نظرت، بود بسوی مردم
تا چشم ازین جهان فانی بستی
شد بسته در فیض بروی مردم

.....

ای! آنکه همیشه از قضا بر حذری
بشنو از من این حدیث، گر باخبری
از سوی قضا نباشدت راه گریز
گر در حضری مقیم، و در سفری

.....

سالها ای چرخ! تخم درد، در دل کاشتی
عاقبت کردی بخاکم جایی، در دل داشتی

تربت کے سرہانے چوکور:

بیچ میں کلمہ اور چاروں طرف سے خانوں میں یہ اشعار ہیں:

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

غرض نقشی ست کز ما یاد ماند

کہ دنیا را نمی بینم بقابی

مگر صاحب دلی، روزی برحمت

کند در کار درویشان دعایی

تربت کے مشرقی پہلو پر:

دوستان ذکر حق و فکر مزار خود کنند؟

عاقبت مر گست، یاران! فکر کار خود کنند

بگذرند از فکر خط و ذکر رخسار بتان

بعد ازین اندیشہ لیل و نہار خود کنند

نامہ طاعت، کہ از دود گنہ، آمد سیاہ

شست و شوی این، بچشم اشکبار خود کنند

با رخ همچون خزان چون گرد آید بر بہار؟

این خزان خویش بادی و از بہار خود کنند

دونوں سروں پر:

غم دنیا مخور ای ہم نشین! تا يك نفس ماندہ

کہ بیکس ماندہ در دنیا، ولی دنیا بکس ماندہ

.....

تنی کہ بود ویرا لباس حریر و کتان

ببین کہ جایی چشان کردہ زیر سنگ گران

زمانہ داشت دو عیسیٰ و ہر دو شان رفتند

یکی بچرخ و دگر در زمین گرفتہ مکان

دہان خاک، چو شد پر، ز لقمہ تن او

نہاد دست فلک حسرتش بدہل ستان (؟)

بسال نہ صد و ہفتاد وسہ ز ہجر نی

جہان گذاشتہ بگرفت، ملک جاویدان

سنہ ۹۷۳ھ

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم۔

قال سبحانه وتعالى: 'شهد الله انه... عند الله الاسلام. (۲۷۳)

صدق الله العلی العظیم و صدق رسوله الکریم۔

یبشرهم ربهم... اجر عظیم. (۲۷۴)

بسم الله... الله لا اله الا هو الحي القيوم... العظیم. (۲۷۵)

صدق الله... الکریم۔

بسم الله... تبارک الذین... بماء معین. (۲۷۶)

پائیں تاریخی کتبہ:

چو کور کتبہ کے چاروں طرف یہ اشعار ہیں:

مشتاق آفتاب جمال محمدیم

ما بندہ محمد و آل محمدیم

پروانہ وار سوخته از آتش فراق

در آرزوی شمع جمال محمدیم

درمیان میں یہ کتبہ ہے:

وفات یافت حضرت جنت مکانی میرزا

محمد عیسیٰ بن عبدالعلی ترخان فی سنہ ۹۷۳ھ (۲۷۷)

چو کھنڈی:

اندرونی دیوار کے باہر مغرب جنوب کونے پر صحن کے اندر ایک

چھت والی چو کھنڈی (ہشت ستونی) ہے، جس کی قبر پر کوئی تاریخی

کتبہ نہیں ہے۔ آیات اس طرح ہیں:

قال الله سبحانه وتعالى 'تقدس و تعالیٰ'۔

کل من علیہا فان... والا کرام. (۲۷۸)

کل نفس ذائقة... ترجعون. (۲۷۹)

کل شیء هالک... ترجعون. (۲۸۰)

بسم الله... الله لا اله الا هو... العظیم. (۲۸۱)

صدق الله تعالیٰ۔

ہشت ستونی گنبد کی چھت میں چاروں طرف بقول خداداد خان یہ

آیات کندہ ہیں:

بسم اللہ... هل اتی علی الانسان... عذابا امینا۔ (۲۸۲)
صدق اللہ۔

تین قبریں:

خداداد خان کی بیاض میں مندرجہ ذیل تین قبروں کے کتبات نقل شدہ ہیں اور بتلایا گیا ہے کہ یہ قبریں عیسیٰ ترخان والے قبرستان کے احاطے میں ہیں۔ عیسیٰ اول یا عیسیٰ ثانی کے قبرستان کا احاطہ؟ اس کی وضاحت نہیں کی گئی ہے، بہر حال ہم یہاں وہ کتبات نقل کئے دے رہے ہیں:

میرزا محمد معظم:

بتاریخ سیزدہم شہر شوال المکرم
سنہ ۱۰۹۷ ھ غفران پناہ رضوان آرام گاہ
میرزا محمد معظم از دار الفنا بدار البقا رحلت نمود۔

میرزا غلام محی الدین:

واقعہ بتاریخ ہستم شہر شعبان
المعظم سنہ ۱۰۹۰ ھ میرزا غلام محی الدین
از دار الفنا بدار البقا
رحلت نمود۔

ممکن ہے یہ دونوں میرزا عیسیٰ ثانی کے پوتوں میں سے ہوں اور ان کا کہیں ذکر نہ کیا گیا ہو۔

اس وقت قبریں احاطے میں نہیں ہیں، اس لیے ہم نے خداداد خان کی نقل کو ہوبہو نقل کیا ہے۔ (۲۸۳)

خواجہ شرف الدین شیرازی:

خداداد خان کے قول کے مطابق مندرجہ ذیل قبر بھی میرزا عیسیٰ والے قبرستان کے احاطے میں تھی، جو اس وقت موجود نہیں۔ بہر حال، خواجہ کے انتقال کا سال ۹۱۱ ھ ہے، جو سما گھرانے کے حکمران جام نظام الدین کا دور تھا، یہ کتبہ ایران اور سندھ کے باہمی ربط اور ایران سے آنے والوں کے سلسلے میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

وفات مرحوم الواصل الى رحمة الله
خواجه شرف الدين شیرازی
فی تاریخ شهر جمادی الاول سنه ۹۱۱ھ
آیات:

الله لا اله الا هو الحي... العلی العظیم. (۲۸۴)
شهد الله انه... هو العزيز الحكيم. (۲۸۵)
صدق الله... رسول الكريم.

عیسیٰ محمد ثانی بن جان بابا، قبر کا تاریخی کتبہ ان کے احوال میں
دیا گیا ہے۔ قرآنی آیات کے کتبات مقبرہ کی نقشہ عنوان کے تحت
ملاحظہ ہوں۔

خداداد خان نے اپنی بیاض میں دو قبروں کے کتبے دیے ہیں، جو ان
کے قول کے مطابق وہ چہار دیواری کے اندر تھیں۔ یہ غالباً وہ دو قبریں
ہیں، جن میں سے ایک اس وقت ۱۷-۱۸ کے درمیان ہے، جبکہ دوسری
۱۷-۱۸ کے درمیان ہے۔ اب دونوں قبریں مسمار ہو گئی ہیں۔

غازی بیگ، میرزا محمد اول، بن میرزا جانی بیگ متوفی ۱۱ صفر
۱۰۲۱ھ اپنے باپ کے ساتھ مدفون ہے، قبر پر کتبہ نہیں ہے، ۹۹۲ھ میں
تولد ہوئے اور جمعرات کو قندھار میں فوت ہوئے، راقم الحروف نے ان کی
مکمل سوانح مرتب کی ہے۔

غازی بیگ، میرزا محمد ثانی بن میرزا عنایت اللہ:

ان کا نام ترخان نامہ والے شجرے میں موجود ہے۔
غالب بن میرزا صالح اول، اس کو میرزا باقی نے ۹۷۹ھ میں قتل
کروایا (۲۸۶) ان کی قبر گورستان عیسیٰ اول میں ہے۔
قبر کا کتبہ:

بتاریخ بست و دوم شعبان

۹۷۹ھ میان غالب فوت شد

آیات کے کتبات:

قال الله... قل يا عبادي الذين اسرفوا... الغفور الرحيم. (۲۸۷)

صدق الله... رسوله الكريم.

كل شيء هالك... ترجعون. (۲۸۸)

قال الله... ان الذين آمنوا وعملوا الصالحات..... بعبادة ربه احدا.

(۲۸۹)

صدق... رسوله الكريم.

مثل الجنة التي... ومغفرة من ربهم. (۲۹۰)

صدق الله... والشاكرين. والحمد لله رب العالمين.

كل من عليها فان... كل يوم هو في شان. (۲۹۱)

صدق الله... رسوله الكريم.

فتح الله، معروف بہ میرزا فتحی، بن میرزا عیسیٰ ثانی، متوفی ۱۰۹۳ھ

تبات ان کے احوال کے تحت ملاحظہ ہوں، ان کا مدفن میرزا عیسیٰ ثانی
ی رانک میں ہے۔

بخ میرزا بن میرزا شاہ رخ اول:

ترخان نامہ کے مؤلف نے ان کا نام عبدالعلی کے ذکر میں کیا ہے۔ (۲۹۲)

فضل الله بن میرزا فتحی بن میرزا عیسیٰ ثانی، کھیران کے پرگنہ

ن تھانے دار تھا، ان کا ذکر عیسیٰ ثانی کے احوال میں ان کے نام کے
ت کیا گیا ہے۔

فقیر محمد، امیر ترخان بن امیر مسکین ترخان، یہ میرزا عیسیٰ کا

ماد تھا، انھیں میرزا باقی کے دور میں قتل کیا گیا۔ ان کی قبر میرزا صالح

، کے احاطے میں ہے۔ تاریخی کتبہ یہ ہے: (۲۹۳)

تاریخ شہادت الواصل الی جوار ملک المنان

امیر فقیر محمد ترخان بن مرحومی مغوری

امیر مسکین بیگ ترخان

شہر رجب المرجب سنہ ۹۷۶ھ

الہی عبدک العاصی اتاکا مقرا بالذنوب وقد دعاکا

وان تغفر لذاک فانت اهل وان تطرد فمن یرحم سواکا

تجاوز عن ضعيف قد جفاکا وجائک تائباً یرجوا رضاکا

فان يك يا مهين قد عصاكا فلم يسجد لمعبود سواكا
 الهى كم ركبت على الخطايا فهب لى توبه قبل المنيا
 ندمت ندامة ثم ارجعو اليكا ليغفر ذلتى رب البرايا
 الهى (قد) عصيتك من عناد ولكن شقوتى غلبت عليا
 متى خبرت ان الشمس اتى سينهاني عضا فى ان اراها
 الهى لا اله سواك فارحم على من لا اله سوا كا(؟)
 صرفت العمر فى لهو و لعب فاهاا ثم آهاا ثم آهاا
 احب الصالحين ولست منهم لعل الله يرزقنى صلاحا
 الملك لله محمد رسول الله

قال الله سبحانه وتعالى: ولا تحسبن الذين ... ذو فضل
 عظيم. (٢٩٣)

قال الله سبحانه وتعالى: ان الذين قالوا ربنا ... الا ذو حظ
 عظيم. (٢٩٥)

قال الله... قل يا عبادى الذين... الغفور الرحيم. (٢٩٦)

بسم الله... الله لا اله الا هو الحى... العظيم. (٢٩٧)

قال الله سبحانه وتعالى: شهد الله انه ... هو العزيز الحكيم
 (٢٩٨)

ان الدين عند الله الاسلام.

قال الله... وسيق الذين... رب العالمين. (٢٩٩)

بسم الله... يس... رب الرحيم. (٣٠٠)

صدق الله العلى العظيم.

لطيف بيگه:

بنت ميرزا جاني (؟) مدفن زنانه مقبره ميرزا محمد باقى (نمبر ١

متوفى ١٣ ذو شنبه ذيقعد ١٠٢٣ هـ كته به به:

وفات يافت مرحومه

مغفوره لطيف بيگه بنت

حضرت رضوان المقامى (؟)

روز دو شنبه چهار دهم ماه

تاریخ شہر ذی قعدہ سنہ ۱۰۲۴ھ
 'رضوان مقامی' سے مراد غالباً میرزا جانی بیگ ہے۔
 هو الفتح - هو الکریم - لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔
 قال اللہ تعالیٰ: شہد اللہ انہ... الحکیم۔ (۳۰۱)
 اللہ لا الہ الا هو الحی... وهو العلی العظیم۔ (۳۰۲)
 بسم اللہ... تبارک الذین... بماء معین۔ (۳۰۳)
 کاتب منقول عنہ: شیخ فقیر محمد۔
 ماہ بیگہ:

بنت میرزا باقی ۱۰۱۴ھ متوفی میرزا باقی والے زنانه قبرستان (نمبر ۸)
 میں مدفون ہے۔ ان کی قبر کا کتبہ یہ ہے:
 وفات یافت صالحہ ساجدہ مرحومہ
 مغفورہ ماہ بیگہ بنت مرحوم
 مغفور الواصل الی جوار حضرت
 ملک القدوس میرزا محمد باقی ترخان
 در تاریخ سنہ ۱۰۱۴ھ

آیات:

قال اللہ تعالیٰ: شہد اللہ انہ... الحکیم۔ (۳۰۴)
 قال اللہ تعالیٰ: لا الہ الا هو الحی القيوم... العلی العظیم۔ (۳۰۵)
 صدق اللہ... والشاکرین۔
 بسم اللہ... تبارک الذین... بماء معین۔ (۳۰۶)
 صدق اللہ... رسوله الکریم۔

محمد، میر محمد بن سید جلال الدین بن سید علی شیرازی:
 میرزا محمد صالح اول کا نواسہ تھا۔ اس نے اپنا احوال قلم بند نہیں
 کیا۔ ترخان نامہ میں اپنے نانا یا اپنے والد کی شادی (۳۰۷) کا ذکر کرتے
 ہوئے بھی اپنی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا۔ تحفۃ الکرام میں ان کا مختصر
 ذکر موجود ہے۔ (۳۰۸)

محمد مراد، میرزا بن میرزا عنایت اللہ:

ان کا نام ترخان نامہ کے شجرے میں موجود ہے۔ جہاں گیر آباد کا تھانے دار تھا، اُس کا احوال میرزا عیسیٰ ثانی کے احوال میں اُس کے نام کے تحت دیا گیا ہے۔

مظفر، میرزا اول بن میرزا محمد باقی۔ یہ ان کا تیسرے نمبر کا بیٹا تھا۔ اپنے باپ کی زندگی میں علی خان کو کہ سمیت بدین اور چاچکان کا حاکم تھا۔ (۳۰۹) میرزا کی وفات کے بعد مسند نشینی کے معاملے پر میرزا جانی سے جنگ کی۔ جنگ میں شکست کھا کر کچھ کے راجہ کے ہاں پناہ گزیں ہوا۔ (۳۱۰)

صاحب سمہ نامی جاڑیجہ قوم کے ایک معزز فرد نے اپنی بیٹی میرزا باقی کو دی تھی۔ جس کے بطن سے مظفر پیدا ہوا۔ (۳۱۱) صاحب سمہ، سمہ کی ایک شاخ کا بھی نام ہے، (۳۱۲) میرزا مظفر جہانگیر سے ۱۰۲۶ھ میں فتح باغ (احمد آباد) میں ملا تھا۔ (تزک اردو ۴۵۸) مظفر میرزا ثانی بن میرزا عنایت اللہ:

ان کا نام ترخان نامہ کے شجرے میں ہے۔ غالباً ان کی بیگم کی قبر میرزا عیسیٰ والے قبرستان کے صحن میں ہے۔ (ملاحظہ ہو کتبہ رانک مذکور میں)

ناصر، میرزا بن میرزا عیسیٰ اول میرزا باقی کے خوف سے ساری زندگی لنگڑے اور گونگے ہو کر گذاری۔ (۳۱۳)

یار محمد، میرزا ترخان، میرزا عیسیٰ کا بھانجا تھا۔ (۳۱۴)

یادگار مسکین، ترخان، بیگی آغا بنت میرزا عیسیٰ اول کے شوہر تھے، میرزا باقی نے جان بابا کے ساتھ ان کو بھی قتل کروایا تھا۔ (۳۱۵) ان کی قبر جان بابا کی قبر کے ساتھ ہے، کتبہ جان بابا کے گورستان کے تحت دیا گیا ہے۔

اس کے بعد ۱- عیسیٰ اول ۲- محمد صالح اول ۳- میرزا باقی ۴- میرزا جان بابا ۵- میرزا جانی بیگ ۶- سلطان ابراہیم اور ۷- میرزا سلیمان کے گورستان کے نقشے شامل کر رہے ہیں، جن میں نمبروں کے ذریعے قبروں کی نشاندہی کی گئی ہے۔ متن میں یہی نمبر دیے گئے ہیں۔ (۳۱۶)

حواشی

- (۱) تحفة الکرام ج ۳ ص ۹۵
- (۲) بیاض میر محفوظ علی شاہ قلمی
- (۳) طاہری قلمی ص ۸۴
- (۴) تاریخ طاہری قلمی ص ۸۶-۸۷
- (۵) آیات کے شروع اور آخر الفاظ اختصار کے طور پر دیے جارہے ہیں۔
البقرہ: ۲۵۵
- (۶) آل عمران: ۱۸
- (۷) الفتح: ۲۷
- (۸) الملک: ۱-۳۰
- (۹) الملک: ۱-۳۰
- (۱۰) البقرہ: ۲۵۵
- (۱۱) القصص: ۸۸
- (۱۲) الکہف: ۱۰۷-۱۱۰
- (۱۳) الزمر: ۵۳
- (۱۴) الملک: ۵۳
- (۱۵) البقرہ: ۲۵۵
- (۱۶) البقرہ: ۲۸۵
- (۱۷) القصص: ۸۸
- (۱۸) الکہف: ۱۰۷-۱۱۰
- (۱۹) الملک: ۱-۳۰
- (۲۰) الزمر: ۵۳
- (۲۱) البقرہ: ۲۸۵

- (۲۲) الملك: ۱-۳۱
- (۲۳) یس: ۱-۳۱
- (۲۴) یس: ۱-۳۶
- (۲۵) الاعراف: ۵۶
- (۲۶) یس: ۱-۳۶
- (۲۷) الملك: ۱-۳۰ قبر پر سال كا اك نمبر مٹا ہوا ہے۔ خداداد خان نے ۱۰۸۷ء لکھا ہے۔
- (۲۸) الملك: ۱-۳۰ قبر پر سال مٹا ہوا ہے۔ خداداد خان نے ۱۰۸۷ء لکھا ہے۔
- (۲۹) الملك: ۱
- (۳۰) یہ سارے کتبے خداداد خان کی بیاض سے نقل کیے گئے ہیں، جو اُنھوں نے ۱۸۷۱ء میں نقل کرائے تھے۔
- (۳۱) البقرہ: ۲۸۵
- (۳۲) الکھف: ۱۰۷
- (۳۳) الکھف: ۱۰۷
- (۳۴) الاحزاب: ۴۰
- (۳۵) الفتح: ۱
- (۳۶) الجمعہ: ۹
- (۳۷) فاطر: ۱
- (۳۸) الفتح: ۲۹
- (۳۹) الاحقاف: ۱۳- آیت یہاں تک کندہ ہے۔
- (۴۰) الزمر: ۷۳
- (۴۱) الفتح: ۲۹
- (۴۲) الفتح: ۲۷-۲۸
- (۴۳) بنی اسرائیل: ۷۸-۸۴
- (۴۴) الملك: ۱-۲۰
- (۴۵) آل عمران: ۱۹۳

- (۴۶) الاعراف: ۲۳
- (۴۷) آل عمران: ۱۹۶
- (۴۸) الاعراف: ۸۹
- (۴۹) الملك: ۱
- (۵۰) البقرہ: ۲۵۵
- (۵۱) القصص: ۸۸
- (۵۲) الکہف: ۱۰۷-۱۱۰
- (۵۳) الزمر: ۵۳
- (۵۴) یہ شجرہ ترخان نامہ، تاریخ طاہری، تاریخ معصومی، بیگلارنامہ اور تحفۃ الکرام کی مدد سے تیار کیا گیا ہے، بہت سے نام مکلی کے مقابر سے تلاش کر کے دیے گئے ہیں۔ سنین کا مقابلہ کتبات کے ذریعے کیا گیا ہے۔ ایلیٹ کی تاریخ کو بھی سامنے رکھا گیا ہے۔ (ج ۱- ص ۳۰۳ تا ص ۴۹۷) اس کے علاوہ اکبرنامہ ج ۳ ص ۶۳۶ اور بلا خمن ص ۳۸۹ وغیرہ بھی زیر نظر رہے ہیں۔
- (۵۵) البقرہ: ۲۵۵
- (۵۶) آل عمران: ۱۸
- (۵۷) تاریخ طاہری ص ۱۳۷ اور تحفۃ الکرام۔
- (۵۸) الاعلیٰ: ۱-۱۹
- (۵۹) الاسراء: ۱۷
- (۶۰) الزمر: ۷۳
- (۶۱) مریم: ۱-۴۰
- (۶۲) الاعلیٰ: ۱-۱۹
- (۶۳) مرحوم خداداد کی بیاض میں یوں منقول ہے:
- هذه روضة المنوره للجناب الصالحه العابدہ الواصلة
الى الله الملك المنان بيجہ سلطان
فی تاریخ شهر رجب المرجب يوم الثلاثاء
سنه احدى وستين وتسعمائة.

میری اپنی بیاض میں اس طرح منقول ہے:
 هذه روضة المنوره للجناب الصالحه العابدة الواصل
 الجوار الى الله الملك المنان بیچہ سلطان
 بنت امیر مرحوم (?) خليل خان (?) عاشت فی
 طاعته رب العالمین، صارف عمره فی اعان المسلمین
 رحلته الدنیا الفانیہ فی یوم الثلاثا ماه
 رجب المرجب سنه احدى ستین وتسعماته.

(۶۳) البقره: ۲۵۵

(۶۵) الزمر: ۵۳

(۶۶) البقره: ۲۵۶

(۶۷) خداداد کی بیاض میں ۹۵۲ھ ہے۔ مندرجہ بالا نقل محکمہ آثارِ

قدیمہ کی ہے۔

(۶۸) البقره: ۲۵۵

(۶۹) ابراہیم: ۴۱

(۷۰) ۹۵۳ھ

(۷۱) القصص: ۸۸

(۷۲) آل عمران: ۱۸

(۷۳) البقره: ۲۵۵

(۷۴) الزمر: ۵۳

(۷۵) البقره: ۲۸۵

(۷۶) الملك: ۱-۲۰

(۷۷) تحفة الکرام فارسی ص ۷۵

(۷۸) الرحمن: ۲۶

(۷۹) الزمر: ۵۳

(۸۰) الکھف: ۱۰۷-۱۱۰

(۸۱) البقره: ۱۵۳-۱۶۳

(۸۲) الزمر: ۵۳

- (۸۳) البقرہ: ۲۵۵
- (۸۴) الملك: ۱ تا ۳۰
- (۸۵) القصص: ۸۸
- (۸۶) الرحمان: ۲۶ تا ۳۱
- (۸۷) دیکھئے نقشہ گورستان باقی ۱ تا ۴ نمبر قبور بغیر کتبے کئے ہیں۔
- (۸۸) دیکھئے آیات: ۵۰۸
- (۸۹) الملك: ۱ تا ۲۰
- (۹۰) الاخلاص: ۱
- (۹۱) الواقعہ: ۱
- (۹۲) آل عمران: ۳۹
- (۹۳) آل عمران: ۱۸
- (۹۴) الملك: ۱ تا ۲۰
- (۹۵) البقرہ: ۲۵۵
- (۹۶) القصص: ۸۸
- (۹۷) التوبہ: ۲۱
- (۹۸) یونس: ۶۹
- (۹۹) الملك: ۱ تا ۲۰
- (۱۰۰) البقرہ: ۲۵۵
- (۱۰۱) یہ تحریر بیاض کی ہے، لیکن کتبہ صاف پڑھنے میں نہیں آتا۔ در اصل وہ یوں ہے:
- وفات یافت بیگہ ماہ بنت...
- سلطان (؟) تاریخ ۱۰۱۳ھ (؟)
- (۱۰۲) البقرہ: ۱۵۳
- (۱۰۳) البقرہ: ۲۵۵
- (۱۰۴) الاحزاب: ۴۰
- (۱۰۵) المومنون: ۲۱
- (۱۰۶) البقرہ: ۲۲۵

- (۱۰۷) الملك: ۱-۱۲
 (۱۰۸) البقرة: ۲۵۵
 (۱۰۹) الزمر: ۵۳
 (۱۱۰) البقرة: ۲۵۵
 (۱۱۱) فصلت: ۳۰
 (۱۱۲) طه: ۵۵
 (۱۱۳) آل عمران: ۱۸
 (۱۱۴) البقرة: ۲۲۵
 (۱۱۵) المزمل: ۱
 (۱۱۶) الزمر: ۵۳
 (۱۱۷) البقرة: ۲۵۵
 (۱۱۸) القصص: ۸۸
 (۱۱۹) ترخان نامه ص ۵۳
 (۱۲۰) ترخان نامه ص ۶۱
 (۱۲۱) البقرة: ۲۵۵
 (۱۲۲) يونس: ۲۹
 (۱۲۳) الملك: ۱-۳۰
 (۱۲۴) آل عمران: ۱۸
 (۱۲۵) البقرة: ۲۵۵
 (۱۲۶) الملك: ۱-۳۰
 (۱۲۷) الملك: ۱-۳۰
 (۱۲۸) الاخلاص: ۱
 (۱۲۹) ترخان نامه ص ۶۱
 (۱۳۰) آل عمران: ۱۸
 (۱۳۱) البقرة: ۲۵۵
 (۱۳۲) الملك: ۱ تا ۳۰
 (۱۳۳) الفجر: ۲۷

- (۱۳۴) ابراہیم: ۴۱
 (۱۳۵) الکہف: ۱۰۷
 (۱۳۶) النساء: ۱۲۲
 (۱۳۷) فصلت: ۳۰
 (۱۳۸) معصومی - ترخان نامہ - تاریخ طاہری
 (۱۳۹) البقرہ: ۲۵۵
 (۱۴۰) آل عمران: ۱۸
 (۱۴۱) الکہف: ۱۰۷
 (۱۴۲) الزمر: ۷۱
 (۱۴۳) الفتح: ۲۷
 (۱۴۴) الملک: ۱ تا ۳۰
 (۱۴۵) آل عمران: ۱۸۵
 (۱۴۶) القصص: ۸۸
 (۱۴۷) البقرہ: ۲۵۵
 (۱۴۸) التوبہ: ۲۱
 (۱۴۹) الملک: ۱-۲۵
 (۱۵۰) مرحوم خداداد خان کی بیاض میں تاریخ ۶ ماہ ربیع الاول ۹۶۳ھ
 مرقوم ہے -
 (۱۵۱) آل عمران: ۱۸
 (۱۵۲) البقرہ: ۲۵۵
 (۱۵۳) القصص: ۸۸
 (۱۵۴) آل عمران: ۱۸۵
 (۱۵۵) التوبہ: ۲۱
 (۱۵۶) الکہف: ۱۰۷-۱۱۰
 (۱۵۷) البقرہ: ۲۵۵-۲۵۶
 (۱۵۸) الملک: ۱-۳۰
 (۱۵۹) الرحمن: ۲۶-۲۷

- (۱۶۰) القصص: ۸۸
 (۱۶۱) الزمر: ۵۳
 (۱۶۲) البقرہ: ۲۵۵
 (۱۶۳) البقرہ: ۲۵۶-۲۵۷
 (۱۶۴) الزمر: ۵۳
 (۱۶۵) الملك: ۱-۳۰
 (۱۶۶) الفتح: ۲۷-۲۹
 (۱۶۷) آل عمران: ۱۸
 (۱۶۸) الفجر: ۲۹-۳۰
 (۱۶۹) آل عمران: ۱۸۵
 (۱۷۰) القصص: ۸۸
 (۱۷۱) البقرہ: ۲۵۵
 (۱۷۲) القصص: ۸۸
 (۱۷۳) الملك: ۱-۳۰
 (۱۷۴) البقرہ: ۲۸۶
 (۱۷۵) البقرہ: ۲۵۵
 (۱۷۶) الملك: ۱-۳۰
 (۱۷۷) آل عمران: ۳۹
 (۱۷۸) الکہف: ۱۰۷-۱۱۰
 (۱۷۹) الزمر: ۷۳

نمبر (۱) سطر کے سیدھے طرف سے - سطر نمبر (۲) پیشانی کے
 اوپر اور نمبر (۳) سطر الٹے ہاتھ پر کندہ ہے۔

- (۱۸۰) البقرہ: ۲۵۵
 (۱۸۱) الملك: ۱-۳۰
 (۱۸۲) تاریخ طاہری
 (۱۸۳) ترخان نامہ
 (۱۸۴) رضوان مقاسی میرزا جانی بیگ کے لیے ان کی وفات کے بعد

استعمال کیا جاتا تھا۔ عیسیٰ اور دوسرے لوگوں کے لیے 'جنت مکانی' کا لقب تھا۔ جو ان کی قبروں پر نظر آتا ہے۔ میرزا جانی کے لیے 'رضوان مقامی' کی سند فی الحال دستیاب نہ ہوسکی۔

(۱۸۵) البقرہ: ۲۵۵

(۱۸۶) آل عمران: ۱۸

(۱۸۷) الزمر: ۵۳

(۱۸۸) الملک: ۱-۳۰

(۱۸۹) آل عمران: ۱۸

(۱۹۰) البقرہ: ۲۵۵

(۱۹۱) آل عمران: ۱۸

(۱۹۲) الملک: ۱-۳۰

(۱۹۳) معصومی ص ۲۱۹

(۱۹۴) ترخان نامہ ص ۶۲

(۱۹۵) ترخان نامہ ص ۶۷

(۱۹۶) تحفة الکرام سندھی ص ۳۶۸

(۱۹۷) طاہری ص ۱۴۳-۱۴۸-۱۵۰-۱۷۸

(۱۹۸) ترخان نامہ ص ۵۷ و طاہری ص ۱۰۵

(۱۹۹) ترخان نامہ ص ۵۶

(۲۰۰) ترخان نامہ ص ۶۱

(۲۰۱) ترخان نامہ ص ۶۶

(۲۰۲) آل عمران: ۱۸

(۲۰۳) البقرہ: ۲۵۵

(۲۰۴) المزمّل: ۱-۲۰

(۲۰۵) النصر: ۱-۳

(۲۰۶) الاخلاص: ۱-۴

(۲۰۷) ترخان نامہ: ۶۶

(۲۰۸) تحفة الکرام سندھی ص ۱۷۲، فارسی ص ۷۱-۷۳، تاریخ طاہری۔

- (۲۰۹) المومنون: ۱۳-۲۲
- (۲۱۰) الكهف: ۱۰۷-۱۱۰
- (۲۱۱) حم السجده: ۳۰-۴۴
- (۲۱۲) القصص: ۸۸
- (۲۱۳) البقره: ۲۵۵-۲۵۷
- (۲۱۴) يس: ۱-۲۷
- (۲۱۵) الزمر: ۵۳
- (۲۱۶) تحفة الكرام (سندھی ترجمہ) ص ۱۸۸، فارسی ص ۷۳-۷۴
- (۲۱۷) ترخان نامہ ص ۴۷-۴۸
- (۲۱۸) تاریخ طاہری کے حاشیے میں ان کے قتل کے سلسلے میں ایک سندھی شعر دیا گیا ہے، جس کا مفہوم کچھ یوں ہے: اس نے ایک بلوچ کو گالی دی، اب اس پر حملہ کرنا لازمی ہو گیا۔ اب میرزا صالح کو قتل کرنے کے سوا میں کوئی اور کام کرنا نہیں چاہتا۔ حاشیہ نویس ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ نے جو قصہ تحریر کیا ہے، اس پر نظر ثانی کی گنجائش ہے۔ (طاہری ص ۳۲۴، معصومی ص ۶۰۸ اور تحفة الكرام ص ۶۶)
- (۲۱۹) الزمر: ۵۳
- (۲۲۰) العنكبوت: ۵۷
- (۲۲۱) التغابن: ۷-۱۳
- (۲۲۲) يس: ۸۲-۸۳
- (۲۲۳) القصص: ۸۸
- (۲۲۴) سجده: ۲۳-۳۰
- (۲۲۵) الجمعہ: ۸
- (۲۲۶) النساء: ۱۲۲
- (۲۲۷) آل عمران: ۱۸
- (۲۲۸) الرحمن: ۲۶-۲۷
- (۲۲۹) البقره: ۲۵۵

- (۲۳۰) الملک: ۱-۳۰
 (۲۳۱) الکہف: ۱۰۷-۱۱۰
 (۲۳۲) آل عمران: ۸۵
 (۲۳۳) الزمر: ۵۳
 (۲۳۴) الزمر: ۴۳-۴۵
 (۲۳۵) القصص: ۸۸
 (۲۳۶) آل عمران: ۱۸-۱۹
 (۲۳۷) الاحقاف: ۱۳-۱۴
 (۲۳۸) القصص: ۸۸
 (۲۳۹) البقرہ: ۱۵۳-۱۵۸
 (۲۴۰) البقرہ: ۲۸۵-۲۸۶
 (۲۴۱) البقرہ: ۲۵۵
 (۲۴۲) حم السجدہ: ۳۰-۳۵
 (۲۴۳) آل عمران: ۱۸-۱۹
 (۲۴۴) البقرہ: ۲۵۵
 (۲۴۵) التوبہ: ۲۱-۲۲
 (۲۴۶) البقرہ: ۲۵۵
 (۲۴۷) آل عمران: ۱۸-۱۹
 (۲۴۸) المزمل: ۱-۲۰
 (۲۴۹) البقرہ: ۲۵۵
 (۲۵۰) آل عمران: ۱۸-۱۹
 (۲۵۱) البقرہ: ۲۵۵
 (۲۵۲) المزمل: ۱-۲۰
 (۲۵۳) آل عمران: ۱۸-۱۹
 (۲۵۴) البقرہ: ۲۵۵
 (۲۵۵) المزمل: ۱-۲۰
 (۲۵۶) حم السجدہ: ۳۰-۳۵

- (۲۵۷) ترخان نامہ: ۴۴-۴۶-۴۷
- (۲۵۸) بلاخن ص ۳۹۲، مائر الامراج ص ۳۸۸
- (۲۵۹) مکاتیب عبداللہ مروارید
- (۲۶۰) ملاحظہ ہوں ترخان نامہ کے شجرے
- (۲۶۱) الزمر: ۵۳
- (۲۶۲) البقرہ: ۲۵۵
- (۲۶۳) القصص: ۸۸
- (۲۶۴) ترخان نامہ ص ۹۵-۹۳
- (۲۶۵) ترخان نامہ ص ۶۶
- (۲۶۶) الملك: ۱-۳۰
- (۲۶۷) الضحیٰ: ۱-۱۱
- (۲۶۸) القدر: ۱-۵
- (۲۶۹) الواقعہ: ۱-۹۷
- (۲۷۰) آل عمران: ۳۹
- (۲۷۱) آل عمران: ۱۸-۲۰
- (۲۷۲) الزمر: ۷۳
- (۲۷۳) آل عمران: ۱۸-۱۹
- (۲۷۴) التوبہ: ۲۱-۲۲
- (۲۷۵) البقرہ: ۲۵۵
- (۲۷۶) الملك: ۱-۳۰
- (۲۷۷) چار دیواری کے اندر اس وقت ۶ قبریں ہیں، پائندہ، عیسیٰ اول، میرزا ابراہیم، ابو الفتح، غالب اور چھٹی قبر پر کتبہ نہیں ہے۔ وہ بجے کی معلوم ہوتی ہے۔ خداداد خان کی بیاض میں مذکورہ بالا قبروں کے علاوہ ساتویں قبر کی آیات کا کتبہ نقل شدہ موجود ہے، جو اس وقت احاطے میں موجود نہیں۔ بجے کی قبر اور مذکورہ ساتویں قبر کا کتبہ یہ ہے:
- (۶) کل نفس ذائقۃ الموت... وادخلی جنتی. (آل عمران: ۱۸۵)
- کل شیء ہالک... والیہ ترجعون. (القصص: ۸۸)

بسم اللہ... اللہ لا الہ الا هو الحی... العلی العظیم. (البقرہ:

۲۵۵)

صدق اللہ العلی العظیم وصدق رسوله الکریم.

(۷) بسم اللہ... اللہ لا الہ الا هو الحی القیوم... العظیم. (البقرہ:

۲۵۵)

کل نفس ذائقۃ الموت... وادخل الجنة. (آل عمران: ۱۸۵)

کل من علیها فان... الارض کل یوم هو فی شان. (الرحمن:

۲۶-۲۹)

بسم اللہ... تبارک... بماء معین. (الملک: ۱-۳۰)

صدق اللہ... الحمد للہ رب العالمین.

(۲۷۸) الرحمن: ۲۶-۲۷

(۲۷۹) العنکبوت: ۵۷

(۲۸۰) القصص: ۸۸

(۲۸۱) البقرہ: ۲۵۵

(۲۸۲) الدهر: ۱-۳۰

(۲۸۳) بیاض خداداد: ۳۲۸

(۲۸۴) البقرہ: ۲۵۵

(۲۸۵) آل عمران: ۱۸

(۲۸۶) ترخان نامہ: ۶۱

(۲۸۷) الزمر: ۵۳

(۲۸۸) القصص: ۸۸

(۲۸۹) الملک: ۱۰۷ تا ۱۱۰

(۲۹۰) محمد: ۱۵

(۲۹۱) الرحمن: ۲۶-۲۹

(۲۹۲) ترخان نامہ: ۹۳، ترک جہانگیری نولکشور ص ۴۵۸ صاحب تاریخ

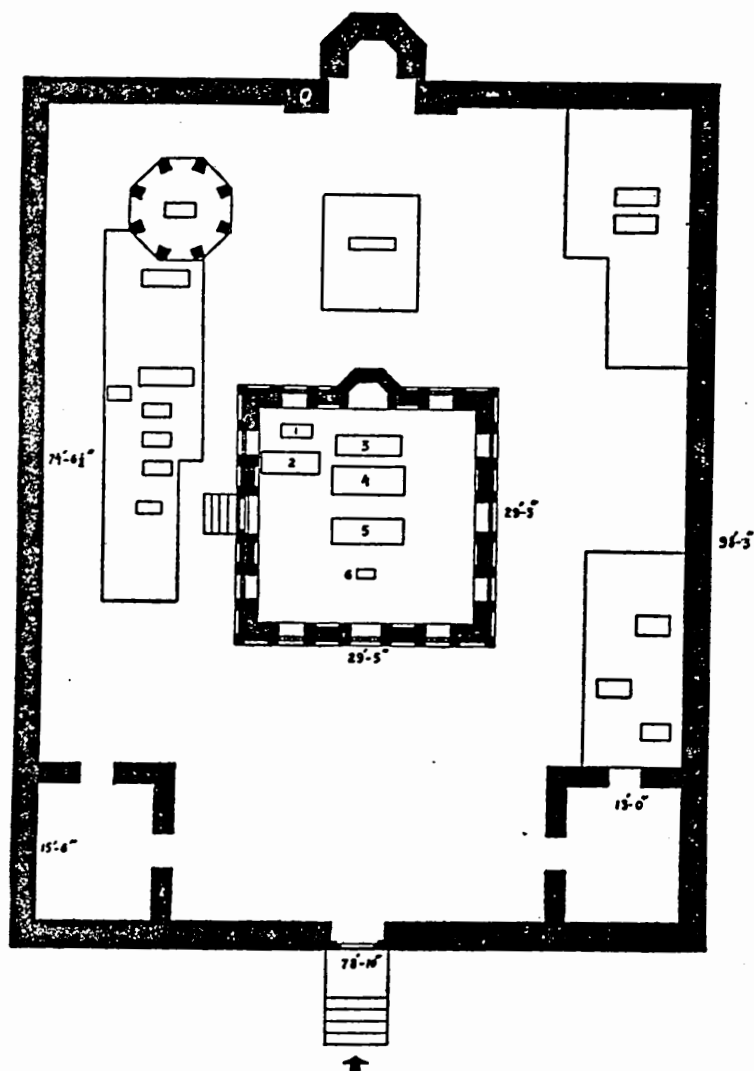
طاہری نے غلطی سے ان کو میرزا عیسیٰ کا بیٹا سمجھا ہے۔

ص ۹۹ مطبوعہ۔

(۲۹۳) بیاض خداداد خان ۱۳۵-۱۵۲

- (۲۹۴) آل عمران: ۱۶۹-۱۷۴
 (۲۹۵) حم السجده: ۳۰-۳۵
 (۲۹۶) الزمر: ۵۳
 (۲۹۷) البقرہ: ۲۵۵
 (۲۹۸) الرحمن: ۲۶-۲۷
 (۲۹۹) الزمر: ۷۳-۷۵
 (۳۰۰) یس: ۱-۵۸
 (۳۰۱) آل عمران: ۱۸
 (۳۰۲) البقرہ: ۲۵۵
 (۳۰۳) الملك: ۱-۳۰
 (۳۰۴) آل عمران: ۱۸
 (۳۰۵) البقرہ: ۲۵۵
 (۳۰۶) الملك: ۱-۳۰
 (۳۰۷) ترخان نامہ ص ۶۷۲
 (۳۰۸) تحفۃ الکرام سندھی ص ۴۶۸
 (۳۰۹) طاہری اور تحفۃ الکرام ص ۱۸۲
 (۳۱۰) تحفۃ الکرام فارسی ص ۶۶-۷۲-۷۳
 (۳۱۱) تحفۃ الکرام ص ۱۶۹-۱۷۹-۱۸۶
 (۳۱۲) تحفۃ الکرام ص ۷۸
 (۳۱۳) ترخان نامہ ص ۶۳
 (۳۱۴) معصومی ص ۲۰۹
 (۳۱۵) ترخان نامہ ص ۵۹-۶۰-۶۳
 (۳۱۶) یہ نقشے فاضل دوست عزیز محمد ادیس صدیقی (محکمہ آثار قدیمہ) نے مجھے دیے تھے، جن کے لیے میں ان کا بے حد ممنون ہوں۔ دو نقشے (ابراہیم اور سلیمان) کے جناب ایم اے مجید صاحب نے میری طلب پر تیار کر کے دیے، کس کے لیے میں ان کا شکر گزار ہوں۔

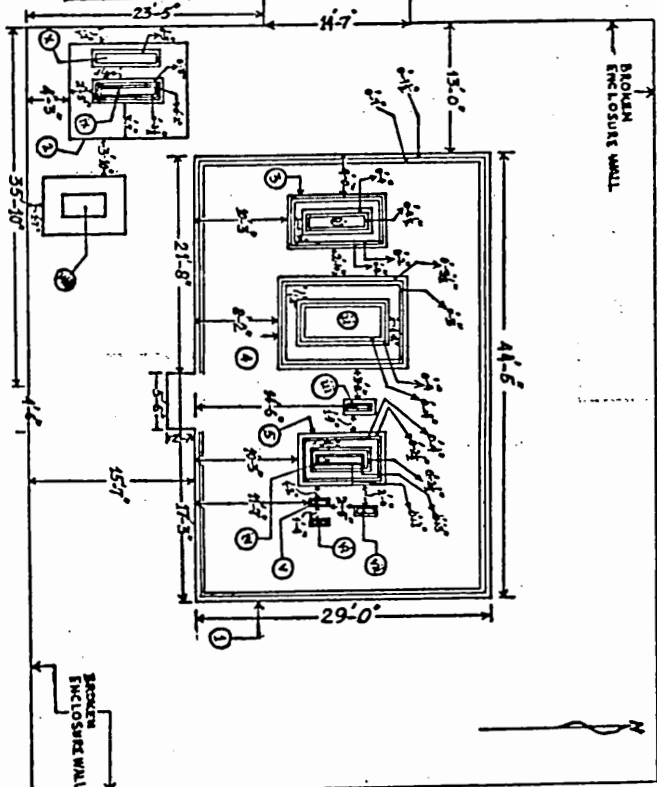
PLAN OF THE TOMB OF
MIRZA 'ĪSA KHĀN TARKHĀN I
TATTA



PLAN OF MOHAMMAD SALEH & OTHERS TOMB,
MAKLI HILLS THATTYA (SIND)

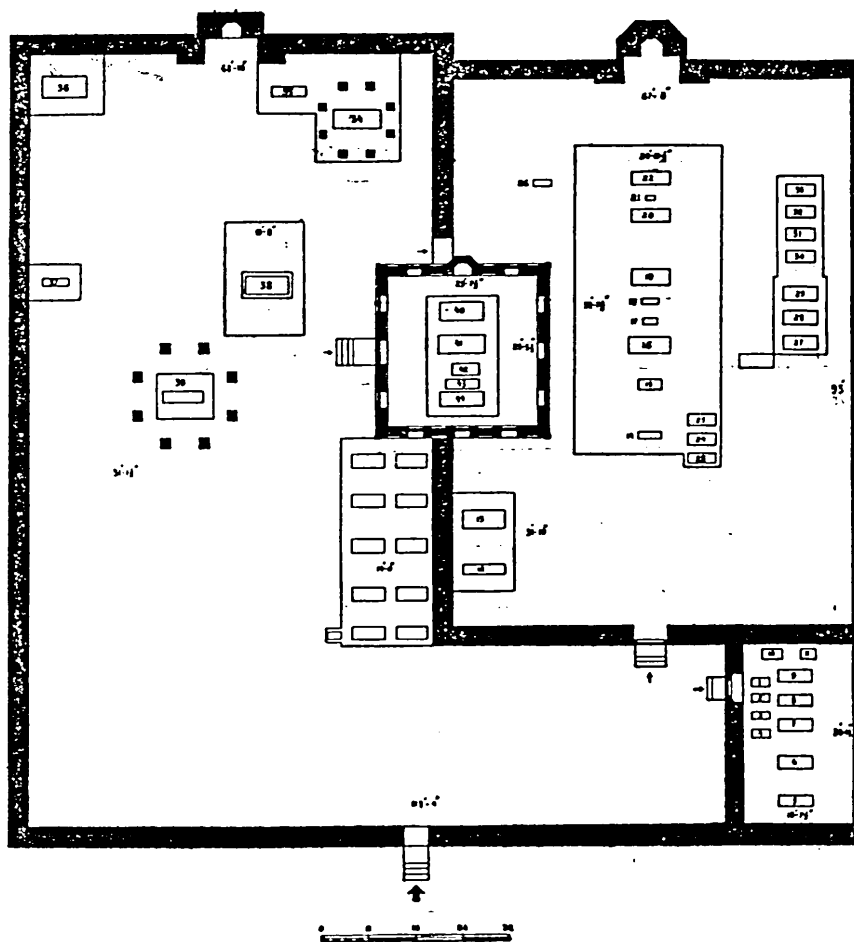
NO	DESCRIPTION	L	B	H
1	GRAVE PLATE/FAV	44.4	18.6	2.4
2	"	11.2	8.5	1.8
3	"	8.7	5.5	1.4
4	"	12.8	8.2	1.8
5	"	8.4	5.5	1.5

NO	DESCRIPTION	L	B	H
I	STONE GRAVE	6.5	2.2	1.1
II	"	9.8	3.0	2.4
III	"	5.2	1.2	0.4
IV	"	5.5	3.4	2.1
V	"	1.7	0.7	0.7
VI	"	1.8	0.7	0.7
VII	"	8.5	0.6	1.1
VIII	TIME PLATED GRAVE	8.2	8.9	2.5
IX	STONE GRAVE	7.3	3.5	2.2
X	"	6.5	1.8	1.1

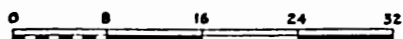
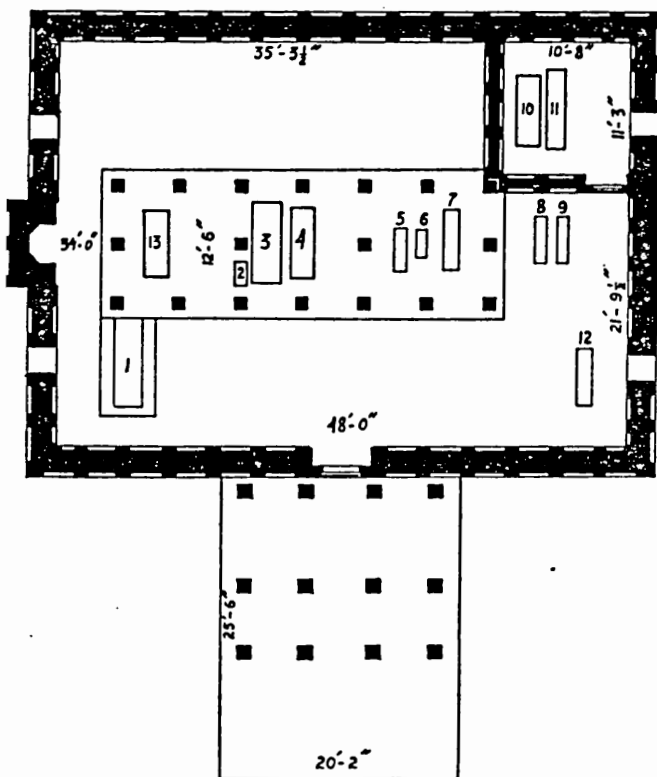
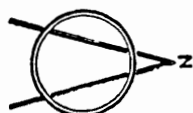


DRAWN BY
M. A. MAJEED JOLLA
(M.A. MAJEED JOLLA
CONSULTING ARCHT. (DHAKA))

PLAN OF THE TOMB OF
MUHAMMAD BĀQĪ TARKHĀN
TATTA



PLAN OF THE TOMB OF JĀN BĀBĀ TATTA

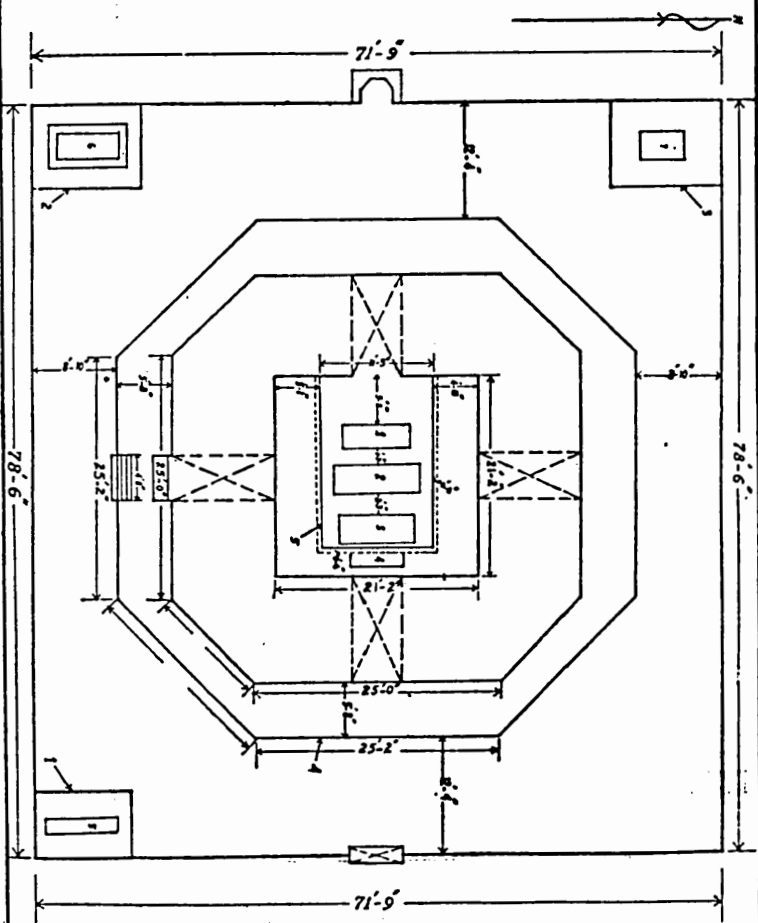


PLAN OF THE TOMB OF MIRZA JANI BEG

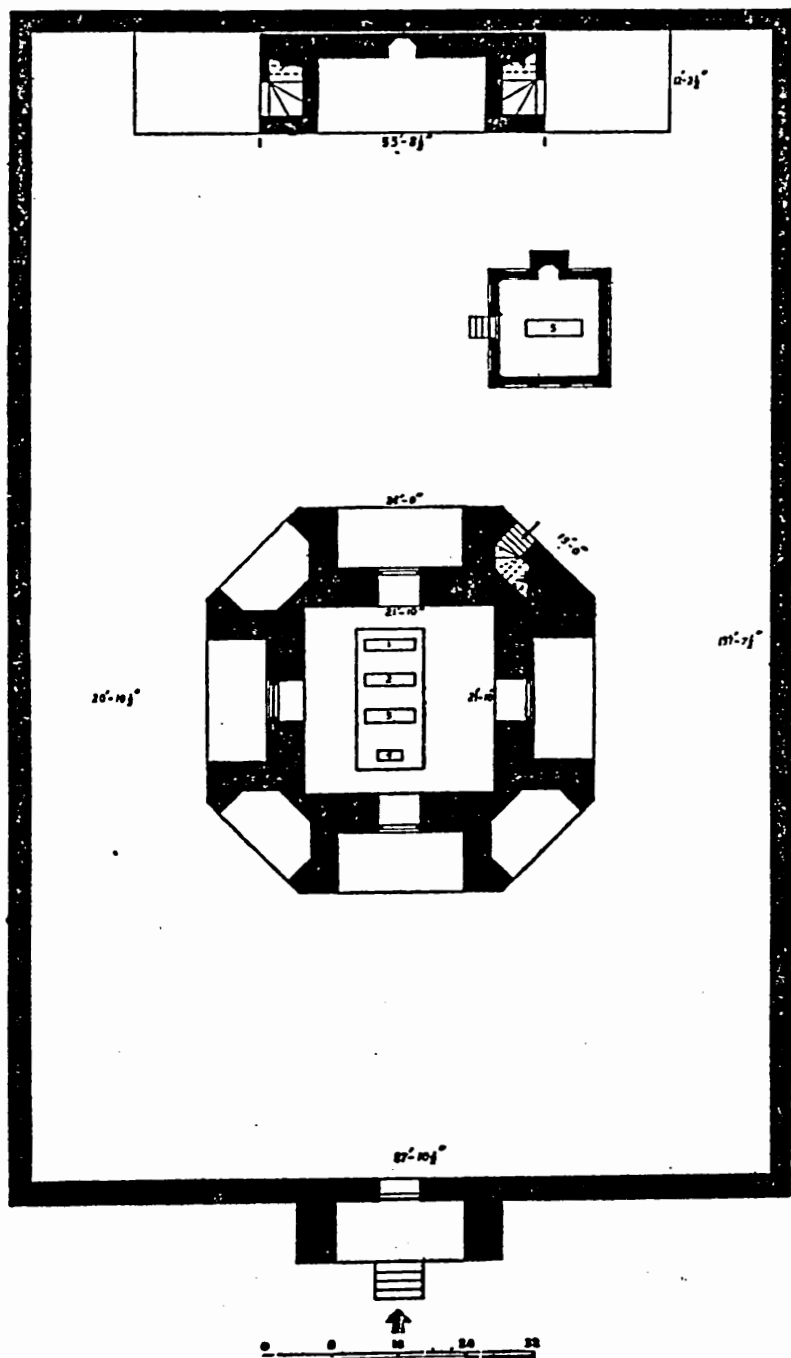
	L	B	H
1 GRAVE PLATFORM (South East corner)	10'-5"	6'-10"	1'-8"
2 GRAVE PLATFORM (South West corner)	11'-6"	8'-9"	3'-10"
3 GRAVE PLATFORM (North West corner)	11'-7"	8'-10"	3'-8"
4 PLATFORM OF THE TOMB	-	-	3'-5"
5 GRAVE PLATFORM	27'-2"	27'-2"	2'-11"

	L	B	H
1 GRAVE INSIDE TOMB	6'-11"	2'-4"	2'-2 1/2"
2 -	9'-1"	2'-11"	2'-7"
3 GRAVE INSIDE TOMB	7'-4 1/2"	2'-11"	2'-4"
4 -	4'-10"	2'-4"	1'-8"
5 GRAVE ON SOUTH EAST CORNER	10'-3"	6'-10"	1'-7"
6 GRAVE ON SOUTH WEST CORNER	11'-6"	8'-9"	2'-7"
7 GRAVE ON NORTH WEST CORNER	11'-7"	8'-10"	0'-4"

WIRRELL
JAN 1966
DRAWN BY - (M.A. MAJID)
CONSULTING ARCHT
T AITVA



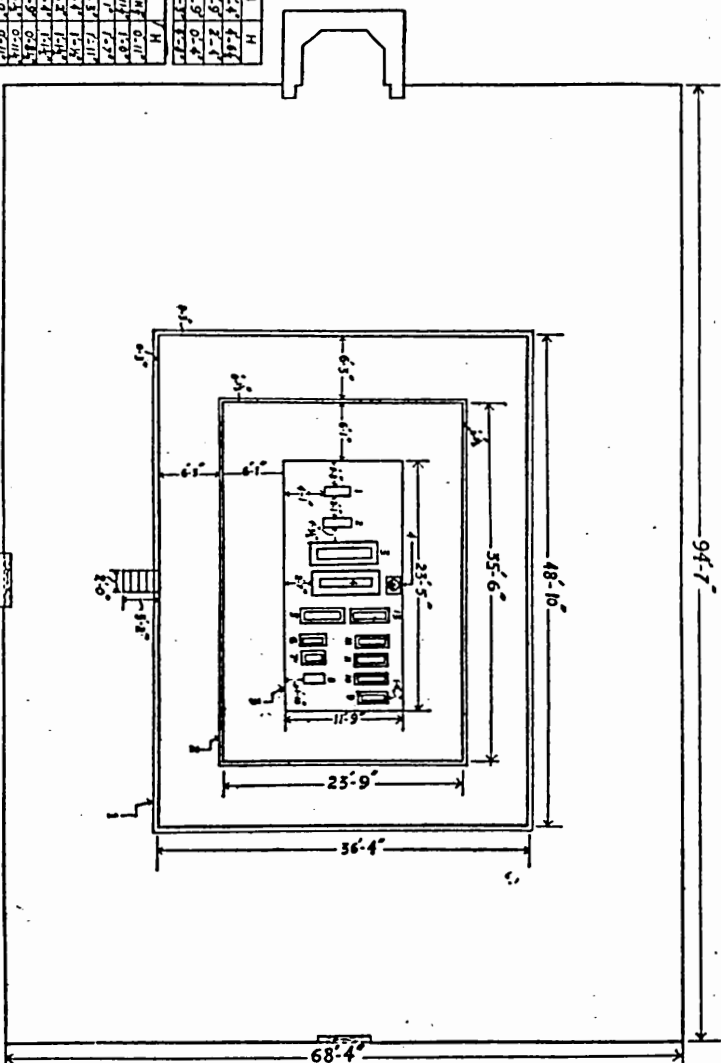
PLAN OF THE TOMB OF
SULTĀN IBRĀHĪM TARKHĀN
TATTA



PLAN OF THE GRAVEYARD OF MIRZA SULAIMAN

	L	B	H
PLATFORM No. 1	41.8	36.4	4.4
PLATFORM No. 2	35.8	23.9	2.4
GRAVE PLATFORM No. 5	21.5	11.9	0.4
GREEN TOWER No. 4	1.8	7.3	1.2

GRAVE NO.	L	B	H
1	2.8	6.8	0.4
2	1.7	0.11	1.3
3	6.5	2.1	0.2
4	6.6	2.5	0.11
5	4.1	1.7	1.3
6	2.6	1.5	1.4
7	1.3	0.7	1.4
8	1.7	0.8	0.4
9	1.3	1.1	0.11
10	1.1	0.3	0.11
11	1.2	1.4	1.4
12	1.8	1.3	0.2



DRAWN BY: (M.A. MAJID)
CONSTRUCTION
1974

باب ۹

ترخان دور کی غیر معروف قبریں

ارغون اور ترخان دور (۹۲۸-۱۰۲۱) کے اکثر تاریخی افراد مکلی کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔ سوائے پہلے دو ارغون حکمرانوں کے، جن کو وفات کے بعد سندھ کی سرزمین نے اپنے سینے میں جگہ نہ دی اور اُنہوں نے اپنی عافیت اس میں سمجھی کہ ان کی لاشیں متبرک ملک میں دفن ہوں۔

صدیوں کا عرصہ گذر جانے کے سبب سیکڑوں قبریں مسمار ہو گئیں، اس وقت چند شخصیتوں کی قبریں صحیح سلامت رہ گئی ہیں۔ چونکہ ان صفحات میں ترخان مقابر کا ذکر موجود ہے، اس لیے ضروری ہے کہ مذکورہ دو خاندانوں کے متعلق کچھ غیر معروف لیکن اہم شخصیات کی قبروں کے کتبے، تاریخی مطالعہ کے لیے یہاں محفوظ کر لیں۔ ممکن ہے ان مدفونین کا کوئی رشتہ ناطہ ترخان یا ارغون تاریخ سے ظاہر ہو جائے اور اس طرح سندھ کی تاریخ کا ٹوٹا ہوا سلسلہ جُڑ جائے۔

ذیل میں جو کتبات دیے جا رہے ہیں، وہ مرحوم و مغفور خداداد خان کی بیاض سے نقل کیے گئے ہیں، ان میں سے بہت سی قبریں خوش قسمتی سے آج بھی موجود ہیں۔ کتبات سنین کی ترتیب سے دیے گئے ہیں، تاکہ وقت ضرورت قاری کو آسانی ہو۔

بیگہ جان ۹۴۱ھ:

یہ قبر حسین بیگ ترخان کے قبرستان میں اس کی قبر سے متصل ہے، جس کے بعد دوسری قبریں ہیں، جن کی آیات کے کتبات حسین بیگ کے کتبے کے تحت دیے گئے ہیں۔ اس قبر کا تاریخی کتبہ یہ ہے:

وفات مستوره مرحومہ بیگہ جان
در ماہ رمضان سنہ ۹۴۱ھ (۱)

آیات:

بسم اللہ... رب اغفر لی... الراحمین
یا غفور.

ان الذین قالوا ربنا... السميع العليم. (۲)

قال اللہ تعالیٰ: یا عباد لا خوف... تا کلون. (۳)

امیر محمد قلی بن عبدالصمد خان ۹۴۶ھ:

اس گھرانے کا قبرستان علیحدہ ہے، جس میں امیر محمد قلی کے
علاوہ دوسری چار قبریں (حلیمہ بیگہ، بادشاہ زاد، صالح بیگہ، ظریف بیگہ)
کی ہیں۔ امیر محمد قلی کی قبر پر یہ تاریخی کتبہ ہے:

قد توفی الامیر الشباب الاعظم الاکرام
الواصل الی رحمۃ اللہ المنان امیر محمد قلی
بن امیر عبدالصمد ترخان

فی تاریخ سنہ

تسع و اربعین وتسعمائتہ (۴)

آیات:

ناد علیا مظهر العجائب والغرائب تجده عونالك
فی النوائب سینجلی بنیوتک یا محمد وبولایتک
یا علی! یا علی! یا علی!

بسم اللہ... اللہ لا الہ الا هو الحي... العلی العظیم. (۵)

لا اکراه فی الدین... الی النور. (۶)

قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ: یشترهم ربهم... اجر عظیم. (۷)

امیر محمد قلی غالباً شیعہ تھے۔

حسین بیگ ترخان ۹۴۹ھ:

یہ قبرستان الگ ہے، جس میں چار قبریں ہیں (بیگہ جان وغیرہ) قبر
کا اہم کتبہ یہ ہے:

قد توفی الامیر المرحوم حسین بیگ ترخان سنہ ۹۴۹ھ (۸)

آیات:

بسم اللہ... لا الہ الا اللہ - محمد رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم.

قال اللہ... اللہ لا الہ الا هو الحی... هو العلی العظیم. (۹)

اسی قبرستان میں دو قبریں بغیر نام کے ہیں۔

۱- شهد اللہ انہ لا الہ... الکافرین. (۱۰)

اسی قبر کے ساتھ دوسری قبر (۱۱) ہے۔

۲- قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ: کل شیء ہالک... ترجعون. (۱۲)

اللہ لا الہ الا هو الحی... هو العلی العظیم. (۱۳)

اس قبرستان کے آس پاس اس دور کے متعدد خاص لوگوں کی قبریں

ہیں، جن کا ذکر ان کے نام کے تحت کیا گیا ہے۔ مثلاً:

۱- امیر سلطان قلی بن امیر حسین طغانی ۹۵۱ھ (ص ۲۸۶)

۲- سلطان میر علی بن امیر سلطان مقیم بیگلار ۹۵۲ھ (ص ۲۸۵)

۳- امیر احمد قلی سلطان محمد قلی بیگلار

۴- ماہ بیگہ بنت امیر حیدر محمد برلاس ۸۷۶ھ (۲۸۰)

۵- بی بی مریم ۹۶۷ھ (ص ۲۷۸)

یہ قبر بھی مذکورہ قبروں کے قریب ہے۔

۶- الملك الخواص ملك کؤس (?) سلطانی ۹۱۳ھ (ص ۲۷۳)

۷- بغیر نام کے یہ قبر بھی اس کے آس پاس ہے۔ (۱۴)

شهد اللہ انہ... الحکیم. (۱۵)

اللہ لا الہ الا هو الحی... العظیم. (۱۶)

بادشاہ زادہ ۹۵۰ھ:

عبدالصمد ترخان کے گھرانے کے قبرستان میں یہ ایک جھوٹے بچے

کی قبر حلیمہ بیگہ سے متصل ہے۔ تاریخی کتبہ یہ ہے:

وفات یافت پادشاہزادہ

معصوم مرحوم در تاریخ نہصد و پنجاہ. (۱۷)

آیات:

بسم الله... قل يا عبادى الذين... الغفور الرحيم. (۱۸)
امیر سلطانی قلی ۹۵۱ھ:

یہ قبرستان علیحدہ ہے۔ پہلی قبر کا کتبہ یہ ہے:
قد توفی الامیر الاعظم سلطان قلی
بن امیر مرحوم حسین بیگلار طغانی
فی خمس عشر شهر صفر ختم بالخیر
والظفر ۹۵۱ھ (۱۹)

آیات:

الله لا اله الا هو الحی... العظیم. (۲۰)
صدق الله... الکریم.

ممکن ہے اس خاندان کا تعلق امیر شیخ علی طغانی سے ہو جو شاہ
حسین باقرا کے امراء میں سے تھے۔ (۲۱)
امیر عباسی ۹۵۲ھ:

یہ قبر امیر قاسم طغانی (۹۶۵ھ) کے قبرستان (جس میں فرخ ارغون
مدفون ہے) سے متصل ہے۔
وفات یافت مرحومی مغوری
امیر عباسی بتاریخ رجب المرجب
۹۵۲ھ (۲۲)

آیات:

قال الله تعالى: كل شيء هالك... ترجعون. (۲۳)
الله لا اله الا هو الحی... العظیم. (۲۳)
لا اکراه... يوم بالله.

ظریف بیگہ بنت محمد مومن ۹۵۳ھ:

یہ قبر عبدالصمد کے قبرستان میں صالحہ بیگہ (۹۸۷ھ) سے متصل ہے۔
وفات حضرت عصمت مآب عفت مناب
قدوة المخدرات ظریف بیگہ بنت عالیجناب
دولت مآب معالی نصاب شجاعت شعار

امیر مرحوم الواصل الی جوار اللہ الغفار
امیر محمد مومن بیگ در تاریخ دہم روز جمعہ
ماہ رجب المرجب ۱۰۵۳ھ (۲۶)

آیات:

بسم اللہ... یس... ایدیہم افلا یشکرون. (۲۷)
امیر اصغر ۱۰۵۴ھ:

سیرزا عیسیٰ اول کی رانک کے مشرق میں علیحدہ تھلے (چبوترہ) پر

قبر ہے۔

وفات یافت مرحومی مغفوری

عالی جناب امیر اصغر بتاریخ

شہر جمادی الآخر ۱۰۵۴ھ

آیات:

شہد اللہ انہ... الحکیم. (۲۸)

قال اللہ تعالیٰ: اللہ لا الہ الا هو الحی... العظیم. (۲۹)

بسم اللہ... تبارک... بماء معین. (۳۰)

اسی تھلے (چبوترے) پر چار دوسری قبریں ہیں، جن پر کوئی تاریخی

پتھر نہیں۔ آیات اس طرح ہیں:

۱۔ شہد اللہ انہ لا الہ... الحکیم. (۳۱)

۲۔ اللہ لا الہ الا هو الحی... العظیم. (۳۲)

۳۔ اللہ لا الہ الا هو الحی... العظیم. (۳۳)

۴۔ اللہ لا الہ الا هو الحی... العظیم. (۳۴)

ابو الفتح ۱۰۵۵ھ:

امیر فرخ ارغون (۱۰۰۰ھ) کے پہلو میں مدفون ہے۔

بالبین:

قال اللہ تعالیٰ کل شیء ہالک..... ترجعون. (۳۵)

پائین:

وفات عالیجناب سیادت پناہ

امیر مرحوم و مغفور ابو الفتح

ابن عالیجناب سیادت مآب میر قاسم طغائی
بتاریخ شہر خمس خمسين وتسعمائة
سنه ۹۵۰ھ (۳۶)

آیات:

اللہ لا الہ الا هو الحي... العظیم. (۳۷)
لا اکراه فی الدین... فیہا خالدون. (۳۸)
زعم الذین کفروا... تعملون خبیر. (۳۹)
اسی چبوترہ پر دو قبریں (۱-۲) خالی ہیں۔
سلطان مقیم بیگلار ارغون ۹۶۲ھ:

یہ مقبرہ علیحدہ ہے۔ (۴۰) جس میں تین قبریں ہیں پہلی قبر کا کتبہ:
هذا المرقد المعطر و المشهد المنور
للأمیر الاعظم الاکرام سیادت
مآب شجاعت مناب الواصل الی رحمة اللہ الکریم.
امیر سلطان مقیم بن امیر مرحوم مغفور میرزا حسین
قلی ارغون بیگ (لار)... من الدنیا الفانیہ فی بیست ہشتم ماہ
جمادی الآخر ۹۶۲ھ.

آیات:

وسیق الذین... رب العالمین. (۴۱)
صدق اللہ... الکریم.
بسم اللہ... قل یا عبادی... الرحیم. (۴۲)
قال اللہ تعالیٰ: ان الذین یتلون کتاب... فیہا لغوب. (۴۳)
صدق اللہ تعالیٰ.
۲- فاطمہ؟ کسی چھوٹے بچے کی قبر ہے، پائیں کا کتبہ:
بی بی سلطان فاطمہ.
۳- شاہ مقیم: دوسرے نمبر کی قبر سے متصل:
قد توفي الامیر المعصوم شاہ مقیم بن سلطان مقیم.

آیات:

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم۔
 بسم اللہ... اللہ لا الہ الا هو الحی... العظیم۔ (۴۳)
 امیر دوست محمد ۹۶۵ھ: یہ قبر علیحدہ ہے:
 وفات یافت امیر دوست محمد بن امیر
 درویش محمد (بیگ) لارسنہ ۹۶۵ھ۔ (۴۵)

آیات:

قال اللہ تعالیٰ جل جلالہ: شهد اللہ... الاسلام۔ (۴۶)
 قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ: اللہ لا الہ الا هو الحی... العظیم۔ (۴۷)
 قل اللہ سبحانہ وتعالیٰ: هو الذین انزل من السماء...
 الرحیم۔ (۴۸)

مہتر بلبل (بابل) ۹۶۵ھ:

یہ قبر میرزا ابراہیم کے مقبرے کے باہر شمال میں ہے۔ مہتر بلبل
 (بابل) ارغون اور ترخان دور کے امیر تھے۔ ان کا بیٹا ملا گدا علی، میرزا
 جانی بیگ کے دور میں، امارت کے درجے پر پہنچا اور بھائی خان کا لقب
 حاصل کیا۔ (۴۹)

جب اکبر بادشاہ کے جرنیل محمد صادق نے ہندوستان سے آکر
 سہون پر حملہ کیا (سہ شنبہ ۱۲ ربیع الاول ۹۹۴ھ) اس وقت مہتر بابل
 سہون کے قلعے میں موجود تھا۔

اُس کی قبر کا تاریخی کتبہ یہ ہے:

وفات یافت مرحوم معفور الواصل

الیٰ رحمۃ اللہ مہتر بابل بتاریخ سنہ ۹۹۵ھ۔ (۵۰)

آیات:

قال اللہ تعالیٰ: شهد اللہ انہ... بالعباد۔ (۵۱)
 بسم اللہ... یا ایہا المزمّل... غفور الرحیم۔ (۵۲)
 قال اللہ تعالیٰ: یشہرہم ربہم... اجر عظیم۔ (۵۳)
 ان الذین قالوا ربنا... استقاموا تتنزل... من غفور الرحیم۔ (۵۴)

اس مقبرے میں مہتر بابل کے علاوہ سات دوسری قبریں بھی ہیں، جن کے کتبات اس طرح ہیں:

۲- بی بی گلبیگہ: یہ قبر مہتر بابل سے متصل ہے۔ کتبہ الگ دیا گیا ہے۔ (۵۵)

۳- یہ چھوٹے بجے کی قبر ہے:
وفات او در ۹۹۴ھ.

آیات:

بسم اللہ... اللہ لا الہ الا هو الحی... العظیم. (۵۶)

قال اللہ... کل نفس... الموت. (۵۷)

شهد اللہ انہ لا الہ... الحکیم. (۵۸)

۴- چھوٹے بجے کی ہے:

وفات در سنہ ۹۹۴ھ (۵۹)

آیات:

قال اللہ تعالیٰ: شهد اللہ انہ لا الہ... الحکیم. (۶۰)

اللہ لا الہ الا هو الحی... العظیم. (۶۱)

۵- چھوٹے بجے کی:

وفات او در سنہ ۹۹۶ھ.

آیات:

اللہ لا الہ الا هو الحی... العظیم. (۶۲)

صدق اللہ... جل جلالہ.

۶- چھوٹے بجے کی:

وفات در سنہ ۹۹۸ھ. (۶۳)

آیات:

قال اللہ تعالیٰ: کل من علیہا فان... والا کرام. (۶۴)

صدق اللہ العلی العظیم... النبی الکریم.

اللہ لا الہ الا هو الحی... العظیم. (۶۵)

۷- چھوٹے بجے کی:

وفات در سنہ ۹۹۹ھ (۶۶)

آیات:

اللہ لا الہ الا هو الحی... العظیم. (۶۷)
 قال اللہ تعالیٰ: کل شیء هالک... ترجعون. (۶۸)
 صدق اللہ... الکریم.
 ۸- چھوٹے بچے کی:
 وفات در ۹۹۹ھ (۶۹)

آیات:

اللہ لا الہ الا هو الحی... العظیم. (۷۰)
 لا اکراه فی الدین... باللہ. (۷۱)
 معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب بچے نام رکھنے سے پہلے ہی فوت ہو گئے
 تھے، ورنہ قبر پر نام ہوتا۔
 حلیمہ بیگہ بنت عبد الصمد ترخان ۹۲۵ھ:
 یہ قبر امیر محمد قلی سے متصل ہے۔ کتبے سے معلوم ہوتا ہے کہ
 عبد الصمد کے والد کا نام احمد علی ترخان تھا۔
 وفات مرحومہ مغفورہ
 حلیمہ بیگہ بنت جناب عبد الصمد
 بن امیر احمد علی ترخان در تاریخ
 شب جمعہ دہم شہر صفر المظفر
 ختم بالخیر والظفر ۹۶۵ھ. (۷۲)

آیات:

بسم اللہ... اللہ لا الہ الا هو الحی... العظیم. (۷۳)
 لا اکراه فی الدین... الی النور. (۷۴)
 بی بی گلیبیگہ ۹۲۵ھ:
 یہ قبر مہتر بابل کے قبرستان میں (۲) مہتر مذکور سے متصل ہے۔
 کتبہ یہ ہے:
 وفات یافت مستورہ مغفورہ
 صالحہ ساجدہ بی بی گلیبیگہ
 بتاریخ ۹۶۵ھ. (۷۵)

آیات:

قال الله... يا ايها الذين آمنوا اذا نودى... الرازقين. (٤٦)

بسم الله... الله لا اله الا هو الحي... العظيم. (٤٧)

بسم الله... تبارك بماء معين. (٤٨)

قال الله... كل شيء هالك... ترجعون. (٤٩)

قال الله... شهد الله انه لا اله... بصير بالعباد. (٨٠)

امير قاسم طغائی ۹۶۵ھ:

اس کی قبر فرخ ارغون سے متصل ہے کتبہ:

بالتی:

وفات یافت امیر اعظم مرحوم و مغفور

الواصل الا رحمة الله امیر کبیر

امیر قاسم ابن مرحوم امیر محمود طغائی

پائیں:

در تاریخ دوازدهم روز یکشنبه

ماه رجب سنه ۹۶۵ھ. (۸۱)

آیات:

بسم الله... الله لا اله الا هو الحي... العظيم. (۸۲)

بی بی [مریم] ۹۶۷ھ:

نقل کرنے والا یہ نام صحیح طور پر نہیں پڑھ سکا۔ یہ قبرستان امیر

حسین بیگ ترخان کی رانک سے متصل ہے:

وفات مرحومہ مغفورہ مبرورہ

بی بی [مریم]... بتاریخ شهر شعبان ۹۶۷ھ. (۸۳)

آیات:

شهد الله انه لا اله... الحكيم. (۸۴)

۲- مندرجہ بالا قبر سے متصل دوسری قبر بغیر نام کے ہے۔ (۸۵)

آیات:

الله لا اله الا هو الحي... العظيم. (۸۶)

۳- یہ قبر مندرجہ بالا قبروں سے متصل ہے: (۸۷)

آیات:

یٰبشرهم ربهم... اجر عظیم. (۸۸)
صدق اللہ.

خانم آغا ۹۲۷ھ:

یہ قبر میرزا عیسیٰ اول کے مقبرے کے قرب و جوار میں مشرق کی سمت ہے۔

وفات یافت حضرت مرحومہ مغفورہ
خانم آغا بنت سلطان میرزا مسعود
در تاریخ شب پنجشنبہ ماہ محرم ۹۶۷ھ. (۸۹)

آیات:

اللہ لا الہ الا هو الحی... العظیم. (۹۰)

شهد اللہ... الحکیم. (۹۱)

ان الذین عند الاسلام. (۹۲)

صدق اللہ... الکریم.

امیر شاہی ارغون ۹۲۸ھ:

یہ قبر طغائی خاندان کے قبرستان کے جنوب میں ہے۔
قد توفی الامیر الاعظم امیر شافی [؟]. (۹۳)

ابن امیر مرحوم ترسو (ن) ارغون
در تاریخ روز چہار شنبہ غرہ ماہ ذیقعدہ ۹۶۸ھ. (۹۴)

آیات:

شهد اللہ... الحکیم. (۹۵)

صدق اللہ العلی العظیم و صدق رسول النبی المختار الکریم
ونحن علی ذالک من الشاہدین والشاکرین والحمد للہ رب
العالمین.

اللہ - محمد - علی.

بسم اللہ... اللہ لا الہ الا هو الحی... العظیم. (۹۶)

قال اللہ عزوجل: قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون. (۹۷)

اولئک علیہم صلوات من ربہم ورحمة واولئک ہم المہتدون. (۹۸)

پائندہ محمد قریش ۹۷۱ھ:

یہ قبر امیر دوست محمد کی قبر کے ساتھ ہے۔
وفات یافت امیر مرحوم مغفور مبرور افتخار مقدمہ
الجیش پائندہ محمد قریش در تاریخ شحر صفر
یوم الاربعاء سنة احدى و سبعین و تسعمائتہ۔ (۹۹)

آیت:

قال الله سبحانه وتعالى: وكلمة ربك... العليم۔ (۱۰۰)
بسم الله... الله لا اله الا هو الحي... العظيم۔ (۱۰۱)
قال الله سبحانه وتعالى: شهد الله انه... الحكيم۔ (۱۰۲)
الحمد لله تعالى العزيز وحده قال الله تعالى جل جلاله: ان الذين
آمنوا وعملوا الصالحات انا... مرتفقاً۔ (۱۰۳)
صدق الله العلي العظيم۔

بیرم سلطان ۹۷۲ھ:

یہ قبر طغائی قبرستان کے جنوب میں ہے۔
وفات یافت مرحومہ مغفورہ
سیدہ بیرم سلطان بنت
سیادت پناہی مرحومی امیر قاسم طغائی
در تاریخ ششم ماہ صفر ختم بالخیر و الظفر
سنہ ۹۷۲ ہجریہ النبویہ۔ (۱۰۴)

آیات:

قال الله... شهد الله انه... الحكيم۔ (۱۰۵)
وقال الله تعالى: كل شيء هالك ترجعون۔ (۱۰۶)
صدق الله العلي العظيم۔
بسم الله... الله لا اله الا هو الحي... العظيم۔ (۱۰۷)
سلطان محمد یوسف (لنگہ) ۹۷۵ھ:

یہ قبر میرزا عیسیٰ کی رانک کے نواح میں مشرق کی سمت ہے۔
لنگہ دراصل لانگاہ ہے۔
وفات یافتہ امیر مرحوم مغفور
الواصل الى جوار الملك الله

سلطان محمد یوسف بن عالیجناب مغفرت

مآب امیر نصیر الدین [لنگہ؟]

بتاریخ شہر ربیع الاول سنہ ۹۷۵ھ (۱۰۸)

آیات:

قال الله تعالى: شهد الله ... الحكيم. (۱۰۹)

الله لا اله الا هو الحي ... العظيم. (۱۱۰)

بسم الله... تبارك ... بماء معين. (۱۱)

ماہ بیگہ بنت امیر حیدر محمد برلاس ۹۷۶ھ: کتبہ ہے:

وفات ماہ بیگہ بنت امیر مرحوم امیر

حیدر محمد برلاس تاریخ ہژدہم روز یکشنبہ

شہر رجب المرجب سنہ ۹۷۶ھ ہجریہ المقدسہ. (۱۱۲)

آیات:

آمن الرسول بما انزل اليه ... الكافرين.

مہتر شوخل ۹۷۹ھ:

یہ میرزا عیسیٰ ترخان اول کا ذاتی خدمت گار تھا۔ جس کا انتقال

میرزا کی وفات کے بعد ہوا۔ کتبے سے ظاہر ہوتا ہے کہ میرزا کی وفات

کے بعد ان کے مقبرے کی مجاوری کرتا رہا۔ قبر کا کتبہ یہ ہے:

این قبر بندہ مرحوم امیدوار بدر گاہ

پروردگار دولت شعار سعادت

آثار مہتر شوخل (؟) مجاور و خدمتگار

حضرت جنت مکانی میرزا محمد عیسیٰ ترخان در سنہ ۹۷۹ھ۔

آیات:

قال الله تعالى: عز وجل: شهد الله انه... بصير بالعباد. (۱۱۳)

صدق الله العلي العظيم.

بسم الله... تبارك الذين... بماء معين. (۱۱۴)

قال الله سبحانه تبارك وتعالى: كل من عليها فان.....

والاكرام. (۱۱۵)

صدق الله العلی العظیم . هو الباقي . وصدق رسول النبی المختار الکریم . (۱۱۶)

ماہ بیگہ ۹۸۳ھ:

امیر شمس الدین کے قبرستان میں مدفون ہے۔

وفات یافت ماہ بیگہ بنت امیر

مرحوم امیر شمس الدین محمد بتاریخ ۹۸۴ھ . (۱۱۷)

آیات:

قال الله تعالى: شهد الله انه... الحكيم . (۱۱۸)

بسم الله... الله لا اله الا هو الحي... العظیم . (۱۱۹)

صدق الله... الکریم .

صالحہ بیگہ بنت امیر محمد قلی ترخان ۹۸۷ھ:

یہ قبر عبدالصمد ترخان کے قبرستان میں شاہ زادے سے متصل ہے۔

وفات یافت صالحہ بیگہ ترخان .

بنت امیر محمد قلی ترخان بتاریخ .

شهر رجب المرجب ۹۸۷ھ . (۱۲۰)

آیات:

بسم الله... الله لا اله الا هو الحي... العظیم . (۱۲۱)

لا اكره... النور . (۱۲۲)

قال الله تعالى جل جلاله: شهد الله انه... الاسلام . (۱۲۳)

صدق الله تعالى .

بسم الله... تبارك... بماء معين . (۱۲۴)

امیر شاہم بیگ ارغون ۹۸۷ھ:

یہ کتبہ رانک کے دروازے پر ہے۔

وفات یافت مرحومی مغفوری الواصل الی رحمة الله

امیر شاہم بیگ ارغون بتاریخ ۹۸۷ھ .

رانک کے اندر اور باہر یہ آیات ہیں:

بسم الله... تبارك... بماء م عین . (۱۲۵)

بسم الله... قل هو الله... احد . (۱۲۶)

صدق الله... الکریم .

رانک میں مصلیٰ کی محراب پر یہ کتبہ ہے:

بسم اللہ... اقم الصلوٰۃ لدلوك الشمس... زھوقا. (۱۲۷)

قال اللہ تعالیٰ: قل او ادعوا الرحمن... تکبیراً. (۱۲۸)

کاتب منقول عنه عبدالرحیم بن حافظ رشید صدیقی. (۱۲۹)

میر محمد ترخان:

یہ قبرستان ملک کوس (۴) کی رانک کے شمال میں ہے۔ اس میں دو

قبریں ہیں:

۱- وفات امیر اعظم اکرم مرحوم مغفور.

میر محمد ترخان بن امیر محمود ترخان. (۱۳۰)

آیات:

قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ: شهد اللہ انہ... الحکیم. (۱۳۱)

اللہ لا الہ الا هو الحی... العظیم. (۱۳۲)

۲- دوسری قبر نام اور تاریخ کے بغیر ہے۔ اس پر مندرجہ ذیل آیت

کندہ ہے:

اللہ لا الہ الا هو الحی... العظیم. (۱۳۳)

اس قبرستان کے قرب و جوار میں میر سلطان محمود بن امیر تیمور

۱۰۲۱ھ کی تربت ہے۔

میرزا محمد شہید ۱۰۰۰ھ:

یہ قبر میرزا فرخ ارغون سے (۴) متصل ہے۔

بالتین:

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ.

پائیں:

وفات یافت سیادت مآب

میرزا محمد شہید ابن امیر سید قنبر بیگلار

حسینی ۱۰۰۰ھ. (۱۳۴)

آیات:

لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ.

قل یا عبادی... الرحیم. (۱۳۵)

قال اللہ: ان الذین قالوا ربنا... غفور الرحیم. (۱۳۶)

میر محمد بیگ ترخان ۱۰۰۰ھ:

اس قبرستان میں پانچ قبریں ہیں، جن میں سے ایک بچے کی ہے۔
خداداد خان نے لکھا ہے کہ یہ قبرستان میرزا عیسیٰ ترخان (؟) کے زناہ
قبرستان (؟) کی شمالی دیوار سے متصل ہے۔ معلوم ہوتا ہے زناہ قبرستان
سے مقصد میرزا باقی کا قبرستان ہے۔ پہلی قبر کا تاریخی کتبہ ہے:

وفات یافت مرحومی مغفوری الواصل
الی جوار الملك المنان میر محمد بیگ ترخان
بتاریخ سنہ ۱۰۰۰ھ (۱۳۷)

آیات:

شهد الله انه لا اله الا هو العزيز الحكيم. (۱۳۸)
الله لا اله الا هو الحي... العظيم. (۱۳۹)
قال الله سبحانه وتعالى: يبشركم ربهم... اجراً عظيماً. (۱۴۰)
بسم الله... تبارك... بماء معين. (۱۴۱)
قال الله تعالى: قل يا عبادي الذين... غفور الرحيم. (۱۴۲)
صدق الله... الكريم.
مندرجہ ذیل چار قبریں بغیر نام کے ہیں:
۲- قال الله تعالى: ان الذين آمنوا وعملوا الصالحات... ربہ
احدا. (۱۴۳)

بسم الله... تبارك... صراط مستقيم. (۱۴۴)
۳- یہ قبر جھوٹے بچے کی ہے:
شهد الله انه... الحكيم. (۱۴۵)
قال الله تعالى: كل شيء هالك... ترجعون. (۱۴۶)
قال الله تعالى: كل من عليها فان... والاكرام. (۱۴۷)
قال الله سبحانه وتبارك وتعالى: كل نفس... الموت. (۱۴۸)
۴- الله لا اله الا هو الحي... العظيم. (۱۴۹)
بسم الله... تبارك... بماء معين. (۱۵۰)

شهد الله... الحکیم. (۱۵۱)

۵- بجے کی قبر:

الله لا اله الا هو الحي... العظیم. (۱۵۲)

میرزا عیسیٰ کی رانک کے نواح میں خداداد خان نے چند دوسری قبروں کے کتبے بھی دیے ہیں، جو اسی دور کے خاص لوگوں کے ہیں۔ مثلاً خانم آغا (۹۶۷ھ) اور سلطان محمد یوسف (۹۷۵ھ) جن کے کتبات ان کی اپنی جگہوں پر دیے گئے ہیں۔
میر فرخ ارغون سنہ ۱۰۰۰ھ:

میرزا ابراہیم کے مقبرے سے ساٹھ ستر گز کے فاصلے پر مغرب میں ایک تھلے (چبوترے) پر ترخان قسم کا کھلا قبرستان طغائی خاندان کا ہے، جس میں چھ قبریں ہیں۔ قبرستان کا تھلہ (چبوترہ) اور قبریں سلامت ہیں۔ البتہ بیرونی دیوار مسمار ہو گئی ہے۔ میر فرخ ارغون کی قبر چبوترے پر (نمبر ۵) ہے۔ جس کے پائیں کتبہ ہے:

وفات یافت مرحوم مغفور

میر فرخ ابن امیر محمد بیگ ارغون

در تاریخ... سنہ ۱۰۰۰ھ. (۱۵۳)

بالیں:

لا اله الا الله محمد رسول الله.

قال الله تعالى: شهد الله انه... الحکیم. (۱۵۴)

الله لا اله الا هو الحي... العظیم. (۱۵۵)

میر فرخ جس نے ٹھٹھہ میں جامع مسجد (سنہ ۹۳۸ھ) میں تعمیر کروائی، یہ میرزا شاہ بیگ کا بھتیجا یعنی احمد بیگ (یا محمد بیگ) کا بیٹا تھا۔ [ملاحظہ ہو ترخان نامہ شجرہ F] ہوسکتا ہے کہ مذکورہ بالا فرخ بیگ ارغون اسی خاندان کی آخری پشت سے ہو۔
اس قبرستان میں مندرجہ ذیل لوگوں کی قبریں ہیں، جن کے کتبات ان کے ناموں کے تحت دیے گئے ہیں:

۳- امیر قاسم طغائی ۹۶۵ھ

۴- میرزا احمد شہید ۱۰۰۰ھ

۶- ابوالفتح طغائی ۹۵۵ھ

اس قبرستان کے جوار میں شمال کی سمت ایک قبر بغیر نام کے ہے۔ جس پر فقط تاریخ کا کتبہ کندہ ہے:

در تاریخ ہفدہم شہر ذی قعد الحرام
سنہ ۹۷۲ الهجرة النبویہ المصطفویہ. (۱۵۶)

آیات:

هو الباقي

شهد الله انه... الحكيم. (۱۵۷)

ان الذين قالوا ربنا... غفور الرحيم. (۱۵۸)

قال الله... كل نفس... ترجعون. (۱۵۹)

الله لا اله الا هو الحي... العظيم. (۱۶۰)

قال الله... ان الذين آمنوا... ربه احدا. (۱۶۱)

میرن سلطان قلی بیگلار ۱۰۰۱ھ:

کتبے کے نام کی ابتدا میں لفظ میرن آیا ہے۔ ممکن ہے یہ لفظ میران ہو اور غلطی سے الف رہ گیا ہو۔

وفات یافت مرحومی مغفوری

میرن سلطان قلی بن میر

سلطان مقیم بیگلار بتاریخ شہر

جمادی الاول ۱۰۰۱ھ (۱۶۲)

آیات:

قال الله سبحانه وتعالى: كل شيء هالك... ترجعون. (۱۶۳)

صدق الله... الكريم.

یہ قبر گورستان سلیمان کے نواح میں ہے۔ جہاں سلطان (۱۶۳) کی قبر سلیمان کے جنوب، مغربی کونے میں دو گز کے فاصلے پر چبوترے پر ہے، ان کے جنوب میں ماہ بیگم بنت شاہ علی ارغون (۹۶۵ھ) کا چبوترہ

ہے۔ ان دونوں چبوتروں کے خشتی مصلیٰ اور چبوترے مسمار ہو گئے ہیں۔
 ماہ بیگم سے متصل الگ دیوار کے اندر سات گمنام قبریں ہیں، جن کے
 پہلو میں مختصر چار دیواری میں دو اور قبریں ہیں۔ اسی احاطے کے
 سامنے بارک شاہ کا تھلہ (چبوترہ) ہے۔ بارک شاہ کے مغرب میں ۲۰ گز
 کے فاصلے پر مذکورہ بالا سیرن قلعی بیگلار کا تھلہ (چبوترہ) ہے، جس پر
 ماہ بیگم بنت امیر حیدر (۹۷۶ھ) کی قبر ہے۔ یہ سب قبرستان، چبوترے اور
 قبریں میرزا سلیمان کے ساتھ جنوب میں ہیں۔

امیر احمد قلی بیگلار: اس کا کتبہ یہ ہے:

وفات یافت مرحومی مغفوری امیر احمد

قلی بن سلطان محمد قلی بیگلار۔ (۱۲۵)

آیات:

قال الله سبحانه وتعالى: شهد الله... الحكيم. (۱۲۶)

صدق الله... الكريم.

قال الله تعالى: كل شيء هالك... ترجعون. (۱۲۷)

صدق الله تعالى.

الله لا اله الا هو الحي... العظيم. (۱۲۸)

بسم الله... تبارك... بماء معين. (۱۲۹)

لا اله الا الله محمد رسول الله.

صلى الله عليه وآله وصحبه وسلم.

اسد ۱۰۰۷ھ:

امیر شمس الدین محمد کے گورستان میں یہ قبر (نمبر - ۶) ہے۔

چو در برج اجل بنمود جوزا

جدا گشت از سرای وای ویلا

بی سال وفاتش، گفت خسرو

جدا شد شمس از برج اسد وای

(۱۷۰) - (۱۰۰۷ھ)

قال الله تعالى: كل نفس ذائقة... الموت. (۱۷۱)

قال الله تعالى: كل من عليها فان... ترجعون (۱۷۲)

صدق الله العلي العظيم.

بھائی خان وزیر سندھ کے والد ۱۰۰۸ھ:

سندھ میں ترخان دور میں دو بھائی خان گزرے ہیں، ایک ملا گدا علی بھائی خان مہتر بابل کا بیٹا، جس کو میرزا جانی نے بھائی خان کا لقب دے کر اپنا وزیر مقرر کیا جو ملک کے سیاہ و سفید کا مالک بن گیا۔ دوسرا بھائی خان امیر خسرو چرکس کا بیٹا لطف اللہ تھا۔ یہ بھائی خان ہندوستان میں مدفون ہے۔ چونکہ بھائی خان کے والد کی قبر بھی اس قبرستان میں موجود ہے، اس لیے یہ بھائی خان مہتر بابل کا بیٹا ملا گدا علی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ مہتر بابل کا قبرستان علیحدہ ہے، جس کا ذکر ان صفحات میں موجود ہے۔ بہر حال اس قبرستان کے مدفونین بھی ترخان دور سے متعلق ہیں اور قبرستان کے مالک بھائی خان وزیر سندھ تھے، اس لیے یہ کہا جاسکتا ہے کہ ترخان دور میں تیسرا بھائی خان بھی تھا، جس کی اپنی اور والد کی قبر اس قبرستان میں ہے۔

یہ قبرستان میرزا عیسیٰ اول کے نزدیک دستور کے مطابق چہار دیواری کے اندر ایک کھلے چبوتے پر ہے۔ چہار دیواری مسمار ہو چکی ہے۔ مغربی دیوار میں مصلیٰ کی کاشی کاری سے سجا ہوا نہایت خوب صورت مخروطی محراب ہے، وہ بھی اس وقت زیوں ہو چکا ہے۔ مشرق سے داخلی دروازہ پتھر کے فریم میں موجود ہے، اکثر قبریں زیوں ہو چکی ہیں۔ فقط چند قبریں موجود ہیں۔ خداداد خان کی بیاض (۱۷۳) سے کتبے دیے جا رہے ہیں۔ سب سے پہلے بھائی خان کے والد کی قبر کا کتبہ دے رہے ہیں:

وفات بتاریخ دھم مرحوم ۱۰۰۸ھ

والد حق پرست بائیخان

روز عاشور چون شد از دنیا

خرد از بھر سال فوتش گفت:

نقد جان داد روز عاشورا

سنہ ۱۰۰۸ھ

آیات:

قال الله تعالى: قل يا عبادى ... غفور الرحيم. (۱۷۴)
 كل من عليها فان ... الاكرام. (۱۷۵)
 الله لا اله الا هو الحي ... العظيم. (۱۷۶)
 شهد الله انه ... الحساب. (۱۷۷)
 يا ايها الذين آمنوا ... مهتدون. (۱۷۸)
 ما كان محمد ابا ... كريما. (۱۷۹)
 قال الله تعالى: ان الذين قالوا ... يحزنون. (۱۸۰)
 بسم الله ... تبارك ... بماء معين. (۱۸۱)
 اس قبرستان میں مزید مندرجہ ذیل قبریں ہیں:
 بهائی خان وزیر سندھ ۱۰۱۲ھ:

تاریخی کتبہ یوں ہے:

وفات او بتاریخ ۲۵ ربیع الاول ۱۰۱۲ھ

وزیر سند بایخان جو می شد
 سوی ملک بقا زین دار فانی
 بی تاریخ خود گفتا: خدایا!
 مقام ده بهشت جاودانی!
 سنہ ۱۰۱۲ھ

آیات:

قال الله ... الله لا اله الا هو الحي ... العظيم. (۱۸۲)
 ان الذي عند الله ... سريع الحساب. (۱۸۳)
 بسم الله ... تبارك ... بماء معين. (۱۸۴)
 ۳- قبر؟:

اس قبر پر کوئی کتبہ نہیں ہے۔ کتبات کی آیات یہ ہیں:
 لا اله الا الله محمد رسول الله.
 قال الله تعالى: شهد الله ... الحكيم. (۱۸۵)
 آمن الرسول ... الكافرين. (۱۸۶)
 الله لا اله الا هو الحي ... العظيم. (۱۸۷)

قال الله تعالى: وسيق الذين... العالمين. (۱۸۸)
 ربنا آتنا ما وعدتنا... الميعاد.
 ربنا ظلمنا... من الخاسرين.
 ربنا وتقبل... يقوم الحساب.
 بسم الله... يس... المكربين. (۱۸۹)
 بسم الله... تبارك... القوا فيها. (۱۹۰)
 ۴- محمد ۱۰۳۵ھ:

بالیں:

نور بصری اسیر خانی
 ... قدم بفردوس نہاد

پائیں:

تاریخ وفات او خرد چنین گفت:
 ز باغ محمد گلی رفت بباد (کذا)
 سنہ ۱۰۳۵ھ

قبر پر دائیں جانب:

ریختی خونِ دل از دیدہ گریان پدر
 رحم بر جان پدر نامدت ای جان پدر!
 نویہار آمد و گلہا ہمہ رستند ز خاک
 تو ہم از خاک برآی، ای گل خندان پدر!
 جان خود بدهد و جان تو عرض بستاند
 گر بود قابض ارواح بفرمان پدر
 زیر گل تنگدل ای غنچہ رعنا، چونی؟
 بی تو، ما غرقہ بخونیم، تو بی ما، چونی؟

دوسرے حاشیہ پر:

سلکِ جمعیتِ ما، بی تو، گسستست زہم
 ما کہ جمعیم چنینیم، تو تنها چونی؟ (۱۹۱)

دوستان ذکر حق و فکر مزار خود کنید
عاقبت مرگ است یاران فکر کار خود کنید
بگذرید از ذکر حسن و خطِ رخسار بتان
بعد ازین اندیشهٔ لیل و نهارِ خود کنید .

آیات:

قال الله تعالى: لقد صدق الله رسوله الرويا..... اجرا عظيما.

(۱۹۲)

بسم الله... تبارك... بماء معين. (۱۹۳)

۵- قبر؟:

اس قبر پر کوئی کتبہ موجود نہیں ہے، آیات یہ ہیں:

قال الله... شهد الله انه... الحكيم. (۱۹۴)

بسم الله... تبارك... بماء معين. (۱۹۵)

الله رب العالمين... بماء معين.

صدق الله... الكريم.

بسم الله... الله لا اله الا هو الحي... فيها خالدون. (۱۹۶)

بسم الله... يس... اجر كريم. (۱۹۷)

صدق الله تعالى جل جلاله.

۶- قبر؟:

مندرجہ ذیل اشعار قبر پر موجود ہیں۔

مشرقی پہلو پر:

پادشاہا جرم مارا در گذار ما گنہ گاریم تو آمرزگار
تو نکو کاری و مابد کردہ ایم جرم بی اندازہ بیحد کردہ ایم
سالها در فتی و عصیان بودہ ایم همقرینِ نفس شیطان بودہ ایم
روز و شب اندر معاصی بودہ ایم غافل از حدِ نواہی بودہ ایم

دائیں جانب حاشی پر:

بیگنہ نگذشت برما ساعتی با حضورِ دل نکرده طاعتی
بر در آمد بندہٗ بگریخته آبرویِ خود بعصیان ریخته
مغفرتِ دُرد امید از لطف تو آنکہ خود فرمودہ ای لا تقنطوا
بحر الطوافِ تو بی پایان بود نا امید از رحمتِ شیطان بود

بالیں حاشی پر:

ای کار کشایِ کار بسته ای امید همه امیدواران

مغربی حاشیے پر

خدایا تویی آگہ از حال من عیان است پیش تو احوال من
تویی از کرم دلنوازِ همه به بیچارگی چاره سازِ همه
بود هر کسی را امیدی بکس امید من از رحمتِ تست و بس
ندارم امید از عملهای خویش

حاشیے پر

و گر نامرادم کنی باک نیست چو لطف تو باشد ازان باک نیست
که دارم منِ عاصیِ دل سیاه بعفو تو امید بیش از گناه

یا رب به صفایِ صبح خیزان یا رب به دعایِ اشک ریزان
یا رب به دل نیاز مندان یا رب به نیاز مستمندان
آیات:

قال الله تعالى: الله لا اله الا هو الحي... فيها خالدون. (۱۹۸)

شهد الله انه... سريع الحساب. (۱۹۹)

۷- قبر ۱۰۴۷ھ:

یہ ایک بچے کی قبر ہے:

وفات او بتاریخ ۲۵ شوال الکرم ۱۰۴۷ھ

۸- قبر ۱۰۷۴ھ:

بچے کی قبر ہے۔

وفات او بتاریخ دهم يوم الخميس

شهر شوال المکرم ۱۰۷۴ھ

آیات:

الله لا اله الا هو الحي... العظيم. (۲۰۰)

صدق الله... الكريم.

بھائی خان وزیر سندھ ۱۰۱۲ھ:

ان کی قبر کا کتبہ ان کے والد کی قبر کے تذکرے میں ملاحظہ ہو۔

سلطان قاسم علی خان ۱۰۱۹ھ: یہ علیحدہ مقبرہ ہے۔

وفات یافت مرحومی مغفوری حضرت سلطان
قاسم علی بتاریخ یازدہم ماہ رجب المرجب روز
یکشنبہ ۱۰۱۹ھ۔ (۲۰۱)

آیات:

قال الله... شهد الله انه... عند الله الاسلام. (۲۰۲)
قال الله: قل يا عبادي... الرحيم. (۲۰۳)
بسم الله... الله لا اله الا هو الحي... العظيم. (۲۰۴)
بسم الله... تبارك... بماء معين. (۲۰۵)
میر سلطان محمود ۱۰۲۱ھ:

یہ قبر میر محمود ترخان کی قبر کے قریب ہے۔ کتبہ یہ ہے:
وفات مرحومی مغفوری میر سلطان محمود
بن امیر مرحومی میر تیمور
بتاریخ یوم الاثنین شہر ذی الحج ۱۰۲۱ھ

آیات:

قال الله... شهد الله انه... الحكيم. (۲۰۶)
صدق الله الكريم.
بسم الله... تبارك... بماء معين. (۲۰۷)
الله لا اله الا هو الحي... العظيم. (۲۰۸)
لا اكره... علیم. (۲۰۹)
قل يا عبادي... رحيم. (۲۱۰)
صدق الله... الكريم ونحن... العالمين.

میر متین بیگ بن امیر بھائی خان ۱۰۲۲ھ:

یہ پختہ اینٹوں کی بنی ہوئی رانک ہے۔ بھائی خان (؟) کے سلسلے
میں دوسرے کتبے بھی درج کیے گئے ہیں۔ اس لیے میر متین بیگ کے
گورستان کے کتبے بھی دیے جا رہے ہیں۔

وفات یافت مرحومی مغفوری میر متین بیگ
بن امیر بائیخان تاریخ شہر ربیع الاول

۱۰۲۲ھ (۲۱۱)

آیات:

لا اله الا الله محمد رسول الله صلى الله عليه وسلم.

هو الفتاح- هو الكريم.

قال الله سبحانه وتعالى: شهد الله لا اله... بصير بالعباد. (۲۱۲)

بسم الله... تبارك... بماء معين. (۲۱۳)

الله لا اله الا هو الحي... العظيم. (۲۱۴)

قال الله تعالى: كل شيء هالك... ترجعون. (۲۱۵)

صدق الله

وقال: ان الذين آمنوا وعملوا الصالحات... ربه احدا. (۲۱۶)

صدق الله.

کاتب منقول عنه شیخ فقیر محمد بن شیخ محمد حسن.

اسی قبرستان میں دوسری مندرجہ ذیل قبریں یہ ہیں:

۲- بغیر نام کے قبر:

شهد الله... بصير بالعباد. (۲۱۷)

قال الله تعالى عز وجل: كل نفس ذائقة الموت ثم الى ربكم

ترجعون.

الله لا اله الا هو الحي... العظيم. (۲۱۸)

بسم الله... تبارك... بماء معين. (۲۱۹)

قال الله تعالى: امن الرسول بما انزل... الكافرين. (۲۲۰)

وقال: ان الذين قالوا ربنا الله... غفور الرحيم. (۲۲۱)

وقال... يا ايها النفس المطمئنة... وادخلني جنتي. (۲۲۲)

صدق الله... الشاهدين... رب العالمين.

۳- بغیر نام:

الذين يتفقون... يحزنون. (۲۲۳)

لا اله الا الله محمد رسول الله صلى الله عليه وسلم.

۴- بغیر نام:

کل نفس ذائقة الموت... الجنة. (۲۲۲)

کل شیء هالك... ترجعون. (۲۲۵)

کل من علیها فان... الاحسان... کذبان- (۲۲۶)

صدق الله... رسوله الکریم.

محمد قلی ۱۰۳۰ھ:

یہ مقبرہ علیحدہ ہے۔

وفات یافت مرحومی مغفوری محمد قلی بن شاه قلی

تاریخ بیست و ہفتم شهر جمید الثانی روز سه شنبه

سنه ۱۰۳۰ھ (۲۲۷)

آیات:

قال الله سبحانه وتعالى: قل يا عبادي... رحيم. (۲۲۸)

کل شیء هالك... ترجعون. (۲۲۹)

صدق الله... الکریم.

بسم الله... الله لا اله الا هو الحي... العظيم. (۲۳۰)

بسم الله... تبارک... بقاء معین. (۲۳۱)

امیر شمس الدین محمد:

امین الدین حسین خان امیر خانی کے مغرب میں امیر شمس الدین

کاقبرستان ہے۔ امیر شمس الدین ترخان دور کے امیر تھے۔

شمس مشرق [سپهر ملت و دین]

کہ نظیرش درین زمانہ نبود

در شجاعت چو رستم [دوران]

در سخاوت چو حاتم محمود

ناگهان آن سموم، از موتش

تن و دل را بجور غم بستود

آتش فرقتش چو شعله کشید

از دلِ دوستان بر آمد دود

سال تاریخ فوت او طاهر

شمس اوج قمر شرف بنمود؟ (۲۳۲)

آیات:

قال الله سبحانه وتعالى: ان الذين امنوا ... ربه احدا. (۲۳۳)
 قال الله تعالى عز وجل: يا ايها الذين ... المهتدون. (۲۳۴)
 قال الله تعالى: الذين آمنوا وهاجروا... عنده اجر عظيم. (۲۳۵)
 قال الله سبحانه وتعالى: قل يا عبادى ... رحيم. (۲۳۶)
 صدق الله

قال الله تعالى: كل نفس ذائقة ... ترجعون. (۲۳۷)
 الله لا اله الا هو الحي ... العظيم. (۲۳۸)
 قال الله سبحانه تبارك وتعالى: كل شيء هالك ... الحكيم.
 (۲۳۹)

بسم الله... تبارك بماء معين. (۲۴۰)
 قال الله سبحانه وتعالى: والذين آمنوا... قليلا. (۲۴۱)
 بسم الله يس والقرآن... امام مبين. (۲۴۲)
 قال الله تعالى عز وجل: وسيق الذين... رب العالمين. (۲۴۳)
 بسم الله... قل هو الله... احد. (۲۴۴)
 صدق الله... الكريم ونحن... رب العالمين.

اسی گورستان کی بقیہ قبور کے کتبات یہ ہیں:
 ۱ - محمد میرل؟

دائیں جانب پہلے نمبر پر قبر ہے:
 وفات محمد میرل

آیات:

قال الله تعالى: قل ان الموت... الرازقين. (۲۴۵)
 قال الله تعالى: كل من عليها فان... والاكرام. (۲۴۶)
 صدق الله... الكريم.

۲ - فقط آیات ہیں:

يا الله - يا رحمن - يا رحيم
 قال الله تعالى: شهد الله انه... الحكيم. (۲۴۷)

بسم اللہ... اللہ لا الہ الا هو الحی القيوم... العظیم. (۲۴۸)
صدق اللہ العلی العظیم.

۳- مہر بی بی:
مذکورہ بالا قبر سے متصل ہے -
وفات یافت مہر بی بی

آیات:

هو الکريم
بسم اللہ... اللہ لا الہ الا هو الحی... العظیم. (۲۴۹)
۴- ماہ بیگہ ۹۸۴ھ:

بنت شمس الدین اس کا کتبہ علیحدہ دیا گیا ہے -
۵- زاہد بیگ:

مندرجہ بالا قبر سے متصل ہے -
وفات زاہد بیگ

آیات:

قال اللہ تعالیٰ: ولقد خلقنا الانسان... تحملون. (۲۵۰)
صدق اللہ... الکريم ونحن... والشاکرين.
۶- اسد ۱۰۰۷ھ:

مذکورہ بالا مقبرے سے متصل ہے - کتبہ علیحدہ دیا گیا ہے -
مندرجہ ذیل دو قبریں امیر شمس الدین کی رانک سے متصل ہیں.

(۲۵۱)

۱-؟

قال اللہ تعالیٰ: شهد اللہ... الحکيم. (۲۵۲)
بسم اللہ... اللہ لا الہ الا هو الحی... العظیم. (۲۵۳)

۲-؟

ان الذين آمنوا وعملوا... ربه احدا. (۲۵۴)
قال اللہ تعالیٰ: قل يا عبادي الذين... الرحيم. (۲۵۵)

حواشی

- (۱) بیاض ص ۶۹۱
- (۲) حم السجده: ۳۰-۳۶
- (۳) الزخرف: ۶۸-۷۳
- (۴) بیاض ص ۷۵۱-۷۵۲
- (۵) البقرہ: ۲۵۵
- (۶) البقرہ: ۲۵۶-۲۵۷
- (۷) التوبہ: ۲۱-۲۲
- (۸) بیاض ص ۶۹۱
- (۹) البقرہ: ۲۵۵
- (۱۰) بیاض ص ۶۸۹-آل عمران: ۱۸-۳۲
- (۱۱) بیاض ص ۶۸۷
- (۱۲) القصص: ۸۸
- (۱۳) البقرہ: ۲۵۵
- (۱۴) بیاض ص ۶۷۹
- (۱۵) آل عمران: ۱۸
- (۱۶) البقرہ: ۲۵۵
- (۱۷) بیاض ص ۷۴۹
- (۱۸) الزمر: ۵۳
- (۱۹) بیاض ص ۶۸۶
- (۲۰) البقرہ: ۲۵۵
- (۲۱) حبیب السیرج ۳ ص ۲۳۸
- (۲۲) بیاض ص ۳۳۶

- (۲۳) القصص: ۸۸
 (۲۴) البقرہ: ۲۵۵
 (۲۵) البقرہ: ۲۵۵
 (۲۶) بیاض ۷۴۴
 (۲۷) یس: ۱-۳۴
 (۲۸) آل عمران: ۱۸
 (۲۹) البقرہ: ۲۵۵
 (۳۰) الملك: ۱-۳۰
 (۳۱) آل عمران: ۱۸
 (۳۲) البقرہ: ۲۵۵
 (۳۳) البقرہ: ۲۵۵
 (۳۴) البقرہ: ۲۵۵
 (۳۵) القصص: ۸۸
 (۳۶) بیاض ص ۳۴۰
 (۳۷) البقرہ: ۲۵۵
 (۳۸) البقرہ: ۲۵۵-۲۵۷
 (۳۹) التغابن: ۷-۸
 (۴۰) بیاض ص ۱۷۴-۱۷۲
 (۴۱) الزمر: ۷۳-۷۵
 (۴۲) الزمر: ۵۳
 (۴۳) فاطر: ۲۹-۳۵
 (۴۴) البقرہ: ۲۵۵
 (۴۵) یہ سال ۹۹۵ھ ہو سکتا ہے، بیاض میں صاف نہیں ہے - ص ۱۶۲
 (۴۶) آل عمران: ۱۸-۱۹
 (۴۷) البقرہ: ۲۵۵
 (۴۸) النحل: ۱۰-۱۸
 (۴۹) ملاحظہ ہو تاریخ طاہری ص ۱۶۹-۱۷۰ وغیرہ

- (۵۰) بیاض ۳۶۰ میں سال ۹۶۵ء تحریر ہے، جو غلط ہے۔
- (۵۱) آل عمران: ۱۸-۲۰
- (۵۲) زمزل: ۱-۲۰
- (۵۳) التوبہ: ۲۱-۲۲
- (۵۴) حم السجده: ۳۰-۳۲
- (۵۵) بیاض میں گلی لکھا ہوا ہے، جس کو ہم گلیگہ یا گلیگی سمجھتے ہیں۔ ص ۳۰۵-۳۵۶
- (۵۶) البقرہ: ۲۵۵
- (۵۷) آل عمران: ۱۸۵
- (۵۸) آل عمران: ۱۸
- (۵۹) بیاض ص ۳۴۹
- (۶۰) آل عمران: ۱۸
- (۶۱) البقرہ: ۲۵۵
- (۶۲) البقرہ: ۲۵۵
- (۶۳) بیاض ص ۳۴۷
- (۶۴) الرحمن: ۲۶-۲۷
- (۶۵) البقرہ: ۲۵۵
- (۶۶) بیاض ص ۳۴۶
- (۶۷) البقرہ: ۲۵۵
- (۶۸) القصص: ۸۸
- (۶۹) بیاض ص ۳۴۵
- (۷۰) البقرہ: ۲۵۵
- (۷۱) البقرہ: ۲۵۶-۲۵۷
- (۷۲) بیاض ص ۷۴۹-۵۷۰
- (۷۳) البقرہ: ۲۵۵
- (۷۴) البقرہ: ۲۵۵-۲۵۷
- (۷۵) بیاض میں (۳۵۶) گلی لکھا ہے جس کو ہم گلیگہ سمجھتے

ہیں۔

- (۷۶) الجمعہ: ۹-۱۱
 (۷۷) البقرہ: ۲۵۵
 (۷۸) الملک: ۱-۳۰
 (۷۹) القصص: ۸۸
 (۸۰) آل عمران: ۱۸-۲۰
 (۸۱) بیاض ص ۳۳۳
 (۸۲) البقرہ: ۲۵۵
 (۸۳) بیاض ص ۶۸۷
 (۸۴) آل عمران: ۱۸
 (۸۵) بیاض ص ۶۸۷
 (۸۶) البقرہ: ۲۵۵
 (۸۷) بیاض ص ۶۷۷
 (۸۸) التوبہ: ۲۱-۲۲
 (۸۹) بیاض ص ۴۰۷
 (۹۰) البقرہ: ۲۵۵
 (۹۱) آل عمران: ۱۸
 (۹۲) آل عمران: ۱۸
 (۹۳) امیر شاہی ہوسکتا ہے۔
 (۹۴) بیاض ص ۳۳۲
 (۹۵) آل عمران: ۱۸
 (۹۶) البقرہ: ۲۵۵
 (۹۷) البقرہ: ۱۵۶
 (۹۸) البقرہ: ۱۵۷
 (۹۹) بیاض ص ۱۶۰
 (۱۰۰) الانعام: ۱۱۵
 (۱۰۱) البقرہ: ۲۵۵

- (۱۰۲) آل عمران: ۱۸
 (۱۰۳) الکہف: ۳۰-۳۱
 (۱۰۴) بیاض ص ۳۳۴
 (۱۰۵) آل عمران: ۱۸
 (۱۰۶) القصص: ۸۸
 (۱۰۷) البقرہ: ۲۵۵
 (۱۰۸) بیاض ص ۳۹۴
 (۱۰۹) آل عمران: ۱۸
 (۱۱۰) البقرہ: ۲۵۵
 (۱۱۱) الملک: ۱-۳۰
 (۱۱۲) بیاض ص ۶۸۰
 (۱۱۳) آل عمران: ۱۸-۲۱
 (۱۱۴) الملک: ۱-۳۰
 (۱۱۵) الرحمن: ۲۶-۲۷
 (۱۱۶) بیاض ص ۷۶۸-۷۶۵
 (۱۱۷) بیاض ص ۵۱۱
 (۱۱۸) آل عمران: ۱۸
 (۱۱۹) البقرہ: ۲۵۵
 (۱۲۰) بیاض ص ۷۴۸-۷۴۵
 (۱۲۱) البقرہ: ۲۵۵
 (۱۲۲) البقرہ: ۲۵۶-۲۶۷
 (۱۲۳) آل عمران: ۱۸-۱۹
 (۱۲۴) الملک: ۱-۳۰
 (۱۲۵) الملک: ۱-۳۰
 (۱۲۶) الاخلاص: ۱-۴
 (۱۲۷) الاسراء: ۸۰-۸۱
 (۱۲۸) الاسراء: ۱۱۰

(۱۲۹) بیاض ص ۱۷۵-۱۷۸

(۱۳۰) بیاض ص ۶۷۲

(۱۳۱) آل عمران: ۱۸

(۱۳۲) البقرہ: ۲۵۵

(۱۳۳) البقرہ: ۲۵۵

(۱۳۴) بیاض ص ۳۴۳

(۱۳۵) الزمر: ۵۳

(۱۳۶) حم السجدہ: ۳۰

(۱۳۷) بیاض ص ۳۰۷-۳۹۵

(۱۳۸) آل عمران: ۱۸

(۱۳۹) البقرہ: ۲۵۵

(۱۴۰) التوبہ: ۲۱-۲۲

(۱۴۱) الملک: ۱-۳۰

(۱۴۲) الزمر: ۵۳

(۱۴۳) الکہف: ۱۰۷-۱۱۰

(۱۴۴) الملک: ۱-۲۲

(۱۴۵) آل عمران: ۱۸

(۱۴۶) القصص: ۸۸

(۱۴۷) الرحمن: ۲۶-۲۷

(۱۴۸) البقرہ: ۱۸۵

(۱۴۹) البقرہ: ۲۵۵

(۱۵۰) الملک: ۱-۳۰

(۱۵۱) آل عمران: ۱۸

(۱۵۲) البقرہ: ۲۵۵

(۱۵۳) بیاض ص ۳۴۱

(۱۵۴) آل عمران: ۱۸

(۱۵۵) البقرہ: ۲۵۵

- (۱۵۶) بیاض ص ۳۳۸
 (۱۵۷) آل عمران: ۱۸
 (۱۵۸) حم السجده: ۳۰
 (۱۵۹) العنکبوت: ۵۷
 (۱۶۰) البقرہ: ۲۵۵
 (۱۶۱) الکہف: ۱۰-۱۱
 (۱۶۲) بیاض ص ۶۸۵ میں ۶۵۲ غلط نقل کیا گیا ہے۔
 (۱۶۳) القصص: ۸۸
 (۱۶۴) ان قبروں کے کتبے یہاں نہیں دیے گئے۔
 (۱۶۵) بیاض ص ۶۸۴
 (۱۶۶) آل عمران: ۱۸
 (۱۶۷) القصص: ۸۸
 (۱۶۸) البقرہ: ۲۵۵
 (۱۶۹) الملک: ۱-۳۰
 (۱۷۰) بیاض ص ۵۰۶ سن لکھا ہوا نہیں ہے۔ مصرعہ سے مذکورہ بالا سنہ نکلتا ہے۔
 (۱۷۱) آل عمران: ۱۸۵
 (۱۷۲) الرحمن: ۲۶
 (۱۷۳) بیاض ص ۲۷۴-۲۵۱
 (۱۷۴) الزمر: ۵۳
 (۱۷۵) الرحمن: ۲۶-۲۷
 (۱۷۶) البقرہ: ۲۵۵
 (۱۷۷) آل عمران: ۱۸-۱۹
 (۱۷۸) البقرہ: ۱۵۳-۱۵۷
 (۱۷۹) الاحزاب: ۴۰-۴۴
 (۱۸۰) الاحقاف: ۱۳
 (۱۸۱) الملک: ۱-۳۰

- (۱۸۲) البقرہ: ۲۵۵-۲۵۷
- (۱۸۳) آل عمران: ۱۸
- (۱۸۴) الملک: ۱-۳۰
- (۱۸۵) آل عمران: ۱۸
- (۱۸۶) البقرہ: ۲۵۵-۲۸۶
- (۱۸۷) البقرہ: ۲۵۵
- (۱۸۸) الزمر: ۷۳-۷۵
- (۱۸۹) یس: ۱-۲۷
- (۱۹۰) الملک: ۱-۷
- (۱۹۱) یہ اشعار مولانا جامی کے ایک مرثیے سے ہیں، جو انھوں نے ۸۸۱ھ میں اپنے صاحبزادے خواجہ صفی الدین کی وفات پر لکھا تھا۔
(دیوان جامی ص ۱۲۰، تصحیح ہاشم رضی تہران ۱۳۴۱ھ)
- (۱۹۲) الفتح: ۲۷-۲۹
- (۱۹۳) الملک: ۱-۳۰
- (۱۹۴) آل عمران: ۱۸
- (۱۹۵) الملک: ۱-۳۰
- (۱۹۶) البقرہ: ۲۵۵-۲۵۷
- (۱۹۷) آل عمران: ۱۸-۱۹
- (۱۹۸) البقرہ: ۲۵۵-۲۵۷
- (۱۹۹) آل عمران: ۱۸-۱۹
- (۲۰۰) البقرہ: ۲۵۵
- (۲۰۱) بیاض ص ۱۶۶
- (۲۰۲) آل عمران: ۱۸
- (۲۰۳) الزمر: ۵۳
- (۲۰۴) البقرہ: ۲۵۵
- (۲۰۵) الملک: ۱-۳۰
- (۲۰۶) بیاض ص ۶۷

- (۲۰۷) الملك: ۱-۳۰
 (۲۰۸) البقرہ: ۲۵۵
 (۲۰۹) البقرہ: ۲۵۵
 (۲۱۰) الزمر: ۵۳
 (۲۱۱) بیاض ص ۶۵۰-۶۳۹
 (۲۱۲) آل عمران: ۱۸
 (۲۱۳) الملك: ۱-۳۰
 (۲۱۴) البقرہ: ۲۵۵
 (۲۱۵) القصص: ۸۸
 (۲۱۶) الکہف: ۱۰۷-۱۱۰
 (۲۱۷) آل عمران: ۱۸
 (۲۱۸) البقرہ: ۲۵۵
 (۲۱۹) الملك: ۱-۳۰
 (۲۲۰) البقرہ: ۲۸۵-۲۸۶
 (۲۲۱) حم السجدہ: ۳۰-۳۲
 (۲۲۲) الفجر: ۳۰-۲۷
 (۲۲۳) البقرہ: ۲۷۴
 (۲۲۴) آل عمران: ۱۸۵
 (۲۲۵) القصص: ۸۸
 (۲۲۶) الرحمن: ۲۶-۲۷
 (۲۲۷) بیاض ص ۱۷۰
 (۲۲۸) الزمر: ۵۳
 (۲۲۹) القصص: ۸۸
 (۲۳۰) البقرہ: ۲۵۵
 (۲۳۱) الملك: ۱-۳۰
 (۲۳۲) اس قبرستان کے کتبات بیاض میں ص ۴۹۹ سے ص ۵۱۴ تک ہیں۔
 مصرع سے سال ۱۳۳۲ برآمد ہوتا ہے، جو غلط ہے۔

- (۲۳۳) الکھف: ۱۰۷-۱۱۰
 (۲۳۴) البقرہ: ۱۵۳-۱۵۷
 (۲۳۵) التوبہ: ۲۰-۲۲
 (۲۳۶) الزمر: ۵۳
 (۲۳۷) العنکبوت: ۵۷
 (۲۳۸) البقرہ: ۲۵۵
 (۲۳۹) القصص: ۸۸
 (۲۴۰) الملک: ۱-۳۰
 (۲۴۱) النساء: ۱۲۲
 (۲۴۲) یس: ۱-۱۲
 (۲۴۳) الزمر: ۷۳-۷۵
 (۲۴۴) الاخلاص: ۱-۴
 (۲۴۵) الجمعہ: ۸-۱۱
 (۲۴۶) الرحمن: ۲۶-۲۷
 (۲۴۷) آل عمران: ۱۸
 (۲۴۸) البقرہ: ۲۵۵
 (۲۴۹) البقرہ: ۲۵۵
 (۲۵۰) المؤمنون: ۱۲-۲۲
 (۲۵۱) بیاض ص ۴۹۷-۴۹۸
 (۲۵۲) آل عمران: ۱۸
 (۲۵۳) البقرہ: ۲۵۵
 (۲۵۴) الکھف: ۱۰۷-۱۱۰
 (۲۵۵) الزمر: ۵۳

(۲۱) حواشی

اس مقالے کے ابتدائی صفحات میں کچھ وضاحت طلب نکات آئے ہیں۔ ہم نے ان پر نمبر دیے ہیں، ذیل میں ان نمبروں کے تحت حواشی کے ذریعے وضاحت کی جاتی ہے:

(۱) عیسیٰ کے آباؤ اجداد:

عبدالعلی سے اوپر کا شجرہ نسب نامکمل ہے، اس سلسلے میں ہمیں جو مزید معلومات حاصل ہوئی ہیں، وہ پیش خدمت ہیں:

عبدالعلی بن عبدالخاق (متن میں عبدالرزاق کمپوزنگ کی غلطی ہے).....؟ بن میر حسین ترخان بن عبدالعلی ترخان بن میرزا نور اللہ بن فضل اللہ بن امیر التمش بن امیر اکوتمر بن امیر الجی بن الجائو خدا بندہ (۷۰۳-۷۱۶) بن ارغون خان (۶۸۳-۶۹۰ھ) بن اباقا خان (۶۶۳-۶۸۰) بن ہولاکو (۶۵۴-۶۷۱) بن تولی بن چنگیز خان (۵۶۲-۵۶۴ھ)

سندھ کے ارغون اور ترخان کا باہمی رشتہ امیر اکوتمر کے بعد بہ روایت ترخان نامہ اس طرح ہے:



(۶) میر فرخ بیگ	؟	(۶)
(۷) میرم بیگ	؟	(۷)
(۸) احمد ولی بیگ	؟	(۸)
(۹) فرخ بیگ	؟	(۹)
(۱۰) امیر حسن بصری	(۱۰) عبدالخالق ترخان	
(۱۱) امیر ذوالنون	(۱۱) عبدالعلی ترخان	
(۱۲) میرزا شاہ بیگ ارغون	(۱۲) عیسیٰ ترخان	

ترخان نامہ کے مؤلف نے عبدالخالق کو میر حسین ترخان کا بیٹا لکھا ہے، لیکن از روئے زمانہ یہ غلط ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ میر حسین سے لے کر عبدالخالق تک درمیان کی تقریباً چار پانچ پشتیں غائب ہیں۔ بلاخمن نے بھی (۳۹۰) اکبر نامہ سے شجرہ نقل کرتے ہوئے اس اندیشے کا اظہار کیا ہے۔ انھیں ارغون اور اکوتمر کے درمیان چار پشتوں کے غائب ہونے کا گمان ہے، بہر حال مذکورہ نسب نامہ مشکوک اور ناتمام ہے۔

(۱) امیر اکوتمر:

امیر تیمور کے اسراء میں سے تھا اور تہتمش خان کی جنگ میں امیر تیمور کی طرف سے لڑتے ہوئے قتل ہوئے۔ اسی قربانی کے طفیل تیمور نے ان کی اولاد کو ترخان کا خطاب دیا۔ ظفر نامہ کے مؤلف رقم طراز ہیں کہ اس معرکہ میں جن لوگوں نے بہادری کے جوہر دکھائے، تیمور نے ان سب کو ترخان کر دیا۔

”و جماعتی را کہ دران موقف هولناک، پای ثبات فشرده بودند، و بہ شرایط سربازی قیام نموده، بہ انواع تربیت و نوازش بلند پایہ سرفراز گردانید۔ و حکم ترخان ارزانی داشتہ فرمان داد کہ: جماعت یساویان دست رد، پیش ایشان ندارند، و از در آمدن بحضرت ما، منع نکنند و تانہ پشت گناہی کہ از ایشان و فرزندان ایشان صادر شود، نپرسند۔

چنین داد پاسخ کہ: تانہ نژاد ہر آن کس کہ از تخم ایشان بزد گنہ شان نپرسند، ابنای ما کزین پس نشینند بر جای ما

و خویشان امیر ایکوتمر را کہ بہ عز شہادت فایز شدہ بودند،
عنایت و مرحمت بسیار فرمود۔“ (۳۷۸-۷۷)

ان کے عزیزوں میں سے شاہ ملک بن قلعفائی کو اپنے دربار میں امیر
اکوتمر کا رتبہ عطا کر کے ’سہر کلان‘ اور ’سہر پروانہ‘ کے حوالے کر دیا۔
میرزا عیسیٰ کے والد میرزا عبدالعلی، سلطان محمود (۸۹۹ھ) بن میرزا
بوسعید (قتل ۸۷۳ھ) کے دور میں بخارا کے صوبے دار تھے۔ شیبانی خان کی
جنگ میں اپنے بیٹوں کے ساتھ قتل ہوئے۔ میرزا عیسیٰ اس وقت بچہ تھا، جس
کو میر ذوالنون ارغون نے ہال پوس کر بڑا کیا۔ جب تک میر ذوالنون زندہ رہا،
ان کو اپنے ساتھ رکھا (بلاخمن ص ۳۸۹) امیر ذوالنون جب شیبانی کی جنگ
(۹۱۳ھ) میں قتل ہوا تو میرزا عیسیٰ ان کے خاندان کے ساتھ رہے۔
(۲) چوچک بیگم:

شاہ حسن کی کوئی نرینہ اولاد زندہ نہ بچی، ایک بیٹا میرزا
ابوالمنصور نامی گلبرگ بیگم سے ہوا جو دو سال کے بعد فوت ہوا۔
(معصومی ۱۳۷-۱۹۶ ہمایون نامہ ۲۳۰) اسے فقط ایک بیٹی چوچک بیگم
نامی تھی، جو اس نے سیاسی جوڑ توڑ کے سلسلے میں پہلے ہمایوں سے الگ
کرنے کی خاطر ناصر میرزا کو پیش کی اور آخر میں کامران کو ہمایوں سے
لڑوا کر (۹۵۳ھ مطابق ۱۵۴۶ء) میں اسے دے دی۔ ہمایوں نے جب میرزا
کامران پر فتح حاصل کر کے انہیں نابینا کروایا اور وہ مکہ معظمہ جانے کے لیے
بکھر پہنچا تو اس وقت شاہ حسن نے چوچک بیگم کو ان سے الگ کرنا چاہا،
لیکن اس عورت نے معذوری کی حالت میں اپنے شوہر کو چھوڑنا غیرت اور
وفا کے منافی سمجھا اور اپنے باپ کو ایسا کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ مکہ
میں اپنے شوہر کی وفات (ذی الحج ۹۶۴ھ) کے ساتھ مہینے بعد اس کا انتقال
ہوا۔ (معصومی ۱۸۲-۱۹۶ ہمایوں نامہ ۲۶۰)
(۳) ترخان:

یہ ایک خطاب ہے جس کے حاصل ہونے کے بعد کہے گئے گناہ
مواخذے میں نہیں آتے۔ ترخان جس وقت چاہے بغیر اطلاع شاہی حضور

میں حاضر ہو سکتا ہے۔ لگان اور دوسرے سرکاری واجبات سے آزاد رہتا ہے۔ مال غنیمت میں سے ان سے کوئی حصہ نہیں لیا جاتا۔ نو گناہوں تک ان کی سب خطائیں معاف ہیں اور نو پشتوں تک ان کے ساتھ یہ رعایت قائم رہے گی۔

اگر صد خون بیک غمزہ بریزی، کس نمی پرسد
مگر یرلیغ ترخانی ز سلطان ایلخان داری

(نزاری - جہانگیری)

کنون باشد کہ، بر خوانم بہ پیشِ شعر تو اندر
ہر آنچه تو بخاقانان و طرخانان و خان کردی

(مجلد گرگانی - لغت فرس)

خط ترخانی و جاوید، بعالم ندهند
بگذر از عالم و منشور اسانی بمن آر

(نظیری)

بہ شکر آن دو ہفتہ ماہ تابان
سپہ را کرد چندین سال ترخان

(یحییٰ بن سبک نیشاپوری)

کند ز حیلہ بر ای گزیدن مردم
بگاہ مستی ازو التماس ترخانی

(عرفی)

خراسانی لہجے میں رئیس اور شریف کو ترخان کہا جاتا ہے۔ بچوں کے کھیل میں بڑے کو بھی ترخان کہا جاتا ہے۔ (لغت شوستر) یہ باک، چور، اوباش کے لیے بھی ترخان کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

تو ترخون و ترخان، ز جور تو خواجو
دل از غم چو خانی و رخ زرخانی

(خواجو کرمانی - اندراج)

یونانی زبان میں پانچ ہزار کی سپاہ کے سردار کو ترخان کہا جاتا تھا۔ مسخروں کو بھی ترخان کہا جاتا ہے۔

کار بر ترخانی و طنز و مزاح افتاده است
خدمتِ صد سالہ و فضل و ہنر منظور نیست

(تائیر- آندراج)

ترخان کا معرب طرخان اور جمع طراخنہ ہے۔ ترخان پودینہ کی طرز
کی ایک سبزی کو بھی کہا جاتا ہے۔ ترخون ترخوان، ترہ خوان، ترخونی یا
ان کا معرب طرخون اس سبزی کے معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً:

بوی بریان میرسد ترخان بدان خواہم فشانند
بر مزعفر حلقہ چی در دور نان خواہم فشانند
می نهم از شاخ ترخان زلف بر روی پنیر
می کشم از برگ نعنغ و سمہ بر ابروی نان

(بو اسحاق اطعمہ)

ترخان (اسم خاص)، اقلیم ہفتم کی ایک سرزمین کا نام ہے۔

”الاقليم السابع: این اقلیم کہ بقمر منسوب است و... از آنجا

بیلاد یاجوج و ماجوج گذرد. پس بر بلاد کیماک و شمال بلاد

خلخ و جنوب بلدان ترخان گذرد.“ (حبیب السیرج ۳ ص ۲۵۹

تہران)

ترخان آباد: دہستان، شہرستان سندج کے زراب کے علاقے میں اور امان
کی ایک دیہہ ہے۔ (فرہنگ جغرافیائی ایران ج ۵)

ترخانی: ایک قوم کا نام ہے جو ایلات کرد میں سے ہے اور راوند کی حدود
میں قیام پذیر ہے۔ (جغرافیائی سیاست کیہان ص ۵۷)

ترخان، طرخان: لوگوں کے نام بھی تھے۔ مثلاً

۱- ابو نصر فارابی کے دادا کا نام ابو نصر مہر بن اوزلغ بن طرخان (عیون
الانباء ج ۲ ص ۱۳۴)

۲- محمد بن علی بن طرخان بن عبداللہ المشہور ابو عبداللہ بلخی متوفی
رجب ۵۲۷ھ (معجم البلدان ج ۱ ص ۲۶۲ھ)

۳- محمد بن جعفر بن طرخان الاستر آبادی (جواہر المظنیہ ۲/۳۸)

- ۴- حکام بن طرخان بن نفی الحموی متوفی ۵۶۶ھ (جواہر ۲/۱۷۹)
- ۵- سلیمان بن طرخان، صوفی خیل ۵۴۳۰ھ (حلیہ ج ۳ ص ۲۷ قاہرہ)
- ۶- طرخان حکمران طالقان (البلدان یعقوبی لیدن ۳۰۰)
- ۷- امیر ترخان، شامرخ اور ابو سعید کے دور میں امیر (حبیب السیر ۴/۶۱۸)
- ۸- ترخان بیگم، سلطان احمد میرزا کی چھ بیگمات میں سے ایک کا نام تھا۔ (حبیب السیر ۴/۹۶)
- ۹- خدیجہ سلطان ترخان، سلطان ابراہیم خان کی بیگم یعنی سلطان محمد خان چہارم کی والدہ۔ (قاموس الاعلام ترکی ج ۳)
- ۱۰- مولانا ترخانی، سپاہی سیرت اور صورت میں اعلیٰ تھا۔
مولانا جامی کے مندرجہ ذیل مطلع پر یہ شعر کہا ہے:
ای ز مشکین طرہ ات بر هر دلی بندی دگر
رشتہ جان را به هر موی تو پیوندی دگر
مرغ دل پر کندم و از سینہ بریان ساختم
تاکشم پیش سگت هر لحظه بر کندی دگر
(جامی مجالس النفاث ۴۱-۲۱۴)
- ترخان لقب: یہ لقب چنگیز خان نے دو نوجوان بھائیوں کو دیا تھا، جنہوں نے اُسے اورنگ خان کے حملہ کی اطلاع وقت سے پہلے دے کر، ان کی جان بچالی، ورنہ بے خبری کی حالت میں اُس کی موت یا گرفتاری لازمی تھی۔ چنگیز خان نے ان دونوں کو نوپشتوں تک ترخان بنادیا۔
- سنگلاخ (۱۵۵) کا قول ہے کہ ماوراء النہر خراسان کے خان ان دو بھائیوں کی نسل میں سے تھے۔
- شیبک خان نے عبدالوہاب مغل کی پرورش کی اور انہیں منصب شعاولی دے کر ترخان بنادیا۔ (مجالس النفاث)
- جہانکشائے جوینی میں ہے: وکسک را ترخان کردہ از اموال دو چندان فرمود۔
- تاریخ غازانی میں ہے: ... واتفاقی را کہ دلالت امیر ایتقول کردہ بود، و

آن جماعت را می شناخت، اورا ترخان فرمود و یرلیغ فرمود تا همواره بہ تفحص مشغول باشد... (تاریخ غازانی ص ۲۸۰)

امیر ایکوتمر کی اولاد کا ترخان ہونا، ان صفحات میں مذکور ہے:
ہندوستان کے مغل بادشاہ اکبر اعظم نے نور الدین محمد کو ترخان
کا لقب دیا، جس پر انھوں نے یہ شعر کہا:

کہ غیر از خان خشکی می نماید

ز ترخانی تری گردد چو حاصل

غالباً تاریخ میں یہ آخری شخص تھا، جن کو ترخان لقب حاصل
ہوا۔

ترخان امراء کی خونریزی: تیموری سلطان میرزا ابوالقاسم بابر کے انتقال
کے بعد (۸۶۱ھ) میرزا جلال الدین شاہ محمود اور میرزا سلطان ابراہیم کے
درمیان تخت و تاج کے معاملے پر اختلاف پیدا ہوا۔ اسی سلسلے میں
متعدد معرکے اور مجادلے ہوئے، اس جنگ کے شروع ہونے سے پہلے شاہ
محمود کے وزیر مختار امیر شیر حاجی نے ہرات کے ترخان امراء کو سلطان
ابراہیم کا طرفدار سمجھ کر ۳۰ جمادی الآخر ۸۶۱ھ میں ہرات کے باغ
زاغان میں دھوکے سے قتل کروایا۔ یہ بڑی تباہی تھی، جس نے ترخان
قبیلے کو عظیم نقصان پہنچایا اور بہت سے بے مثل بہادر اور امیر کبیر
قتل ہو گئے۔ مثلاً امیر اویس ترخان اور ان کا صاحبزادہ یوسف ترخان، امیر
محمد ترخان، امیر خسرو ترخان، امیر نظام الدین احمد ترخان (جن کے
بھائی سلطان حسین تون کے حاکم تھے) وغیرہ۔

اس کارزار میں امیر اویس ترخان نے امیر شیر حاجی کو پیٹ میں
چھرا گھونپ کر زخمی کر دیا۔ امیر غیاث الدین محمد ترخان اور مولانا
احمد یساول اس مقتل سے بچ کر سلطان ابراہیم میرزا کے ہاں پہنچے۔
جنھوں نے ان کا دردناک ماجرا سن کر ہرات پر لشکر کشی کی اور سات
رجب صبح سویرے ہرات کے باغ مختار پہنچ کر سلطنت پر قبضہ کیا۔
سلطان محمود مشہد کی طرف بھاگ گیا اور امیر شیر حاجی حصار نیرہ تو
کی طرف گم ہو گیا۔ کچھ عرصے کے بعد سلطان ابراہیم نے شاہ محمود پر

دوبارہ حملہ کیا۔ اس جنگ میں امیر نظام الدین احمد ترخان اور ان کے بھائی یعقوب ترخان نے شدید انتقامی جذبے کے سبب زوردار جنگ کی۔ محمود بمشکل جان بچا کر فرار ہو گیا۔ (مطلع السعدین ۱۱۲۳-۱۱۳۹)

سندھ کے ترخان انہی امراء میں سے کسی کی اولاد یا خاندان سے معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ امیر حسن بصری کا بھی یہی دور تھا۔

(ترخان لفظ کے سلسلے میں لغت نامہ دہ خدا ملاحظہ ہو۔ ان کے علاوہ رایل ایشیائٹک سوسائٹی کا مخزن ۱۹۱۷ (۸۳۴) ۱۹۱۸ء (۱۲۳-۱۲۲) اور (۳۱۶-۳۱۴) بیورج اور دوسرے محققوں کے اس موضوع پر مقالات بہت دلچسپ ہیں۔

(۴) محمد صالح اول:

ان کا احوال ان کے قبر کا کتبہ اور قبر کا نقشہ متن میں دیا گیا ہے۔

(۵) باقی اور جان بابا کے معرکے:

محمد صالح، میرزا عیسیٰ کے ولی عہد تھے۔ فوت ہونے کے بعد میرزا عیسیٰ نے جان بابا کو اپنا وارث بنایا۔ وہ جب فوت ہوئے تو میرزا باقی نے تخت پر قبضہ کیا۔ چنانچہ جان بابا اور باقی کے مابین متعدد معرکے ہوئے۔ یہ در پر شکستوں کے بعد میرزا جان بابا مایوس ہو کر گوشہ نشین ہو گئے۔ میرزا باقی نے سید علی کے توسط سے جان بابا سے مصالحت کر کے انھیں ٹھٹھ بلوایا اور دھوکہ دہی سے انھیں اور ان کے حاسیوں کو قتل کروا دیا۔ ان مقابلوں کا تفصیلی احوال تاریخ طاہری اور بیگلارنامہ میں ملاحظہ ہو۔

(۶) میرزا باقی کے مظالم:

ترخان نامہ کے مصنف نے میرزا باقی کے مظالم کی کئی مثالی دی ہیں۔ اُس کا سارا وقت اپنے خاندان کی بیخ کنی میں گذرا۔ اُس کی یہ کوشش رہی کہ ترخان خاندان کا کوئی فرد باقی نہ رہے، جو تخت کا دعوے دار بنے۔ چنانچہ اُس نے کئی افراد قتل کروائے اور بہت سے ہندوستان بھاگ گئے۔ اُس کا یہ سلوک نہ صرف اپنوں کے ساتھ تھا، بلکہ بربریت اور شقاوت اُس کی فطرت میں تھی، اس لیے جو سامنے آیا، اس کو قتل کروایا۔ اس حد تک لوگوں کا قتل عام کیا کہ اسی وحشت میں خود بھی دیوانہ ہو گیا اور ایک دن

اپنے پیٹ میں خنجر گھونپ کر خود کشی کر لی۔ اس کی خود کشی کے بعد سندھ کے لوگوں نے سکھ کی سانس لی۔ ترخان ناسے کا مؤلف رقم طراز ہے: سندھ کے لوگ میر باقی کے دور میں ایک رات بھی چین کی نیند نہیں سوئے تھے۔ ”مردم ولایت سندھ..... ہر گز شبی از ترس میرزا محمد باقی بفرغت نرفته بود۔“ (۱) اس کے ظلم کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

(الف) جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ سید علی ثانی ٹھٹوی کے ذریعے قرآن شریف درمیان میں رکھ کر صلح کی۔ (۲) اپنے بہنوئی یادگار مسکین ترخان سے بھی اس وقت اور اس طرح صلح کی۔ صلح کے بعد جب راہ و رسم شروع ہوئی تو کسی کام کے بہانے ان دونوں کو اپنے ہاں بلوا کر قتل کروادیا۔

(ب) اُس کے پاس ہوتھی اور نوتھی نامی دو جلا د تھے، ایک دن ان کو حکم دیا کہ یادگار میرزا کی بیگم بیگہ بیگی آغا اور اُس کے دو صغیر بیٹوں کو قتل کر دیں۔ چنانچہ اُنھوں نے رات کی تاریکی میں ان تینوں کو قتل کر دیا۔

(ج) میرزا غالب اُس کے بھتیجے تھے، اپنی بیٹی سے اس کی منگنی کروائی۔ ایک دن اُنھیں جاگیر کا پروانہ دینے کے بہانے اپنے ہاں بلوایا، پیشانی کو چوما اور کمرے کے اندر بھیج دیا تاکہ وہ وہاں سے جاگیر کے کاغذات دیکھ لے۔ ہوتھی اور نوتھی پہلے سے منتظر تھے، اُنھوں نے ان کو آتے ہی قتل کر دیا۔ اس کے بعد نہ صرف ان کا مال و دولت لوٹا گیا، بلکہ ان کی معصوم بہن اور دادی کو قید کروا کر طرح طرح کی اذیتیں دی گئیں۔

(د) میرزا جوہر اُس کے بھائی تھے۔ ملا جان محمد، جو میرزا باقی کی بیگم کے معلم تھے، وہ اُس کے پڑوس میں رہتے تھے۔ میرزا باقی کے اشارے پر ایک دن میرزا جوہر پر الزام لگایا کہ اُس کے ان کی بیٹی سے ناجائز تعلقات ہیں۔ اس الزام کے بعد میرزا نے اُنھیں قید کروایا۔ اُس کا ارادہ تھا کہ ان کو بھی قتل کروادے، لیکن وہ کسی ترکیب سے جیل سے بھاگ کر روپوش ہو گیا۔ میرزا باقی نے ان کو پکڑوا کر قتل کروادیا۔ (۳)

(۵) میرزا ناصر ایسے ظلم، قاتل اور خونریزیاں دیکھ کر، بیماری کا بہانہ کر کے صاحب فراش ہو گئے۔ قتل سے بچنے کی خاطر اس نے اپنے آپ کو گونگا لنگڑا بنا کر اپنے آپ کو معذور کر دیا۔ اگر پلنگ پر بیٹھتے تھے تو کسی نہ کسی آدمی کا سہارا لیتے تھے۔ یہ اگرچہ ایک بہانہ تھا، لیکن اس کو ایسا نبھایا کہ لوگوں نے سچ مچ ان کو معذور سمجھا۔ میرزا باقی نے خود آکر دیکھا، دو آدمیوں نے انھیں سہارا دے کر کھڑا کیا، پھر جب بیٹھے تو ایک طرف گر گئے۔ جب تک میرزا باقی زندہ تھے، وہ بڑی ہوشیاری سے یہ ڈرامہ کرتے رہے، اس لیے وہ زندہ بچ گئے۔

(و) ان کا بھتیجا شاہ بابا، جان بچا کر ہندوستان چلا گیا۔ سندھ کی حکومت کے خاتمے کے بعد، جب میرزا جانی ہندوستان گئے، اس وقت ان کو واپس ٹھہر روانہ کیا۔

(ز) میرزا عیسیٰ ثانی، میرزا باقی کی زندگی کا سارا عرصہ اپنے ننھیال میں چھپا رہا۔ باقی کے انتقال کے بعد اُسے جانی بیگ اپنے وطن لے آئے۔

(ح) حاجی ماہ بیگم، جو شاہ حسن ارغون اور ان کے بعد میرزا باقی کے والد میرزا عیسیٰ کی بیگم بنی، اُن کو قید کروایا جو فاقہ کشی میں مر گئی۔

(ط) پورانی خاندان کا ایک جید عالم اور پاک باز بزرگ میرک عبدالرحمن ایک دن عید کی نماز پڑھ کر واپس گھر کی طرف آرہے تھے، ان کو راستے ہی میں قتل کروا دیا۔ (۴) اس شریف آدمی پر شراب نوشی کا جھوٹا الزام لگایا گیا۔ (۵) معصومی کا قول ہے کہ عید الفطر کے دن انھیں شہادت کا جام نوش کروایا گیا۔ میرک شہید کی قبر مکلی میں پورانی سادات کے قبرستان میں ہے، جس پر یہ کتبہ ہے:

میرک جو شہید شد، بگفتم باخامہ، کہ: سال آن نوشتی؟

گفتا کہ: نوشتم و بر آمد تاریخ زمیرک بهشتی

(۹۸۷ھ)

(ی) ٹھٹھہ کے مشہور معزز خلیفہ عبدالوہاب عباسی کو، خلیل مہر دار

کے ذریعے قتل کروایا۔ خلیفہ کے صاحب زادے محمد صادق نے جوش میں آکر خلیل پر حملہ کیا اور اُس کی ناک کاٹ دی۔ خلیل مسر دار پوری زندگی چہرے کو کپڑے سے ڈھانپ کر اپنا عیب چھپاتا رہا۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ اُس نے ملتانی مٹی کی ناک بنوا کر چہرے پر لگادی تھی۔ (۶)

(ک) آخر خلیفہ محمد صادق کو بھی قتل کیا گیا اور ان کے دوسرے بھائی محمد ہاشم نے دریا میں جھلانگ لگا کر خود کشی کر لی۔ (۷)

(ل) ٹھٹھ کے مشہور درویش اور خدا رسیدہ بزرگ، بھرکیو لنگ بھی میرزا باقی کے حکم سے شہید ہوئے۔ (۸)

یہ وہ مقتول اور شہید ہیں، جو مؤرخین کے لیے قابل ذکر تھے، ورنہ میرزا باقی کے حکم پر ایسے سیکڑوں خدا کے بندے بے گناہ قتل کئے گئے۔ روزانہ قتل کا بازار گرم رہتا تھا۔ یہ ان کا روز کا معمول اور مشغلہ تھا۔ کسی کی ناک، کسی کا ہاتھ، کسی کا بازو، کسی کی گردن روزانہ کاٹے جاتے تھے۔ ہاتھی کے پاؤں کے نیچے دے کر مروانا اُس کا پسندیدہ شغل تھا۔ (۹) جب میرزا شاہ رخ کا انتقال ہوا، اس وقت قلعے میں قیام پذیر سب عورتوں کی جھانٹیاں کٹوا کر ان کی شلواروں کے اندر زندہ بلیاں چھوڑ دیں۔ شلوار کے اندر بلیاں ڈالنے کی اصطلاح اور تڑی اسی منحوس اور غیر انسانی کارروائی کی سندھ میں یادگار ہے۔

ایک دفعہ ٹھٹھ کے سیکڑوں طلباء و علماء کو شہر سے باہر نکوالر کر ایک گڑھا کھود کر اس میں بٹھادیا اور ان کے اوپر پہرہ بٹھادیا۔ ان پر گباہوں پر یہ الزام تھا کہ وہ جادو کے ذریعے میرزا کو ختم کریں گے۔ سید جلال جیسے بزرگ کو بھی شہر بدر کروا دیا تھا۔ (۱۰)

اس حد تک وہ شکی مزاج اور شقی القلب تھے کہ جو آدمی باہر سے آتا تھا۔ اس کے متعلق معلومات حاصل کرتا تھا۔ اگر ان پر ذرا بھی شک ہوتا تو ان کو قتل کروادیتا تھا۔ مراد یو نامی ایک ملاح اس کام پر مامور تھا، میرزا جس کو خنم کرنا چاہتا، وہ اُس کو سیر کے بہانے کشتی میں بٹھا کر دریا کے بیچ پھینک دیتا۔ (۱۱)

ترخان نامہ کا مؤلف ان مظالم کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہے کہ:
 ”از معر تظلمهای او، مردم اہالی و موالی و سپاہ رعیت و جمہور
 سکنہ ولایت تہ، بہ تنگ آمدہ، نہ شب قرار و نہ روز آرام بود۔“ (۱۲)
 اس دور کے متعدد شعراء نے میرزا کی ہجو لکھی، جن کے کچھ
 اشعار محفوظ رہ گئے۔ مثلاً ’رنگین‘ فرماتے ہیں:

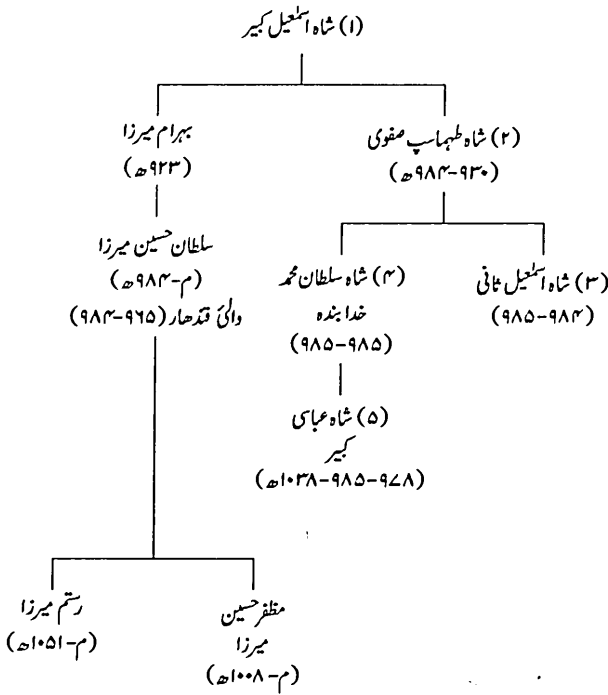
در زمان میرزا باقی نماند
 استیازِ نیک و بد، اندر جہان
 قدر دولت را ندانست، تاکہ شد
 شیر کاسہ لیس با جمعی سگان
 (مقالات ۲۵۷)

غضنفر بیگ کے دو اشعار ملاحظہ ہوں:
 نمود آوراہ ام میرزای باقی
 نیاساید دمی برجای غازی
 ز حق است عنقریب این آرزویم
 کہ گوشم بشنود: ای های باقی!
 (مقالات ۳۶۸)

میرزا باقی کے بعد، جب میرزا پائندہ بیگ اور ان کے صاحب زادے
 جانی بیگ مسند نشین ہوئے، اس وقت ’فراقی‘ نے کہا:
 بزرگان زمان شاہ باقی
 ندانستند احوالِ فراقی
 کتون، پایندہ چشمِ مہربانی
 ہمی دارم من از یاران جانی
 (مقالات ۴۹۳)

(۷) میرزا رستم قندھاری:

رستم میرزا کے والد کا نام سلطان حسین میرزا (متوفی ۹۸۴ھ) تھا،
 جو بہرام میرزا بن شاہ اسماعیل کبیر (۸۹۲-۹۰۷-۹۳۰) صفوی کے
 صاحب زادے تھے۔ میرزا رستم ایران کے شاہنشاہ شاہ عباس کبیر کے چچا
 زاد بھائی تھے۔ ان کی رشتہ داری کا سلسلہ یوں ہے:



رستم میرزا اور مظفر حسین میرزا اپنے خاندانی نزاع کے سبب یکے بعد دیگرے ہندوستان چلے گئے اور وہاں اکبر کے امراء میں شامل ہوئے۔ رستم میرزا ۱۰۰۱ھ میں وارد ہوئے اور ان کے بڑے بھائی ۱۰۰۳ھ کو بہنچے۔

رستم میرزا، غازی بیگ کی وفات کے بعد صوبے دار بن کر ۱۰ محرم ۱۰۲۲ھ ٹھٹھ پہنچے۔ مزاج میں درشتی، ناتجربہ کاری اور خاندانی غرور کے سبب ٹھٹھ میں قیام کے دوران وہاں کے لوگوں پر غیر معمولی سختیاں کیں، اس لیے جہانگیر نے انہیں معزول کر دیا اور واپس ہندوستان بلا لیا۔

ان کے بعد میر ابو القاسم نمکین کے داماد تاش بیگ مخاطب بہ تاج خان، جو سکھر کے فوج دار تھے، انھیں وہاں سے تبادلہ کر کے ٹھٹھہ لایا گیا،

جس نے ٹھٹھہ آکر چارج سنبھالا۔ (رستم میرزا کا مفصل احوال تحفة الکرام (فارسی) کے حواشی میں دیا جائے گا) میرزا رستم ربیع الاول ۱۰۲۳ھ (۲۶ اردی بہشت) اجمیر میں جہاں گیر کے ہاں پہنچے۔ انھیں ٹھٹھہ سے لانے کے لیے ایک امیر کو روانہ کیا گیا تھا۔ جہانگیر ۵ شوال ۱۰۲۲ھ سے اجمیر میں منزل انداز تھے۔

(۸) عبدالرزاق معموری:

میر عبدالرزاق معموری نے عبدالعلی اور دوسرے ترخان لوگوں کو (سنہ ۱۰۲۳ھ جمعات ۸ جلوس جہانگیری) لے کر اجمیر میں جہانگیر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شہنشاہ جہانگیر نے اس کا سیانی پر بقول صاحب ترخان نامہ، انھیں مظفر خان کے خطاب سے نوازا۔ اسی مؤلف کا بیان ہے کہ جہانگیر نے عبدالعلی اور خسرو چرکس کو قید کروایا۔ خسرو جیل میں فوت ہوا؟) کچھ عرصے کے بعد نور جہاں کی سفارش پر عبدالعلی کو رہا کر کے آصف خان کے حوالے کیا۔ وہ جب جوان ہوا تو اُس کے لیے جزوی روزینہ مقرر کیا گیا۔ ترخان نامہ کے مؤلف رقم طراز ہیں: ”عبدالعلی کا ۱۰۳۹ھ میں انتقال ہوا۔ اُس کی قبر کا کتبہ دیا گیا ہے، جس کے مطابق اُس کی وفات کی تاریخ ۹ رجب ۱۰۴۰ھ ہے۔ قرین قیاس یہی ہے کہ میرزا عبدالعلی ہندوستان میں فوت ہوا اور وہاں سے اُس کی لاش لا کر، اُسے ان کے آبائی قبرستان میں دفن کیا گیا۔ ذخیرۃ الخوانین کے مصنف نے اُس کے متعلق ایک عجیب روایت لکھی ہے۔ اُس نے لکھا ہے کہ جب میرزا خسرو عبدالعلی کو تخت نشین کر رہے تھے، اس وقت ایک درویش نے ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے خسرو سے کہا کہ آپ اُس معصوم کو کیوں یہ ذمہ داری سونپ رہے ہیں؟ یہ چار دن کے لیے تخت نشین ہوں گے اور پھر عمر بھر جیل میں پڑے رہیں گے۔ ”چرا این جوان بیگناہ را، برای سرداری چند روزہ محبوس مخلص می گردانی۔“ (ص ۴۱۸) شیخ بکھری نے لکھا ہے کہ واقعی ایسا ہی ہوا۔ ”از آن تاریخ تا حال محبوس است۔“

اگرچہ دوسرے سلاسل میں شیخ فرید کا ’تا حال‘ کا مطلب غالباً ۱۰۶۰ھ ہے، لیکن اس معاملے میں ۱۰۴۰ھ سے پہلے کا زمانہ سمجھنا چاہیے۔

میر عبدالرزاق مظفر خان معمولی ۱۰۲۱ھ میں ٹھٹھہ کے بخشی مقرر ہوئے۔ ۱۰۲۲ھ میں عبدالعلی اور ان کے ساتھیوں کو دربار میں لے گئے۔ ۱۰۲۳ھ میں ٹھٹھہ کے گدا بازار میں جامع مسجد تعمیر کروائی، جو اس وقت 'مسجد خضریٰ' کے نام سے موجود ہے اور اُس کی محراب پر ان کے نام کا کتبہ موجود ہے۔ (۱۳)

۱۵ ربیع الاول ۱۰۲۵ھ شمشیر خان اوزبک ٹھٹھہ کا صوبے دار مقرر ہوا۔ یہ فرمان جہانگیر نے اجمیر کی منزل سے جاری کیا۔ رجب ۱۰۲۷ھ کو میر عبدالرزاق احمد آباد کی منزل پر جہانگیر کے دربار میں حاضر ہوا۔ ایک سو سہر طلائی، ایک سو روپیے اور ایک لاکھ روپے کے زر و جواہر اور اسلحہ بطور نذرانہ پیش کیے۔ ۳ یا ۴ رمضان ۱۰۲۷ھ شاہنشاہ نے اُسے خلعت اور ہاتھی بطور انعام دیے کر اسی طرح ٹھٹھہ پر بحال رکھا۔ (جمعات ۳۱ ماہ مر داد) ربیع الثانی ۱۰۳۰ھ مظفر خان میر عبدالرزاق معمولی ٹھٹھہ کی صوبے داری سے تبدیل ہو کر آگرہ پہنچا۔ (۲۰ ماہ اسفندیار)

(۹) رادھن پور:

شمالی گجرات اور کچھ کا یہ مرکزی شہر انگریزوں کے عہد میں بمبئی کے صوبے سے ملحق تھا، یہ شہر پٹن کے ریلوے اسٹیشن سے ۳۳ میل دور ہے۔ (اپریل گزیٹر ج ۲۲ ص ۱۸-۱۹)

(۱۰) سنہیل:

ضلع مراد آباد (اتر پردیش) تعلقہ کا صدر مقام ہے، جو مراد آباد سے ۲۳ میل جنوب مغرب میں ایک قدیم شہر ہے۔ پرتھوی راج نے جے چند کو اسی مقام پر شکست دی تھی۔ ہمایوں کچھ عرصے باہر کی طرف سے سنہیل کے گورنر رہے۔ (اپریل گزیٹر ج ۲۲ ص ۱۸-۱۹)

(۱۱) سید محمد یوسف رضوی بکھری:

سید محمد یوسف ولد میر محمد جادم، نسب کے لحاظ سے رضوی سادات میں سے تھے۔ ان کے آباو اجداد ایران سے ہجرت کر کے سندھ آئے اور بکھر کو الوداع کہہ کر ٹھٹھہ میں مقیم ہوئے۔

ٹھٹھہ میں سید مبارک کے ذریعے سلوک کی منزل طے کی۔ سید مبارک سید میران محمد جونپوری کے مرید (۱۴) میان دانیال ٹھٹھوی کے مرید اور خلیفہ تھے۔

(۱۲) سید محمد یوسف:

سید مبارک سے بیعت کرنے کے بعد ٹھٹھہ کو خیر باد کہہ کر رات دن مکلی پر ریاضت میں مشغول رہے، مکلی میں اس مقام پر قیام پزیر ہوئے، جہاں سید میران محمد جون پوری نے قیام کیا تھا اور انتقال کے بعد اسی جگہ دفن ہوئے۔

میر محمد یوسف رضوی نے فارسی زبان میں بھی شعر کہا ہے۔ میر علی شیر قانع نے اپنی کسی بھی کتاب میں اس طرف اشارہ نہیں کیا، لیکن تکملہ مقالات شعراء کے مؤلف مخدوم ابراہیم خلیل نے ان کی ایک رباعی دیتے ہوئے لکھا ہے:

”الحمد لله کہ به فقیر يك رباعی آنجناب، مسرت بخش شده.
به تحریر آن چهار گھر گوش شایقان رازینت بخشم.“
رباعی یہ ہے:

هر که توجه، به در حق کند
توسن افلاک شود رام او
گرچه جهان جملہ شود دشمنش
کج نکند موی ز اندام او (۱۵)

مہدوی نسبت: سید میران محمد جون پوری کے طریقے میں داخل ہونے کے بعد یہ خاندان مہدوی نسبت سے مشہور ہوا اور آج تک اس خاندان کو رضوی، مہدوی کہا جاتا ہے۔ سید یوسف کے مندرجہ ذیل دو عزیز ان کی زندگی میں ٹھٹھہ آئے:

پیر پردیسی:

سید محمد یوسف نے ٹھٹھہ میں قیام پذیر ہونے کے بعد عباسی قاضی خاندان کی ایک لڑکی سے شادی کی، جس سے ایک بیٹی پیدا ہوئی۔ سید صاحب تنہا بکھر سے ٹھٹھہ پہنچے تھے، ان کا دوسرا قبیلہ بکھر میں قیام پذیر تھا۔ جب ان کی بیٹی جوان ہوئی تو اپنے بھتیجے سید اسحاق بن سید کمال الدین کو بکھر سے ٹھٹھہ لے آئے اور اپنی بیٹی اُس کے نکاح میں دے دی۔

یہ سید اسحاق ان کی فیض صحبت کے سبب اپنے دور کے صاحب دل انسان تھے۔ پیر پردیسی (پردیسی) کے لقب سے غالباً اس لیے مشہور

ہوئے کہ باہر سے ٹھٹھ آئے تھے۔ ان کا مزار محمد یوسف کے پہلو میں ہے۔ ٹھٹھ کے رضوی مہدوی سادات اس بزرگ کی اولاد ہیں۔ (۱۶)

سید عبدالرزاق: سید محمد یوسف کے بھائی تھے، جو اس کے دور میں بکھر سے ہجرت کر کے ٹھٹھ میں قیام پذیر ہوئے۔ آپ کو روحانیت میں کمال حاصل تھا۔ وفات کے بعد قاضی عبداللہ کے احاطے میں شیخ حماد جمالی کی پشت میں مغرب کی جانب دفن ہوئے۔

چند اہل کمال:

ٹھٹھ کے اس مہدوی رضوی سادات کے خاندان میں بہت سے اہل کمال پیدا ہوئے۔ انہوں نے مختلف اوصاف کے سبب شہرت حاصل کی۔ در حقیقت یہ گہرانہ غیر معمولی ذہین افراد کا مجموعہ ثابت ہوا۔ شاعر، مصنف، امیر اور اہل دل درویش، الغرض دسویں صدی ہجری سے لے کر تیرہویں صدی کے آخر تک اس خانوادے نے کئی مشاہیر سندھ کو دیے، بلکہ چودہویں صدی کی ابتداء تک یہ خاندان اہل کمال سے خالی نہ رہا۔ ذیل میں چند مشہور بزرگوں کا احوال پیش کیا جا رہا ہے۔

سید کمال الدین احمد خان:

بن سید عنایت اللہ، سید محمد یوسف کے نواسے اور ٹھٹھ کے مشہور انشا نویس فاضل خان (۱۷) کے داماد تھے۔ وہ صاحب طرز شاعر اور نثر نویس تھے۔ اصطلاحات رضویہ، شرح دیوان حافظ ان کی دو فارسی تصنیفات ہیں۔ ان کا انتقال ۱۱۳۲ھ میں ہوا۔ شیخ محمد رضا نے ان کی وفات کی تاریخ کمال داغ بدل سے نکال ہے۔ (۱۸)

کمال الدین کی مدح میں ان کے معاصر شاعر عبدالحکیم عطا ٹھٹوی نے متعدد قصائد نظم کیے، جن میں سے فقط ایک نامکمل قصیدہ دستیاب ہوا ہے۔ قصیدہ موشح ہے۔ شروع کے نو مصرعوں کے ابتدائی الفاظ کو جوڑا جائے گا تو کمال الدین کا نام نمایاں ہوگا۔ ایک شعر ملاحظہ ہو:

کہ اسم تست ز ربط ہمیں نہ مصراعی
زہی کمال اسم است باسمی را (۱۹)

میر مرتضیٰ الہام:

بن سید کمال الدین عربی اور فارسی کے جید عالم اور ادیب تھے۔
مرزا صائب (۱۰۱۰-۱۰۸۱ھ) کے شاگرد آقا تعظیماقمی نے
ہندوستان جاتے ہوئے جب دو سال کے لیے ٹھٹھہ میں قیام کیا، تو اس وقت
سید موصوف کے شعر و سخن کی شہر میں بڑی شہرت تھی۔ آقا تعظیما
ان کی شہرت سن کر ان سے ملنے گئے اور ان کے کلام سے اتنے متاثر ہوئے
کہ ان کی شاعری کو الہامی شاعری کہا۔ اسی دن ان کا تخلص الہام
تجویز کیا۔ عالمگیر کی وفات کے بعد (۱۱۱۸ھ) دہلی پہنچ کر اپنے نانا
فاضل خان کی جگہ اور منصب حاصل کر کے وہیں قیام پذیر ہوئے۔ ان کا
انتقال عین جوانی میں (۱۱۲۶ھ) ہوا۔ مقالات کے مؤلف نے لکھا ہے کہ وہ
بے حد خوبصورت بلکہ یوسف ثانی تھا۔ میر قانع نے ان کی وفات ”فاولثک
علیہم صلوات من ربہ“ سے نکالی ہے۔ (۲۰)

میر محمد شفیح ہمت:

ولد سید یار محمد ۱۱۲۵ھ سے ۱۱۲۷ھ تک ٹھٹھہ کے گورنر رہے۔
فارسی میں شعر کہتے تھے۔ تخلص ہمت تھا۔ لطف علی خان اور
شجاعت علی خان کے صوبے داری کے دور میں انھیں دہلی کی حکومت
سے خطاب ملا۔ (۲۱) مقالات میں مندرج ہے کہ شہر میں ان کی شان و
شوکت کے مقابل کوئی اور آدمی نہ تھا۔ (۲۲)

سید نے اپنے دو صاحبزادوں غضنفر علی اور ذوالفقار علی خان
متخلص بہ شیدا کے لیے طلسم سعادت نامی کتاب فارسی میں لکھی،
جس کا ایک نامکمل نسخہ سندھی ادبی بورڈ میں موجود ہے۔ اس کتاب
میں باب اول مکمل ہے۔ جبکہ دوسرے باب کے فقط چار صفحات موجود
ہیں۔ یہ نسخہ مصنف کے اپنے کتب خانے کا معلوم ہوتا ہے۔ اس کتاب
کے ساتھ شوکت بخارائی کا دیوان ہے، جس کے آخر میں کتابت کی
تاریخ ۲ صفر ۱۱۴۳ھ ہے یعنی سید کی وفات سے کم و بیش ایک سال قبل
لکھی گئی۔ طلسم سعادت میں ایک مقدمہ بارہ ابواب اور ایک خاتمہ ہے
ذیل میں مقدمے کا کچھ حصہ اور کتاب کے مضامین کی فہرست دی
جاتی ہے، جس سے معلوم ہو جائے گا کہ کتاب کا موضوع اخلاقیات ہے۔

مقدمے میں رقم طراز ہیں:

”سبب تالیف این ست کہ، رنگ روی بہار خوشدلی نور چشم غضنفر علی و گرامی فرزند سعادت مند ازلی ذوالفقار علی- کہ اولین پا بہ مرحلہ نہم دارد، و دومین بہ پنجم- بہ کمال آرزو خواستند کہ رسالہ بہ زبان فارسی کہ نعم البدل بازی تواند شد، بہ تحریر آورم. ناگزیر نظر بہ پاس خاطر این دو عزیز، کلپترہ چند از زبان قلم، گل کردہ بر صفحہ کاغذ می کشم.“

کتاب کے مضامین کی فہرست کچھ اس طرح ہے:

باب اول: در اخلاق و عادات و علوی رتبہ انبیا و اوصیا

فصل اول: در عالی فطرتی و فراخ شمربی و شکیبایی

انبیاء و اوصیاء در مقام ابتلا، و واسپردن خود را در رضا

فصل دوم: در محبت خیر الانبیاء و آل آن برگزیدہ اصفیا

و شفعا روز جزا، و قرب کمال ایشان در بارگاہ خدا، عز

اسمہ جل قدرہ

فصل سوم: در صبر و شکر و معراج خیر الانبیاء، و اجر

محبت آن زبدہ اصفیا، و جزاء اعداء این گروہ پسندیدہ

خدا جل شانہ، و پستی مرتبہ دنیا و عدم جمع آن با آخرت

(حکایت قصہ بلوہر حکیم و بوزاسف پادشاہزادہ)

باب دوم: در توکل و تجرد انبیا و اوصیا و درویشان تجرد متبع پیرو

این، متضمن ست بر دو فصول

فصل اول: (؟)

باب سوم: در انزوا بسرمايہ دانش و آگاہی

باب چہارم: در آداب صحبت و فوائد سیاحی

باب پنجم: در لطف خموشی و آگہی از مراتب درویشی

باب ششم: در ضوابط دستور پادشاہی و سیرت پادشاہان

باب ہفتم: در عفو و عدم انتقام و طور معاش والامنشان در جوش بہار

عشق و جوانی

- باب نہم: در پیری و تجربہ کاری و کمالات انسانی۔
 باب دہم: در ترک دنیا و تجرید از ماسوا، و وحشت از بیگانہ و آشنا۔
 باب یازدہم: در احترام سادات عالی درجات و محبت عرفاء و علماء راہ
 نما
 باب دوازدہم: در طرز شناسی آداب معاشی با ذرات کائنات و پاسداری
 انفس لیل و نہار در تحصیل مراتب یقین
 فصل دوم: (؟)
 خاتمہ: (؟)

سید موصوف کے وفات ۱۱۳۴ھ میں ہوئی۔ محسن ٹھٹوی نے
 ”ادخلہ فی الجنات بلا حساب“ سے نکالی ہے۔
 لطف علی خان ہمت جس وقت ٹھٹہ کے صوبے دار تھے، اس وقت
 ان کے معاصر شاعر ملا عبدالحکیم عطا ٹھٹوی نے متعدد قصائد منظوم
 کیے۔ ذیل میں ان قصائد کے چند اشعار دیے جاتے ہیں، جو ان کے دیوان
 میں ناقص شایع ہوئے ہیں:
 (۱) امیر لطف علی خان، مہدی الاوصاف
 خوشا امیر ز پیران دستگیران است
 دوسرے قصیدے کا شعر ہے:
 (۲) امیر لطف علی خان کہ والی وطن است
 . . . خیابان بہار گل چمن است

(مقدمہ ص ۴۸)

لطف علی خان اور عطر خان کے درمیان ٹھٹہ کی نوابی کے معاملے
 پر ۱۱۲۷ھ میں معرکہ ہوا۔ نو مہینے تک محاصرہ رہا۔ ایک شعر میں
 انھوں نے اس محاصرے کا ذکر یوں کیا ہے:
 گذشتہ مدت نہ ماہ، در تحصن شہر
 خزیدہ در کوخوف انتمای خود رفتند

(مقدمہ ص ۴۹)

افسوس کہ یہ تاریخی قصیدہ بھی دوسرے قصائد کی طرح ناقص ہے۔

رفعت علی شاہ رفعت:

یہ فارسی زبان کے شاعر تھے۔

عسکر علی شاہ علی:

فارسی میں شعر کہتے تھے۔

موٹیل شاہ کمتر:

فارسی کے مرثیہ گو شاعر تھے۔ اس گھرانے کے افراد آخری زمانے

میں شیعہ ہو گئے، اس لیے ان کے کلام میں مرثیے کا رنگ غالب ہو گیا۔

سید موٹیل شاہ کا سارا کلام منقبت اور مرثیے پر مشتمل ہے۔

خلفائے راشدین کے خلاف ان کے اشعار دیکھنے کے قابل نہیں ہیں۔ کمتر

محمد ابراہیم خلیل کے دوست تھے۔ آپس میں شعر و شاعری کے ذریعے

سوال جواب کرتے تھے۔ موٹیل شاہ زیادہ پڑھے لکھے نہیں تھے، لیکن بڑے

ذہین آدمی تھے۔ عین عنفوان شباب میں ۱۲۹۳ھ کے بعد انتقال کیا۔ (۲۳)

امام بخش فدوی:

سندھی زبان کے شاعر تھے۔ مخدوم خلیل سے مراسم تھے۔

فارسی میں ایک آدھ شعر کہہ لیتے تھے، لیکن انھیں اپنی فارسی شاعری پر

اطمینان اور اعتماد نہیں تھا۔ سندھی میں غزلیات کے علاوہ متعدد

داستانیں منظوم کیں۔ مرتضائی کے استاد تھے۔ ۱۳۰۸ھ سے ایک آدھ سال

پہلے وفات پائی۔ (۲۴)

روشن علی شاہ روشن:

بن سید ذوالفقار علی شاہ رضوی خوش نویس اور شاعر تھے۔ پہلے

روشن تخلص کرتے تھے، بعد میں رضوی تخلص اختیار کیا، ان کے صاحبزادے

میر مرتضائی نے یوسف زلیخا میں شجرۂ نسب اس طرح بیان کیا ہے:

روشن علی شاہ کربلائی بن حاجی سید ذوالفقار شاہ بن روشن علی

شاہ (میر کمال الدین احمد خان کے نواسے) بن سید محمد افضل بن سید

عبدالملك بن سید عبدالرحمن بن سید حمزہ بن سید اسحاق عرف پیر

پردیہی (سید محمد یوسف رضوی مہدوی کے بھتیجے اور داماد) بن سید

کمال الدین بن سید جادو بن سید رکن الدین بن سید مرید شہید (بڑے دادا

شاہ عنایت شہید کے مرید سید میر جان اللہ شاہ رضوی 'میر' روہڑی والے
(کے) بن سید شیخ (۹) بن سید موسیٰ بن سید علاؤ الدین بن سید صدر الدین
خطیب بکھری (۱۰ رجب ۶۰۹ - محرم ۶۲۹ھ)

سید صدر الدین کے بعد کا شجرہ یوں ہے: بن قطب الاقطاب سید محمد
مکی بکھری (متوفی ۵۹۱ھ - شیخ شہاب الدین سہروردی کے داماد - مدفن
سکھر) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تحفۃ الکرام، معیار سالکان طریقت، منبع
الانساب، تذکرۃ السادات شیخ محمد اکبر آبادی، شجرہ سادات مکی از قنبر
علی شاہ رضوی، سلسلۃ الانساب، سید لطف اللہ کروی، عمدۃ الطالب، ریاض
الانساب، نزہۃ الخواطر بن سید محمد شجاع (مدفن مقبرہ امام رضا مشہد) بن
سید ابراہیم بن سید قاسم بن سید زید بن سید جعفر اصغر بن سید حمزہ بن سید
ہارون بن سید عقیل بن سید اسماعیل بن سید ابوالحسن علی المختار بن سید
جعفر الکذاب بن امام علی تقی بن امام محمد تقی بن امام موسیٰ رضا بن امام
موسیٰ کاظم بن حضرت جعفر صادق بن امام باقر بن امام علی زین العابدین بن
سیدنا امام حسین بن حضرت سیدنا علی بن ابی طالب۔

سید روشن علی شاہ انگریزوں کے دور میں مختلف عہدوں پر فائز رہے۔
جھک ضلع ٹھٹہ میں تحصیل دار تھے، کراچی کے کلکٹر کے منشی اور سول
کورٹ میں ناظر رہے۔ ان کا انتقال ۱۳۰۲ھ یا ۱۳۰۳ھ میں ہوا۔ (۲۵)
میر نجم الدین عزلت:

بن میر محمد رفیع - شاعر اور مصنف تھے 'نخشی کے طوطی نامہ
کے طرز پر طوطی نامہ لکھی جو بقول میر قانع پہلی سے بہتر تھی۔ نظم اور
نثر میں بہت سی کتابیں تصنیف کیں، لیکن گردش زمانہ کے سبب بہت
سی کتابیں گم ہو گئیں۔ ان کا دیوان موجود ہے۔ انتقال ۱۱۶۰ھ میں ہوا۔
میر ذوالفقار علی شیدا:

میر لطف علی خان ہمت کے بڑے صاحبزادے تھے۔ میر قانع نے
میاں غلام علی کی زبانی ان کا ایک شعر نقل کیا ہے:

جانان ز ہجر روی تو بیتاب گشتہ ام
شبہا بہ شوق وصل تو بی خواب گشتہ ام (۲۶)

میر محمد پٹھو:

مقالات الشعراء میں میر قانع نے ان کے کمال اور درویشی کی بہت تعریف کی ہے۔ لکھا ہے:

”و اغلب اہل بلدہ در مقام عقیدت بہ ایشان سلوک داشتند۔“

سید موصوف ۱۱۱۲ھ کے بعد بھی زندہ رہے۔ (۲۷)

سید میر مرتضائی:

بن سید روشن علی شاہ (۲۸) یہ صاحب آخری دور کے اہم سندھی شاعر تھے۔ دیوان کے علاوہ دو مثنویات: یوسف زلیخا اور سکندر نامہ کا ترجمہ کیا۔ فدوی ان کے استاد تھے۔ شیخ سعدی کی کریمہ کو مخمس کی صورت میں پیش کیا۔ یوسف زلیخا مطبوعہ ہے، اس کتاب کا ترجمہ ۱۰۳۸ھ میں مکمل کر کے پریس کو بھیجا۔ مخدوم خلیل نے ان کی متعدد تاریخیں نکالی ہیں۔ میرزا احمد علی بابی ان دنوں ٹھٹھہ میں مقیم تھے۔ جھڑک کی نمک کی کان کا اہتمام ان کے حوالے تھے۔ انھوں نے بھی اس کی تاریخیں نکالی ہیں۔ یوسف زلیخا کی یہ سنگی اشاعت ۱۱۶ صفحات پر مشتمل ہے۔

مرتضائی سندھی غزل کے اچھے شاعر تھے، کبھی کبھار فارسی میں بھی شعر کہتے تھے۔ (۲۹)

مرتضائی کے ہاں ایک بیٹا سید حسین بخش ۱۳۰۱ھ میں تولد ہوا، جس کی ولادت کی تاریخ مخدوم خلیل نے کہی ہے۔ دوسرے صاحبزادے سید روشن علی شاہ ۱۳۰۴ھ میں پیدا ہوئے، جن کی تاریخ ولادت بھی مخدوم خلیل نے کہی تھی۔

محمد زمان شاہ زمان: یہ اس خاندان کے آخری سندھی شاعر تھے، جس کے بعد اس خاندان میں علم و ادب کی شمع روشن نہ رہی۔ زمان شاہ سندھی غزل اور کافی کے شاعر تھے۔

تیرہویں صدی کے مہدوی ساوات: میر مائل کے دیوان سے معلوم ہوتا ہے کہ تیرہویں صدی ہجری تک اس خاندان میں بہت سے معروف بزرگ پیدا ہوئے، جن کی اولاد کی ولادت اور کچھ کی وفات پر میر مائل نے تاریخی قطعات کہے ہیں۔ مثلاً

۱- میر ارشاد علی کو ۱۲۲۴ھ میں علی اکبر نامی فرزند تولد ہوا، اس موقع پر دو تاریخی قطعات کہے گئے:

چو با میر ارشاد، از صد شرف
عطا کرد این پور اکبر علی
ز طبعم شد اینگو نہ تاریخ گل
شریف آمدہ میر اکبر علی

چو بہ ارشاد میر، داد، علی
میر اکبر علی، مبارک نام
سال میلاد اشرفش دل گفت:
میر اکبر علی شریف دوام

(دیوان ۴۰۰)

۲- میر صابر علی مہدوی کی شادی (۱۲۲۳) کی تاریخ یوں نکالی گئی:

درین شادی چو از فرط مسرت
قرآنِ نیرین آمد بہ تنویر
ز طبعم گل شد این تاریخ مائل
مبارک شادی صابر علی میر

(دیوان ۴۰۳)

۳- سید محفوظ علی بن سید غلام مرتضیٰ مہدوی کی شادی ۱۲۳۲ھ کے موقع پر یہ قطعہ کہا گیا:

کرد حق میر ذوالفقار علی
کہ در اقبال اوست شادی آل
با ہزاران نوید خوبی و خیر
شاد ازین شادی مبارک فال
در خوشی ہرکسش مبارک گفت
دیدہ این تازہ شادی اجلال
شادی عیش کتخدائی میر

خلفِ میر مرتضیٰ بہ کمال
 میر محفوظ نامور بہ علی
 نوجوان نیک بخت و نیک خصال
 بسکہ روشن علی درین شادی
 کرد از مهر و ماہ بزم وصال
 'حبذا شادی وصال بعز' ۱۲۳۲ھ
 بہر شادیش گفت طبعم سال
 ہم دگر سال کتخدای وی
 گفت: بین کتخدائی اقبال
 خوش درین شادی است بشغل دعا
 مائل حق مرید درگہ آل

(دیوان ۴۱۶)

۴- مظفر علی مہدوی کی وفات (۱۲۰۹ھ) کا قطعہ ہے:

آہ کان میر مظفر از علی
 آنکہ وصفش آمدہ جنت مکان
 شد چو سوی جنت الماویٰ خلد
 در شبِ معراج ناگہ زین جہان
 از سروشِ غیب گاہِ فکر سال
 سوی جنت رفت - آمد سال آن

(دیوان ۴۲۳)

۵- میر امید علی مہدوی ۱۲۲۳ھ میں فوت ہوئے - میر مائل نے یہ

اشعار قلم بن کیے:

میر امید علی آہ جوانی مقبول
 کہ بود داغ جوانیش بہ ہر پیر و جوان
 رخت بربست چو ناگاہ ازین دار خراب
 در جنان ہمدم شہ گشت ز وصل یزدان

ملہم غیب چنین سال وصالش فرمود:
میر اسید علی ہمدم شہ شد بجنان

(دیوان ص ۴۲۹)

۶- میر ذوالفقار علی کی وفات ۱۲۲۴ھ میں ہوئی، میر مائل نے کہا:

گشت چون بعد انتقال از دھر
در جنان میر، همجوار علی
سال فوتش بگفت هاتف غیب
باسر آہ: ذوالفقار علی
باد من بعد از بی آتش
بدعایش مدام یار علی

(دیوان ص ۴۲۹)

۷- سید رستم علی بن سید ذوالفقار علی بن سید میر لطف علی خان
مہدوی مرحوم کی وفات (۱۲۲۵ھ) پر میر مائل نے تین قطعات کہے، جن
کے تاریخی اشعار یہ ہیں:

دلہم با سر آہ تاریخ گفت:
بزم شہان باد رستم علی

در عزا پرسی بشرح سال فوتش هاتفم
میر رسم با علی دائم بود ہم بزم- گفت

چنین گفت تاریخ فوتش سروش:
کہ دائم بحق میر رستم علی

(دیوان ص ۴۳۰)

۸- سید طاہر علی مہدوی جب فوت ہوئے تو میر مائل نے لمبا قطعہ کہا:

ز این دار غم چو در غم شہدا ہماہ غم
طاہر علی بقصر جنان گشت منتقل
تاریخ وصل او بجنان با سر جنان
طاہر علی است واصل شہدا- بگفت دل

(دیوان ص ۴۳۰)

۹- میر ارشاد علی کی وفات ۱۲۲۳ھ میں ہوئی۔ میر مائل نے لمبا تاریخی قطعہ کہا:

چون شد به جوانی ز جهان سويِ جنان، آنکه
ز ارشاد علی نامورِ اهلِ جهان بود
جستم چو دل سال وفاتش، خردم گفت:
صد آه که ارشاد علی تازه جوان بود
دائم به جنان باد دعا گويِ احبا
در مقدمِ او وردِ دلِ اهلِ جنان بود
دوسرے قطعے کا تاریخی شعر یہ ہے:

گفت با رویِ یقین سال وصالش هاتف:
میر ارشاد علی واصلِ حسنین آمد

(دیوان ۴۳۳)

۱۰- میر کرم علی کی وفات ۱۲۲۸ھ میں ہوئی، میر مائل نے دو قطعات کہے:

هنگامِ رحلتش خردم سال فوت او
جایِ کرم علی ست بفردوس آل گفت

هاتف برویِ ولولہ تاریخ فوت گفت:
بوده کرم علی چه جوانی خلیق آه

(دیوان ۴۳۵)

قبرستان:

میر قانع مکی نامہ میں سید کے قبرستان کے متعلق رقم طراز ہیں:
”ارضِ مرقدِ پاکش، نمکِ خوانِ کنعانِ ملاحت، وفضایِ
صحنِ رشکِ افلاکش، قافلہ آبادِ مصرِ نزاہت۔“
دو اشعار ملاحظہ ہوں:

نشد سائلِ چو زین در، ہیچگہ رد
رود گر بندہ آنجا، شاہ گردد

ہر آن کو، رنج ز اخوان زمان است

برایش، این مکان، جایِ امان است

وہ کنعان ملاحمت اور وہ قافلہ آباد مصر نزاہت اور وہ جائے امان اس وقت اجڑ چکی ہے۔ ویران، سنسان اور چاروں طرف شکست و ریخت۔ اس خاندان کے چند افراد نے چند برس پہلے احاطے کی اندرونی قبروں کی مرمت کروائی تھی، لیکن احاطے کا بیرونی قبرستان سارا کا سارا زبون ہو چکا ہے۔ قدیم زمانے میں اس قبرستان کا بڑا رتبہ تھا۔ صبح شام زائرین کا مجمع رہتا تھا۔ عرس، منتیں، میلے، غرض وہاں جانے کے لیے کئی صورتیں، کئی بہانے تھے۔ کلہوڑہ دور میں اس قبرستان کی بڑی اہمیت تھی۔ وہ چونکہ مہدوی تھے، اس لیے سید کا قبرستان ان کے لیے مقام مقدسہ کا درجہ رکھتا تھا۔ شادی بیاہ کے موقع پر پہلے وہاں حاضری دیتے تھے، سلامیاں دیتے تھے اور خوشیاں مناتے تھے اس کے بعد اپنے گھروں کو جا کر دوسری رسمیں ادا کرتے تھے۔

راقم الحروف نے یہ قبرستان پہلی اگست ۱۹۶۲ء میں دیکھا۔ خاندان کے ایک بزرگ سید غلام محمد شاہ (۳۰) میرے ساتھ تھے۔ جنہوں نے ہر چیز کی نشاندہی کی۔ اس قبرستان کی موجودہ صورتحال کچھ یوں ہے:

جائے وقوع: یہ قبرستان عید گاہ سے جنوب مشرقی کونے پر ایک فرلانگ کے فاصلے پر ہے۔ درمیان میں اور کوئی گورستان یا قابل ذکر مقبرہ نہیں ہے۔ چاروں اطراف پگڈنڈیاں ہیں۔ کچھ پہاڑی نشیب و فراز بھی ہیں۔

قبرستان کے چاروں اطراف حفاظتی دیوار تھی، جو اب زبوں ہو چکی ہے۔ دیوار کے اندر قابل ذکر جگہیں اس طرح ہیں:

حوض اور درخت: صحن میں ایک حوض تھا، جس کے متعلق میر قانع نے لکھا ہے: از چاہ کنعان عمیق ترواز نیل بخوش طمعی اکثر. مزید لکھا ہے:

خورد زان حوض، گر کنجشک، آبی

ز بالش میچکد ہر سو گلابی

اگر زاغی خورد، زو رشحہ، جامی

چو طوطی، میشود شیرین کلامی

حوض کے پاس ایک سایہ دار درخت تھا، جس کی شاخیں میر قانع کے قول کے مطابق ثریا تک پہنچتی تھیں، اور اُس کی جڑیں گہرائی تک تھیں۔ زائرین کی آسائش کے لیے درخت کا سایہ کریمانہ اور مشفقانہ تھا۔

یہی آسائش زوار یکسان
دواندہ سایہ در رنگِ کریمان

اس وقت اس حوض کا خشک اور اجڑا ہوا برتن موجود ہے۔ اس درخت کا تنا اب بھی موجود ہے۔ حفاظتی دیوار کے اندر شمال مشرقی کونے میں بالکل ویران اور اجڑا درخت کا تنا حوض کے شمالی کنارے پر موجود ہے۔ نماز کے لیے چبوترہ:

سید یوسف کے احاطے سے باہر مشرق کی جانب ایک لمبا چبوترہ ہے، جو اس زمانے میں نماز پڑھنے کے لیے تھا۔ چبوترے کی محراب اور سید کی قبر کے احاطے کی دیوار کا داخلی دروازہ بالکل آمنے سامنے ہیں۔ یہ چبوترہ اس وقت مسمار ہو چکا ہے۔ میٹھے چاول والا کمرہ:

مسجد کے چبوترے سے متصل جنوب میں اینٹوں کا بنا ہوا ایک چھوٹا سا کمرہ ہے، اس میں دو مٹکے رکھے ہوئے ہیں۔ ایک دیوار کے باہر جنوب مغرب کی جانب کونے میں، دوسرا اندر شمال مغرب کی جانب کونے میں دیوار سے متصل ہے۔ یہ مٹکا ذوالفقار علی شان نے رکھوایا تھا۔

شبِ برات، شبِ معراج اور ذی الحج کی پہلی رات خاندان کے چھوٹے بڑے یہاں جمع ہوتے ہیں۔ میٹھے چاول کی دیگچی شہر سے پکوا کر لے آتے ہیں اور اپنے خاندان کے افراد میں بانٹتے ہیں۔ یہ دستور قدیم زمانے سے آج تک چلا آرہا ہے۔ اس رسم کی غرض و غایت معلوم نہ ہو سکی۔ سید یوسف کا احاطہ:

مسجد کے چبوترے کے قریب مغرب کی جانب سید یوسف کے خاص قبرستان کی چہار دیواری ہے۔ دروازہ مشرق کی جانب ہے۔ یہ دیوار تقریباً پانچ فٹ اونچی ہے۔ دروازے سے لے کر مغربی محراب تک بیچ میں بگدندی ہے اور شمال اور جنوب سے قبروں کی قطاریں ہیں۔ اندر

داخل ہوتے ہی شمالی حصے میں چہار دیواری کے اندر ایک زنانہ قبر سامنے نظر آتی ہے، جو ممکن ہے کہ سید کی بیٹی یعنی پیر پردیہی (پردیسی) کی بیگم کی ہو۔ بالیں، دیوار سے متصل پتھر کا ایک کتبہ پڑا ہے، جو کہیں باہر سے لایا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

شمالی حصے میں قبروں کے دو مجموعے ہیں۔ اندر داخل ہوتے ہی جو پہلا مجموعہ دو قطاروں میں نظر آتا ہے، اس میں سترہ قبریں ہیں، جو ساری کی ساری کچی ہیں۔ ان کی مٹی سے لپائی کی گئی ہے، کسی بھی قبر پر نام کا پتھر یا نشان موجود نہیں ہے اور کسی کو پتا نہیں کہ یہ قبریں خاندان کے کن افراد کی ہیں۔

سید یوسف اور پیر پردیہی (پردیسی):

اس حصے میں پہلے مجموعے سے تھوڑے فاصلے پر محراب کے ساتھ دو قبریں عیاں نظر آتی ہیں، جن کی جونے سے لپائی کی ہوئی ہے۔ قبروں کے اوپر نازبو کی سوکھی ہوئی پتیاں پڑی ہوئی ہیں۔ دیوے کے تیل کے کالے نشانات موجود ہیں۔ ان دو قبروں میں سے مغربی قبر پیر دیہی کی اور مشرقی سید محمد یوسف کی ہے۔ ان دونوں قبروں پر بھی کوئی کتبہ نہیں ہے۔ پیر پردیہی کے مغرب میں متصل سربانے پر نئی قبر ہے، جس کے متعلق کچھ معلوم نہیں۔
زمان شاہ:

جنوبی حصے میں اسی طرح قبروں کے دو مجموعے ہیں۔ دروازے سے داخل ہوتے ہی جو پہلا مجموعہ نظر آتا ہے، اس میں ۷۸ قبریں ہیں۔ دوسرا مجموعہ مغرب کی جانب تھوڑے فاصلے پر سید یوسف اور پیر پردیہی کے بالکل آمنے سامنے ہے، جس میں دس قبریں ہیں۔ اس مجموعے میں سید یوسف اور پیر پردیہی کے پائیں آمنے سامنے آخری دور کے مشہور سندھی شاعر سید زمان شاہ کی قبر ہے جس پر نام کا نشان نہیں ہے۔
احاطے کے باہر:

سید یوسف کے احاطے کی دیوار کے باہر قبروں کے متعدد مجموعے ہیں، جو جنوب مغرب اور شمال کی جانب علیحدہ علیحدہ تھوڑے سے فاصلے پر ہیں۔

لطف علی ہمت اور ذوالفقار علی شاہ شیدا:

احاطے کی جنوبی دیوار سے متصل دو قبریں ہیں جو اینٹوں کی بنی ہوئی ہیں وہ اب شکست و ریخت کا شکار ہو چکی ہیں۔ یہ دو قبریں اگرچہ زبوں ہو چکی ہیں، لیکن اتفاق سے ان کے آثار اب بھی موجود ہیں۔ دونوں ایک دوسرے سے متصل ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ مغربی قبر نواب میر لطف علی ہمت کی اور مشرقی سید ذوالفقار علی شاہ شیدا کی ہے۔ سلطان سامٹھ:

تحفۃ الکرام کے مؤلف رقم طراز ہیں کہ کلہوڑہ کے مشہور امیر اور ٹھٹھہ کے صوبے دار سلطان سامٹھ اسی قبرستان میں مدفون ہیں۔ سید محمود یوسف کے احاطے سے باہر مغرب کی جانب دیوار سے متصل دس فٹ کے فاصلے پر اینٹوں کی بنی ہوئی ایک رانک موجود ہے، جس کے اندر ایک قبر ہے۔ گمان غالب ہے کہ یہ سلطان سامٹھ کی قبر ہے۔ اسی رانک سے متصل شمال کی جانب دوسری رانک بھی اس طرح اینٹوں کی بنی ہوئی ہے، جو اب مسمار ہو چکی ہے۔ رانک کے اندر ایک شکستہ قبر کے آثار موجود ہیں، معلوم نہیں یہ رانک کس اہم شخص کی ہے۔

اس رانک کے شمال مغرب کی جانب کونے میں تھوڑے فاصلے پر پتھر کی ایک الگ تھلگ قبر ہے، جس کے کتبے کی عبارت یوں ہے:

خرد تاریخ این مرحومہ گفتا
بیامرزید اورا حق تعالیٰ

۱۱۰۶ھ

شمالی چبوترہ:

احاطے کی دیوار سے متصل شمال کی جانب تین قبریں بغیر نام و نشان کے موجود ہیں۔ ان قبروں کے شمال میں بیرونی حفاظتی احاطے کی شمالی دیوار سے متصل ایک لمبا چبوترہ ہے، جو مسجد کے چبوترے سے شروع ہو کر سید کے احاطے کے مغربی دیوار سے تھوڑا آگے جا کر ختم ہو جاتا ہے۔ اس چبوترے کے دو حصے ہیں، پہلے حصے کی دو قبروں میں سے مغربی سید عبداللہ شاہ کی اور مشرقی ان کے صاحبزادے میر مراد علی شاہ

کی کہی جاتی ہے۔ اسی چبوترے کا دوسرا حصہ مغرب میں ایک الحاقی چبوترے کی صورت میں موجود ہے، جس پر دو گم نام قبریں ایک دوسرے کے پہلو میں موجود ہیں۔ اس چبوترے کے نیچے ایک الگ قبر ہے۔

قبرستان کی بیرونی دیوار کے اندر یہی قابل ذکر جگہیں ہیں، جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ ذیل میں اسی حفاظتی دیوار کی بیرونی ملحہ جگہوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

سید میران محمد کا آستانہ:

مشرقی دیوار سے قریباً دو سو فوٹ کے فاصلے پر ایک شکستہ چہار دیواری ہے، جن کے آثار ابھی تک باقی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ سید میران محمد جونپوری کا آستانہ ہے۔ آپ نے سارا وقت مکلی پر اسی مقام پر قیام کیا۔ اسی جگہ سے مشرق کی جانب دوسری شکستہ دیواروں کے آثار موجود ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ایک آدھ حجرہ اس آستانہ سے متصل تھا، جو اب مسمار ہو گیا ہے۔

مشہدی سادات کا قبرستان:

اس آستانے کے قریب، جنوب میں ٹھٹھ کے مشہور مشہدی سادات کا قبرستان ہے۔ وہ بھی اب مسمار ہو گیا ہے۔

میان آسودہ بولدو: تحفۃ الطاہرین کے مؤلف رقم طراز ہیں کہ: ٹھٹھ کے مشہور بزرگ میان آسودہ بولدو سید یوسف کے قبرستان میں مدفون ہیں۔

میران سید محمد جونپوری کے آستانے کے شمال میں ایک سو فوٹ کے فاصلے پر ایک چبوترہ بنا ہوا ہے، چبوترے پر چونے گچ سے لپائی کی ہوئی ایک قبر موجود ہے، جس کے اوپر چراغ دان بھی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ مزار میان آسودہ مجذوب کا ہو۔

اسی چبوترے پر مغرب کی جانب کچھ فاصلے پر ایک اور پتھر کی بنی ہوئی قبر موجود ہے۔ چبوترے کے شمال مغربی کونے پر اینٹوں کا بنا ہوا ایک چھوٹا چبوترہ ہے، جس کے اوپر دو پتھر کی قبریں ہیں۔ اس چبوترے پر جب شمال کی جانب اوپر جائیں گے تو وہاں ایک الگ چبوترے پر ایک قبر موجود ہے۔ یہ سب قبریں بے نام و نشان ہیں۔ اسی طرح چبوترے کے آس پاس نیچے کچھ قبریں نظر آتی ہیں، جن کے متعلق بھی معلوم نہیں کہ وہ کن کی ہیں۔

بکھر کی جھیل: سید یوسف کے قبرستان میں مشرق میں ایک جھیل کے آثار موجود ہیں، جو جنوب کی طرف میکرا جھیل تک نظر آتے ہیں۔ اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ بکھر جھیل کے آثار ہیں۔

معلوم نہیں اس جھیل کو بکھر کی جھیل کیوں کہا جاتا ہے، ہوسکتا ہے کہ سید محمد یوسف بکھری کی نسبت سے اس جھیل کو یہ نام دیا گیا ہو۔

تالاب سہسہ لنگ:

میر قانع نے لکھا ہے: وہاں سے کوئی اگر پہاڑی سے نیچے اترے گا تو سامنے سہسہ لنگ کا تالاب نظر آئے گا۔ ”— ہر گاہ از کوہ فروشوند، پایین کوہ بہ تالاب سہسہ لنگ، کہ با چشمہ مہریک رنگ است، دچار گردند۔“

اس تالاب کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

زبان، و صاف آبِ سہسہ لنگ است

نظر بینایِ تابِ سہسہ لنگ است

چہ گویم وصفِ آن تالابِ صافی

نگہ آموزد آن جا نورِ صافی

میر قانع نے سہسہ لنگ کے مذکور کے بعد میکرا جھیل کی تعریف کی ہے:

سید یوسف کے قبرستان سے نیچے سہسہ لنگ کے نام سے کوئی تالاب موجود نہیں۔ اس قبرستان کے پاس پہاڑی سے نیچے اترنے کے بعد فقط بکھر جھیل کے آثار نظر آتے ہیں، جس کا آخری حصہ میکرا جھیل سے جا ملتا ہے۔ میر قانع نے جائے وقوعہ کا جس طرح بیان کیا ہے، اس سے گمان ہوتا ہے کہ دراصل سہسہ لنگ اسی بکھر جھیل کا نام تھا۔

رضوی سادات کی خانقاہیں:

روہڑی میں سید جان اللہ شاہ رضوی کا خاندان، سید حیدر حقانی کا خاندان اور نصرپور کے مشہور سندھی شاعر شاہ عنایت رضوی کا خاندان اور ٹھٹھہ کے مہدوی سادات ایک ہی جد امجد سید محمد مکی بکھری کی اولاد ہیں۔

(۱۴) جلوہ گاہ امامین

روایات: تحفة الکرام خواہ تحفة الطاہرین کی روایت کے مطابق جس مقام پر اس وقت جلوہ گاہ امامین ہے، وہ شروع میں ایک صاف میدان تھا۔ سب سے پہلے ایک چرواہے نے اس 'پراسرار زمین' کے اسرار دریافت کیے۔

کہتے ہیں کہ وہ چرواہا روزانہ مکلی کی پہاڑی پر بکریاں چراتا تھا، بکریاں چرتے چرتے جب اس خاص میدان کے پاس پہنچتیں تو نہایت خاموشی کے ساتھ ایک غیر معمولی کیفیت میں چلی جاتیں۔ چرواہا یہ تماشا روزانہ دیکھتا تھا اور حیران تھا کہ آخر اس کا سبب کیا ہے۔ ایک دن اس چرواہے نے کسی بزرگ کو نہایت ادب و احترام کے ساتھ دعا مانگتے دیکھا۔ چرواہے نے ان سے حقیقت حال معلوم کرنا چاہی اور اپنا روز کا مشاہدہ بھی بتایا۔ بزرگ نے اس سے کہا: ”— این جای پاکان و برگزیدگان الاهی است کہ عالم ملک و ملکوت گردن اطاعت بزیر ایشان نہادند۔“

یہ روایت اور یہ واقعہ جام نظام الدین کے زمانے (۸۸۶-۹۱۳ھ) سے پہلے کا ہے۔ جام کے اپنے دور میں مخدوم احمد اور مخدوم محمد (ولدان مخدوم اسحاق بھٹی ہالائی) مکلی پر زیارت کے لیے آئے اور مختلف بزرگوں کی زیارتوں سے شرف یاب ہوئے۔ جب اس مقام پر پہنچے تو ادب اور احترام کے ساتھ اپنی جوتیاں اتار کر نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ دعائیں مانگنے لگے۔ لوگوں نے پوچھا کہ خالی میدان پر اتنے ادب اور احترام سے دعائیں مانگنے کا کیا سبب ہے؟ انہوں نے فرمایا: ”این جایی ست کہ بر عرش مجید تفوق دارد۔“ ان دونوں بزرگوں نے یہ مشہور کیا کہ اس سرزمین پر جلوہ جمال جہان آرای حضرت امامین کریمین، دیکھنے میں آتا ہے۔ اس کے بعد ہر شخص اس مقام کا احترام کرنے لگا اور یہ مقام زیارت گاہ اور مرجع خلائی بن گیا۔

حد بندی اور ساخت:

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مخدوم احمد اور مخدوم محمد کے زمانے میں اسی اراضی کا فقط شرف اور مرتبہ عوام میں مشہور ہوا، لیکن اس کی حد بندی نہیں کی گئی۔ اس علاقے کی حد بندی سب سے پہلے میان

ملوك شاه ناسی ایک بزرگ نے کی۔ روایت ہے کہ ایک دفعہ حقائق آگاہ معارف دست گاہ حضرت میان ملوك شاه وہاں سے گذرے۔ چونکہ وہ اہل دل اور صاحب طریقت تھے، اس لیے وہاں پہنچتے ہی انھیں امامین کریمین کے جمال جہان آرا کے جلوے اور انوار دیکھنے میں آئے۔ انھوں نے پتھر کی ایک دیوار تعمیر کر کے اس مقام کو نمایاں کیا۔ جب تک زندہ رہے اس مقام کو جھاڑو سے صاف کرتے اور اس کی نگہبانی کرتے رہے۔ یہ پہلی حد بندی اور پہلی دیوار تھی، جو جلوہ گاہ کے چاروں طرف تعمیر کی گئی۔
نواب سیف اللہ:

انھوں نے اپنی صوبے داری کے دور میں میان ملوك شاه کی بنائی ہوئی دیوار مسمار کر کے ۱۱۴۰ھ میں ایک پختہ دیوار تعمیر کروائی۔ اس کے بعد مختلف اوقات میں مختلف مخیر حضرات اس اراضی پر تعمیرات کرتے رہے۔ شمال مغربی کونے میں چبوترے پر ایک چہار دیواری کے اوپر ایک گنبد تعمیر کیا گیا ہے۔ دراصل یہی وہ مخصوص مقام ہے، جس کو جلوہ گاہ کہا جاتا ہے۔ یہ عمارت میان نور محمد کلہوڑہ نے تعمیر کروائی۔ اسی طرح تالپور دور میں بھی اس اراضی میں کچھ رد و بدل کیا گیا اور اس کے بعد بھی ہر دور میں اس کی درستی اور مرمت ہوتی رہی۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک صحیح سلامت ہے۔

احاطے میں داخل ہونے کے لیے شمال کی جانب مشرقی کونے میں ایک چھوٹا لکڑی کا دروازہ ہے، اسی دروازے کے اوپر مندرجہ ذیل کتبہ پتھر کی چھوٹی تختی پر معمولی خط میں کندہ ہے:

ان الله وملائكته يصلون على النبي
يا ايها الذين امنوا صلوا عليه وسلموا تسليما .

۱۱۴۰ھ

قدم شریف:

پہلا صحن عبور کر کے جنوبی دیوار سے جب باہر آئیں گے تو ایک ستون نظر آئے گا۔ اس کے اوپر ایک پتھر نصب ہے، جس پر انسان کے

پہروں دو نشانات دیکھنے میں آتے ہیں۔ روایت ہے کہ یہ قدم مبارک حضور اکرمؐ کے ہیں۔ ایک اور روایت کے مطابق یہ قدم حضرت علیؑ کے ہیں۔ نواب سیف اللہ کی قبر:

ٹھٹھ کے صوبے دار نواب سیف اللہ (۱۱۳۷-۱۱۴۲ھ) کو شیعہ ہونے کے سبب جلوہ گاہ امامین کی اراضی سے خاص عقیدت تھی، چنانچہ وفات کے بعد ان کی وصیت کے مطابق انہیں جلوہ گاہ کے جوار میں دفن کیا گیا۔ ان کی قبر جلوہ گاہ کی مشرقی دیوار سے متصل ایک چہار دیواری کے اندر ہے۔ یہ قبر ایک چبوتی پر پتھر کی بنی ہوئی ہے۔ ان کی وفات کی تاریخ مولوی اسد اللہ ولد ملک بر خوردار خان نے کہی، جو قبر پر مولوی مذکور کے خط میں کندہ ہے:

دست وی با دامن آلِ عباست ۱۱۴۲ھ (۳۱)

قبر مسمار ہو گئی ہے۔ اس قبر کے آس پاس احاطے کے اندر دوسری قبریں بھی ہیں، جن پر کوئی کتبہ نہیں۔ یہ سب قبریں نواب مذکور کے صاحب زادوں اور خاندان کی ہیں۔ ٹھٹھ میں قیام کے دوران ان کے دونوں صاحبزادے صادق علی خان اور تقی خان عاشق بھی تھے۔ صادق علی خان مغل حکمرانوں کی طرف سے ٹھٹھ کا آخری صوبے دار تھا۔ (۱۱۴۹-۱۱۵۰ھ) اس کے زمانے میں میان نور محمد کلہوڑہ نے ٹھٹھ کا یہ علاقہ مغل حکومت سے اجارے پر لے کر سندھ کو مرکز سے آزاد کروایا۔ ٹھٹھ کے مشہور فارسی گو شاعر محسن ٹھٹھوی اس خاندان کے ممدوح تھے۔ انہوں نے مثنوی طراز دانش محمد صادق خان کے کہنے پر (۱۱۴۹ھ) میں تصنیف کی۔ محسن نے نواب کے دونوں صاحبزادوں کے متعلق متعدد قطعات اور قائد منظوم کیے ہیں، جو ان کی مطبوعہ دیوان میں موجود ہیں۔ محمد تقی کے متعلق مندرجہ ذیل قصائد ہیں۔ محمد تقی نواب مہابت خان کے بعد ٹھٹھ کے نواب مقرر ہوئے تھے:

(۱) بہار آمد و گلہا بہ چہرہ آرای

خبر دھید بہ ہر عندلیب سودایی

(قصیدہ ص ۳۰۹)

(۲) زلفِ بادِ شمال و ز فیضِ ابر بہار
زمانہ عطرِ فشان و زمینِ زمرِ کار

(قصیدہ ص ۳۶۱)

(۳) ز بس جوشِ زد لشکرِ برشکال
شدہ رستمِ عرصہٗ چرخِ زال

(قصیدہ ص ۳۶۳)

(۴) ای نجمِ دولتِ تو بر اوجِ کمالِ باد
نعلِ سیمِ سمندِ تو جرمِ ہلالِ باد

(قصیدہ ص ۳۶۴)

(۵) ۱۱۵۴ھ میں تقی محمد خان نے شیعی عقائد پر ایک کتاب تصنیف کی تھی، جس کا محسن نے تاریخی قطعہ کہا۔ وہ تاریخی شعر یہ ہے:

گفت ہاتفِ بسالِ تاریخش
چمنِ دینِ ہشت و چارِ امام

(قطعہ ص ۳۶۸)

(۶) محمد تقی خان (۱۱۵۰ھ) ہالا گئے، محسن نے یہ تاریخ منظوم کی:

بی سالِ این گلِ ز ہاتفِ شگفت
بگلگشتِ ہالہ رسید او جو ماہ

(قطعہ ص ۳۷۷)

(۷) اس سے پہلے (۱۱۳۹ھ) میں گئے، قطعے کا تاریخی شعر یہ ہے:

از مردمِ دیدہ می شنیدم
ای صاحبِ ما بخیرِ مقدم

(قطعہ ص ۳۷۸)

(۸) تقی محمد خان نے ٹھٹھہ میں (۱۱۵۷ھ) ایک عمارت تعمیر کروائی۔ محسن نے یہ قطعہ کہا:

بتاریخِ سالش گھرِ سنجِ کلک
عجب جایِ عشرتِ فزایی نوشت

(قطعہ ص ۳۷۸)

(۹) غالباً میرزا صاحب کے کلام کا انتخاب تقی محمد خان کی فرمائش پر ۱۱۵۱ھ میں تیار ہوا۔ محسن نے یہ تاریخی قطعہ کہا:

گفت ہائے بسال اتماش
'در معنی خزائنہ صائب'

(قطعہ ۴۷۹)

(۱۰) اسی تقی محمد خان نے دوسری عمارت (۱۱۵۱ھ) تعمیر کروائی، محسن نے یہ تاریخی قطعہ کہا:

یہ تاریخ و بھرِ تہنیت، دل
بعشرت گفت: دولت خانہ دائم

(قطعہ ۴۸۱)

(۱۱) تقی محمد خان کہیں جانے کے لیے تیار ہوئے، محسن نے ساتھ جانے کی استدعا میں یہ قطعہ منظوم کیا:

تمام عمر ندانم کہ نیل گاؤ سپہر
بوفی خواہش من ساعتی کند دوران

(۱۲) تقی محمد خان کی مدح میں محسن نے ایک رباعی کہی:

تا پرتو مہرِ عالم افروز بود
آغاز بہارِ عیدِ نو روز بود
گلزارِ نشاط از تقی محمد خان
سر سبز تر از طالع فیروز بود

(رباعی ۴۹۳)

مقالات میں درج ہے کہ تقی محمد خان ٹھٹھہ میں فوت ہوئے اور اپنے باپ کے پہلو میں دفن ہوئے۔ مقالات میں ان کا نمونہ کلام موجود ہے۔ (۵۳۸۸)

محسن نے صادق علی خان کی مدح سرائی بھی اسی طرح کی ہے۔ ایک قصیدہ کا مطلع ہے:

(۱) سحر کہ دارایِ ہفت کشور بہ تخت فیروزگون بر آمد
چونخل موسی سپاہِ ظلمت بتاب تیغش ز پا در آمد

(قصیدہ ص ۳۵۹)

صادق علی خان کی مدح میں ۳۲ اشعار پر مشتمل ایک مثنوی
(۱۱۵۰) منظوم کی، جس کا مطلع ہے:

(۲) مطلع دیوان کتاب کریم
بسم اللہ الرحمن الرحیم

(مثنوی ۴۶۱)

اس مثنوی میں کچھ تاریخی واقعات کی طرف اشارے ملتے ہیں۔
بدین میں صادق علی خان کو فتح (۱۱۵۰) حاصل ہوئی۔ محسن نے یہ
قطعہ کہا:

(۳) چو از تیغ نواب صادق علی خان
گلِ فتح از باغِ نصرت شگفت
آخر میں یہ تاریخی شعر ہے:

ز ہاتف شنیدم بتاریخ سال
کہ: انا فتحنا لك الفتح - گفت

(قطعہ ص ۴۶۹)

ان کے صاحبزادوں کے ختنے (۱۱۵۱) میں ہوئے۔ محسن نے یہ
تاریخی قطعہ کہا:

(۴) بہ ہر سو ز ہاتف ہمین حرف بود
بدین محمد زہی سنت است

(قطعہ ص ۴۶۹)

تہنیت میں ایک رباعی ہے:

(۵) ای نامِ نامدار تو، چون صبح صادق است
زان ہر سبہ گلیم گریزد ز صولت
بہر بحالیت خرد این تہنیت بگفت:
اقبال باد زیب گلِ صبح دولت

(رباعی ص ۴۸۷)

صادق علی خان تاجن مندری کے محاذ پر روانہ ہوئے۔ محسن ان کے
ہمراہ تھے۔ پہلی منزل پر یہ رباعی کہی:

(۶) این منزل اول تو مانند هلال
از بدر نشان دهد به ارباب کمال
یعنی کہ، بہر مرحلہ انوار فتوح
بر چہرہ دولتت فزاید اقبال

(رباعی ص ۴۹۱)

اسی منزل پر ایک دوسری رباعی کہی:

(۷) ای در سفرت ظفر باقبال قرین
با تست رفیق مالک یوم الدین
این منزل اولت مبارک بادا
بالحق نبی و آلہ المعصومین

(رباعی ص ۴۹۱)

غالباً صادق علی خان کی مدح میں یہ رباعی منظوم کی:

(۸) تا هست بلب لفظ و بدل معنی بکر
تا هست زبان را بدہان قوت ذکر
ہر وقت و بہر مقام و ہر حال کہ هست
'محسن' ز مدیح تونبندر لب فکر

(رباعی ص ۴۹۱)

مدح سرائی کرتے ہوئے ایک رباعی میں انھوں نے ان کے صاحبزادوں

کے طرف اشارہ کیا ہے:

(۹) ای جوہر آبروی سیف الہی
وی زیب دہ مسند والا جاہی
رخسارہ شویم خصم جاہت بادا
از جذبہ کهربای تیغت کاہی

(رباعی ص ۴۹۵)

یہ رباعی بھی غالباً صادق علی خان کی مدح میں ہے:

(۱۰) تا کعبہ حق قبلہ عالم باشد
و ز سجدہ او جبہ مکرم باشد

بر درگہ اقبال پناہ تو مدام
پشتِ فلک و گردنِ مہ خم باشد

(رباعی ص ۴۹۵)

مسجد اور تالاب:

مشرق کی جانب ایک چھوٹی سی مسجد ہے اور اسی سے متصل
ایک تالاب کے آثار ہیں۔ مسجد زیوں ہوچکی ہے اور تالاب بھی باقی نہیں
رہا۔ تالاب کی مرمت ۱۲۱۱ھ میں سید ابراہیم شاہ ٹھٹوی نے کروائی تھی۔
جس کا قطعہ تاریخ میر مائل ٹھٹوی نے منظوم کیا:

بہ مکی این گزین تالابِ خوش آب
کہ آبش در صفا چون مہر و ماہ است
برایِ خرج درگاہِ امامین
نشانِ سید ابراہیم شاہ است
خرد تاریخ تعمیرش چنین گفت
کہ این تالاب وقفِ جلوہ گاہ ست
۱۲۱۱ھ

قبرستان:

غالباً نواب سیف اللہ کی تدفین کے بعد احاطے کی بیرونی زمین
کو اہل تشیع نے اپنا قبرستان بنایا۔ اسی قبرستان میں شیعی حضرات کی
سیکڑوں قبریں موجود ہیں۔ کتبات سے معلوم ہوتا ہے کہ کئی نامی
گرامی لوگ اس بستی میں محو خواب ہیں۔

عاشق صفابہانی:

ایران کے مشہور شاعر آقا محمد کریم صفابہانی جو عاشق
تخلص کرتے تھے اور بڑا عرصہ ٹھٹہ میں مقیم رہے، وہ وہیں مدفون ہوئے۔
ان کی قبر صدر دروازے سے کچھ نزدیک مشرق کی جانب ایک چبوترے
پر ہے۔ دیگر تین قبریں بھی اسی چبوترے پر ہیں، جو غالباً ان کے اعزاء کی
ہوں گی۔ مزار کے بالیں ایک بڑے پتھر پر ایک کتبہ کندہ ہے، جس کا
تاریخی شعر کچھ یوں ہے:

بتاریخ ہر سو شنید این ندا
مکانِ یافتہ در جوارِ حسین

محسن ٹھٹوی نے محک کمال، ان کی تحریک پر مرتب کی تھی۔ (۳۲)

(۱۴) میکرا

میر قانع نے مکلی نامہ میں لکھا ہے:

میکرا چیست؟ قطعہ ای ز بهشت
ارض پاکش، همه عبیر سرشت
پاک تر از قلوب اهل الله
صاف تر از سرشت اهل صفا
خندہ حور، جلوہ آبش
اشک عشاق، خالک سیرابش

انہوں نے نثر میں الفاظ کی بندش اور عبارت آرائی کا زور اس طرح دکھایا ہے:

”میکرا نام زمینی ست مطرا و اسم ارضی ست فرح افزا، کہ
سبزہ اش با سبزہ عذارِ مہ رویان ہمرنگ، و بر فضایش فضائی
گلشنِ خصرای سما صد پیرہن تنگ، غباری کہ از آن زمین
خیزد، رنگ طاؤس نماید. و شراری کہ از سنگھایش انگیزد،
بگونهٔ سند روسی باشد. حضرت آسمان رشحہ ای از تراوش
رنگھا او و کانِ زمرّد عکسِ آئینۂ ہر سنگ او.“

یہ میکرا نامی جھیل مکلی کے جنوب میں عید گاہ سے ایک میل
جنوب کی طرف ہے۔ جس دور کا نقشہ میر قانع نے پیش کیا ہے، اس وقت
واقعی اس جھیل کا نظارہ بہشت بریں معلوم ہوتا تھا، لیکن اس وقت
ویرانہ ہی ویرانہ ہے۔

اس وقت جھیل کے جو آثار موجود ہیں، اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ
پیر عالی کے قبرستان کے شمال سے شروع ہو کر مشرق کی جانب چل کر
جنوب میں کلان کوٹ کے چشمے میں شامل ہوتی ہے۔ اس کی لمبائی
تقریباً چار میل ہوگی۔ جھیل کا عرض کہیں کم، کہیں زیادہ، زیادہ سے
زیادہ آدھا میل ہے۔

مکلی نامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پہاڑی نہ صرف قبرستان کے لیے مختص تھی، بلکہ ٹھٹھ اور گرد و نواح کے لوگوں کے لیے ایک عظیم تفریح گاہ بھی تھی۔ جگہ جگہ چشمے، سبزہ، باغات، رنگا رنگ پھولوں کی خوش بو اور گھنے درختوں کا سایہ ماحول کو مزید دل فریب بناتا تھا۔ میلے، ساز و سرود کی محفلیں، لوگ بہت ملیح، خوش حال، ان کی فطرت حسن پسند اور طبع لطیف اور نازک، سیر و تفریح کے دل دادہ، سبزہ اور باغات کے شائق، ٹھٹھ کا سدا گلاب اور موتیا نہ صرف اپنے وطن میں بلکہ بیرون ملک بھی مشہور تھا۔ مکلی نامہ میں جہاں کہیں چشمہ، سبزہ اور سایہ دار درختوں کا ذکر آتا ہے تو عبارت میں از خود حسن و نزاکت پیدا ہو جاتی ہے۔ اہل ٹھٹھ کے حسن تخیل اور رنگینی فکر پر یہ چیز دلالت کرتی ہے۔ تغلق آباد کے تالاب نارن سر، بھرا سر اور کھیر سر کے چشمے، اگھور کا تالاب، سہسہ لنگ کی جھیل غرض ایسے مقامات کا ذکر کرتے ہوئے میر قانع کا دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔ یہ فقط شاعری نہیں، میر قانع کے حسن طبع اور دل فریب مناظر کے امتزاج نے ان کے قلم کو جولانی عطا کی اور اس طرح عبارت میں گونا گونی اور رنگینی پیدا ہوئی۔

میکرا کے کناروں پر سایہ دار درختوں کی قطاریں ہوتی تھیں۔ آس پاس سبزہ۔ کنارے سر سبز و شاداب، پانی کے اندر ہری گھاس تاحد نظر بہشت کا منظر پیش کرتے تھے۔ میر قانع نے ان کناروں کے سایہ دار درختوں کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ:

درختانش بہ گردون سرکشیدہ بہ آزادی ازین دنیا رمیدہ
 فروزان برگ برگش از تجلی مکانی حیرت ارواح قدسی
 بہ سایہ ظل رحمانی کشیدہ بہ رفعت سدرہ را دامن دریدہ
 سبزہ زار کی توصیف کچھ یوں کی ہے:

”اسمی کہ مسمیٰ از و جلوہ دہد، ہمین است: زیرا کہ سبزہ
 اش آمیختہ مای معین است. ارض ختن گرد بوی او و خالک
 تبت بہ طینت بھرہ یاب ازوا خارش بہ بویابی رشک گل، و
 خاشاکش آتش زنہ آشیانہ بلبل.“

(۱۵) پیر عالی

احوال: حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی کی اولاد میں سے تھے۔ ترخانی عہد (۹۶۲-۱۰۰۰ھ) میں سیر سفر کرتے ٹھٹھ پہنچے۔ تحفۃ الکرام کی روایت ہے کہ وہ سید علی ثانی شیرازی کے باغ میں ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ شام کو مالی رہٹ میں چلنے والے بیل حسب معمول اپنے گھر لے گئے، لیکن پیر عالی کی کرامت کے سبب ساری رات رہٹ چلتا رہا اور باغ سیراب ہو گیا۔ صبح کو مالی نے دیکھا کہ سارا باغ سیراب ہو چکا ہے۔

یہ حقیقت جب سید علی (م ۸۹۱ھ) تک پہنچی تو وہ سمجھ گئے اور پیر عالی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور پرکھا اور خاصی دیر تک گفتگو کرتے رہے۔

اس کے بعد پیر عالی مستقل طور ٹھٹھ میں قیام پذیر ہوئے۔ شادی کی اور چار فرزند ہوئے۔

ابو محمد، صالح محمد معروف بہ فاضل محمد، ولی محمد اور محمد فاضل۔ پہلے تین باپ کی زندگی میں ہی انتقال کر گئے، چوتھے صاحبزادے محمد فاضل باپ کے انتقال کے بعد مسند نشین ہوئے اور اپنے والد کی طرح کامل اور اکمل ہوئے۔ اس بزرگ نے سید علی کے صاحبزادے سید جلال سے اسی طرح پیار و محبت کا سلسلہ قائم رکھا، جس طرح ان کے اجداد کے آپس میں روابط تھے۔

سید علی کا انتقال ۹۸۱ھ میں ہوا۔ ترخان دور ۹۶۲ھ سے شروع ہوتا ہے۔ ظاہر ہے پیر عالی کئی برس سید علی کی وفات سے پہلے آئے ہوں گے۔ ممکن ہے کہ وہ میرزا عیسیٰ کے ابتدائی دور میں آئے ہوں۔ (۶۲-۹۷۳ھ)

یہ بات وثوق سے نہیں کہی جاسکتی کہ پیر عالی نے کس سن میں وفات پائی۔ ایک خطی بیاض میں ان کے وصال کا سنہ ۹۹۸ھ درج ہے، جو ترخان دور کے آخری ایام کا تھا۔ میرزا جانی بیگ اس وقت حکمران تھے اور ایک سال کے بعد یعنی ۹۹۹ھ میں ہندوستانی غنیم سندھ پر حملہ آور ہوئے۔

قبرستان:

مکلی میں جس جگہ ان کی قبر ہے، اسی مقام پر ان کی عبادت اور ریاضت کا آستانہ تھا۔ اس وقت قبرستان ویرانی کا منظر پیش کر رہا ہے۔ راقم الحروف نے ۲۴ جنوری ۱۹۶۲ء کو اس قبرستان کا جائزہ لیا تھا۔

یہ قبرستان مکلی کے جنوبی حصے میں ہے۔ عید گاہ سے ایک میل مغرب کی جانب آئیں گے تو پہلے میکرا جھیل کا نشیبی حصہ نظر آئے گا عبور کر کے جب اوپر آئیں گے تو میکرا جھیل کے کنارے سے مغرب کی جانب قبرستان ہے۔

میکرا جھیل قبرستان کے شمال سے شروع ہو کر مشرق سے ہوتے ہوئے جنوب میں جا کر کلاں کوٹ کی جھیل سے ملتی ہے۔

قبرستان کی اراضی دو حصوں میں منقسم ہے۔ جنوب سے داخل ہوں گے تو پہلا حصہ آئے گا، جس میں مسافروں اور زائرین کے لیے کچی عمارتیں برآمدے کی طرز پر بنی ہوئی ہیں۔ درمیان میں کشادہ صحن ہے اور ایک درخت کے نیچے پانی کے مٹکے رکھے ہوئے ہیں۔

مشرقی اور مغربی برآمدوں کو درمیان کی ایک تاریک گلی ایک دوسرے سے جدا کرتی ہے۔ اس گلی سے دوسرے حصے میں داخل ہوں گے، وہی قبرستان کا حصہ ہے۔

پیر عالی کا مزار:

جیسے ہی اس گلی سے باہر آئیں گے، تو سامنے ایک کچی چبوترے پر کئی قبروں کے درمیان پیر عالی کی قبر نمایاں نظر آئے گی۔ جو کچی ہے، لیکن پختہ اینٹوں اور پتھر کے ٹکڑوں سے ڈھکی ہوئی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ پیر صاحب نے چونکہ کچی قبر بنانے کی وصیت کی تھی، اس لیے اس قبرستان کی ساری قبریں کچی ہیں اور اسی طرح چبوترہ بھی کچا ہے۔

دیگر قبریں:

اسی مرکزی چبوترے پر پیر صاحب کے مزار سے متصل مغرب کی جانب آٹھ قبریں ہیں اور مشرق میں دو قبریں ہیں۔ گمان غالب ہے کہ یہ یہ قبریں پیر صاحب کے صاحبزادوں اور ان کی اولاد کی ہوں گی۔ اسی

چبوترے سے متصل مغرب کی جانب دوسرا چھوٹا چبوترہ ہے، جس پر تین قبریں ہیں۔ ان سب قبروں کی صورت حال وہی ہے، یعنی کچی قبروں پر پختہ اینٹوں اور پتھر کے ٹکڑے پڑے ہوئے ہیں۔ وہ دونوں چبوترے کچی ہیں۔ انہیں پتھر کا سہارا دے کر مٹی سے بھرا گیا ہے۔

چھوٹے چبوترے کے مقابل شمالی دیوار سے متصل، قبروں کی دو قطاریں ہیں۔ پہلی قطار میں چھ قبریں اور دیوار سے متصل قطار میں آٹھ قبریں ہیں۔ مشرقی دیوار کے ساتھ مستورات کی قبریں ہیں۔

قبرستان کے احاطے کی دیوار تینوں اطراف یعنی مغرب، شمال اور مشرق کی جانب سے اینٹوں اور پتھروں کو ایک دوسرے کے اوپر رکھ کر تعمیر کی گئی ہے۔ جو تقریباً تین فوٹ اونچی ہے۔

مسجد:

مستورات کی قبروں کے نزدیک شمالی دیوار سے متصل اور مشرقی دیوار سے تیس فوٹ کے فاصلے پر ایک چھوٹی سی کچی مسجد ہے، مسجد کے اندر مشرقی اور شمالی دیوار کے کونے پر، شمالی دیوار کے اندر ایک جگہ بنی ہوئی ہے، جس کے اندر دیا جلتا ہے اور کچھ خاک بھی پڑی ہوئی ہے۔

محفل سماع کا طریقہ:

راقم الحروف کو بتایا گیا کہ میلے کے موقع پر یا ہر جمعہ کی رات کو محفل سماع شروع ہونے سے پہلے، ایک فقیر مسجد میں داخل ہو کر اسی دیے کی خاک اپنے منہ میں ڈال کر دوڑتا ہوا جیسے ہی محفل میں پہنچے گا، محفل سماع شروع ہو جائے گی۔ یہ ایک رسم ہے۔ جب تک وہ ادا نہیں کی جائے گی، محفل سماع شروع نہ ہوگی۔ یہ معلوم نہ ہوسکا کہ کیوں ایسا کیا جاتا ہے، آخر اس کے کیا اسباب ہیں۔

شاہ لاکھو:

شمال مشرقی دیوار کے کونے میں مسجد کے مقابل، مشرقی دیوار سے باہر شاہ لاکھو (۳۳) کی قبر ہے، جو کچی ہے اور جھاڑیوں میں چھپی ہوئی ہے۔ یہ بزرگ ولی اللہ تھے، ان کی قبر دیوار سے دس فوٹ کے فاصلے پر ہے۔

انگریز کی قبر:

قبرستان سے متصل جنوب مشرقی کونے پر ایک انگریز سپاہی کی قبر ہے۔ جو پتھر کی بنا ہوئی ہے۔ کتبے پر انگریزی میں یہ تحریر ہے:

MR MADROD

REGIMENT OFFICER

گل غیب یا کھنڈ سر:

پیر کے قبرستان کے جنوب میں پچاس فوٹ کے فاصلے پر ایک چھوٹی گہری کھاسی درختوں کے جھنڈ میں چھپی ہوئی ہے۔ اس کھاسی کو 'گل غیب کا تالاب' کہا جاتا ہے۔ یہ تالاب اس وقت خشک ہے۔ کسی زمانے میں پانی سے بھرا رہتا تھا۔ اس کھائی سے دور کلاں کوٹ کی جھیل کا نشیب دکھائی دیتا ہے۔ ہمارے خیال میں یہ گل غیب کا تالاب نہیں ہے، بلکہ یہ وہی کنواں ہے، جس کو مکلی نامہ میں کند سر بیان کیا گیا ہے۔

”نوش زائران و برای خرج مجاوران آنجا چاہی است، از زمزم متبرک تر و از چشمه عیون اہل صفا انور، بس کہ ہم چاشنی شکر است، در عرف نامش کند سر است۔“

میلہ اور محفل سماع:

قبرستان اگرچہ ویران ہے، لیکن شیخ عالی کے عقیدت مند آج تک ہر مہینے جمع کی شب سیکڑوں کی تعداد میں ہوتے ہیں۔ ساری رات محفل سماع جاری رہتی ہے، صبح سویرے ہر کوئی اپنی راہ لیتا ہے، یہ رسم و رواج برسوں سے چلا آرہا ہے۔ ممکن ہے اب عقیدت مندوں کا اتنا ہجوم نہ ہو، تاہم اس رسم کا قائم رہنا بھی تعجب انگیز ہے۔

(۱۶) طغرل آباد

جائے وقوع:

یہ شہر اور قلعہ، مکلی کے جنوبی سرے پر ہے اور مکلی کے سرکاری بنگلے سے تقریباً سات میل کے فاصلے پر ہوگا۔ غلام اللہ جانے والی سڑک سے جب کلاں کوٹ جائیں گے تو چھ میل مسافت طے کرنے کے بعد کلاں کوٹ کے کھنڈرات نظر آئیں گے۔

یہ قلعہ یا شہر قدیم دور کا ہے، جس کو بعد میں مختلف ادوار میں مختلف حکمران اور امراء تعمیر کرتے رہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں اس کے نام بھی بدلتے رہے۔ مثلاً کلان کوٹ، کلیان کوٹ، کلان کوٹ، طغلق آباد اور طغرل آباد۔ تقریباً دو سو برسوں سے قلعہ اور شہر مسمار ہوتے ہوئے، آج کل کھنڈرات کی شکل میں موجود ہیں۔ نہ شہر سلامت رہا اور نہ قلعہ قائم رہا۔ اسی طرح کوئی تعمیر باقی نہیں رہی۔

کلا کوٹ:

میر علی شیر کی روایت کے مطابق یہ شہر کلا راجا (?) نے تعمیر کروایا تھا اور ان کے نام کی مناسبت سے کلا کوٹ مشہور ہوا۔ مؤلف موصوف نے ایک دیومالائی قصہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: اس قلعے میں ایک سانپ رہتا تھا، جس کا سر کلان کوٹ میں اور دم ہندوستان میں ہوتی تھی۔ جب تک اسی کا سر کلان کوٹ میں تھا، تب تک ہندوستان سندھ کا باج گذر اور محکوم (?) رہا اور پھر جب اس سانپ کا سر ہندوستان کی طرف اور دم کلان کوٹ کی طرف ہو گئی، اس دن سے سندھ غیروں کے ماتحت رہنے لگا۔

کلیان کوٹ:

میرزا قليچ بیگ نے بھی ایک ایسی ہی دیومالائی کہانی لکھی ہے۔ بقول ان کے اس شہر کا نام کلیان کوٹ تھا یعنی آرام گاہ، امن و آرام اور راحت کی جگہ۔ میرزا مرحوم نے مزید لکھا ہے کہ یہ قلعہ سہون کے قلعے کی طرح قدیم ہے اور سکندر اعظم کے دور میں بھی موجود تھا۔ انہوں نے لکھا ہے کہ ستر اسی برس پہلے اس قلعے کی کھدائی کرتے ہوئے جلی ہوئی گندم ہاتھ آئی تھی، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شہر آگ لگنے سے تباہ و برباد ہو گیا۔

تغلق آباد:

ایک روایت کے مطابق سندھ کے سوسرہ حکمرانوں کا دار الخلافہ 'محمد طور' جب تباہ ہوا تو کچھ عرصے کے لیے اس شہر کو دارالحکومت بنایا گیا۔

سما دور میں شہر شاید کچھ ویران ہو گیا تھا، یہی وجہ ہے کہ سما حکمران جام تغلق نے اس کی نئے سرے سے مرمت کروائی۔ شاندار عمارات تعمیر کروا کر اس شہر کو پر رونق بنایا۔ سومرہ دور میں اس کا نام کیا تھا؟ وہی نام قائم تھا یا تبدیل ہوا؟ اسی سے متعلق کچھ معلوم نہیں، لیکن جام تغلق کی مرمت کے بعد شہر کو تغلق آباد کہا گیا۔ (۳۴) کلان کوٹ:

اس قلعے کو کلان کوٹ بھی کہا جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی مستقل نام نہیں ہے، بلکہ کلا کوٹ (قلعہ) یا کلیاں کوٹ (قلعہ) کے نام کا اسلامی بگاڑ ہے۔ کلان کوٹ یعنی بڑا قلعہ۔ میر قانع نے مکلی نامہ میں لکھا ہے: ”در عرف کلام کوت اش گویند و بی غایله ریب آن چنانکہ محسوس است در اعتلایش بر سایر کوتہا حرفی نیست۔“ (۳۵) طغرل آباد:

اسی قلعے کا ایک نام طغرل آباد بھی ہے اور میر قانع نے اسی دوسرے نام سے مکلی نامہ میں اس کا ذکر کیا ہے۔ ان کا ایک شعر ہے: نظارہ ہا شیدا بود، دل را سر سودا بود قانع تمنا ہا بود، مر سیر طغرلباد را کہا جاتا ہے کہ مغلیہ دور کے ایک امیر طغرل بیگ (متوفی ۱۱۹۵ھ) نے اس قلعے کی مرمت کروائی، جس کے بعد اس کا نام تبدیل ہو کر طغرل آباد ہو گیا۔ ارغون دور:

معلوم ہوتا ہے کہ ارغون دور (۲۷-۹۶۲ھ) یا ترخان دور (۶۲-۱۰۰۰ھ) میں تغلق آباد کا قلعہ مضبوط تھا، شہر آباد تھا اور ٹھٹھ کے قریب ہونے کے سبب حکومت کا دوسرا مرکزی اور حفاظتی نقطہ نگاہ سے محفوظ اور مضبوط شہر سمجھا جاتا تھا۔ بوقت ضرورت حکمران اس قلعے میں قیام پذیر ہوتے تھے ’جنگ کے زمانے میں اپنے اہل خانہ کے لوگ، اہم اور نازک سامان اس طرف منتقل کیا جاتا تھا۔ سندھ کے آخری آزاد سلطان جام فیروز سما اور شاہ حسن ارغون

کے درمیان آخری اور فیصلہ کن جنگ چاچکان اور داہمون کی طرف ہوئی، جس میں طرفین کے بیس ہزار سپاہی مارے گئے اور جام فیروز شکست کھا کر ہمیشہ کے لیے اپنا وطن چھوڑ کر گجرات چلا گیا۔ اس جنگ کے بعد شاہ حسن تغلق آباد میں قیام پذیر ہوئے۔ قلعہ محفوظ تھا۔ انھیں پھر بھی جام فیروز سے خطرہ تھا، اس لیے وہیں بیٹھ کر حکومت کا کاروبار چلانے لگے۔ گجرات کے نامساعد حالات کے سبب چھ مہینے کے عرصے میں فیروز وہاں سے کوئی مدد لے کر حملہ آور نہ ہوسکا، تو پھر شاہ حسن مطمئن ہو کر انتظام کی خاطر وہاں سے بکھر روانہ ہوا۔ (۳۶)

آخری دور میں شاہ حسن کے ارغونوں اور ترخانوں سے سخت اختلافات پیدا ہوئے۔ ارغونوں اور ترخانوں نے شاہ حسن کو بیمار اور معذور تصور کر کے ان سے ملکی انتظام چھیننا چاہا۔ اس لیے مجبور ہو کر وہ مقامی لوگوں پر اعتماد کر کے انھیں اپنی پشت پناہی میں لانا چاہتے تھے۔ ان کے اس عمل پر مؤرخین نے سخت تنقید کی ہے۔ مقامی لوگوں کو ذلیل اور کمینہ سمجھ کر اس قسم کی عبارات تحریر کی ہیں:

”اکثر مردم اوباش و ارزال و اجلاف بہ محرمیت و قرب او اختصاص

یافتند۔ کار مردم اوباش روز بروز در ترقی بود، و ازین سمر مردم ارغون و

ترخان ملتی حیرت زدہ در تہ مغوم می بودند۔“ (۳۷)

غلامانہ ذہن کے تصورات ہمیشہ اس قسم کے ہوتے ہیں، باہر کے لوگوں کو بالاتر اور مقامی باشندوں کو نا اہل، ارزل اور بے کار سمجھا جاتا ہے۔ عہدے اور فائدے باہر کے لوگوں کا حق سمجھا جاتا ہے اور مقامی لوگوں کے لیے غلامی کی خواری و خجالت میں رہنا مناسب تصور کیا جاتا ہے۔

بہر حال شاہ حسن ارغون نے اپنے قبیلے یا ترخانوں اور مغلوں کے مقابلے میں، جب ٹھٹھ کی صوبے داری کا سوال اٹھا تو انھوں نے ایک مقامی آدمی عربی گاہا کو منتخب کیا اور حکومت کا دوسرا کاروبار چلانے کے لیے اسماعیل بُہرا کو مقرر کرنے کے بعد خود اپنے علاج معالجے میں مصروف ہو گیا۔ عربی گاہا کو تو میرزا نے نہ صرف نیابت عطا کی، بلکہ اُسے اپنا جانشین مقرر کر کے تغلق آباد میں قیام پذیر ہو کر کاروبار مملکت چلانے کا حکم دیا۔ چنانچہ قتل ہونے (۱ محرم ۹۶۱ھ) تک عربی

گاہا تغلق آباد میں شاہ حسن کی نیابت میں کاروبار چلاتا رہا۔
ترخانی دور:

تغلق آباد کا قلعہ ترخانی دور میں بھی سابقہ اہمیت کے ساتھ محکم اور قائم رہا۔ ۹۹۹ھ میں خان خانان ٹھٹھہ پر حملہ آور ہوا۔ میرزا جانی بیگ نے اپنا اور اپنے امراء کے اہل خانہ اور دوسرا ساز و سامان یعنی خزانہ اور اناج وغیرہ تغلق آباد روانہ کیا۔ ٹھٹھہ شہر کو دانستہ ویران کیا گیا، تاکہ دشمن اگر قبضہ کر لے تو اُسے کچھ حاصل نہ ہو۔ اس کے مقابلے میں تغلق آباد کو ہر لحاظ سے حفاظتی ضروریات سے آراستہ کیا گیا۔ قلعے کی مضبوطی اور دوسرے ساز و سامان کے متعلق ترخان نامہ میں یوں بیان کیا گیا ہے:

”از طرف قلعہ تغلق آباد خاطر جمع است... اہل قلعہ آذوقہ سے

چہار سالہ دارند و توپخانہ و آلات و ادوات حرب مکمل در

آنجاست۔“

یہ قلعہ ایسی جگہ پر واقع تھا کہ کہا جاتا ہے کہ دو کوس کے محاصرے تک کوئی بھی اس کے نزدیک نہیں آ سکتا تھا۔ بدو کروہی کسی نزدیک و دور آن قلعہ نمی تواند شد۔ (۳۸)

خان خانان نے اپنے لشکر کا آدھا حصہ ٹھٹھہ اور تغلق آباد کی تسخیر کے لیے روانہ کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر جانی بیگ کے اپنے آدمی نمک حرامی اور غدارۃ کر کے خان خانان سے نہ مل جاتے تو وہ نہ تغلق آباد کا قلعہ فتح کر سکتا اور نہ سندھ پر قبضہ کر سکتا۔ (۳۹) تغلق آباد تک دشمن کا لشکر ابھی پہنچا ہی نہ تھا کہ اس سے پہلے جانی بیگ اور خان خانان کی صلح ہو گئی۔

خان خانان اور جانی بیگ کے درمیان صلح ہونے کے بعد دونوں ایک ساتھ ٹھٹھہ پہنچے اور وہاں سے تغلق آباد کا قلعہ دیکھنے گئے اور پھر وہاں سے کشتی میں سوار ہو کر سمندر کے راستے منوڑہ پہنچے۔ (۴۰) خان خانان نے زندگی میں پہلی بار سمندر کی سیر کی تھی۔ اس زمانے میں لاہری بندر آباد تھا۔ وہ تغلق آباد سے لاہری بندر گئے، جہاں سے بیس کوس منوڑہ واقع ہے۔ ترخان نامہ کے مؤلف نے اسے موضع منہرہ لکھا ہے۔

مغلیہ دور: معلوم ہوتا ہے کہ یہ قلع اور نگزیب کے زمانے تک آباد تھا اور سرکاری استعمال میں آتا تھا۔ عمارات سلامت تھیں اور قلعہ بھی مضبوط تھا۔ عالمگیر کے دور کے ایک صوبے دار مرید خان ۱۱۰۱ھ میں ٹھٹھہ کی حکومت سے معزول ہوا۔ ہندوستان روانہ ہونے سے پہلے وہ کچھ عرصے قلعے میں قیام پزیر رہا اور قلعہ اور دوسری عمارات کی ضرورت کے مطابق مرمت بھی کروائی۔

قلعے کے متعلق ہمارے پاس یہ آخری اطلاع اطلاع ہے، اس کے بعد صرف اُس کی بربادی کے متعلق ذکر آیا ہے۔
قلعے کی بربادی:

تاریخی روایات کے تسلسل سے یہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ عالمگیر کی وفات کے بعد جیسے جیسے سندھ میں مغلیہ تسلط کا زوال شروع ہوا تو ٹھٹھہ کا مرکز بھی کمزور ہوتا گیا، اسی طرح تغلق آباد کی آبادی بھی ویران ہوتی گئی اور وہاں کی پوری آبادی شکست و ریخت کا شکار ہو گئی۔

۱۱۷۴ھ میں میر قانع نے جب مکلی نامہ تصنیف کی تو تغزل آباد کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملا دیے، یہاں تک کہ وہ لکھتے ہیں:

”خاکش بہ سیرابی بر کشمیر تفوق دارد و هوایش بہ شادابی
برابر مطیر سبقت می آرد۔ صبحش را سورہ والشمس تفسیر
و شبش را آیات نور تعبیر۔ ماہ از آنجا استکساب نور کند و
مہر آلائش تکرار از آن زمین دور نماید۔ شام غریبان را صبح
امید آنجا ہست و سحر شب بیداران را مہر ازان سو پیدا،
سبزہ زارش را آہوان چین جویان و مرغزارش را غزالان حرم
پویان...“

لیکن یہ ساری تعریف اور توصیف ویرانی کے عالم کی ہے۔ محلات
زیوں ہو چکے تھے۔ تالاب سوکھ گئے تھے اور قلعہ مختلف جگہوں سے
مسمار ہو گیا تھا۔ اس قلعے کی تعریف کرتے ہوئے قانع نے اپنے زور بیان کا
کمال دکھایا ہے۔ لکھتے ہیں:

”ہر چند اکنون از مدتہا آباد ظاہر ندارد، فاما در ایام باران
ہجوم خلق آن جا اقصی الغایت صورت می بندد۔ عمارات

مندرسہ قدیمہ اش نوربار، شکستہ ریختہ دیوارہایِ قلعہ اش
منبع انوار... سبحان اللہ! آن را کہ در خرابی چنین حال، حین
آبادی چه مثال داشته باشد. هر گاه کسی درو پا می نهد هوش
را اول بیرون در جا میدهد...”

میر قانع نے تحفة الکرام ۱۱۸۱ھ میں لکھی۔ اس کتاب میں بھی
انہوں نے لکھا ہے کہ قلعے کے محل ویران ہو چکے تھے اور تالابوں کے
کناروں پر جو عمارات تھیں، وہ زمین دوز ہیں۔ (۳۱)

قلعہ اور اس کی آبادی کیوں ویران ہوئے؟ اس کا کوئی سبب معلوم
نہیں اور نہ ہی کسی کتاب میں اس کے متعلق کوئی مواد ملتا ہے۔ میرزا
قلیچ بیگ کے مطابق یہ آبادی آگ لگنے کے سبب برباد ہوئی۔ لیکن
تعجب کی بات ہے کہ آگ لگنے سے اتنا مضبوط قلعہ اور شاندار عمارت
نیست و نابود ہو گئیں، جس کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔
تغلق آباد اور اہل اللہ:

یہ آبادی اور اس کا گرد و نواح ویران ہونے سے قبل اور ویران ہونے
کے بعد کئی اہل اللہ کا مسکن رہا ہے۔ مشہور مجذوب اور ولی اللہ میاں
لاکھویہاں کے تھے۔ وہ ویران قلعے کے اندر گرمی اور سردی میں جرم کی
لنگوٹی پہنے رہتے تھے۔ سید ابراہیم گودڑیہ بھی وہیں رہتے تھے۔ اور شاہ
جنید بھی وہیں کے رہنے والے تھے۔ جب ان کا انتقال ہوا تو وہیں مدفون
ہوئے۔ ملا داؤد درس بھی اس علاقے کے تھے اور وفات کے بعد ان کو دو تین
کوس دور دفن کیا گیا۔

موجودہ صورتحال:

راقم الحروف نے ۲۷ مئی ۱۹۵۶ء میں تغلق آباد کا مشاہدہ کیا۔
قلعے کے آثار موجود تھے جو وسیع اراضی پر بکھرے ہوئے تھے۔ قلعہ پختہ
دیوار کا بنا ہوا تھا۔ جگہ جگہ اینٹوں کے ڈھیر نظر آئے۔ قلعے کی دیوار اتنی
چوڑی تھی کہ اس کے اوپر بہ یک وقت چار بیل گاڑیاں چل سکتی تھیں۔
قلعے کے شمال اور مغرب میں پہاڑ نظر آتے ہیں۔ شمال کی جانب ایک وسیع
جھیل اور جنوب کی جانب دریا تھا، اس لیے یہ قلعہ بیرونی حملے سے محفوظ

تھا۔ اسی جھیل کو اکھور (?) کہا جاتا تھا، جیسے مکلی نامہ میں مذکور ہے: تالاب اکھور پائین کوہ طرف شمال آن قلع والا شکوہ است! قانع نے ایک لمبا قصیدہ اسی جھیل کی توصیف میں مضمون کیا ہے۔

قلعے کی اندرونی اراضی میں پختہ اینٹوں کے اتنے انبار پڑے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قلعے کے اندر کئی شان دار پختہ عمارات تھیں۔ بہت سے چوکور پختہ تالاب، شکستہ حالات میں اب بھی موجود ہیں۔ مکلی نامہ میں ان کی طرف یوں اشارہ کیا گیا ہے:

”تالابہای چندی اندرونش بطراوت آب و سبزہ خود فریب۔ تو گویی خشت پزانش پنجه خورشید را جای کالبد بکار بردند و سنگ تراشانش تیشہ ہلال را برای مشق نقش کنی آزمودند۔ گچ اش مصفا تر از طباشیر و سفیدہ اش از ماہتاب بیش تنویر۔“

جامع مسجد جس کے متعلق تحفة الکرام کے مصنف نے لکھا ہے کہ: یہ مسجد شاہجہانی مسجد سے ڈیڑھ گنا لمبی ہے۔ (۴۲) اس وقت اگرچہ شہید ہو چکی ہے، لیکن اُس کی دیواریں کسی حد تک اب بھی موجود ہیں۔ جن سے مسجد کی عظمت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ہمارے قیاس کے مطابق یہ مسجد ترخان عہد کی ہے اور ساخت کے لحاظ سے ٹھٹھہ کی دابگر مسجد کی طرح ہے۔ مسجد دو منزلہ ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اس کے تینوں اطراف گیلریاں تھیں اور کونوں پر اوپر چڑھنے کے لیے سیڑھیاں تھیں، مسجد کے مینار بلند اور چوڑے تھے، جس کا اندازہ ان کی بنیادوں سے لگایا جاسکتا ہے۔ اندر کاشی کاری کا نہایت ہی خوب صورت کام کیا ہوا ہے۔ غالباً باہر بھی ہوگا۔ اندر ابھی تک کچھ آثار موجود ہیں۔ عمارت کے چاروں طرف پختہ اینٹوں کے بڑے انبار موجود ہیں، جس سے مسجد کے طول و عرض کے متعلق انداز لگایا جاسکتا ہے۔

مسجد کے مشرق کی جانب قریب ہی پختہ اینٹوں کا بنا ہوا ایک نالاب موجود ہے، جس کی لیپائی چونے کے گارے سے کی گئی ہے۔ اس طرح مسجد کے جنوب میں ایک ایسا ہی پختہ تالاب ہے۔ گمان غالب ہے

کہ مسجد شہر کے مرکز میں تھی اور اس کے آس پاس تالاب اور خوبصورت باغات تھے۔ لوگ قلعے کی ہوا خوری اور سیر و تفریح کے لیے اس مرکزی جگہ پر آتے تھے۔ شہر نقشے کے مطابق بنا ہوا تھا۔ اس سرزمین کی تعریف میں میر قانع رقم طراز ہیں:

”بی بادہ اینجا کیفیت سرور دست دہد، و جز نواسر و برگ
عشرت اینجا میسر گردد. سبزان کان خوبی و ملیحان ریحان
محبوبی. علی الرسمِ تفنن شبها بیرون قلعه در موضعه معین
(؟) فرمایند و روزها به قانون گل گشت اندرون قلعه در سبزه
زارها بساطِ عشرت گسترند... ماشاء اللہ چہ جای با صفا
است؟ تا نظرِ راه رود جز آب و سبزه مرئی نہ، وبدون گل
افشانی روح و سرور تماشاہی را معاینہ نیست.“ (ص ۷۷)

یہ سرزمین آج کل ویران اور سنسان ہے۔ اس کی ویرانی اور بربادی پر تعجب اور حیرت ہوتی ہے۔ بربادی تو ہوتی ہی ہے، لیکن خدا کرے ایسی بربادی کہیں نہ ہو۔

حواشی

- (۱) ترخان نامہ ص ۶۵
- (۲) معصومی ص ۱۱۳
- (۳) ترخان نامہ ص ۶۲
- (۴) معصومی ص ۲۱۷، پورانی سادت کے متعلق ملاحظہ ہو میرا مقالہ
- (۵) ترخان نامہ ص ۶۳
- (۶) تحفة الکرام (سندھی ترجمہ) ص ۱۷۹
- (۷) ایضاً ص ۶۳۱، ۱۸۰
- (۸) تحفة الکرام (سندھی ترجمہ) ص ۱۱۶
- (۹) ایضاً ص ۱۷۳
- (۱۰) ایضاً ص ۱۸۰
- (۱۱) ایضاً ص ۱۸۰
- (۱۲) ترخان نامہ ص ۶۳
- (۱۳) ملاحظہ ہو میرا مقالہ ٹھٹھہ شہر کا تاریخی جغرافیہ۔
- (۱۴) نام سید محمد، لقب خاتم الاولیاء، مہدی موعود کے عرف سے مشہور ہوئے، ان کا شجرہ نسب یوں ہے: سید محمد بن سید عبداللہ بن عثمان بن موسیٰ بن قاسم بن نجم الدین بن عبداللہ بن یوسف بن یحییٰ بن نعمت اللہ بن اسماعیل بن موسیٰ بن کاظم بن جعفر صادق بن باقر۔
- سید محمد ۱۴ جمادی الاول پیر کے دن ۸۴۷ھ (۱۴۱۳ء) کو جونپور میں پیدا ہوئے۔ ۸۶۹ھ میں دینی تعلیم سے فراغت حاصل کی ۹۰۱ھ میں ٹھٹھہ آئے، جہاں سے حج کی سعادت حاصل کرنے کے لیے روانہ ہوئے۔ ٹھٹھہ میں جھنڈو پاتنی ان کے مرید ہوئے۔ ۹۰۵ھ میں بریلی میں مہدویت کا اعلان کیا۔ اس بات پر اس دور کے علماء

سخت برہم ہوئے۔ سید صاحب کی سخت مخالفت شروع ہوئی۔ اسی انتشار کے سبب ۹۰۶ھ میں ترک وطن کر کے جیسل میر کے راستے سندھ کے شہر نصرپور پہنچے۔ وہاں سے ٹھٹھ تشریف لائے۔ کچھ عرصے مکلی کی پہاڑی پر قیام فرمایا۔ اس کے بعد اپنے نو سو مریدوں کے ساتھ خراسان کی طرف روانہ ہوئے۔ قندھار کے حکمران شاہ بیگ ارغون نے سید صاحب کی بہت پذیرائی کی۔ ۹۱۰ھ ربیع الاول فراہ (قندھار اور ہرات کے درمیان) تشریف لائے۔ ۱۹ ذی قعد (۲۳ اپریل ۱۵۰۵ء) ۹۱۰ھ پیر کے دن انتقال کر گئے۔ اس وقت ان کی عمر ۶۳ برس تھی۔ انھیں رج اور فراہ کے درمیان دفن کیا گیا۔ شاہ قاسم عراقی نے 'عشق تم' سے ان کی وفات کا سال نکالا۔

ٹھٹھ میں سندھ کے متعدد علماء، امراء اور اہل طریقت ان کے مرید اور معتقد ہوئے۔ شیخ صدر الدین مفتی، خان اعظم دریا خان، علامہ قاضی قادن، سید مبارک وغیرہ اس دور کے ان کے مرید ہیں۔ شاہ عنایت شہید کے گاؤں جھوک کو میران پور اس لیے کہا گیا کہ سید میران محمد جونپوری تھوڑا عرصہ وہاں قیام پذیر ہوئے تھے۔

(۱۵) تکلمہ ۲۵۴

(۱۶) تحفۃ الکرام ص ۲۰۴

(۱۷) ان کا اصل نام عثمان تھا اور ذات کے سمیچہ تھے۔ عالمگیر نے انھیں فاضل خان کا لقب دیا۔ دہلی میں شاہی میر منشی تھے۔ علامہ مخدوم محمد معین کے دادا مخدوم طالب اللہ کے شاگرد تھے۔ مخدوم معین ان کے نواسے تھے، مخدوم محمد امین نے اسی گھر سے پیدا شدہ اپنی بیٹی، میر سید رفیع رضوی کو نکاح میں دی۔ جن کے بطن سے مشہور شاعر نجم الدین عزلت پیدا ہوئے۔

(۱۸) مقالات ۲۹۱

(۱۹) مقدمہ دیوان عطا ص ۴۵

(۲۰) مقالات ص ۳۷

(۲۱) ۱۱۲۵ء میں اس کے ٹھٹھہ کے دوسرے مغل صوبے دار نواب عطر خان سے کئی معرکے ہوئے۔ نواب انھیں ٹھٹھہ کا چارج نہیں دے رہے تھے۔ مرکز میں باہمی جنگ و جدل کے سبب صوبوں پر بادشاہت کا اثر ختم ہو چکا تھا۔ ہر ایک صوبے دار خود مختار ہونا چاہتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ نواب عطر خان ٹھٹھہ کا چارج نہیں دینا چاہتے تھے۔ سید چونکہ مقامی تھے، اس لیے دہلی سے ان کے نام صوبے داری کا پروانہ آیا تھا۔ نواب عطر خان اس جنگ میں قتل ہوئے، ان کی قبر مکلی پر شیخ جیہ کے قبرستان میں ہے، جس پر یہ کتبہ ہے:

”بتاریخ ہفتم شہر محرم مرحوم غیاث الدین عطر خان عرف
سعد خان بن سعید خان بگلگونہ شہادت رحلت نمود۔ سنہ
۱۱۲۶ھ۔“

(۲۲) مقالات ص ۸۷۳

(۲۳) تکملہ ص ۵۱۸

(۲۴) تکملہ ص ۴۸۲

(۲۵) تکملہ ص ۲۷۸

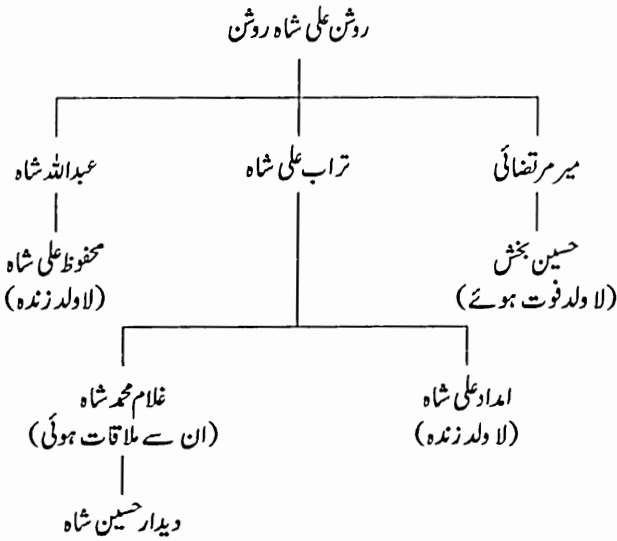
(۲۶) مقالات ص ۳۵۴

(۲۷) مقالات ص ۷۳۷

(۲۸) خان بہادر خداداد خان مرحوم نے ’لب تاریخ سندھ‘ میں لکھا ہے کہ:
مطیر لطف علی بہمت کے دوسرے صاحبزادے میر ذوالفقار علی شاہ
تالپوروں کے عہد میں تحصیل دار تھے۔ ان کے صاحبزادے حاجی
سید روشن علی شاہ تھے، جو خان بہادر کے عہد میں کراچی سول
کورٹ کے ناظر تھے اور پھر جھڑک میں کاردار رہے۔

(۲۹) تکملہ ص ۵۵۴

(۳۰) سید غلام محمد شاہ نے اپنا نسب نامہ یوں بیان کیا:



(۳۱) مولوی مذکور نواب کے دور میں عدالت کا داروغہ تھا۔ ان کے صاحبزادوں کو بھی پڑھاتا تھا، اچھا شاعر اور خوش نویس تھا۔ (مقالات الشعراء ۷۶)

(۳۲) مقالات ص ۳۹۰

(۳۳) مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: تحفۃ الطاہرین ص ۱۳

(۳۴) تحفۃ الکرام

(۳۵) مکلی نامہ ص ۷۶

(۳۶) معصومی، ترخان نامہ ص ۲۶

(۳۷) ترخان نامہ ص ۳۶

(۳۸) ایضاً ص ۷۶

(۳۹) ایضاً ص ۳۹

(۴۰) ایضاً ص ۴۰

(۴۱) تحفۃ الکرام ص ۸۴

(۴۲) تحفۃ الکرام (سندھی ترجمہ) ص ۲۶۱

ضمیمہ اور اضافے

ضمیمہ اول

مکلی اور اس کے گرد و نواح میں جو مشائخ کے مقابر ہیں، ان کی جائے وقوع کے سلسلے میں تحفۃ الکرام، تحفۃ الطاہرین اور مقالات الشعراء میں جو منتشر معلومات موجود ہیں، وہ ہم جمع کر کے ذیل میں درج کر رہے ہیں۔ حواشی میں کتب کے لیے مندرجہ ذیل تخفیفات درج کی گئی ہیں:

تک: تحفۃ الکرام - مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ

تط: تحفۃ الطاہرین - مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ

مقالات: مقالات الشعراء - مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ

تحفۃ الکرام کا سندھی ترجمہ ہمارے پیش نظر رہا، جہاں فارسی اشاعت کا صفحہ دیا گیا ہے، وہاں (تک فارسی) لکھا گیا ہے۔

مندرجہ بالا کتب سے ماخوذ مواد کے علاوہ راقم الحروف نے اپنی طرف سے جابجا اپنے ذاتی مشاہدے اور معلومات کے پیش نظر اضافے کیے ہیں۔ اس قسم کے اضافے وہ سمجھے جائیں، جن کے آخر میں کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا گیا ہو۔ ان صفحات میں فقط ان بزرگوں کے مقبروں کا ذکر کیا گیا ہے، جن کے متعلق مذکورہ کتب میں موجود ہے۔ (۱)

ملاد احمد کل رانک۔ ملا احمد، جو شاہ فتح اللہ شیراز (۲) کے شاگرد اور ابوالفضل اور فیضی کے ہم درس تھے، مکلی میں مدفون ہیں اور ان کی رانک ان کے نام سے مشہور ہے۔ (۳)

شیخ ابوبکر کی پہاڑی:

شیخ ابوبکر شیخ، بہاؤ الدین زکریا ملتانی کی اولاد میں سے تھے، ان کا مزار ایک پہاڑی پر ہے اور وہ پہاڑی ان کے نام سے مشہور ہے۔ (۴)

پیر آسات:

پیر آسات، عبداللہ شاہ کی خانقاہ کے مغرب کی جانب راستے سے متصل مدفون ہے۔
میاں مٹھو:

ان کا مزار پیر آسات کی سیڑھی کے نیچے ہے۔ (۵)
بھاؤ الدین گودڑیا: (مرید مخدوم نوح ہلالی) آپ کا مزار میاں مٹھو کے مزار سے متصل ہے۔ (۶)

پیر آسات کے مزار کی زیارت راقم نے ۱۰ جولائی ۱۹۶۶ء کو کی۔
یہ مزار عبداللہ شاہ کی خانقاہ کے جنوب مغربی کونے پر پچاس قدم کے فاصلے پر ہے۔ خانقاہ کی عمارت مسمار شدہ ہے، داخلی دروازہ مشرق کی جانب ہے۔ اندر شمال کی جانب چبوترے پر ایک پتھر کی قبر ہے، جس کے اوپر کسی زمانے میں گنبد نما چھت تھی، کہا جاتا ہے کہ یہ پیر آسات کی منگیتر کی قبر تھی۔ پائیں یہ کتبہ ہے:

بتاریخ چہاردہم

رجب ۱۰۷۶ عصمت پناہ

دنای [کذا] برحمت حق پیوست۔

منگیتر والی روایت درج شدہ سال کے مطابق بعد زمانہ کے سبب غلط ہے۔

داخلی دروازے سے اندر جا کر چھت والی عمارت عبور کر کے مغربی ایوان میں پہنچیں گے تو پتھر کے کٹھرے کے اندر پتھر کی ایک قبر ہے، جس کے پائیں ایک کھپڑ (پیلو) کا درخت ہے، کہا جاتا ہے کہ یہ پیر آسات کی قبر ہے۔ قبر پر کتبہ نہیں ہے۔

اسی قبر کے بالیں، شمال کی جانب ایک چھوٹی سی مسجد ہے، جواب ویران ہے۔

پیر آسات کی قبر کے مغرب میں چند قبریں ہیں، جو اس قبرستان کے احاطے کے اندر تھیں اور احاطے کی دیوار مسمار ہونے کے سبب، اب وہ الگ دکھائی دیتی ہیں۔ دو قبریں پتھر کی ہیں، جن میں سے ایک پر یہ کتبہ ہے:

تاریخ ہشتم شہر صفر ۱۰۷۹ھ

برحمت حق پیوست

دوسری قبر تھوڑے فاصلے پر ہے، اس قبر کے مشرقی پہلو کے بالائی کنارے پر مندرجہ ذیل اشعار ایک ہی سطر میں کندہ ہیں:

فاتحہ بر فردوسِ آن معصومہ، کز لطفِ الہ
یافت فردوسِ برینِ ماویٰ بحسنِ خاتمہ
سال تاریخِ وفاتش از سرِ ایقانِ نوشت
جاودان با زیبِ جنت در جوارِ فاطمہ

پائیں سنہ ۱۰۹۰ کندہ ہے۔

پیر آسات کی قبر کے متعلق مندرجہ بالا روایت عبداللہ کے مجاوروں کی ہے، کوئی حتمی ثبوت نہ مل سکا۔

شیخ اسحاق بھوترہ کا گرد و نواح: سید شکر اللہ شیرازی، شیخ اسحاق کے جوار مدفون ہیں۔ (۷)

تحفۃ الکرام کے مطابق ملا احمد ٹھٹوی قاضی محمد قاسم کے بھائی تھے۔ ”قاضی محمد قاسم۔ از مشاہیر انام معروف ایام و روزگار بکمال فضیلت گذراند۔“ اسی بزرگ کا خاندان علم اور روحانیت کے سلسلے میں بلند درجے پر فائز تھا۔ دونوں بھائیوں کی اولاد کا رتبہ دینی لحاظ سے ارفع و اعلیٰ تھا۔ (۸)

شیخ ابو تراب (شیخ ترابی):

گجگو قصے کے نزدیک سڑک سے ڈیڑھ میل جنوب کی طرف واقع ہے۔ ان کا مقبرہ شاہی سڑک سے گذرتے ہوئے دکھائی دیتا ہے۔ گجو سے ٹھٹھ بارہ میل کے فاصلے پر ہے اور گجو سے کراچی کا فاصلہ تقریباً پچاس میل ہے۔ سڑک کے شمال میں گجو ہے اور جنوب میں شیخ کا مقبرہ۔

یہ گاؤں جہاں شیخ کا مقبرہ ہے، اسے کچھی گاؤں کہا جاتا ہے، جو نارو اور لتو شہر کے برباد ہونے کے بعد اسی مقام پر آباد ہوا۔ یہ گاؤں، کھوڑی گاؤں (جو رسول آباد یا محمد طور ثانی کے بجائے آباد ہوا) کے قریب ہے۔ (۹)

گنبد کی تعمیر ۱۷۷۱ء میں ہوئی۔ (۱۰)

شیخ قنذر رانی، لال جوان، پیر دادن، قبول حبشی، چھتو مشائخ اور

پیر کبور کی قبریں بھی شیخ ترابی کے ساتھ ہیں۔ (۱۱)
شیخ احمد اور شیخ محمد بغدادی:

یہ دونوں بزرگ ایک دوسرے کے ساتھ مدفون ہیں۔ (۱۲)

میر کی سادات (سادات پورانی) کے قبرستانی کے مشرق میں ہیں۔ (۱۳)

سید شکر اللہ کا مزار سید عبداللہ کے خاتقاہ کے مغرب میں ہے۔ (۱۴)

سید جمال سید شکر اللہ کے برابر میں ہے۔ (۱۵)

تغلق آباد۔ کلان کوٹ:

سید ابراہیم کی قبر کلان کوٹ کے قلعے کی دیوار کے نیچے ہے۔ (۱۶)

کلان کوٹ سے متصل ایک جھیل ہے، جسے داؤد دادرس کی جھیل کہا جاتا ہے۔ یہ درویش جھیل کے پاس مدفون ہیں۔ یہ سید مراد شیرازی کے ہم عصر تھے۔ (۱۷)

درویش دادرس کے خاتقاہ کے پاس درویش سید حلیم مدفون ہیں۔

(۱۸)

پیر پٹھو (پیر آر):

پیر پٹھو کا قبرستان ٹھٹھ سے جنوب کی طرف پندرہ میل کے

فاصلے پر ہے۔

یہ سارا پہاڑی علاقہ ہے جہاں قدیم آبادی کے آثار موجود ہیں۔

قبرستان نہایت پر فضا مقام پر واقع ہے۔ ایک طرف سے نہر بہتی ہے اور

نشیبی حصہ سرسبز و شاداب ہے۔

پیر پٹھو دیولی نے ۱۲۴۶ھ میں وفات پائی۔ (۱۹)

شیخ جمیل گرناری اور سید عبدالہادی پیر پٹھو کے ساتھ مدفون

ہیں۔ (۲۰)

شاہ وجیہ الدین (سید جمیل کا خلیفہ) شیخ جمیل کے احاطے میں

اس کے پائیں مدفون ہیں۔ (۲۱)

شیخ جمیل کا دوسرا خلیفہ شیخ کرم اپنے مرشد کے پائیں مدفون

ہے۔ (۲۲)

شاہ آری جو شاہ وجیہ الدین کی اولاد میں سے ہے، وہ شاہ جمیل کے خاتقاہ کے شمال میں نشیبی زمین پر مدفون ہے۔ (۲۳)

درس علاؤ الدین سومرو۔ شاہ جمیل اور پیر پٹھو کے درمیان دفن ہیں۔ (۲۴)

میاں پنجن شاہ:

(میاں پنجن شاہ اور سید حاجی شاہ مکلی پر ایک دوسرے کے ساتھ مدفون ہیں۔ (۲۵)

سید محمد ہاشم کا مزار سید حاجی کے ساتھ ہے۔ (۲۶)

شیخ جاڑو کی پہاڑی: شیخ کی قبر کے سبب یہ پہاڑی اس نام سے مشہور ہوئی۔ شیخ کی قبر پر مندرجہ ذیل کتبہ ہے:

سید حسین سلطان جاڑو ولد امام سید ابو احمد عبداللہ اکبر بن امام سید ابو صالح موسیٰ بن امام ابی عبداللہ المتوفی ۷ رجب ۱۲۶۶ھ۔

شاہ جنید:

شاہ کا مزار مکلی پر تغلق آباد کے قریب ہے۔ (۲۷)

جلوہ گاہ امامین:

مشرقی دیوار سے متصل نواب سیف اللہ (ٹھٹھ کا گورنر) مدفون ہے۔ مولوی اسد اللہ نے ان کی وفات کی تاریخ یوں نکالی ہے، جو ان کے اپنے خط میں کندہ ہے۔ (۲۸)

دست وی با دامن آل عباس (۱۱۴۲ھ)

نواب کی قبر چہار دیواری کے اندر ہے۔ پتھر کی یہ قبر ایک چبوترے پر ہے دوسری قبریں بھی اس احاطے میں ہیں جو ان کی اولاد کی ہیں۔

شیخ جیو کا آس پاس:

میاں احمد کتابی، شیخ کی خاتقاہ کے شمال کی جانب مدفون ہیں۔ (۲۹)

شیخ جنید اور شیخ جیئند:

خاتقاہ کے شمال میں مدفون ہیں۔ (۳۰)

میاں لال، خاتقاہ کے مشرق میں مدفون ہیں۔ (۳۱)

شیخ جیو کے والد شیخ نعمت اللہ کی خاتقاہ شیخ کے گنبد کے پیچھے شمال میں ہے۔ (۳۲)

شیخ جیو کے گنبد کے اندر جملہ ۴۱ قبریں ہیں۔ جنوب سے داخلی دروازے سے اندر ہوتے ہی الٹے ہاتھ ایک قبر نظر آئے گی، جس پر دیا جلانے کی جگہ اور چراغ کے نشانات ہیں۔ یہی شیخ جیو کا مزار ہے۔
 شیخ حماد جمالی کا آس پاس: مخدوم بلاول کا مزار شیخ کے جوار میں ہے۔ (۳۳)

سبع حفاظ (سات حافظوں) کی قبور میں سے چھ قبریں شیخ کے ساتھ ایک جبوترے (سکوجہ ۳۴) پر ہیں اور ایک الگ نشیب میں ہے۔ (۳۵)

قاضی عبداللہ بن تاجی کا مزار شیخ کی رانک کے پشت میں ہے۔ (۳۶)

سید عبدالرزاق (سید یوسف بکھری کے بھائی) کی قبر شیخ کے مقبرے کی پشت میں، قاضی عبداللہ کی چوکھنڈی کے مغرب میں ہے۔ (۳۷)
 شیخ حماد ساموئی کے دامن میں، جہاں مدفون ہیں۔ وہیں ان کی خاتقاہ تھی۔ (۳۸)

ان کے کہنے پر خاتقاہ کے ساتھ جام تماچی نے مکلی کی موجودہ جامع مسجد تعمیر کروائی۔ (۳۹)
 مسجد کے ایک طرف جام زندہ کا مقبرہ اور دوسری طرف قاضی عبداللہ کا مزار ہے۔ (۴۰)

جام تماچی اور نوری کی قبریں شیخ کے پائیں ایک حجرے کے اندر ہیں۔ (۴۱)

شاہ درویش اور جمن جتی:

شاہ درویش کے جوار میں جمن جتی مدفون ہیں۔ (۴۲)

جس جگہ جمن جتی مدفون ہیں، وہاں ان کا ایک حجرہ تھا۔ (۴۳)

جمن جتی کے ساتھ شکر الہی سادات کا قبرستان ہے۔ (۴۴)

ساموئی: پیر مراد کے قبرستان کے شمال کی جانب جو نشیبی علاقہ ہے، وہی ساموئی ہے۔

سات ستی (پاکباز) عورتیں، جن کا تعلق سومرہ دور سے تھا، وہ

یہیں مدفون ہیں۔

شیخ جھنڈو پاتنی کا مزار بھی وہیں ہے۔ (۴۵)

سید یعقوب مشہدی (متوفی ۹۲۲ھ) بھی وہیں مدفون ہیں۔ (۴۶)

ملا عبدالرحمن لٹر کی قبر، پیر مراد کے قبرستان کے نیچے ساموئی کی طرف جاتے ہوئے (۴۷) شمال مغربی کونے پر ایک کچی پگڈنڈی پر ہے۔ قبر کچی ہے، چاروں طرف باڑ دی ہوئی ہے۔

سہسہ لنگ: سما قبائل کے قبرستان میں تھا، ہر حکمران رسم کے مطابق بطور یادگار ایک عمارت تعمیر کرواتا تھا۔ اس دور میں سہسہ لنگ تالاب پر عالیشان محلات موجود تھے۔

درویش میر کی نے وہ محلات مسمار کر کے پتھر اور چونے کے گارے سے ایک مینار تعمیر کروایا۔ رات کے وقت اس مینار پر دیا جلاتے تھے۔ تاکہ سمندر کے راستے آنے والے کاروباری لوگ کشتیوں کا صحیح رخ متعین کرسکیں۔ (۴۸) (یعنی مینار پر یہ دیا اس قسم کے لوگوں کی رہ نمائی کرتا تھا)۔

شیرازی سادات کا قبرستان

قاضی صدو بن حماد کا مزار شیرازی سادات کے قبرستان میں

ہے۔ (۴۹)

سید ملوک شاہ (قاضی صدو کے مرید) قاضی کے ساتھ مدفون ہیں۔ (۵۰)

یہ قبرستان شروع سے قاضیوں کے آبا و اجداد کا تھا۔ (۵۱)

چبوترے کے اوپر پتھر کی قبر سید عبدالعلی کی ہے۔ (۵۲)

شیخ عالی کا قبرستان: میان لاکھو کی قبر شیخ عالی کے قبرستان میں ہے۔ (۵۳)

موسیٰ مہربان کا مزار بھی شیخ کے قبرستان میں ہے۔ (۵۴)

شیخ محمد غوث کا مزار میان موسیٰ مہربان کے ساتھ ہے۔ (۵۵)

شیخ عالی جس پہاڑی پر قیام پذیر تھے، اسی پہاڑی پر مدفون ہوئے۔ (۵۶)

مخدوم ابو مصطفیٰ کی رہائش اسی پہاڑی پر شیخ عالی کے

آستانے کے ساتھ تھی۔ (۵۷)

عبداللہ شاہ صحابی کا مرقد: شاہ صاحب شاہ بیگ ارغون کے دور میں (۲۷-۹۲۸) گجرات سے ٹھٹھہ آئے۔ وفات کے بعد خاصے عرصے ان کے مدفن کا پتا پردہ غیب میں رہا۔ شاہ حافظ اللہ گجراتی نے اپنے دو خلفاء شیخ محمد یعقوب اور خلیفہ ابوالبرکات کو ٹھٹھہ روانہ کیا۔ وہ دونوں سید علی ثانی کے ہاں تشریف لائے، سید نے ان کی گذارش پر مکلی جاکر مراقبہ کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد کشف کے ذریعے ان کی قبر کا موجودہ مقام متعین کیا۔ اس کے بعد دونوں خلفاء پتھر لاتے رہے اور سید علی اپنے ہاتھوں سے مزار پر رکھتے گئے۔ اس طرح ان کا مزار نمایاں ہو گیا۔ (۵۸)

موجودہ خانقاہ کی تعمیر ۱۱۷۵ھ سے پہلے ہوئی۔ (۵۹) درگاہ کے مغرب کی جانب ایک مسجد ہے، جس کی محراب پر مندرجہ ذیل کتبہ دوسطروں اور پانچ حصوں میں کندہ ہے:

- ۱- سرفراز شد احمد از مصطفیٰ
- بنا کرد مسجد بنام خدا
- ۲- بغیر از عبادت نہ باشد درو
- بود قہ اش پر ز نور و ضیا
- ۳- خدا این سرِ خداد و عز و قبول
- کہ تا هست دوران بماند بجا
- ۴- زہی فیض مسجد کہ از یک دعا
- شود حاجت مستمندان روا
- بتاریخ ہفدہم ماہ صفر
- ... ختم بالخیر والظفر (۱۰۹۳)

یہ مسجد مقبرے کے مغرب میں شمال کی جانب ہے۔ چھوٹی سی مسجد ہے، چھوٹا سا کمرہ اور مختصر صحن ہے۔

ٹھٹھہ کے ایک شاعر 'کاہل' نے عبداللہ شاہ کی مدح میں ایک قصیدہ منظوم کیا تھا، جس کے دو اشعار میر قانع نے بطور نمونہ دیے ہیں:

زہی لبریز نورِ حق مزارِ شاہ عبداللہ
سراغِ جنۃ الماویٰ بیابد زائر از آنجا

بہ رنگ شمعہ خورشیدِ انور، ہر صباح و شام
 ہمیں بینم حق را باہر از آنجا (۶۰)
 شیخ محمد یعقوب کا مزار سید عبداللہ کے پائیں ایک کونے میں ہے۔
 درگاہ کی پشت میں شمال کی جانب ساتھ ہی ساتھ باغائی
 سادات کا قبرستان ہے۔ چہار دیواری کے اندر ایک بڑا احاطہ ہے۔ تاریخ
 طاہری کے مؤلف میر محمد طاہر نسیانی کا مزار اس کے اندر ہے۔ (۶۱) قبر
 اونچی ہے اور اس پر یہ کتبہ کندہ ہے:

بنمود وفات میر طاہر
 کو اصلِ نکو سرشتی آمد
 زین واقعہ، دیدہ گشت دریا
 زان دریا، غم آب، بکشتی آمد
 از لوح فنا سترد نتوان
 این حرف کہ سرنوشتی آمد
 رفتم چو بفکرِ سالِ فوتش
 سید طاہر بہشتی آمد
 (۱۰۵۱ھ)

میر نسیانی باغائی سادات میں سے تھے، ٹھٹھہ میں آج تک ان کا
 خاندان موجود ہے، ان کی قبر کی مرمت وہی کرواتے رہتے ہیں۔
 میان علی شیرازی کا آس پاس:

درس بھنبہ کا مزار میان عالی کے روضے کے شرق میں ہے۔ (۶۲)
 سید قائم علی شاہ پنجابی کا مزار گنبد کے ساتھ ہے۔ (۶۳)
 سید نیرن کوٹی (حماد نیرن کوٹی) کا مزار گنبد کے جوار میں ہے۔ (۶۴)
 مراد پلیجو نورائی، جو سید علی کے مرید تھے، اس گنبد کے ساتھ
 مدفون ہیں۔ (۶۵)

شیخ عیسیٰ سندھی لنگوٹی:
 بناموٹی کے کنارے پر پہاڑی کے دامن میں مدفون ہیں۔ (۶۶)
 شیخ کے مقبرے کے نشیبی علاقے میں باغات تھے، اس وقت وہاں
 باغات کا نام و نشان نہیں ہے۔

عید گاہ اور مصلیٰ:

عید گاہ، کراچی سے آنے والی شاہراہ کے جنوب میں نقش بندیوں کے قبرستان کے مشرق میں جنوبی کونے پر موجود ہے۔

درویش اللہ دتہ لوہر: عید گاہ کے جنوب میں مدفون ہیں۔ (۶۷)

عید گاہ کے پاس رضوی سادات کا قبرستان جنوب مغربی کونے میں ہے۔

یہ عید گاہ ٹھٹھہ کے مغل گورنر یوسف خان (۶۸) نے تعمیر کروایا

تھا۔ مندرجہ ذیل پتھر کا کتبہ محراب کے اوپر درج ہے:

خان مالک رگاب یوسف خان

ساخت طاعت گہی ز بخت بلند

قدسیان بھر سال اتمامش

کعبۂ اہل فضل یافتہ اند

(۱۰۴۳ھ)

عید گاہ کی مرمت میان اللہ بخش (۶۹) نے کروائی تھی۔ اس کا یہ

کتبہ محراب کے اوپر نصیب ہے:

غفار ۱۲۸۱

چون الہ بخش آل شہ عباس

زیب ترمیم این مصلیٰ کرد

بی سر جدوجہد خوان سالش

کعبۂ اہل فضل زیبا کرد

۱۲۸۱ھ

عید گاہ ہی کو مصلیٰ کہا جاتا ہے اور مکلی نامہ میں مصلیٰ سے

مراد غالباً عید گاہ ہے۔

پیر غیب:

پہاڑی پر مدفون ہیں، جوان کے نام سے منسوب ہے۔ وہ پہاڑی الگ

نمایاں ہے۔ (۷۰)

فتحی پہاڑی:

سید احمد غوث اسی پہاڑی پر مدفون ہیں۔ (۷۱)

سیر کمال الدین ابو اسحاق کی قبر بھی وہیں ہے۔ ان کی قبر کا تعویذ پتھر کا ہے اور یہ قبر مغرب کی جانب ہے۔ (۷۲)
 میان ابوبکر کی قبر بھی وہیں ہے۔ (۷۳)
 خواجہ کمال الدین ہراتی بھی اسی پہاڑی پر مدفون ہیں۔ (۷۴)
 کالکان: کالکان ہندوؤں کی دیوی کا مندر ہے، جہاں ہر سال ہندوؤں کا میلہ ہوتا تھا۔ (۷۵)

مندر کے چاروں طرف پختہ عمارات اور حجروں کا سلسلہ ہے۔ جہاں زائرین میلے کے موقع پر یا عام زیارت کے لیے قیام کرتے تھے۔ وہ عمارات اب ویران ہیں۔ ایک ہندو عورت ان کی دیکھ بھال کرتی رہتی ہے۔ لیکن اگر ان تعمیرات کی مرمت نہ ہوئی تو وہ برباد ہو جائیں گی۔
 کالکان دیوی کی مورتی ایک حجرے میں رکھی ہوئی ہے۔ اس مورتی پر روزانہ سندور کے تِلک لگائے جاتے ہیں۔ انھیں پھولوں کے ہار پہنائے جاتے ہیں۔ ہر وقت دیا جلتا رہتا ہے۔ یہ مورتی پتھر کی بنی ہوئی ہے۔
 کراچی سے ٹھٹھ جانے والی شاہراہ جہاں مکلی کو دو حصوں میں تقسیم کرتی ہے، کالکان کا مندر وہاں سے جنوب کی طرف دکھائی دیتا ہے، جو پہاڑ کے دامن میں ہے۔

اسی مندر کے مقابلے میں میان محمد حفیظ ٹھٹھوی نے ایک مسجد تعمیر کروائی تھی، جس کا نام اسلام پور رکھا گیا تھا۔ (۷۶)
 یہ مسجد شاہراہ کے شمال میں سڑک سے متصل ہے۔ مسجد کی چہار دیواری معمولی ہے، جو اب زبوں ہو چکی ہے۔ لیکن مندر ویران ہونے کے باوجود مسجد کے مقابلے میں صاف اور آباد ہے۔ مسجد کی ویرانی اور زبوں حالی پر افسوس ہوتا ہے۔

پیر مراد شیرازی کا قبرستان:

شیخ حسین صفائی کا مزار پیر مراد کے پائیں ہے۔ (۷۷)
 سید محمد انجوی اور ان کے صاحبزادے احمد متوفی ۸۳۵ھ وہیں مدفون ہیں۔ (۷۸)

یہ قبرستان اصل میں ٹھٹھ کے عباسی قاضیوں کا تھا۔ (۷۹)

مکلی کا دروازہ:

درس امین کا مزار مکلی کے دروازے (?) کی بیرونی سرزمین پر ہے۔ (۸۰)
مکلی کے دروازے کے پاس لکھی نامی ایک مسلمان نے بہت
خوبصورت مسجد تعمیر کروائی تھی۔ (۸۱)
میکرا:

میکرا جھیل شیخ عالی کے قبرستان کے تینوں اطراف جنوب، مشرق
اور شمال سے احاطہ کیے ہوئے ہے جو اس وقت خشک ہے، فقط نشیبی آثار
موجود ہیں۔

عید گاہ اور میکرا جھیل کے درمیان تقریباً ایک میل کا فاصلہ ہے۔ یہ
جھیل عید گاہ کے مغرب میں ہے۔

اسی جھیل کے ساتھ ایک غار ہے، جس کے اندر شاہ جنید عبادت
کرتے تھے۔ (۸۲)

یوسف رضوی کا قبرستان:

میان بودلو اسی قبرستان میں مدفون ہیں۔ (۸۳)

سید محمد قاسم، سید لطف اللہ اور ان کے صاحبزادے کی قبریں
سید کے جوار میں ہیں۔ (۸۴)

سید اسحاق (پردیسی) سید یوسف کے پہلو میں مدفون ہیں۔ (۸۵)
سید میران محمد جونپوری کا آستانہ بھی اسی قبرستان کے اندر
ہے۔ (۸۶)

کلهوڑا خاندان کی شادمانی کی جگہ بھی اسی قبرستان میں
ہے۔ (۸۷)

سلطان سامثیو: کلهوڑہ حکمرانوں کی طرف سے ٹھٹھ کے گورنر
تھے۔ وہ بھی اسی قبرستان میں مدفون ہیں۔ (۸۸)

ضمیمہ دوم

مندرجہ ذیل معلومات میر سید محفوظ علی شاہ ٹھٹھوی (۱۲۹۵ھ)
کی فارسی بیاض سے ترجمہ کر کے دی جا رہی ہے۔ اس بیاض میں مکلی
کے سلسلے میں مفید معلومات موجود ہیں۔

تجر کریم دینہ شاہ صوفی:

مع کوہ تعمیر ۱۱۹۶ھ۔

جلوہ گاہ امامین:

چہار دیواری اور چبوترہ نواب سیف اللہ خان نے ۱۱۴۰ھ میں تعمیر کروایا۔ میان داؤد کلہوڑہ نے ۱۱۵۶ھ میں ایک مقبرہ تعمیر کروایا۔ پختہ تجر (قبر نما کوٹھڑی) فقراء کے بیٹھنے کے لیے میر محمد نصیر خان نے ۱۲۳۸ھ میں تعمیر کروائی۔

چاہ جام نندو:

ان کی رانک کے نشیب میں ۹۲۰ھ میں تیار کیا گیا۔

درگاہ عبداللہ شاہ:

روایت ہے کہ یہ خانقاہ خسرو خان نے تعمیر کروائی۔ لیکن اس بات کا کوئی ثبوت موجود نہیں۔ محض ایک روایت ہے۔ خانقاہ کے لیے کنواں مغلیہ دور میں تیار ہوا جو ۳۵۰ برس قدیم ہے۔

رانک میرزا عیسیٰ اول:

نزد خانقاہ شاہ عبداللہ (۸۹)۔ یہ رانک ۹۸۰ھ میں تعمیر ہوئی۔ اس کے قریب دوسری رانک ہے۔ جس میں ان کے عزیز و اقربا مدفون ہیں۔ (۹۰)

رانک میرزا عیسیٰ ثانی:

میرزا دو مرتبہ ٹھٹھہ کے حکمران ہوئے۔ پہلی نوابی (۱۰۳۷ھ) کے دور میں تعمیر کی ابتدا ہوئی۔ اس سال جہانگیر کا انتقال ہوا، اس رانک کی تعمیر میں ۱۸ برس لگ گئے۔ آخر ۱۰۵۴ھ میں مکمل ہوئی۔

رانک مقابر امیر خان:

تعمیر کردہ نواب امیر خان، ۱۰۴۸ھ (۹۱)

رانک ملک عنبر:

یہ مقبرہ جمن جتی فقیر کے نام سے مشہور ہے، جو ۹۰۰ھ میں مکمل ہوئی۔ ملک عنبر اسی مقبرے کے اندر مدفون ہیں۔ فقیر جمن جتی

مقبرے کی مشرقی دیوار سے متصل مدفون ہیں۔ ان کی وفات کا سنہ معلوم نہیں۔ اہل اللہ کی زیارت گاہ ہے۔

رائك امير خسرو خان:

رائك کے شمال میں جام (میرزا) صالح وغیرہ، اولاد میرزا عیسیٰ ترخان کلان کی رائك ہے۔ (۹۲)

مقبرہ مندرسہ: (۹۳) (۹) نزدیک مقبرہ دولہ دریا خان۔ از جام صلاح الدین بن ملك انژ، بن ملك راهو، بن ملك راندینہ (۹۴) بن راهو بن فیروز شاہ سلطان ۸۶۱ھ (۹۵)

جام تماچی کلان نے ۸۲۱ھ میں تعمیر کروایا۔ (۹۶)
مقبرہ سبع حفاظ:

علیہم الرحمہ۔ یہ مقبرہ امیر خلیل خان مہر دار نے تعمیر کروایا، جو ترخان دور کے امیر تھے۔ اس کا سنہ تعمیر ۹۹۱ھ ہے۔
مقبرہ عیسیٰ لنگوٹی:

اینٹوں کا بنا ہوا بڑا مقبرہ شیرازی سادات کے قبرستان میں ہے۔ جو غفران پناہ سید علی شیرازی نے ۸۶۲ھ میں تعمیر کروایا۔
مسجد شریف مع رائك کاشی:

میرزا عیسیٰ ثانی کے شمال کی جانب، نواب امیر خان کے دور میں ۱۰۳۳ھ میں نواب شرفا خان نے تعمیر کروائی۔
مکلی:

جام نظام الدین کے مقبرہ سے لے کر کراچی، ٹھٹھ شاہراہ تک جملہ اراضی (محکمہ آثار قدیمہ کے سروے کے مطابق) ۹۱۲ ایکڑ پر محیط ہے۔ (۹۷)

ضمیمہ سوم

(۱) گورستان شاہ مراد

قاضی نعمت اللہ کا قبرستان:

شمال کی طرف سے جب شاہ مراد کے گورستان میں داخل ہونے کے لیے آئیں گے تو سب سے پہلے دائیں طرف یعنی مشرقی سمت مسجد اور مجاوروں کی رہائشی جگہوں کے درمیان قاضی نعمت اللہ اور اس کے قبیلے کا قبرستان ہے۔ اس قبرستان میں کئی کچی قبریں ہیں۔ ابتدائی قبروں میں سے کچھ چونے گارے سے بنی ہوئی ہیں۔ مرکزی قبروں سے جب مغرب سے شمار کریں گے تو چوتھی قبر، جو دوسری قبروں سے ذرا بڑی ہے، مجاوروں کی روایت کے مطابق، قاضی نعمت اللہ (بی بی فاطمہ کے والد یعنی شاہ مراد کے نانا) کی ہے۔ ساری قبریں سادہ ہیں اور ان پر کوئی کتبہ نہیں ہے۔

محمد قاسم:

شاہ مراد کے داخلی دروازے کے باہر ایک پتھر کی قبر ہے، جس کے پائیں یہ کتبہ ہے:

مقبرہ منوہ محمد

قاسم جہیری (کذا)

بتاریخ ۲۶ ماہ ذیقعدہ ۱۲۵۱ھ

خطاب خانہ:

قبرستان کے شمال میں احاطے کی دیوار سے تقریباً دو سو فوٹ کے فاصلے پر ایک مقبرہ ہے، جس کے اندر چار قبریں ہیں۔ مجاوروں کی روایت کے مطابق ابتدا میں یہ شاہ مراد کا خطاب خانہ تھا، جہاں وہ خود درس دیتے تھے۔ جس کو بعد میں انھوں نے اپنے چار شاگردوں یا مریدوں کے لیے مخصوص کیا۔

بی بی فاطمہ:

شاہ مراد کی والدہ (متوفی ۱۷ رمضان ۸۳۶ھ) کا مزار شمالی دیوار سے متصل احاطے سے باہر ہے۔ قبر کچی ہے، چونے گارے سے اس کی

لپائی کی گئی ہے۔ رات میں دیا جلایا جاتا ہے۔ یہ قبر شاہ مراد کے بالین سیدھی طرف ہے۔
شاہ عبدالصمد:

بی بی فاطمہ کی قبر اور خطاب خانے کے درمیان، الگ چوئے گارے سے لپائی کی ہوئی ایک بڑی قبر ہے۔ جو میر منصور کے فرزند شاہ عبدالصمد (متوفی ۹۶۸ھ) کی کہی جاتی ہے۔
سید احمد:

شاہ مراد کے والد سید احمد کی قبر شمالی دیوار سے متصل، شاہ مراد کے بالین کٹھرے کے باہر مغرب کی جانب ہے۔ پائیں چراغی کا ستون موجود ہے۔ قبر پر چوئے کی لپائی کی ہوئی ہے۔
شیخ ٹالو (?) سید جعفر، سید علی اول:

چراغی کے ستون کے نزدیک، گویا سید احمد کے پائیں شاہ مراد کے دائیں پہلو کٹھرے کے باہر دو قبریں ہیں، جس میں سے کٹھرے سے متصل قبر شیخ ٹالو (?) کی کہی جاتی ہے، جو شاہ مراد کے کہنے پر مسلمان ہوا۔ ممکن ہے کہ یہ شیخ ٹالو (طلحہ) نہ، بلکہ شیخ مالہو ہو۔

ان دو قبروں کے پائیں دو اور قبریں ہیں، جن میں سے مشرقی شاہ مراد کے بھائی سید جعفر (۸۹۹ھ) کی ہے۔ جس کی اولاد گجرات میں آباد ہوئی اور مغربی ان کے بھائی سید علی اول (متوفی ۸۷۷ھ) کی ہے۔ ان قبروں پر کتبہ نہیں ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس وقت ان قبروں پر کتبہ ثبت کیے جائیں۔

شیخ حاجی محمد حسین صفائی:
تذکرۃ المراد کے مؤلف اور سید مراد شیرازی کے مرید شیخ حاجی محمد حسین صفائی (متوفی ۹۳۱ھ) کا مزار احاطے کے اندر شمالی دیوار کے قریب شاہ مراد کے پائیں تھوڑے سے فاصلے پر ہے۔ اس کی قبر پر چراغ روشن ہوتا ہے اور اس کو اہمیت حاصل ہے۔

سید منصور سید حماد، سید نعمت اللہ:
سید مراد کے کٹھرے کے ساتھ مشرق یعنی پائیں طرف سترہ قبروں

کی قطار ہے۔ جن میں سے کٹھمرے سے متصل پہلی پانچ قبروں کے مدفونین کے نام نمبر وار یہ ہیں:

۱- گل حسن شاہ

۲- سید منصور (۸۸۰-۹۲۸ھ) بن شاہ مراد

۳- سید حماد (۸۸۴-۹۱۶ھ) بن شاہ مراد

۴- خدا دینو شاہ

۵- نعمت اللہ (۸۸۳-۹۰۶ھ) بن شاہ مراد

شاہ مراد کے احوال میں ہم دکھا چکے ہیں کہ یہ قبریں شاہ مراد کے مغرب میں ہیں۔ لیکن ہم سے یہ غلطی سرزد ہو گئی۔ در حقیقت یہ قبریں مشرق میں اور سید کے بائیں پہلو کی طرف ہیں۔

ان سترہ قبروں کے علاوہ ان کی اولاد میں سے اور بھی اہم بزرگ دفن ہوئے ہوں گے۔ لیکن فی الحال ہم ان کی نشاندہی سے قاصر ہیں۔

(۲) سید علی ثانی

قبرستان:

سید علی کا گورستان شاہ مراد کے مشرق میں تقریباً دو سو فٹ کے فاصلے پر ہے۔ یہ بہت بڑا قبرستان ہے، جس میں قبروں کے کئی مجموعے ہیں۔ سید کے مقبرے کے چاروں طرف قبریں ہیں۔ پتھر کا احاطہ:

احاطے کی مغربی دیوار سے متصل اور مقبرے کے شمالی مغربی کونے کے عقب میں ترخانی طرز کا پتھر کا ایک احاطہ ہے۔ داخل ہونے کا دروازہ مشرق میں ہے۔ اندر دو پتھر کی اور چند کچی قبریں ہیں۔

اسی گورستان کی دیوار اور قبروں کی ساخت بالکل ترخانی ہے۔ مجاوروں کی روایت کے مطابق یہ زنانہ قبرستان ہے۔ گمان غالب ہے کہ اسی گورستان میں سید جلال ثانی کی بیگم، جو میرزا محمد صالح ترخان (اول) کی بیٹی اور سید محمد مؤلف ترخان نامہ کی والدہ تھیں، مدفون ہوں گی، قبروں پر کتبہ نہیں ہے۔ لیکن ان کی ساخت اور قبر کے پہلو آیات اور نقاشی ترخانی نمونے کی غماز ہے۔

سید علی اور سید جلال:

قبرستان کے درمیان سید علی کا عظیم الشان سفید رنگ کا مقبرہ ہے۔ مقبرے کی چہار دیواری کی چھت دو حصوں میں منقسم ہے۔ مشرقی حصے پر بڑا گنبد ہے، جو گول ہے۔ مغربی حصے پر دو چھوٹے گنبد شمال اور جنوب کی سمت ہیں۔

گنبد کا داخلی دروازہ جنوب کی جانب ہے۔ سید علی اور ان کے والد سید جلال کی قبریں چھت کو تقسیم کرنے والے خم کے بالکل نیچے لکڑی کے کٹھرے کے اندر ہیں۔ مشرقی حصے کی چاروں قطاروں میں ۴۳ قبریں ہیں۔ جن میں سے ۱۹ قبریں بچوں کی معلوم ہوتی ہیں، بقیہ بڑی قبریں ہیں۔

شمال کی جانب پہلی قطار میں ۱۴ قبریں ہیں، جن میں سے ۹ بچوں کی ہیں۔ ان کے پائیں والی قطار میں ۷ بڑی قبریں ہیں۔ معلوم ہوتا ہے یہ خاندان کے کچھ اہم لوگوں کی ہیں۔ اسی قطار کے پائیں ۱۴ قبریں ہیں، جن میں سے دو بچوں کی ہیں، جو مشرقی دیوار کے ساتھ ہیں۔ اسی قطار کے پائیں ۸ قبریں ہیں، جو ذرا چھوٹی ہیں، گمان غالب ہے کہ یہ بچوں کی ہوں گی۔

کٹھرے میں مشرقی قبر سید علی کی ہے اور مغربی قبر ان کے والد سید جلال اول (متوفی ۹۰۳ھ) کی کہی جاتی ہے۔ سید جلال کا احوال اس سے پہلے دیا گیا ہے۔ عبارت سے یہ غلط فہمی پیدا ہوتی ہے کہ سید جلال سید محمد جعفر کے ساتھ دفن ہیں۔ در حقیقت سید جلال کے والد سید علی اول سید مراد کے دائیں سید جعفر کے ساتھ مدفون ہیں۔

سید علی کے مقبرہ کے متعلق تحفۃ انکرام میں یہ عبارت ہے:

”گنبد پر نور و ضیا واقع مکی است۔“ (۱۸۷)

سید جلال ثانی اور سید جمال (?):

سید علی کے دروازے کے باہر مخصوص چبوترے پر لکڑی کی چھتری کے اندر ایک قبر ہے، جو سید جلال (ثانی) کی کہی جاتی ہے۔ کٹھرے کے باہر مغرب میں ساتھ ہی دوسری قبر ہے، کہتے ہیں کہ یہ سید۔

جمال کی ہے۔ یہ مجاوروں کی روایت ہے۔

ہم نے اس سے قبل لکھا ہے کہ اسی چھتری کے اندر جو قبر ہے وہ جلال ثانی کی ہے۔ مکلی نامہ میں دراصل سید جمال کا نام آیا ہے۔ سید جمال سید علی اول کے صاحبزادے اور سید جلال اول کے بھائی تھے۔ مکلی نامہ کی عبارت ہے:

”درگاہ مظہر جلال و جمال... سید محمد جمال است، کہ

گنبدش صندوقہ نقد نزول رحمت باری...“ (ص ۱۷)

اس وقت سید جمال کی کوئی درگاہ نہیں، جس کے اوپر گنبد ہو۔ اسی چھتری کے باہر مغرب کی جانب چار قبریں ہیں، جن میں سے چھتری سے متصل جو قبر ہے وہ سید جمال (?) کی کہی جاتی ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ سید جمال بن سید علی اول، جو باپ کی زندگی ہی میں فوت ہوا۔ وہ اپنے دادا احمد (قبرستان شاہ مراد) کے دفن گاہ سے اتنا دور دفن ہوا ہو۔ بہر حال، کہا جاتا ہے کہ سید علی ثانی کے صاحب زادے سید جلال ثانی، اسی چھتری کے اندر دفن ہوئے اور ان کے دائیں پہلو سید جمال کا مزار ہے۔ یہ بات خود تعجب انگیز ہے کہ سید جمال ثانی اپنے باپ کے مقبرے کے باہر کیوں دفن ہوئے، جبکہ مقبرے کے اندر جگہ بھی تھی۔ حسین علی اور لعل میر:

مذکورہ بالا چھتری کے بائیں پتھر کے کٹھمے کے اندر، تین پتھر کی قبریں ہیں، جن میں سے پہلی مشرقی قبر بغیر کتبے کے ہے، جو معلوم ہوتا ہے کہ میر حسین علی کی ہے۔ دو قبروں کے پائیں تاریخی کتبات ہیں۔ درمیانی قبر لعل میر کی ہے۔ دو قبروں کے پائیں تاریخی کتبات ہیں۔ درمیانی قبر لعل میر بن میر حسن علی بن سید عبد اللہ بن سید میر محمد صاحب ترخان نامہ بن سید جلال ثانی بن سید علی ثانی کی ہے، جس پر یہ کتبہ ہے:

۱۱۹۰ھ

جست سال وصل آن لعل بدخشان جلال
با حسین و با حسن پیوست سید لعل میر

اسی قبر کے ساتھ مغربی قبر لعل میر کے بھائی حسین علی بن
حسن علی کی ہے، جس پر یہ کتبہ ہے:

۱۱۶۸ھ

نور چشم حسن، حسین علی

سال فوتش - غم حسین - بود

یہ شعر غلام علی مداح کے مندرجہ ذیل تاریخی قطعہ کا ہے، جو
میر قانع نے مقالات میں محفوظ کیا ہے۔

نور چشم حسن، حسین علی

کز غمش پر ز اشک عین بود

در غم او ز قطره باریدن

عینہا در نظر چو غین بود

در ارم شد بصحبت جدش

آن کہ او، شاہ خاقین بود

چون نگردد دل از غمش نالان

سال فوتش غم حسین بود (۹۸)

۱۱۶۸ھ

قانع کا قول ہے کہ اسی سال بیٹے کی وفات کے بعد، میر حسن بھی
فوت ہوئے۔ میر قانع نے 'رضوان مکان' سے ان کی وفات کی تاریخ نکالی اور
مداح نے دونوں کے لیے یوں تاریخ نکالی:

اللہم صل علی بنیّک والوصی له والزہراء والحسن

والحسن. ۱۱۶۸ھ

چاند میر:

سید علی کے گنبد کے باہر مغربی دیوار سے متصل کچھ قبریں
ہیں، جن میں سے دو بغیر نام کے پتھر کے کٹھمے کے اندر ہیں اور دوسرے
کٹھمے کے اندر پتھر کی ایک قبر ہے، جو میر چاند بن میر علی اصغر کی
ہے۔ جس کے بائیں یہ کتبہ ہے:

۱۱۳۲ھ

چاند میر آنکہ با دل پر درد
سوی عقبی ز دار محنت شد
بر زمین زد سروش افسرو گفت
منزل چاند میر جنت شد

۱۱۳۲ھ = ۶۰-۱۱۹۲

بقول میر قانع یہ تاریخ آخوند ملا محمد فاضل ٹھٹوی محلہ مولہ ٹھٹہ
نے نکالی تھی۔ (۹۹)

(۳) شیخ عیسیٰ لنگوٹی

بوینا جرار اور حجرہ:

شیخ عیسیٰ کا مقبرہ پیر مراد کے گورستان کے مشرق شمال کونے
پر آدمہ فرلانگ کے فاصلے پر اور سید علی ثانی کے گنبد کی شمالی پشت
میں تقریباً ایک سو فوٹ پر ہوگا۔

یہ گورستان چار عمارات کے مجموعے پر مشتمل ہے، جنوب اور
مغرب کی جانب مٹی کے ٹیلے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسری
عمارات بھی تھیں، جو اب مسمار ہو گئی ہیں۔

مغرب کی طرف سے پگڈنڈی سے چل کر اس مجموعے پر پہنچنے
کے بعد جنوب کی جانب پتھر کی ایک ہشت ستونی چھتری ہے اور
شمال کی طرف سامنے ایک کمرہ اور پورٹیکو پر مشتمل پتھر کے ستونوں
پر چھت والی عمارت حجرے کے نمونے پر نظر آئے گی۔ ان دونوں کی
ساخت سما دور کی دوسری چھتریوں اور عمارات کی طرز پر ہے۔ چھت
گول گنبد نما ہے۔

جنوبی چھتری کے نیچے تین قبروں کے آثار ہیں۔ قبریں مسمار
ہو گئی ہیں۔ مجاوروں کی روایت کے مطابق یہ چھتری بوینا جرار کی
قبروں کی ہے۔ چھت گول، اچھی اور نقشہ دار ہے۔

شمالی عمارت میں کوئی قبر موجود نہیں ہے۔ اندرونی کمروں کی
چھت ستونوں پر کھڑی ہے۔ چاروں طرف دیوار اسی پتھر کی ہے۔ یہ

عمارت شیخ عیسیٰ کے مقبرے کی مغربی دیوار سے متصل ہے۔
گمان غالب ہے کہ یہ شیخ عیسیٰ کا حجرہ اور مکتب ہوگا۔ جس
میں سید محمد، سید احمد، قاضی نعمت اللہ اور عیسیٰ لنگوٹی کی
تاریخی ملاقات ہوئی تھی۔

شیخ عیسیٰ کا مقبرہ:

چہار دیواری کے اوپر گول گنبد کے جنوب میں داخلی دروازہ ہے۔
ساری عمارت کی لپائی چونے گارے سے کی گئی ہے۔ مقبرہ سادہ ہے۔ اندر
مغرب کی جانب محراب سے متصل شیخ عیسیٰ کی تنہا قبر ہے۔ مشرقی
دیوار کے ساتھ چار قبریں ہیں دو ایک دوسرے کے ساتھ بالین اور اسی طرح دو
پائیں۔ معلوم نہیں یہ چاروں خوش بخت کون تھے؟
تاجو دل:

مقبرے کی مشرقی دیوار سے متصل باہر چھ ستونوں پر بوبنا جرار
کی چھتری نما دوسری چھت والی چوکھنڈی ہے، جس کے اندر ایک قبر
کے آثار موجود ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے اندر تاجو دل مدفون
ہیں۔ (۱۰۰)

ضمیمہ چہارم

جام نظام الدین اور ان کے آس پاس کے کتبات: ہم اس سے پہلے جام
نظام الدین کے مقبرے کے شمالی دروازے کے سردر (دروازہ کی چوکھٹ
کی اوپر والی لکڑی/پتھر وغیرہ) کا کتبہ دے چکے ہیں، جس سے مقبرے
کی تعمیر کا سنہ اور نسب نامہ ظاہر ہوتا ہے۔ ذیل میں عمارات کے بقیہ
کتبات دیے جا رہے ہیں۔

شمالی دروازہ:

اب اس دروازے کو بند کیا گیا ہے۔ نسب نامے کے کتبے کے اوپر سر
در کے پتھر پر قرآنی آیات کا مندرجہ ذیل کتبہ دو حصوں میں موجود ہے۔

(۱) قال اللہ سبحانہ و تعالیٰ:

وان للمؤمنین... مالہ من نفاد. (۱۰۱)

قال الله تعالى:

ان المتقين... ملڪ مقتدر. (۱۰۲)

(۲) صدق الله وصدق رسوله الكرم.

اسی کتبے کے پتھر کے نیچے یہ سر در ہے، جس پر تاریخ اور نسب نامہ کا کتبہ ہے۔

جنوبی دروازہ:

جنوبی دروازہ آدھا بند ہے، پیشانی پر دو سر دروں کے اوپر اس طرح مختلف حصوں میں قرآنی آیات کندہ ہیں۔ پہلے سر در پر یہ کتبہ ہے:

(۱) الذين آمنوا... تاكلون. (۱۰۳)

(۲) صدق الله العلي العظيم.

اس سر در کے نیچے سرا در در سر ہے، جس پر تین حصوں میں یہ کتبہ ہے:

(۳) قال الله سبحانه وتعالى:

(۴) ومثل الجنة التي... من ربهم (۱۰۴)

(۵) يا فتاح

آخری لفظ کتبہ کے نیچے درمیان میں کندہ ہے۔

مغربی دروازہ: یہ داخلی دروازہ دیوار کے جنوبی کونے پر ہے۔ اس کے سر در پر دو سطروں اور مختلف حصوں میں ایک کتبہ ہے۔ بالائی سطر میں یوں ہے:

(۱) وسبق الذين... سلام عليكم.

(۲) طهيم... رب العالمين. (۱۰۵) سبحان رب...

العالمين. (۱۰۶) يا غفور - يا غفور - يا غفور

(۳) احمد بن ابراهيم. (۱۰۷)

(۴) آغاز بنیاد این مقام از هجرت نبوی علیہ السلام

نہصد پانزدہ سال بودہ.

اس کتبے کے نیچے یہ کتبہ دوسرے سر در پر ایک سطر میں ہے:

(۱) زعم الذين كفروا... خبير. (۱۰۸)

اسی سطر کے مختلف پہلوؤں اور درمیان میں یہ عبارت ہے:

- (۲) الہی مرصا بنا هذا المقام مزین جہان (؟) سلطان المغفور
 (۳) والمرحوم سلطان نظام الدین شاہ بن سلطان صدر الدین شاہ
 (۴) بن سلطان صلاح الدین شاہ بن شاہ رکن الدین شاہ بن سلطان
 فیروز شاہ خلد سلطنتہ۔

لیکن یہ آخری سطر پتھر کا ٹکڑا اگر جانے کے سبب موجود نہیں
 ہے۔ ہم نے یہ حصہ خداداد خان کی بیاض سے لیا ہے۔
چاروں اطراف:

دیوار کے باہر چاروں اطراف مندرجہ ذیل قرآنی آیات مختلف حصوں
 میں یوں کندہ ہیں:

شمال:

- (۱) بسم الله الرحمن الرحيم. هل اتى على... نبئتيه.

شمالی بند شدہ دروازہ

- (۲) فجعلناه... وسعيرا:

مشرق:

- (۳) ان الابرار... الطعام:

کھڑکی کے درمیان

- (۴) على حبه... شر ذالك:

جنوب:

- (۵) اليوم... يرون فيها:

جنوب آدھ بند دروازہ

- (۶) [شمسا... ظلها] آیت کا یہ ٹکڑا نہیں ہے۔

پتھر کی اینٹیں خالی ہیں۔ شاید کسی وقت مرمت کے دوران یہ

کتبہ ضایع ہو گیا۔

مغرب:

- (۷) ذللت قطوفها... من فضة:

داخلی دروازہ

- (۸) واكواب... قواريرا:

صحن کا آرائشی حصہ

(۹) من فضة... ولدان: (۱۰۹)

اندرون محراب تیرہ حصوں اور مختلف سطروں میں مندرجہ ذیل

آیات ہیں:

(۱) بسم الله الرحمن الرحيم

(۲) قل يا عبادى الذين... لا تقنطوا من رحمة الله.

(۳) ان الله... الغفور الرحيم (۱۱۰) صدق الله العلی العظیم.

(۴) قال الله سبحانه وتعالى: ان المتقين... ملوک مقتدر. (۱۱۱)

صدق الله العلی العظیم وصدق رسول النبی الکریم.

(۵) بسم الله الرحمن الرحيم... الله نور السموة... شجره.

(۶) مبارکة... بكل شیء علیم. (۱۱۲)

(۷) الله لا اله الا هو وما فی.

(۸) السموة... کرسیه السموة.

(۹) والارض... العلی العظیم. (۱۱۳)

(۱۰) قال الله تعالى: فنادته... للمحراب.

(۱۱) ان الله... الصالحین. (۱۱۴)

(۱۲) قل اللهم... وتتنع.

(۱۳) الملک... الخیر. (۱۱۵)

احاطے کے اندر چند اور مقابر:

جام نظام الدین کے آس پاس چند اور مقابر بھی ہیں، جن میں سے

بہت سوں کی دیواریں اور چوکھنڈیاں مسمار ہو گئی ہیں۔ جو موجود

ہیں، ان کے کتبات نمکین فضا کے سبب مٹ چکے ہیں۔

یہ سب مقابر جام نظام الدین سے پہلے کے ہیں، لیکن وہ سما دور

کے عہد زرین کی یادگار ہیں۔ خان بہادر خداداد خان نے اپنی بیاض میں

بہت سوں کے کتبات نقل کروائے ہیں، جن میں سے کچھ ضروری کتبات

ذیل میں دیے جا رہے ہیں:

گنبد ہشت ستونی:

یہ ہشت ستونی رانک جام نظام الدین کے احاطے کے اندر بتلائی گئی ہے۔ مندرجہ ذیل قرآنی آیات کنندہ تھیں:

بسم الله الرحمن الرحيم.

قل هو... احد. (۱۱۶)

قال الله تعالى سبحانه وتعالى:

الله لا اله الا هو الحي... العظيم. (۱۱۷)

ہشت ستونی:

یہ ہشت ستونی مقبرہ جام نظام الدین کے احاطے میں بتایا گیا ہے۔ مقبرے کی پیشانی پر اندر سے چاروں اطراف مندرجہ ذیل آیات کنندہ تھیں:

قال الله سبحانه وتعالى:

قل يا ايها الذين هاد... خير الرازقين. (۱۱۸)

صدق الله العلي العظيم.

جام صلاح الدین:

یہ مقبرہ مندرسہ (؟) دولہ دریا خان کے قریب ہے، جس کی اندرونی دیوار پر مندرجہ ذیل کتبہ ہے:

هذا المقام للراجی الی رحمة الله تعالى جام صلاح الدین بن

ملك انر بن ملك راهو بن ملك رائدنه بن ملك راهو بن فیروز

شاه سلطان ۸۷۰ھ

جام تماچی:

یہ مقبرہ مندرسہ (؟) اینٹوں کا بنا ہوا ہے۔ خان بہادر خداداد خان نے فقط یہ عبارت لکھی ہے:

قبر مندرسہ خشتی جام تغلق

بنا کردہ جام تماچی

۸۲۱ھ

ہمشیرہ میان فتح خان:

اس سے پہلے ہم نے ہمشیرہ فتح خان کا فارسی کتبہ دیا ہے۔ کتبہ

کی عبارت میں اوپر سے دو سطروں میں مندرجہ ذیل عبارت ہے:

(۱) ومن الليل فتهجد به نافلة لك عسى ان يبعثك ربك مقاماً.

(۲) محمودا (۱۱۹). هذا المقام...

مندرجہ ذیل عربی کتبہ بھی کندہ ہے:

وقل رب ادخلني مدخل صدق واخرجني مخرج صدق واجعل

لي من لدنك سلطانا نصيراً. (۱۲۰) وقل جاء الحق وزهق

الباطل ان الباطل كان زهوقاً. (۱۲۱) وتنزل من القرآن ما هو

شفاء ورحمة للمؤمنين. (۱۲۲)

ملك تاج الدين.

اس مقبرے کے اندر مختلف قبریں ہیں، جن میں سے پہلی پر مندرجہ آیات

ہیں:

شهد الله انه... الاسلام. (۱۲۳)

قال الله سبحانه وتعالى: (۱۲۴)

الله لا اله الا هو الحي... العظيم. (۱۲۵)

صدق الله العلي العظيم.

دوسرا مقبرہ:

قال الله سبحانه وتعالى:

قل يا عبادي الذين... الغفور الرحيم. (۱۲۶)

بسم الله الرحمن الرحيم

ان الذين امنوا وعملوا الصالحات... ربه احدا. (۱۲۷)

من عمل صالحا... يعملون. (۱۲۸)

تیسرا مقبرہ:

بالحق یہ آیات ہیں:

بسم الله الرحمن الرحيم.

رب اغفر وارحم وانت خير الراحمين.

الله لا اله الا هو الحي... العظيم. (۱۲۹)

لا اكره في الدين... النور. (۱۳۰)

قال الله سبحانه وتعالى:

من عمل صالحا... يعملون. (۱۳۱)

صدق الله العلی العظیم.

پائیں:

اللهم نور قبره ووسع مضجعه.

دولہہ دریا خان:

دریا خان کے مشرقی اور مغربی دروازے کی پیشانی کے کتبے اور
قبر پر نام کا کتبہ اس سے پہلے دے چکے ہیں۔

یا اللہ! یا اللہ! یا اللہ! یا اللہ! یا اللہ!

قال الله سبحانه وتعالى:

شهد الله لا اله الا هو... بصير بالعباد. (۱۳۲)

قال الله تعالى:

آمن الرسول بما انزل... القوم الكافرين. (۱۳۳)

الله لا اله الا هو الحي... العظیم. (۱۳۴)

قال الله تعالى:

قل يا عبادي الذين اسرفوا... الغفور الرحيم. (۱۳۵)

صدق الله العلی لاعظیم وصدق رسوله النبی الکریم. (۱۳۶)

ضمیمہ پنجم

مکلی

مکلی کے سلسلے میں مشہور روایت اس سے قبل بیان کی گئی ہے، جناب جی۔ ایم۔ سید صاحب نے مکلی کے نام کے متعلق مندرجہ ذیل نوٹ ارسال کیا ہے، جو مکلی یا مکہ لی کے مقابلے میں زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔

۱۔ قبل از اسلام سندھ، بودھ، جین اور شو کے پجاریوں کا مرکز تھا۔ سہون شو کے پجاریوں کا اہم مرکزی شہر تھا۔
شو پرستی کے بانی گورکھ ناتھ تھے، جن کے پیروکار جوگی یا اہوگی ہوئے۔ (۱۳۷) حضرت شاہ عبداللطیف نے بھی اپنے کلام میں ان جوگیوں کو یاد کیا ہے۔

۲۔ گورکھ ناتھیوں کا دوسرا اہم مرکز ہنگلاج تھا، جو مکران میں ہنگلور ندی کے متصل ایک پہاڑ پر ہے، جس کی چوٹی پر نانی کا آستانہ ہے۔ ہنگلاج، جین اور شو مذہب کے پیروکاروں کا بڑا تیرتھ گاہ رہا۔ (۱۳۸) جس کی زیارت کے لیے کچھ، کوکن، بنگال اور دوسرے علاقوں سے زائرین آتے تھے

ان زائرین کی آمد و رفت ٹھٹھ کے راستے ہوتی تھی۔ (۱۳۹) اور خود ٹھٹھ اس فرقہ کے گروں کا شاہی استھان اور مرکز تھا۔ زائرین جب ہنگلاج سے واپس ہوتے تھے تو ٹھٹھ کے آستانے پر ان کو مالا پہنائی جاتی تھی، جو چھوٹی کنکریوں کی بنی ہوئی ہوتی تھی اور یہ کنکریاں جھرک میں دستیاب ہوتی تھیں۔

۳۔ جین مذہب کے کئی فرقے ہیں، جن میں سے گوسائیں اور اجیو کا زیادہ اہم ہیں۔ اجیو کا فرقہ کا بانی گوسالو مکلی پوتہ تھا، مکلی کے مختلف تلفظ تھے۔ مثلاً مکلی، منگلی اور من کی۔

۴- گوسائیں کی ایک شاخ ڈیگامبر ہے، ڈیگامبر قیام پاکستان تک مکلی، گنجه نکر (پہاڑ) اور ہنگلاج میں رہتے تھے۔ (۱۴۰)

۵- منجھایی بی کا استھان ابھی تک مکلی پر موجود ہے۔ (اس کا ذکر متن میں ملاحظہ کریں) جس کے سامنے مسجد اسلام ہے۔ اسی استھان پر ایک کنواں ہے کہتے ہیں کہ اس میں گنگا سے پانی آتا ہے۔

۶- مندرجہ بالا نکات کے مد نظر یہ گمان پیدا ہوتا ہے کہ مذکورہ عقیدہ رکھنے والے لوگوں کے استھانوں، غاروں اور آمد و رفت کے سبب ڈیگامبر فرقے کے بانی 'مکلی' کے نام کی مناسبت سے یہ پہاڑی اسی نام سے مشہور ہوئی۔ یہ ہالی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی ہیں یوگی یا ناگافیر۔ (۱۴۰)

مکلی کے نام کے متعلق تحقیق کے لیے مواد موجود ہے۔ راہیں روشن ہیں، ضروری ہے کہ مزید تحقیق کی جائے۔

اضافے اور درستی

مہران:

جیحونی بزرگ است در حدود سند و طرف مکران کہ آنرا نہر مہران خوانند۔ و او بہ بزرگی نزدیک باشد بہ نیل مصر۔ و در وی نیز گویند تمساح باشد چنانکہ در نیل۔ و این جیحون را نیز دسیس خوانند۔ و او از ظہر کوههایی خیزد کہ بعضی شاخہای جیحون خوارزم از آنجا آید۔ پس ہمچنین می آید تا بہ دریای سند و مکران ریزد بر جانب مشرق از شہر دیبل۔ و سند رود از سہ منزلی مولتان در مہران ریزد۔

فیروز تغلق نے دوسری بار سنہ ۷۶۵ھ ٹھٹھ پر حملہ کیا۔
ص..... سطر..... فیروز تغلق نے دوسری بار ۷۶۵ھ ٹھٹھ پر حملہ کیا۔
(ملاحظہ ہو فوٹ نوٹ ص.....)

ص..... سطر..... وہ خود ۷۶۹ھ میں دہلی تشریف لے گئے کے بجائے یوں پڑھنا چاہیے: وہ خود ۷۶۵-۷۶۶ھ دہلی تشریف لے گئے۔

ص..... سطر..... فیروز تغلق ۸۲ھ سے قبل..... کے بجائے فیروز تغلق ۷۷۲ھ میں علاؤ الدین جونہ کو.....

ص..... سطر..... شرح شمسہ نامی ایک کتاب نیشنل میوزیم کے لیے (۲۷ دسمبر ۱۹۶۵ء) خریدی گئی۔ کتاب کا پورا نام ہے: 'شرح الشمسة فی المیزان'۔ اس کتاب کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں:
الحمد لله الذی تقرر من ان..... مؤلف نے اپنی یہ کتاب سندھ کے جام کو منسوب کی ہے، جس کا نام یوں درج ہے:
محمد المعروف به انر بن فتح خان بن صدر الدین بن طوغاجی بن جام۔ لازالہ من۔

ص..... سطر..... فیروز شاہ ۶۳-۶۴ھ دہلی سے روانہ ہوئے۔

ص..... سطر..... ۶۵ھ میں گجرات سے.....

ص..... شاہ پریان: اسی نام اور اسی مفہوم سے ایران میں بھی ایک زیارت گاہ ہے۔ اس کے علاوہ ایک پری کا نام بھی شاہ پری ہے۔ میرزا عبدالغنی قبول کا ایک شعر فرہنگ آندرج میں درج ہے۔ (ج ۲ ص ۲۵۷ طبع ایران)

کئی دمی کہ چو طاؤس ساز جلوہ گری
نظر گدای تو کی افگند بشاہ پری
شاہ پری کو عنبر کے مفہوم میں بھی منظوم کیا گیا ہے۔
صبا چو کرد پریشان دو زلف دلجویش
ببوی شاہ پری شاہ پری گشت بر دماغ سحر
فرہنگ دہخدا میں درج ہے:

شاہ پریان:

رئیس و بزرگ پری۔ شاہ اجنہ، قہرمانی کہ در افسانہ ہا و فکلور ایرانی نقش ہاں مہم بہ عہدہ دارد۔ و آن وجودی افسانہ ای کہ اصلش از آتش و بہ چشم نیاید۔ و غالباً نیکوکار است برعکس دیو کہ بدکار باشد۔ و در برخی از افسانہ ہا، بہ نوعی از زنان جن کہ خویرو باشد اطلاع گردد۔ (دہخدا لفظ ۱۵۳)

ایرانی ادب میں کئی عوامی قصے شاہ پریاں کے سلسلے سے مشہور ہیں۔ قاجاری دور کے شاہ زادوں میں سے ایک شاہ زادہ 'شاہ پریاں' پر عاشق ہوا تھا، جس کے متعلق متعدد لطیفے مشہور ہیں:

'شاہ پریاں کی منت مانی جاتی ہے اور اسی نام سے ایران میں کونڈیے دیے جاتے ہیں۔'

ص..... سطر..... میرزا رستم: بادشاہ نے ۲۶ جمادی الثانی ۱۰۲۱ھ رستم کو ٹھٹھہ پر مقرر کیا۔ (تزک) ۱۱ محرم ۱۰۲۱ھ میرزا بقول ترخان نامہ ٹھٹھہ پہنچے۔

ص..... سطر..... میرزا عیسیٰ کی ولادت: میرزا کے جنم کی تاریخ حسب دستور کہیں درج نہیں۔ تاریخ طاہری کے مطابق میرزا محمد صالح کلان اور محمد باقی کے درمیان اپنے والد کی زندگی میں ہی نفاق پیدا ہوا۔ محمد صالح نے میرزا باقی کو تنگ اور مجبور کر کے کچھ کی طرف بھگادیا اور جان بابا بھی ٹھٹھہ کو خیر باد کہہ کر سمیجہ قبائل کے یہاں چلے گئے۔ سمیجہ نے ان کی خدمت میں کوئی کوتاہی نہیں کی اور انہیں رشتہ بھی دیا۔

”جان باب را مردم مذکور دختر داده، آنچه وسعت داشتند به

امکان و قدرت آن، در خدمتگاری کوشیدن گرفتند. میرزا

عیسیٰ ترخان ولد او، در همان محل تولد یافت.“ (۱۴۲)

تاریخ طاہری کے مطابق میرزا باقی پہلے کچھ گئے، وہاں کے لوگوں کی مدد سے محمد صالح سے جنگ کی اور شکست کھا کر محمود بکھری کے ہاں پناہ لی۔ ان کا خیال تھا کہ محمود خان کے ذریعے شہنشاہ اکبر سے مدد لے کر محمد صالح کا خاتمہ کروں گا۔ لیکن ابھی وہ بکھر ہی میں تھے کہ انہیں معلوم ہوا کہ میرزا صالح گو مرید بلوچ نے قتل کر دیا ہے۔ (۲۳ شعبان ۹۷۰ھ) (۱۴۳) جس کے بعد میرزا عیسیٰ نے سلطان محمود بکھری کو خط روانہ کر کے، میرزا باقی کو ٹھٹھہ بلوالیا۔ (۱۴۴) میرزا عیسیٰ کا ۹۸۴ھ (۱۴۵) میں انتقال ہوا۔ جس کے بعد میرزا باقی تخت نشین ہوئے۔ میرزا جان بابا باپ کی تعزیت کے لیے اپنے

عزیزوں سمیجہ کو الوداع کہہ کر سلطان محمود بکھری کی معرفت ۹۸۶ھ میں میرزا باقی کے ہاں ٹھٹھہ چلے آئے۔ (۱۲۶)

تاریخ طاہری کے مؤلف نے جس طرح مذکورہ مطالب تحریر کیے ہیں، ان سے میرزا عیسیٰ ثانی کے تولد کا سال متعین کرنا مشکل ہے۔ بلکہ گمان ہوتا ہے کہ:

الف: جان بابا ۹۷۰ھ سے پہلے جیسے ہی سمیجہ قبائل کے ہاں پہنچے تو انہیں رشتہ دے کر ان کی شادی کروائی گئی۔

ب: فطری طور پر پہلی اولاد سال کے اندر ہونی چاہیے۔ گویا ۹۷۲-۷۱ھ میں میرزا عیسیٰ تولد ہوئے۔

ج: اگر یہ فرض کیا جائے کہ اس حالت میں اپنے دادا عیسیٰ اول کی زندگی میں میرزا عیسیٰ ثانی متولد ہوئے۔ لیکن یہ اس لیے صحیح نہیں کہ دادا کی زندگی میں ان کا نام ان کے پوتے پر رکھا جائے۔ یہ رسم و رواج کے صریحاً خلاف ہے۔ اس لیے قرین قیاس یہ ہے کہ جس وقت میرزا کلال کی وفات (۹۷۳ھ) میں ہوئی، اس وقت عیسیٰ ثانی ماں کے پیٹ میں ہوں گے۔ اس طرح ان کی ولادت ۹۷۴-۷۳ھ کے درمیان سمجھنی چاہیے۔ ہم نے ان کی ولادت کا سنہ اندازاً ۹۷۴ھ، ۷۵-۷۶ھ تحریر کیا ہے۔

ص..... سطر..... میرزا عیسیٰ اول کی تدفین: میرزا عیسیٰ اول کی وفات کی تاریخ اور دن کہیں درج نہیں۔ تاریخ معصومی (ص ۲۱۰)، اور تاریخ طاہری (ص ۱۱۲) نے ان کی وفات کا سنہ اربع و سبعین وتسعمایہ (۹۷۴ھ)۔ نہصد و ہشتاد و چہار، غلط دیا ہے۔ قبر کے کتبات میں واضح طور پر ۹۷۳ھ کندہ ہے۔

تاریخ معصومی سے معلوم ہوتا ہے کہ جب میرزا عیسیٰ فوت ہوئے تو ماہ بیگم نے ان کی وفات کی خبر دو تین دن تک مخفی رکھا، تا آنکہ محمد باقی سہون سے روانہ ہو کر ٹھٹھہ پہنچے۔ جس دن باقی ٹھٹھہ پہنچے، دوسرے دن میرزا کو پہلے سے تیار کردہ قبر میں دفن کیا گیا۔ عبارت یہ ہے:

”خبر فوت میرزا عیسیٰ را چند روز بنا بر مصلحت ملک پنهان

داشتند، تا آنکہ میرزا باقی از موضع سہوان بہ بلدہ تہ رسیدہ
آمد۔ صباح آن، میرزا عیسیٰ را بہ مدفن بردہ در مقبرہ ای کہ
ساختہ بودند سپرند۔“ (۱۳۷)

ص..... سطر..... میرزا غازی: کے متعلق تاریخ طاہری کے مؤلف نے
لکھا ہے کہ وہ ۱۶ برس کی عمر میں مسند نشین ہوئے، جس سے ظاہر
ہوتا ہے کہ وہ ۹۹۲ھ میں متولد ہوئے۔

صاحب ترخان نامہ رقم طراز ہیں کہ جس وقت ان کا انتقال ہوا، اس
وقت ان کی عمر ۲۷ برس تھی۔ (ص ۹۳) اس حساب سے ان کی ولادت
۹۹۳ھ میں ہوئی۔ (۱۳۸)

ان کے بڑے بھائی میرزا ابوالفتح ۱۰۰۱ھ میں فوت ہوئے۔ میرزا
غازی ان کے ساتھ عماری پر چلتے تھے، تو لوگ ان پر ہنستے تھے۔
(طاہری) (۱۳۹)

ص..... سطر..... نواب سیف اللہ: نواب سیف اللہ کی قبر خاصے عرصے
سے منہدم تھی۔ مٹی کا ڈھیر بنی ہوئی تھی۔ اس پر خود رو گھاس اور
جنگلی درخت آگ گئے تھے۔ ۱۲ اکتوبر ۱۹۶۶ء راقم کی کوشش سے ان
کی صفائی کروا کر قبر کو نمایاں کیا گیا اور مذکورہ کتبہ کھود کر نکالا
گیا۔ یہ کتبہ پتھر کی ایک بڑی سل پر بد خط میں کندہ ہے اور اشعار بھی
غیر مربوط کندہ ہیں۔ مکمل کتبہ یوں ہے:

- (۱) - یا اللہ
- (۲) - اللہم صل
- (۳) - علی محمد المصطفیٰ وعلی
- (۴) - المرتضیٰ و فاطمۃ الزہراء
- (۵) - والحسن والحسین وعلی
- (۶) - زین العابدین و محمد الباقر و
- (۷) - جعفر الصادق و موسیٰ کاظم
- (۸) - وعلی الرضا و محمد التقی وعلی
- (۹) - التقی والحسن العکسری و محمد

(۱۰) - المہدی صاحب الزمان صلوات

(۱۱) - سلام اللہ وسلام علیہم

(۱۲) - اجمعین

(۱۳) - سیف جنگ خلد منزل از دلی

(۱۴) - کز وفاتش خلق مشتاق فناست

(۱۵) - از برای جستنِ تاریخ او

(۱۶) - نکته سنجان را ز فکرش جان بکاست

(۱۷) - بلبل طبعم ز غم نالید و گفت

(۱۸) - دست وی بادامن آلِ عباس

(۱۹) - ۱۱۴۲ھ جری نهم ذی قعدہ

کتبہ اسی طرح کندہ ہے۔ سیف اللہ خان کی وفات کی تاریخ اس سے پہلے معلوم نہیں تھی۔ کتبے کے ذریعے معلوم ہوا کہ ان کا انتقال ۹ ذی قعدہ ۱۱۴۲ھ کو ہوا۔

اسی قبرستان میں دوسری پتھر کی بنی ہوئی قبر مشرقی دیوار کے ساتھ ایک بجے کی ہے، جس کے پائیں یہ کتبہ ہے:

(۱) - بتاریخ سلخ جمادی الثانی ۱۱۵۹ھ (۹)

(۲) - حسن علی فرزند مرزا عبداللہ

(۳) - حکیم از دار الفنا بدار البقا رحلت نمود۔

شمالی دیوار کی طرف تین قبریں ہیں، جو نہ تو پتھر کی ہیں اور نہ ہی چبوترے پر ہیں۔ ان پر کوئی کتبہ نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ نواب کے صاحبزادوں کی تھیں، جو اصل حالت میں نہیں ہیں، بلکہ کسی بقت مرمت کر کے ان کی چونے سے لپائی کی گئی ہے۔ احاطے کی دیوار کے باہر پتھر کے ایک چبوترے پر عاشق صفائیانی اور ان کے دوسرے ساتھی کی قبریں ہیں، جن کا کتبہ اس وقت قبر پر نہیں ہے، بلکہ وہاں سے اٹھا کر محکمہ آثار قدیمہ نے اپنے ہاں محفوظ کر لیا ہے۔ بالیں یہ کتبہ وجود ہے:

- (۱) - هو الغفار
 (۲) - وفدت الى الكريم بغير زاد. من
 (۳) - الحسنات بالقلب السليم. فحمل الزاد
 (۴) - اقبل كل شيء. اذا كان الوفود الى الكريم
 (۵) - بتاريخ ۱۵ شهر شعبان ۱۱۵۱ھ (۴) (۱۵۰)

تمت بالخیر

کراچی ۱۸ اکتوبر ۱۹۶۶

۴ رجب المرجب ۱۳۸۶ھ

حواشی

- (۱) یہ ضمیمہ ۱ ستمبر ۱۹۶۳ء ہانگ کانگ میں تیار کیا گیا۔
- (۲) تحفة الکرام میں درج ہے کہ ملا احمد ٹھٹوی قاضی محمد قاسم کے بھائی تھے، قاضی محمد قاسم - از مشاہیر انام معروف معروف ایام روزگار بکمال فضلت گزراند - اس بزرگ کا خاندان علم اور روحانیت کے سلسلے میں نہایت ہی بلند مرتبت تھا۔ دونوں بھائیوں کی اولاد بڑے دینی مقام پر سرفراز رہی۔ (تک فارسی ۲۲۱-۳)
- (۳) تک ص ۵۳۵
- (۴) تط ص ۹۱
- (۵) تط ص ۶۱
- (۶) تط ص ۶۱
- (۷) تط ص ۵۳
- (۸) تک فارسی ۲۲۱/۳
- (۹) تک ص ۶۲۳
- (۱۰) تک ص ۶۲۲
- (۱۱) تک ص ۶۲۲
- (۱۲) تط ص ۴۲
- (۱۳) تک فارسی ۲۵۱
- (۱۴) تک ص ۶۱۵
- (۱۵) تک ص ۴۹۳-۴۸۴
- (۱۶) تک ص ۶۱۸
- (۱۷-۱۸) تک ص ۶۱۸
- (۱۹) تک ص ۶۱۸ دیوبلی نامی ایک گاؤں جونا گڑھ کے قلعے سے تیس میل کے فاصلے پر ہے۔ صاحب مرآة سکندری نے سلطان بہادر

گجراتی کے سفر کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:
 ”از استماع این خبر، سلطان بہادر از کنایت بہ کوچ متواتر روانہ
 الکہ سورت شدہ... و از آنجا بقصبہ دیولی. دیولی قصبہ ایست بریا
 نزدہ کروہی قلعہ جوناگر؟“

پیر پٹھو سندھ میں دیولی کی نسبت سے مشہور ہیں اور ہمیشہ
 دیولی کا اشارہ دیول بندر کی طرف سمجھ کر انہیں دیبل کا
 باشندہ سمجھا جاتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ پیر پٹھو اصل میں گجرات
 کے مذکورہ گاؤں کے رہنے والے ہوں، جہاں سے ہجرت کر کے
 سندھ میں مقیم ہوئے۔ ان کے مرشد سید جمیل گرناری بھی
 گجراتی تھے جو گجرات سے ترک وطن کر کے سندھ آئے اور پیر پٹھو
 کے ساتھ دفن ہوئے۔ یہ مسئلہ قابل غور اور مزید تحقیق طلب ہے۔

(۲۰) تک ص ۲۲۰

(۲۱) تک ص ۲۲۰

(۲۲) تک ص ۲۲۰

(۲۳) تک ص ۲۶۱

(۲۴) تک ص ۲۶۱

(۲۵) تک ص ۵۴

(۲۶) تک ص ۵۶

(۲۷) مقالات ص ۷۶

(۲۸) تط ص ۳۶

(۲۹) تط ص ۳۷

(۳۰) تط ص ۳۸

(۳۱) تط ص ۶۱۰

(۳۲) تط ص ۳۱

(۳۳) سکوچہ: نشیمن گاہ۔ درب خانہ بر آمدگی از زمین کہ برای نشستن
 سازند۔ (فرہنگ آموزگار)

(۲۴) تط ص ۳۳

- (۳۵) تك ۱۳۵ ص ۵۳۳
- (۳۶) تك ص ۵۰۴
- (۳۷) تك ۴۵۷
- (۳۸) تك ص ۴۵۹
- (۳۹) مقالات ص
- (۴۰) تط ص ۴۴ تك ص ۳۵۰
- (۴۱) تك ص ۶۱۴
- (۴۲) تط ص ۵۲
- (۴۳) تك ص ۴۶۰
- (۴۴) تك ص ۴۷۸
- (۴۵) تك ص ۴۶۰
- (۴۶) تك ص ۴۶۱ ص ۶۱۶
- (۴۷) تك ص ۵۳۲
- (۴۸) تك ص ۴۷۸
- (۴۹) تك ص ۵۳۲
- (۵۰) تك ص ۴۸۶
- (۵۱) تط ص ۹۴
- (۵۲) تط ص ۹۴
- (۵۳) تك ص ۵۲۶
- (۵۴) تط ص ۹۵
- (۵۵) تط ص ۵۸
- (۵۶) مقالات ص ۲۵۸
- (۵۷) مقالات ص ۶۷۵
- (۵۸) تك ص ۵۱۸
- (۵۹) تط ص ۲۵ تك ص ۲۴۹ (مزارش پهلوی زمین مرقد سید علی شیرازیست.)
- (۶۰) تط ۲۶

- (۶۱) تط ص ۲۷ تک ۲۳۹
- (۶۲) تک ص ۶۱۳
- (۶۳) مقالات ص ۴۶۰
- (۶۴) تک ص ۶۱۷ تط ص ۸۷
- (۶۵) مائر الامراء (جلد ۳ ص ۹۶۵) میں یوسف خان کے متعلق مرقوم ہے کہ وہ تاشقند کے باسی تھے۔ جب ہندوستان آئے تو سب سے پہلے عبداللہ خان فیروز جنگ کی ملازمت اختیار کی۔ آگے چل کر شاہ جہاں کے متصدی بنے اور پانچویں سال شاہجہانی میں سہ ہزاری اور دو ہزاری سوار کے منصب سے ٹھٹھ کے صوبہ دار ہوئے۔ جہاں سے ان کا تبادلہ ہوا اور بکھر کے فوج دار مقرر ہوئے۔ گیارہویں سال سیوستان کے فوجدار کے ساتھ قندھار کے بندوبست کے لیے روانہ ہوئے۔ بارہویں سال بکھر سے ان کا تبادلہ ہوا اور ملتان کے صوبے دار بنے۔ ۱۰۴۹ھ میں ملتان میں وفات پائی۔ ان کے دو صاحبزادے تھے، میرزا روح اللہ اور میرزا بہرام دونوں سرکاری ملازمتوں میں رہے اور آبرو کے ساتھ زندگی بسر کی۔
- (۶۶) تط ص ۸۷ تک ص ۶۱۷
- (۶۷) تط ص ۹۶
- (۶۸) تک ص ۶۱۶
- (۶۹) تک ص ۶۱۷
- (۷۰) تک ص ۶۱۷
- (۷۱) تک ص ۵۲۳
- (۷۲) تک ص ۵۶۰
- (۷۳) تک ص ۵۶۱
- (۷۴) تط ص ۲۲
- (۷۵) تک ص ۴۶۷
- (۷۶) تک ص ۴۶۷
- (۷۷) تک ص ۵۷۶

- (۷۸) تط ص ۱۹
 (۷۹) تط ص ۹۷
 (۸۰) تط ص ۸۹
 (۸۱) تط ص ۸۹
 (۸۲) تك ص ۵۰۵
 (۸۲) تك ص ۵۰۴
 (۸۳) تك ص ۵۰۴
 (۸۵) تك ص ۵۰۴
- یہ ضمیمہ ۱ ستمبر ۱۹۶۳ء ہانگ کانگ میں ۲:۳۰ بجے شام کو تیار کیا گیا۔ اضافے بعد میں کیے گئے۔
- (۸۶) درگاہ کے مشرق کی جانب
 (۸۷) میرزا محمد باقی کی رانك ہے
 (۸۸) مزید معلوم کے لیے ملاحظہ ہو، تذکرہ امیر خانی
 (۸۹) اصل فارسی عبارت:
- رانك امیر خسرو خان: طرف شمال رانك مذکور، رانك جام صالح وغیرہ۔ اولاد میرزا عیسیٰ ترخان کلان می باشد۔
- (۹۰) مندرسہ کا مفہوم معلوم نہ ہوسکا۔
 (۹۱) رانہ دینو (رانہ کا دیا ہوا)
 (۹۲) اس سلسلے میں ملاحظہ ہو سما حکمرانوں کا شجرہ اور اس پر لکھے ہوئے نوٹ۔
- (۹۳) ایضاً
 (۹۴) یہ اضافہ راقم کی طرف سے کیا گیا ہے۔
 (۹۵) مقالات ص ۷۵۰
 (۹۶) مقالات ص ۴۸۲
 (۹۷) یہ ضمیمہ ۱۱ جولائی ۱۹۶۶ء کو لکھا گیا۔
 (۹۸) ص ۴۹-۵۴
 (۹۹) القمر ۵۳-۵۵

(۱۰۰) الزخرف ۶۹-۷۳

(۱۰۱) محمد ۵۱

(۱۰۲) الزمر ۷۳-۷۵

(۱۰۳) الصافات ۱۸۰-۱۸۲

(۱۰۴) یہ نام غالباً کتبہ نویس کا ہے، پہلا نام صاف نہیں ہے، راقم نے
ابراہیم سمجھا ہے۔

(۱۰۵) تغابن ۷-۸

(۱۰۶) دہر ۱-۱۹

(۱۰۷) الزمر ۵۳

(۱۰۸) قمر ۵۴-۵۵

(۱۰۹) نور ۳۵

(۱۱۰) البقرہ ۲۵۵

(۱۱۱) آل عمران ۳۹

(۱۱۲) آل عمران ۲۶

حال ہی میں مقبرے کے اندر کھدائی کر کے قبریں ظاہر کر کے ان
کو سیمنٹ سے پختہ کیا گیا ہے۔ ۵ قبریں بڑی اور ۳ چھوٹی ہیں۔

(۱۱۳) الاخلاص ۱

(۱۱۴) البقرہ ۲۵۵

(۱۱۵) الجمعة ۶-۱۱

(۱۱۶) الاسراء ۷۹

(۱۱۷) الاسراء ۸۰

(۱۱۸) الاسراء ۸۱

(۱۱۹) الاسراء ۸۲

(۱۲۰) آل عمران ۱۸-۱۹

(۱۲۱) البقرہ ۲۵۵

(۱۲۲) الزمر ۵۳

(۱۲۳) الکہف ۱۰۷-۱۱۰

(۱۲۳) النحل ۹۷

(۱۲۵) البقرہ ۲۵۵

(۱۲۶) البقرہ ۲۵۶-۲۵۷

(۱۲۷) النحل ۹۷

(۱۲۸) آل عمران ۱۸-۲۰

(۱۲۹) البقرہ ۲۸۵-۲۸۶

(۱۳۰) البقرہ ۲۵۵

(۱۳۱) الزمر ۵۳

(۱۳۲) یہ سب کتبات خداداد خان کی بیاض میں ص ۶۹۳ سے ۷۱۶ تک نقل شدہ ہیں۔ جام نظام الدین کے عربی کتبات بیاض میں غلط نقل کیے گئے تھے، جو راقم نے ۸ اور ۱۱ اکتوبر ۱۹۴۴ء خود جا کر دیکھے اور ان کی تصحیح کی۔

(۱۳۳) انسائیکلو پیڈیا رلیجن اینڈ ایتھکس ج ۲ ص ۹۳-۹۴

(۱۳۴) انسائیکلو پیڈیا رلیجن اینڈ ایتھکس ج ۶ ص ۷۱۵

(۱۳۵) مارواڑ کا راجا ٹھٹھ کے راستہ ہنگلاج گیا تھا۔ اس کا نام اگر پرپھو

تھا۔ (انسائیکلو پیڈیا ج ۶ ص ۲۱۶)

(۱۳۶) ایضاً جلد ۱ - ص ۲۵۹-۲۶۰

(۱۳۷) مزید تحقیق کے لیے ملاحظہ ہو انسائیکلو پیڈیا رلیجن اینڈ ایتھکس

کے مندرجہ ذیل الفاظ: گو سائیں، گور کھناتھ، گور گھنائیز، نانی

گوسالا، گوسا ونی، جین، ٹٹی، ٹائی وغیرہ۔

(۱۳۸) مطبوعہ ابن سینا، تہران ۱۳۴۲ ش ۵۰

(۱۳۹) طاہری مطبوعہ ص ۹۹

(۱۴۰) طاہری مطبوعہ ص ۱۰۶

(۱۴۱) طاہری مطبوعہ ص ۱۱۰

(۱۴۲) طاہری مطبوعہ ص ۱۱۴

تاریخ طاہری میں یہ سال غلط دیا گیا ہے۔ کتبہ پر ۹۷۳ھ ہے۔

(۱۴۳) طاہری مطبوعہ ص ۱۲۵ میر معصوم نے سال ۹۷۴ھ دیا ہے جو بھی

غلط ہے۔ م (معصومی ص ۲۱۰)

(۱۴۴) معصومی ص ۲۱۰

(۱۴۵) عمر شریفش ہمگی بست و ہفت سال بود و ایام حکومتش دہ سال

سہ سال در تہ و ہفت سال در قندہار. ص ۹۳

ترخان نامہ کے ایک نسخے میں وفات: عشرین و الف شب جمعہ از

شہر صفر مرقوم ہے۔ دوسرے نسخے میں یازدہم صفر اور کہیں

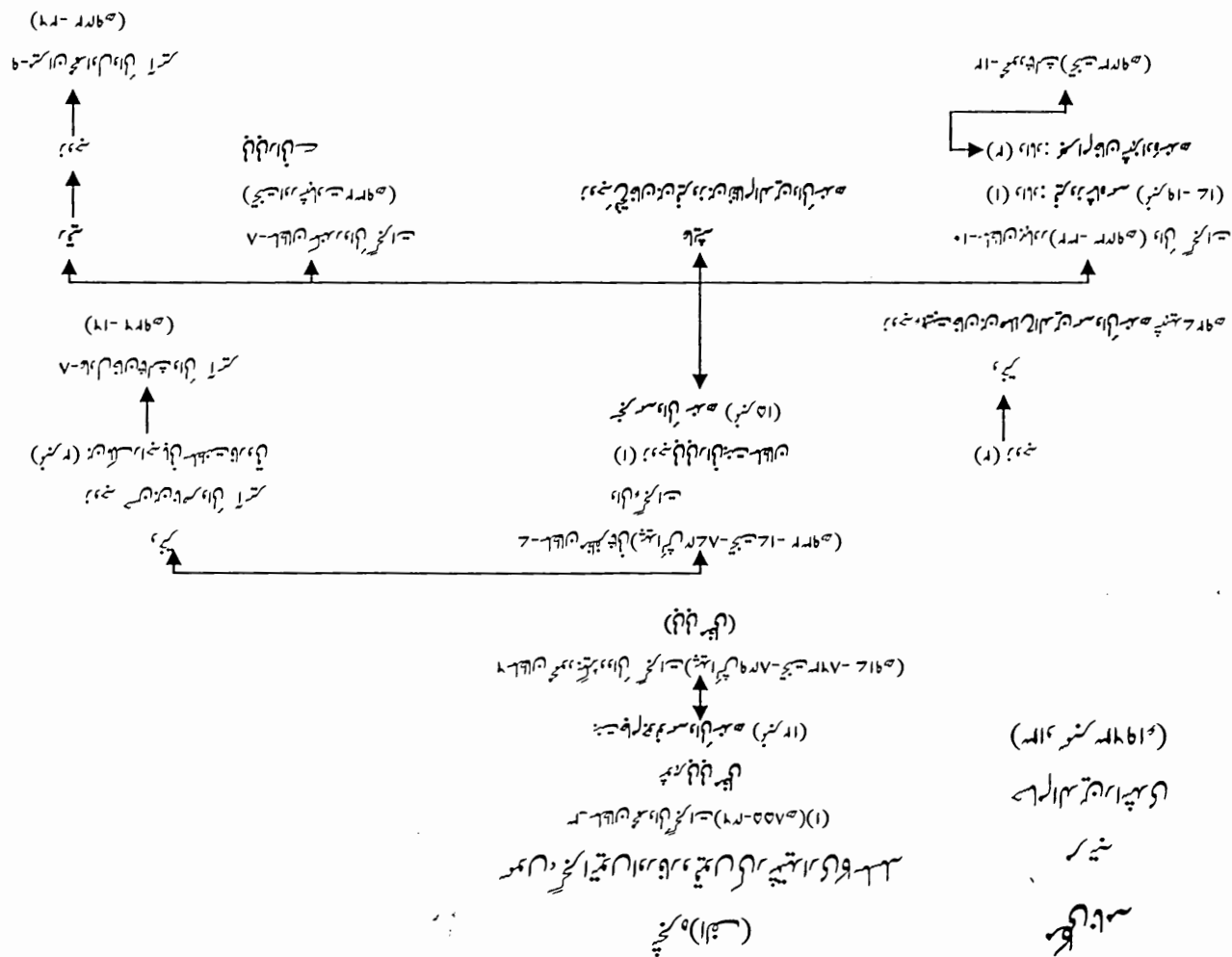
احدی و عشرین و الف مرقوم ہے۔

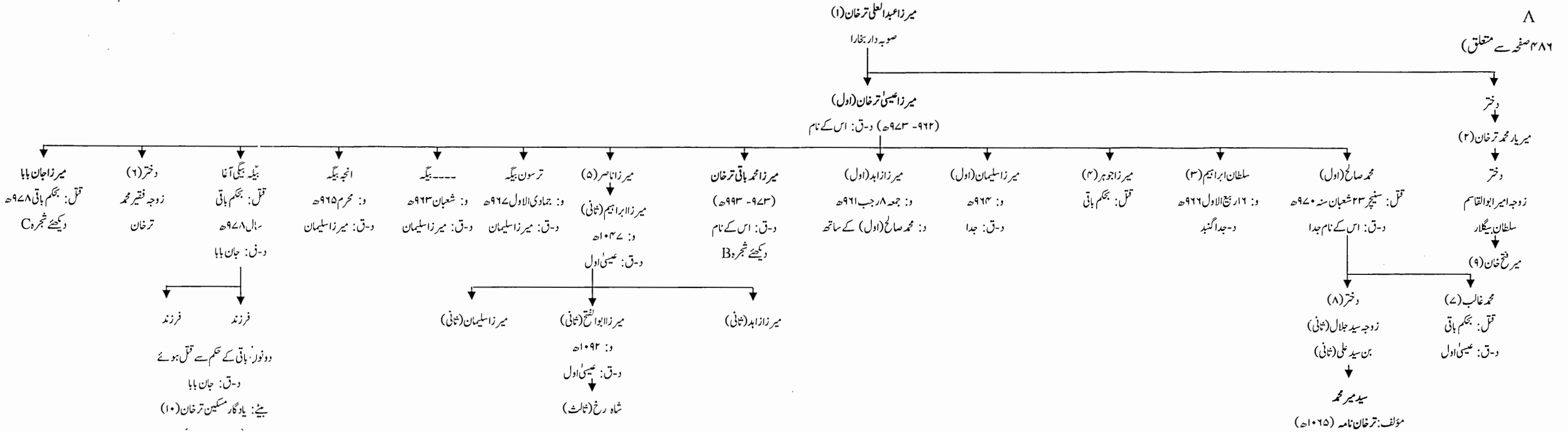
(۱۴۶) یہ ضمیمہ ۱۲ اکتوبر ۱۹۶۶ء کو مکمل ہوا۔

(۱۴۷) یہ کتابت ۱۷-۱۰-۱۹۶۶ء کو قبروں سے نقل کیے گئے۔

فہرست

- ۱- سموں کے شجرے..... 671-694
- الف- سموں گجراتی اور فاروقی سلطانوں کی رشتیداری
- ب- سمہ سلطان
- ۲- سید مراد کے خاندان کے شجرے
- الف: سید محمد اور ان کی اولاد
- ب: سید علی اول اور ان کی اولاد
- ج: سید میر محمد اور ان کی اولاد
- د: سید محمد حسین عرف سید مراد اور ان کی اولاد
- ۳- ترخانوں کے شجرے
- الف: میرزا عبد العلی ترخان اور ان کی اولاد
- ب: میرزا محمد باقی اور ان کی اولاد
- ج: میرزا جان بابا اور ان کی اولاد
- ۴- مکی کے دو نقشے..... 695-696
- ۵- تصویریں مقبروں اور کتبوں کی..... 697





نشانیاں:

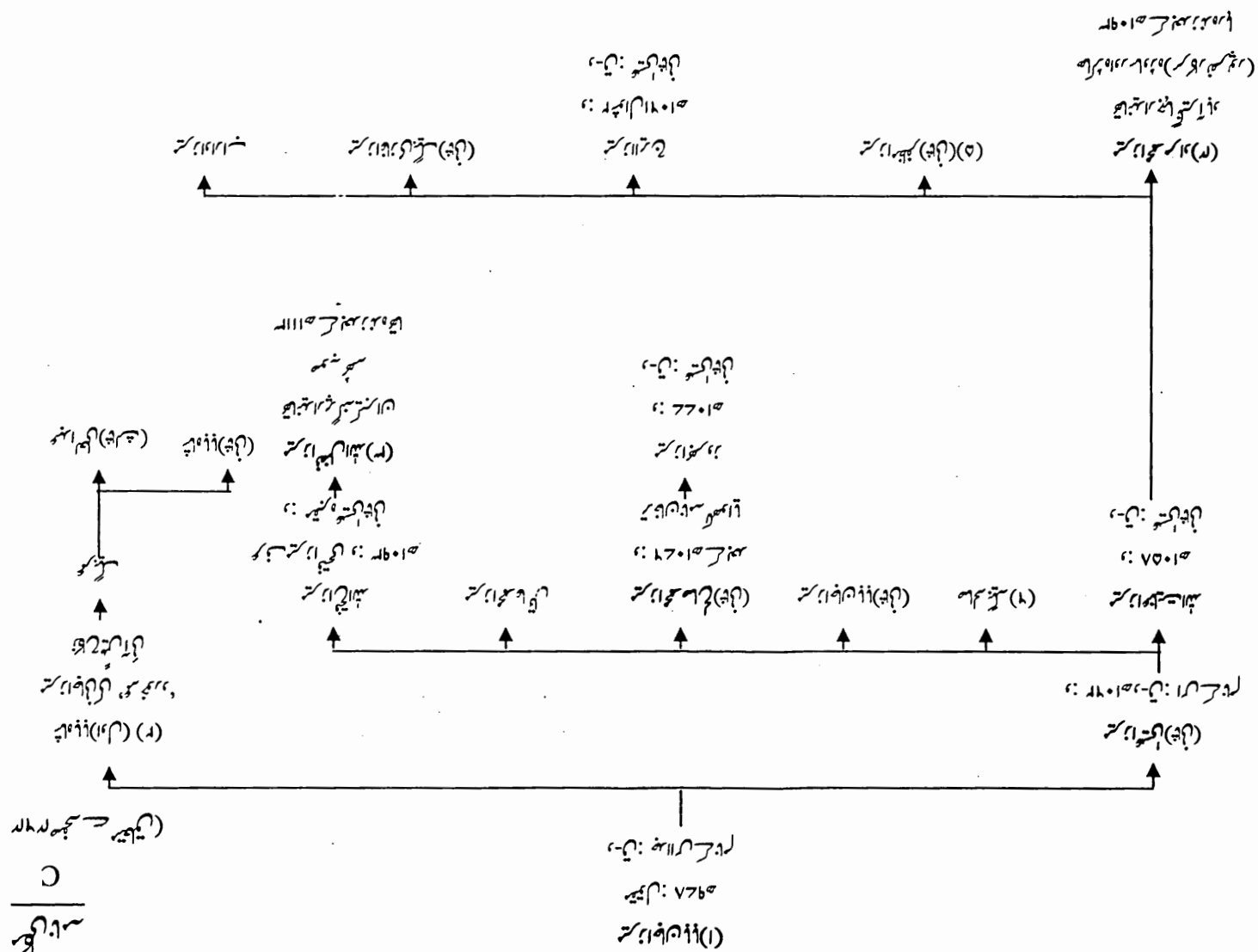
ت: تولد

و: وفات

د: دفن

ق: قبرستان

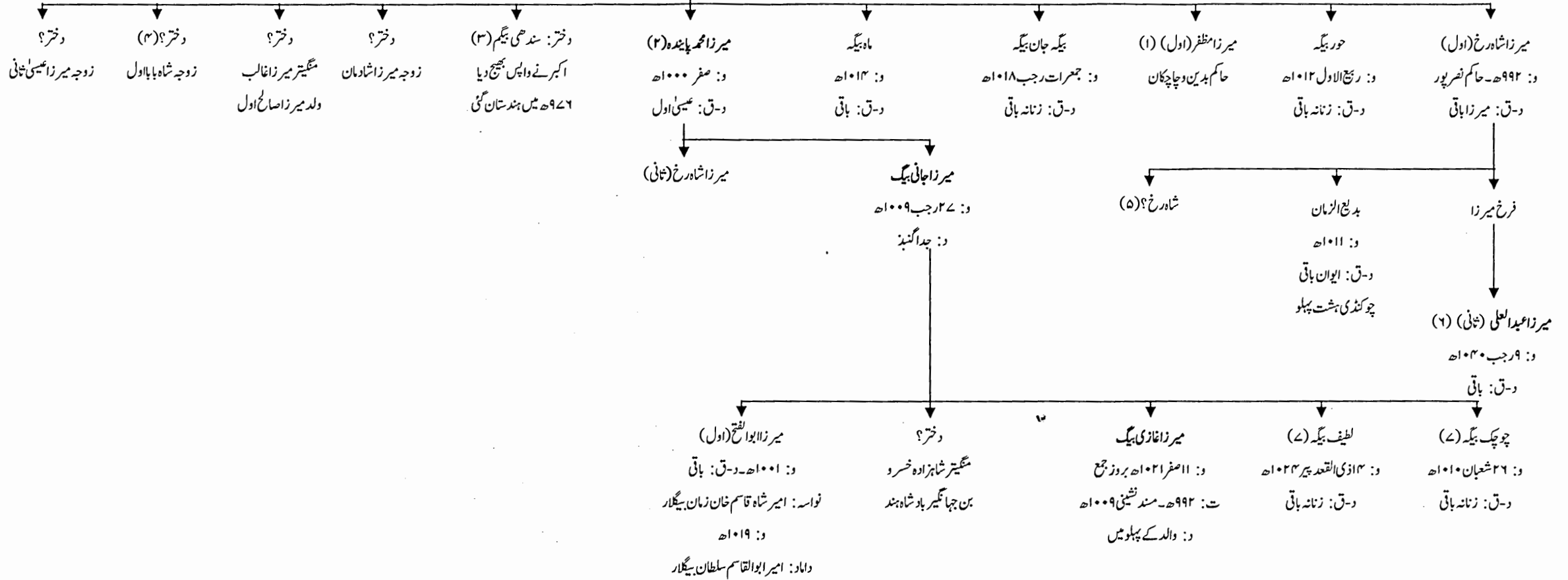
(۱) سلطان محمد محمود (۸۶۴-۹۰۰ھ) بن ابوسعید میران شاہی (۸۵۵-۸۷۳ھ) کے دور میں بخارا کا صوبیدار تھا۔ شیبانی خان والی جنگ میں پانچ بیٹوں کے ساتھ مارا گیا۔ میرزا عیسیٰ صغیر تھا، جس کی میرزا وائلون ارغون نے پرورش اور تربیت کی۔ (بلاخص ص ۳۸۹) آگے کے شجرہ کیلئے دیکھئے متن ۶۰۹ (۲) معصومی ص ۲۰۹، ۲۲۵، ۲۳۵ (۳) بیگلر نامہ ص ۲۲ (۴) ترخان نامہ ص ۶۲ (۵) ترخان نامہ ص ۶۳ (۶) فقیر محمد ترخان۔ رجب ۹۷۶ میں قتل ہوا۔ (معصومی ص ۱۱۳) محمد صالح اول کے آگن مین دفن۔ (۷) ظاہری میں اس کو میرزا عیسیٰ کا پینا دیکھا یا گیا ہے۔ غالباً یہ عبارت کی غلطی ہے۔ (غالب کہ خورد برد از ہمہ بود۔ ص ۹۹) ترخان نامہ میں درست رشتہ بتایا گیا ہے۔ (ص ۶۱) (۸) از اولاد میرزا صالح نواسہا است کہ اسامی آنخادر شجرہ سادات عظام اولاد امیر کبیر پیر سید علی شیرازی (تتوی) مرقوم است (ترخان نامہ ص ۶۷)۔ (۹) مقدمہ چنیس نامہ ازراقم الحروف۔ (۱۰) یہ پورا خاندان یعنی بیوی، شوہر اور دو صغیر بیٹے میرزا باقی نے قتل کروا دیئے۔ سارے میرزا جان بابا کے مقبرے میں دفن ہیں۔



میرزا محمد باقی ترخان

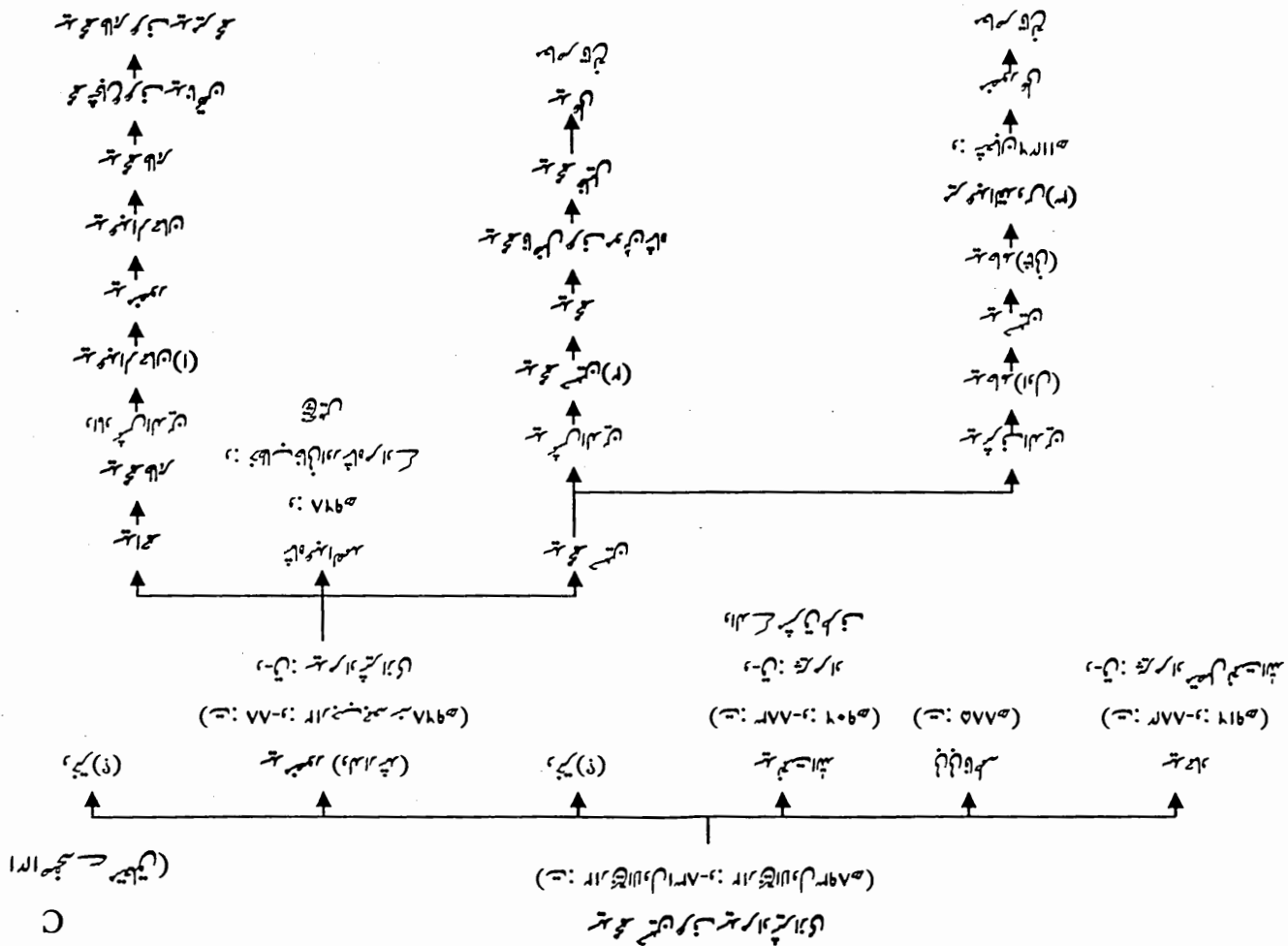
و: قمیس ۸ شوال ۹۹۳ھ

و-ق: اسی کے نام نزدیک عیسیٰ اول



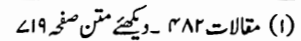
(۱) والد کی وفات (۹۹۳ھ) کے بعد زندہ تھا۔ (طاہری ۱۶۰-۱۶۱) اس کی والدہ کچھ کے جاؤ بچی سمد میں سے تھی۔ (۲) طاہری ص ۱۳۳-۱۳۷-۱۵۰-۱۷۸۔ (۳) طاہری ص ۱۳۳-۱۳۷-۱۵۰-۱۷۸۔ (۴) ترخان نامہ ص ۶۶ دیکھئے شجرہ (۵) طاہری ص ۱۷۱-۱۷۳-۱۷۴۔ (۶) میرزا غازی کے فوت ہونے کے بعد مسند نشین کیا گیا۔ جہانگیر بادشاہ نے گرفتار کر دیا کہ باندی کر دیا۔ (۷) یہ دونوں قبریں میرزا باقی کے قبرستان میں ہیں۔ کتبائے پر لکھا ہوا ہے: بنت حضرت رضوان مقامی۔ قیاس ہے کہ۔ رضوان مقامی۔ میرزا جانی کیلئے کتب لایا گیا ہے۔ جنت مکانی۔ میرزا عیسیٰ اور میرزا باقی کی لئے کتب آیا ہے۔ قیاس کے علاوہ دوسری کوئی بھی سند نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ بھی میرزا باقی کی عیسیاں ہوں۔

-تم کے لئے، اور کہ تم پہنچو، میں اسے شہر میں لے جاؤں گا۔ (۱) (۲)



۱۴۱ صفحہ سے متعلق)

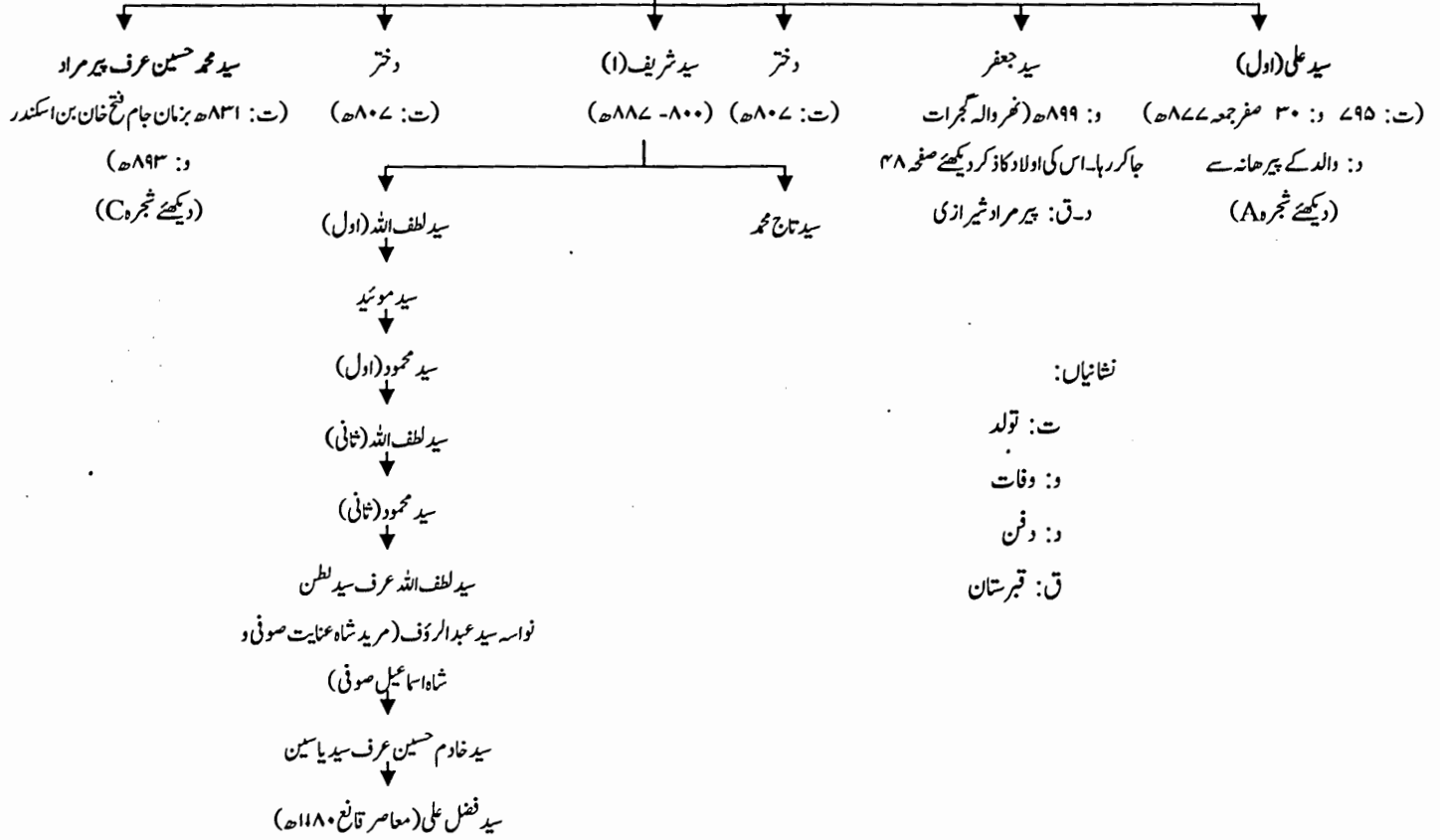
د: والد کی پیرہانے سے



سید محمد عرف سید میران محمد
(شیراز سے جام صلاح الدین بن قباچی کے دور میں
سال ۷۸۶ھ کے بیٹے کو ساتھ سندھ میں وارد ہوا)

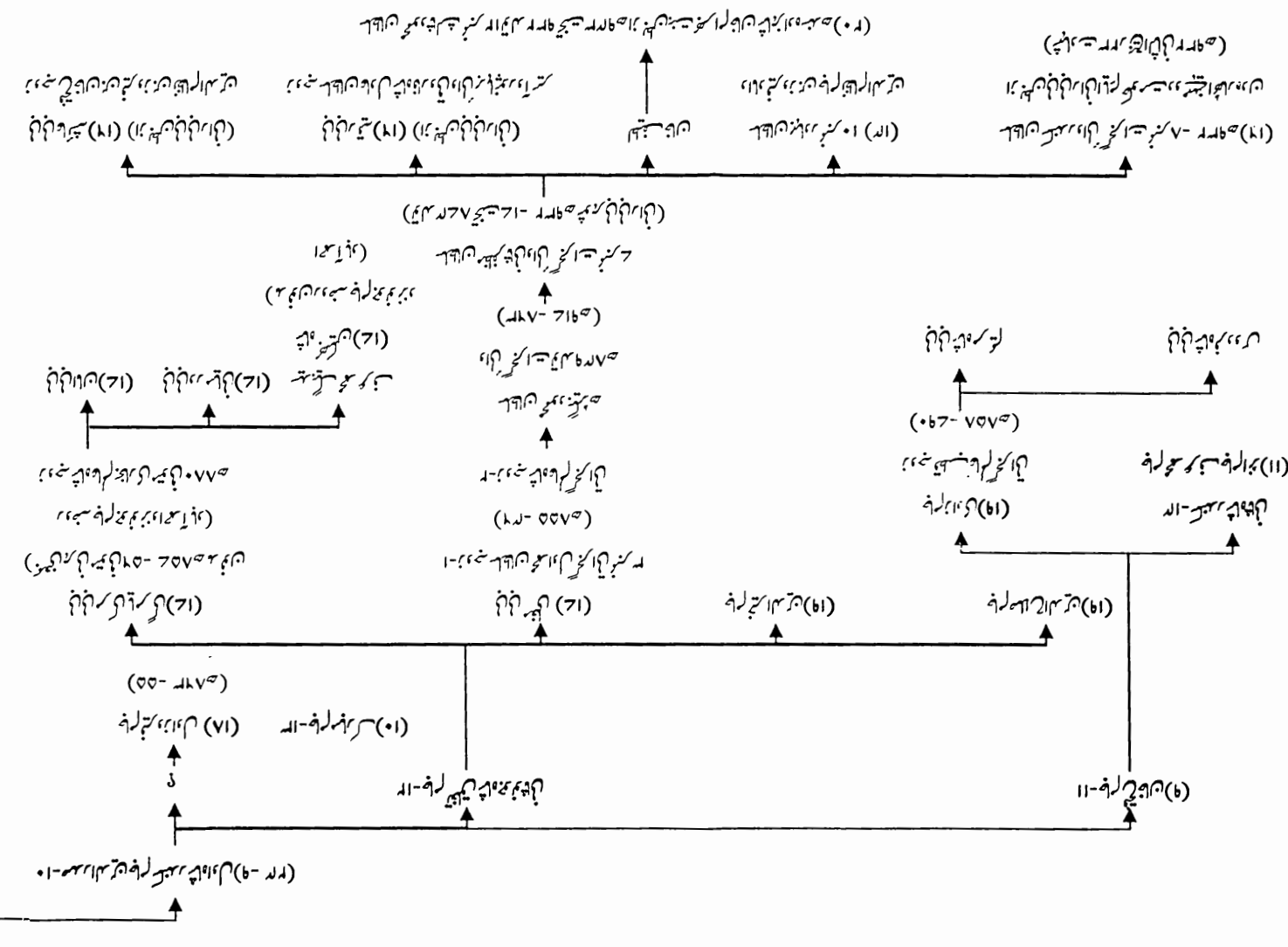


سید احمد (۱- محرم ۸۴۵ھ)
(داماد قاضی نعمت اللہ ٹھٹھوی)



سرمنته الله سبب: بن
سبب
نویسندگان: سید محمد
۱۳۸۵ هجری قمری - ۱۳۸۶ هجری قمری

نقشه کلی از سبب: بن
(۱) ————— سبب اول
(۲) ————— سبب دوم
(۳) ————— سبب سوم
(۴) ————— سبب چهارم
(۵) ————— سبب پنجم



(۱۱) سبب اول: (۱۱) سبب اول، (۱۲) سبب دوم، (۱۳) سبب سوم، (۱۴) سبب چهارم، (۱۵) سبب پنجم، (۱۶) سبب ششم

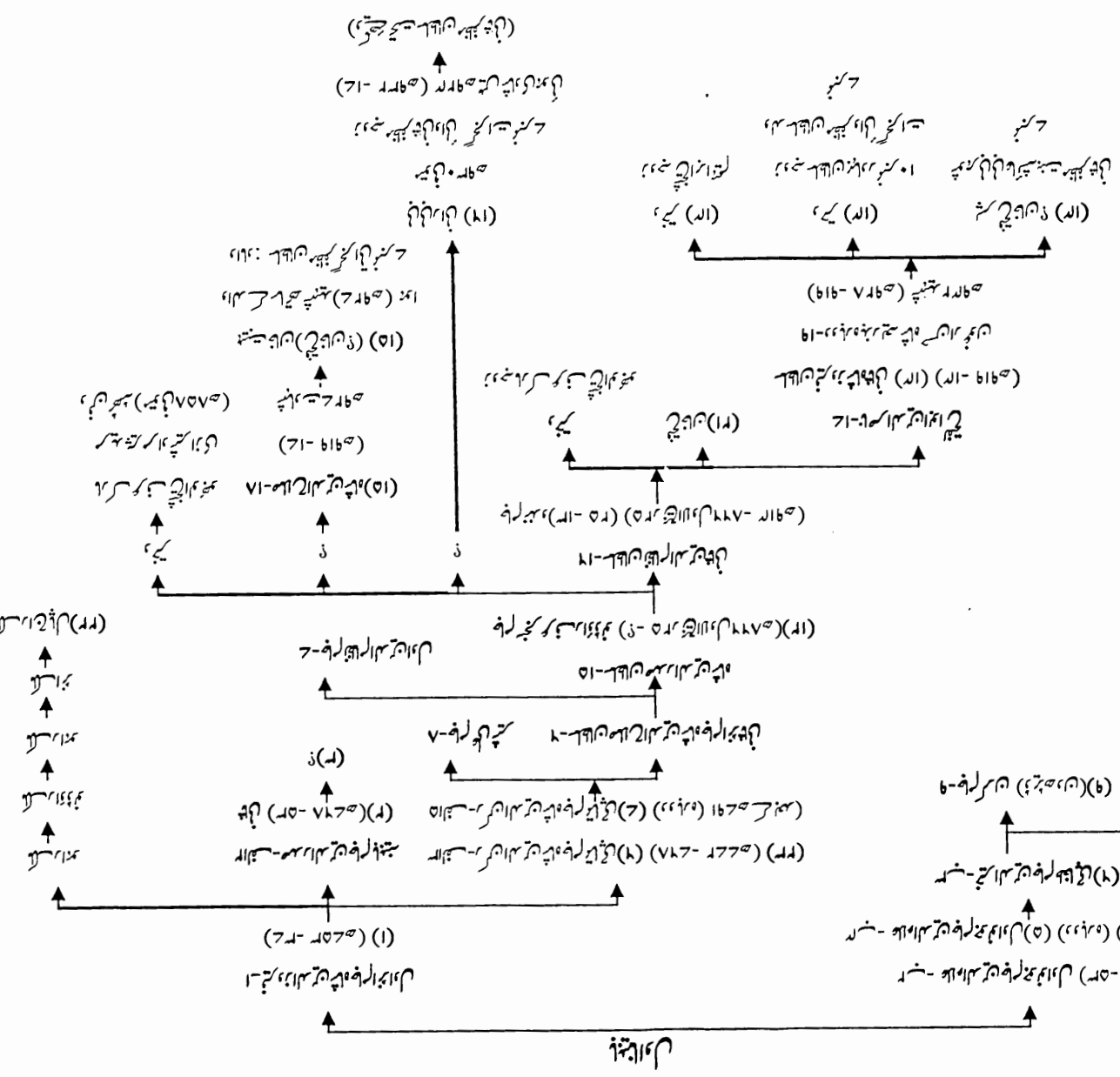
(۱۲) سبب دوم: (۱۲) سبب دوم، (۱۳) سبب سوم، (۱۴) سبب چهارم، (۱۵) سبب پنجم، (۱۶) سبب ششم

(۱۳) سبب سوم: (۱۳) سبب سوم، (۱۴) سبب چهارم، (۱۵) سبب پنجم، (۱۶) سبب ششم

(۱۴) سبب چهارم: (۱۴) سبب چهارم، (۱۵) سبب پنجم، (۱۶) سبب ششم

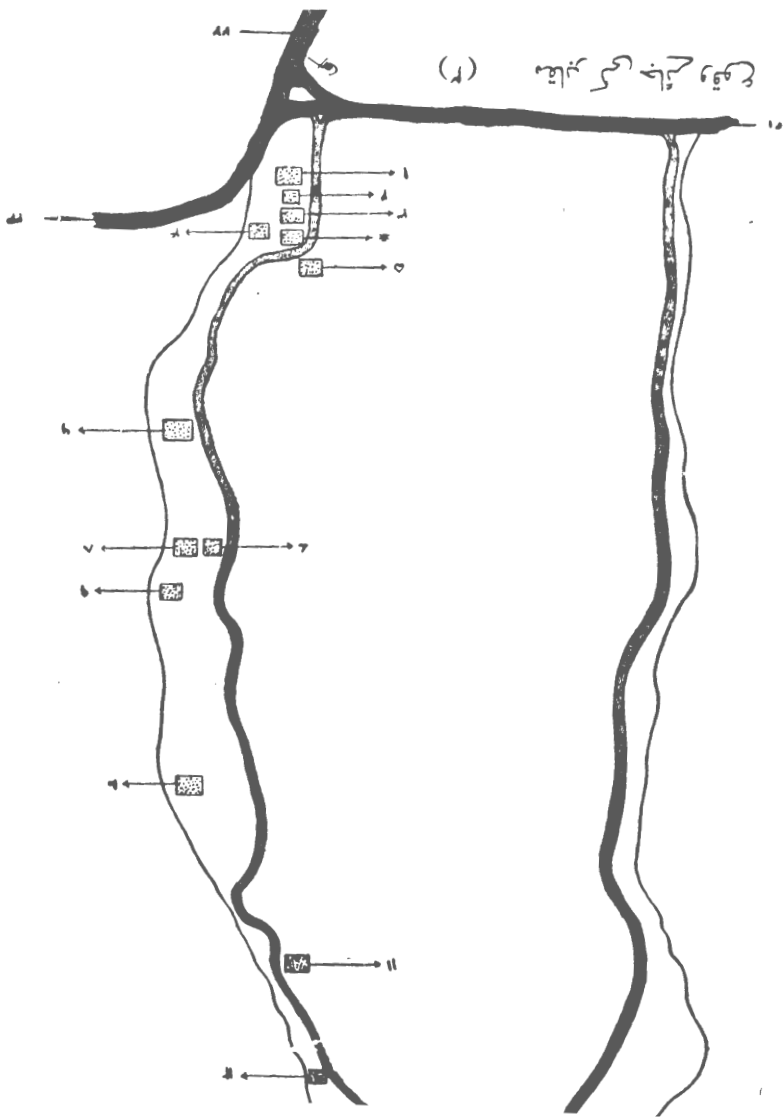
(۱۵) سبب پنجم: (۱۵) سبب پنجم، (۱۶) سبب ششم

(۱۶) سبب ششم: (۱۶) سبب ششم



(1)





مقابر کی جائے وقوع (A)



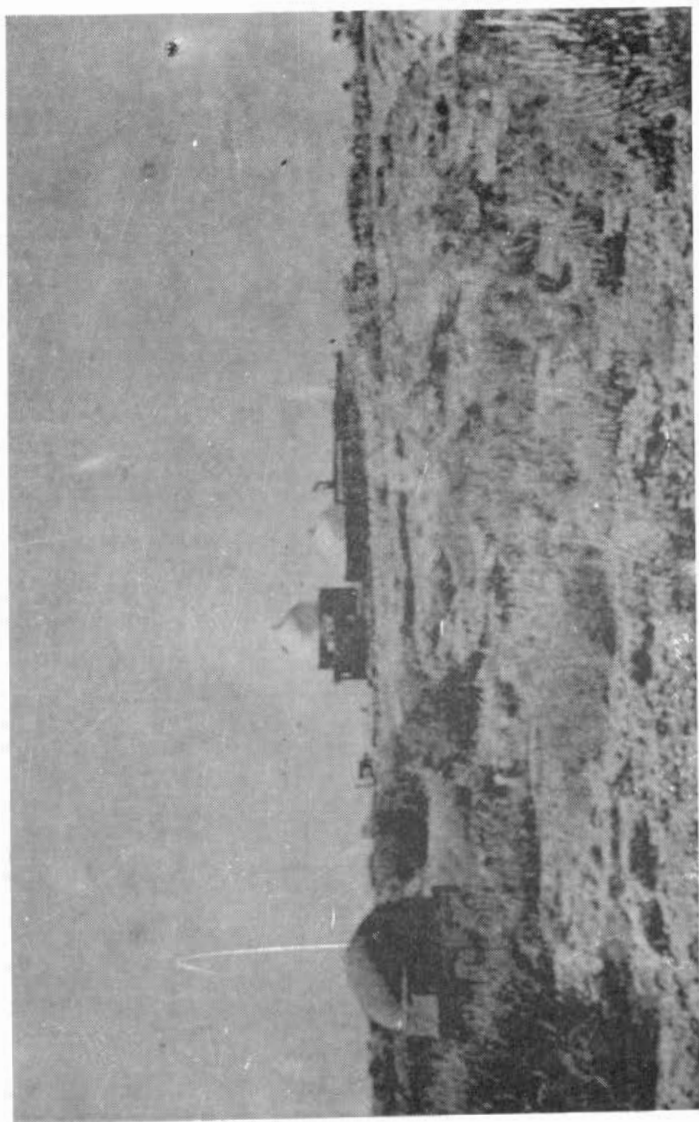
11
10
9
8
7
6
5
4
3
2
1

11

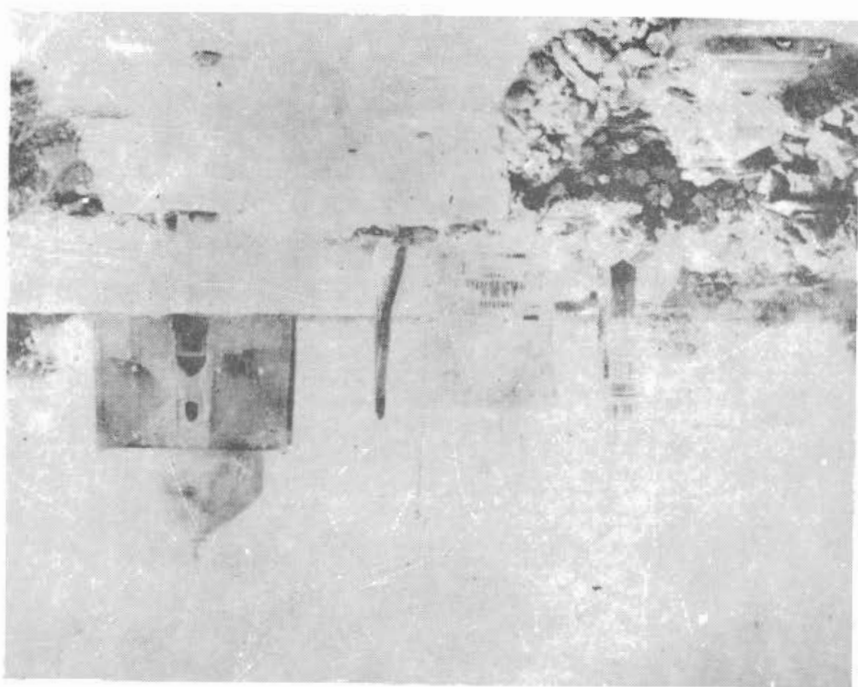


- ۱- خانی بیک کی مقبرہ
- ۲- ظفر بیک کی مقبرہ
- ۳- باقی بیک کی مقبرہ
- ۴- خان بیک کی مقبرہ
- ۵- شرف خان کی مقبرہ
- ۶- سلطان ابراہیم کی مقبرہ
- ۷- سید عبداللہ کی مزار
- ۸- محمد باقی کی مقبرہ
- ۹- عیسیٰ خان اول کی مقبرہ
- ۱۰- شیخ خٹو کی مقبرہ
- ۱۱- کدوس سلطان کی مقبرہ
- ۱۲- میر سلطان کی مقبرہ
- ۱۳- میر سلطان کی مقبرہ
- ۱۴- سکندر شاہ کی مقبرہ
- ۱۵- تاج الدین کی مقبرہ
- ۱۶- فتح خان کی مقبرہ
- ۱۷- علی شہزاد کی مقبرہ
- ۱۸- سید علی شہزاد کی مقبرہ
- ۱۹- شاہ مراد کی مقبرہ
- ۲۰- شیخ عیسیٰ لنگوٹی کی مقبرہ
- ۲۱- عیسیٰ خان ثانی کی مقبرہ
- ۲۲- شاہی جنگ (جنگ شاہی سے آئے والی سڑک)
- ۲۳- کراچی سے آئے والی سڑک
- ۲۴- شاہراہ ٹھٹھہ (ٹھٹھہ سے آئے والی سڑک)
- ۲۵- شاہراہ

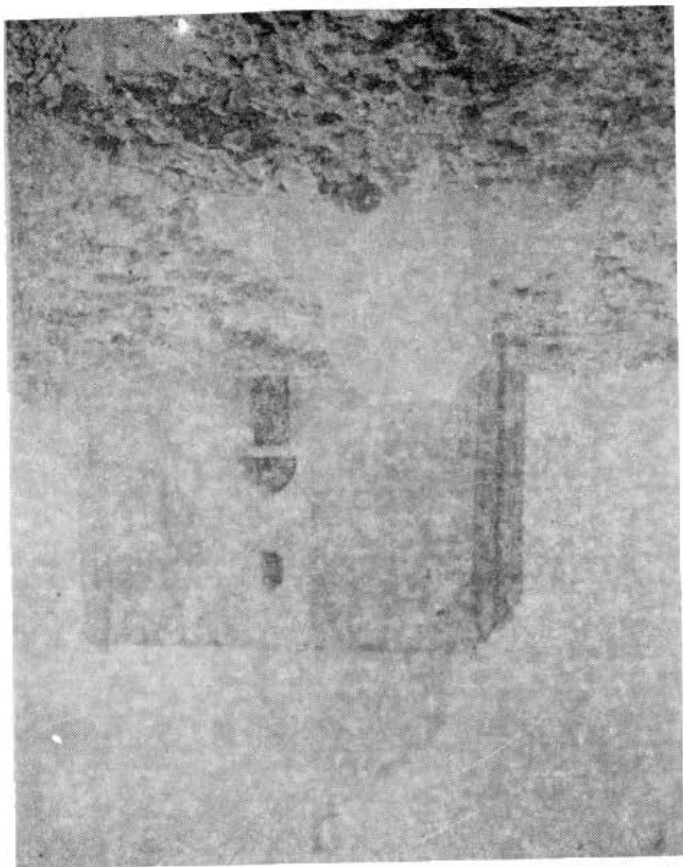
۳- خانقاہ سید شاہ مراد کا عام منظر



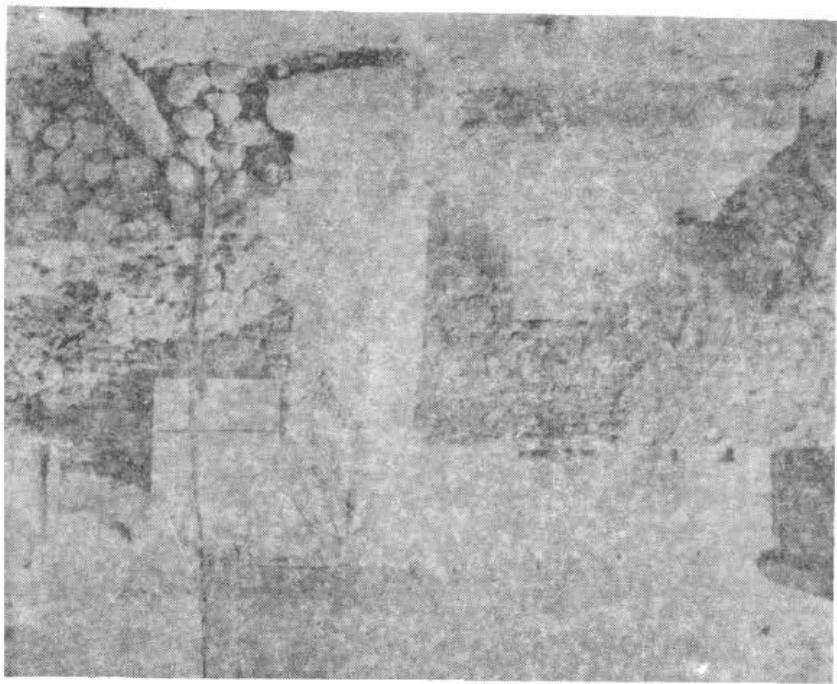
ملک شاه مراد - حسن صفائی - ۲۲



مدرسه و بازار شاه عبدالعزیز - ۵



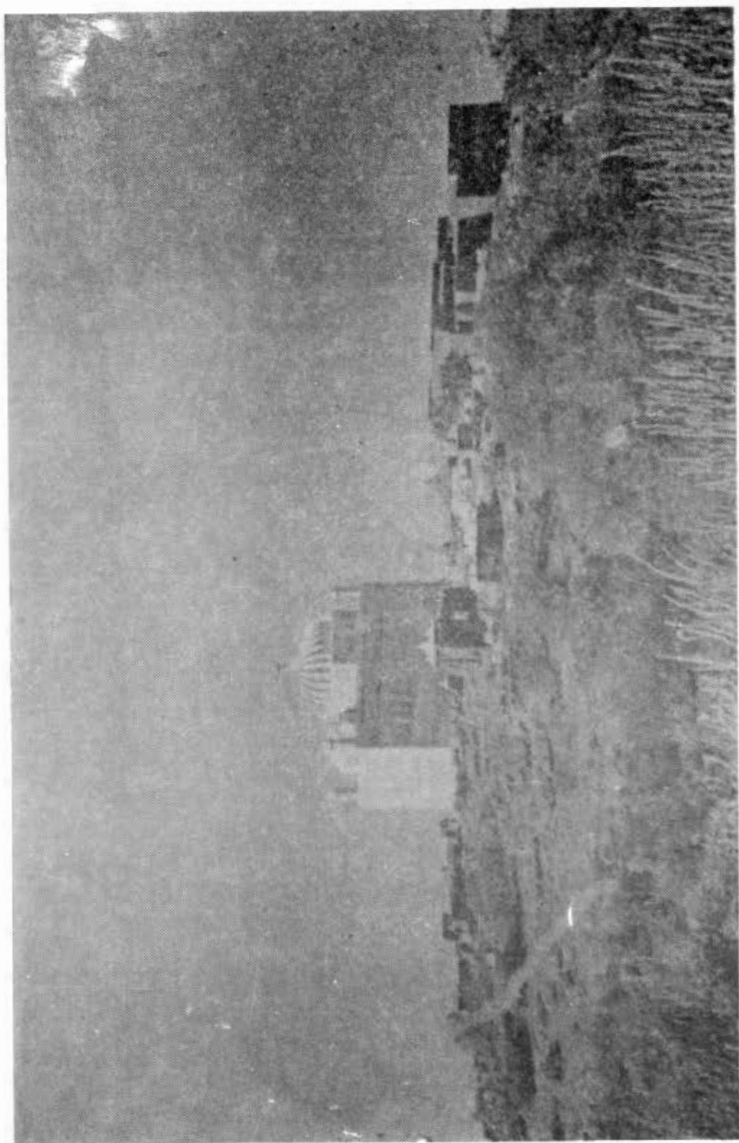
۱۲- برای محاسبه



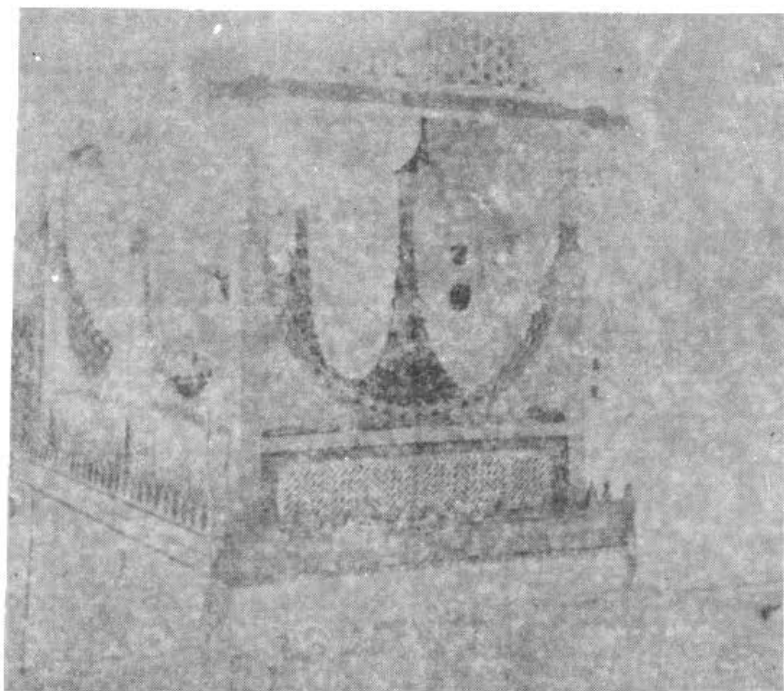
۷- قاضی نعمت اللہ ٹھٹوی کا مزار



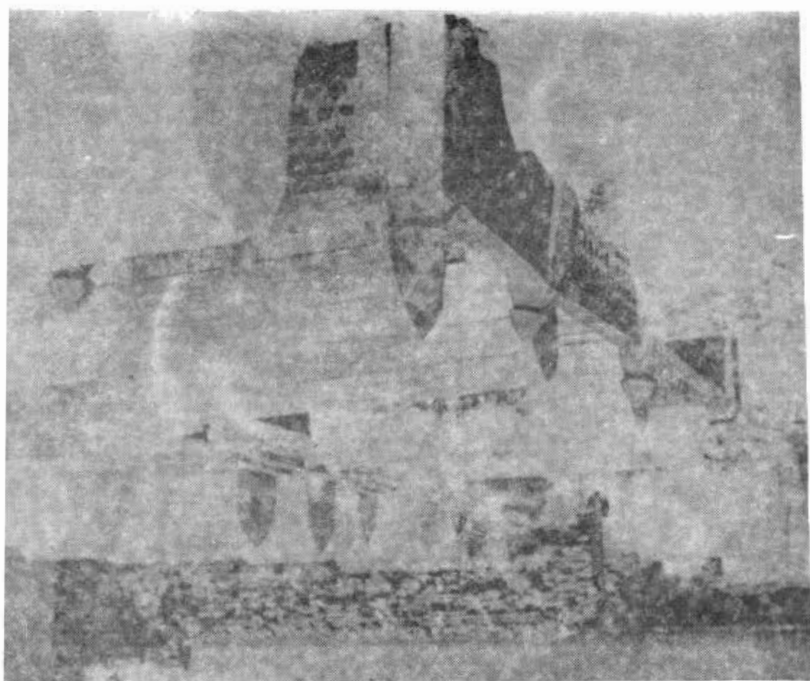
۸- مقبرہ سید علی ثانی کا عام منظر



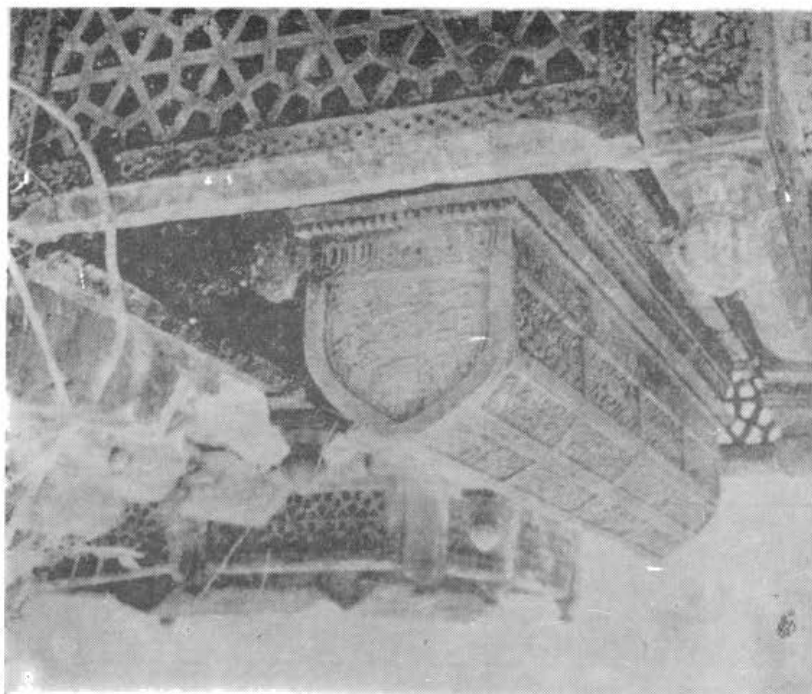
۶- خیر سی کی



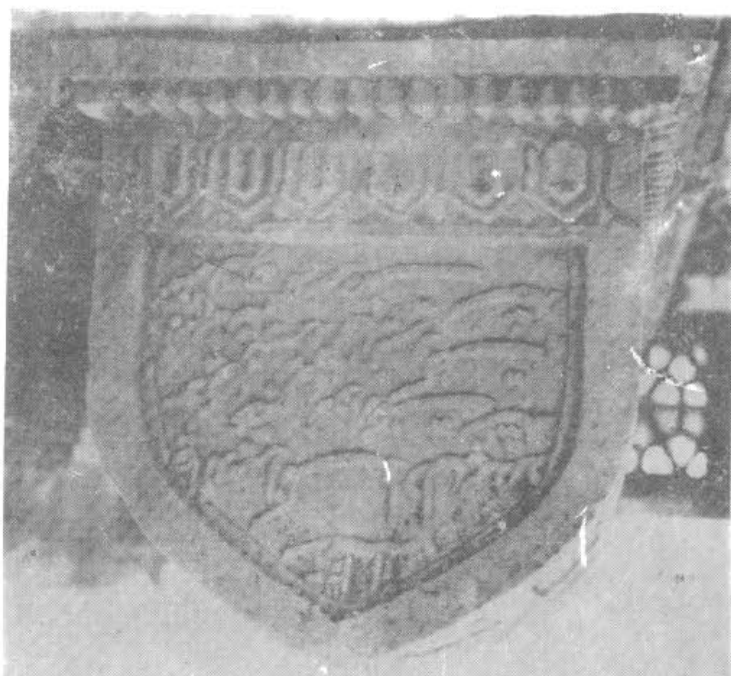
۱۰۔ علی حسینی اور علی حسینی، میر، علی حسینی



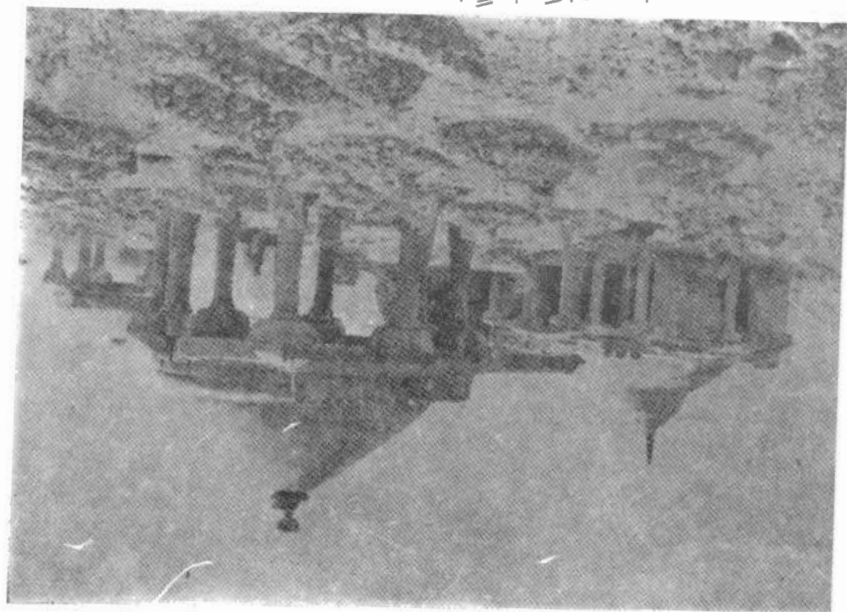
۱۱- سربازان



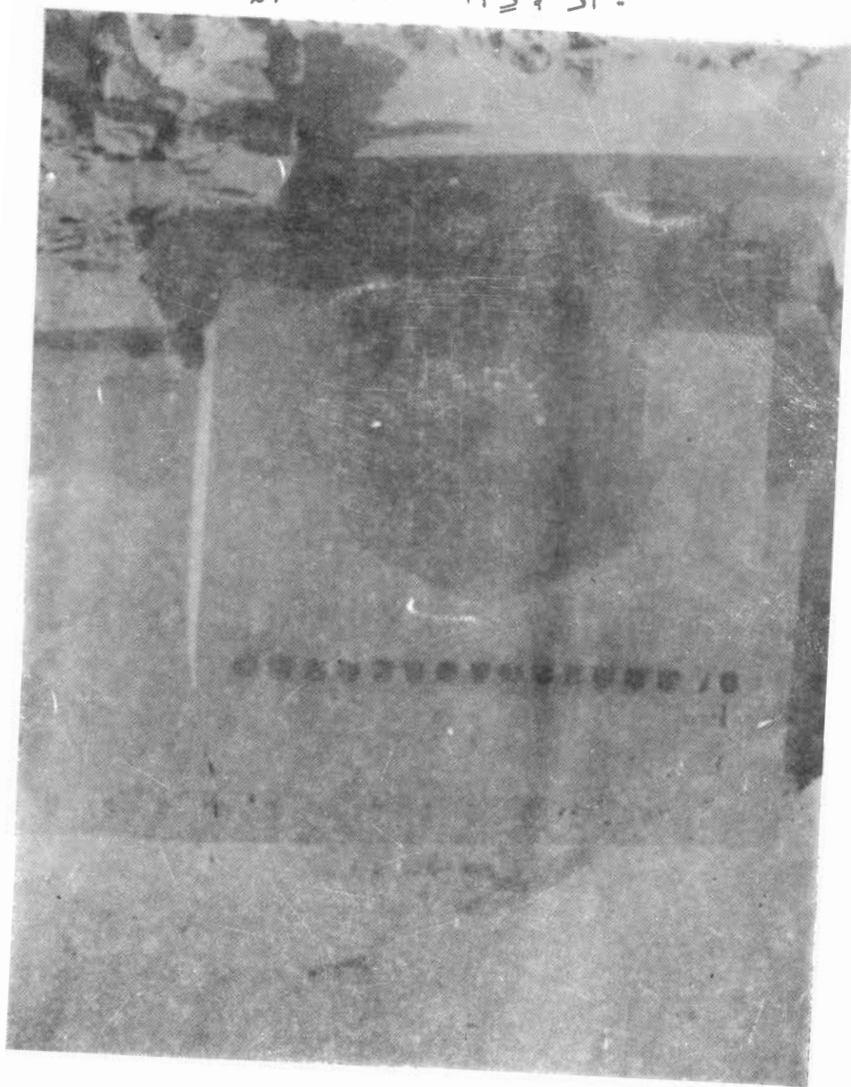
شیرازی ایوانی - ۱۱



۱۳- شينج شينجى لىنگونى كازىرستان



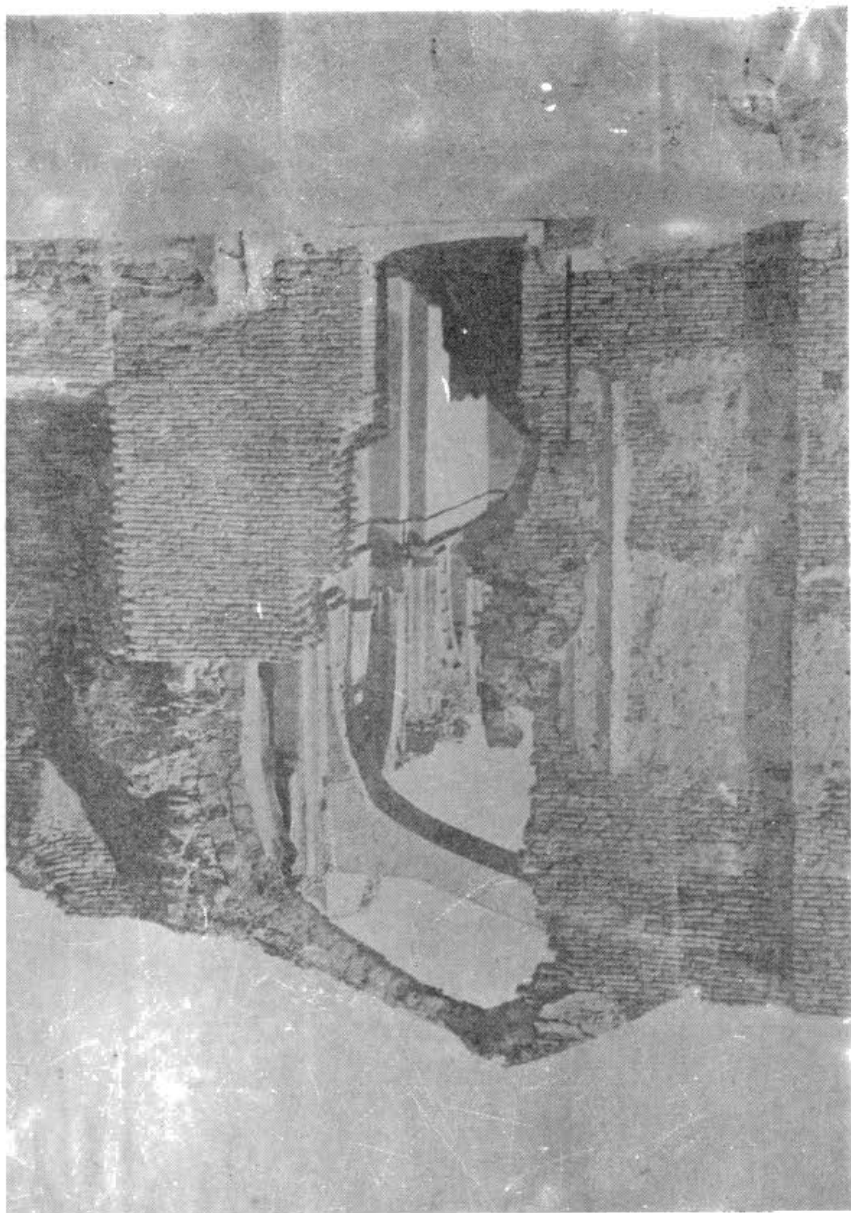
۱۰ - چیتا کی کھدائی کا نقشہ



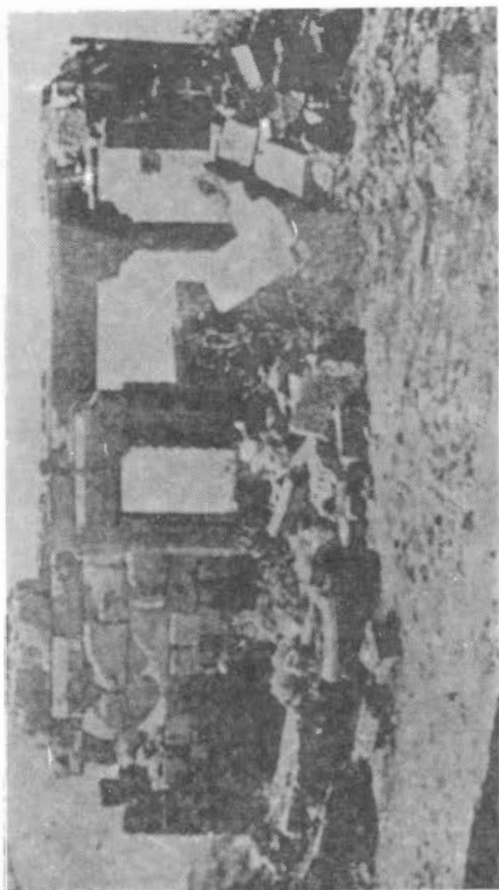
۱۵۔ شیخ عیسیٰ النگوٹی کا مزار

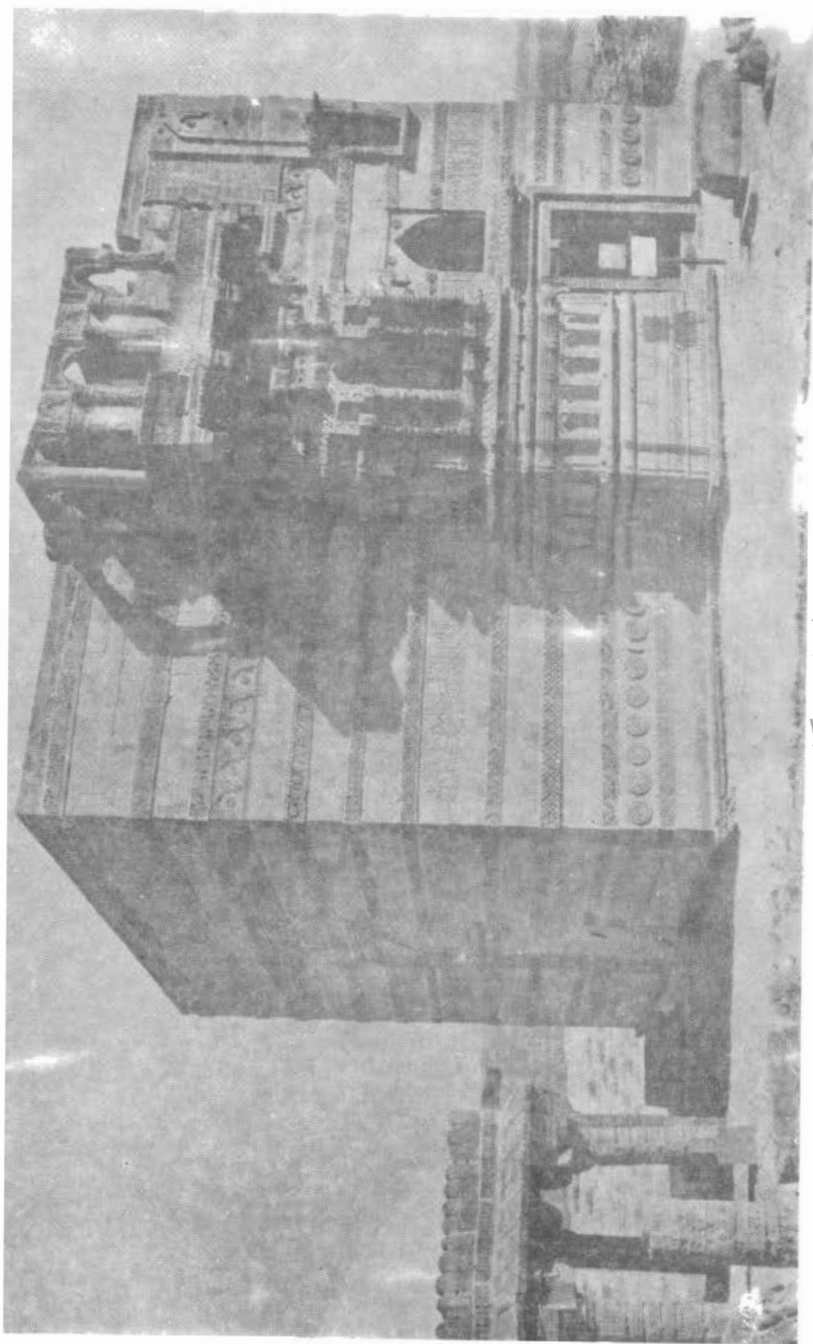


41- Գրեթե ամբողջությամբ

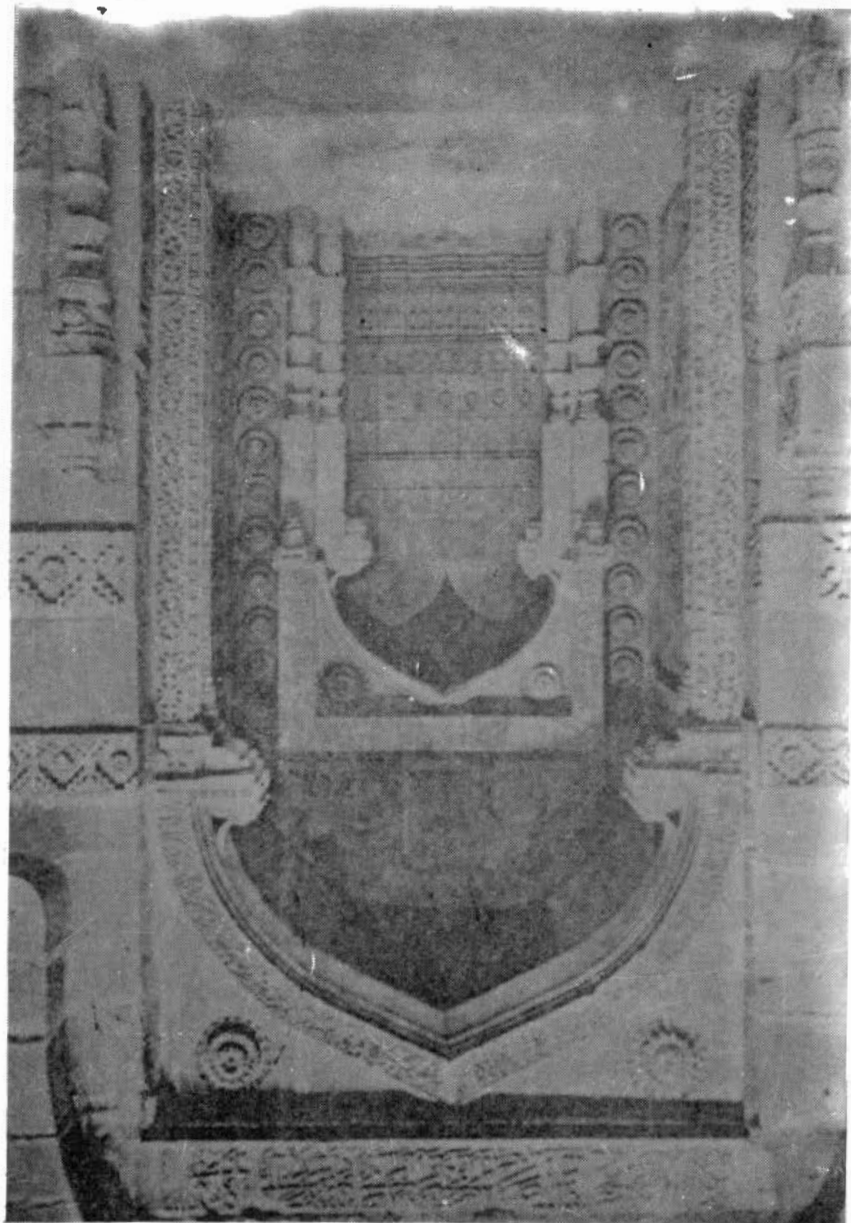


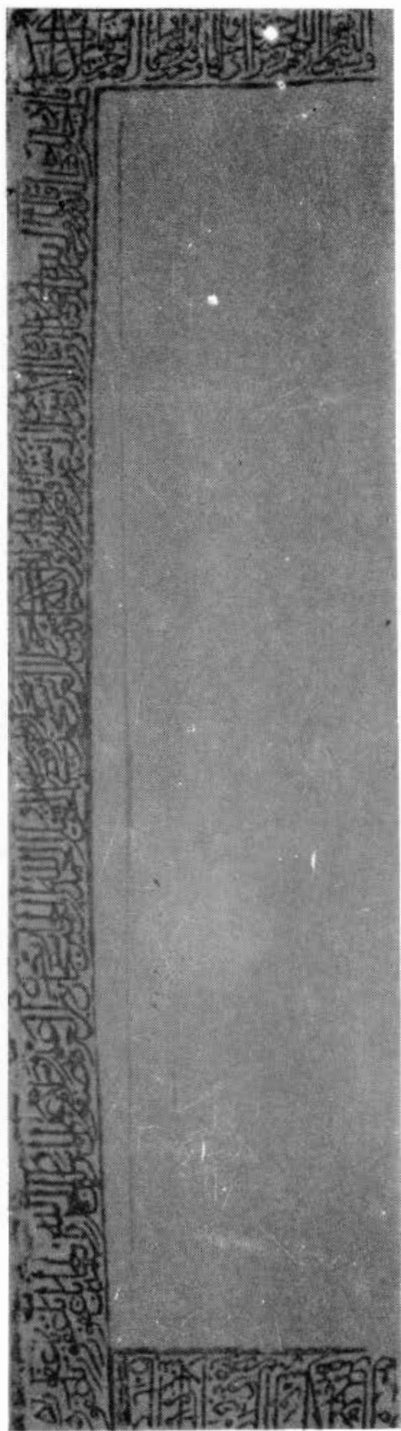
۱۷- شیخ حماد جمالی کا مقبرہ





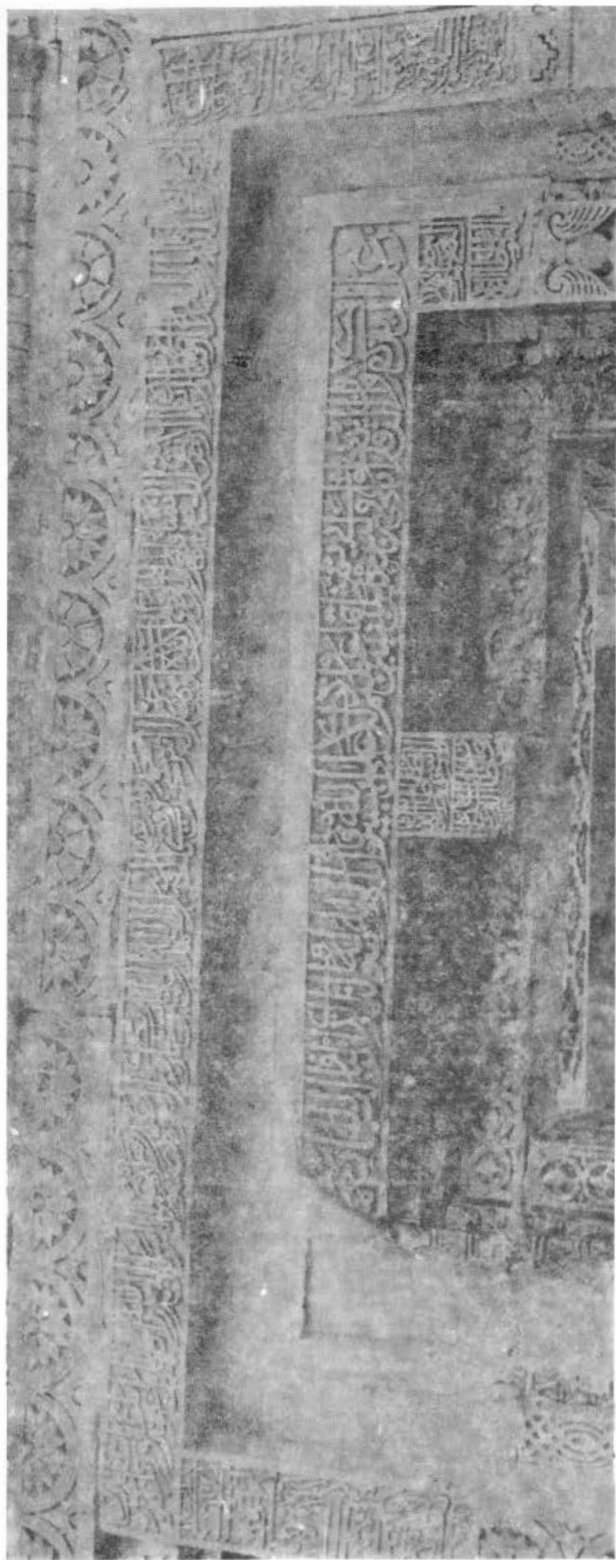
باب محرابی اندرون کی مقبرہ کے نظام الدین - ۱۹

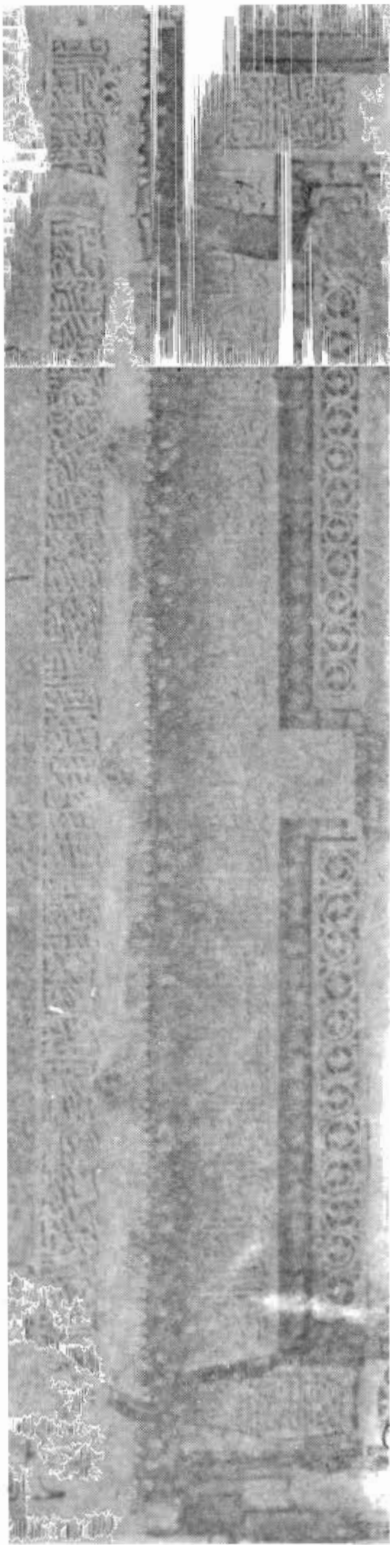




۲۰- مقبره جام نظام الدین- کتبه (چربه) داخلی دروازه

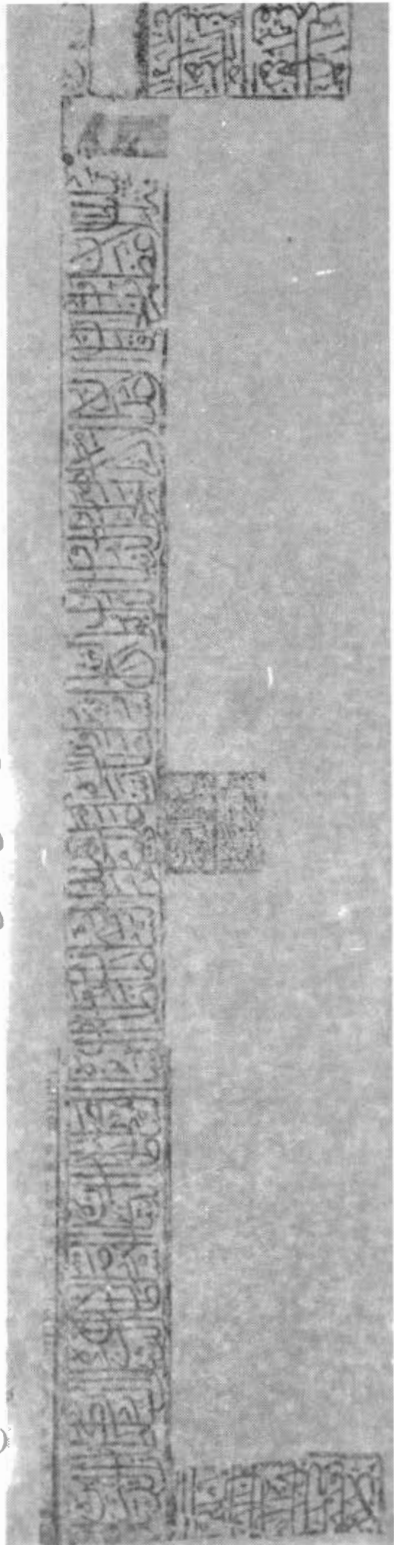
۲۱۔ مقبرہ جام نظام الدین۔ داخلی دروازے کا کتبہ





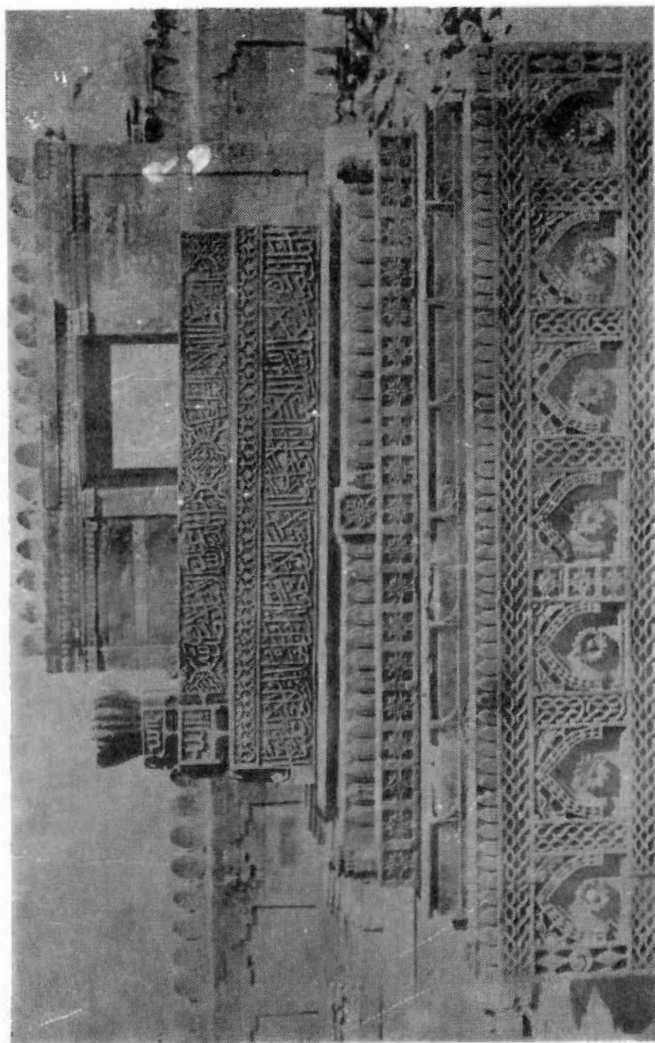
۲۲- مقبرہ جام نظام الدین شمالی داخلی دروازے کا کتبہ

(۴۶۶)

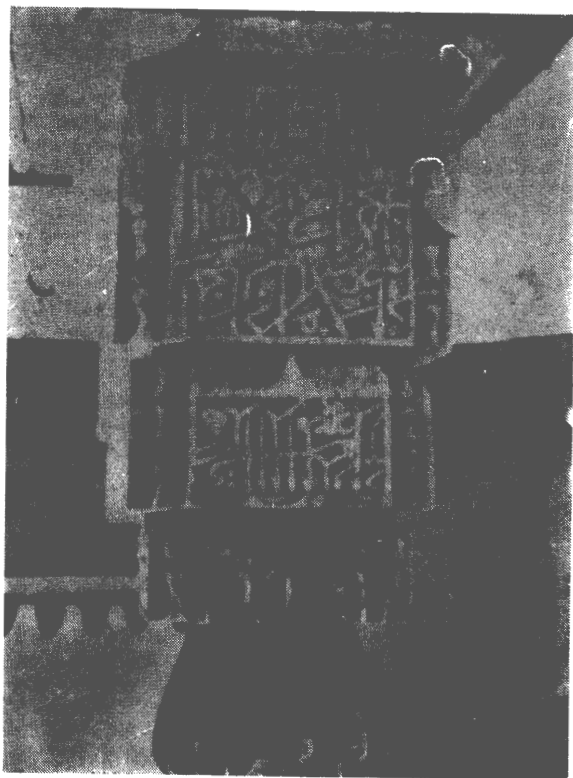


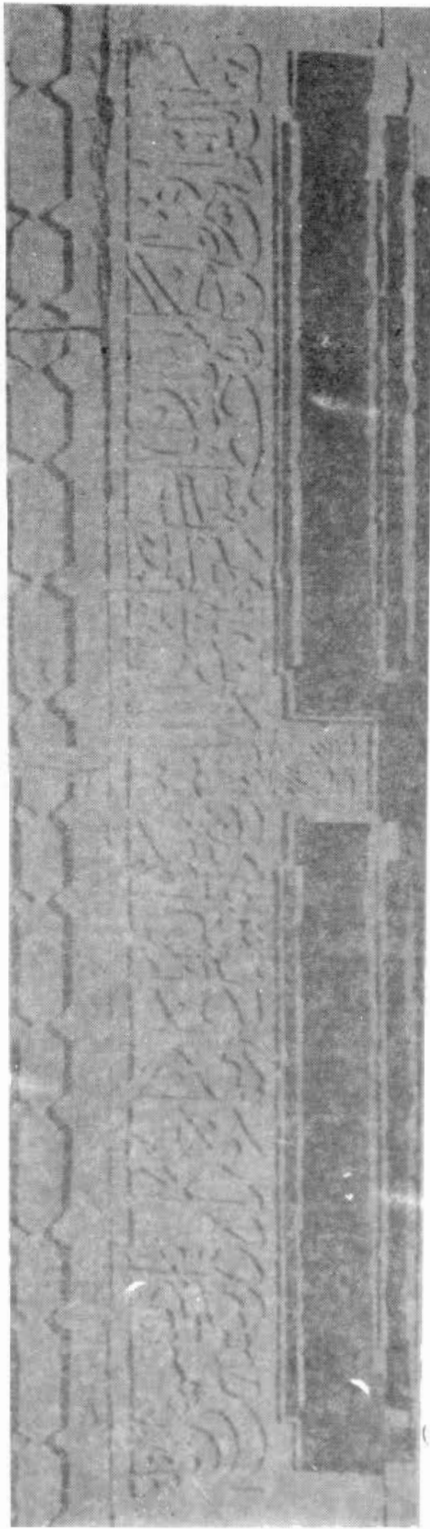
۲۳- مقبرہ جام نظام الدین شمالی دروازے کا چربہ

۲۴ - مزار متبرک شهید وطن دولها دریا خان



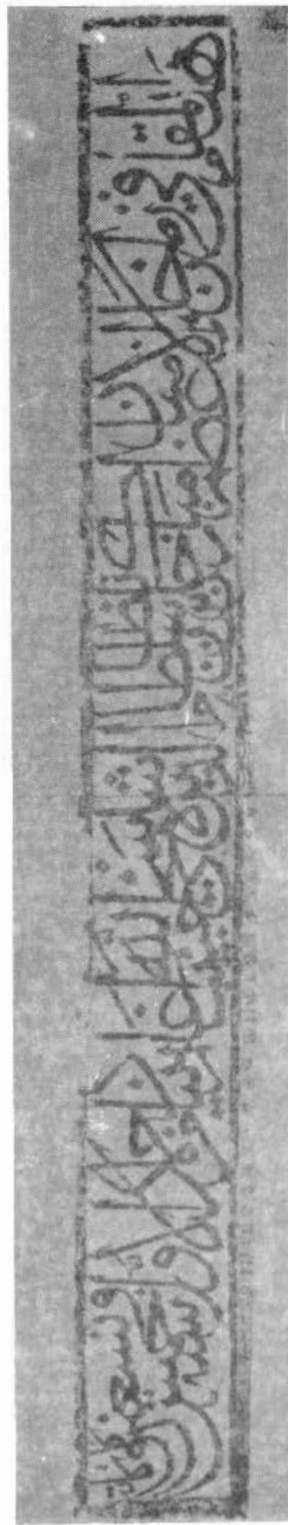
۵۴- منیر ۱۸، جہانگیر ۱۸، جہانگیر ۱۸، جہانگیر ۱۸



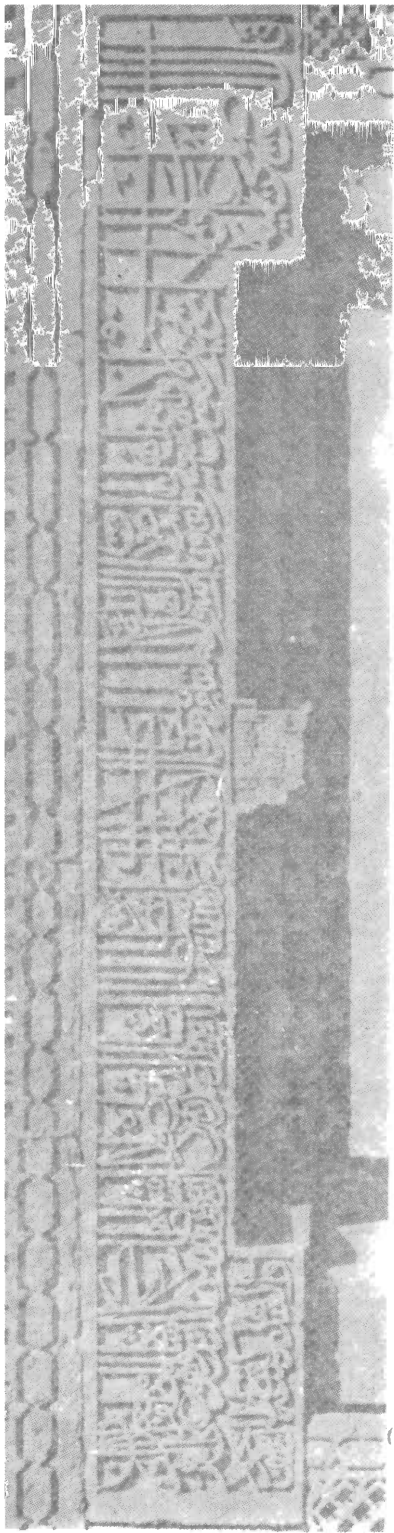


۲۶- مزار دولہا دریا خان- چہار دیواری کے مشرقی دروازے کا کتبہ

(696)

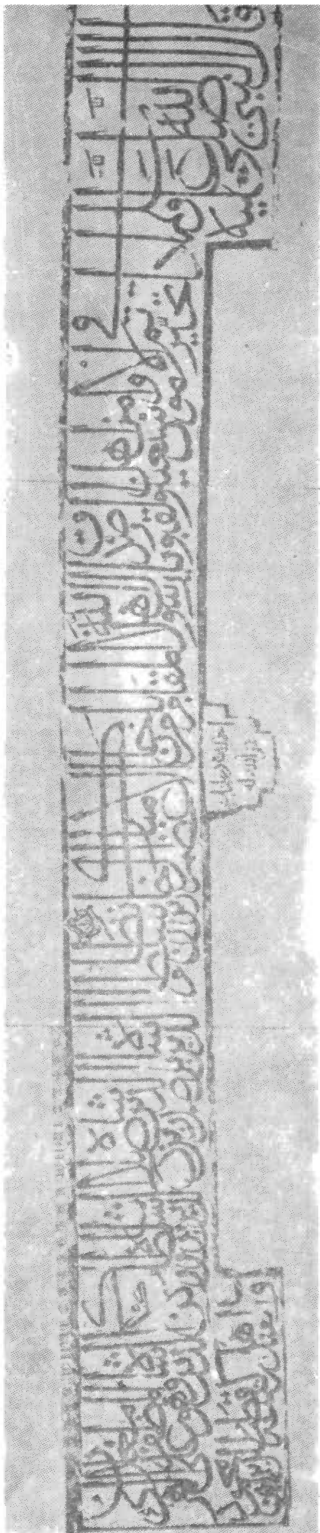


۲۷- مزار دولہا دریا خان- مشرقی دروازے کے کتبہ کا چربہ



۲۸- مزار دولہا دریا خان- جنوبی دروازے کا کتبہ

(697)



۲۹- مزار دولہا دریا خان- جنوبی دروازے کا کتبہ (چربہ)

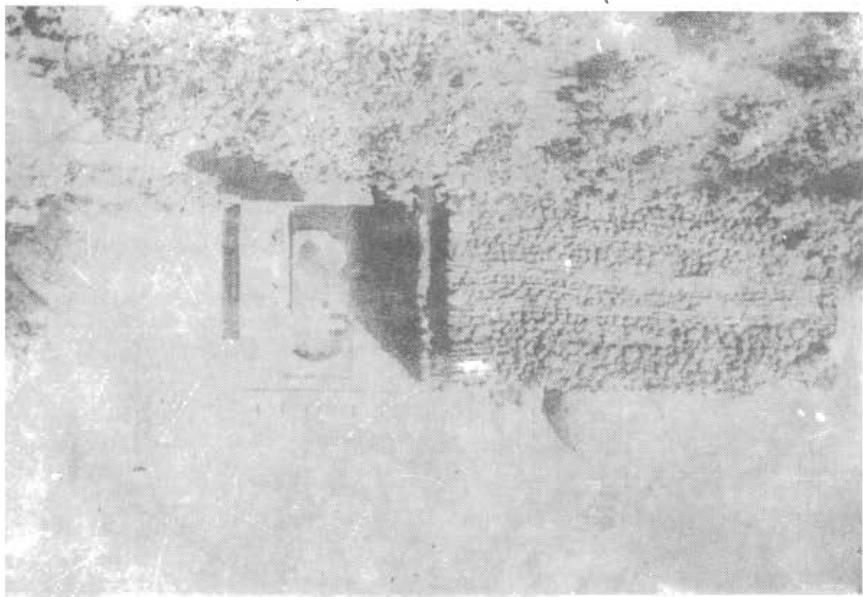
۳۰۔ شیخ تراہی کے مزار کا کتبہ



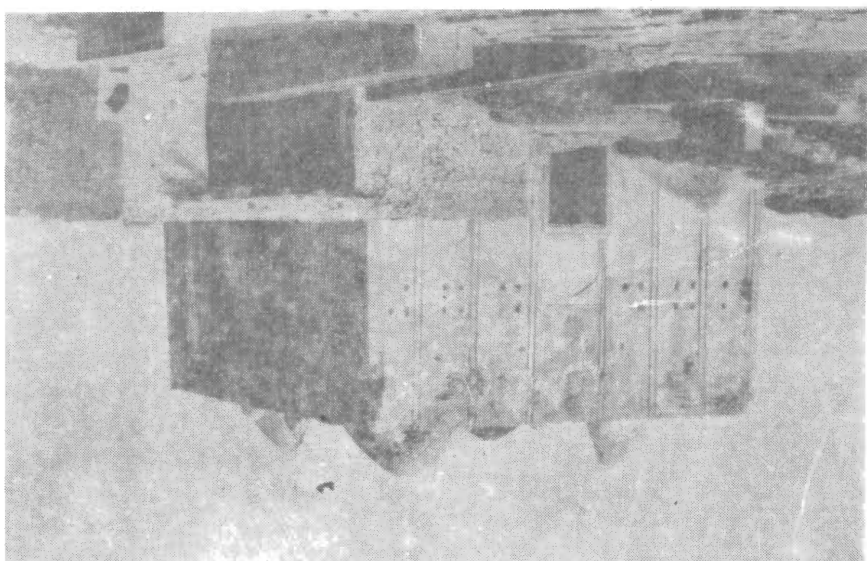
۳۲۔ ملک راج پال کے مزار کا کتبہ



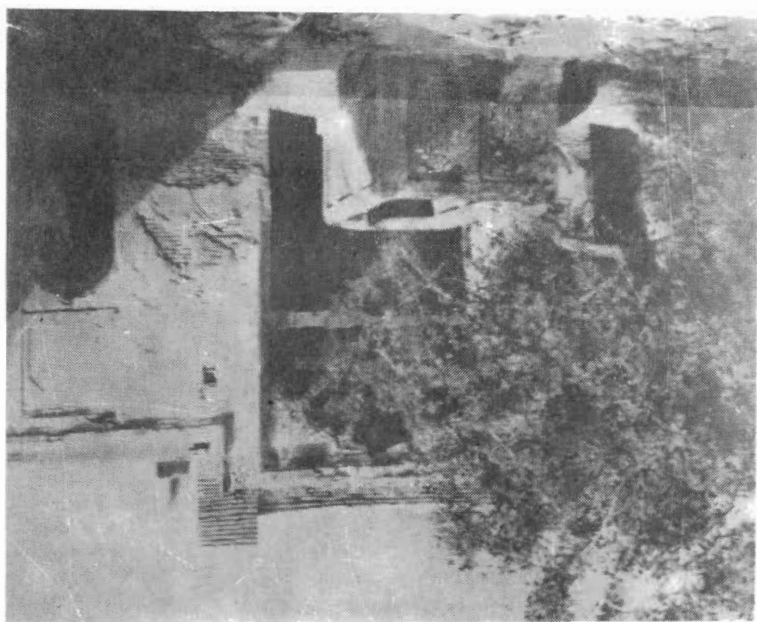
مقبره شيخ نعمت الله - ۳۴



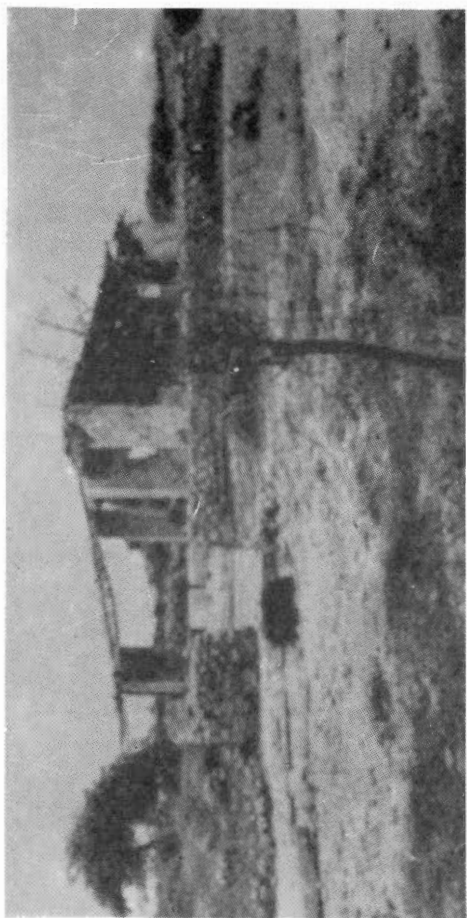
مقبره شيخ جنو - ۳۳



آرامگاه ساسانیان

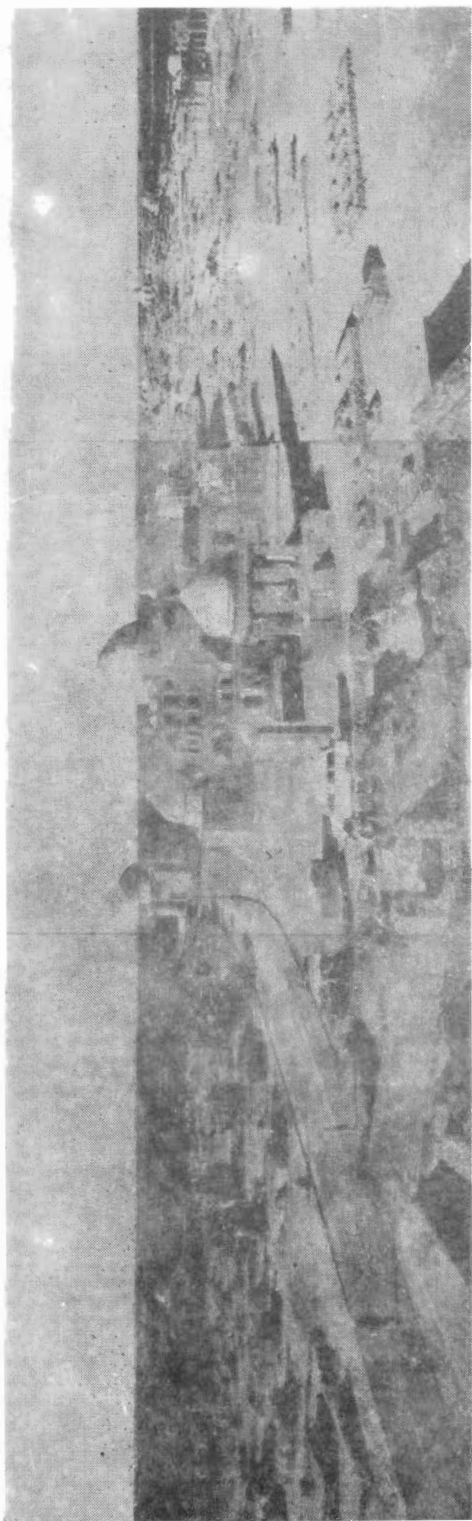


۳۶- شاه پریان



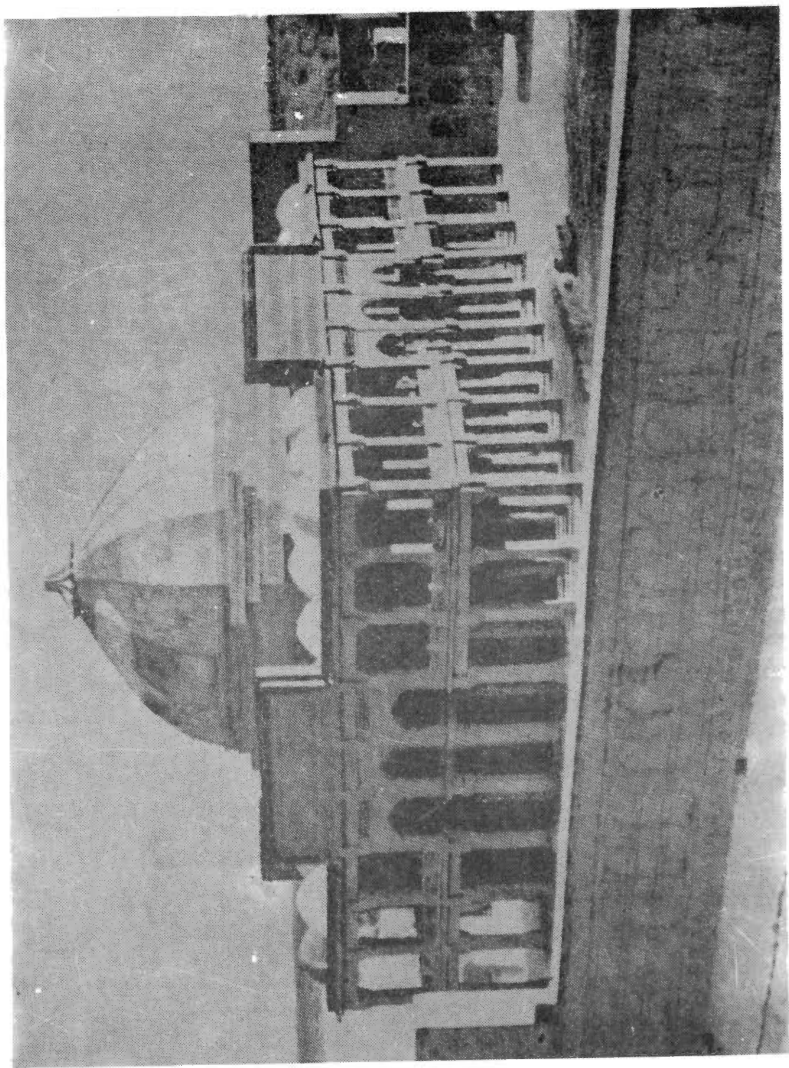
سر فراز محمد امیر صاحبنا بنی از عبادت بنی شد و در مدائن بنی قدا و مؤمن و قول نبی فرمودی که اگر آید عا یلایخ خدمت پر صفر
بنی از عبادت بنی شد و در مدائن بنی قدا و مؤمن و قول نبی فرمودی که اگر آید عا یلایخ خدمت پر صفر

۳۷۔ عبد اللہ شاہ صحابی کی مسجد کا کتبہ

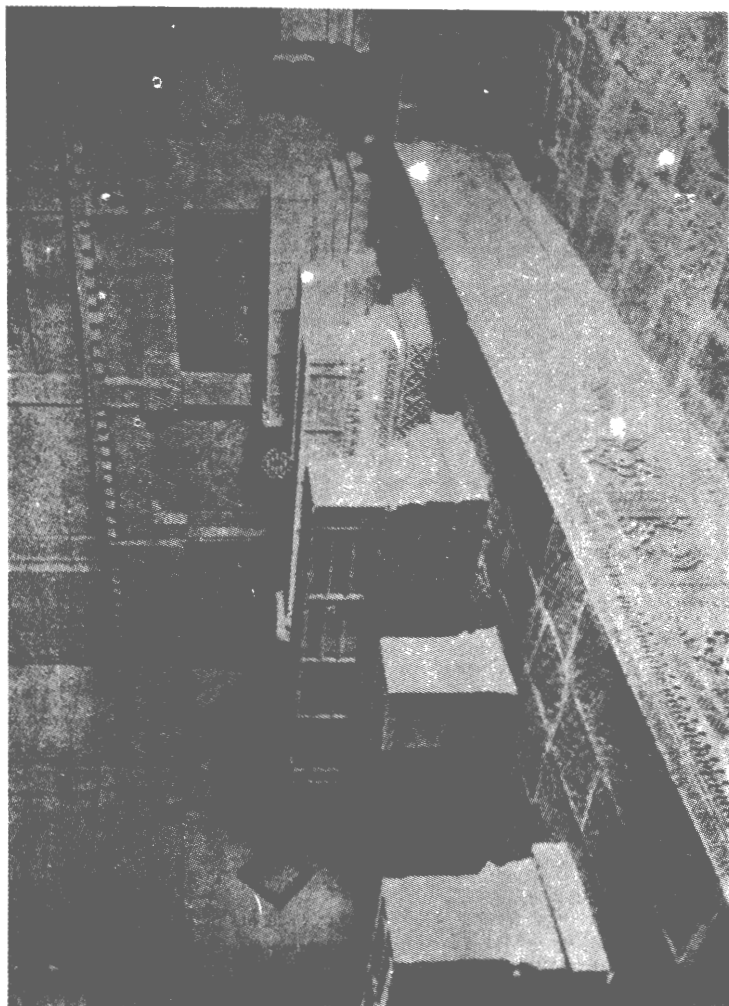


۳۸۔ عام منظر۔ عیسیٰ خان ثانی کا مقبرہ اور دوسرے مقابر

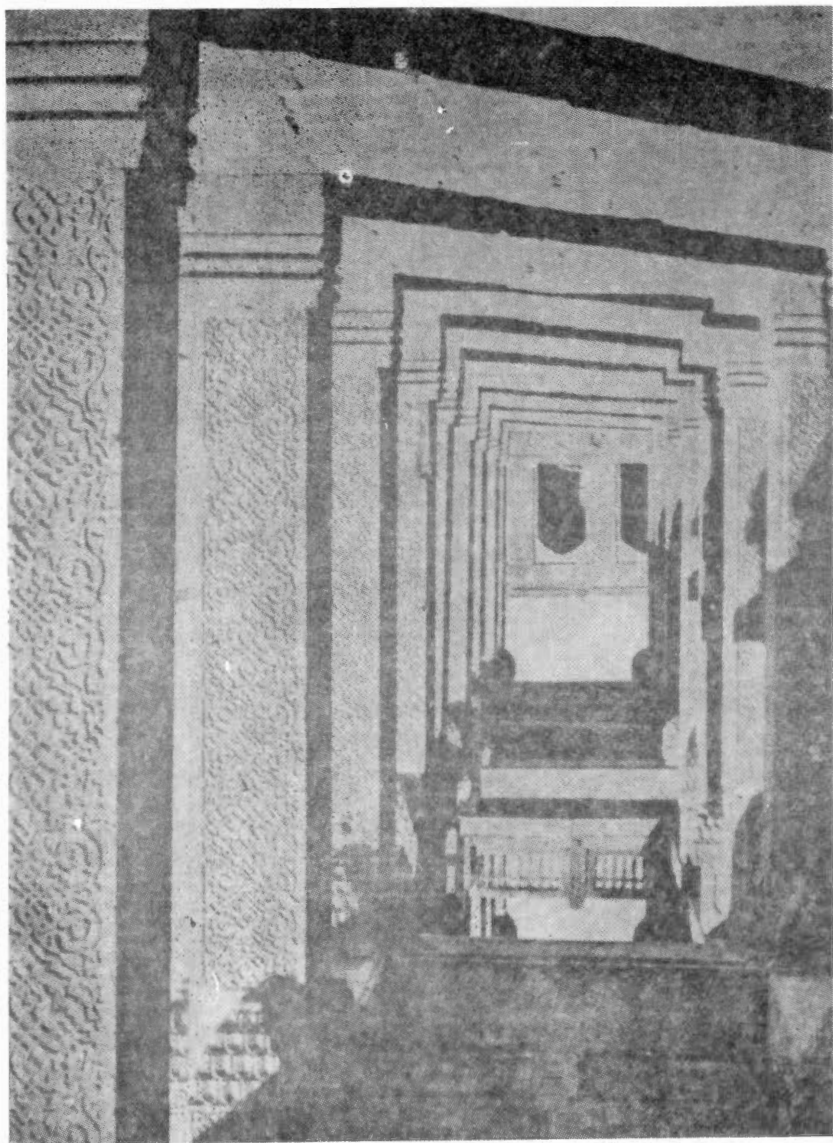
۳۹۔ مرزا عیسیٰ ثانی کا مقبرہ



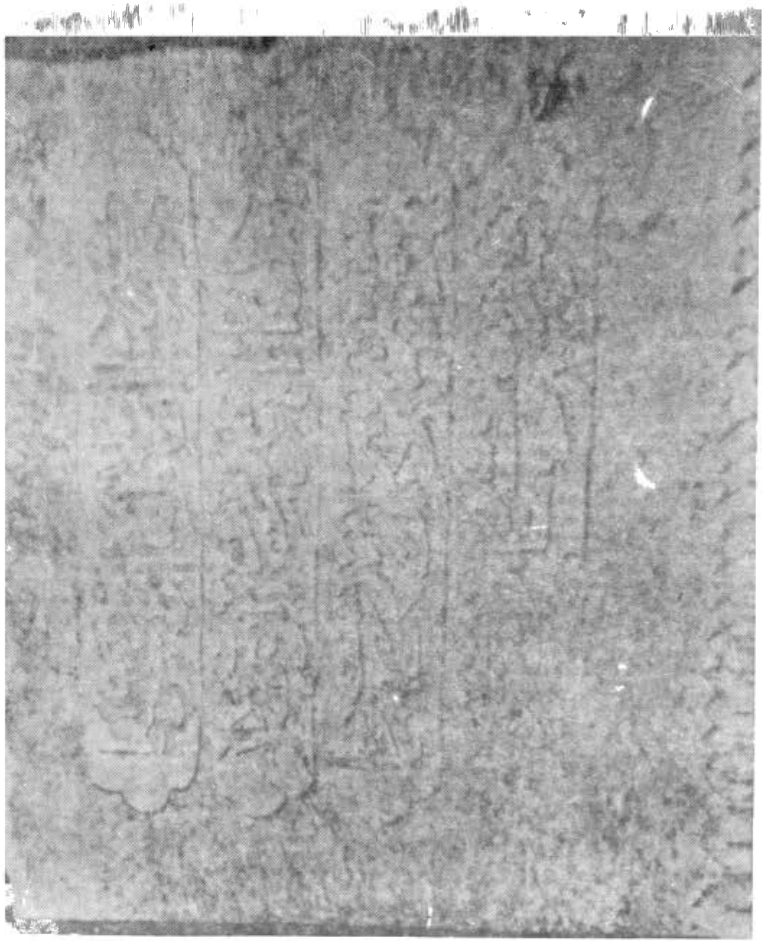
۴۰۔ مرزا عیسیٰ ثانی - مرکزی مزارات



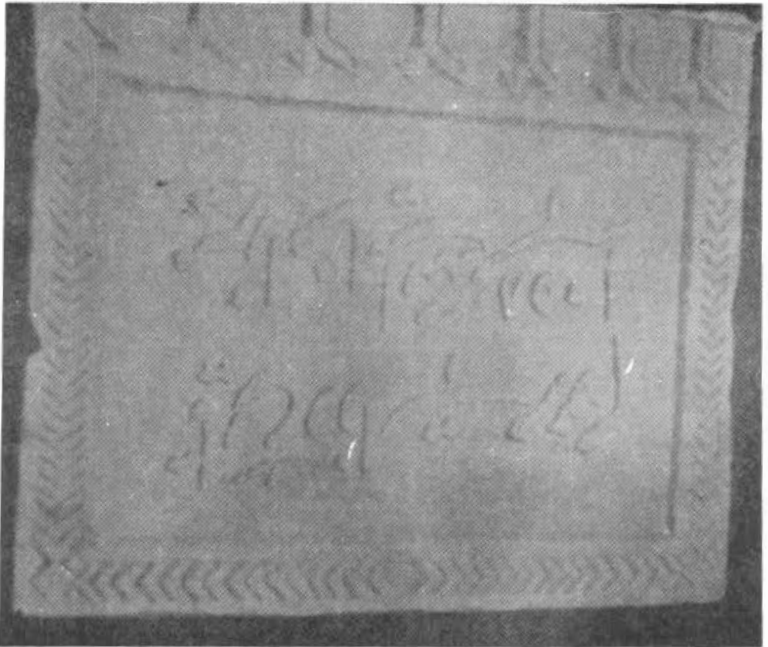
۴۱- مقبرہ میرزا عیسیٰ کانی - مقبرہ کا برآمدہ



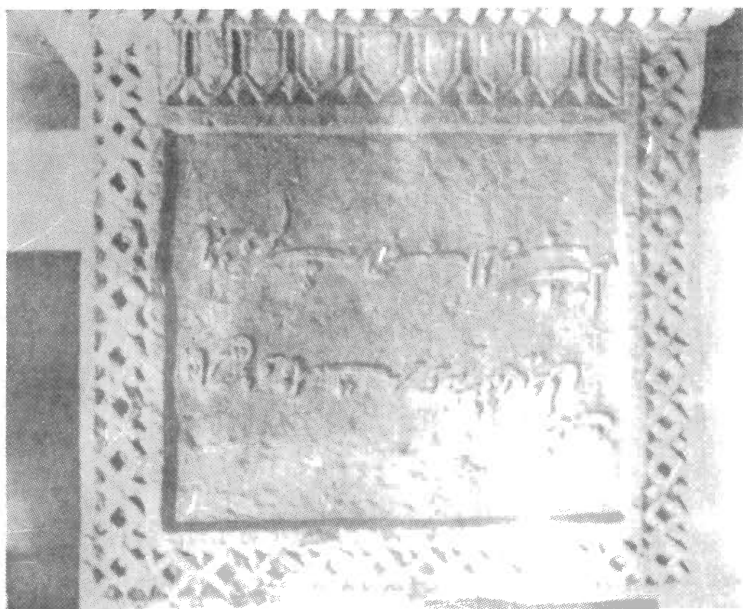
۴۲۔ مرزا عیسیٰ ثانی کے مزار کا تاریخی کتبہ



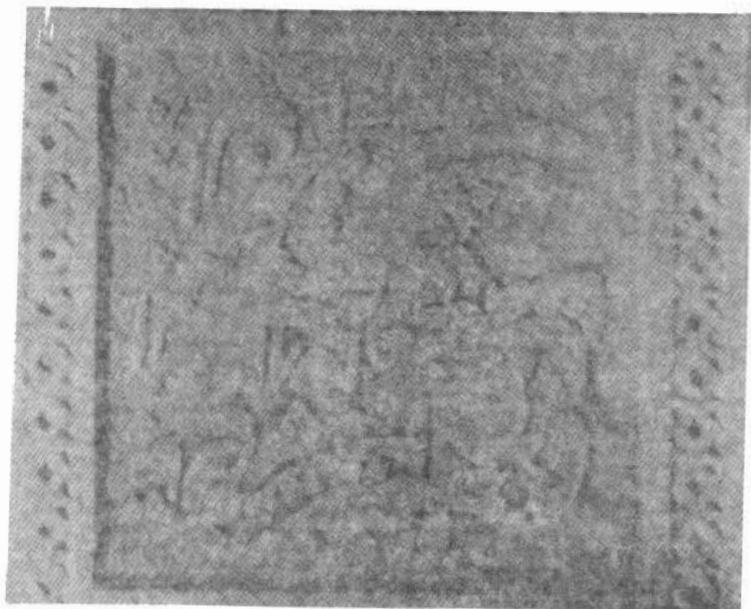
۴۳- قبرستان مریز اعشی ثانی - مریز اعشیت اللہ کے مزار کا کتبہ



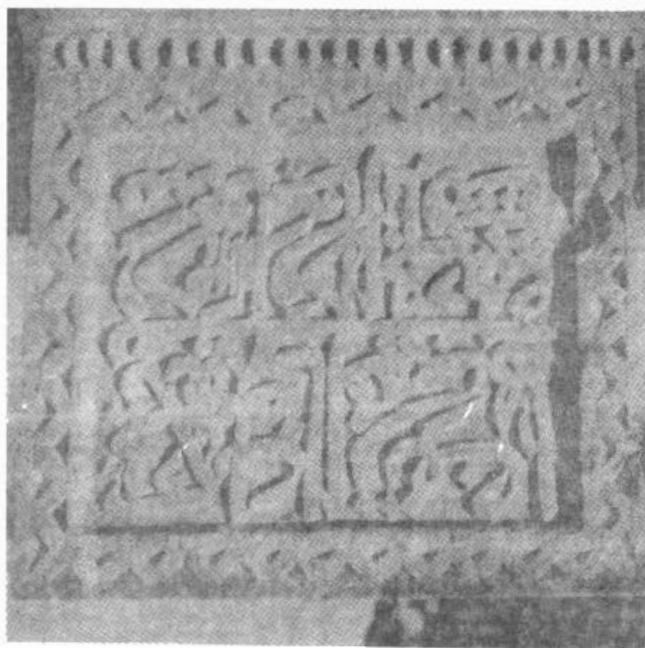
منتهی کار ۱۲۰۰ - مزار اجماع - مزار اجماع - قریستان - ۱۲۰۰



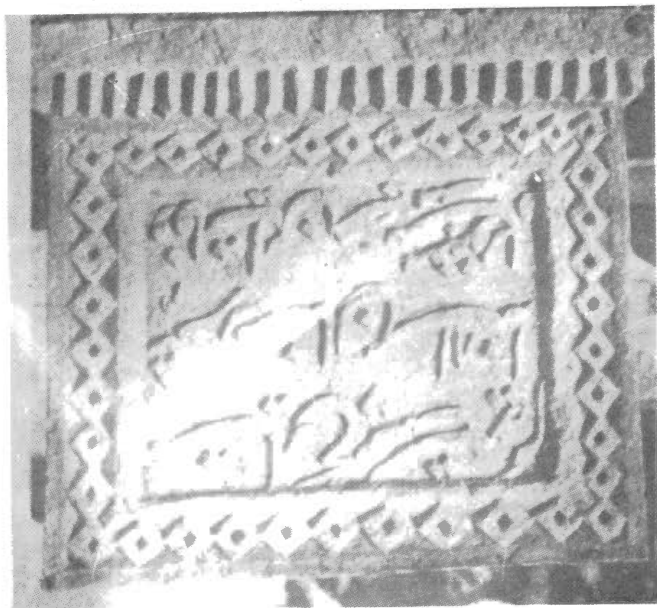
۱۳- میزان پنجم - جهان بیگم - کتبہ جہان بیگم - قریستان میرزا عیسیٰ ثانی - کتبہ - ۲۵



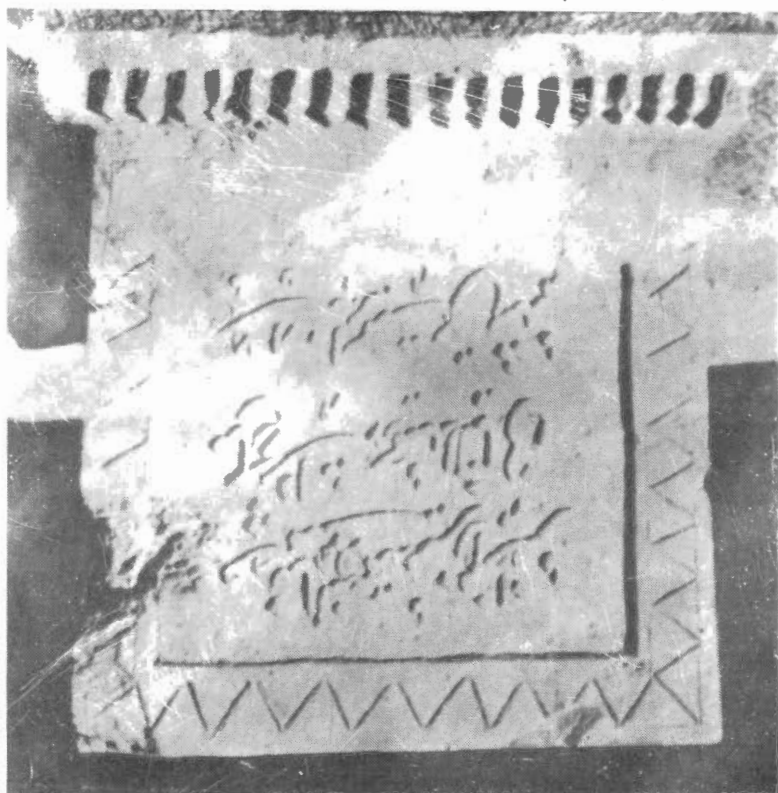
۱۴ - قنبرستان مرزا عتسی ثانی - مرزا رنمبر ۱۴



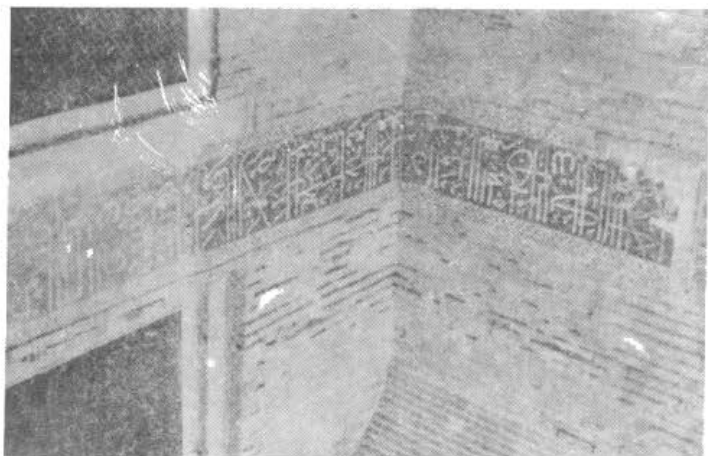
۱۵ - میرزا ارغون - میرزا قاسم - قاسم خان - ۷۲



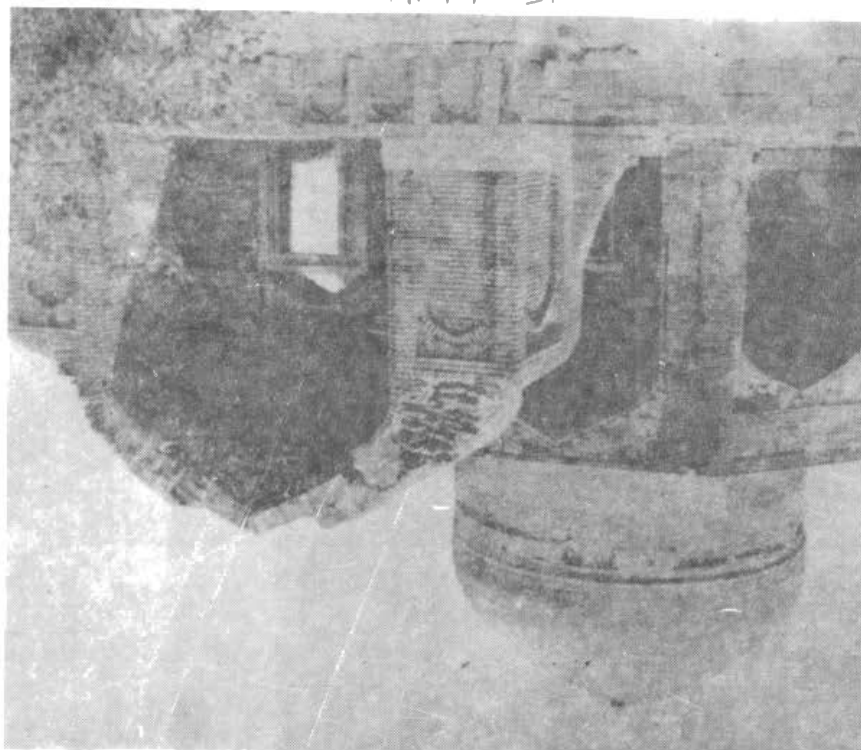
۱۷- مزار نمبر ۷۸ - قبرستان مرزا عیسیٰ ثانی - مزار نمبر ۷۸



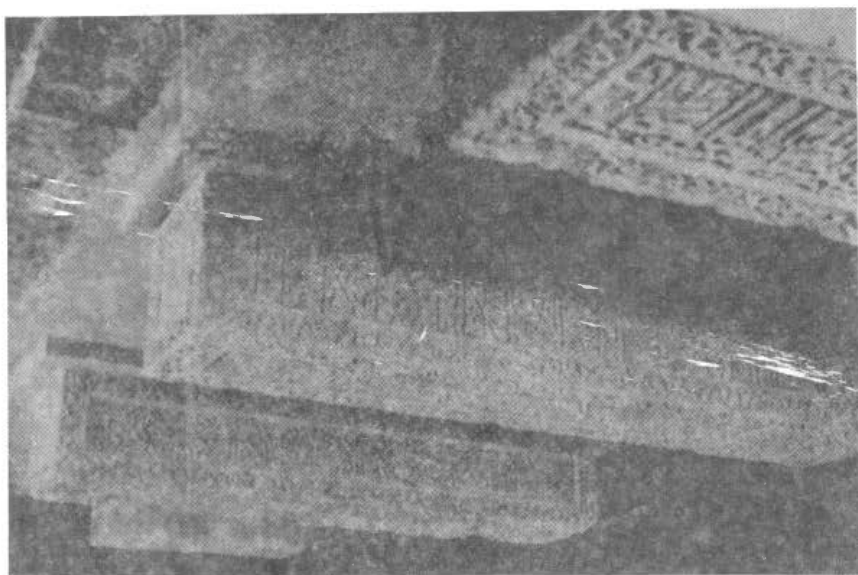
۵۰- سلطان احمد ایلانی - قیصریه - قیصریه - قیصریه



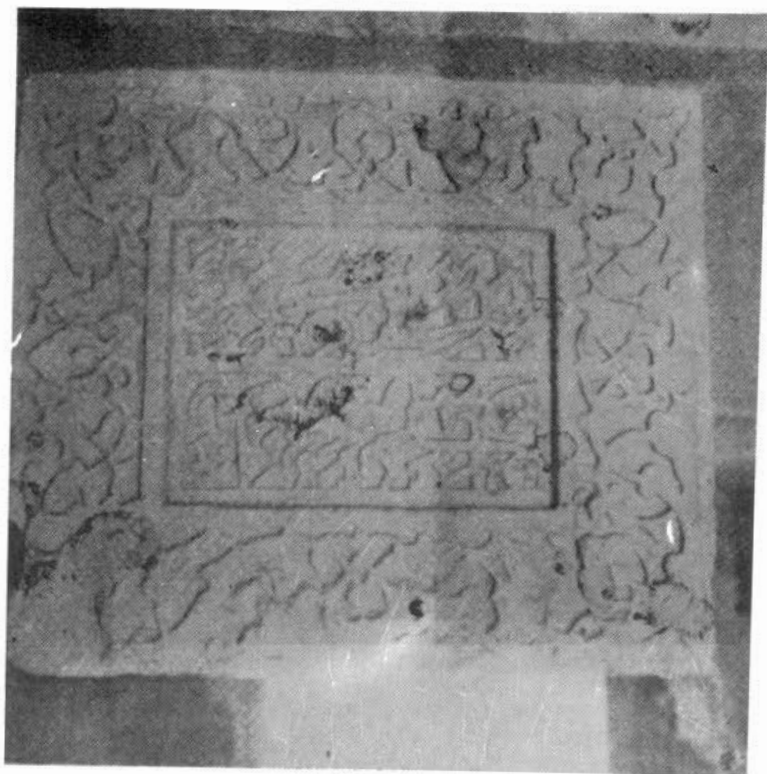
۵۱- سلطان احمد ایلانی - قیصریه



کتابخانه ملی - تهران - ۱۵

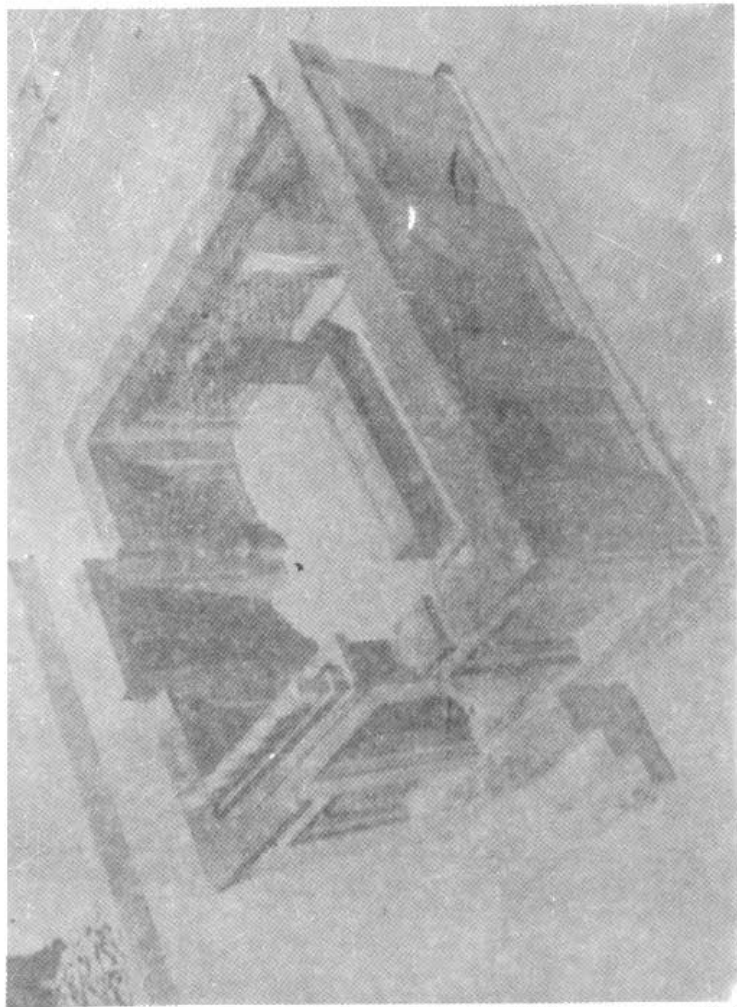


۳- میرزا رفیع - کتبه ابراهیم - سلطان ابراهیم - ۵۲

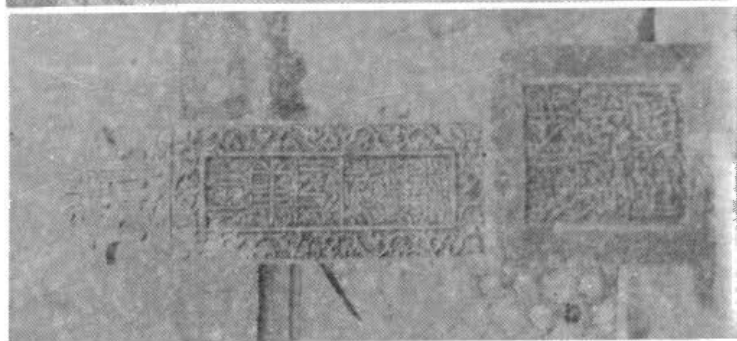


۵۳- سلطان ایران هشتم - کتیبه مرزا زینب





٥٤- سلطان ابراهيم - مقبره سلطان محمد ٥

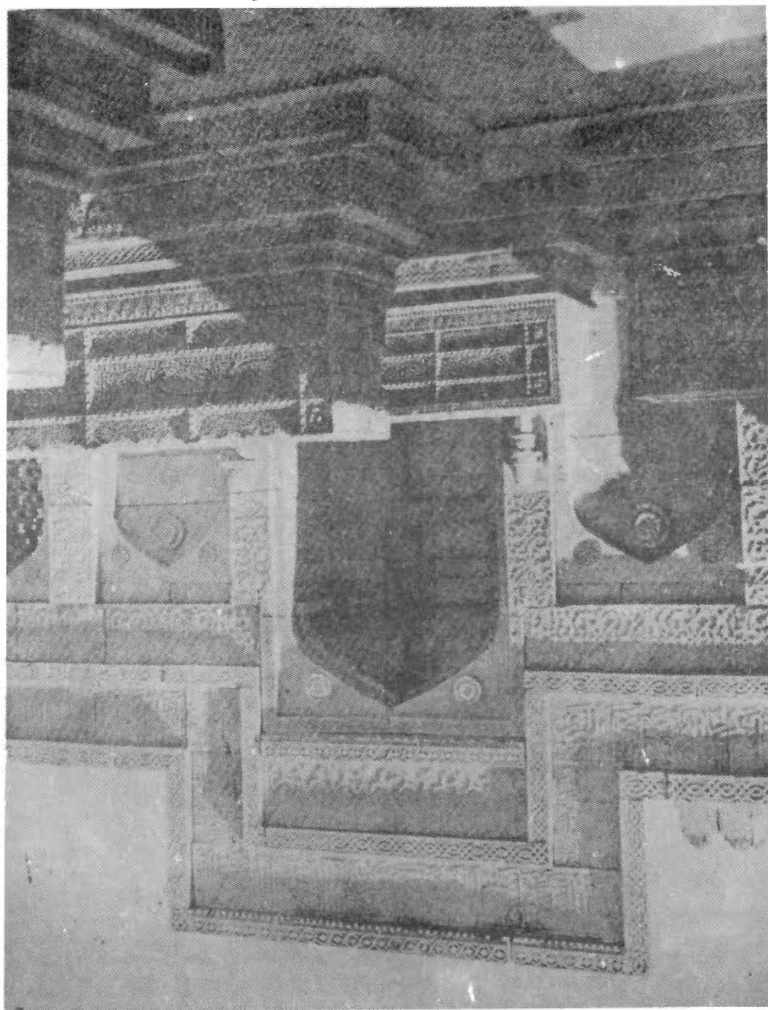


٥٥- كتبه سلطان محمد و
كاتب عبدالرحيم

گورستان عیسی اول و مرزا محمد باقی - ۵۶



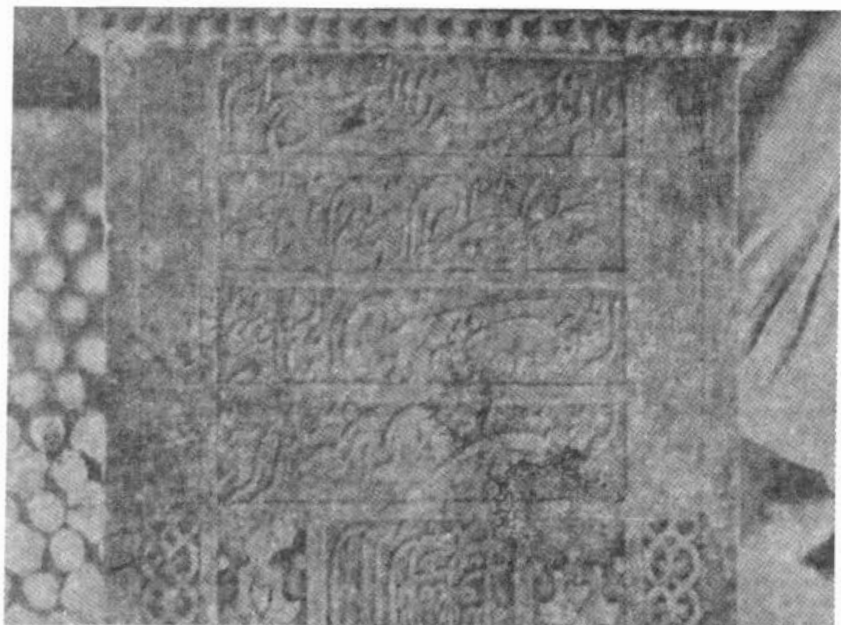
گورستان عيسى اول - اندرورنى منظر - ۷۵-



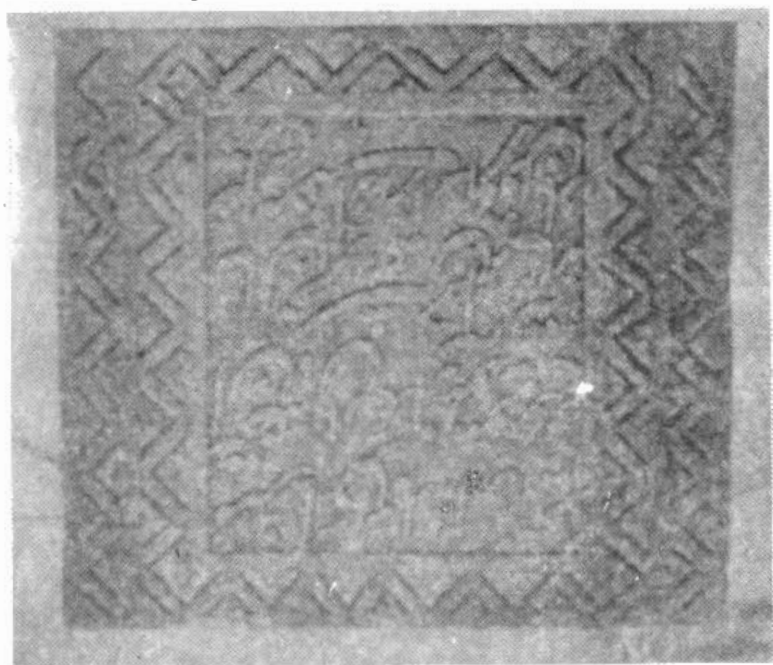
(۱) خواجه مانه جالب - کتبه مانه جالب - کتبه مانه جالب - ۷۵-



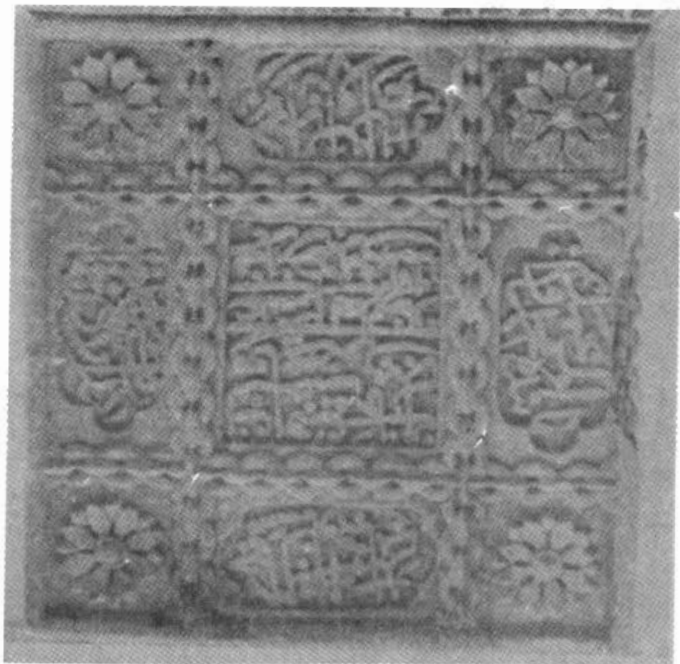
(۲) کتیبه ابوالفتح - کتیبه اول - گورستان عتسی - ۵۹ - ۶۰



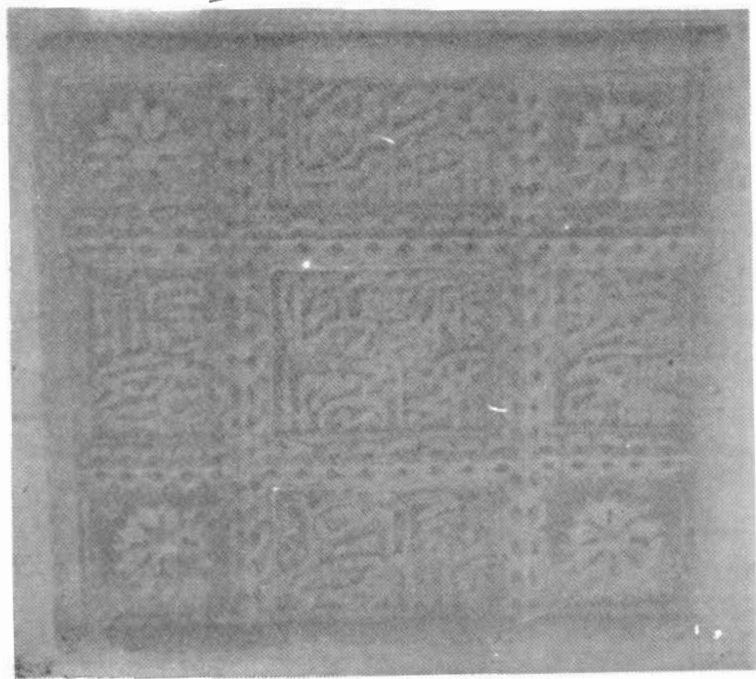
(۳) لغتہ البرہان - کتبہ میرزا ابوالبرہان (۳) - ۲۰



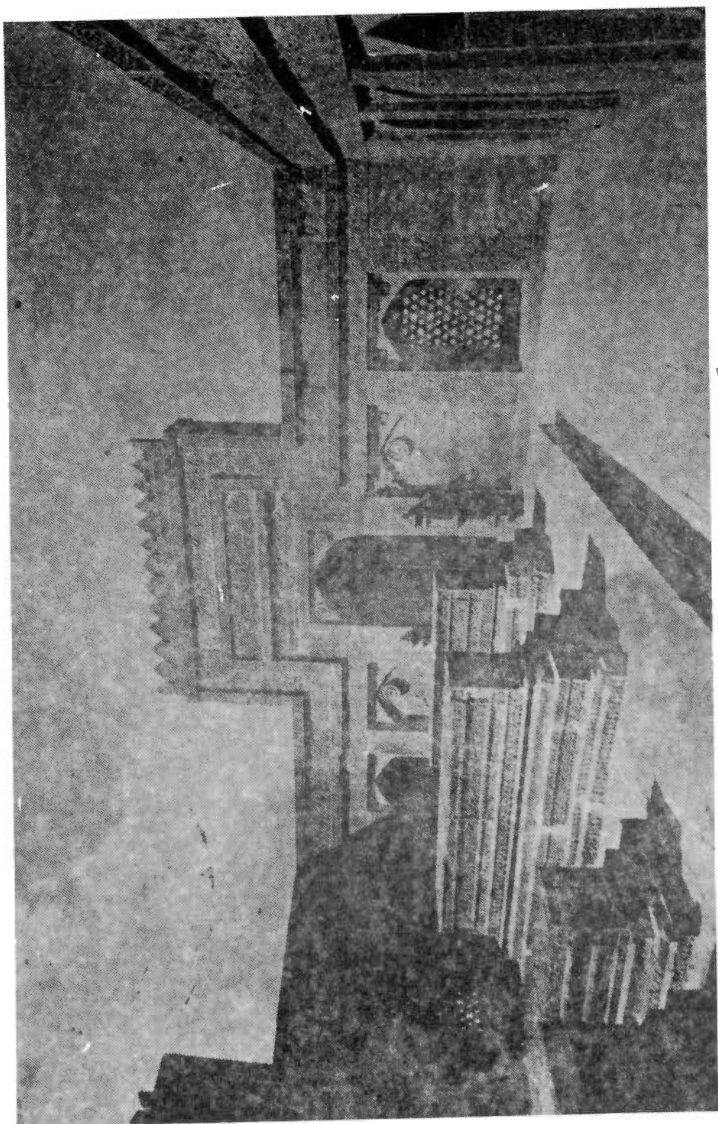
۶۱ - گورستان عتسی اول - کتبه مرزا عتسی اول



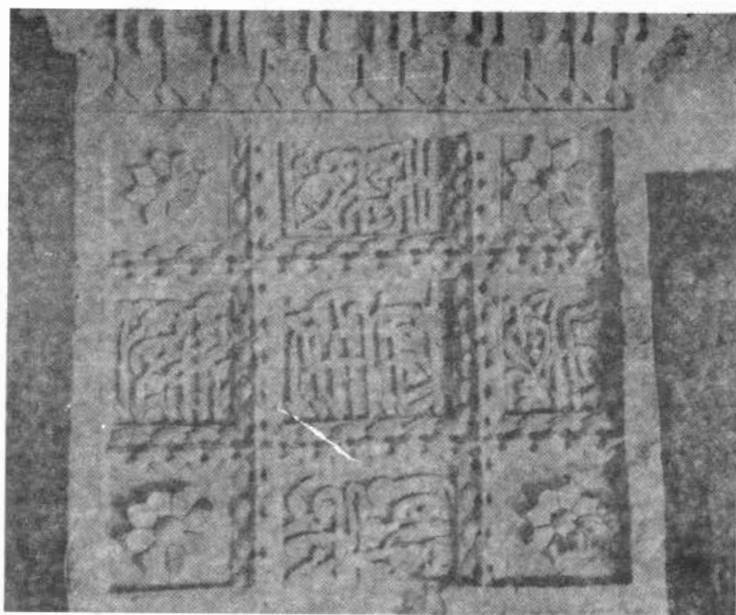
(۵) محمد بن زینده - اول - گورستان عتسی - ۶۲ -



۶۳- گورستان مرزا باقی - اندرونی منظر



(۳۹) البرهان الکریم - کتبہ ہندو - گورستان میرزا باقی - ۶۸ - ۸۲



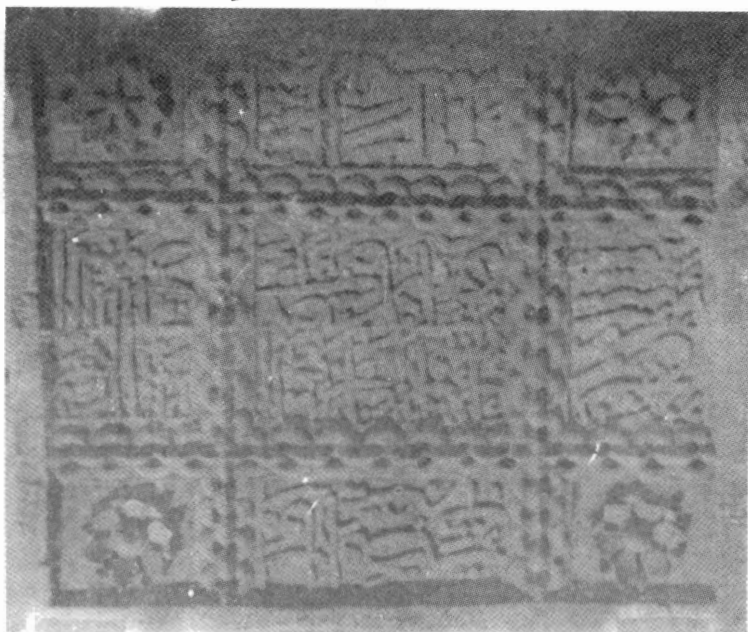
۲۵- چوکنڈی بدیع الزمان- مور اور سانپ کی تصویر



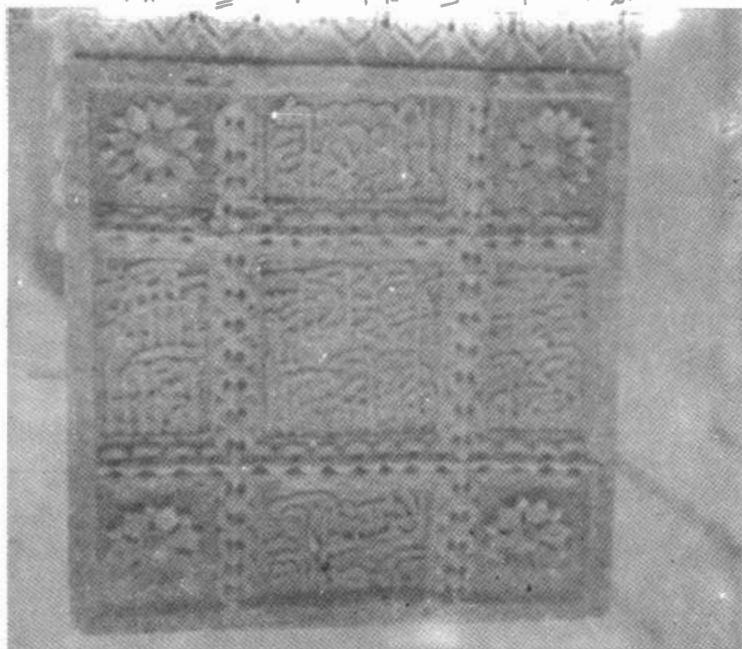
۲۶- چوکنڈی بدیع الزمان- مرغ یا فاختہ کی تصویر



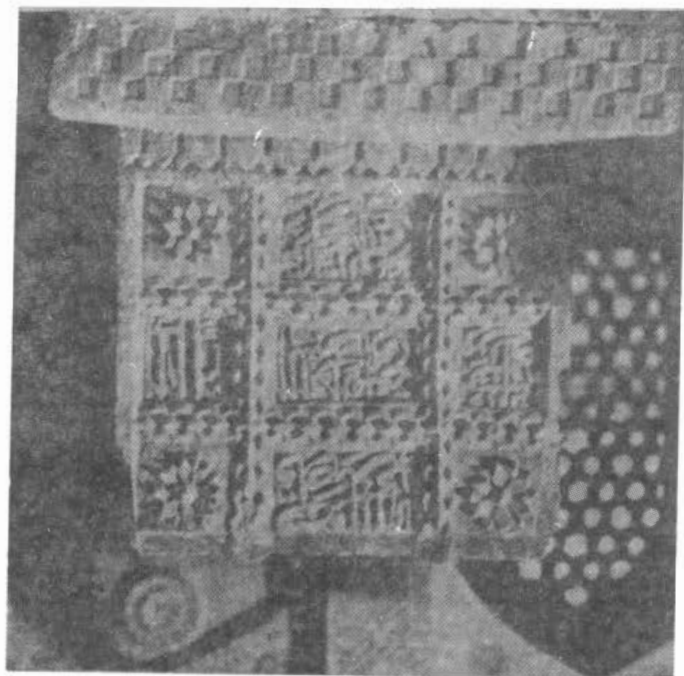
(۳۱) - کتبه مرزا باقری - گورستان مرزا باقری - ۷۸ -



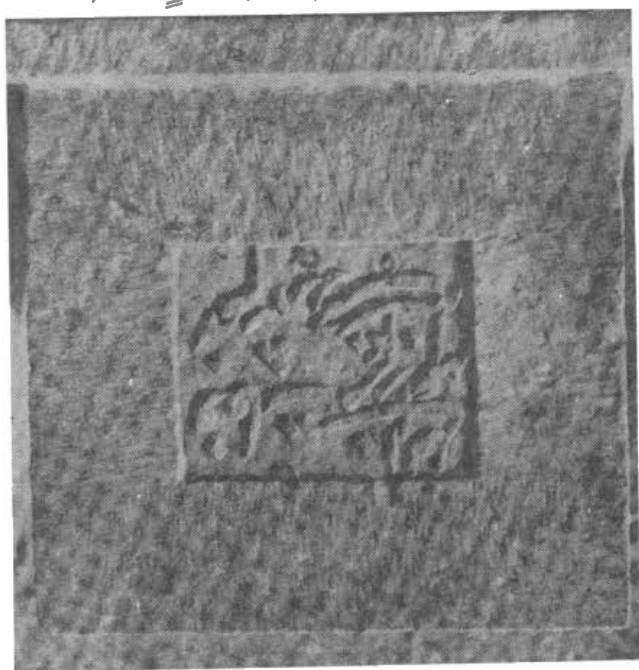
(۳۰) - کتبه شاه - گورستان مرزا باقری - ۷۷ -



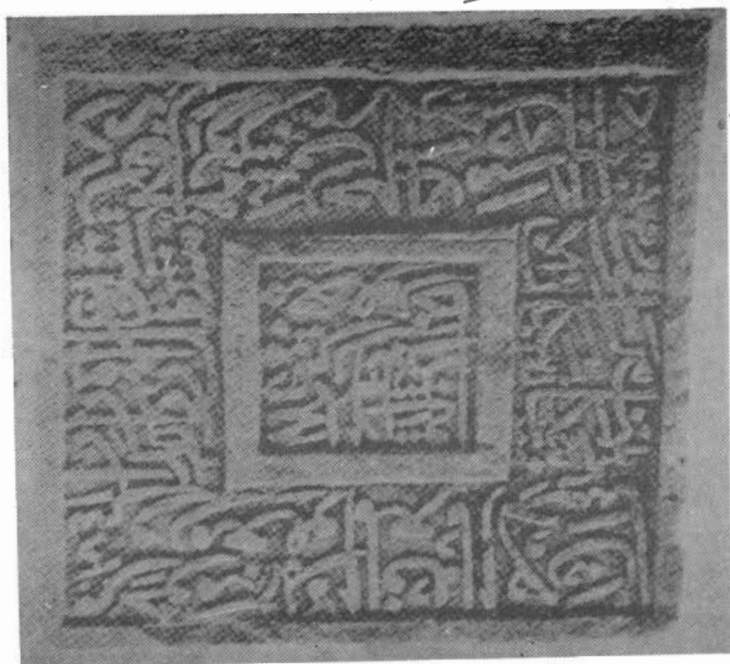
(۴۴) انوارالفتح - گورستان مرزا باقی - ۶۹



(۴۸) محمد علی - یاقی از مرز هندوستان - ۷۰



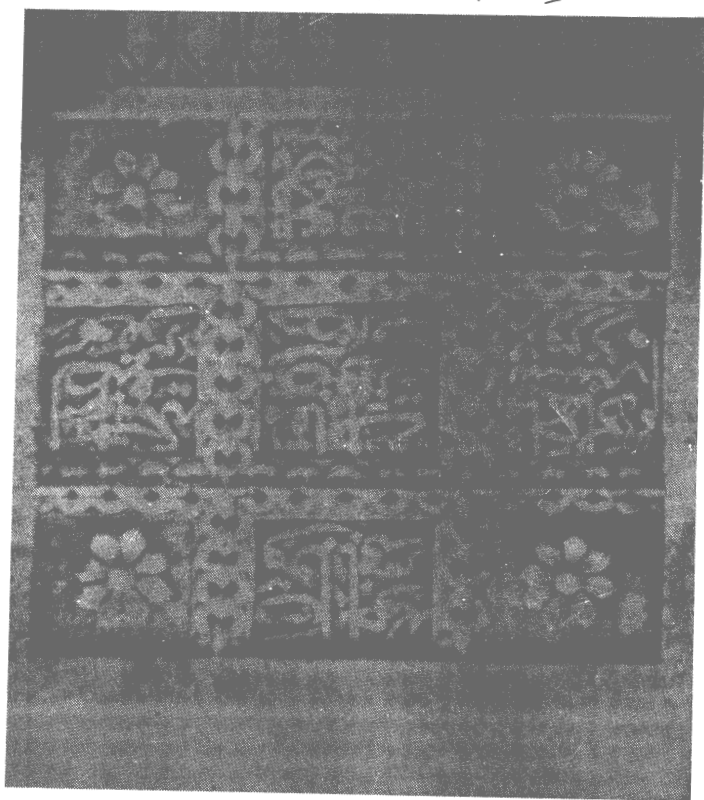
(۶) خاتم شمس - میرزا میرزا محمد علی خان ۱۲۲۰



(7) لميتم ركة - كميال ابرهه منقش عليه ١٧٧



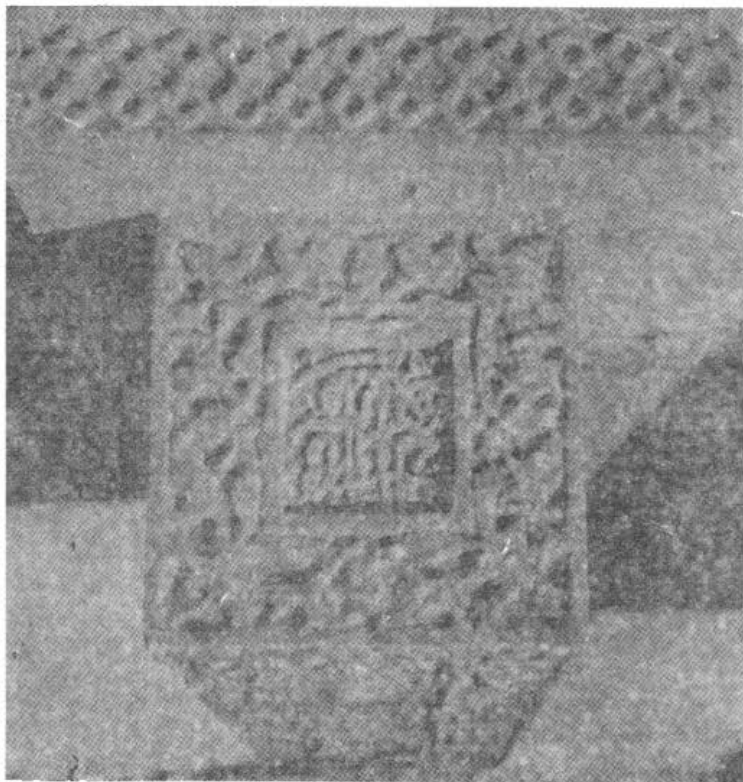
(ب) لم يكتفِ لطفهم - عينا زيارتهم - بغيره بل بالانسان



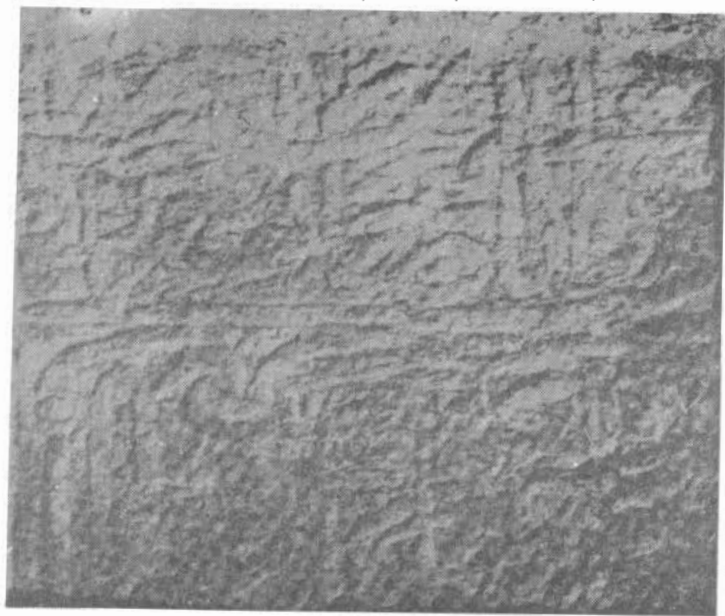
(۱۵) - میرزا ارجمند - میرزا ارجمند - ۷۸



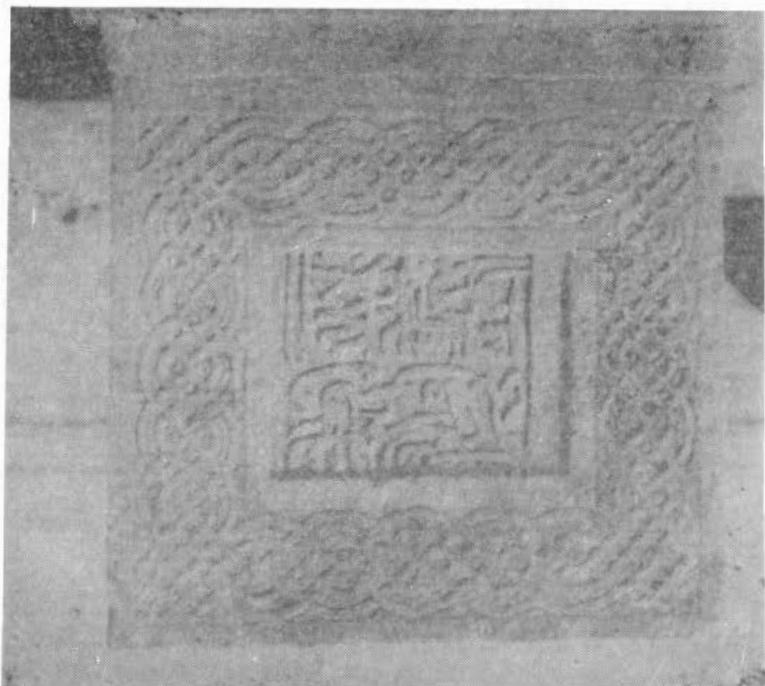
(۷۱) لکھنؤ - ریحان از سرسبز چمنستان - ۶۷



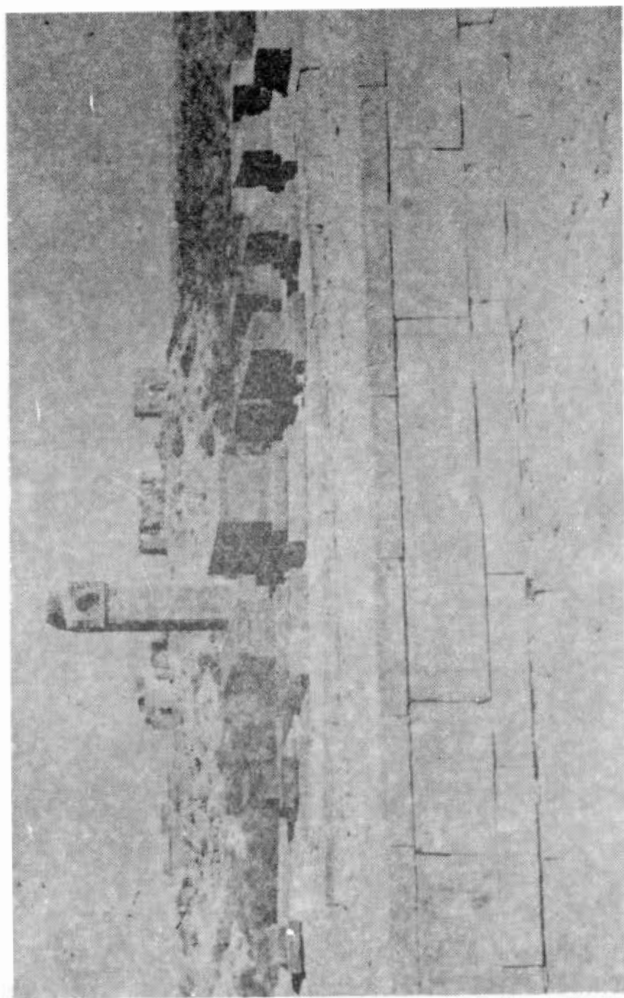
(۲۰) - والدہ محمد علی - زنانه چنوتیرہ سرزانا قادی - ۸۰



(۱۴) جنگ ارجون ایاقی - خیر مزہ مرزا خانہ زبانہ - ۷۱



۸۲- گورستان سلیمان بن عیسیٰ اول

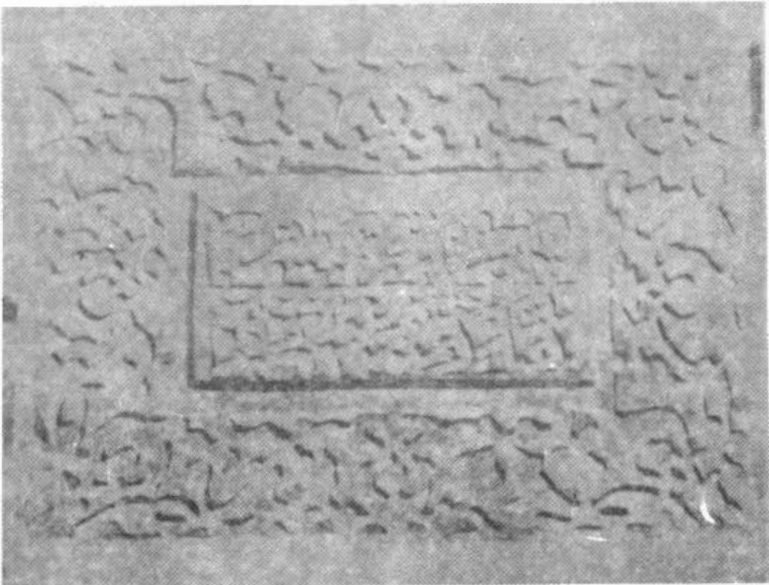


۲۔ آخری نقلی نسخہ: بکراؤ خان کی کتاب (۱)

(۱) ۱۳۹۵ھ ۱۱ رمضان ۱۲۱۴ء بمطابق ۱۲ ستمبر ۱۷۹۹ء

۱۔ وفات مستورہ مرحومہ بیگم خان بیگم

۵۹۴۱ھ (۳۱) خان بیگم - بیگم خان - گورستان سلیمان - ۸۳

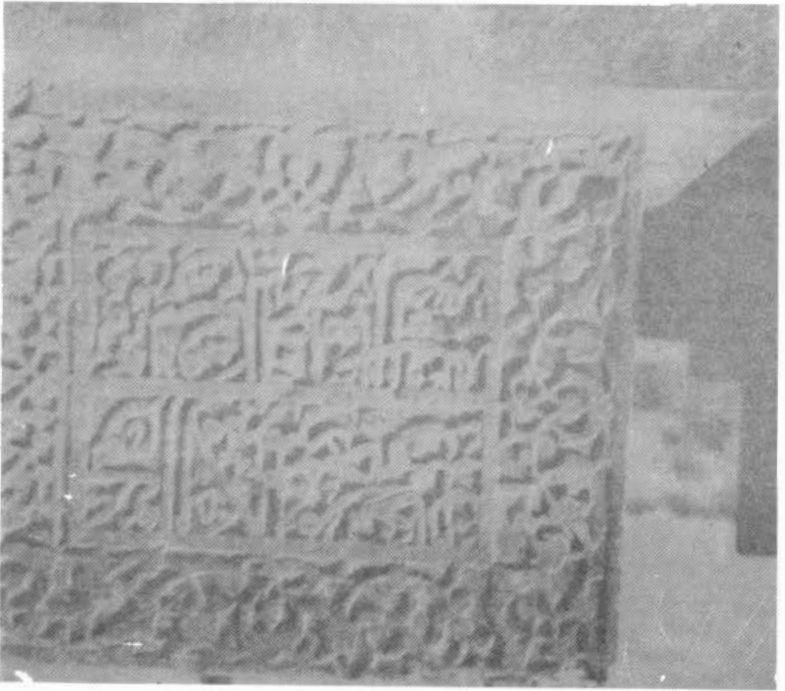


متن میں غلطیوں کی وجہ سے: نص نقل کر لیا ہے۔
(۱)

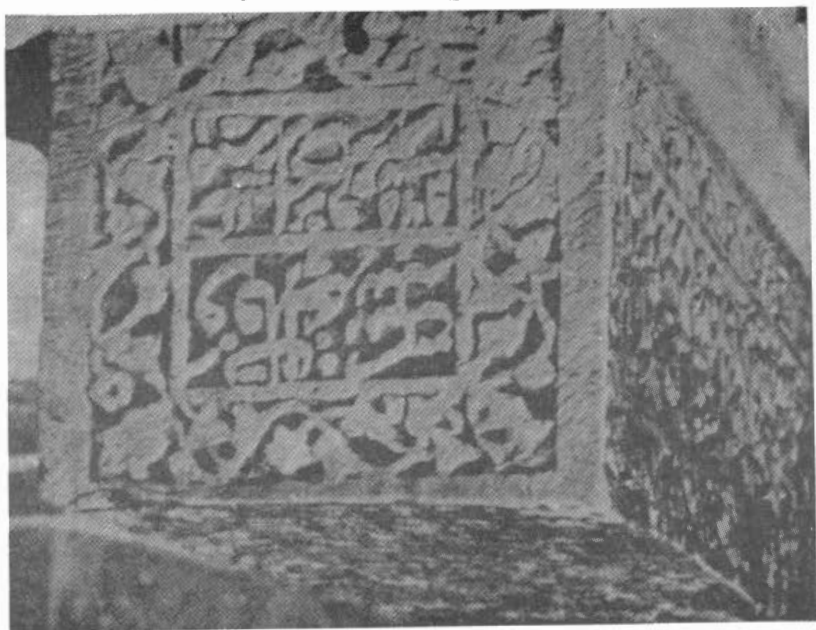
(۱) (۶۹۴۹ سنہ الصفیہ الراجہ آخر ثلاثین و ثلاثین فی سن ثلاث و ثلاثین (۲)

(۱) (توفی الامیر المرحوم جتین بیگ ترخان

۵۹۶۹ (۲) ترخان جتین بیگ - امیر جتین - امیر سلیمان - گورستان سلیمان - ۸۴



۵۹۶۵ (۵) یگانه - آستان سلیمان - ۸۵



۸۶- گورستان سلیمان - ترسون بیکه (۶) ۱۹۶۷ء



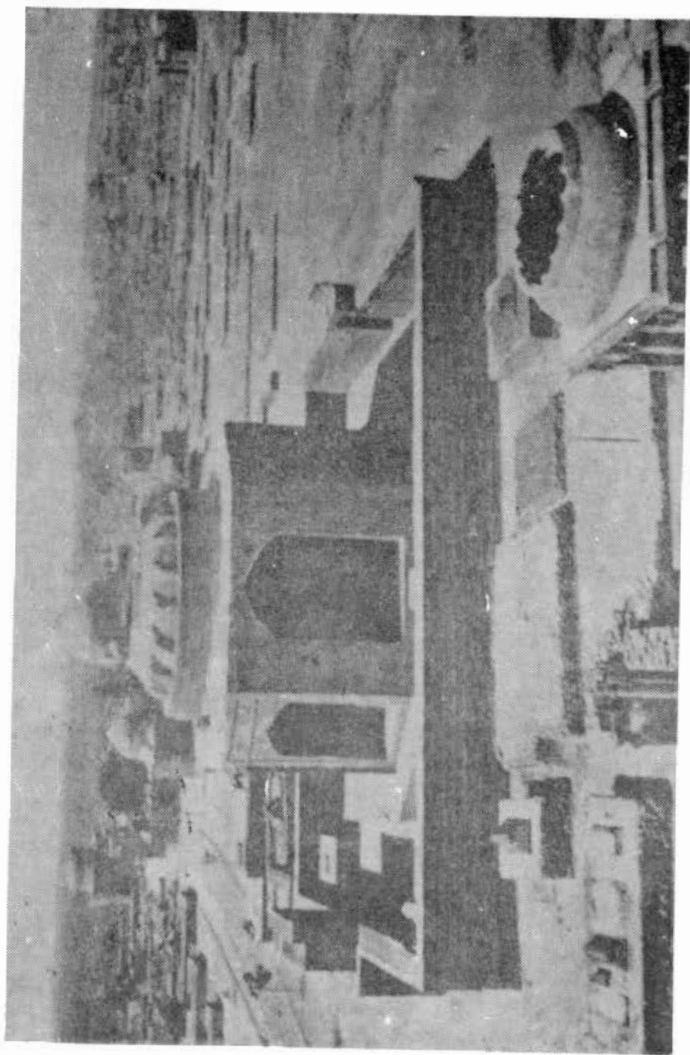
۷۷- ۵۹۲۳ (۷) - گورستان سلیمان



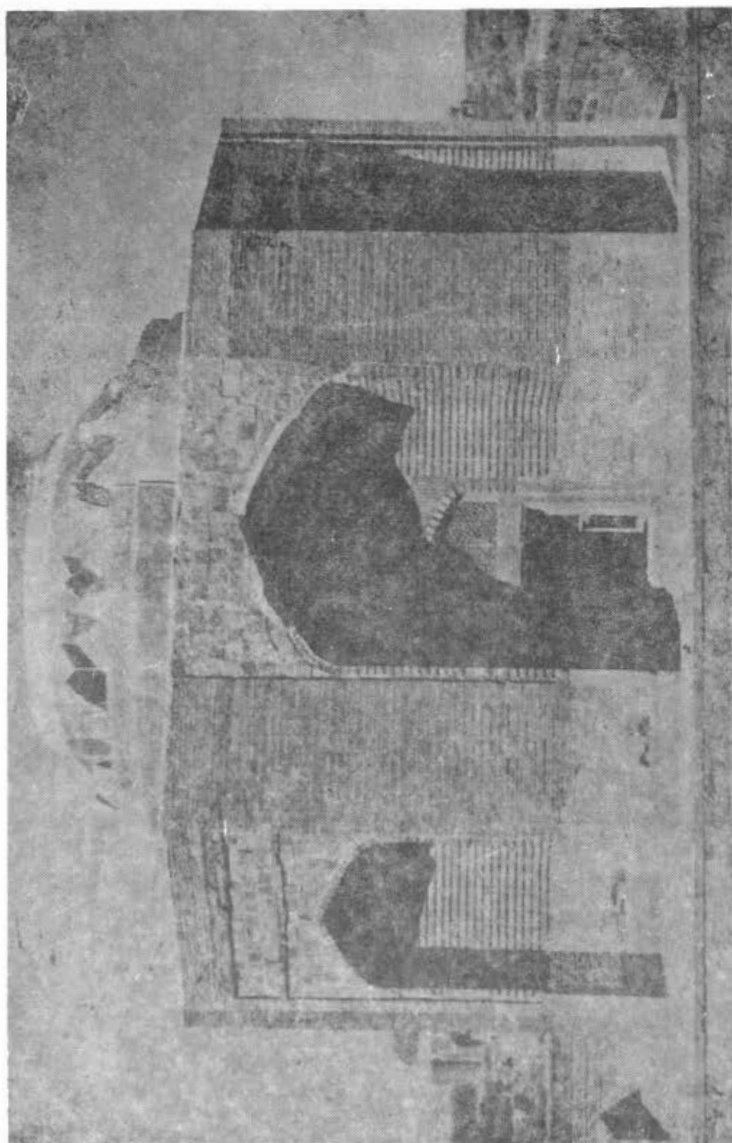
۷۷- ۹۲۶ھ (۱۴۱۱) - سلسلتان - سلسلتان - سلسلتان



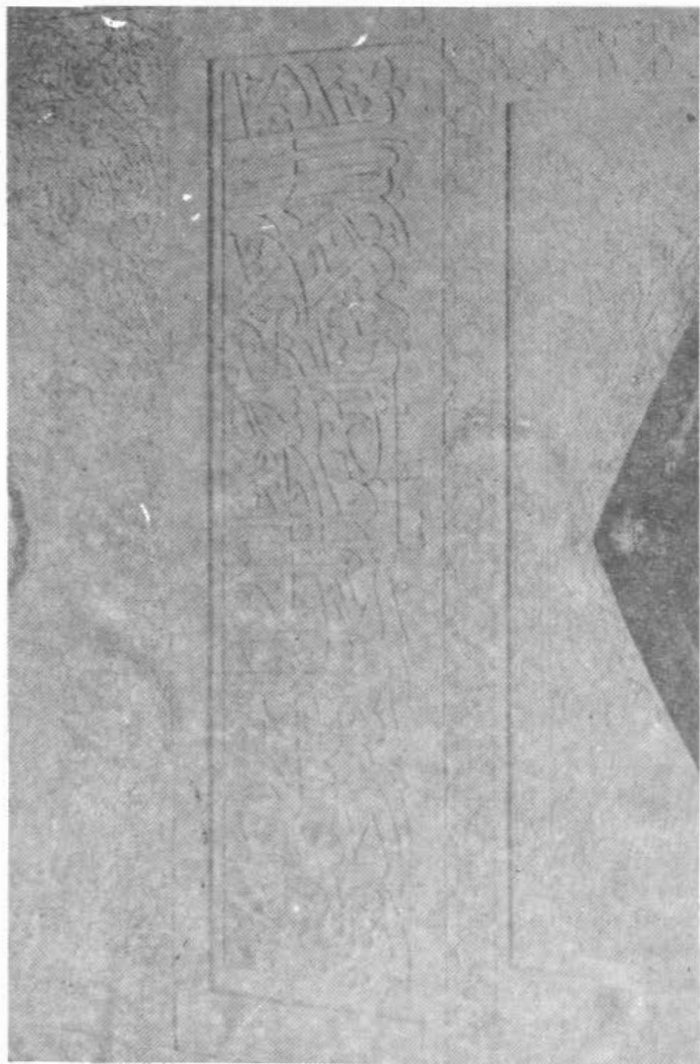
۸۹- مقبره مرزا جانی بیگ - عام نظاره



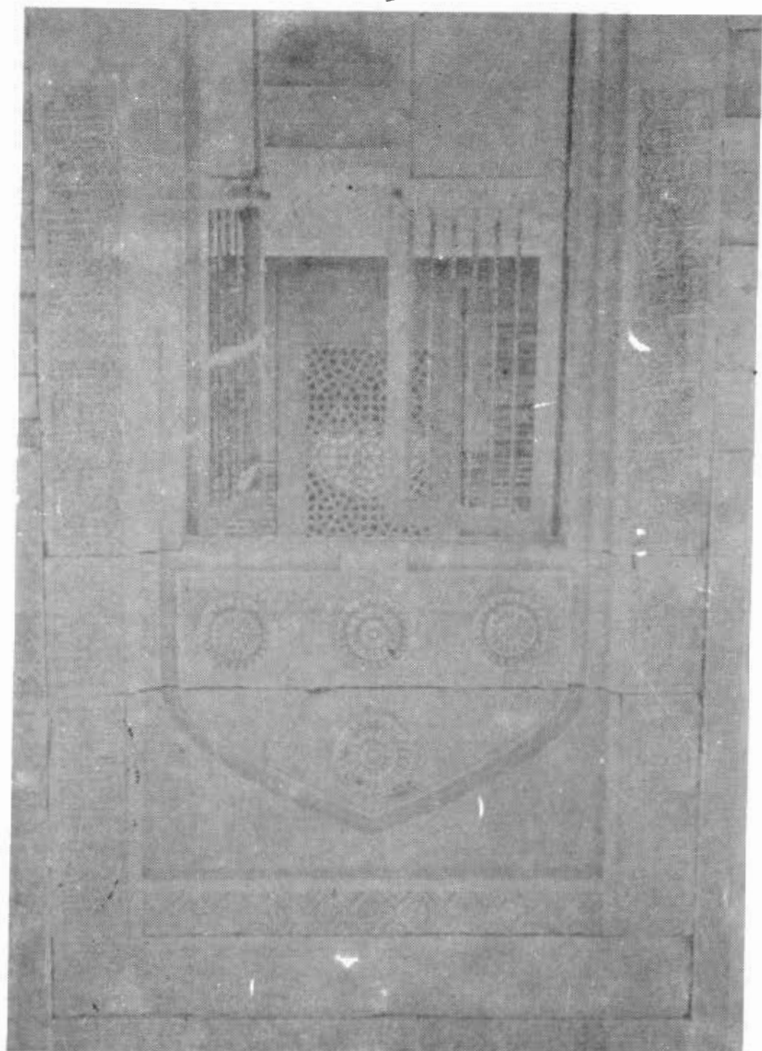
۹۰۔ مقبرہ مرزا جانی بیگ اور غازی بیگ ترخان



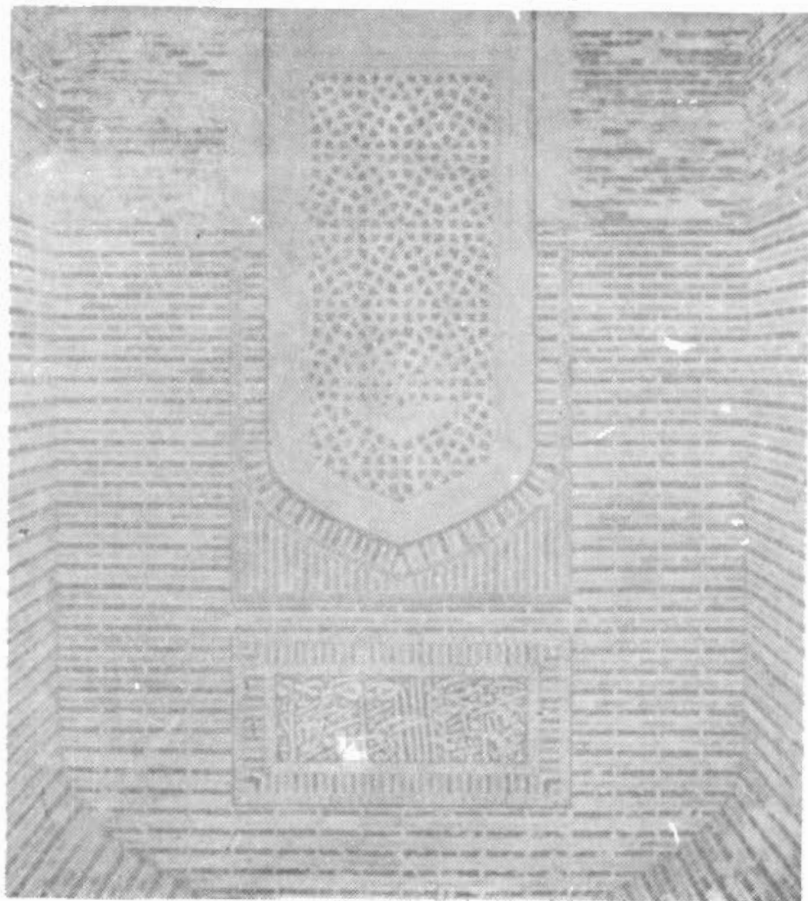
۹۱۔ مقبرہ جانی بیگ۔ محراب کا کتبہ

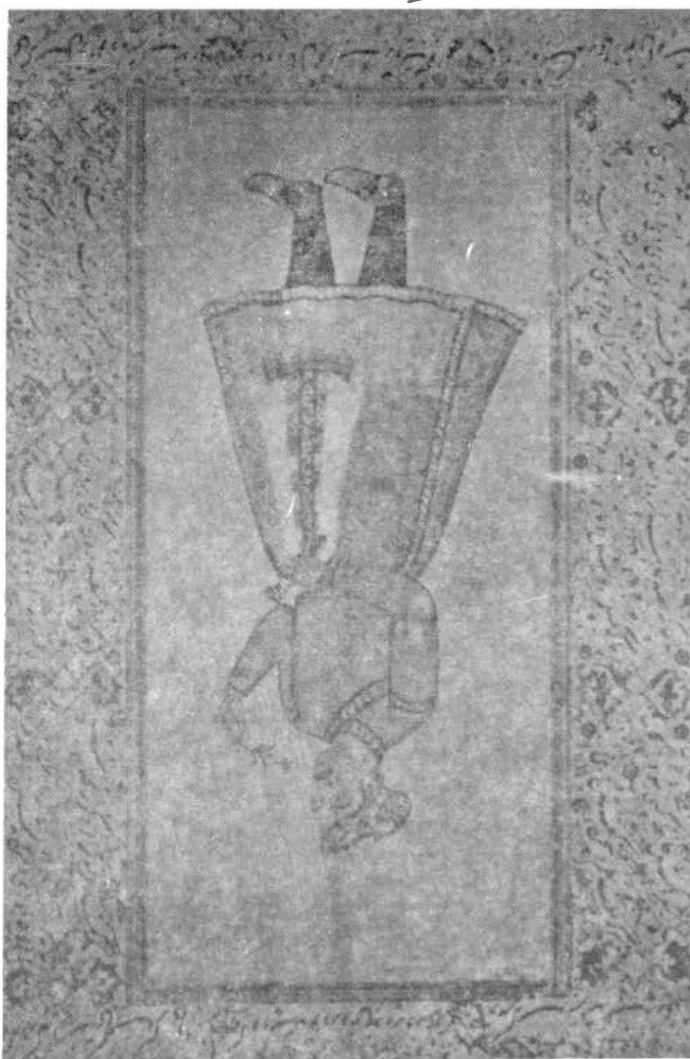


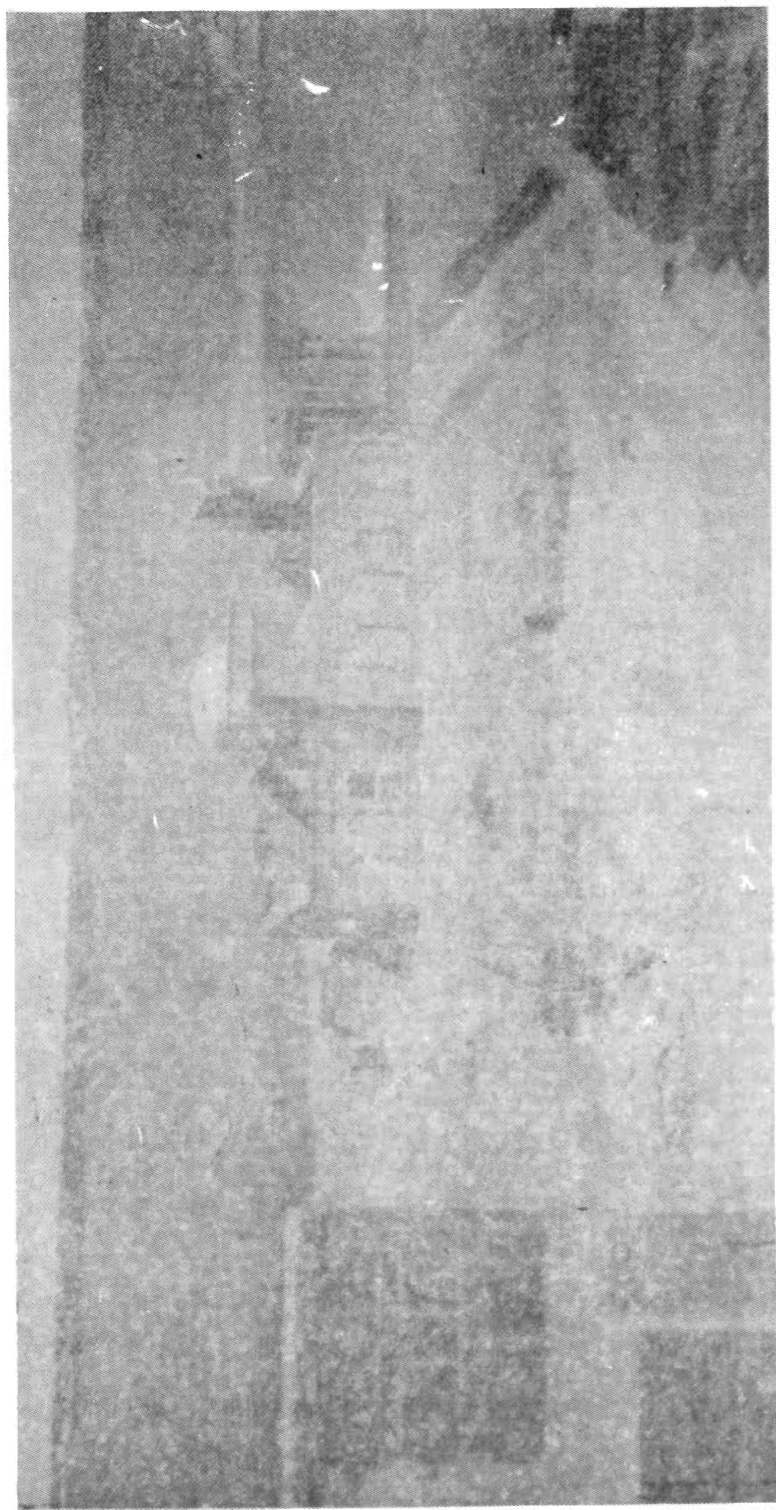
مقبوره جانی بیگ - داخلي دروازه - ۹۲ -

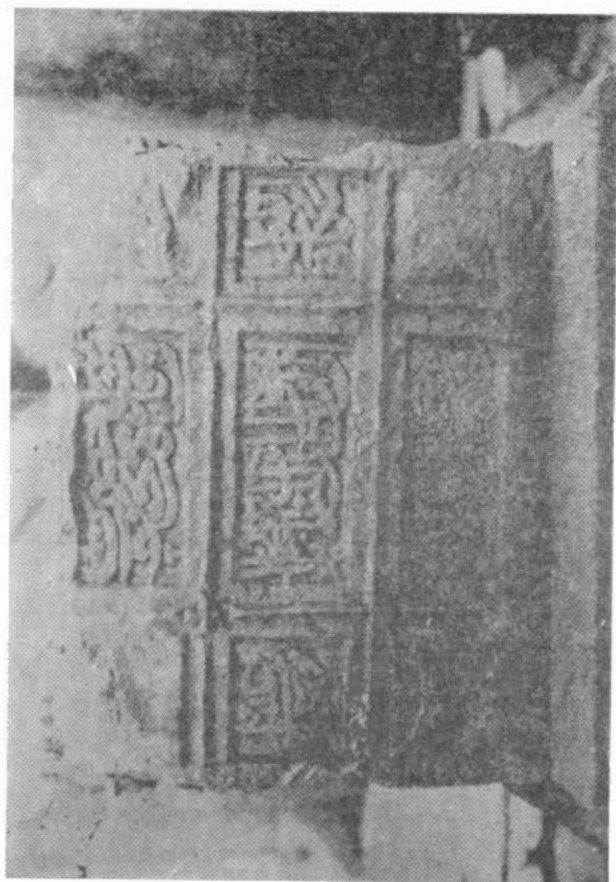


آیت اور خلیہ - گنگا خانہ - ۱۲ - ۱۳







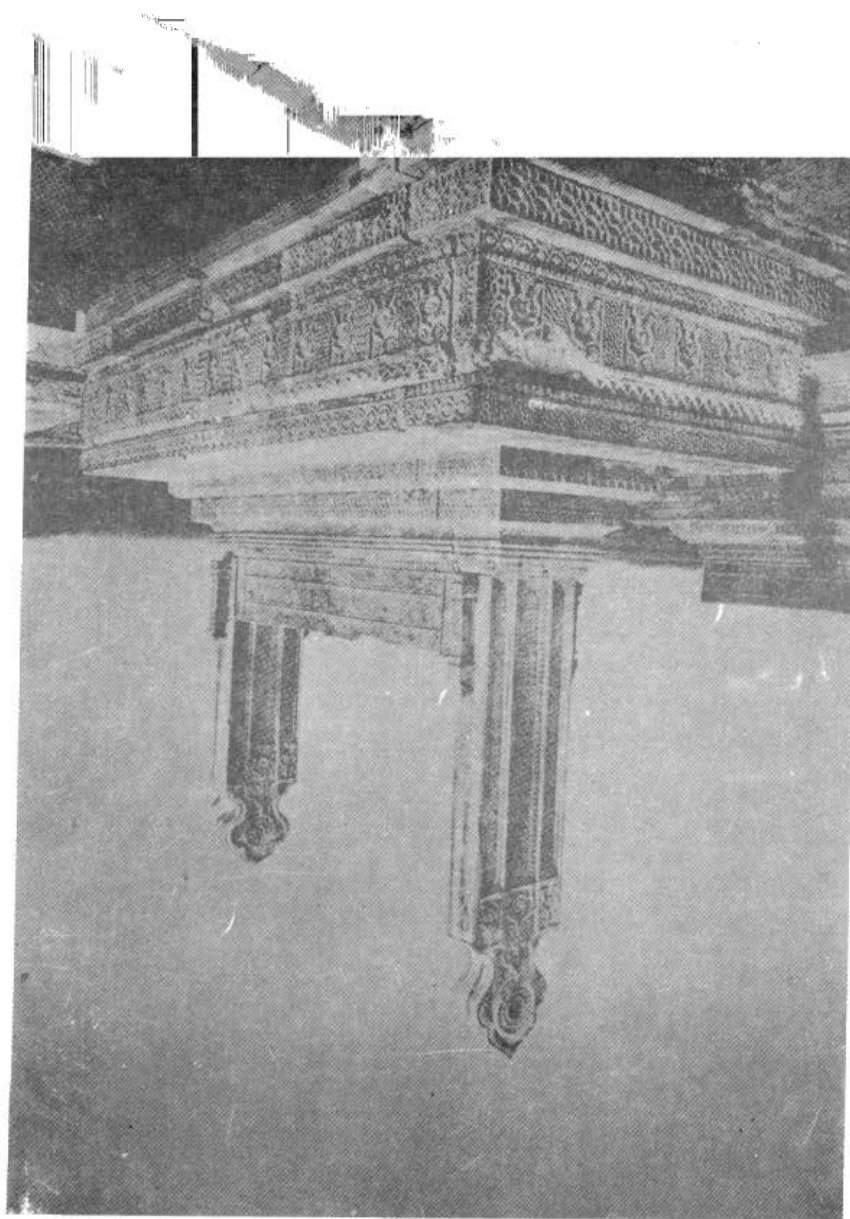


۹۶۔ کتبہ مقبرہ جان بابا (۳) (سربانے کا)



۹۷۔ کتبہ مقبرہ جان بابا (۳) پائنتی کا

A dark, textured surface, possibly a book cover or endpaper, featuring a faint, rectangular embossed or stamped design in the center. The design appears to be a stylized architectural or heraldic motif. A small, light-colored circular mark is visible near the top center of the embossed area.



(مینی ۱۸، کیسنگ) (۱۰۱- سال ۱۰۱۰)

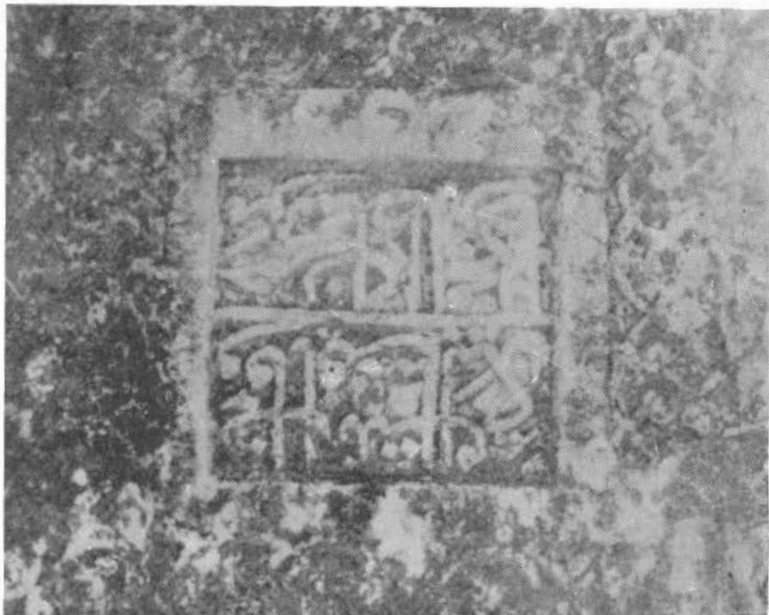


خبرگزاری فارس (۱)

(۲) مرحوم سلطان محمد ترخان

(۱) وفات یافت شاه بیگه

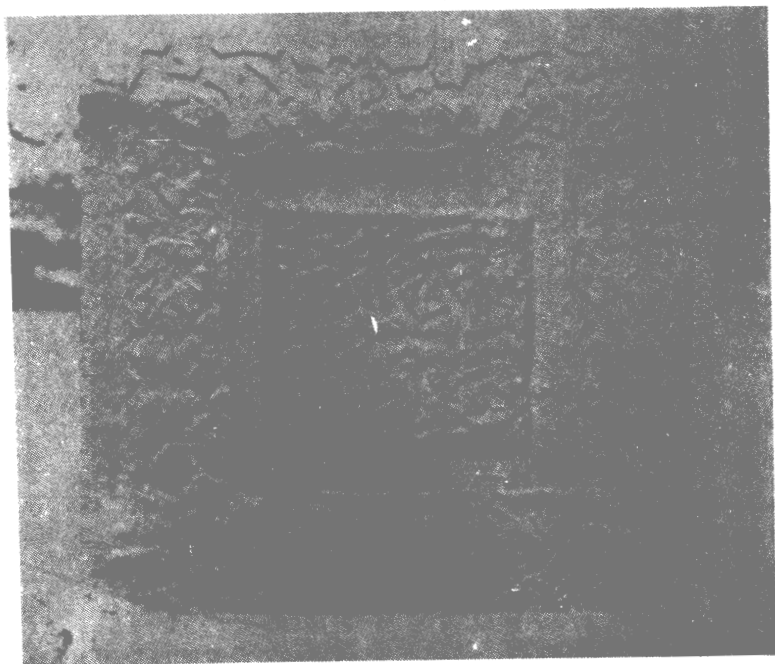
(۵) (سریانی) کتیبه، شاه بیگه - صالح - محمد سلطان گورستان - ۱۰۱ - ۲۰۲



۵۷۸۸ سنه ۱۲۱۱ الحضره (۲)

(۱) بتاریخ شهر ذی

۵۷۸۸ (۱۵) (پانسی) کتبہ - شاہ بیگہ - محمد صالح - گورستان - ۱۰۵



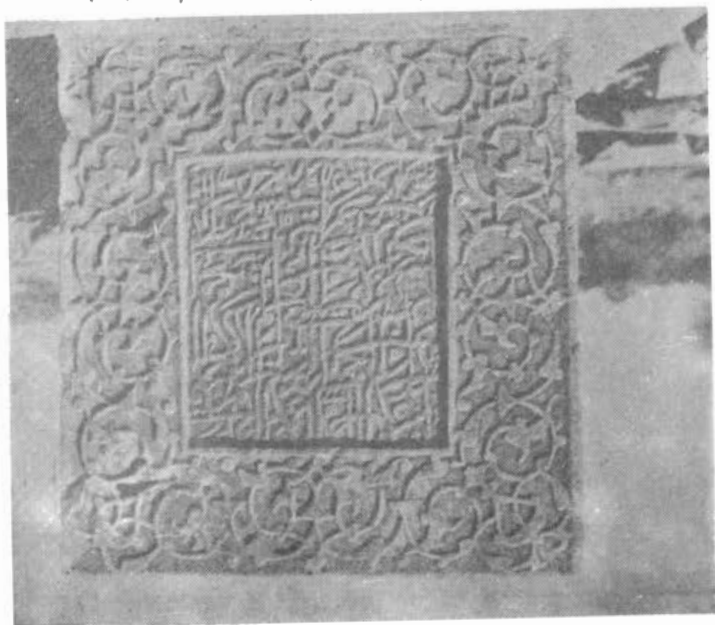
تاجه ماسع و تسعین و اربعین و اربعین و تسعین و تسعین (۸)

امیر محمد علی بن عبد الصمد ترخان (۳)

رحمة الله علیہ واصلی و سلم (۲) ۱۲۸۵

امیر محمد علی بن عبد الصمد ترخان (۱) قد تو فوجی ۱۲۸۵

۱۲۸۵ امیر محمد علی بن عبد الصمد ترخان ۷۰۱ -

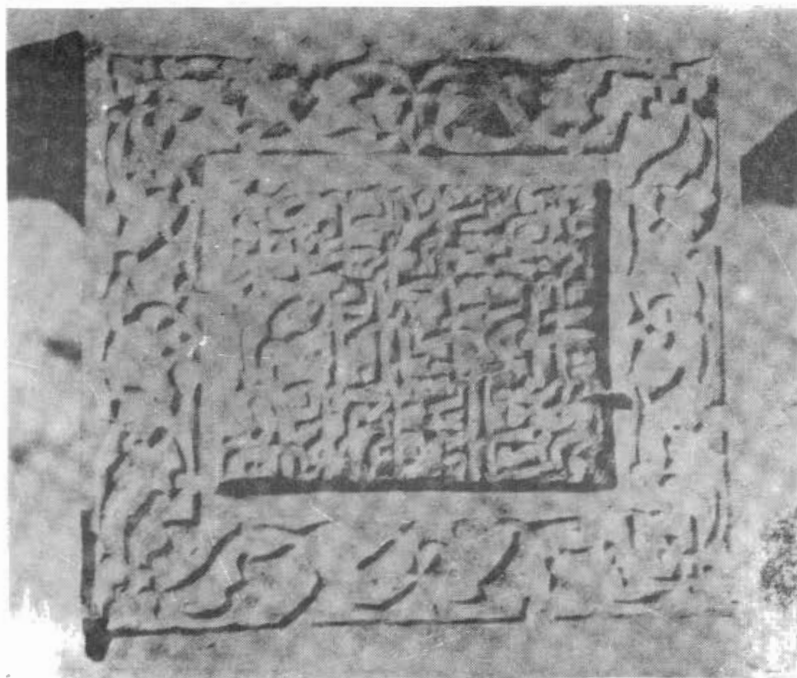


—۱۰۹—

تیسریں چھ سو سال کی تاریخ بتانے والی تختی (۱)

تیسریں چھ سو سال کی تاریخ بتانے والی تختی (۲)

تیسریں چھ سو سال کی تاریخ بتانے والی تختی (۱) - ۱۰۹



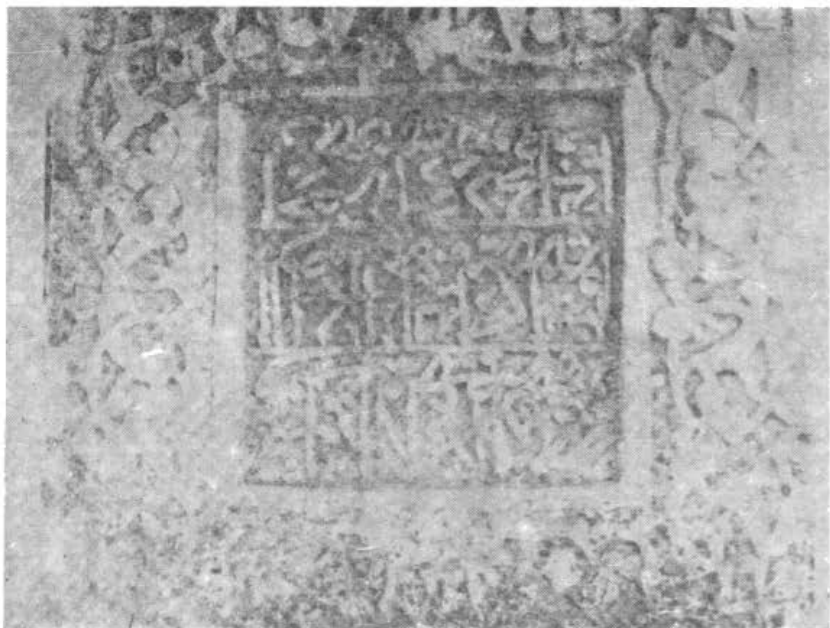
(۱) تہذیب و معاشرت کے مطالعہ کے لیے درج ذیل ہیں۔

(۳) ابنی حضرت مرحوم امیر محمود طغیانی

(۲) (الواصل الی رحمۃ اللہ) امیر کبیر امیر قاسم

(۱) وفات یافتہ امیر الاعظم مرحوم و مغفور

کتابتہ کا جائزہ - ۱۱۰



-مجله تحقیقات و پژوهش در تاریخ و جغرافیا-
(۱) تاریخ و جغرافیا

۵۶۵۰ شماره دوازدهم، بهار ۱۳۶۵ (۵)

(۴) در تاریخ و جغرافیا

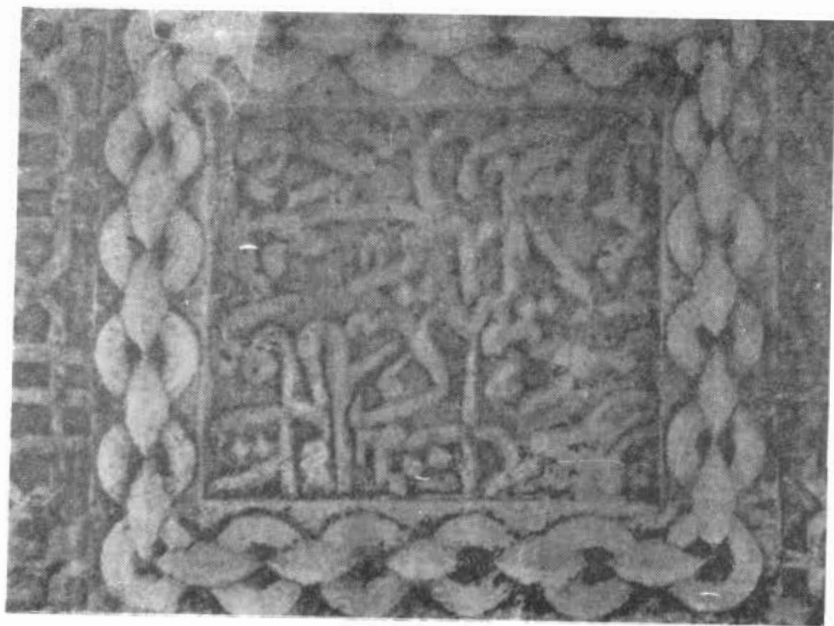
۱۱۱ - پایانی و آغاز



سید محمد امیر حیدر پور لاس (۲)

(۱) وفات مائیکه بنت امیر مرحوم

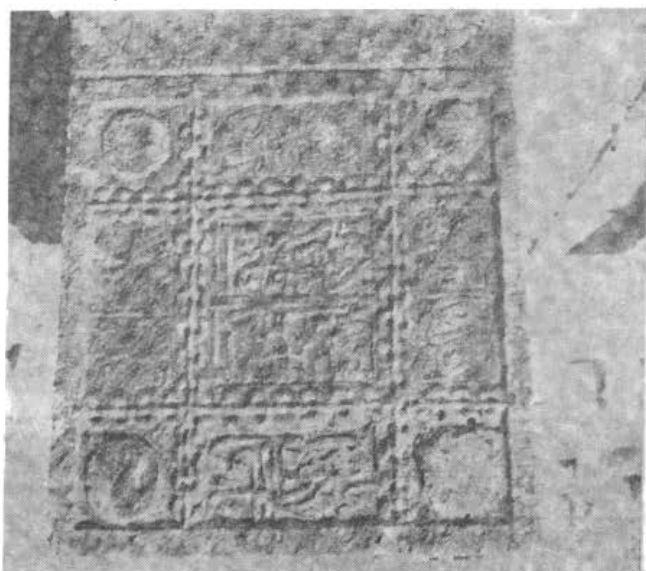
۹۷۶ - ۱۱۲۰



کے کچھ نوجوان لکھائی ہوئی دیواری نقشے، جن میں درج ذیل کے نام ملتے ہیں: (۱)

- (۸) ترخان بن تاریخ ۱۰۰۰ء سنہ ۴
- (۷) محمد
- (۶) ترخان بن
- (۵) السلطان امیر محمد بیگ
- (۴) الی خواجہ الملک
- (۳) الواصل
- (۲) مغوری
- (۱) وفات یافتہ مرحوم

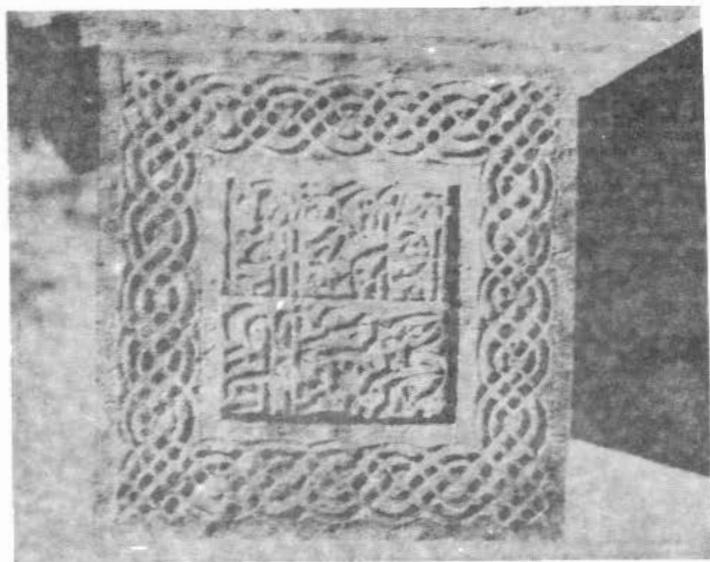
۱۱۰۰ء سنہ ۱۱



۱۰۰۰... در تاریخ ۱۳۸۵ (۲)

جہاں تک ممکن ہو کر سکتا ہے (۱) (وقت)

011- 444444

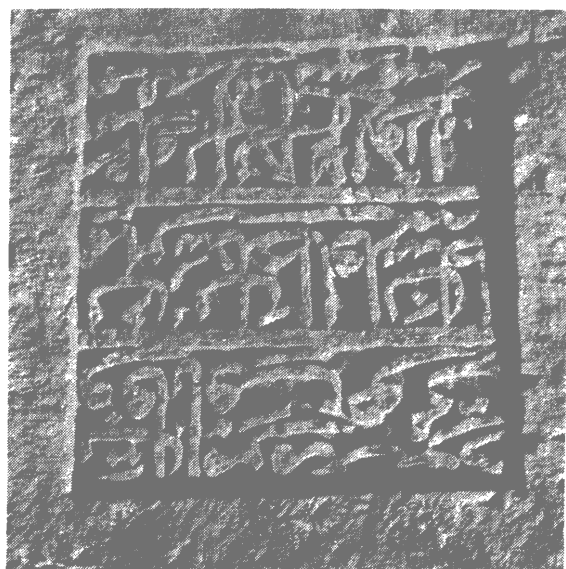


۱۰۰۱ سنه اول جمادی شهر پنج ربتار لار بنگلام (۳)

(۲) ستر سلطان قلی بن ستر سلطان

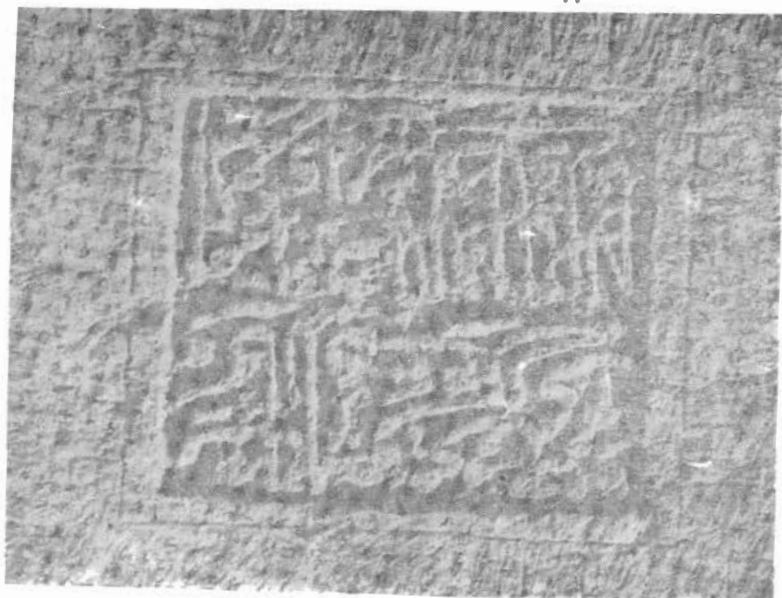
(۱) وفات یافت مرحومي مغفوري

۱۰۰۱ سنه ۱۱۹



سید الشہداء علیہ السلام کے بارے میں تحریر (۱)

رکعتی قلی احمد ان سلطان بن علی محمد (۲)
 دیوبندی مرحومیت یافتہ (۱) - ۷۱۱



ویلائی وای وای اسدای وای (۲) جدا گشت از اسدای وای

ویلائی وای وای وای وای (۱) - ۷۱۱



(۸) جدا شد شمس از برج اسد وادی

و خسرو گفت گشتی وفاتی سال (۳) - ۱۱۹



۱۰۱۵ هـ اول ربيع الثاني (۵) شهر ربيع

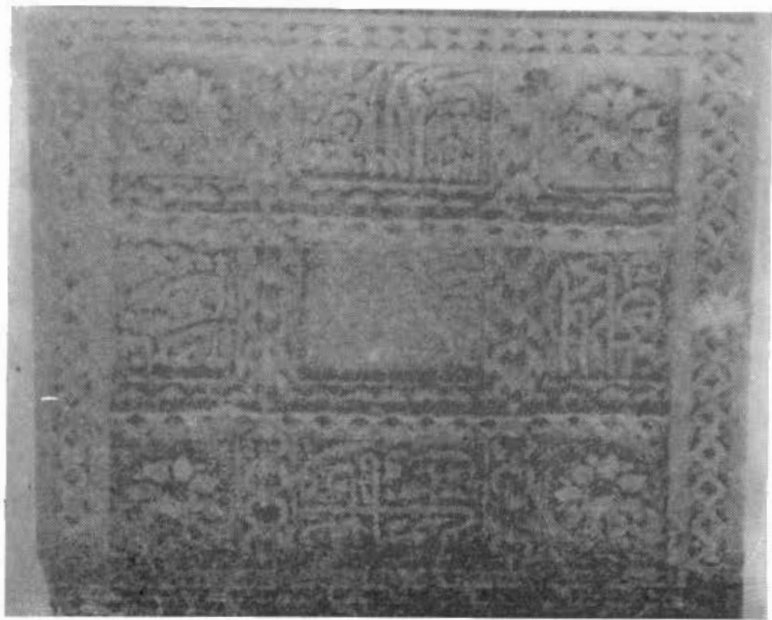
(۴) بائع خان تارنج

(۳) مستی بیگ بن استر

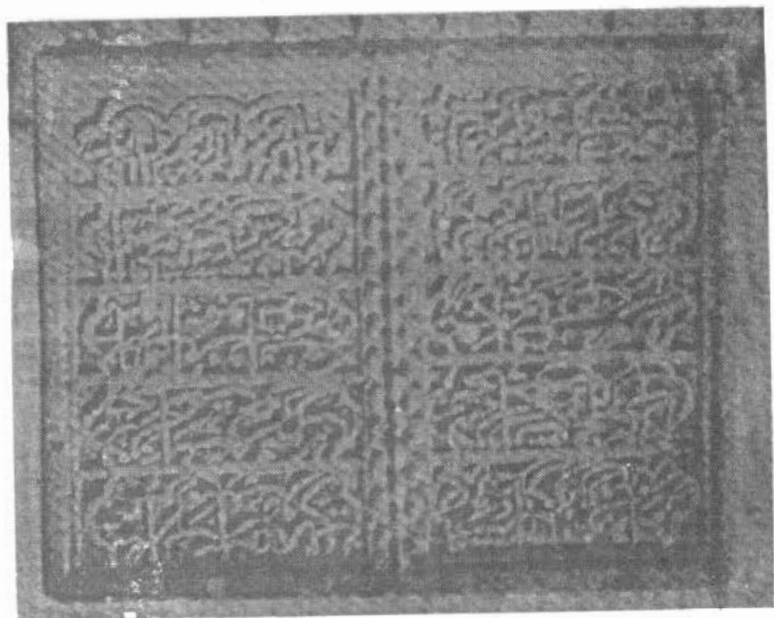
(۲) مستوری مستر

(۱) وفات یافت مرجمی

۱۰۲۰ هـ - ۱۰۲۲ هـ مستی بیگ



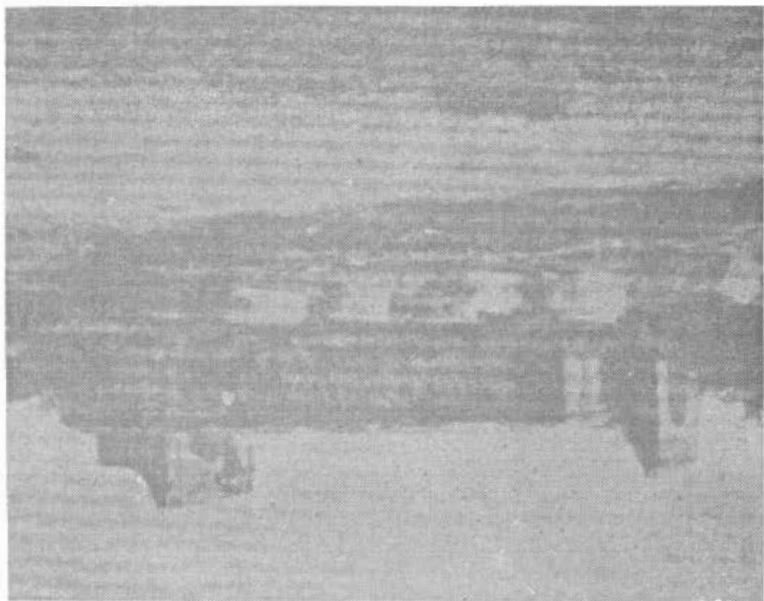
مكتبة محمد بن عبد الله - ١٢١



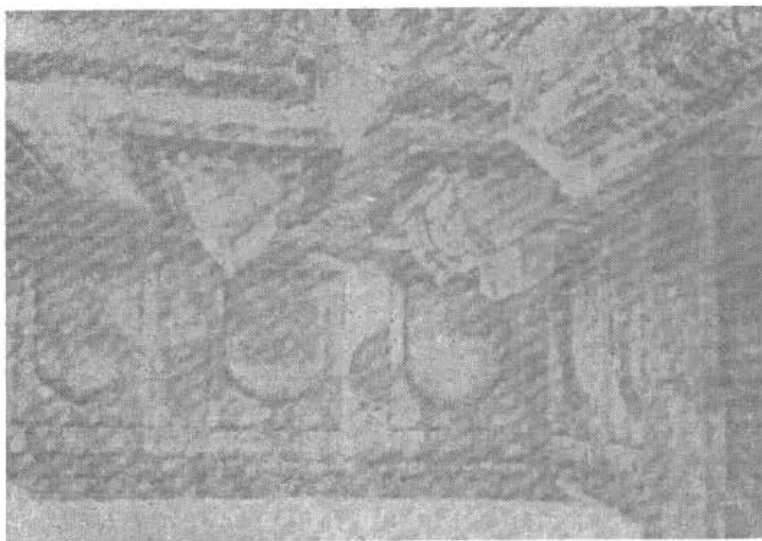
سنگی زاهدی - ۱۲۲



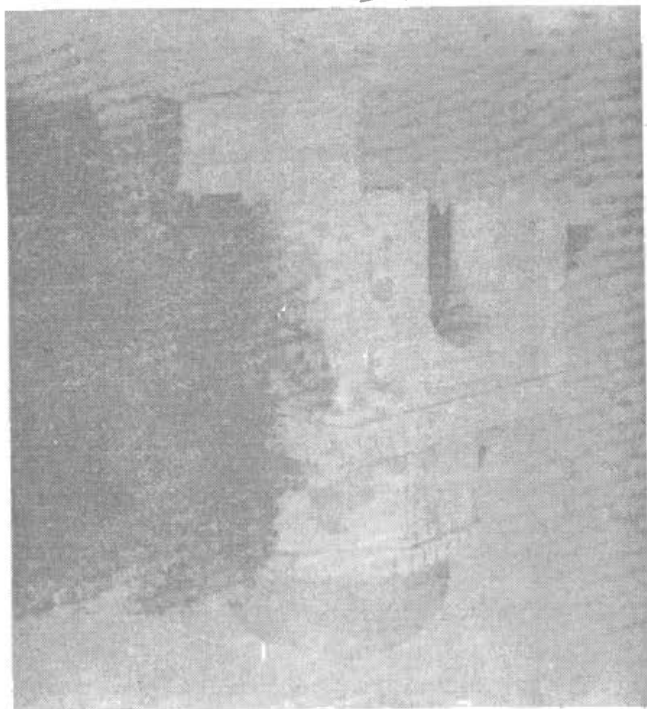
گورستان محمد یوسف رضوی - ۱۲۳



ات مزارات کے مبنوی رضوی اور بدیسی یوسف محمد سید - ۱۲۲



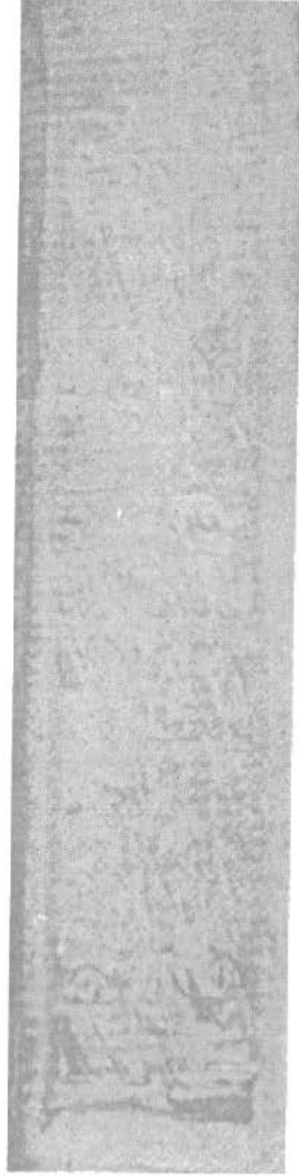
تسلا ۱۰۵۱ - ۸۱۱



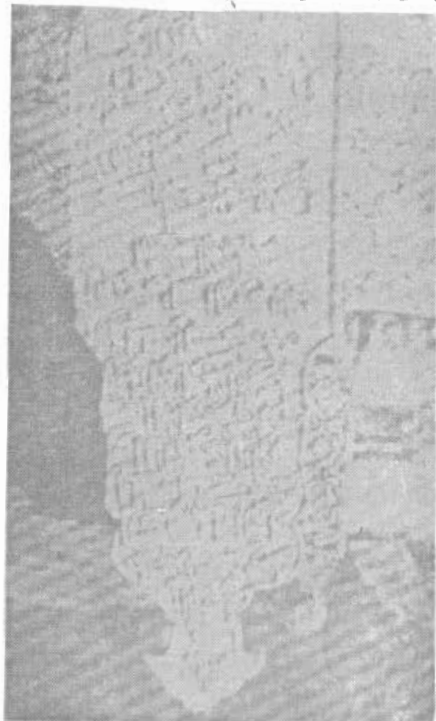
تسلا ۱۰۵۱ - ۵۱۱



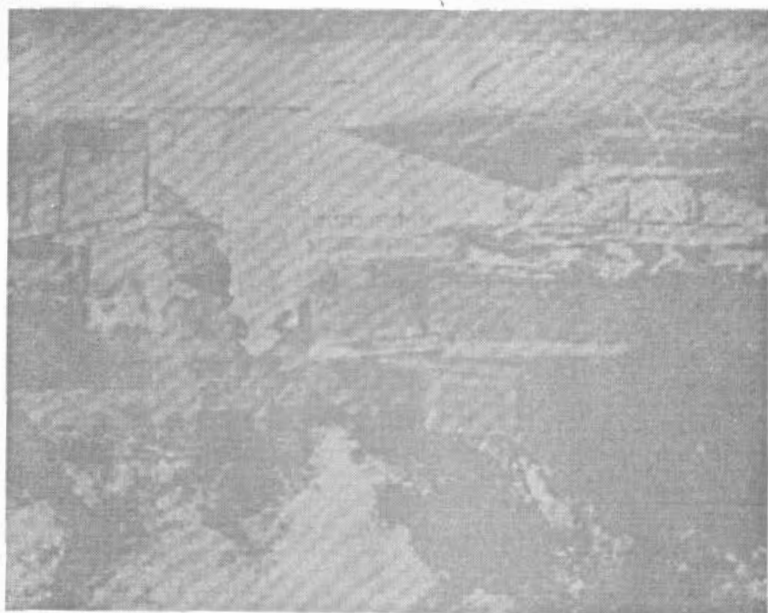
۱۲۷۔ جلوہ گاہ امامین کے دروازے کے کتبہ



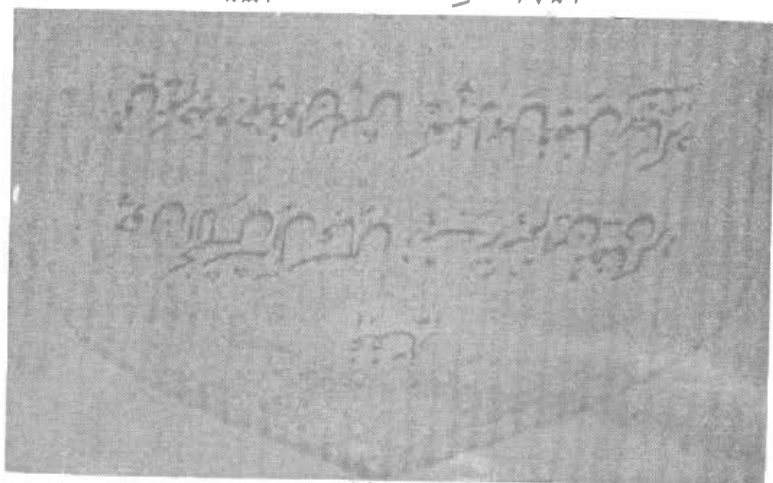
شیراز کے مزار کا منظر - ۱۲۸



شیراز کے مزار کا منظر - ۱۲۸



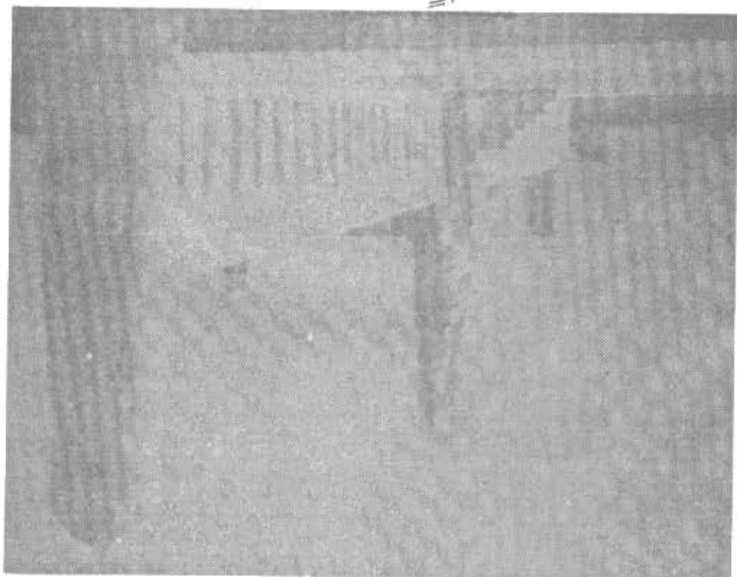
۱۲۸۱ کتبہ شدہ - ۱۳۲



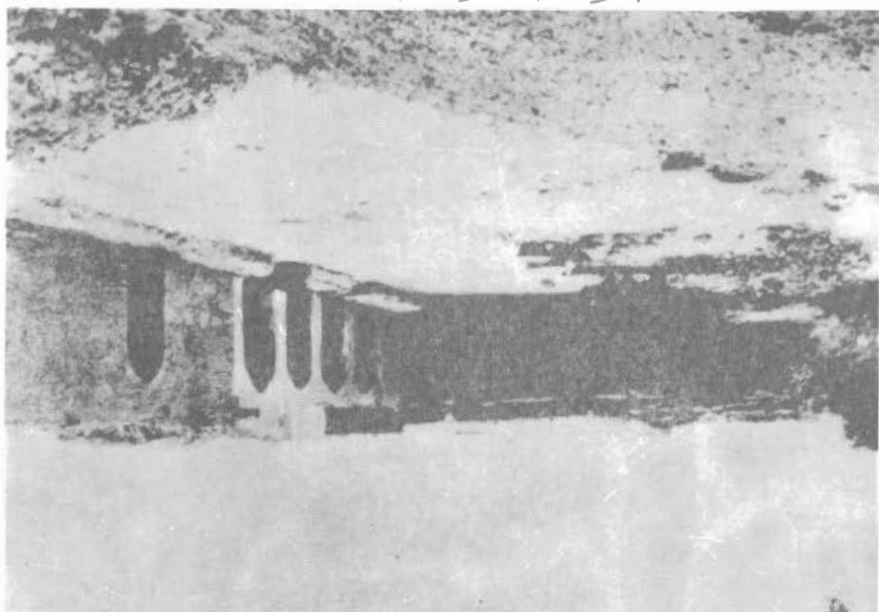
۱۳۰۱ کتبہ شدہ - ۱۳۱

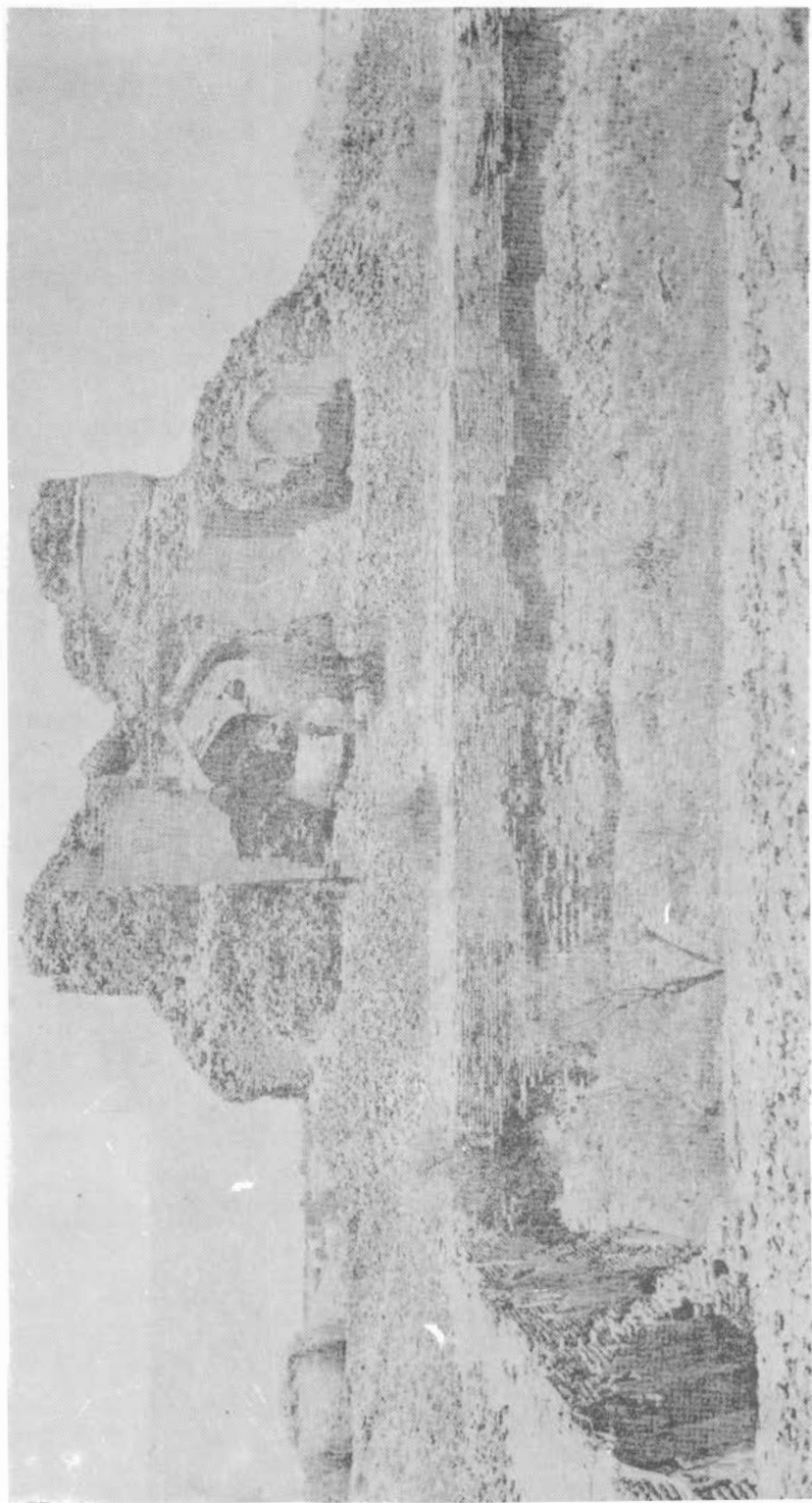


۱۳۰ کتبہ شدہ - ۱۳۰



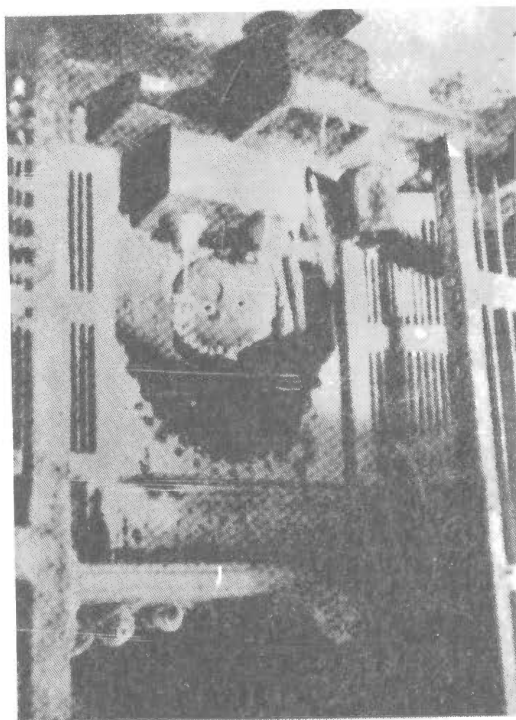
(حجہ) حجہ کے لئے رہائش کی سہولتوں کی بنیاد پر عالی شان عمارت - ۱۳۱۱ھ

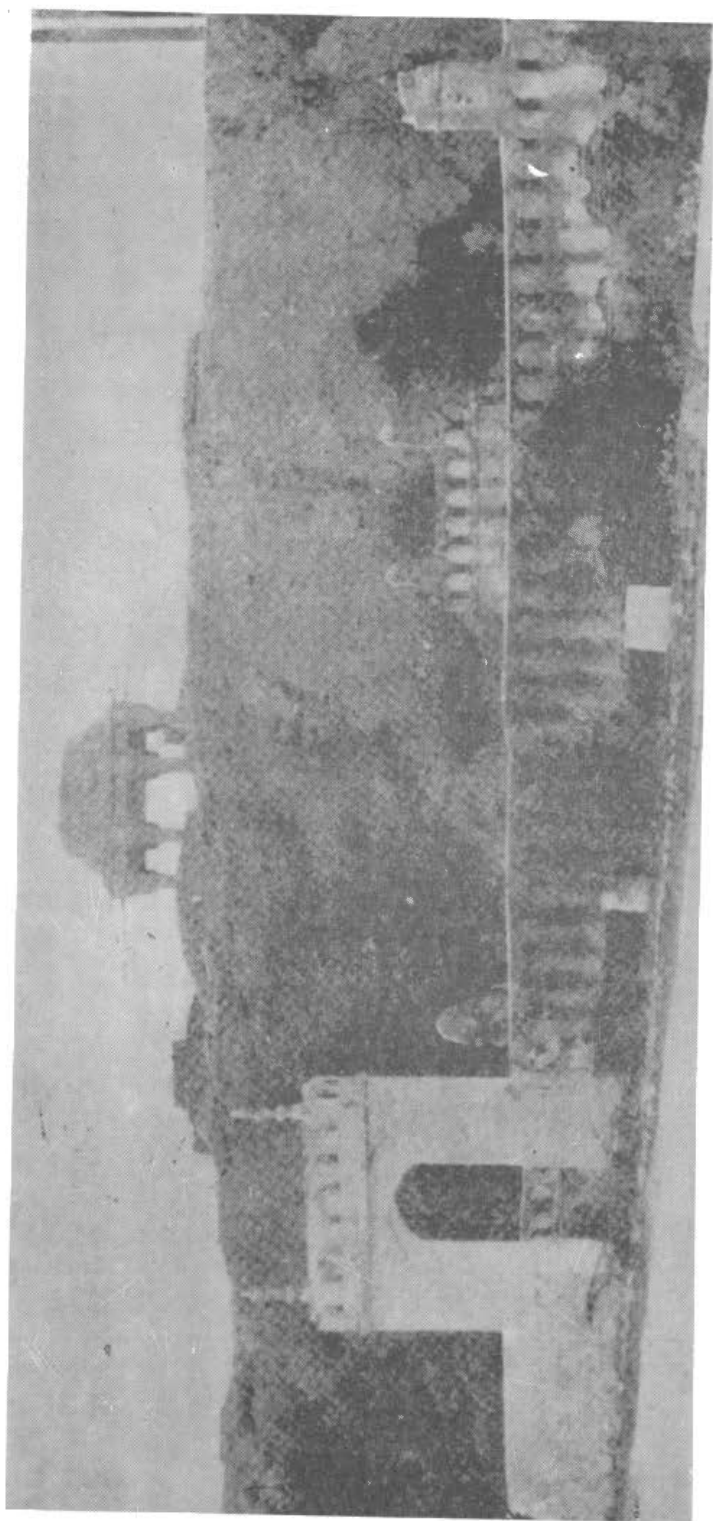




۱۳۲ - طغرل آباد- مسجد و تالاب

۱۳۵ - ۱۳۶





۱۳۶ - مسجد اسلام پور